

انعام الہادی

دروس بخاری شریف

افادات

شیخ الاسلام حضرت لانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ

جامعہ دارالعلوم کراچی میں درس بخاری شریف کے دوران
حضرت شیخ الحدیث کی جامع بصیرت افروز اور رُوح پرور تقاریر

صحیح البخاری: الجزء الأول

کتاب الصلوة، کتاب مواقیئ الصلاة،

کتاب الأذان

رقم الحدیث: ۳۴۹ - ۸۷۵

جلد - ۳

ضبط و ترتیب: فتح و مراجعت

محمد الزور حسین عقیقی عہدہ

فاضل و متخصص جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

مکتبہ الحراء

Phone: +9221-35031839, Cell: 0300-3360816

E-mail: maktabahera@yahoo.com

انعام الباری

﴿ دروس بخاری شریف ﴾

افادات

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ

جامعہ دارالعلوم کراچی میں درس بخاری شریف کے دوران

حضرت شیخ الحدیث کی جامع، بصیرت افروز اور روح پرور تقاریر

جلد - ۳

صحیح البخاری : الجزء الأول

کتاب الصلاة ، کتاب مواقیت الصلاة ، کتاب الاذن

رقم الحدیث : ۳۴۹ - ۸۷۵

ضبط و ترتیب تخریج و مراجعت

محمد انور حسین عفی عنہ

فاضل و متخصص جامعہ دارالعلوم کراچی۔

Publisher :

• Maktabatul Hera

8/131,36-A, Double Room, "K" Area Korangi, Karachi.

Contact: 0092 21 35031039, Mob: 0092 300-3360816

Email: maktabahera@yahoo.com & info@deeneislam.com

www.deeneislam.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	:	انعام الباری دروس صحیح البخاری جلد ۳
افادات	:	شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ
ضبط و ترتیب تحریر و مراجعت	:	محمد انور حسین (فاضل و متخصص جامعہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴)
ناشر	:	مکتبہ الحراء، ۸/۱۳۱، ڈبل روم "K" ایریا کورنگی، کراچی، پاکستان۔
باہتمام	:	محمد انور حسین غنی عنہ
کیپوزنگ	:	حراء کیپوزنگ سینٹر فون نمبر: 0092 21 35031039

ناشر: مکتبہ الحراء

8/131 سکٹر 36A ڈبل روم، "K" ایریا، کورنگی، کراچی، پاکستان۔

فون: 35031039 موبائل: 03003360816

E-Mail: maktabahera@yahoo.com & info@deeneislam.com

website: www.deeneislam.com

﴿ملنے کے پتے﴾

مکتبہ الحراء۔ فون: 35031039، موبائل: 03003360816

E-Mail: maktabahera@yahoo.com

- ☆ ادارہ اسلامیات، موہن روڈ، چوک اردو بازار کراچی۔ فون 021 32722401
- ☆ ادارہ اسلامیات، ۱۹۰، انارکلی، لاہور۔ پاکستان۔ فون 042 3753255
- ☆ ادارہ اسلامیات، دینا ناتھ منشن مال روڈ، لاہور۔ فون 042 37324412
- ☆ مکتبہ معارف القرآن، جامعہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴۔ فون 021 35031565-6
- ☆ ادارۃ المعارف، جامعہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴۔ فون 021 35032020
- ☆ دارالاشاعت، اردو بازار کراچی۔ فون 021 32631861

☆



افتتاحیہ

از: شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی

شیخ الحدیث جامعہ دارالعلوم کراچی

الحمد لله رب العالمین ، و الصلاة و السلام علی خیر خلقه سیدنا و مولانا
محمد خاتم النبیین و امام المرسلین و قائد الغر المحجلین ، و علی آلہ و أصحابہ
أجمعین ، و علی کل من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين .
أما بعد :

۲۹ / ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ بروز ہفتہ کو بندے کے استاذ معظم حضرت مولانا ”سحبان محمود“
صاحب قدس سرہ کا حادثہ وفات پیش آیا تو دارالعلوم کراچی کے لئے یہ ایک عظیم سانحہ تھا۔ دوسرے بہت سے
مسائل کے ساتھ یہ مسئلہ بھی سامنے آیا کہ صحیح بخاری کا درس جو سالہا سال سے حضرت کے سپرد تھا، کس کے حوالہ کیا
جائے؟ بالآخر یہ طے پایا کہ یہ ذمہ داری بندے کو سونپی جائے۔ میں جب اس گرانبار ذمہ داری کا تصور کرتا تو وہ
ایک پہاڑ معلوم ہوتی۔ کہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ پر نور کتاب، اور کہاں مجھ جیسا مفلس علم اور تہی دست
عمل؟ دور دور بھی اپنے اندر صحیح بخاری پڑھانے کی صلاحیت معلوم نہ ہوتی تھی۔ لیکن بزرگوں سے سنی ہوئی یہ بات
یاد آئی کہ جب کوئی ذمہ داری بڑوں کی طرف سے حکماً ڈالی جائے تو اللہ جلّ جلالہ کی طرف سے توفیق ملتی ہے۔ اس
لئے اللہ جلّ جلالہ کے بھروسے پر یہ درس شروع کیا۔

عزیز گرامی مولانا محمد انور حسین صاحب سلمہ مالک مکتبہ الحراء، فاضل و متخصص جامعہ دارالعلوم
کراچی نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے یہ تقریر ضبط کی، اور پچھلے چند سالوں میں ہر سال درس کے دوران اس
کے مسودے میری نظر سے گزرتے رہے۔ کہیں کہیں بندے نے ترمیم و اضافہ بھی کیا ہے۔ طلبہ کی ضرورت کے
پیش نظر مولانا محمد انور حسین صاحب نے اس کے ”کتاب بدء الوحی“ سے ”کتاب البیوع“ آخر تک
کے حصوں کو نہ صرف کمپیوٹر پر کمپوز کر لیا، بلکہ اس کے حوالوں کی تخریج کا کام بھی کیا جس پر ان کے بہت سے
اوقات، محنت اور مالی وسائل صرف ہوئے۔

دوسری طرف مجھے بھی بحیثیت مجموعی اتنا اطمینان ہو گیا کہ ان شاء اللہ اس کی اشاعت فائدے سے خالی

نہ ہوگی، اور اگر کچھ غلطیاں رہ گئی ہوں گی تو ان کی تصحیح جاری رہ سکتی ہے۔ اس لئے میں نے اس کی اشاعت پر رضامندی ظاہر کر دی ہے۔ لیکن چونکہ یہ نہ کوئی باقاعدہ تصنیف ہے، نہ میں اس کی نظر ثانی کا اتنا اہتمام کر سکا ہوں جتنا کرنا چاہئے تھا، اس لئے اس میں قابل اصلاح امور ضرور رہ گئے ہوں گے۔ اہل علم اور طلبہ مطالعہ کے دوران جو ایسی بات محسوس کریں، براہ کرم بندے کو یا مولانا محمد انور حسین صاحب کو مطلع فرمادیں تاکہ اس کی اصلاح کر دی جائے۔

تدریس کے سلسلے میں بندے کا ذوق یہ ہے کہ شروع میں طویل بحثیں کرنے اور آخر میں روایت پر اکتفا کرنے کے بجائے سبق شروع سے آخر تک توازن سے چلے۔ بندے نے تدریس کے دوران اس اسلوب پر عمل کی حتی الوسع کوشش کی ہے۔ نیز جو خالص کلامی اور نظریاتی مسائل ماضی کے ان فرقوں سے متعلق ہیں جو اب موجود نہیں رہے، ان پر بندے نے اختصار سے کام لیا ہے، تاکہ مسائل کا تعارف تو طلبہ کو ضرور ہو جائے، لیکن ان پر طویل بحثوں کے نتیجے میں دوسرے اہم مسائل کا حق تلف نہ ہو۔ اسی طرح بندے نے یہ کوشش بھی کی ہے کہ جو مسائل ہمارے دور میں عملی اہمیت اختیار کر گئے ہیں، ان کا قدرے تفصیل کے ساتھ تعارف ہو جائے، اور احادیث سے اصلاح اعمال و اخلاق کے بارے میں جو عظیم روایات ملتی ہیں اور جو احادیث پڑھنے کا اصل مقصود ہونی چاہئیں، ان کی عملی تفصیلات پر بقدر ضرورت کلام ہو جائے۔

قارئین سے درخواست ہے کہ وہ بندہ ناکارہ اور اس تقریر کے مرتب کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔
جزاہم اللہ تعالیٰ۔

مولانا محمد انور حسین صاحب سلمہ نے اس تقریر کو ضبط کرنے سے لیکر اس کی ترتیب، تخریج اور اشاعت میں جس عرق ریزی سے کام لیا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی بہترین جزا انہیں دنیا و آخرت میں عطا فرمائیں، ان کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرما کر اسے طلبہ کے لئے نافع بنائیں، اور اس ناکارہ کے لئے بھی اپنے فضل خاص سے مغفرت و رحمت کا وسیلہ بنا دے۔ آمین۔

جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

۱۲ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ

۱۹ فروری ۲۰۱۰ء بروز جمعہ

بندہ محمد تقی عثمانی

جامعہ دارالعلوم کراچی

عرضِ ناشر

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

آٹا بعد - جامعہ دارالعلوم کراچی میں صحیح بخاری شریف کا درس سالہا سال سے استاذ معظم شیخ الحدیث حضرت مولانا سحابان محمود صاحب قدس سرہ کے سپرد رہا۔ ۲۹ رذی الحجہ ۱۴۱۹ھ بروز ہفتہ کو جب شیخ الحدیث کا سانحہ ارتحال پیش آیا تو یہ درس ۴ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ سے شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کے سپرد ہوا۔ اسی روز صبح ۸ بجے سے مسلسل ۲ سال تک کے یہ دروس ٹیپ ریکارڈر کی مدد سے ضبط کئے گئے۔ یہ سب کچھ احقر نے اپنی ذاتی دلچسپی اور شوق سے کیا، استاد محترم نے جب یہ صورتحال دیکھی تو اس خواہش کا اظہار کیا کہ یہ مواد کتابی شکل میں آجائے تو بہتر ہوگا اور یہ کہ ٹیپ ریکارڈر سے نقل کر کے تحریر شدہ شکل میں مجھے دکھایا جائے تاکہ میں اس پر سبقاً سبقاً نظر ڈال سکوں، چنانچہ ان دروس کو تحریر میں لانے کا بنام باری تعالیٰ آغاز ہوا اور اب بحمد اللہ اس کی سات جلدیں ”انعام الباری“ کے نام سے طبع ہو چکی ہیں۔

یہ کتاب ”انعام الباری“ جو آپ کے ہاتھوں میں ہے: یہ بڑا قیمتی علمی ذخیرہ ہے، استاد موصوف کو اللہ تعالیٰ نے جس تبحر علمی سے نوازا ہے اس کی مثالیں کم ملتی ہیں، حضرت جب بات شروع فرماتے ہیں تو علوم کے دریا بہنا شروع ہو جاتے ہیں، علوم و معارف کا جو بہت ساری کتابوں کے چھاننے کے بعد عطر نکلتا ہے وہ ”انعام الباری“ میں دستیاب ہے، آپ دیکھیں گے کہ جگہ جگہ استاذ موصوف کا تفقہ علمی تشریحات، ائمہ اربعہ کے فقہی اختلافات پر محققانہ مدلل تبصرے علم و تحقیق کی جان ہیں۔

صاحبان علم کو اگر اس کتاب میں کوئی ایسی بات محسوس ہو جو ان کی نظر میں صحت و تحقیق کے معیار سے کم ہو اور ضبط و نقل میں ایسا ہونا ممکن بھی ہے تو اس نقص کی نسبت احقر کی طرف کریں اور ازراہ عنایت اس پر مطلع بھی فرمائیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسلاف کے ان علمی امانتوں کی حفاظت فرمائے، اور ”انعام الباری“ کے باقی ماندہ جلدوں کی تکمیل کی جلد از جلد توفیق عطا فرمائے تاکہ حدیث و علوم حدیث کی یہ امانت اپنے اہل تک پہنچ سکے۔

آمین یا رب العالمین . و ما ذلک علی اللہ بعزیز

بندہ: محمد انور حسین عفی عنہ

فاضل و متخصص جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

۱۲ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ بمطابق ۱۹ فروری ۲۰۱۰ء - جمعہ

خلاصة الفهارس



تسلسل	كتاب	رقم الحديث	صفحة
١	كتاب الصلاة	٥٢٠ - ٣٤٩	٣٦
٢	كتاب مواقيت الصلاة	٦٠٢ - ٥٢١	٢٩٣
٣	كتاب الأذان	٦٥٠ - ٦٠٣	٣٩٢

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۸	سائنس عاجز ہے	۳	پیش لفظ
۵۹	ارواح پہلے آسمان پر کیسے پہنچیں؟	۵	عرض ناشر
۵۹	سوال	۳۷	عرض مرتب
۵۹	جواب	۴۷	۸ - کتاب الصلاة
۵۹	اشکال		(۱) باب کیف فرضت الصلاة فی
۶۰	پہلا جواب	۴۷	الاسراء،
۶۰	دوسرا جواب	۴۷	شب معراج میں نماز کس طرح فرض کی گئی
۶۰	تیسرا جواب	۴۷	لفظ "صلوة" کے معنی اور وجہ تسمیہ
۶۱	کون سے نبی سے کس آسمان پر ملاقات ہوئی؟	۴۹	کیفیت مشروعیت نماز
۶۱	پہچان کا آسان طریقہ		واقعہ "لیلۃ الاسراء" کے وقوع میں
۶۳	سوال	۵۰	اقوال ششی
۶۳	جواب	۵۰	حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی رائے
۶۳	سوال	۵۰	مقصود امام بخاری رحمہ اللہ
۶۳	پہلا جواب	۵۳	اسراء اور معراج میں فرق
۶۳	دوسرا جواب	۵۳	دوسرا مسئلہ: معراج جسمانی تھی یا روحانی؟
۶۳	تیسرا جواب	۵۳	جمہور اہل سنت والجماعت کا عقیدہ
۶۴	اہل عشق کے لئے عجیب نکتہ	۵۴	علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی رائے
۶۵	حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا فرمان	۵۴	حدیث کی تشریح
۶۶	"حجائیل" کا مطلب	۵۴	شق صدر اور اس کی حکمت
۶۷	مشروعیت نماز کا ابتدائی حصہ	۵۵	شق صدر کتنی مرتبہ ہوا؟ مختلف اقوال
۶۷	سفر میں قصر کرنا عزیمت ہے	۵۵	شق صدر سے متعلق متجددین کا خیال خام
۶۷	ضعیف استدلال	۵۶	آسمان کے وجود سے متعلق سائنسدانوں کا نظریہ
۶۸	حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی رائے	۵۷	آسمان کا وجود یقینی ہے
۶۸	(۲) باب وجوب الصلاة فی الشیاب	۵۷	عدم علم اشیء عدم وجود اشیء کو مستلزم نہیں

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۷۶	(۶) باب اذا كان الثوب ضيقا	۶۸	کپڑے پہن کر نماز پڑھنا فرض ہے
۷۶	جب کپڑا تنگ ہو تو کس طرح نماز پڑھے	۶۹	مقصود امام بخاری رحمہ اللہ
۷۷	ثوب واحد میں نماز کا حکم	۷۰	خمیس کے ساتھ عرب کا عقیدہ
۷۸	شریعت کی دو رائدیشی	۷۰	طواف عریاں کی ممانعت
۷۸	لفظ "ابن" کے پڑھنے میں ایک اہم غلطی پر تنبیہ		مقصود اصلی ستر عورت ہے، کپڑوں کی تعداد کی
۷۹	(۷) باب الصلاة في الجبة الشامية،	۷۰	قید نہیں
۷۹	جہ شامیہ میں نماز پڑھنے کا بیان	۷۱	پہلی حالت
۷۹	ترجمۃ الباب سے امام بخاری کا مقصود	۷۱	دوسری حالت
۷۹	پہلا مسئلہ: کفار کے ساتھ وضع قطع میں مشابہت کا حکم	۷۱	تیسری حالت
۷۹	دوسرا مسئلہ: کفار کے بنائے ہوئے کپڑوں کا حکم	۷۲	خلاصہ بحث
۸۰	تیسرا مسئلہ: کفار کے استعمال شدہ کپڑوں کا حکم	۷۲	حالت مجامعت میں پہنے ہوئے کپڑے کا حکم
۸۱	حدیث کا مطلب	۷۲	منی کی نجاست پر حنفیہ کا استدلال
۸۱	(۸) باب كراهية التعري في الصلاة		(۳) باب عقد الإزار على القفا في
۸۱	نماز میں اور غیر نماز میں ننگے ہونے کی کراہت کا بیان	۷۳	الصلوة،
۸۲	انبیاء قبل البعث بھی معصوم ہوتے ہیں	۷۳	نماز میں تہبند کا پشت پر باندھنے کا بیان
۸۲	وضاحت	۷۴	بغرض تعلیم کوئی کام کرنے کا حکم
	(۹) باب الصلاة في القميص و		(۴) باب الصلوة في الثوب الواحد
۸۲	السراويل والتبان والقباء	۷۴	ملتحف بہ،
۸۲	قمیص، سراویل، تبنان اور قبائیں نماز پڑھنے کا بیان	۷۴	صرف ایک کپڑے کو لپیٹ کر نماز پڑھنے کا بیان
۸۳	مقصود بخاری رحمہ اللہ		(۵) باب إذا صلى في الثوب الواحد
۸۳	(۱۰) باب ما يسترو من العورة	۷۶	فليجعل على عاتقيه
۸۳	ستر عورت کا بیان		جب ایک کپڑے کا میں نماز پڑھے، تو چاہیے
۸۴	"اشتغال الصماء" کی تفسیر اور حکم	۷۶	کہ اس کا کچھ حصہ اپنے شانے پر ڈال لے
۸۴	"احتباء" کا طریقہ اور اس سے وجہ ممانعت	۷۶	حدیث باب کی تشریح

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۹۵	”رکبہ“ عورت میں داخل نہ ہونے پر شوافع کی دلیل	۸۵	مشرکین کو حج کرنے اور ننگے طواف کرنے سے ممانعت
۹۵	حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقام فہم	۸۶	(۱۱) باب الصلاة بغیر رداء
۹۵	اور مراتب شریعہ سے متعلق ایک نفیس بحث	۸۶	بغیر چادر کے نماز پڑھنے کا بیان
۹۷	مراتب احکام کا لحاظ رکھنا ضروری ہے	۸۶	(۱۲) باب ما یذکر فی الفخذ
۹۷	مراتب الاحکام کی نظیر	۸۶	ران کے بارے میں جو روایتیں آتی ہیں ان کا بیان
۹۸	نکیر میں بھی مراتب محرمات کا لحاظ ضروری ہے	۸۶	حنفیہ کا مسلک
۹۹	کرسیوں پر بیٹھ کر کھانا جائز اور حرام نہیں	۸۷	شوافع کا مسلک
۹۹	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کا قول	۸۷	حنابلہ کا مسلک
۱۰۰	خلاصہ بحث	۸۸	مالکیہ کا مسلک
۱۰۰	”احوط“ کا مطلب	۸۸	و دیگر ائمہ کا مسلک
۱۰۱	تشریح عبارت	۸۹	تحقیقی مسئلہ
۱۰۲	تشریح حدیث	۹۰	خلاصہ بحث و اختلاف مذاہب
۱۰۳	حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا مہر	۹۰	مسئلہ مذکورہ میں وجہ اختلاف
۱۰۴	حضرت نبی کریم ﷺ کا ولیمہ		”فخذ“ کو عورت میں داخل نہ ماننے
۱۰۴	سوال و جواب	۹۰	والوں کے دلائل
	(۱۳) باب: فی کم تصلي المرأة من الغیاب؟	۹۱	”فخذ“ کو عورت قرار دینے والوں کے دلائل تینوں
۱۰۵	عورت کتنے کپڑوں میں نماز پڑھے	۹۲	روایتوں کے بارے میں امام بخاری کا فیصلہ
۱۰۵	عورت کے لئے دوران نماز مستحب کپڑے		”فخذ“ کے عورت قرار دینے والوں کی طرف سے
۱۰۵	حدیث کی تشریح	۹۳	حدیث انس رضی اللہ عنہ کا جواب
۱۰۶	”غسل“ میں نماز فجر کی ادائیگی	۹۳	”فخذ“ کو عورت قرار دینے والوں کی طرف سے
	(۱۴) باب: إذا صلی فی ثوب لہ	۹۴	واقعہ عثمان رضی اللہ عنہ کا جواب
۱۰۶	اعلام ونظر الی علمہا	۹۴	ایک عقلی دلیل اور ترجیحات کا قاعدہ
		۹۴	احناف کے نزدیک رکبہ عورت میں داخل ہے۔

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۱۲	امام اور مقتدی کے اختلاف مقام کا حکم		ایسے کپڑوں میں نماز پڑھنے کا بیان، جس میں
۱۱۲	جنس ارض کے شرط نہ ہونے پر تائید اول	۱۰۶	نقش و نگار ہوں اور ان پر نظر پڑے
۱۱۲	طہارت مکان کی احترازی صورت	۱۰۷	منتشخل فی الصلاۃ اشیاء پر نماز کا حکم
۱۱۳	دوسرے مسئلہ کی دلیل		(۱۵) باب: ان صلی فی ثوب مصلب
۱۱۴	منبر نبوی کی تفصیل		او تصاویر هل تفسد صلاته؟ وما
۱۱۴	حدیث کا ترجمہ	۱۰۸	ینہی من ذلک؟
۱۱۵	عمل قلیل مفسد صلوٰۃ نہیں		اگر کسی کپڑے میں صلیب یا دیگر تصاویر بنی
۱۱۶	”سقوط عن الفرس“ کا واقعہ		ہوں اور اس میں نماز پڑھے تو کیا نماز اس کی
۱۱۷	حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی مساحت	۱۰۸	فاسد ہو جائے گی؟ اور اس کی مخالفت کا بیان
۱۱۸	بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم	۱۰۸	تصویر والے کپڑے میں نماز کا حکم
۱۱۸	مسئلہ مذکورہ میں مذہب متقابلہ	۱۰۹	تصویر والی جگہ نماز پڑھنے کا حکم
۱۱۸	جمہور کا مسلک		(۱۶) باب من صلی فی فروج حریر
۱۱۸	انتیس دن کی حکمت	۱۰۹	ثم نزعہ
۱۱۹	ایلاء کی وجہ		حریر کا جبہ پہن کر نماز پڑھنا پھر اس کو مکروہ سمجھ
	(۱۹) باب: إذا أصاب ثوب المصلي	۱۰۹	کراتا رہینک دینا
۱۱۹	امراتہ إذا سجد	۱۰۹	ریشم کی شاعت
	جب نماز پڑھنے والے کا اس کی عورت کو سجدہ	۱۱۰	(۱۷) باب الصلاة في الثوب الأحمر
۱۱۹	کرتے وقت چھو جائے	۱۱۰	سرخ کپڑے میں نماز پڑھنے کا بیان
۱۱۹	(۲۰) باب الصلاة على الحصى	۱۱۰	مردوں کے لئے سرخ کپڑے کا حکم
۱۱۹	چٹائی پر نماز پڑھنے کا بیان		(۱۸) باب الصلاة في السطوح، و
۱۱۹	”کیفیۃ صلوٰۃ علی السفینۃ“	۱۱۱	المنبر، والخشب،
۱۲۳	(۲۱) باب الصلوة على الخمرة	۱۱۱	چھتوں پر اور منبر اور لکڑیوں پر نماز پڑھنے کا بیان
۱۲۳	خمرہ پر نماز پڑھنے کا بیان	۱۱۱	کیا جائے نماز کا جنس ارض سے ہونا ضروری ہے؟
۱۲۳	(۲۲) باب الصلاة على الفراش	۱۱۱	چھتوں پر، منبر پر اور لکڑی پر نماز پڑھنے کا حکم

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
	(۲۹) باب قبلۃ اہل المدینۃ و اہل	۱۲۳	فرش پر نماز پڑھنے کا بیان
۱۳۰	الشام والمشرق،	۱۲۳	منشأ حدیث
۱۳۰	مدینہ اور شام والوں کا قبلہ اور مشرق والوں کا قبلہ	۱۲۴	(۲۴) باب الصلوۃ فی النعال
۱۳۱	ترجمۃ الباب سے مقصود بخاری	۱۲۴	جو تیوں کے ساتھ نماز پڑھنے کا بیان
۱۳۱	علامہ ابن بطال رحمہ اللہ کی توجیہ	۱۲۴	(۲۵) باب الصلاة فی الخفاف
۱۳۱	صحیح توجیہ	۱۲۴	موزے پہنے ہوئے نماز پڑھنے کا بیان
۱۳۳	”ولکن شرقوا أو غربوا“	۱۲۵	نخسین پر مسح کا حکم
	(۳۰) باب قوله تعالى:	۱۲۵	(۲۶) باب: إذا لم يتم السجود
	﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ	۱۲۵	جب کوئی شخص سجدہ پورا نہ کرے
۱۳۴	مُصَلًّى﴾ [البقرة: ۱۲۵]		(۲۷) باب: يبدى ضبعية ويجافى
۱۳۴	اللہ جلّ جلالہ کا فرمانا کہ مقام ابراہیم کو مصلی بناؤ	۱۲۶	فی السجود
۱۳۴	تشریح باب		سجدہ میں اپنے شانوں کو کھول دے اور اپنے
۱۳۴	طواف کے بعد نماز کا حکم	۱۲۶	دونوں پہلو علیحدہ رکھے
۱۳۵	عمرہ کی ادائیگی میں سعی سے پہلے جماعت کا حکم	۱۲۶	سجدہ کی کیفیت کا بیان
۱۳۶	حدیث کا ترجمہ	۱۲۶	بلا مناسبت آنے والے دو باب
۱۳۶	روایات میں تعارض	۱۲۷	(۲۸) باب فضل استقبال القبلة
۱۳۷	روایتوں میں تطبیق	۱۲۷	استقبال قبلہ کی فضیلت کا بیان
۱۳۷	تعارض	۱۲۸	نماز کی دوسری شرط استقبال قبلہ کا بیان
۱۳۸	جواب تعارض	۱۲۸	اسلام میں عہد و پیمان کی اہمیت
۱۳۸	(۳۱) باب التوجه نحو القبلة حيث كان	۱۲۹	حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت
۱۳۸	جہاں بھی ہو قبلہ کی طرف منہ کرنے کا بیان	۱۲۹	حدیث باب کا صحیح مطلب و مفہوم
۱۳۹	ترجمۃ الباب کا مطلب		حدیث باب سے مرزائی اور منکرین حدیث کا
	فرائض میں استقبال قبلہ حالت سفر میں بھی	۱۳۰	باطل استدلال
۱۳۹	ضروری ہے	۱۳۰	اسلام اور کفر کا صحیح معیار

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۳۷	من المسجد،	۱۳۹	حالت سفر ہو یا حضر نقلی نماز سواری پر پڑھ سکتے ہیں
	ریٹنٹ کا بذریعہ کنکریوں کے مسجد سے صاف	۱۴۱	موضع ترجمہ
۱۳۷	کردینے کا بیان	۱۴۱	فلیتحر الصواب
۱۳۸	آنحضرت ﷺ کا اپنے ہاتھ سے کام کرنا	۱۴۱	عصمت کا مطلب
	(۳۵) باب: لا یصق عن یمینہ فی		(۳۲) باب ماجاء فی القبلة، ومن لم
۱۳۸	الصلاة		یر إلا عادة علی من سہا فصلی إلى
۱۳۸	نماز میں دائیں طرف نہ تھو کے	۱۴۲	غیر القبلة
	(۳۶) باب: لیبصق عن یسارہ أو		قبلہ کے متعلق جو منقول ہے اور جنہوں نے
۱۳۹	تحت قدمہ اليسرى		بھول کر غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھنے والے کے
	حالت نماز میں اگر تھوکنے کی ضرورت ہو تو	۱۴۲	لئے اعادہ ضروری خیال نہیں کیا
	اپنے بائیں جانب یا اپنے بائیں پیر کے نیچے	۱۴۲	مختلف فی مسئلہ
۱۳۹	تھوکنا چاہئے	۱۴۲	احناف کا قول و امام بخاری رحمہ اللہ کا مسلک
۱۳۹	(۳۷) باب كفارة البزاق في المسجد	۱۴۳	امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال
۱۳۹	مسجد میں تھوکنے کے کفارہ کا بیان	۱۴۴	احناف کا استدلال
۱۳۹	(۳۸) باب دفن النخامة في المسجد		حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رب ذوالجلال کے ساتھ تین
۱۳۹	مسجد میں بلغم کے دفن کردینے کا بیان	۱۴۵	چیزوں میں موافقت
	(۳۹) باب إذا بدره البزاق فليأخذ	۱۴۵	حدیث کو لانے کا منشاء
۱۵۰	بطرف ثوبه	۱۴۶	امام بخاری رحمہ اللہ کا منشاء
	جب تھوکنے پر مجبور ہو جائے تو اس کو اپنے		(۳۳) باب حک البزاق بالید من
۱۵۰	کپڑے میں لے لینا چاہئے	۱۴۶	المسجد
	(۴۰) باب عظة الإمام الناس في		تھوک کا ہاتھ کے ذریعے مسجد سے صاف کر
۱۵۰	إتمام الصلاة وذكر القبلة	۱۴۶	دینے کا بیان
	امام کا لوگوں کو نصیحت کرنا کہ وہ اپنی نماز کو مکمل	۱۴۷	مساجد کے احکام
۱۵۰	کریں اور قبلہ کا ذکر		(۳۴) باب حک المخاط بالحصی

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۵۸	باب کا مقصد	۱۵۱	"وراء ظہری" کا مطلب
۱۵۸	(۳۴) باب القضاء واللعان في المسجد		حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ
۱۵۸	مسجد میں مقدمات کا فیصلہ اور لعان کرانے کا بیان	۱۵۱	کا واقعہ
۱۵۸	باب کا مقصد	۱۵۲	(۴۱) باب: هل يقال: مسجد بني فلان؟
	(۴۵) باب: إذا دخل بيتا يصلي حيث	۱۵۲	کیا بنی فلاں کی مسجد کہنا جائز ہے یا نہیں؟
۱۵۹	أمر، ولا يتجسس	۱۵۲	باب قائم کرنے کا مقصد
	کسی کے گھر میں داخل ہو تو جہاں چاہے نماز	۱۵۳	امام بخاری کا استدلال
۱۵۹	پڑھالے یا جہاں اس سے		(۴۲) باب القسمه وتعليق القنوه
۱۵۹	کہا جائے، زیادہ چھان بین نہ کرے	۱۵۳	فی المسجد،
۱۵۹	ترجمہ الباب کا مقصد	۱۵۳	مسجد میں کسی چیز کا تقسیم کرنا اور خوشہ لٹکانے کا بیان
۱۶۰	(۴۶) باب المساجد في البيوت	۱۵۴	ترجمہ الباب سے مقصد
۱۶۰	گھروں میں مسجدیں بنانے کا بیان	۱۵۴	امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک
۱۶۰	گھر کے اندر مسجد بنانا	۱۵۴	مسئلہ کی توضیح
۱۶۱	حدیث کی تشریح	۱۵۴	امام بخاری رحمہ اللہ کا پہلا استدلال
۱۶۲	ظاہر حال کی بنا پر کسی کو منافق نہیں کہہ سکتے	۱۵۵	حضرت مولانا انور شاہ کشمیری کا جواب
	(۴۷) باب: التيمن في دخول	۱۵۵	امام بخاری رحمہ اللہ کا دوسرا استدلال
۱۶۲	المسجد وغيره،	۱۵۶	جواب
	مسجد کے اندر داخل ہونے اور دوسرے کاموں	۱۵۶	بحرین کا مال
۱۶۲	میں دائیں طرف سے ابتدا کرنے کا بیان	۱۵۶	حضرت انور شاہ صاحب کشمیری کی تائید
۱۶۳	ترجمہ الباب کا مقصد	۱۵۷	آپ ﷺ کی مدد سے انکار کرنے کی وجہ
	(۴۸) باب: هل تنبش قبور مشركي		(۴۳) باب من دعى لطعام في
۱۶۳	الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد،	۱۵۷	المسجد ومن أجاب منه
	کیا جاہلیت کے مشرکوں کی قبریں کھود ڈالنا اور		جس کو کھانے کی دعوت مسجد میں دی جائے اور
۱۶۳	ان کی جگہ مسجد بنانا جائز ہے	۱۵۷	جس شخص نے اسے قبول کر لیا

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۷۰	عالم حس اور عالم غیب میں فرق	۱۶۳	ترجمۃ الباب کا مقصد
	(۵۲) باب کراہیۃ الصلاة فی المقابر	۱۶۴	اعتراض
۱۷۱	مقبروں میں نماز پڑھنے کی کراہت کا بیان	۱۶۴	توجیہ
۱۷۱	گھروں میں نماز پڑھنے کی ترغیب	۱۶۴	ایک اور توجیہ
۱۷۲	امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال	۱۶۵	(۴۹) باب الصلاة فی مریض الغنم
	قبرستان میں نماز پڑھنے کے بارے میں حنفیہ	۱۶۵	بکریوں کی بندھنے کی جگہ میں نماز پڑھنے کا بیان
۱۷۲	کا موقف	۱۶۵	(۵۰) باب الصلاة فی مواضع الإبل
۱۷۲	ہیئر وغیرہ کے سامنے نماز کا حکم	۱۶۵	اونٹوں کی بندھنے کی جگہ میں نماز پڑھنے کا بیان
۱۷۲	سوال:	۱۶۶	"مرايض الغنم" میں نماز پڑھنے کا حکم
۱۷۲	جواب:	۱۶۶	"مواضع ابل" میں نماز پڑھنے میں امام رحمہ
	(۵۳) باب الصلاة فی مواضع الخسف والعذاب	۱۶۶	اللہ کا مسلک
۱۷۲	خسف اور عذاب کے مقامات میں نماز پڑھنے کا بیان	۱۶۶	توجیہات
۱۷۲	مقصود بخاری رحمہ اللہ	۱۶۷	دوسری توجیہ:
۱۷۳	تہذیب و تمدن کا تاریخی شہر بابل	۱۶۷	حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی ایک توجیہ
۱۷۳	امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال	۱۶۸	چوتھی توجیہ
۱۷۴	(۵۴) باب الصلاة فی البيعة،		(۵۱) باب من صلی و قد امہ تنور
۱۷۴	گر جائیں نماز پڑھنے کا بیان	۱۶۸	أوشی مایعبد فأراد به وجه الله تعالى
۱۷۵	البيعة		جس شخص نے تنور یا آگ یا کوئی ایسی چیز جس
۱۷۵	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دعوت میں جانے سے انکار		کی پرستش کی جاتی ہے اس کے سامنے کھڑے
۱۷۵	بیعہ میں نماز پڑھنے کی مطلقاً ممانعت نہیں		ہو کر نماز پڑی اور اس نماز میں ذات الہی کی
۱۷۶	(۵۵) باب:	۱۶۸	رضامندی پیش نظر رہی
		۱۶۹	مسئلۃ الباب میں امام بخاری کا مسلک:
		۱۶۹	امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال
		۱۶۹	امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۸۴	تحیۃ المسجد کا افضل طریقہ	۱۷۶	روایت باب سے مقصود بخاریؒ
۱۸۵	(۶۱) باب الحدث فی المسجد	۱۷۷	(۵۶) باب قول النبی ﷺ ”جعلت لی الارض مسجدا و طهورا“
۱۸۵	مسجد میں بے وضو ہو جانے کا بیان	۱۷۷	نبی ﷺ کا یہ فرمایا کہ زمین میرے لئے مسجد اور
۱۸۵	(۶۲) باب بنیان المسجد	۱۷۷	پاک کرنے والی بنائی گئی ہے
۱۸۵	مسجد کی تعمیر کا بیان	۱۷۷	(۵۷) باب نوم المرأة فی المسجد
۱۸۵	تعمیر مسجد کی ترغیب	۱۷۷	عورت کا مسجد میں سونے کا بیان
۱۸۶	مساجد کو مزین کرنے کی حد	۱۷۷	ترجمۃ الباب سے مقصود بخاریؒ
۱۸۶	تعمیر مسجد کے دواہم مسئلے	۱۷۷	عجیب واقعہ
۱۸۸	(۶۳) باب التعاون فی بناء المسجد	۱۷۸	(۵۸) باب نوم الرجال فی المسجد
۱۸۸	مسجد کی تعمیر میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کا بیان	۱۷۹	مسجد میں مردوں کے سونے کا بیان
۱۸۸	ما قبل سے مناسبت	۱۷۹	”نوم فی المسجد“ سے متعلق امام بخاریؒ
۱۸۸	علامہ عینی رحمہ اللہ کا ارشاد	۱۸۰	اور شوافع کا مسلک
۱۸۹	حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی توجیہ	۱۸۰	خفیہ اور مالکیہ کا مسلک
۱۸۹	بعض حضرات کی توجیہ	۱۸۱	روایت باب کا محمل اور جواب
۱۸۹	طلب علم کا شوق	۱۸۲	حدیث کا پس منظر
۱۹۰	حضرت عمارؓ کے ساتھ حب نبوی	۱۸۲	موضع ترجمہ
۱۹۰	حضرت عمارؓ کے بارے میں پیش گوئی	۱۸۳	موضع ترجمہ
۱۹۱	مشاجرات صحابہؓ میں احتیاطی پہلو	۱۸۳	(۵۹) باب الصلاة إذا قدم من سفر
۱۹۱	اشکال:	۱۸۳	سفر سے واپس آنے پر نماز پڑھنے کا بیان
۱۹۱	مشاجرات صحابہ سے متعلق اہل سنت و	۱۸۴	”تحیۃ السفر“ مستحب ہے
۱۹۱	الجماعت کا عقیدہ	۱۸۴	(۶۰) باب إذا دخل المسجد
۱۹۲	روافض کی کارستانی	۱۸۴	فلیر کع رکعتین
۱۹۲	حضرت معاویہؓ کا موقف	۱۸۴	جب کوئی مسجد میں داخل ہو تو دو رکعت نماز پڑھ لے
۱۹۲	حضرت علیؓ کا موقف		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۰۱	تعمیر مسجد کی فضیلت	۱۹۳	علماء اہل سنت کا فیصلہ
۲۰۲	اعتراض سے کوئی ذات محفوظ نہیں رہی	۱۹۳	منافقین کی ریشہ دوانیاں
(۶۶) باب: یاخذ بنصول النبل إذا مر			حضور ﷺ کی پیشین گوئی اور حضرت عمار ؓ
۲۰۲	فی المسجد	۱۹۴	کی شہادت
۲۰۲	جب مسجد سے گزرے تو تیر کا پھل پکڑے رہے		حضرت عمار ؓ کی شہادت پر حضرت معاویہ ؓ
(۶۷) باب المرور فی المسجد		۱۹۴	کا ارشاد
۲۰۳	مسجد میں کس طرح گزرنا چاہیے		حضرت معاویہ ؓ کے ارشاد کی دوزکار
۲۰۳	ترجمۃ الباب سے مقصود بخاری	۱۹۴	بناویل
۲۰۳	روایت باب سے مقصود	۱۹۴	حضرت معاویہ ؓ کے ارشاد کا مقصد
۲۰۳	مرور فی المسجد میں اختلاف ائمہ	۱۹۵	پیشین گوئی کا دوسرا جملہ
۲۰۳	حنفیہ کا مسلک	۱۹۵	حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی توجیہ
۲۰۴	حنفیہ کا استدلال	۱۹۶	علامہ کرمانی رحمہ اللہ کی توجیہ
۲۰۴	قائلین جواز کی دلیل	۱۹۶	تیسری توجیہ
۲۰۴	جواب	۱۹۶	ایک اور توجیہ
۲۰۴	(۶۹) باب أصحاب الحرب فی المسجد	۱۹۷	تقریب الی الفہم کے لئے تمثیل
۲۰۴	حرب والوں کا مسجد میں داخل ہونے کا بیان	۱۹۹	اہم نکتہ
۲۰۵	مسجد میں نیزہ بازی کا ثبوت؟	۲۰۰	حضرت عثمان ؓ کو شہید کرنے کی وجہ
(۷۰) باب ذکر البیع والشراء علی		(۶۴) باب الاستعانة بالنجار	
۲۰۶	المنبر فی المسجد	۲۰۰	والصناع فی أحواد المنبر والمسجد
۲۰۶	مسجد کے منبر پر خرید و فروخت کا ذکر جائز ہے		منبر اور مسجد کی لکڑیوں میں بڑھئی اور کارگروں
۲۰۶	مقصود بخاری رحمہ اللہ	۲۰۰	سے مدد لینے کا بیان
(۷۱) باب التقاضي والملازمة		۲۰۱	دونوں روایتوں میں تطبیق
۲۰۷	فی المسجد	۲۰۱	(۶۵) باب من بنی مسجدا
	مسجد میں تقاضا اور قرض دار کے پیچھے پڑنے	۲۰۱	جو شخص مسجد بنائے اس کا بیان

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۱۸	مسک حنفیہ	۲۰۷	کامیان
۲۱۸	حدیث باب کا جواب	۲۰۸	مقصود بخاری رحمہ اللہ
	(۷۳) باب تحریم تجارۃ الخمر فی	۲۰۹	مسئلہ ”ضع وتعتل“
۲۱۹	المسجد	۲۰۹	فقہائے کرام کا اختلاف
۲۱۹	مسجد میں شراب کی تجارت کو حرام کہنے کا بیان	۲۰۹	بعض فقہاء کا استدلال
۲۱۹	ترجمۃ الباب سے مقصود بخاری	۲۱۰	دوسری دلیل
۲۱۹	(۷۴) باب الخدم للمسجد	۲۱۰	جمہور فقہاء کا استدلال
۲۱۹	مسجد کے لئے خادم مقرر کرنے کا بیان	۲۱۱	بعض فقہاء کی دلیل کا جواب
۲۲۰	مکرر روایت سے مقصود بخاری	۲۱۱	جمہور کی دوسری دلیل
	(۷۵) باب الأسیر أو الغریم یربط	۲۱۲	بعض فقہاء کی دوسری دلیل کا جواب
۲۲۰	فی المسجد	۲۱۳	خلاصہ کلام
	قیدی اور قرض دار کے مسجد میں باندھے جانے	۲۱۳	قرض ”موجل یا لتاجیل“ نہیں ہوتا
۲۲۰	کا بیان		ہنڈی "Bill Of Exchange"
	قیدی کو مسجد میں باندھنے کے جواز پر استدلال	۲۱۳	کی حقیقت
۲۲۱	بخاری رحمہ اللہ	۲۱۴	یہ کام معاملہ درحقیقت ربو ہے
۲۲۱	جنات کو تابع اور مسخر کرنے کا حکم	۲۱۵	ہنڈی کے جواز پر بعض ہم عصرین کا استدلال
	(۷۶) باب الاغتسال إذا أسلم،		ہنڈی کو ”ضع وتعتل“ پر قیاس کرنا یہ قیاس
۲۲۲	وربط الأسیر أيضا فی المسجد	۲۱۵	مع الفارق ہے
	جب اسلام لے آئے تو غسل کرنے اور مسجد	۲۱۶	بل آف آپجینج کی متبادل صورت
۲۲۲	میں قیدی کے باندھنے کا بیان		(۷۷) باب کنس المسجد والتقاط
۲۲۲	ترجمۃ الباب سے مقصود بخاری	۲۱۷	الخراق والقدی والعیدان
۲۲۳	قبول اسلام کے وقت غسل کے حکم کی حیثیت		مسجد میں جھاڑو دینا اور چیتھڑوں اور کوڑے اور
۲۲۳	ظاہریہ کا مسلک	۲۱۷	لکڑیوں کے چن لینے کا بیان
۲۲۳	حنفیہ کا مسلک	۲۱۸	حدیث باب سے شوافع کا استدلال

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۳۰	حضرت مولانا محمد یحییٰ رحمہ اللہ کی توجیہ	۲۲۳	شوافع کا مسلک
	(۸۰) باب السخوخة والممر فی المسجد		(۷۷) باب الخیمة فی المسجد
۲۳۱	المسجد	۲۲۴	للمرضی وغیرہم
۲۳۱	مسجد میں کھڑکی اور راستہ رکھنے کا بیان		مسجد میں بیماروں وغیرہ کے لئے خیمہ کھڑا
	مسجد کی طرف روشن دان یا چھوٹا دروازہ	۲۲۴	کرنے کا بیان
۲۳۲	کھولنے کا حکم		مسجد میں بیماروں کیلئے خیمہ لگانے پر امام بخاری
۲۳۲	لفظ ”ممر“ کی تحقیق اور اس سے مقصود بخاری	۲۲۴	رحمہ اللہ کا استدلال
۲۳۳	خلافت صدیق اکبر ؓ کی طرف لطیف اشارہ	۲۲۵	استدلال بخاری رحمہ اللہ
۲۳۳	حضرت صدیق اکبر ؓ کی فراست	۲۲۵	خون کی طہارت پر استدلال
۲۳۴	صدیق اکبر ؓ کی منقبت	۲۲۶	دونوں استدلال تام نہیں
	روافض کا حضرت علی کی خلافت بلا فصل پر		(۷۸) باب إدخال البعیر فی المسجد لليلة
۲۳۵	استدلال	۲۲۶	ضرورت کی بنا پر مسجد میں اونٹ لے جانے
۲۳۵	روافض کے استدلال کا جواب		کا بیان
۲۳۵	تحقیق جواب	۲۲۶	اونٹ کو مسجد میں داخل کرنے کے جواز پر امام
	(۸۱) باب الأبواب والغلق للکعبة والمساجد	۲۲۷	بخاری کا استدلال
۲۳۶	کعبہ اور مسجدوں میں دروازے رکھنا اور ان کا		”بول مایؤکل لحمہ“ کی طہارت پر
۲۳۶	بند کر لینا	۲۲۷	استدلال
۲۳۶	مساجد کو تالا لگانا جائز ہے	۲۲۸	دونوں مسئلوں پر استدلال تام نہیں
۲۳۶	ایک شبہ کا جواب	۲۲۸	حضرت شاہ صاحب کی توجیہ
	(۸۲) باب دخول المشرک المسجد	۲۲۸	(۷۹) باب:
۲۳۷	مسجد میں مشرک داخل ہونے کا بیان	۲۲۹	حضور اکرم ﷺ کا معجزہ
۲۳۷	مشرک کے مسجد میں داخل ہونے میں اختلاف	۲۲۹	بلا ترجمہ والے باب کے بارے میں اقوال
		۲۲۹	اس ”باب“ سے امام بخاری کا مقصود

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
	ارضی مباحہ میں مسجد بنانے کا جواز مشروط	۲۳۷	فقہاء
۲۳۵	بشرط ہے	۲۳۸	مالکیہ اور حنابلہ کا مسلک
۲۳۶	روایت باب کی تشریح	۲۳۸	شوافع کا مسلک
۲۳۶	موضع استدلال	۲۳۸	حنفیہ کا مسلک
۲۳۷	(۸۷) باب الصلاة فی مسجد السوق	۲۳۹	(۸۳) باب رفع الصوت فی المسجد
۲۳۷	بازار کے مقام میں نماز پڑھنے کا بیان	۲۳۹	مسجد میں آواز بلند کرنے کا بیان
۲۳۷	مقصود امام بخاری بقول بعض شراح	۲۳۹	مسجد میں آوازیں بلند کرنا جائز نہیں
۲۳۸	مقصود امام بخاری بقول بعض حضرات		(۸۴) باب الحلق والجلوس فی المسجد
۲۳۸	باجماعت نماز کی فضیلت	۲۴۱	مسجد
۲۳۸	مقصود امام بخاری رحمہ اللہ	۲۴۱	مسجد میں حلقہ باندھنے اور بیٹھنے کا بیان
۲۳۹	پچیس گنا ثواب مسجد کے ساتھ مقید نہیں	۲۴۲	مقصود امام بخاری رحمہ اللہ
۲۳۹	اختلاف روایات اور تطبیق کی مختلف توجیہات	۲۴۲	مساجد میں حلقے اور ٹولیاں بنانے کے مفاسد
۲۳۹	لطیف توجیہ:	۲۴۲	استدلال بخاری رحمہ اللہ
۲۳۹	دوسری توجیہ:	۲۴۳	روایت باب کی تشریح
۲۵۰	تیسری توجیہ:	۲۴۴	موضع ترجمہ
۲۵۰	انتظار نماز کی فضیلت	۲۴۴	(۸۵) باب الاستلقاء فی المسجد
	(۸۸) باب تشبیک الأصابع فی المسجد وغیرہ	۲۴۴	مسجد میں چت لیٹنے کا بیان
۲۵۱	مسجد میں انگلیوں میں پنچہ ڈالنے کا بیان	۲۴۵	ترجمۃ الباب اور روایت باب سے مقصد امام بخاری رحمہ اللہ
۲۵۱	تشبیک کا حکم	۲۴۵	استلقاء کی ممنوع صورت
۲۵۱	خلاصہ مسئلہ		(۸۶) باب المسجد یکون فی الطريق من غیر ضرر بالناس
۲۵۲	روایت باب کی تشریح	۲۴۵	مسجد میں راستہ ہو اور لوگوں کا اس میں نقصان نہ ہو تو کچھ حرج نہیں
۲۵۳	روایت باب سے امام بخاری کا مقصد		
	(۸۹) باب المساجد التي علی طرق	۲۴۵	

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۷۲	ستون کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا بیان		المدينة، والمواضع التي صلى فيها
۲۷۲	سترہ کی ضرورت	۲۵۴	النبي ﷺ
۲۷۳	ضروری تنبیہ		وہ مسجدیں جو مدینہ کے راستوں پر ہیں اور وہ
۲۷۴	”اسطوانة“ کی تعیین میں اختلاف شرح	۲۵۴	جگہیں جن میں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی
۲۷۴	علامہ عینیؒ اور حافظ ابن حجرؒ کی رائے	۲۵۴	روایت باب سے مقصود بخاریؒ
۲۷۴	اسطوانة عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت	۲۵۵	محکم فکر یہ
۲۷۵	علامہ سمہودیؒ کی رائے	۲۵۶	تبرک بآثار الانبياءؑ جائز ہے
۲۷۶	حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے	۲۵۷	تبرک بآثار الانبياءؑ کا انکار غلو اور مکابرہ ہے
۲۷۷	مقصود بخاری رحمہ اللہ	۲۵۷	دلائل جواز تبرک
۲۷۷	”رکعتین قبل المغرب“ میں اختلاف ائمہ	۲۶۰	حضرت فاروق اعظمؓ کے منع کرنے کی وجہ
۲۷۷	امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک		حضرت فاروق اعظمؓ نفس ”تبرک
۲۷۷	حنفیہ کا مسلک	۲۶۰	بالمآثر“ کے منکر نہیں تھے
۲۷۸	حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے	۲۶۱	شجرہ بیعت رضوان کو کٹوانے کی وجہ
۲۷۸	قول فیصل	۲۶۲	مآثر انبیاء کے تبرکات کا مقصد
	(۹۶) باب الصلاة بين السواري في	۲۶۲	تبرکات مثاؤ والے موقف کی حقیقت
۲۷۹	غير جماعة	۲۶۳	مستند تبرکات
	اگر اکیلا ہو تو ستونوں کے درمیان نماز پڑھنے	۲۶۹	(۹۴) باب السترة بمكة و غيرها
۲۷۹	کا بیان	۲۶۹	مکہ اور دوسرے مقامات میں سترہ کا بیان
۲۷۹	مقصود بخاری رحمہ اللہ	۲۶۹	ترجمہ الباب سے مقصود امام بخاریؒ
۲۷۹	صف بین السواری کا حکم	۲۶۹	مرور امام المصليٰ میں اختلاف فقہاء
۲۸۰	امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مسلک	۲۷۰	امام طحاوی رحمہ اللہ کا مسلک
۲۸۰	جہور کا مسلک	۲۷۱	سوال:
۲۸۱	حصول تبرک کا حکم	۲۷۱	جواب:
	(۹۸) باب الصلاة الى الراحلة و	۲۷۲	(۹۵) باب الصلاة الى الأسطوانة

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
	نماز پڑھنے کی حالت میں ایک شخص کا دوسرے	۲۸۱	البعبور و الشجر و الرجل
۲۸۸	شخص کی طرف منہ کرنے کا بیان		اونٹنی اور اونٹ اور درخت اور کجاوہ کو آڑ بنا کر
۲۸۸	نمازی کی طرف رخ کرنا جائز نہیں	۲۸۱	نماز پڑھنے کا بیان
۲۸۸	مذکورہ مسئلہ میں امام بخاریؒ کی رائے	۲۸۲	تشریح حدیث میں شراح کے اقوال
	(۱۰۶) باب اذا حمل جاریة صغيرة	۲۸۲	عام شراح حدیث کا قول
۲۸۹	علی عنقہ فی الصلاة	۲۸۲	حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا قول
	حالت نماز میں چھوٹی لڑکی کو اپنی گردن پر	۲۸۳	(۹۹) باب الصلاة الى السریر
۲۸۹	اٹھانے کا بیان	۲۸۳	تخت کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا بیان
۲۹۰	حدیث سے استدلال بخاریؒ	۲۸۳	عورت کے گزرنے سے نماز کا حکم
۲۹۰	بچہ کو اٹھا کر نماز پڑھنے کا حکم		(۱۰۰) باب : یرد المصلی من مر
۲۹۰	حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق	۲۸۴	بین یدیہ
۲۹۱	اشکال		نماز پڑھنے والے کو چاہیے کہ جو شخص اسکے
۲۹۱	جواب	۲۸۴	سامنے سے گزرے تو اسے روک دے
	(۱۰۹) باب المرأة تطرح عن	۲۸۴	نمازی کے سامنے سے گزرنے کو روکنے کا حکم
۲۹۲	المصلی شینامن الأذی	۲۸۵	فلیقاتلہ کی صحیح تشریح
	اس امر کا بیان کہ عورت نماز پڑھنے والے کے	۲۸۶	بعض فقہاء کی رائے
۲۹۲	جسم سے ناپاکی کو دور کرے	۲۸۶	حنفیہ کا مسلک
۲۹۵	۹۔ کتاب مواقیت الصلاة		(۱۰۱) باب اثم المار بین یدی
۲۹۵	(۱) باب مواقیت الصلوة وفضلها،	۲۸۷	المصلی
۲۹۵	نماز کے اوقات اور ان کی فضیلت کا بیان		نماز پڑھنے والے کے سامنے گزرنے والے
۲۹۶	ترجمة الباب کا مقصد	۲۸۷	کا بیان
۲۹۷	حدیث باب کی تشریح	۲۸۷	مرور بین المصلی سے بچنا چاہئے
۲۹۷	فاء تعقیب کے دو معنی		(۱۰۲) باب استقبال الرجل الرجل
۲۹۸	احتمال	۲۸۸	و هو یصلی

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۰۷	نماز کے بے وقت پڑھنے کا بیان		تفصیل حدیث کے بارے میں روایات سنن کا اختلاف
۳۰۸	حدیث باب کی تشریح	۲۹۸	(۲) باب قول اللہ تعالیٰ ﴿مُتَّبِعِينَ إِلَيْهِ وَ اتَّقُوهُ وَ أَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَ لَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ [الروم: ۳۱]
۳۰۸	لحمہ فکریہ		اللہ کا قول کہ خدا کی طرف رجوع کرو اور اس سے ڈرتے رہو اور نماز قائم کرو اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ۔
۳۰۹	(۸) باب المصلیٰ یناجی ربہ عز و جل	۳۰۰	(۳) باب البیعة علی اقام الصلاة
۳۰۹	نماز پڑھنے والا اپنے پروردگار سے سرگوشی کرتا ہے	۳۰۰	نماز کے قائم رکھنے پر بیعت کا بیان
۳۰۹	(۹) باب الابراء بالظہر فی شدة الحر	۳۰۰	(۴) باب: الصلاة كفارة
	گرمی کی شدت میں ظہر کو ٹھنڈا وقت کر کے	۳۰۰	نماز گناہوں کا کفار ہے
۳۰۹	پڑھنے کا بیان	۳۰۰	ترجمة الباب سے مقصود بخاری
	قابل ذکر تین مسائل: پہلا مسئلہ ترجمۃ الباب سے متعلق	۳۰۱	مزید توضیح
۳۱۰	ترتیب طبعی کے خلاف کرنے کی وجہ	۳۰۲	حضرت عمرؓ کی فراست
۳۱۰	دوسرا مسئلہ: حدیث باب سے استدلال خفیہ	۳۰۳	بوسہ لینا گناہ صغیرہ ہے یا کبیرہ؟
۳۱۱	اور امام بخاری کی تاویل	۳۰۵	حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے
۳۱۱	امام کی تاویل کی پہلی تردید	۳۰۵	دیگر علماء کی آراء
۳۱۱	دوسری تردید	۳۰۶	صغیرہ اور کبیرہ کی مثال
۳۱۱	تیسرا مسئلہ: ”فیج جہنم“ کا سبب	۳۰۷	(۵) باب فضل الصلاة لوقتها
۳۱۲	حدیث باب پر دو مشہور سائنسی اشکال	۳۰۷	نماز اس کے وقت پر پڑھنے کی فضیلت کا بیان
۳۱۳	پہلا اشکال	۳۰۷	(۶) باب: الصلوات الخمس كفارة
۳۱۳	پہلا جواب	۳۰۷	شیخ وقتہ نماز کفارہ ہیں
۳۱۳	دوسرا جواب	۳۰۷	(۷) باب: فی تضييع الصلاة عن وقتها
۳۱۳	حضرت شاہ صاحبؒ کی توجیہ		
۳۱۴	خلاصہ کلام		
۳۱۵	مزید توضیح		
۳۱۶	دعوت فکر		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۲۶	تردید تاویل اول	۳۱۶	حدیث باب کی تشریح
۳۲۶	حدیث باب کی دوسری تاویل	۳۱۷	حدیث باب کا مقصد
۳۲۷	تردید تاویل ثانی	۳۱۷	حدیث باب سے استدلال حنفیہ
۳۲۷	حدیث باب کا صحیح محمل	۳۱۸	(۱۰) باب الابراد بالظہر فی السفر
۳۲۷	جمع صوری پر محمول کرنے کی تائید		سفر میں ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھنے
۳۲۸	جمع صوری پر محمول کرنے کی پہلی وجہ	۳۱۸	کا بیان
۳۲۸	دوسری وجہ	۳۱۸	عادت بخاری
۳۲۹	قائلین جمع حقیقی کی دلیل	۳۱۸	(۱۱) باب : وقت الظہر عند الزوال
۳۲۹	دلیل کا جواب	۳۱۸	ظہر کے وقت زوال کے وقت ہے
۳۲۹	(۱۳) باب وقت العصر	۳۱۹	حدیث باب سے استدلال بخاری
۳۲۹	وقت عصر کا بیان	۳۱۹	حدیث باب کی تشریح
۳۳۰	تجیل عصر پر شوافع کا استدلال	۳۲۱	حدیث باب سے حنفیہ اور شافعیہ کا استدلال
۳۳۰	جواب	۳۲۱	قول فیصل
۳۳۱	حنفیہ کی تائید	۳۲۲	حدیث باب کی تشریح
	مش اول مثل ثانی درمیانی وقت کی بابت	۳۲۳	تجیل ظہر والوں کا استدلال
۳۳۱	اقوال	۳۲۳	استدلال کا وجہ ضعف
۳۳۱	حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کا قول	۳۲۳	(۱۲) باب تاخیر الظہر الی العصر
۳۳۲	حضرت شاہ صاحب کی رائے		ظہر کی نماز کو عصر کے وقت تک مؤخر کرنے
۳۳۳	روایت باب کی تشریح	۳۲۳	کا بیان
۳۳۳	حضرت شاہ صاحب کی رائے	۳۲۴	ترجمہ الباب سے مقصود بخاری
۳۳۵	تجیل عصر میں شافعیہ کی دلیل یہ حتمی دلیل نہیں	۳۲۵	بعض مشائخ کی رائے
۳۳۶	(۱۴) باب اثم من فاتته العصر	۳۲۵	جمع صوری کا مطلب
۳۳۶	اس شخص کو کتنا گناہ ہے جس کی نماز عصر جاتی رہے	۳۲۵	جمع صوری کی دلیل
۳۳۶	(۱۵) باب من ترک العصر	۳۲۶	حدیث باب کی پہلی تاویل

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۳۶	دوسری بحث	۳۳۶	اس شخص کا گناہ جو نماز عصر کو چھوڑ دے
۳۳۶	حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا قول	۳۳۷	ترک نماز عصر پر وعید
۳۳۶	علامہ عینی رحمہ اللہ کا قول	۳۳۷	حط عملی کی تاویل
۳۳۷	توضیح	۳۳۷	قاضی ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ کی توجیہ
۳۳۸	دوسرا جواب	۳۳۷	حط عمل کی قسمیں
۳۳۹	(۱۸) باب وقت المغرب	۳۳۸	(۱۶) باب فضل صلاة العصر
۳۳۹	مغرب کے وقت کا بیان	۳۳۸	نماز عصر کی فضیلت کا بیان
۳۳۹	حدیث باب سے شافعیہ کا استدلال	۳۳۹	نماز عصر کی فضیلت
۳۳۹	حنفیہ کا استدلال	۳۳۹	(۱۷) باب من أدرك ركبة من
۳۳۹	توجیح	۳۳۹	العصر قبل الغروب
۳۵۰	(۱۹) باب من كره أن يقال	۳۳۹	اس شخص کا بیان جو غروب آفتاب سے پہلے عصر
۳۵۰	للمغرب: العشاء	۳۳۹	کی ایک رکعت پائے
۳۵۰	اس شخص کا بیان جس نے اس کو مکروہ سمجھا ہے	۳۴۰	حدیث باب پرائمہ ثلاثہ کا عمل
۳۵۰	کہ مغرب کو عشاء کہا جائے	۳۴۰	حنفیہ کا مسلک
۳۵۱	عشاء اور عتمہ میں فرق	۳۴۱	امام طحاوی رحمہ اللہ کا قول
۳۵۱	عشاء کو عتمہ کہنا ناپسندیدہ ہے	۳۴۱	حدیث باب کی توجیہ
۳۵۲	(۲۰) باب ذكر العشاء والعتمة و	۳۴۲	احناف کی تاویل
۳۵۲	من راه واسعا،	۳۴۲	حضرت مفتی شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ کا قول
۳۵۲	عشاء اور عتمہ کا ذکر اور جس نے عشاء اور عتمہ	۳۴۳	زریں
۳۵۲	دونوں کہنا جائز خیال کیا ہے	۳۴۳	تشریح
۳۵۲	ترجمہ الباب سے مقصود بخاری	۳۴۵	امت محمدیہ کی فضیلت
۳۵۲	حدیث باب سے حضرت خضر علیہ السلام کی موت	۳۴۵	پہلا مسئلہ
۳۵۳	پر استدلال	۳۴۵	پہلا جواب
۳۵۷	(۲۲) باب فضل العشاء	۳۴۵	الطيف نکتہ

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۶۶	چوٹی توجیہ	۳۵۷	نماز عشاء کی فضیلت کا بیان
۳۶۷	(۲۷) باب وقت الفجر	۳۵۷	نماز عشاء کی فضیلت
۳۶۷	نماز فجر کے وقت کا بیان	(۲۳) باب ما یکرہ من النوم قبل	العشاء
۳۶۸	(۲۸) باب من أدرك من الفجر ركعة	۳۵۹	عشاء کی نماز سے پہلے سونا مکروہ ہے
۳۶۸	اس شخص کا بیان جو فجر کی ایک رکعت پائے	۳۵۹	مقصود بخاری رحمہ اللہ
۳۶۸	(۲۹) باب من أدرك من الصلاة ركعة	۳۵۹	(۲۴) باب النوم قبل العشاء لمن غلب
۳۶۸	اس شخص کا بیان جس نے نماز کی ایک رکعت پالی	۳۵۹	جس شخص پر نیند کا غلبہ ہو اس کے لئے عشاء سے
	(۳۰) باب الصلاة بعد الفجر حتى		پہلے سونے کا بیان
۳۶۹	ترتفع الشمس	۳۵۹	عام شراح کی تشریح
	فجر کے بعد آفتاب بلند ہونے تک نماز پڑھنے	۳۶۲	ایک لطیف تشریح
۳۶۹	کا بیان	۳۶۲	(۲۵) باب وقت العشاء إلى
۳۷۰	حنفیہ کا مسلک		نصف الليل،
۳۷۰	شوافع کا مسلک	۳۶۲	عشاء کا وقت آدھی رات تک ہے
۳۷۰	حنفیہ کا استدلال	۳۶۲	اختلاف ائمہ
۳۷۰	شوافع کا استدلال	۳۶۲	مقصود بخاری رحمہ اللہ
۳۷۱	حنفیہ کی طرف سے استدلال کا جواب	۳۶۳	مسلم حنفیہ پر امام طحاوی رحمہ اللہ کا استدلال
۳۷۲	دوسری دلیل کا جواب	۳۶۳	(۲۶) باب فضل صلاة الفجر
	(۳۱) باب لا تتجرى الصلاة قبل		والحديث
۳۷۲	غروب الشمس	۳۶۵	نماز فجر کی فضیلت کا بیان
۳۷۲	غروب آفتاب سے پہلے نماز کا قصد نہ کرے	۳۶۵	پہلی توجیہ
۳۷۳	اوقات ممنوعہ میں ائمہ کا اختلاف	۳۶۵	دوسری توجیہ
۳۷۴	جمہور کا مسلک	۳۶۵	توجیہ کا جواب
۳۷۴	امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک	۳۶۵	تیسری توجیہ
۳۷۴	امام مالک رحمہ اللہ کا استدلال	۳۶۵	

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
	"لا یعیذ إلا تلك الصلوة" کا مطلب	۳۷۴	جمہور کا استدلال
۳۸۰	اور اقوال شراح	۳۷۵	امام مالک رحمہ اللہ کا ایک اہم اصول
۳۸۰	پہلا قول		(۳۳) باب ما یصلی بعد العصر من
۳۸۱	دوسرا قول	۳۷۵	الفوائت و نحوہا،
۳۸۲	تیسرا قول		عصر کی نماز کے بعد قضا نمازیں اور اس کی مثل
۳۸۳	(۳۸) باب قضاء الصلاة الأولى فالأولی	۳۷۵	دوسری نمازوں کے پڑھنے کا بیان
۳۸۳	قضا نمازوں کو ترتیب کے ساتھ پڑھنے کا بیان	۳۷۶	بعد العصر فوائت کا حکم
۳۸۳	اختلاف ائمہ		(۳۴) باب التبکیر بالصلاة فی
۳۸۳	جمہور کا استدلال	۳۷۷	یوم غیم
۳۸۴	دوسرا استدلال	۳۷۷	بادل کے دنوں میں نماز سویرے پڑھنے کا بیان
۳۸۴	تیسری دلیل	۳۷۷	(۳۵) باب الأذان بعد ذهاب الوقت
۳۸۵	(۳۹) باب ما یکرہ من السمر بعد العشاء		وقت گزر جانے کے بعد نماز کے لئے اذان
۳۸۵	عشاء کی نماز کے بعد باتیں کرنا مکروہ ہے	۳۷۷	کہنے کا بیان
۳۸۵	بعد العشاء قصہ گوئی کی ممانعت کی وجہ	۳۷۸	قضا شدہ نمازوں کے لئے اذان کا حکم
	(۴۰) باب السمر فی الفقه والخیر		(۳۶) باب من صلی بالناس جماعة
۳۸۶	بعد العشاء	۳۷۹	بعد ذهاب الوقت
	دین کے مسائل اور نیک بات کے متعلق عشاء		اس شخص کا بیان جو وقت گزرنے کے بعد
۳۸۶	کے بعد گفتگو کرنے کا بیان	۳۷۹	لوگوں کو جماعت سے نماز پڑھائے
	(۴۱) باب السمر مع الأهل	۳۷۹	قضا نماز با جماعت پڑھنے کی مشروعیت
۳۸۷	والضیف		(۳۷) باب من نسی صلاة فلیصل
	گھر والوں اور مہمانوں کے ساتھ عشاء کے	۳۸۰	إذا ذکر، ولا یعیذ إلا تلك الصلاة
۳۸۷	بعد گفتگو کرنے کا بیان		اس شخص کا بیان جو کسی نماز کو بھول جائے تو جس
۳۹۳	۱۰۔ کتاب الأذان		وقت یاد آئے پڑھ لے اور صرف اسی نماز کا
۳۹۳	(۱) باب بدء الأذان	۳۸۰	اعادہ کرے

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
	جب کہ ناپینا کے پاس کوئی ایسا شخص ہو جو اسے	۳۹۳	اذان کی ابتدا کا بیان
۴۰۵	بتلائے کہ اس کا اذان دینا درست ہے	۳۹۳	اذان کی مشروعیت
۴۰۵	اعلیٰ کا اذان دینا جائز ہے	۳۹۴	اذان کا آغاز کس سن میں ہوا؟
۴۰۷	(۱۲) باب الأذان بعد الفجر		(۳) باب : الإقامة واحدة ، إلا قوله :
۴۰۷	فجر کے طلوع ہونے کے بعد اذان کہنے کا بیان	۳۹۶	قد قامت الصلاة .
۴۰۷	بعد از فجر اذان کا حکم		"قد قامت الصلاة" کے علاوہ اقامت کے
۴۰۸	(۱۳) باب الأذان قبل الفجر	۳۹۶	الفاظ ایک ایک بار کہنے کا بیان
۴۰۸	فجر کی اذان صبح ہونے سے پہلے کہنے کا بیان		اذان اور اقامت کے شفعاً اور وتر اہونے میں
۴۰۸	طلوع فجر سے قبل اذان کا حکم	۳۹۷	اختلاف ائمہ
۴۰۸	حضرت شاہ صاحبؒ کی توجیہ	۳۹۷	حنفیہ کی دلیل
۴۰۹	طلوع فجر سے قبل اذان فجر اور اختلاف ائمہ	۳۹۹	(۵) باب رفع الصوت بالنداء ،
۴۰۹	ائمہ ثلاثہ کا مسلک	۳۹۹	اذان میں آواز بلند کرنے کا بیان
۴۰۹	حنفیہ کا مسلک	۴۰۰	(۶) باب ما يحقن بالأذان من الدماء
	(۱۴) باب كم بين الأذان والإقامة	۴۰۰	اذان سن کر قتال و خون ریزی بند کرنا چاہیے
۴۱۲	ومن ينتظر إقامة الصلاة؟	۴۰۰	شعائر اسلام
	اذان اور اقامت کے درمیان کتنا فصل ہونا چاہیے	۴۰۰	(۷) باب ما يقول اذا سمع المنادى
۴۱۲	اور اس شخص کا بیان جو اقامت کا انتظار کرے	۴۰۰	اذان سنتے وقت کیا کہنا چاہیے
۴۱۳	عشاء سے پہلے چار رکعت کی تحفیں کیسے ہوئی؟	۴۰۱	(۹) باب الاستهام في الأذان
۴۱۳	رکعتین قبل المغرب کا ثبوت	۴۰۱	اذان دینے والے کے لئے قرعہ ڈالنے کا بیان
۴۱۳	حنفیہ کے دلائل	۴۰۲	(۱۰) باب الكلام في الأذان
۴۱۶	یہ خروج عن التقليد نہیں ہے	۴۰۲	اذان میں کلام کرنے کا بیان
	(۱۷) باب من قال: ليؤذن في السفر	۴۰۳	دوران اذان کلام کرنا اور مذہب ائمہ
۴۱۶	مؤذن واحد		(۱۱) باب أذان الأعمى إذا كان له
۴۱۶	کیا سفر میں ایک ہی مؤذن کو اذان دینا چاہیے	۴۰۵	من يخبره

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
	(۲۴) باب : هل يخرج من المسجد لعلہ ؟	۴۱۸	اتباع دین کی تعلیم
۴۳۳	کیا مسجد سے کسی عذر کی بنا پر نکل سکتا ہے؟		(۱۸) باب الأذان للمسافرين إذا كانوا جماعة والإقامة ، وكذلك بعرفة وجمع
۴۳۳	(۲۶) باب الرجل للنبی ﷺ :	۴۲۰	مسافر کے لئے اگر جماعت ہو تو اذان و اقامت کہنے کا بیان اور اسی طرح مقام عرفات اور مزدلفہ میں بھی
۴۳۵	ماصلینا	۴۲۰	سفر میں اذان کا حکم
۴۳۵	آدمی کا یہ کہنا کہ ہم نے نماز نہیں پڑھی		(۱۹) باب : هل يتبع المؤذن فاه وها هنا ؟ وهل يلتفت في الأذان ؟
	(۲۷) باب الإمام تعرض له الحاجة بعد الإقامة	۴۲۰	کیا مؤذن اپنا منہ ادھر ادھر پھیرے؟ اور کیا وہ اذان میں ادھر ادھر دیکھ سکتا ہے؟
۴۳۵	اقامت کے بعد اگر امام کو کوئی ضرورت پیش آجائے	۴۲۲	(۲۰) باب قول الرجل : فاتتنا الصلوة
۴۳۵	(۲۸) باب الكلام اذا أقيمت الصلاة		آدمی کا یہ کہنا کہ ہماری نماز جاتی رہے
۴۳۹	اقامت ہو جانے کے بعد کلام کرنے کا بیان	۴۲۲	(۲۲) باب : يقوم الناس إذا رأوا الإمام عند الإقامة ؟
۴۳۹	(۲۹) باب وجوب صلاة الجماعة		تکبیر کے وقت جب لوگ امام کو دیکھ لیں تو کس وقت کھڑے ہوں؟
۴۳۹	نماز باجماعت کے واجب ہونے کا بیان	۴۲۴	امام اور مقتدی اقامت کے وقت کب کھڑے ہوں
۴۴۰	ترک جماعت پر وعید	۴۲۴	ہوں
۴۴۱	(۳۰) باب فضل صلاة الجماعة ،		حضور ﷺ اور صحابہ کا تعامل
۴۴۱	نماز باجماعت کی فضیلت کا بیان	۴۲۷	تعالیٰ خلفائے راشدین ﷺ
۴۴۱	جماعت ثانیہ کا حکم		ائمہ اربعہ کا مذہب
۴۴۴	(۳۱) باب فضل صلاة الفجر في جماعة	۴۲۷	
۴۴۴	فجر کی نماز جماعت سے پڑھنے کی فضیلت کا بیان		
۴۴۵	(۳۲) باب فضل التهجير الى الظهر	۴۲۸	
۴۴۵	ظہر کی نماز اول وقت پڑھنے کی فضیلت کا بیان	۴۲۸	
۴۴۵	(۳۳) باب احتساب الآثار	۴۳۰	
۴۴۵	نیک کام میں ہر قدم پر ثواب ملنے کا بیان	۴۳۱	

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۵۸	أقيمت الصلاة ،	۳۴۷	(۳۵) باب : اثنان فما فوقهما جماعة
۳۵۸	اگر کھانا آجائے اور نماز کی اقامت ہو جائے		دو یا دو سے زیادہ آدمی جماعت کے حکم میں
	(۳۳) باب اذا دعى الإمام إلى	۳۴۷	داخل ہیں
۳۶۰	الصلاة وبیده ما یا کل .		(۳۸) باب إذا أقيمت الصلاة فلا
	جب نماز کے لئے امام بلایا جائے اور اس کے	۳۴۷	صلاة إلا المكتوبة
۳۶۰	ہاتھ میں وہ چیز ہو جو کھارہا ہو		جب نماز کی تکبیر ہو جائے تو سوائے نماز کے
	(۳۴) باب من كان في حاجة أهله	۳۴۷	اور کوئی نماز نہیں
۳۶۰	فاقيمت الصلاة فخرج		اقامت صلوٰۃ کے بعد فجر کی سنتیں اور
	جو شخص گھر کے کام کاج میں ہو اور نماز کی تکبیر	۳۴۸	اختلاف فقہاء
۳۶۰	کہی جائے تو نماز کے لئے کھڑا ہو جائے		(۳۹) باب حد المريض أن يشهد
	(۳۵) باب من صلى بالناس وهو لا يريد	۳۵۱	الجماعة
۳۶۰	إلا أن يعلمهم صلاة النبي ﷺ وسنته		مريض کسی حد تک کی بیماری میں حاضر
	اس شخص کا بیان جو لوگوں کو صرف اس لئے نماز	۳۵۱	باجماعت ہو
	پڑھائے کہ انہیں رسول اللہ کی نماز اور ان کی		(۴۰) باب الرخصة في المطر والعلة
۳۶۰	سنت سکھائے	۳۵۲	أن يصلي في رحله
	(۴۶) باب : أهل العلم والفضل		بارش اور عذر کی بناء پر گھر میں نماز پڑھ لینے کی
۳۶۲	أحق بالإمامة	۳۵۳	اجازت کا بیان
۳۶۲	علم وفضل والا امامت کا زیادہ مستحق ہے		(۴۱) باب هل يصلي الإمام بمن
۳۶۳	(۴۷) باب من قام إلى جنب الإمام لعلته		حضر وهل يخطب يوم الجمعة
	کسی عذر کی بنا پر مقتدی کا امام کے پہلو میں	۳۵۶	في المطر؟
۳۶۳	کھڑے ہونے کا بیان		کیا امام جس قدر لوگ موجود ہیں ان ہی کے
	(۴۸) باب من دخل ليؤم الناس		ساتھ نماز پڑھ لے اور کیا جمعہ کے دن بارش
	فسحاء الإمام الأول فتأخر الأول أولم	۳۵۶	میں بھی خطبہ پڑھے یا نہیں؟
۳۶۵	يتأخر جازت صلاته:		(۴۲) باب اذا حضر الطعام و

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۴۷۹	بحذائه سواء إذا كانا اثنين		اگر کوئی آدمی لوگوں کی امامت کے لئے جائے
	جب دو نمازی ہوں تو مقتدی امام کے دائیں		پھر امام اول آجائے تو پہلا شخص پیچھے ہٹے یا نہ
۴۷۹	طرف اس کے برابر میں کھڑا ہو	۴۶۵	ہٹے اس کی نماز ہو جائے گی
	(۵۸) باب : إذا قام الرجل عن يسار	۴۶۵	مقصود بخاری رحمہ اللہ
	الإمام فحوله الإمام إلى يمينه لم		(۴۹) باب اذا استووا في القراءة
۴۸۰	تفسد صلاتهما	۴۶۸	فليؤمهم أكبرهم
	اگر کوئی شخص امام کے بائیں جانب کھڑا ہو اور		اگر کچھ لوگ قرأت میں مساوی ہوں تو جو ان
	امام اس کو اپنے دائیں طرف پھیر دے تو کسی	۴۶۸	میں زیادہ عمر والا وہ امامت کرے
۴۸۰	کی نماز فاسد نہ ہوگی	۴۶۹	(۵۰) باب إذا زار الإمام قوما فأتهم
	(۵۹) باب : إذا لم ينو الإمام أن يؤم ثم		اگر امام کچھ لوگوں سے ملنے جائے تو ان کا امام
۴۸۰	جاء قوم فأتهم	۴۶۹	ہو سکتا ہے
	اگر امام نے امامت کی نیت نہ کی ہو پھر کچھ	۴۶۹	(۵۱) باب إنما جعل الإمام ليؤتم به
۴۸۰	لوگ آجائیں اور وہ ان کی امامت کرے		امام اسی لئے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی اقتدا
	(۶۰) باب إذا طول الإمام و كان	۴۶۹	کی جائے
۴۸۱	للرجل حاجة فخرج وصلي	۴۷۳	(۵۳) باب إمامة العبد والمولى
	اگر امام نماز کو طول دے اور کوئی شخص اپنی کسی	۴۷۳	غلام اور آزاد کردہ غلام کی امامت کا بیان
	ضرورت کی وجہ سے نماز توڑ کر چلا جائے اور	۴۷۶	نابالغ کی امامت کا مسئلہ
۴۸۱	نماز پڑھ لے		(۵۵) باب : إذا لم يتم الامام واتم
	(۶۱) باب تخفيف الإمام في القيام	۴۷۷	من خلفه
۴۸۳	وإتمام الركوع والسجود		اگر امام اپنی نماز کو پورا نہ کرے اور مقتدی
	قیام میں امام کے تخفیف کرنے اور رکوع و سجود	۴۷۷	پورا کریں
۴۸۳	کے پورا کرنے کا بیان	۴۷۸	(۵۶) باب امامة المفتون والمبتدع
۴۸۳	مسلمان کا کوئی عمل حتی الامکان تخفیر کا سبب نہ بنے	۴۷۸	بتلائے فتنہ اور بدعتی کی امامت کا بیان
	(۶۲) باب : إذا صلى لنفسه		(۵۷) باب : يقوم عن يمين الإمام

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۴۹۴	واقعہ ذوالیدین سے مقصود بخاری	۴۸۵	فلیطوّل ماشاء
۴۹۵	مقصد بخاری رحمہ اللہ		جب کوئی شخص تنہا نماز پڑھے تو جس قدر چاہے
	(۷۰) باب : إذا بکی الإمام	۴۸۵	طول دے
۴۹۵	فی الصلاة	۴۸۶	(۶۳) باب من شکا إماماً إذا طوّل،
۴۹۵	جب امام نماز میں روئے		جو شخص اپنے امام کی جب وہ نماز میں طوالت
۴۹۵	”بکاء فی الصلاة“ کا حکم	۴۸۶	کرتا ہو شکایت کرے
۴۹۶	(۷۳) باب الصف الأول	۴۸۷	(۶۴) باب الإيجاز فی الصلاة و إكمالها
۴۹۶	پہلی صف کا بیان	۴۸۷	نماز کو مختصر اور پورے طور پر پڑھنے کا بیان
۴۹۶	(۷۵) باب إثم من لم يتم الصفوف	۴۸۹	(۶۶) باب : إذا صلى ثم أم قوماً
۴۹۶	اس شخص کا گناہ جو صفیں پوری نہ کرے		جب خود فرض پڑھ چکا ہو اس کے بعد لوگوں کی
	(۷۶) باب إلزاق المنكب، والقدم	۴۸۹	امامت کرے
۴۹۶	بالقدم فی الصف،	۴۸۹	”اقتداء المفترض خلف المتفعل“ کا حکم
	صف کے اندر شانہ کا شانہ سے اور قدم کا قدم	۴۹۱	جواب ”علی سبیل التسلیم“
۴۹۶	سے ملانے کا بیان	۴۹۱	(۶۷) باب من أسمع الناس تكبير الإمام
۴۹۷	(۷۸) باب : المرأة وحدها تكون صفاً	۴۹۱	اس شخص کا بیان جو مقتدیوں کو امام کی تکبیر سنائے
۴۹۷	تنہا عورت بھی ایک صف کی طرح ہے		(۶۸) باب الرجل یأتم بالإمام . ویأتم
	(۸۰) باب إذا کان بین الإمام و بین	۴۹۲	الناس بالمأموم،
۴۹۷	القوم حائط أو سترة		اگر ایک شخص امام کی اقتدا کرے اور باقی لوگ
	اگر امام اور لوگوں کے درمیان کوئی دیوار یا	۴۹۲	اس مقتدی کی اقتدا کریں
۴۹۷	سترہ ہو	۴۹۲	اقتداء ”بالسلسل“ کا حکم اور منشأ بخاری
۴۹۷	اختلاف مکان مانع اقتداء ہے		(۶۹) باب : هل يأخذ الإمام —
۴۹۸	اختلاف فقہاء	۴۹۴	إذا شک — بقول الناس؟
۴۹۸	حنفیہ کا استدلال		امام کو جب شک ہو جائے تو کیا وہ مقتدیوں
۵۰۱	(۸۱) باب صلاة اللیل	۴۹۴	کے کہنے پر عمل کرے

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۰۸	نماز میں خشوع کا بیان	۵۰۱	نماز شب کا بیان
۵۰۹	”وراء ظہری“ کا مطلب	(۸۲) باب إيجاب التكبير و	
۵۰۹	خشوع کے درجات	۵۰۱	افتتاح الصلاة
۵۱۱	(۸۹) باب مايقول بعد التكبير		تکبیر تحریمہ کے واجب ہونے اور نماز شروع
۵۱۱	تکبیر تحریمہ کے بعد کیا پڑھے؟	۵۰۱	کرنے کا بیان
۵۱۲	(۹۰) باب:	۵۰۲	افعال صلوة
	(۹۱) باب رفع البصر إلى الإمام	(۸۳) باب رفع اليدين في التكبير	
۵۱۳	في الصلاة،	۵۰۲	الأولى مع الإفتتاح سواء
۵۱۳	نماز میں امام کی طرف نظر اٹھانے کا بیان		پہلی تکبیر میں نماز شروع کرنے کے ساتھ
۵۱۴	آنکھ اٹھا کر امام کو دیکھنا	۵۰۲	دونوں ہاتھوں کے اٹھانے کا بیان
	(۹۲) باب رفع البصر إلى السماء	(۸۴) باب رفع اليدين إذا كبر إذا و	
۵۱۵	في الصلاة	۵۰۳	إذا ركع إذا رفع
۵۱۵	نماز میں آسمان کی طرف نظر اٹھانے کا بیان		دونوں ہاتھوں کے اٹھانے کا بیان جب تکبیر
۵۱۶	(۹۳) باب الإلتفات في الصلاة		تحریمہ کہے اور جب رکوع کرے اور جب
۵۱۶	نماز میں ادھر ادھر دیکھنے کا بیان	۵۰۳	رکوع سے سر اٹھائے
۵۱۶	اللتفات في الصلاة کا حکم	۵۰۴	مسئلہ رفع يدين
	(۹۴) باب: هل يلتفت لأمر ينزل به؟	۵۰۶	(۸۵) باب: إلى أين يرفع يديه؟
۵۱۷	أو يرى شيئاً أو بصاقاً في القبلة؟	۵۰۶	تکبیر تحریمہ میں ہاتھوں کو کہاں تک اٹھائے
	اگر نماز میں کوئی خاص واقعہ پیش آجائے یا	۵۰۶	رفع يدين کہاں تک ہو
۵۱۷	سامنے تھوک یا کوئی چیز دیکھے تو کیا یہ جائز ہے	(۸۶) باب رفع اليدين إذا قام	
۵۱۸	اسفار فی الفجر میں حنفیہ کا استدلال	۵۰۷	من الركعتين
	(۹۵) باب وجوب القراءة للإمام		دونوں ہاتھوں کے اٹھانے کا بیان جب دو
	والمأموم في الصلوات كلها، في	۵۰۷	رکعتیں پڑھ کر اٹھے
	الحضر و السفر، وما يجهر فيها	۵۰۸	(۸۸) باب الخشوع في الصلاة

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
	ایک رکعت میں دو سورتوں کے ایک ساتھ پڑھنے اور سورتوں کی آخری آیتوں اور ایک سورت کا قبل ایک سورت کے اور سورت کی ابتدائی آیتوں کے پڑھنے کا بیان	۵۱۸	وما ینخالف۔
۵۳۲	ایک رکعت میں ایک سے زائد سورتیں پڑھنا	۵۱۸	تمام نمازوں میں خواہ وہ سفر میں ہوں یا حضر میں ہوں سری ہوں یا جبری، امام اور مقتدی کے لئے قرأت کے واجب ہونے کا بیان
۵۳۳	سورۃ کا آخری حصہ پڑھنا	۵۱۹	حضرت سعدؓ کی معزولی
۵۳۳	قراءۃ میں ترتیب مصحف عثمانی کی رعایت کا حکم	۵۱۹	معزول کرنے کی مختلف وجوہات
۵۳۳	سورۃ کے ابتدائی حصہ کی قراءۃ کا حکم	۵۲۲	حضرت سعدؓ کی بددعا
	(۱۰۷) باب: یقرأ فی الآخرین	۵۲۳	ترجمۃ الباب کا مقصد
۵۳۶	بفاتحة الكتاب	۵۲۳	ترجمۃ الباب کے اجزاء کی تشریح
	آخری دونوں رکعتوں میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھی جائے	۵۲۵	(۹۶) باب القراءة فی الظهر
۵۳۶	آخری رکعتیں میں سورۃ فاتحہ کا حکم	۵۲۵	نمازِ ظہر میں قرأت کا بیان
۵۳۶	(۱۱۱) باب جهر الإمام بالتأمین،	۵۲۶	ترجمۃ الباب سے مناسبت؟
۵۳۷	امام کا بلند آواز سے آمین کہنے کا بیان	۵۲۶	(۹۸) باب القراءة فی المغرب
۵۳۷	آمین کا رواج	۵۲۶	مغرب کی نماز میں قرآن پڑھنے کا بیان
۵۳۹	(۱۱۳) باب إذا رکع دون الصف	۵۲۷	مروان بن حکم کی روایت کا حکم
۵۳۹	صف میں پہنچنے سے پہلے رکوع کر لینے کا بیان	۵۲۸	ضم سورۃ کا حکم
۵۳۹	خلف صفوں اکیلے نماز پڑھنے کا حکم	۵۳۰	(۱۰۵) باب الجهر بقراءة صلاة الصبح
۵۴۱	(۱۱۵) باب إتمام التكبير فی الركوع،	۵۳۰	نماز فجر کی قرأت میں بلند آواز سے پڑھنے کا بیان
۵۴۱	رکوع میں تکبیر کو پورا کرنے کا بیان	۵۳۱	حدیث کی تشریح
۵۴۱	رکوع میں تکبیر کا اہتمام کرنا	۵۳۲	مقصود بخاری رحمہ اللہ
۵۴۱	حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی توجیہ		(۱۰۶) باب الجمع بین السورتین
۵۴۲	علامہ عینی رحمہ اللہ کی توجیہ	۵۳۲	فی رکعة، والقراءة بالخواتم، و بسورة قبل سورة، وبأول سورة.

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۵۱	حدیث کی تشریح	۵۴۲	تیسری توجیہ
۵۵۲	سوال	(۱۱۷) باب التکبیر إذا قام من	
۵۵۲	جواب	السجود	
۵۵۷	جنتی اور جہنمی ہونے کا فیصلہ!	۵۴۳	سجدوں سے جب فارغ ہو کر کھڑا ہو تو اس
۵۵۸	(۱۳۳) باب السجود علی الأنف	۵۴۳	وقت تکبیر کہنے کا بیان
۵۵۸	ناک کے بل سجدہ کرنے کا بیان	(۱۱۸) باب وضع الکف علی	
۵۵۸	”التصارع علی الأنف“ اور مسلک حنفیہ	الركب فی الركوع	
(۱۳۵) باب السجود علی الأنف		۵۴۵	رکوع میں ہتھیلیوں کا گھٹنوں پر رکھنے کا بیان
۵۵۸	فی الطین	(۱۲۰) باب استواء الظهر	
۵۵۸	کچڑ میں بھی ناک کے بل سجدہ کرنے کا بیان	فی الركوع	
(۱۳۶) باب عقد الثیاب و شدھا،		۵۴۶	رکوع میں پیٹھ کے برابر کرنے کا بیان
ومن ضم إلیہ ثوبہ إذا خاف أن		(۱۲۳) باب ما یقول الامام ومن	
۵۶۰	تکشف عورتہ	۵۴۶	خلفہ اذا رفع رأسه من الركوع
کپڑوں میں گرہ لگانے اور ان کے باندھنے کا		امام اور جو لوگ اس کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں	
بیان اور ستر کھلنے کے خوف سے اگر کوئی شخص		۵۴۶	جب رکوع سے سر اٹھائیں تو کیا کہیں؟
۵۶۰	اپنا کپڑا الپیٹ لے	(۱۲۷) باب الاطمینان حین یرفع	
(۱۳۷) باب لا یکف شعرا		وأسه من الركوع	
۵۶۰	نماز میں بال درست نہ کرے	۵۴۷	جب رکوع سے اپنا سر اٹھائے اس وقت
(۱۳۹) باب التسیب والدعاء فی		۵۴۷	الطمینان سے کھڑا ہونے کا بیان
۵۶۱	السجود	(۱۲۸) باب : یھوی بالتکبیر حین یسجد	
۵۶۱	سجدوں میں دعا اور تسبیح کا بیان	۵۴۷	جب سجدہ کرے تو تکبیر کہتا ہوا جھکے
(۱۴۰) باب المکث بین السجدتین		۵۴۸	تشریح
۵۶۲	دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے کا بیان	(۱۲۹) باب فضل السجود	
۵۶۲	مقدار جلسہ بین السجدتین	۵۴۹	سجدہ کرنے کی فضیلت کا بیان

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۷۰	ترجمۃ الباب پر سوال		(۱۴۲) باب من استوی قاعد آفی
۵۷۰	(۱۴۹) باب الدعاء قبل السلام	۵۶۳	وتر من صلاتہ ثم نہض
۵۷۰	سلام پھیرنے سے پہلے دعا کرنے کا بیان		نماز کی طاق رکعت میں سیدھے بیٹھنے، پھر
	(۱۵۰) باب ما یتخیر من الدعاء بعد	۵۶۳	کھڑے ہونے کا بیان
۵۷۲	التشهد، ولیس بواجب	۵۶۳	جلسہ استراحت کا حکم
	جو دعا بھی پسند ہو، تشهد کے بعد پڑھ سکتا ہے		(۱۴۵) باب سنة الجلوس
۵۷۲	اور دعا کا پڑھنا کوئی ضروری چیز نہیں ہے	۵۶۳	فی التشهد .
	(۱۵۱) باب من لم یمسح جہتہ	۵۶۳	تشہد کے لئے بیٹھنے کا طریقہ
۵۷۳	وأنفہ حتی صلی .	۵۶۳	تشہد میں بیٹھنے کا مسنون طریقہ
	اپنی پیشانی اور ناک نماز ختم کرنے تک	۵۶۵	اعتراض
۵۷۳	نہیں پونچھے	۵۶۵	حنفیہ کے دلائل
۵۷۴	(۱۵۲) باب التسليم	۵۶۶	"أم الدرداء" کون؟
۵۷۴	سلام پھیرنے کا بیان		(۱۴۶) باب من لم یر التشهد
۵۷۵	(۱۵۳) باب: یسلم حین یسلم الإمام	۵۶۶	الأول و اجبا،
۵۷۵	جب امام سلام پھیرے تو مقتدی سلام پھیرے		ان کا بیان جنہوں نے پہلے تشهد کو واجب
۵۷۵	ترجمۃ الباب کا منشا	۵۶۶	نہیں سمجھا
	(۱۵۴) باب لم من یرد السلام علی	۵۶۷	مقصود بخاری رحمہ اللہ
۵۷۶	الإمام، واکتفی بتسليم الصلاة	۵۶۷	استدلال بخاری رحمہ اللہ
	بعض لوگ نماز میں امام کو سلام کرنے کے قائل	۵۶۷	حنفیہ کا مسلک
۵۷۶	نہیں اور نماز کے سلام کو کافی سمجھتے ہیں	۵۶۸	(۱۴۷) باب التشهد فی الأولى
۵۷۶	مقصود امام بخاری رحمہ اللہ	۵۶۸	پہلے قعدہ میں تشهد پڑھنے کا بیان
۵۷۷	(۱۵۵) باب الذكر بعد الصلوة	۵۶۸	(۱۴۸) باب التشهد فی الآخرة .
۵۷۷	نماز کے بعد ذکر کا بیان	۵۶۸	آخری قعدہ میں تشهد پڑھنے کا بیان
۵۷۹	ذکر خفی کی افصلیت	۵۶۹	آخری تشهد کا حکم

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
	و حضورہم الجماعة والعیدین	۵۷۹	تکرار روایت کی وجہ
۵۹۰	والجنائز، و صفوفہم؟	۵۷۹	مروی عنہ اپنی روایت کا انکار کرے تو اس کا حکم
	بچوں کے وضو کرنے کا بیان اور ان پر غسل اور		(۱۵۶) باب : استقبال الإمام الناس
	طہارت اور جماعت میں اور عیدین میں اور	۵۸۱	إذا سلم
	جنازوں میں حاضر ہونا کب واجب ہے؟ اور		امام لوگوں کی طرف منہ کر لے جب سلام
۵۹۰	ان کی صفوں کا بیان	۵۸۱	پھیر لے
۵۹۰	بچوں سے متعلق مسائل	۵۸۱	بعد السلام امام کو کیا کہنا چاہئے
۵۹۱	بچوں کو صف میں کھڑا کرنا	۵۸۲	اختلاف ائمہ
۵۹۳	عورتوں کا مسجد میں بغرض جماعت آنا	۵۸۲	حنفیہ کی طرف سے جواب
۵۹۶	دور نبوی میں خواتین کا مسجد میں آنا	۵۸۳	قول فیصل
۵۹۶	حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا ایک واقعہ	۵۸۳	”السلام علیک“ کی توجیہ
۵۹۷	عورتوں کا عید کی نماز میں شامل ہونا		(۱۵۷) باب مکث الإمام فی مصلیہ
	عورتوں کا تبلیغی جماعت میں جانا اور مدرسہ	۵۸۵	بعد السلام
۵۹۷	البنات کا حکم		امام کا سلام کے بعد اپنے مصلے پر ٹھہرنے کا بیان
		۵۸۵	امام سنتیں کہاں پڑھے
		۵۸۵	حنفیہ اور دیگر فقہاء کا مسلک
			(۱۵۸) باب من صلی بالناس فذکر
		۵۸۷	حاجة لخطاہم.
			نماز پڑھا چکنے کے بعد اگر کسی کو اپنی ضرورت
		۵۸۷	یا آئے تو لوگوں کو پھاندتا ہوا چلا جائے
		۵۸۸	ترجمۃ الباب کا مقصد
		۵۸۹	ایذاء مسلم سے بچنے کا اہتمام
			(۱۶۱) باب وضوء الصبیان و متی
			يجب علیہم الغسل والطهور:

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى .

عرض مرتب

اساتذہ گرام کی درسی تقاریر کو ضبط تحریر میں لانے کا سلسلہ زمانہ قدیم سے چلا آ رہا ہے ابناے دارالعلوم دیوبند وغیرہ میں فیض الباری، فضل الباری، انوار الباری، لامع الدراری، الکوکب الدری، الحل المفہم لصحیح مسلم، کشف الباری، تقریر بخاری شریف اور درس بخاری جیسی تصانیف اکابر کی ان درسی تقاریر ہی کی زندہ مثالیں ہیں اور علوم نبوت کے طالبین ہر دور میں ان تقاریر دل پذیر سے استفادہ کرتے رہیں اور کرتے رہیں گے۔

جامعہ دارالعلوم کراچی میں صحیح بخاری کی مسند تدریس پر رونق آراء شخصیت شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم (سابق جسٹس شریعت ایلیٹ بیچ سپریم کورٹ آف پاکستان) علمی وسعت، فقیہانہ بصیرت، فہم دین اور شگفتہ طرز تفہیم میں اپنی مثال آپ ہیں، درس حدیث کے طلبہ اس بحر بے کنار کی وسعتوں میں کھو جاتے ہیں اور بحث و نظر کے نئے نئے افق ان کے نگاہوں کو خیرہ کر دیتے ہیں، خاص طور پر جب جدید تمدن کے پیدا کردہ مسائل سامنے آتے ہیں تو شرعی نصوص کی روشنی میں ان کا جائزہ، حضرت شیخ الاسلام کا وہ میدان بحث و نظر ہے جس میں ان کا ثانی نظر نہیں آتا۔

آپ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ بانی دارالعلوم دیوبند کی دعاؤں اور تمناؤں کا مظہر بھی ہیں، کیونکہ انہوں نے آخر عمر میں اس تمنا کا اظہار فرمایا تھا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں انگریزی پڑھوں اور یورپ پہنچ کر ان دانایان فرنگ کو بتاؤں کہ حکمت وہ نہیں جسے تم حکمت سمجھ رہے ہو بلکہ حکمت وہ ہے جو انسانوں کے دل و دماغ کو حکیم بنانے کے لئے حضرت خاتم النبیین ﷺ کے مبارک واسطے سے خدا کی طرف سے دنیا کو عطا کی گئی۔

افسوس کہ حضرت کی عمر نے وفانہ کی اور یہ تمنا تھوڑے تکمیل رہی، لیکن اللہ رب العزت اپنے پیاروں کی تمناؤں اور دعاؤں کو رد نہیں فرماتے، اللہ ﷻ نے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی تمنا کو دور حاضر میں شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ کی صورت میں پورا کر دیا کہ آپ کی علمی و عملی کاوشوں کو دنیا بھر کے مشاہیر اہل علم و فن میں سراہا جاتا ہے خصوصاً اقتصادیات کے شعبہ میں اپنی مثال آپ ہیں کہ قرآن و حدیث، فقہ و تصوف اور تدین و تقویٰ کی جامعیت کے ساتھ ساتھ قدیم اور جدید علوم پر دسترس اور ان کو دور حاضر کی زبان پر سمجھانے کی صلاحیت آپ کو منجانب اللہ عطا ہوئی ہے۔

جامعہ دارالعلوم کراچی کے سابق شیخ الحدیث حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ جب یہ میرے پاس پڑھنے کے لئے آئے تو بمشکل ان کی عمر گیارہ/بارہ سال تھی مگر اسی وقت سے ان پر آثار ولایت محسوس ہونے لگے اور رفتہ رفتہ ان کی صلاحیتوں میں ترقی و برکت ہوتی رہی، یہ مجھ سے استفادہ کرتے رہے اور میں ان سے استفادہ کرتا رہا۔

سابق شیخ الحدیث حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے مجھ سے مجلس خاص میں مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کا ذکر آنے پر کہا کہ تم محمد تقی کو کیا سمجھتے ہو، یہ مجھ سے بھی بہت اوپر ہیں اور یہ حقیقت ہے۔

ان کی ایک کتاب علوم القرآن ہے اس کی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی حیات میں تکمیل ہوئی اور چھپی اس پر مفتی محمد شفیع صاحب نے غیر معمولی تقریظ لکھی ہے۔ اکابرین کی عادت ہے کہ جب کسی کتاب کی تعریف کرتے ہیں تو جانچ تول کر بہت نیچے تلے انداز میں کرتے ہیں کہ کہیں مبالغہ نہ ہو مگر حضرت مفتی صاحب قدس سرہ لکھتے ہیں کہ:

یہ مکمل کتاب ماشاء اللہ ایسی ہے کہ اگر میں خود بھی اپنی تندرستی کے زمانے میں لکھتا تو ایسی نہ لکھ سکتا تھا، جس کی دو وجہ ظاہر ہیں:

پہلی وجہ تو یہ کہ عزیز موصوف نے اس کی تصنیف میں جس تحقیق و تنقید اور متعلقہ کتابوں کے عظیم ذخیرہ کے مطالعہ سے کام لیا، وہ میرے بس کی بات نہ تھی، جن کتابوں سے یہ مضامین لئے گئے ہیں ان سب مآخذوں کے حوالے بقید ابواب و صفحات حاشیہ میں درج ہیں، انہی پر سرسری نظر ڈالنے سے ان کی تحقیقی کاوش کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

اور دوسری وجہ جو اس سے بھی زیادہ ظاہر ہے وہ یہ کہ میں انگریزی زبان سے ناواقف ہونے کی بناء پر مستشرقین یورپ کی ان کتابوں سے بالکل ہی ناواقف تھا، جن میں انہوں نے قرآن کریم اور علوم قرآن کے متعلق زہر آلود تلیسیات سے کام لیا ہے، برخوردار عزیز نے چونکہ انگریزی میں بھی ایم۔ اے، ایل۔ ایل۔ بی اعلیٰ نمبروں میں پاس کیا، انہوں نے ان تلیسیات کی حقیقت کھول کر وقت کی اہم ضرورت پوری کر دی۔

اسی طرح شیخ عبدالفتاح ابوعدہ رحمہ اللہ نے حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کے بارے میں

تحریر کیا:

لقد من الله تعالى بتحقيق هذه الأمنية الغالية الكريمة ،
 وطبع هذا الكتاب الحديثي الفقهي العجائب ، في مدينة
 كراتشي من باكستان ، متوجا بخدمة علمية ممتازة ، من
 العلامة المحقق المحدث الفقيه الأريب الأديب فضيلة
 الشيخ محمد تقی العثماني ، نجل سماحة شيخنا المفتي
 الأكبر مولانا محمد شفیع مد ظله العالی فی عافیة وسرور .
 فقام ذاك النجل الوارث الألمعی بتحقیق هذا
 الكتاب والتعليق عليه ، بما يستكمل غاياته ومقاصده ، ويتم فرائده
 وفوائده ، في ذوق علمي رفيع ، وتنسيق فني طباعی بديع ، مع
 أبهى حلة من جمال الطباعة الحديثة الراقية فجاء المجلد
 الأول منه تحفة علمية رائعة . تتجلى فيها خدمات المحقق
 اللوذعي فحاحة باكستان فاستحق بهذا الصنيع العلمي الرائع : شكر
 طلبة العلم والعلماء .

کہ علامہ شبیر احمد عثمانی کی کتاب شرح صحیح مسلم جس کا نام فتح الملہم
 بشرح صحیح مسلم اس کی تکمیل سے قبل ہی اپنے مالک حقیقی سے
 جاملے۔ تو ضروری تھا کہ آپ کے کام اور اس حسن کارکردگی کو پایہ تکمیل
 تک پہنچائیں اسی بناء پر ہمارے شیخ ، علامہ مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع
 رحمہ اللہ نے ذہین و ذکی فرزند ، محدث جلیل ، فقیہ ، ادیب و اریب مولانا
 محمد تقی عثمانی کی اس سلسلہ میں ہمت و کوشش کو ابھارا کہ فتح الملہم
 شرح مسلم کی تکمیل کرے ، کیونکہ آپ حضرت شیخ شارح شبیر احمد عثمانی
 کے مقام اور حق کو خوب جانتے تھے اور پھر اس کو بھی بخوبی جانتے تھے کہ
 اس با کمال فرزند کے ہاتھوں انشاء اللہ یہ خدمت مکافہ انجام کو پہنچے گی۔

اسی طرح عالم اسلام کی مشہور فقہی شخصیت ڈاکٹر علامہ یوسف القرضاوی ”تکملة فتح الملہم“ پر

تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وقد ادخر القدر فضل اکماله وإتمامه - إن شاء الله - لعالم

جليل من أسره علم و فضل "ذرية بعضها من بعض" هو
الفقيه ابن الفقيه، صديقنا العلامة الشيخ محمد تقى
العثمانى، بن الفقيه العلامة المفتى مولانا محمد شفيع
رحمه الله وأجزل مثوبته، و تقبله فى الصالحين .

وقد أتاحت لى الأقدار أن أتعرف عن كتب على الأخ
الفاضل الشيخ محمد تقى، فقد التقيت به فى بعض
جلسات الهيئة العليا للفتوى والرقابة الشرعية للمصارف
الإسلامية، ثم فى جلسات مجمع الفقه الإسلامى العالمى،
وهو يمثل فيه دولة باكستان، ثم عرفته أكثر فأكثر، حين سعدت
به معى عضوا فى الهيئة الشرعية لمصرف فيصل الإسلامى
بالبخزين، والذي له فروع عدة فى باكستان .

وقد لمست فيه عقلية الفقيه المطلع على
المصادر، المتمكن من النظر والاستنباط، القادر على الاختيار
والترجيح، والواعى لما يدور حوله من أفكار و
مشكلات - أنتجها

هذا العصر الحريص على أن تسود شريعة الاسلام
وتحكم فى ديار المسلمين .

ولا ريب أن هذه الخصائص تجلت فى شرحه لصحيح
مسلم، وبعبارة أخرى: فى تكملته لفتح الملهم .

فقد وجدت فى هذا الشرح: حسن المحدث،
وملكة الفقيه، وعقلية المعلم، وأناة القاضى، ورؤية
العالم المعاصر، جنبا إلى جنب .

ومما يذكر له هنا: أنه لم يلتزم بأن يسير على
نفس طريقة شيخه العلامة شبير أحمد، كما نصحه
بذلك بعض أحبابه، وذلك لوجوه وجيهة ذكرها فى
مقدمته .

ولا ریب أن لكل شیخ طریقته وأسلوبه الخاص، الذی یتأثر بمكانه وزمانه وثقافته، وتيارات الحياة من حوله. ومن التکلف الذی لا یحمد محاولة العالم أن یكون نسخة من غیره، وقد خلقه الله مستقلاً.

لقد رأیت شروحا عدة لصحیح مسلم، قديمة وحديثة. ولكن هذا الشرح للعلامة محمد تقی هو أول اها بالتنويع، وأوفاهها بالفوائد والفرائد، وأحقها بأن یكون هو (شرح العصر) للصحیح الثانی.

فهو موسوعة بحق، تتضمن بحوثاً وتحقیقات حدیثية، وفقهية ودعوية وتربوية. وقد هیأت له معرفته بأكثر من لغة، ومنها الإنجلیزیه، وكذلك قراءته لثقافة العصر، وإطلاعه على كثير من تياراته الفکرية، أن یعقد مقارنات شنی بین أحكام الإسلام وتعالیمه من ناحية، و بین الدینات والفلسفات والنظریات المخالفة من ناحية أخرى وأن یبین هنا أصالة الإسلام وتمیزه الخ-

انہوں نے فرمایا کہ مجھے ایسے مواقع میسر ہوئے کہ میں برادر فاضل شیخ محمد تقی کو قریب سے پہچانوں۔ بعض فتوؤں کی مجالس اور اسلامی محکموں کے نگراں شعبوں میں آپ سے ملاقات ہوئی پھر مجمع الفقہ الاسلامی کے جلسوں میں بھی ملاقات کے مواقع آتے رہے، آپ اس مجمع میں پاکستان کی نمائندگی فرماتے ہیں۔ الغرض اس طرح میں آپ کو قریب سے جانتا رہا اور پھر یہ تعارف بڑھتا ہی چلا گیا جب میں آپ کی ہمراہی سے فیصل اسلامی بینک (بحرین) میں سعادت مند ہوا آپ وہاں ممبر منتخب ہوئے تھے جس کی پاکستان میں بھی کئی شاخیں ہیں۔

تو میں نے آپ میں فقہی سمجھ خوب پائی اس کے ساتھ مصادر و آخذ فقہیہ پر پور اطلاع اور فقہ میں نظر و فکر اور استنباط کا ملکہ اور ترجیح و اختیار پر خوب قدرت محسوس کی۔

اس کے ساتھ آپ کے ارد گرد جو خیالات و نظریات اور مشکلات منڈلا رہی ہیں جو اس زمانے کا نتیجہ ہیں ان میں بھی سوچ سمجھ رکھنے والا پایا اور آپ ماشاء اللہ اس بات پر حریص رہتے ہیں کہ شریعت اسلامیہ کی بالادستی قائم ہو اور مسلمان علاقوں میں اس کی حاکمیت کا دور دورہ ہو اور بلاشبہ آپ کی یہ خصوصیات آپ کی شرح صحیح مسلم (تکملہ فتح الملہم میں خوب نمایاں اور روشن ہے۔

میں نے اس شرح کے اندر ایک محدث کا شعور، فقیہ کا ملکہ، ایک معلم کی ذکاوت، ایک قاضی کا تدبر اور ایک عالم کی بصیرت محسوس کی۔ میں نے صحیح مسلم کی قدیم و جدید بہت سی شروح دیکھی ہیں لیکن یہ شرح تمام شروح میں سب سے زیادہ قابل توجہ اور قابل استفادہ ہے، یہ جدید مسائل کی تحقیقات میں موجودہ دور کا فقہی انسان کو پیڑیا ہے اور ان سب شروح میں زیادہ حق دار ہے کہ اس کو صحیح مسلم کی اس زمانے میں سب سے عظیم شرح قرار دی جائے۔

یہ شرح قانون کو وسعت سے بیان کرتی ہے اور سیر حاصل اجاث اور جدید تحقیقات اور فقہی، دعوتی، تربیتی مباحث کو خوب شامل ہے۔ اس کی تصنیف میں حضرت مؤلف کو کئی زبانوں سے ہم آہنگی خصوصاً انگریزی سے معرفت کام آئی ہے اسی طرح زمانے کی تہذیب و ثقافت پر آپ کا مطالعہ اور بہت سی فکری رجحانات پر اطلاع وغیرہ میں بھی آپ کو دسترس ہے۔ ان تمام چیزوں نے آپ کے لئے آسانی کر دی کہ اسلامی احکام اور اس کی تعلیمات اور دیگر عصری تعلیمات اور فلسفے اور مخالف نظریات کے درمیان فیصلہ کن رائے دیں اور ایسے مقامات پر اسلام کی خصوصیات اور امتیاز کو اجاگر کریں۔

احقر بھی جامعہ دارالعلوم کراچی کا خوشہ چین ہے اور بحمد اللہ اساتذہ کرام کے علمی دروس اور اصلاحی مجالس سے استفادے کی کوشش میں لگا رہتا ہے اور ان مجالس کی افادیت کو عام کرنے کے لئے خصوصی انتظام کے تحت گزشتہ چودہ (۱۴) سالوں سے ان دروس و مجالس کو آڈیو کیسٹس میں ریکارڈ بھی کر رہا ہے۔ اس وقت سمعی مکتبہ میں اکابر کے بیانات اور دروس کا ایک بڑا ذخیرہ احقر کے پاس جمع ہے، جس سے ملک و بیرون ملک وسیع پیمانے پر

استفادہ ہو رہا ہے؛ خاص طور پر درس بخاری کے سلسلے میں احقر کے پاس اپنے دو اساتذہ کے دروس موجود ہیں۔
استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث حضرت مولانا سبحان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا درس بخاری جو دو سو کیسٹس میں محفوظ ہے اور شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ کا درس حدیث تقریباً تین سو کیسٹس میں محفوظ کر لیا گیا ہے۔

انہیں کتابی صورت میں لانے کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ کیسٹ سے استفادہ عام مشکل ہوتا ہے، خصوصاً طلبہ کرام کے لئے وسائل و سہولت نہ ہونے کی بناء پر سبھی بیانات کو خریدنا اور پھر حفاظت سے رکھنا ایک الگ مسئلہ ہے جب کہ کتابی شکل میں ہونے سے استفادہ ہر خاص و عام کے لئے سہل ہے۔

چونکہ جامعہ دارالعلوم کراچی میں صحیح بخاری کا درس ساہا سال سے استاذ معظم شیخ الحدیث حضرت مولانا سبحان محمود صاحب قدس سرہ کے سپرد رہا۔ ۲۹ رزی الحجۃ ۱۴۱۹ھ بروز ہفتہ کوشخ الحدیث کا حادثہ وفات پیش آیا تو صحیح بخاری شریف کا یہ درس مؤرخہ ۴ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ بروز بدھ سے شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کے سپرد ہوا۔ اسی روز صبح ۸ بجے سے مسلسل ۲ سالوں کے دروس ٹیپ ریکارڈز کی مدد سے ضبط کئے۔ انہی لمحات سے استاذ محترم کی مومنانہ نگاہوں نے تاک لیا اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ یہ مواد کتابی شکل میں موجود ہونا چاہئے، اس بناء پر احقر کو ارشاد فرمایا کہ اس مواد کو تحریری شکل میں لا کر مجھے دیا جائے تاکہ میں اس میں سبقاً سبقاً نظر ڈال سکوں، جس پر اس کام (انعام الباری) کے ضبط و تحریر میں لانے کا آغاز ہوا۔

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ کیسٹ میں بات منہ سے نکلے اور ریکارڈ ہو گئی اور بسا اوقات سبقت لسانی کی بناء پر عبارت آگے پیچھے ہو جاتی ہے (فالبشری غلطی) جن کی تصحیح کا ازالہ کیسٹ میں ممکن نہیں۔ لہذا اس وجہ سے بھی اسے کتابی شکل دی گئی تاکہ حتی المقدور غلطی کا تدارک ہو سکے۔ آپ کا یہ ارشاد اس حزم و احتیاط کا آئینہ دار ہے جو سلف سے منقول ہے ”کہ سعید بن جبیرؓ کا بیان ہے کہ شروع میں سیدنا حضرت ابن عباسؓ نے مجھ سے آموختہ سنا چاہا تو میں گھبرایا، میری اس کیفیت کو دیکھ کر ابن عباسؓ نے فرمایا کہ:

أوليس من نعمة الله عليك أن تحدث وأنا شاهد لأن اصبحت

لهذا وإن اخطأت علمتك .

(طبقات ابن سعد: ص: ۱۷۹، ج: ۶ و تدوین حدیث: ص: ۱۵۷)

کیا حق تعالیٰ کی یہ نعمت نہیں ہے کہ تم حدیث بیان کرو اور میں موجود ہوں،

اگر صحیح طور پر بیان کرو گے تو اس سے بہتر بات کیا ہو سکتی ہے اور اگر غلطی

کرو گے تو میں تم کو بتا دوں گا۔

اس کے علاوہ بعض بزرگان دین اور بعض احباب نے سبھی مکتبہ کے اس علمی اثاثے کو دیکھ کر اس خواہش

کا اظہار کیا کہ درس بخاری کو تحریری شکل میں بھی پیش کیا جائے اس سے استفادہ مزید سہل ہوگا ”درس بخاری“ کی یہ کتاب بنام ”انعام الباری“ جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، اسی کاوش کا ثمرہ ہے۔

حضرت شیخ الاسلام حفظہ اللہ کو بھی احقر کی اس محنت کا علم اور احساس ہے اور احقر سمجھتا ہے کہ بہت سی مشکلات کے باوجود اس درس کی سمعی و نظری تجلیل و تحریر میں پیش رفت حضرت ہی کی دعاؤں کا ثمرہ ہے۔

احقر کو اپنی تہی دامن کی احساس ہے یہ مشغلہ بہت بڑا علمی کام ہے، جس کے لئے وسیع مطالعہ، علمی پختگی اور استحضار کی ضرورت ہے، جبکہ احقر ان تمام امور سے عاری ہے، اس کے باوجود ایسی علمی خدمت کے لئے کمر بستہ ہونا صرف فضل الہی، اپنے مشفق استاذہ کرام کی دعاؤں اور خاص طور پر موصوف استاد محترم دامت برکاتہم کی نظر عنایت، اعتماد، توجہ، حوصلہ افزائی اور دعاؤں کا نتیجہ ہے۔

ناچیز مرتب کو مراحل ترتیب میں جن مشکلات و مشقت سے واسطہ پڑا وہ الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے اور ان مشکلات کا اندازہ اس بات سے بھی بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ کسی موضوع پر مضمون و تصنیف لکھنے والے کو یہ سہولت رہتی ہے کہ لکھنے والا اپنے ذہن کے مطابق بنائے ہوئے خاکہ پر چلتا ہے، لیکن کسی دوسرے بڑے عالم اور خصوصاً ایسی علمی شخصیت جس کے علمی تجر و برتری کا معاصر مشاہیر اہل علم و فن نے اعتراف کیا ہو ان کے افادات اور دقیق فقہی نکات کی ترتیب و مراجعت اور تعین عنوانات مذکورہ مرحلہ سے کہیں دشوار و کٹھن ہے۔ اس عظیم علمی اور تحقیقی کام کی مشکلات مجھ جیسے طفل مکتب کے لئے کم نہ تھیں، اپنی بے مائیگی، نااہلی اور کم علمی کی بناء پر اس کے لئے جس قدر دماغ سوزی اور عرق ریزی ہوئی اور جو محنت و کاوش کرنا پڑی مجھ جیسے نااہل کے لئے اس کا تصور بھی مشکل ہے البتہ فضل ایزدی ہر مقام پر شامل حال رہا۔

یہ کتاب ”انعام الباری“ جو آپ کے ہاتھوں میں ہے: یہ سارا مجموعہ بھی بڑا قیمتی ہے، اس لئے کہ حضرت استاذ موصوف کو اللہ تعالیٰ نے جو تجر علمی عطا فرمایا وہ ایک دریائے ناپید کنارہ ہے، جب بات شروع فرماتے تو علوم کے دریا بہنا شروع ہو جاتے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو وسعت مطالعہ اور عمق فہم دونوں سے نوازا ہے، اس کے نتیجہ میں حضرت استاذ موصوف کے اپنے علوم و معارف جو بہت ساری کتابوں کے چھاننے کے بعد خلاصہ و عطر ہے وہ اس مجموعہ انعام الباری میں دستیاب ہے، اس لئے آپ دیکھیں گے کہ جگہ جگہ استاذ موصوف کی فقہی آراء و تشریحات، ائمہ اربعہ کی موافقات و مخالقات پر محققانہ مدلل تبصرے علم و تحقیق کی جان ہیں۔

یہ کتاب (صحیح بخاری) ”کتاب بدء الوحی سے کتاب التوحید“ تک مجموعی کتب ۹۷، احادیث ”۷۵۶۳“ اور ابواب ”۳۹۳۰“ پر مشتمل ہے، اسی طرح ہر حدیث پر نمبر لگا کر احادیث کے مواضع و متکررہ کی نشان دہی کا بھی التزام کیا ہے کہ اگر کوئی حدیث بعد میں آنے والی ہے تو حدیث کے آخر میں [انظر] نمبروں کے ساتھ اور اگر حدیث گزری ہے تو [راجع] نمبروں کے ساتھ نشان لگادیئے ہیں۔

بخاری شریف کی احادیث کی تخریج **الکتب التسعة** (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ، موطاء مالک، سنن الدارمی اور مسند احمد) کی حدیث کر دی گئی ہے، کیونکہ بسا اوقات ایک ہی حدیث کے الفاظ میں جو تفاوت ہوتا ہے ان کے فوائد سے حضرات اہل علم خوب واقف ہیں، اس طرح انہیں آسانی ہوگی۔

قرآن کریم کی جہاں جہاں آیات آئی ہیں ان کے حوالہ مع ترجمہ، سورۃ کا نام اور آیتوں کے نمبر ساتھ ساتھ دیدئے گئے ہیں۔ شروح بخاری کے سلسلے میں کسی ایک شرح کو مرکز نہیں بنایا بلکہ حتی المقدور بخاری کی مستند اور مشہور شروح کو پیش نظر رکھا گیا، البتہ مجھ جیسے مبتدی کے لئے **عمدة القاری** اور **تکملة فتح الملہم** کا حوالہ بہت آسان ثابت ہوا۔ اس لئے جہاں **تکملة فتح الملہم** کا کوئی حوالہ مل گیا تو اسی کو حتمی سمجھا گیا۔

رب متعال حضرت شیخ الاسلام کا سایہ عاطفت و عافیت و سلامت کے ساتھ عمر دار زعطا فرمائے، جن کا وجود مسعود بلاشبہ اس وقت ملت اسلامیہ کے لئے نعمت خداوندی کی حیثیت رکھتا ہے اور امت کا عظیم سرمایہ ہے اور جن کی زبان و قلم سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن و حدیث اور اجماع امت کی صحیح تعبیر و تشریح کا اہم تجدیدی کام لیا ہے۔

رب کریم اس کاوش کو قبول فرما کر احقر اور اس کے والدین اور جملہ اساتذہ کرام کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے، جن حضرات اور احباب نے اس کام میں مشوروں، دعاؤں یا کسی بھی طرح سے تعاون فرمایا ہے، مولائے کریم اس محنت کو ان کے لئے فلاح دارین کا ذریعہ بنائے اور خاص طور پر استاد محترم شیخ القراء حافظ قاری مولانا عبدالملک صاحب حفظہ اللہ کو فلاح دارین سے نوازے جنہوں نے ہمہ وقت کتاب اور حل عبارات کے دشوار گزار مراحل کو احقر کے لئے سہل بنا کر لائبریری سے بے نیاز رکھا۔

صاحبان علم کو اگر اس درس میں کوئی ایسی بات محسوس ہو جو ان کی نظر میں صحت و تحقیق کے معیار سے کم ہو اور ضبط و نقل میں ایسا ہونا ممکن بھی ہے تو اس نقص کی نسبت احقر کی طرف کریں اور ازراہ عنایت اس پر مطلع بھی فرمائیں۔

دعا ہے کہ اللہ ﷻ اسلاف کی ان علمی امانتوں کی حفاظت فرمائے، اور ”انعام الباری“ کے باقی ماندہ حصوں کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے تاکہ علم حدیث کی یہ امانت اپنے اہل تک پہنچ سکے۔

آمین یا رب العالمین . وما ذلک علی اللہ بعزیز

بندہ: محمد انور حسین عفی عنہ

فاضل و متخصص جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

۱۲ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ

بمطابق ۱۹ فروری ۲۰۱۰ء بروز جمعہ



كتاب السلوة

٥٢٠ - ٣٤٩

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۸۔ کتاب الصلاة

(۱) باب کیف فرضت الصلاة فی الاسراء،

شبِ معراج میں نماز کس طرح فرض کی گئی

”وقال ابن عباس : حدثني أبو سفيان في حديث هو قل فقال : يأمرنا يعني النبي ﷺ بالصلاة والصدق والعفاف“

لفظ ”صلوة“ کے معنی اور وجہ تسمیہ

صلوة کے لغوی معنی ”دعا“ کے آتے ہیں، بعد میں اس کا اطلاق ارکان مخصوصہ کی ادائیگی پر ہونے لگا۔ بعض لوگوں نے یہ مناسبت تلاش کی ہے کہ صلوٰۃ صلوٰین سے نکلا ہے، آدمی کے کولہے کی ہڈیوں کو صلوٰین کہتے ہیں، کیونکہ نماز میں آدمی کے کولہے کی ہڈیاں حرکت میں آتی ہیں یعنی تحریک الصلوٰین ہوتا ہے، اس لئے اس کا نام صلوٰۃ رکھ دیا گیا، لیکن یہ بہت دور از کار قسم کی مناسبت ہے۔

بعض حضرات نے یہ فرمایا کہ صلوٰۃ کا نام صلوٰۃ اس لئے رکھا گیا ہے، کہ جب گھوڑوں میں گھڑ دوڑ ہوتی تھی تو اس میں سب سے پہلے نمبر پر آنے والے گھوڑے کو سابق اور دوسرے نمبر پر آنے والے کو مصطفیٰ کہا جاتا

تھا، تقریباً دس نام کیے بعد دیگرے الگ الگ رکھے ہیں۔

(۱) سابق	(۲) مصلی
(۳) مجلی	(۴) مقفی
(۵) عاطف	(۶) مرتاح
(۷) حظی	(۸) مؤمل
(۹) لطیم	(۱۰) سُکیت

اس میں دوسرے نمبر پر جو آتا ہے اس کو ”مصلی“ کہتے ہیں۔ ”مصلی“ ایسا ہوتا ہے کہ ”سابق“ آگے ہے تو ”مصلی“ کا جو منہ ہے وہ اس کی پشت کے قریب ہوتا ہے، تو کہتے ہیں کہ نماز پڑھنے کے اندر بھی جب جماعت ہوتی ہے تو جو آدمی پیچھے ہوتا ہے وہ اپنے امام کے ساتھ اس طرح ہوتا ہے کہ جس طرح مصلی سابق کے ساتھ ہوتا ہے، یہ مناسبت بھی بعض حضرات نے بیان کی ہے، اور حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس کو ”فیض الباری“ میں ترجیح بھی دی ہے۔ ۱

مجھے یوں لگتا ہے کہ اصل میں صلوٰۃ کے معنی ”دعا“ کے بھی آتے ہیں خواہ وہ کسی قسم کی بھی ہو، بعد میں اس لفظ کا اطلاق نماز کے معنی میں ہونے لگا اور صرف نماز ہی کے معنی میں نہیں بلکہ قرآن کریم میں اس کا اطلاق ہر طریق عبادت پر کیا گیا ہے، کوئی بھی شخص عبادت کا کوئی ایسا طریقہ اختیار کرے جس میں اللہ جل شانہ کی تعظیم اور اجلال مقصود ہو تو اس کو صلوٰۃ کہہ دیا جیسے ”وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مَكَاءً وَنَصِيدَةً“ تو اب ظاہر ہے کہ وہ نماز تو نہیں پڑھتے تھے لیکن ان کی عبادت کا خاص طریقہ تھا، جس کو وہ انجام دیتے تھے، اس واسطے مطلق عبادت کے طریقہ کو بھی صلوٰۃ کہہ دیا جاتا ہے، کیونکہ اسلام میں جو اہم ترین عبادت کا طریقہ مقرر کیا گیا ہے وہ یہی ہے، اس واسطے اس کو صلوٰۃ کہہ دیتے ہیں۔ ۲

۱۔ سمیت الصلاة صلاة لكونها متبعا بها فعل الامام. فان التالي للسابق من الخالي يستعنه مصلباً يكون رأسه صلوٰۃ السابق كذا ذكره الباقلائی، ووفق الوجه عندی فی سميتها لا أنها من تحريك الصلوتين، فان المقتدى يصلى خلف الامام ويتبع فعله و يجرى معه الخ. فیض الباری ج: ۲، ص: ۱۰۱.

۲۔ ثم معنى الصلاة في اللغة الغالبة الدعاء. قال تعالى: وَصَلَّ عَلَيْهِمُ [التوبة: ۱۰۳] أى: أَدْعَ لَهُمْ. وفي الحديث، في اجابة الدعوة: وان كان صائماً فليصل، أى: فليدع لهم بالخير والبركة. كذا ذكره العيني في العمدة، ج: ۳، ص: ۲۳۷ دار الفکر، بيروت.

کیفیت مشروعیت نماز

امام بخاری رحمہ اللہ نے باب قائم کیا ہے کہ سب سے پہلے یہ پانچ نمازیں اسراء کے موقع پر فرض ہوئیں، یعنی معراج کے موقع پر، لیکن اس پر کلام ہوا ہے کہ آیا معراج سے پہلے یعنی ان پانچ نمازوں کی فرضیت سے پہلے بھی کوئی نماز فرض تھی یا نہیں؟

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا تہجد کی نماز بالکل ابتداء اسلام سے فرض ہو گئی تھی جس کی دلیل یہ ہے کہ سورۃ مزمل میں تہجد کی نماز کا حکم دیا گیا ”يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا“ اور سورۃ مزمل نزول کے اعتبار سے بالکل ابتدائی سورتوں میں سے ہے، لہذا معلوم ہوا کہ اس وقت میں نماز مشروع ہو چکی تھی اور وہ رات کی نماز تھی، البتہ اس میں لوگوں نے کلام کیا ہے کہ تہجد کی نماز فرض تھی یا نفل تھی، تو اس میں زیادہ تر محققین کا کہنا یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے لئے تو فرض تھی اور بقیہ امت کے لئے فرض نہیں تھی۔

حضور اقدس ﷺ تہجد کے علاوہ بھی کوئی نماز پڑھا کرتے تھے؟

تو روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ معراج سے پہلے بھی دو نمازیں پڑھی جاتی تھیں، ایک فجر کی نماز اور دوسری عشاء کی نماز۔ اور ”وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعِشَاءِ وَالْإِبْكَارِ“ [آل عمران: ۴۱] اس میں جو حکم آیا ہے یہ فجر اور عشاء کی نماز کے لئے آیا ہے، یہ نمازیں پہلے بھی پڑھی جاتی تھیں اور متعدد روایات اس پر شاہد ہیں کہ یہ نمازیں (فجر و عشاء) پہلے بھی پڑھی جاتی تھیں، البتہ بعض حضرات نے فرضیت کا اور بعض نے نفل ہونے کا قول اختیار کیا ہے، لیکن جو حضرات کہتے ہیں فرض ہو گئی تھیں وہ اس کی دلیل میں یہ بات پیش کرتے ہیں کہ اس زمانے کی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ دو نمازیں بھی باقاعدہ صف بندی کے ساتھ جماعت سے ادا کی جاتی تھیں، اور شریعت میں معبود یہ ہے کہ صف بندی کے ساتھ ادا کی جانے والی نماز فرض ہوتی ہے، لہذا یہ نماز فرض تھی، لیکن یہ فرضیت پر یقینی دلیل نہیں ہے، البتہ اس کے بارے میں محقق بات یہ ہے کہ اتنی بات تو روایت سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسراء سے پہلے ہی فجر اور عشاء پڑھا کرتے تھے لیکن یہ بات یقین سے کہنا مشکل ہے کہ یہ دو نمازیں فرض تھیں یا نفل؟ اور سب سے پہلے پانچ نمازیں ”لیلة الاسراء“

۳۔ وفي شرح النكايه، كان فرض الصلوات الخمس ليلة المعراج، البحر الرائق، ج: ۱، ص: ۲۵۷.

۴۔ واختلف أيضاً هل كان فرضاً على النبي ﷺ وحده أو عليه وعلى من كان قبله من الانبياء أو عليه وعلى أمته. ثلاثة أقوال. الأول قول سعيد ابن جبير لوجه الخطاب إليه خاصة. الثاني قول ابن عباس قال كان قيام الليل فرضاً على النبي ﷺ وعلى الانبياء. الثالث قول عائشة وابن عباس أيضاً.... فقالت أأنت تقرأ يا أيها المزمل الخ، تفسير القرطبي، ج: ۱۹، ص: ۳۳.

میں فرض ہوں۔

واقعہ ”لیلۃ الاسراء“ کے وقوع میں اقوال شتی

”لیلۃ الاسراء“ کب ہوئی؟

اس کے بارے میں اصحاب سیر، حضرات محدثین اور مؤرخین کے درمیان خاصا اختلاف ہے کہ کس سال آپ ﷺ کو معراج ہوئی؟ علماء کے اس بارے میں دس اقوال ہیں۔

- (۱) ہجرت سے چھ ماہ قبل معراج ہوئی
- (۲) ہجرت سے آٹھ ماہ پیشتر۔
- (۳) ہجرت سے گیارہ ماہ پیشتر۔
- (۴) ہجرت سے ایک سال پیشتر۔
- (۵) ہجرت سے ایک سال اور دو ماہ پیشتر۔
- (۶) ہجرت سے ایک سال اور تین ماہ پیشتر۔
- (۷) ہجرت سے ایک سال اور پانچ ماہ پیشتر۔
- (۸) ہجرت سے ایک سال اور چھ ماہ پیشتر۔
- (۹) ہجرت سے پانچ سال پیشتر

اور

- (۱۰) ہجرت سے تین سال پیشتر۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی رائے

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے اس کو ترجیح دی ہے کہ نبوت کے بارہویں سال یعنی ہجرت سے ایک سال پہلے ”لیلۃ الاسراء“ کا واقعہ پیش آیا۔

مقصود امام بخاری رحمہ اللہ

پہلا باب امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی اسراء کی کیفیت کو بیان کرنے کے لئے قائم کیا ہے اور فرمایا ”باب کیف فرضت الصلوة فی الاسراء“ کہ اسراء کے موقع پر نماز کیسے فرض کی گئی اور ساتھ میں عبد اللہ بن عباسؓ کا اثر نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ مجھے ابوسفیان نے دربار ہرقل سے متعلق حدیث بیان کرتے

ہوئے یہ کہا کہ ”یا امرنا یعنی النبی ﷺ بالصلوٰۃ والصدق والعفاف“ کہ نبی کریم ﷺ ہمیں نماز، سچائی اور پاکدامنی کا حکم فرماتے ہیں۔

اس کو لانے کا منشا یہ ہے کہ ابوسفیان نے یہ قول ہرقل کے دربار میں کہا تھا یہ اگرچہ بعد ہجرت ہے (یعنی ابوسفیان ہرقل کے دربار میں اس وقت گیا تھا جب نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ ہجرت فرما چکے تھے، لیکن ابوسفیان کی حضور اقدس ﷺ سے ایسی ملاقات جس میں آنحضرت ﷺ ان کو نماز کا حکم فرما سکیں، یہ ہجرت کے بعد کا واقعہ نہیں بلکہ ہجرت سے پہلے کی بات ہے) لہذا امام بخاری رحمہ اللہ کا اس کو لانے کا منشا یہ ہے کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کی فرضیت مکہ مکرمہ ہی میں آچکی تھی، اور حضور اقدس ﷺ ہجرت سے پہلے ہی نماز کا حکم فرمایا کرتے تھے۔ ۶۔

۳۴۹۔ حدثنا یحییٰ بن بکیر قال : حدثنا اللیث ، عن یونس ، عن ابن شہاب ، عن انس بن مالک قال : کان ابو ذر یحدث أن رسول اللہ ﷺ قال : ”فرج عن سقف بيتي وأنا بمكة ، فنزل جبریل ففرج صدري ثم غسله بماء زمزم ، ثم جاء بطست من ذهب ممتلئ حكمة وإيماناً فأفرغه في صدري ، ثم أطبقه ، ثم أخذ بيدي فخرج بي إلى السماء الدنيا ، فلما جئت إلى السماء الدنيا قال جبریل لخازن السماء : افتح ، قال : من هذا؟ قال : جبریل قال : هل معك أحد؟ قال : نعم ، معي محمد ﷺ ، فقال : أأرسل إليه؟ قال : نعم ، فلما فتح علونا السماء الدنيا فإذا رجل قاعد على يمينه أسودة وعلى يساره أسودة ، إذا نظر قبل يمينه ضحك ، وإذا نظر قبل يساره بكى ، فقال : مرحبا بالنبي الصالح ، والأبن الصالح ، قلت لجبریل : من هذا؟ قال : هذا آدم ، وهذه الأسودة عن يمينه وشماله نسم بينه ، فأهل اليمين منهم أهل الجنة ، والأسودة التي عن شماله أهل النار ، فإذا نظر عن يمينه ضحك ، وإذا نظر قبل شماله بكى ، حتى عرج بي إلى السماء الثانية ، فقال لخازنها : افتح ، فقال له خازنها مثل ما قال الاول فتح“ ، قال انس : فذكر انه وجد في السموات آدم ، وإدريس ، وموسى ، وعيسى ، وإبراهيم صلوات الله عليهم ، ولم يثبت كيف منازلهم غير أنه ذكر أنه وجد آدم في السماء الدنيا ، وإبراهيم في السماء

۵۔ فيه اشارة إلى أن الصلوة فرضت بمكة قبل الهجرة لأن أبا سفيان لم يلق النبي ﷺ بعد الهجرة إلى الوقت الذي اجتمع فيه بهرقل الخ ، فتح الباری ج : ۱ ، ص : ۳۶۰۔

۶۔ ولا خلاف بين أهل العلم وجماعة أهل السير أن الصلوة إنما فرضت على النبي ﷺ بمكة في حين الإسرائ الخ ، تفسير القرطبي ج : ۱ ، ص : ۲۰۸۔

السادسة . قال أنس : فلما مر جبريل بالنبي ﷺ بإدريس قال : ”مرحبا بالنبي الصالح والأخ الصالح ، قلت : من هذا؟ قال : هذا موسى ، ثم مررت بعيسى فقال : مرحبا بالأخ الصالح والنبي الصالح ، قلت : من هذا؟ قال : هذا عيسى ، ثم مررت بإبراهيم فقال : مرحبا بالنبي الصالح والا بن الصالح ، قلت : من هذا؟ قال : هذا إبراهيم“ ، قال ابن شهاب : فأخبرني ابن حزم أن ابن عباس ، وأبا حبة الأنصاري ، كانا يقولان : قال النبي ﷺ : ”ثم عرج بي حتى ظهرت لمستوى أسمع فيه صريف الأقدام“ ، قال ابن حزم ، وأنس ابن مالك : قال النبي ﷺ : ”ففرض الله على أمة خمسين صلاة ، فرجعت بذلك حتى مررت على موسى ، فقال : ما فرض الله لك على أمتك؟ قلت : فرض خمسين صلاة ، قال موسى : فارجع إلى ربك ، فإن أمتك ؟ لا تطيق ذلك ، فراجعني فوضع شطرها ، فرجعت إلى موسى ، قلت : وضع شطرها ، قال : راجع ربك فإن أمتك لا تطيق ، فراجعته ، فقال : من خمس ومن خمسون ، لا يبدل القول لذي ، فرجعت إلى موسى ، فقال : راجع ربك ، فقلت : استحييت من ربي ، ثم انطلق بي حتى انتهى بي إلى سدرة المنتهى ، وغشيتها ألوان لا أدري ماهي ، ثم أدخلت الجنة ، فإذا فيها حيايل اللؤلؤ ، وإذا ترابها المسك“ . [أنظر : ۱۶۳۶ ، ۳۳۴۲] ۷

یہ حدیث صحیح بخاری شریف میں گیارہ مختلف مقامات پر آئی ہے ، کہیں اختصار کے ساتھ ، کہیں تفصیل سے اور کہیں متوسط درجہ کی تفصیل کے ساتھ آئی ہے ان میں یہ پہلا مقام ہے ، اس حدیث سے اور بھی بہت سی مباحث متعلق ہیں ، جن میں سے بعض کا تعلق سیرت سے ، بعض کا تعلق احکام فقہیہ سے اور بعض کا تعلق علم کلام کے مسائل سے ہے ، علامہ زرقانی رحمہ اللہ نے ”شرح المواہب اللدنیہ“ میں اس حدیث میں جو بحث کی ہے وہ تقریباً دو سو صفحات پر مشتمل ہے ۔

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے سیرت پر مشتمل کتاب ”المواہب اللدنیہ“ لکھی اور اس کی شرح علامہ زرقانی رحمہ اللہ نے ”شرح المواہب اللدنیہ“ لکھی ، ”شرح الزرقانی علی المواہب“ کے

۷ وفی صحیح مسلم ، کتاب الايمان ، باب الاسراء برسول الله الى السموات وفرض الصلوات ، رقم : ۲۳۷۰ و سنن الترمذی ، کتاب الصلوة ، باب کم فرض الله علی عبادہ من الصلوات ، رقم : ۹۷۰ و سنن النسائی ، کتاب الصلاة ، باب فرض الصلاة وذكر اختلاف الناقلين فی اسناد حلیث ، رقم : ۳۳۵ ، ۳۳۶ و مسند أحمد ، باقی مسند المکثرین ، باب مسند أنس بن مالک ، رقم : ۲۱۸۰ و مسند الأنصار ، باب حدیث جابر بن سمرة ، رقم : ۲۰۳۲۶ ، ۲۰۲۱۱ ۔

بکثرت حوالے آپ نے دیکھے ہوں گے، لیکن ظاہر ہے کہ ان مباحث کو مکمل طور پر یہاں بیان کرنا ناممکن ہے، اور نہ مختصر وقت میں بیان ہو سکتے ہیں، کیونکہ یہاں امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد اس حدیث کو لانے سے یہ ہے کہ معراج کی رات میں نمازیں فرض کی گئیں، لہذا اس حد تک اپنے آپ کو محدود رکھتے ہوئے یہاں پر چند باتوں کا ذکر مناسب ہے اور باقی مباحث متعلقہ مقامات پر انشاء اللہ تعالیٰ آتے رہیں گے۔

اسراء اور معراج میں فرق

پہلی بات جو اس حدیث سے متعلق ہے وہ یہ ہے کہ محدثین اور اصحاب سیر کی اصطلاح میں حضور اقدس ﷺ نے جو سفر مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک کیا اس کو اسراء اور پھر وہاں سے ساتوں آسمان پر تشریف لے گئے اس کو معراج کہتے ہیں، اسراء اور معراج میں یہ فرق ہے۔

بعض محدثین یہ نہیں مانتے بلکہ ان کے نزدیک شروع سے آخر تک جو کچھ ہوا وہ سب اسراء ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایسا لگتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مسلک یہی ہے، یعنی امام بخاری رحمہ اللہ پورے سفر کو ”اسراء“ مانتے ہیں، اور وہ اس تفریق کے قائل نہیں کہ مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک سفر کو ”اسراء“ اور بیت المقدس سے ساتوں آسمان کے سفر کو ”معراج“ کہیں۔ اس واسطے یہاں پر جو لفظ استعمال کیا وہ ہے ”کیف فرضت الصلوة فی الاسراء“ حالانکہ نمازیں معراج میں فرض ہوئیں لیکن اس کے باوجود ”اسراء“ کا لفظ استعمال کیا، تو معلوم ہوا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک پورا سفر ”اسراء“ کہلاتا ہے اور یہ ان حضرات کے مخالف ہے جو یہ کہتے ہیں کہ بیت المقدس کے سفر کو ”اسراء“ کہتے ہیں اور بعد والے سفر کو ”معراج“ کہتے ہیں۔

دوسرا مسئلہ: معراج جسمانی تھی یا روحانی؟

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ یہ اسراء اور معراج کا واقعہ آیا یہ جسمانی طور پر پیش آیا تھا یا روحانی طور پر۔

جمہور اہل سنت والجماعت کا عقیدہ

جمہور اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ معراج جسمانی ہے، اور نبی کریم ﷺ کو جسد اطہر کے ساتھ بیت المقدس تک لے جایا گیا تھا اور پھر وہاں سے ساتوں آسمان تک۔ ۸۔

۸۔ وهذا مصبر من المصنف إلى أن المعراج كان في ليلة الاسراء والدرع في ذلك اختلاف فقيل كانا في ليلة واحدة في

بقضته ﷺ وهذا هو المشهور ثم الجمهور الخ، فتح الباری ج: ۱ ص: ۳۶۰۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی رائے

البتہ محققین نے یہ موقف اختیار کیا ہے، جس میں علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ بھی داخل ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کو دو مرتبہ معراج ہوئی ہے، ایک مرتبہ منام میں اور دوسری مرتبہ یقظہ میں ہوئی، اور یہاں اسی کا ذکر ہے، اور منام میں اس سے پہلے ہوئی، تو آپ کو یہ واقعہ پہلے دکھایا جا چکا تھا تا کہ آپ ﷺ اس کے لئے ذہنی طور پر تیار ہو جائیں، بعد میں پھر جسمانی طور پر اسراء اور معراج کا واقعہ پیش آیا۔ ۹

حدیث کی تشریح

حضرت انس بن مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”قال کان ابو ذر یحدث ان رسول اللہ ﷺ قال:“ یہ انس بن مالک رحمہ اللہ کی روایت ہے، لیکن وہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث براہ راست نبی کریم ﷺ سے نہیں سنی بلکہ حضرت ابو ذر غفاری رحمہ اللہ یہ حدیث سنایا کرتے تھے کہ ”فرج عن سفف بیتي وانا بمكة“، کہ میرے گھر کی چھت میں شگاف ڈالا گیا جبکہ میں مکہ مکرمہ میں تھا۔

”فنزل جبرئیل“ تو جبرئیل علیہ السلام اس شگاف میں نازل ہوئے اور اس مرتبہ آنے کا یہی طریقہ اختیار کیا گیا کہ آپ کے مکان کی چھت میں شگاف ڈال کر وہ تشریف لائے، حالانکہ پہلے بھی حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لایا کرتے تھے اور ان کو باقاعدہ شگاف ڈالنے کی ضرورت بھی نہیں ہوتی تھی۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ کو پہلے ہی سے یہ پتہ چل جائے کہ کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آنے والا ہے، اس لئے چھت میں سے حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے۔

شق صدر اور اس کی حکمت

”ففرج صدري“ انہوں نے میرا سینہ کھولا ”ثم غسله بماء زم زم“ پھر اس کو زم زم کے پانی سے دھویا ”ثم جاء بطست من ذهب مملئی حکمة وایمانا“ پھر وہ ایک طشت لے کر آئے جو حکمت اور ایمان سے بھرا ہوا تھا۔ ”فافرغه فی صدري“ پھر اس ایمان و حکمت کو میرے سینے میں انڈیل دیا۔ ”ثم اطبقه“ پھر سینہ کو بند کر دیا۔ گویا یہ شق صدر کیا گیا اور اس شق صدر میں حکمت و ایمان نبی کریم ﷺ کے سینے میں انڈیل دیا گیا، شق صدر کا پہلا واقعہ بنو سعد میں بچپن میں پیش آچکا تھا جب کہ آپ ﷺ کی تربیت ہو رہی تھی۔

اس وقت شق صدر کا مقصد یہ تھا کہ آپ کے سینہ اقدس میں سے ایک لوتھڑا نکالا گیا اور کہا کہ یہ شیطان کا

حصہ ہے جو نکال دیا گیا یعنی شیطان جس حصہ کو اغواء کا ذریعہ بناتا ہے وہ نبی کریم ﷺ کے جسد اطہر سے اس شق صدر کے ذریعہ الگ کر دیا گیا، اور یہاں مقصود یہ تھا کہ اب اس کو ایمان و حکمت سے مزید بھرا جائے تو دونوں شق صدر اپنی اپنی جگہ پر الگ الگ اغراض و مقاصد کے لئے تھے: ایک مقصد تخلیہ تھا، اور دوسرے کا تخلیہ اس لئے محدثین کی بڑی جماعت اس بات کی قائل ہے کہ نبی کریم ﷺ کا شق صدر ایک سے زائد مرتبہ ہوا ہے۔

شق صدر کتنی مرتبہ ہوا؟ مختلف اقوال

شق صدر کا واقعہ حضور ﷺ کو اپنی عمر مبارک میں چار مرتبہ پیش آیا۔
 پہلی بار..... زمانہ کفویت میں پیش آیا، جب آپ ﷺ حلیمہ سعدیہ کی پرورش میں تھے اور اس وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک چار سال کی تھی۔
 دوسری بار..... شق صدر کا واقعہ آپ ﷺ کو دس سال کی عمر میں پیش آیا۔
 تیسری بار..... یہ شق صدر کا واقعہ بعثت کے وقت پیش آیا۔

اور

چوتھی بار..... یہ واقعہ معراج کے وقت پیش آیا۔

روایات معراج میں بچپن کے شق صدر کا ذکر نہیں یا دوسری بعض روایتوں میں اس شق صدر کا ذکر نہیں۔ یہ اس کے غیر معتبر ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی، ہر صحابی کی روایت میں کچھ ایسے امور کا ذکر ہے کہ دوسرے صحابہ کی روایت میں اس کا ذکر نہیں، راوی نے کسی جگہ فقط معراج کے شق صدر کا ذکر کیا اور کسی جگہ فقط طفولیت کے شق صدر کو بیان کیا، اور کسی جگہ دونوں کو جمع کیا اور ہر شق صدر کا زمانہ اور مکان مختلف ہے، اور ہر ایک جداگانہ واقعہ ہے، فقط ایک واقعہ کا ذکر دوسرے غیر مذکورہ واقعہ کی نفی پر دلالت نہیں کرتا۔

شق صدر سے متعلق متجددین کا خیال خام

بہر حال یہ اللہ ﷻ کی حکمتیں ہیں وہی بہتر جاننے والے ہیں، لیکن یہ بات ثابت ہے کہ شق صدر کا واقعہ پیش آیا ہے، بعض ظاہر بین اور تجدد پسند اس واقعہ کا انکار کرتے ہیں، کیونکہ ان کا اصول یہ ہے کہ جو چیز سمجھ میں نہ آئے اس کا انکار کر دو۔ تو بھی! تمہاری سمجھ میں نہیں آتا تو اس سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ وہ چیز واقعہ کے خلاف ہے۔

اذا لم تر الهلال فسلم لانس راوہ بالابصار

اگر تم نے چاند نہیں دیکھا تو جنہوں نے دیکھا ان کی بات ماننی چاہیے، تو حضور اقدس ﷺ کا شق صدر صحیح

احادیث سے ثابت ہے اس کو بلا وجہ مجاز اور استعارہ پر محمول کرنا اس کا کوئی جواز نہیں۔ ہر بات کی حکمت ہمارے سامنے نہیں آسکتی، اللہ ﷻ کے افعال اور ان کی حکمتیں وہی بہتر جانتے ہیں، اور زیادہ اس خوض میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ حکمت کیا تھی؟ اللہ ﷻ نے اپنے حضور ﷺ کے ساتھ جو تصرفات فرمائے ان کی حکمت وہی بہتر جانتے ہیں۔

آگے ارشاد فرمایا ”فخرج بی الی السماء الدنيا“۔

پھر مجھے لے کر آسمان کی طرف چڑھ گئے۔ اب یہاں بیت المقدس تک کے سفر کا ذکر ہی نہیں ہے، اس کی وجہ سے بعض لوگوں نے کہا کہ یہ واقعہ عام معراج سے الگ ہے، کیونکہ یہاں بیت المقدس کا ذکر نہیں ہے، لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے، صحیح بات یہ ہے کہ راوی نے یہاں پر اختصار سے کام لیا اور بیت المقدس والے حصہ کا ذکر یہاں نہیں کیا، درحقیقت واقعہ وہی ہے۔

”فلما جئت الی السماء الدنيا قال جبرئیل لخازن السماء : افتح“۔ جب میں ”سماں الدنيا“ کے پاس پہنچا، ”السماء الدنيا“ سے نزدیک والا آسمان مراد ہے، اگر دنیا کا آسمان کہتے تو بغیر الف لام کے ”سماں الدنيا“ کہتے، لیکن یہاں الف لام کے ساتھ ”السماء الدنيا“ ہے جب نزدیک والے آسمان پر پہنچے تو جبرئیل علیہ السلام نے آسمان کے خازن سے کہا ”افتح“ کھولو۔ ”قال من هذا“ اندر سے پوچھا بھی کون ہے؟ ”قال : جبرئیل قال : هل معک أحد قال نعم معی محمد (ﷺ) فقال : ارسل الیہ“ انہوں نے پوچھا کیا ان کو مبعوث کر دیا گیا، ”قال : نعم“ تو انہوں نے کہا کہ ہاں۔ سوال: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خازن کو حضور اقدس ﷺ کے مبعوث ہونے کا علم نہیں تھا؟ جواب: اس کے جواب میں بعض حضرات نے کہا کہ شاید وہ خازن دن رات اپنے ذکر و تسبیح میں مشغول رہے، تو اس واسطے ان کو پتہ نہیں چلا کہ حضور اقدس ﷺ مبعوث ہوئے۔

لیکن زیادہ صحیح بات میرے نزدیک یہ ہے کہ یہاں ”ارسل الیہ“ کے معنی مبعوث ہونے کے نہیں ہیں، بلکہ پیغام بھیجے جانے کے ہیں کہ کیا آپ کو یہاں پر بلانے کی دعوت دیدی گئی تھی؟ یعنی آپ کے یہاں آنے میں اللہ ﷻ کا اذن اس میں شامل ہے؟ تو انہوں نے کہا ہاں ”فلما فتح علونا السماء الدنيا“ جب دروازہ کھول دیا گیا تو ہم سماء دنیا کے اوپر چڑھ گئے۔

آسمان کے وجود سے متعلق سائنسدانوں کا نظریہ

اس سے پتہ چلا کہ آسمان ایک جرم ہے اور اس کے دروازے بھی ہیں، اور قرآن مجید میں جو آیا ہے کہ ”لا تفتح لهم ابواب السماء“ اس میں ابواب سے مراد حقیقی ابواب ہیں نہ کہ کوئی مجاز اور استعارہ، چونکہ

آج کل کے سائنسدان یہ کہتے ہیں کہ آسمان کا کوئی وجود نہیں، سب خلاء ہی خلاء ہے اور جتنے سیارے ہیں وہ سب ایک خلاء میں تیر رہے ہیں ﴿کل فی فلک یسبحون﴾ تو یہ کسی جرم کے اندر نہیں ہیں بلکہ خلاء میں تیر رہے ہیں اور جو چیز نیلی نیلی نظر آتی ہے یہ ہماری حدنگاہ ہے، حقیقت میں آسمان نہیں ہے اور وہ کہتے ہیں کہ ہم تو چلے گئے لیکن کہیں آسمان کا کوئی وجود نہیں ملا، تو سارے سیارے، ساری کہکشاں اس خلاء میں دوڑ رہی ہیں، اور کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو چھت کی مانند سب پر سایہ کئے ہوئے ہو، آج کل سائنسدانوں کا یہی نظریہ ہے

اس وجہ سے بعض لوگ قرآن مجید میں اس کی بنیاد پر تاویل کے درپے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں جہاں ”ابواب السماء“ آیا ہے تو اس سے مراد حقیقی ابواب نہیں ہیں بلکہ مجاز اور کنایہ ہے ”لا تفتح لہم ابواب السماء“۔

آسمان کا وجود یقینی ہے

لیکن حدیث باب صراحۃ کہہ رہی ہے کہ باقاعدہ دروازہ کھلوا یا گیا، دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوئے، اور بھی بہت سی آیات و احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ آسمان باقاعدہ جرم ہے۔ سائنسدانوں کا یہ کہنا کہ آسمان کا کوئی وجود نہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ ان کو کوئی دلیل مل گئی ہو، بلکہ اس کے موجود نہ ہونے پر صرف اتنی بات ہے کہ آسمان کا وجود ابھی تک دریافت نہیں ہوا اور وہ ابھی تک آسمان کو دریافت نہیں کر سکے اور کسی جرم اور جسم کی چھت کی مانند ان کو علم اور مشاہدہ میں نہیں آیا۔

عدم علم الشیء عدم وجود الشیء کو مستلزم نہیں

ان کے مشاہدہ میں نہ آنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ نفس الامر میں آسمان کا وجود ہی نہ ہو، اور اب انہوں نے اجرام فلکیہ کے مشاہدہ کے لئے سب سے بڑی دوربین بنائی ہے، وہ کہتے ہیں کہ وہ ایک لاکھ نوری سال تک کا فاصلہ دیکھ سکتی ہے (روشنی ایک سال میں جتنا سفر طے کرے اس کو نوری سال کہتے ہیں) بس اب اس سے اندازہ لگاؤ کہ سورج ہم سے ایک لاکھ چھیالیس ہزار میل دور ہے اور سورج کی روشنی زمین پر آنے میں آٹھ سیکنڈ لگتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ روشنی آٹھ سیکنڈ میں ایک لاکھ چھیالیس ہزار میل کا فاصلہ طے کرتی ہے تو ایک سال مسلسل سفر کرتی رہے تو جتنا سفر طے کرے گی وہ ایک نوری سال کہلاتا ہے، چونکہ اجرام فلکیہ کی پیمائش کے لئے جو ہمارا گنتی کا موجودہ نظام ہے وہ قیل ہو گیا، کیونکہ یہ زیادہ سے زیادہ ارب، کھرب تک جاتا ہے، کھرب سے آگے تو کوئی گنتی ہے نہیں، تو اس واسطے اس گنتی کی خاطر انہوں نے نوری سال کی یہ اصطلاح بنائی ہے۔

اب جو دوربین بنائی ہے وہ ایک لاکھ نوری سال تک کے فاصلہ کو دیکھ لیتی ہے، اس واسطے بعض ایسے

ایسے ستارے اور کہکشاں دریافت ہوئی ہیں جو پہلے معلوم نہیں تھیں۔

تو ٹھیک ہے، ایک لاکھ نوری سال تک تم نے دیکھ لیا اور اس میں دیکھ لیا کہ یہ ستارے ہیں، یہ کہکشاں ہیں، لیکن اس سے آگے تو ابھی نہیں پہنچے، جہاں تک بھی پہنچو گے اور جتنے بھی آگے پہنچو گے یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ اب وہ حد آگئی کہ جس کے بعد آگے کچھ نہیں ہے، تو اس واسطے یہ کہنا کہ چونکہ ہمیں ابھی تک آسمان دریافت نہیں ہوا، لہذا آسمان کا کوئی وجود ہی نہیں، یہ بالکل غلط بات ہے۔

کوئی بھی صحیح معنی میں سائنس کا علم رکھنے والا یہ نہیں کہہ سکتا کہ آسمان کا وجود ناممکن ہے یا آسمان کا عدم وجود ثابت ہو گیا ہے۔ صرف اتنا ہے کہ وجود ابھی تک مشاہدہ میں نہیں آیا، تو آپ کے مشاہدہ میں آجانا کسی شے کے وجود کی دلیل نہیں ہوتی، لہذا یہ محض قیاسات اور تخمینے ہیں، اور اللہ ﷻ کا کلام اور اللہ کے رسول ﷺ کا کلام ان تمام تخمینوں سے بالاتر ہے۔

حضرت علامہ انور شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں، یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ یہاں سے لے کر سماء دنیا تک جو کچھ بھی ہے وہ ایک طبقہ ہے، اور پھر سماء دنیا کے بعد اسی قسم کا دوسرا طبقہ ہو۔^۱ تو یہ جو سارے کے سارے تخمینے لگائے جاتے ہیں یہ صرف اپنے زعم کے مطابق ہیں، اب بھی سائنسدان اس بات کے معترف ہیں کہ اتنے اونچے جانے کے بعد بھی ابھی تک ہم کائنات کا کروڑواں حصہ بھی دریافت نہیں کر سکے، کیونکہ جتنا دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ اس کائنات کی وسعت تو لامتناہی نظر آتی ہے، اور کہتے ہیں کہ ابھی تک ایسے ستارے موجود ہیں کہ جب سے وہ پیدا ہوئے ہیں اس وقت سے ان کی روشنی مسلسل سفر میں ہے، آج تک زمین تک نہیں پہنچی۔ تو اب اندازہ لگاؤ کہ اس کائنات کا آغاز انہی کے اندازوں کے مطابق ایک کروڑ سال تصور کر لیا جائے، واللہ اعلم، تو ایک کروڑ نوری سال سے بھی آگے ستارے ہیں جن کی روشنی ابھی بھی زمین تک نہیں پہنچی۔

سائنس عاجز ہے

اس وسعت کو اگر آدمی اپنی ان چھوٹی سی دوربینوں سے، چھوٹی سی آنکھوں سے اور چھوٹی سی عقل سے سمجھنے کی کوشش کرے تو یہ حماقت نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ تو وہی بتائے گا جس نے اس کائنات کو پیدا کیا، یا جس نے اس کائنات کا علم کسی ہستی (نبی کریم ﷺ) کو عطا فرمایا، لہذا ان تخمینوں کی بنیاد پر قرآن وحدیث کا انکار کرنا یا ان

۱۔ قولہ: سماء: انکر وجودہ المتصورون، وقالوا لیس فوقنا الا جوہراً لطیفاً غیر متناہ، والنجوم تجری لیہا سباحة بنفسہا، قلت: ولا دلیل علیہ عندہم، لم لا يجوز ان یکون هذا الجو علی طبقات، کل طبقة منها تسمى سماء، حتی تكون سبع سموات كما اخر به النص، فیض الباری، ج: ۲، ص: ۳۰.

میں تاویل کرنا کہ یہ حقیقت پر محمول نہیں ہیں، بلکہ مجاز پر محمول ہیں، یہ کوئی عقل کی بات نہیں۔ جو کچھ حضور اقدس ﷺ اور قرآن کریم نے فرمایا وہ برحق ہے اور ساری سائنس اپنے سارے کرشمے دکھانے کے بعد بھی اس تک بعض اوقات پہنچنے سے عاجز ہو جاتی ہے تو اس وقت اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ پہلے غلط سمجھ رہے تھے، اب حقیقت حال واضح ہوئی ہے۔

”سنریہم آیتنا فی الآفاق و فی انفسہم حتی یتبین لہم انه الحق“۔

تو کسی بھی بنیاد پر قرآن و حدیث میں تاویل کرنا یہ صحیح موقف نہیں ہے، لہذا اس سے ثابت ہوا کہ آسمان باقاعدہ جسمانی وجود رکھتا ہے۔

آگے فرمایا ﴿فاذا رجل قاعد﴾ وہاں سماء دنیا پر میں نے جا کے دیکھا کہ ایک صاحب بیٹھے ہیں ”علی یمینہ اسودہ و علی یسارہ اسودہ“ ان کے دائیں بھی کچھ جماعتیں ہیں اور بائیں بھی کچھ جماعتیں ہیں ”اسودہ“ جمع ”سواد“ کی ہے، سواد جماعت کو کہتے ہیں، وہ صاحب جب دائیں طرف دیکھتے ہیں تو ہنستے ہیں اور جب بائیں طرف دیکھتے ہیں تو روتے ہیں، انہوں نے مجھے دیکھ کر کہا ”مرحبا بالنبی الصالح والابن الصالح“ میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا، یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور دائیں بائیں جو لوگ بیٹھے ہیں یہ ان کی اولاد کی روحوں ہیں، ان میں سے جو دائیں طرف بیٹھے ہیں یہ اہل جنت ہیں اور جو بائیں طرف بیٹھے ہیں یہ اہل جہنم ہیں، اس لئے جب دائیں طرف دیکھتے ہیں تو ہنستے ہیں اور جب بائیں طرف دیکھتے ہیں تو روتے ہیں اور پہلے آسمان پر آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور ان کے دائیں بائیں ان کی اولاد تھی۔

ارواح پہلے آسمان پر کیسے پہنچیں؟

سوال: سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ روحوں وہاں کیسے پہنچ گئیں، کیونکہ دوسری روایات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ارواح کا مستقر خود قبر ہوتی ہے یا اہل جنت کے لئے علیین ہے اور اہل جہنم کے لئے سجین ہے، تو یہاں سماء دنیا پر ساری روحوں کیسے جمع ہو گئیں؟

جواب: اس میں شرح حدیث بڑے حیران و پریشان رہے ہیں اور بعض حضرات نے یہ فرمایا کہ ایسا لگتا ہے کہ ویسے تو ان کا مستقر وہی ہے جو دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے یعنی قبر یا علیین یا سجین، لیکن اس خاص موقع پر حضور اقدس ﷺ کو دکھانے کے لئے تمام ارواح کو سماء دنیا پر جمع کر لیا گیا اور یہ اتفاقی واقعہ تھا، اس کے بعد پھر اپنے اپنے مستقر پر بھیج دی گئیں۔

اشکال: اس پر اشکال ہوتا ہے کہ مومنوں کی ارواح مان لیا کہ آسمان پر چلی گئیں لیکن کافروں کے

بارے میں تو کہا گیا ہے ”لا تفتح لهم ابواب السماء“ آسمان کے دروازے ان کے لئے نہیں کھولے جاتے، تو پھر ان کی روحوں کیسے پہنچ گئیں؟

پہلا جواب: اس کا جواب یہ دیا کہ یہ حضور اقدس ﷺ کو دکھانے کے لئے ایسا کیا اور ”علی سبیل الاستثناء“ سب داخل کر دی گئیں۔

دوسرا جواب: بعض حضرات نے دوسرا جواب دیا کہ درحقیقت یہ روحوں ان ابنائے آدم کی تھیں جو آئندہ آنے والے تھے اور جو پیدا ہو چکے تھے اور جو مر گئے تھے وہ نہیں تھے، لہذا اس میں اس بات کا سوال نہیں ہے کہ وہ کیسے قبروں سے یا اپنے مستقر سے اُٹھ کر آ گئے بلکہ وہ تو ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے تھے، اس وجہ سے ان کی روحوں دکھا دی گئیں، جیسے حضرت آدم علیہ السلام کو سب انسانوں کی روحوں ان کے پیدا ہونے سے پہلے دکھا دی گئی تھیں۔ اے

تیسرا جواب: مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم کہ اس ساری تدریق کی ضرورت نہیں، یہ واقعات جو حضور اقدس ﷺ کو معراج کے موقع پر دکھائے گئے اس میں بہت سے واقعات کا تعلق عالم مثال سے ہے، اور عالم مثال میں جو چیز دکھائی جاتی ہے وہ بسا اوقات حقیقت میں جو چیز ہوتی ہے اس کو بہت بھی نہیں ہوتا کہ عالم مثال میں یہ کچھ ہو رہا ہے۔ یہ بات سمجھنے کی ہے۔

اور یہ جو بعض مرتبہ ہوتا ہے کہ کوئی شخص کہیں جا رہا تھا راستہ گم کر گیا اور ہلاکت تک پہنچ گیا، اچانک دیکھا کہ وہ پیر صاحب جن سے وہ بیعت تھا اور جو انتقال کر گئے تھے، وہ آئے اور ہاتھ پکڑ کر راستہ بتا گئے۔ بعض لوگ اس قسم کے واقعات کو کہتے ہیں کہ یہ سب شرک ہے، اس لئے کہ مرنے کے بعد بڑے سے بڑا پیر اور بڑے سے بڑا ولی بھی کسی کی مدد اس طرح نہیں کر سکتا، لہذا جو اس بات کا قائل ہو تو وہ مشرک ہے اور بعض لوگ اس کا انکار کر دیتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسا ہونا عین ممکن ہے اور ممکن اس طرح ہے کہ درحقیقت مدد تو اللہ ﷻ کی طرف سے ہوتی ہے اور اللہ ﷻ ہی مدد فرماتے ہیں، لیکن ایک (لطیفہ غیبی) فرشتہ بھیج دیتے ہیں اور وہ ایسی شکل میں بھیج دیتے ہیں جس سے وہ شخص مانوس ہوتا ہے تاکہ اس پر وہ بھروسہ اور اعتماد کر سکے، اگر کوئی اجنبی آدمی آجائے تو آدمی سوچتا ہے کہیں یہ مجھے لے جا کر ہلاک تو نہیں کر دیگا اس لئے کسی مانوس شکل میں بھیج دیتے ہیں اور قبر میں جو حقیقی پیر ہے اس کو پتہ بھی نہیں کہ میری کوئی شکل پہنچی ہے اور اس سے اللہ ﷻ نے یہ کام لیا ہے، اس کے علم، وہم و خیال میں بھی نہیں ہوتا۔

تو حقیقت میں جو کچھ بھی ہے اللہ ﷻ کی طرف سے ہے کسی مخلوق کی طرف سے نہیں، لیکن اللہ ﷻ اس نصرت کو ایسی شکل میں متشکل فرماتے ہیں جس سے وہ مانوس ہو، تو یہ عالم مثال ہوتا ہے، اسی طرح معراج کے

اندر جو بہت سے واقعات پیش آئے ہیں ان کا تعلق بھی عالم مثال سے ہے اور یہ جو ارواح دائیں بائیں دکھائی گئیں، ہو سکتا ہے کہ یہ بھی عالم مثال سے ہوں اور ان روحوں کو ان کے مستقر سے منتقل نہ کیا گیا ہو، مقصود یہ تھا کہ یہ دکھایا جائے کہ آدم علیہ السلام اچے دونوں قسم کی اولاد کو دیکھ رہے ہیں اور دائیں طرف والوں کو دیکھ کر ہنس رہے ہیں اور بائیں طرف والوں کو دیکھ کر رورہے ہیں۔

”حتی عرج بی الی السماء الغالبۃ..... ولم یثبت کیف منازلہم“۔

پھر مجھے دوسرے آسمان کی طرف لے جایا گیا، حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث مجھے سنائی تھی تو انہوں نے یہ بتایا تھا کہ ان آسمانوں میں حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت آدم علیہ السلام، حضرت ادریس علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا لیکن یہ نہیں بتایا کہ کون سے آسمان میں کون سے نبی تھے، یعنی اس روایت میں یہ صراحت نہیں کی، البتہ اتنا بتایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو آسمان دنیا میں اور ابراہیم علیہ السلام کو آسمان سادسہ میں پایا۔

اس حدیث میں اگرچہ صراحت نہیں ہے کہ کونسا نبی کون سے آسمان پر تھا لیکن دوسری روایات میں یہ تفصیل آئی ہے کہ پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام سے، دوسرے آسمان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے، تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام سے، چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام سے، پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام سے، چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اور ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔

کون سے نبی سے کس آسمان پر ملاقات ہوئی؟

پہچان کا آسان طریقہ

بعض حضرات نے اس کو یاد کرنے کے لئے کہہ دیا ہے کہ ”اعیاءہم“ یہ کلمہ اگر یاد رکھو تو اس سے ترتیب یاد ہو جاتی ہے۔ ”اعیاءہم“ میں پہلے ہمزہ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں، ”ع“ سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اس میں یحییٰ کا بھی اضافہ کر لو اور ”ئی“ سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف، ”الف“ سے حضرت ادریس علیہ السلام کی طرف، ”ہا“ سے حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف اور ”میم“ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے اور پھر آگے یہ طے ہے کہ ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے، البتہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں اس روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ چھٹے آسمان میں ہیں، جبکہ دوسری تمام روایات میں یہ ہے کہ ساتویں آسمان میں ہیں اور ساتویں آسمان پر ہونے کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ وہاں یہ کہا گیا ہے کہ وہ بیت المعمور سے پشت لگائے بیٹھے تھے اور بیت المعمور کے بارے میں یہ طے ہے کہ وہ ساتویں آسمان پر ہے۔

لہذا وہ روایت رائج ہوئی، اس کے علاوہ اس روایت میں یہ بھی صراحت ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے ترتیب پوری طرح یاد نہیں رکھی، پوری طرح نہیں بتائی اور دوسری روایتوں میں ترتیب صراحۃً بتائی گئی، ”فمن حفظہ مقدم علی من لم یحفظ“ لہذا جس نے ترتیب یاد رکھی ان کا قول ان لوگوں کے قول پر مقدم ہے، جنہوں نے ترتیب یاد نہیں رکھی۔ بعض حضرات نے تطبیق دینے کی کوشش کی ہے اور یہ کہا کہ سادہ بھی صحیح ہے اور سابع بھی صحیح اور ہوا یہ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے تو سابع پر لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کے لئے سادہ پر آگئے اور پھر ان کے ساتھ سابع تک گئے لیکن اس تطبیق کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

فرمایا کہ ”قال انس فلما مرّ جبریل الخ اب جو“ ثم“ آ رہا ہے یہ ترتیب حقیقی کے بیان کے لئے نہیں بلکہ یہ محض ترتیب بیانی کے لئے آ رہا ہے۔

”ثم مررت بموسیٰ فقال مرحباً“ الخ اور سب نے تو ”أخى الصالح“ کہا لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اور حضرت آدم علیہ السلام نے ”الابن الصالح“ فرمایا کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم براہ راست حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھے۔

”قال ابن شہاب“ یہاں تک جو روایت تھی وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت کر رہے تھے، آگے زہری کہتے ہیں: ”ما خبرنی ابن حزم الخ“ حضرت عبداللہ بن عمرو بن حزم جو قاضی تھے اور امام زہری رحمہ اللہ کے ہمعصر تھے اور جن کو عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے تدوین حدیث کا حکم دیا تھا، انہوں نے مجھے بتایا کہ عبداللہ بن عباس اور ابوجہ الانصاری رضی اللہ عنہ یہ کہا کرتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ساتویں آسمان کے بعد پھر مجھے اوپر چڑھایا گیا۔ ”حتى ظهرت لمستوی“ یہاں تک کہ میں ایسی سطح تک آ گیا کہ جہاں قلموں کی تحریر کی آوازیں سنتا تھا، کوئی عالم تھا جہاں پر ملائکہ اعمال لکھ رہے ہونگے یا لکھی ہوئی تقدیر کے مطابق تنفیذ احکام لکھ رہے ہوں گے، بہر حال اللہ جل جلالہ ہی بہتر جانتا ہے۔

میان عاشق و معشوق رمزیت کراما کاتبین راہم خبر نیست

خلاصہ یہ ہے کہ صریح الاقلام کی آواز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنی ہے۔ ”قال ابن حزم و انس بن

مالک الخ“۔

پہلے تو عبداللہ بن عباس اور ابوجہ انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت بیچ میں داخل کر دی تھی، اب حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور ابن حزم کی روایت لاتے ہیں کہ ”قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ففرض الخ“۔

میری امت پر اللہ جل جلالہ نے پچاس نمازیں فرض کیں، میں وہ حکم لے کر واپس آیا، یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر گذر ہوا تو آپ نے فرمایا: ”ما فرض اللہ لک علی امتک؟“ قلت: ”فرض خمسين

صلوة“۔

قال موسى " فارجع الى ربك فان امتك لا تطيق ذلك " .

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ کام کر کے اس امت پر شفقت فرمائی اور فرمایا کہ پچاس نمازوں کا تحمل امت نہیں کر سکے گی، واپس جا کر کم کراؤ۔

سوال: اس واقعہ سے کئی سوال پیدا ہوتے ہیں، ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ ﷻ کو معاذ اللہ خیال نہ آیا کہ امت کے لئے گراں ہوں گی یہاں تک کہ حضور اقدس ﷺ وہ حکم لے کر چلے بھی آئے، پھر موسیٰ علیہ السلام نے سمجھایا اور پھر واپس گئے اور جا کر کم کرائیں، تو اللہ میاں نے کم کر بھی دیں، تو یہ کیا قصہ ہے کہ جس بات کا ادراک موسیٰ علیہ السلام نے کر لیا، اللہ ﷻ نے فرض کرتے ہوئے نہیں کیا؟

جواب: سب کچھ علم الہی اور تقدیر الہی سے ہے لیکن بعض اوقات اللہ ﷻ کسی امر کی تنفیذ کے لئے ایسا طریقہ اختیار کرتے ہیں کہ جس میں کسی بات کی تعلیم مقصود ہوتی ہے یا کوئی اور مصلحت مقصود ہوتی ہے، مثلاً جو عید الفطر والی حدیث ہے تو اس میں آتا ہے کہ اللہ ﷻ فرشتوں سے پوچھتے ہیں کہ بتاؤ اس مزدور کا اجر کیا ہوگا جس نے اپنا کام پورا کر لیا ہو، تو کیا اللہ ﷻ کو پتہ نہیں کہ کیا اجر ہوگا؟ جو فرشتوں سے پوچھ رہے ہیں، یا حدیث میں آتا ہے کہ جب کوئی بندہ اللہ ﷻ کے سامنے پیش ہوگا اور اس کی نمازوں میں نقص ہوگا تو فرشتوں سے پوچھیں گے کہ اس کے نامہ اعمال میں نوافل بھی ہیں یا نہیں؟ یہ مطلب نہیں کہ اللہ ﷻ کو پتہ نہیں، وہ تو سب کچھ جانتے ہیں لیکن بعض اوقات کسی امر کی تنفیذ کے لئے طریقہ ایسا اختیار کیا جاتا ہے جو عام آدمی کی سمجھ کے قریب ہو جاتا ہے۔

در اصل بات یہ تھی کہ شروع ہی سے پانچ نمازوں کو فرض کرنا تھا اور یہی مقصود بھی تھا اور یہی اللہ ﷻ چاہتے بھی تھے، لیکن اس تک پہنچنے کے لئے یہ طریقہ اختیار فرمایا۔ کئی مصلحتیں سمجھ میں آتی ہیں اور کئی ایسی بھی ہوں گی جو ہماری سمجھ سے بالاتر ہیں۔

ایک مصلحت یہ ہے کہ امت کو پتہ چل جائے کہ اصل تو یہ بات تھی کہ تمہارے اوپر پچاس ہونی چاہئے تھیں لیکن پانچ ہو گئیں تو اللہ ﷻ کا شکر ادا کرو، اب کم از کم ان پانچ کو تو ٹھیک سے پڑھ لو، اگر شروع ہی سے پانچ نمازیں فرض کی جاتیں تو یہ احساس پیدا نہ ہوتا۔

دوسری یہ کہ اللہ ﷻ نے فرمایا ہے کہ یہ تو پانچ نمازیں ہیں لیکن ثواب پچاس ہی کا ملے گا، تو یہ مزید کرم بالائے کرم کہ اس واقعہ کے نتیجہ میں پانچ نمازوں پر پچاس کا اجر ملے گا، پھر اس سے موسیٰ علیہ السلام کا اس امت پر شفقت کا مظاہرہ ہوا، یہ ساری حکمت تو وہ ہے جو ظاہری طور پر نظر آرہی ہے اور نہ جانے کتنی ہوں گی، ان حکمتوں کی بناء پر تنفیذ کا یہ طریقہ اختیار فرمایا اور شروع ہی سے علم الہی اور تقدیر الہی میں وہی پلنچ نمازیں ہی فرض کرنی مقصود بھی تھیں۔

سوال: سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ کسی کو خیال نہ آیا، ابراہیم علیہ السلام نے بھی نہیں ٹوکا؟

پہلا جواب: اس کی بھی بہت سی حکمتیں ہوں گی جو اللہ ﷻ جانتے ہیں، لیکن علماء کرام نے جو باتیں بیان فرمائیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اور سارے انبیاء کرام کا تعلق اللہ ﷻ کے ساتھ ایسا تھا، جس میں تادیب کا پہلو بہت غالب تھا اس کی وجہ سے اللہ ﷻ کے ساتھ براہ راست مکالمہ اور تبادلہ کلام کی ان کو ہمت نہیں ہوتی تھی، لیکن موسیٰ علیہ السلام کو یہ خصوصیت بخش دی گئی تھی کہ وہ ”کَلِمَ اللّٰہِ مُوسٰی تَکْلِیْمًا“ تھے کہ ان کو اللہ ﷻ سے براہ راست کلام کرنے کا شرف حاصل ہوا تھا اور اللہ ﷻ سے باتوں میں ذرا بے تکلفی بھی کر لیتے تھے، ہر ایک کی شان الگ اور رنگ الگ ہوتا ہے، تو بے تکلفی کا مظاہرہ بھی کر لیتے تھے، لہذا ان کو یہ خیال آگیا۔

دوسرا جواب: دوسری بات یہ کہ اپنی امت یعنی نبی اسرائیل جس سے سابقہ پڑا تھا اس کے رنگ ڈھنگ دیکھ چکے تھے اور ان کو تجربہ ہو چکا تھا کہ ان پر ذرا کوئی حکم شاق ہوتا تھا تو ان کی کیا کیفیت ہوتی تھی تو اس واسطے انہوں نے کہا۔

تیسرا جواب: بعض حضرات نے ایک اور لطیف بات بھی کہی ہے، وہ یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ ﷻ سے کہا تھا ”رب ارنی انظر الیک“ تو اللہ ﷻ نے فرمایا ”لن ترانی“ تو ”لن ترانی“ کا مطلب یہ ہے کہ رویت سے انکار کر دیا گیا اور بے ہوش ہو کر گر پڑے، اور رویت نہ ہوسکی اور نبی کریم ﷺ جب معراج میں تشریف لے گئے تو باقاعدہ رویت ہوئی جیسا کہ علماء کرام کی ایک بڑی جماعت اس بات کی قائل ہے کہ رویت ہوئی ہے، آگے ”کتاب التوحید“ میں ان شاء اللہ تعالیٰ تفصیل آئے گی۔

اہل عشق کے لئے عجیب نکتہ

تو موسیٰ علیہ السلام نے سوچا کہ میری تو رویت ہو نہ سکی اور ان کو رویت کا شرف عطا ہو گیا، تو میں اگر اس کو نہ دیکھ سکوں جس کو دیکھنا چاہتا ہوں تو کم از کم اس کو تو دیکھ لوں جس نے اس کو دیکھا ہے، اس واسطے سوچا کہ بار بار جائیں اور پھر بار بار آئیں تو اس سے مجھے بالواسطہ اللہ ﷻ کی رویت کا شرف حاصل ہوتا رہے گا، یہ نکتہ بھی بعض لوگوں نے بیان کیا ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

آگے فرمایا ”فراجعت فوضع شطرها“ میں گیا تو اللہ ﷻ نے اس کا ایک حصہ کم کر دیا ”شطر“ کے معنی اصل میں ایک حصہ کے ہوتے ہیں، بعض مرتبہ اس کا اطلاق نصف پر بھی آتا ہے اور بعض مرتبہ مطلق حصہ پر ہوتا ہے، تو یہاں مراد نصف حصہ نہیں بلکہ مراد بعض حصہ ہے، چونکہ دوسری روایات کی روشنی میں راجح یہ ہے کہ پانچ پانچ کر کے کمی ہوئی، یہاں تک کہ پانچ تک آگئیں۔

”فقال راجع ربک“ الخ

آخر میں جب میں پہنچا تو اللہ ﷻ نے فرمایا ”ہنّ خمس و هنّ خمسون“ کہ پانچ ہیں لیکن اجر

کے اعتبار سے یہ پانچ نمازیں پچاس کے حکم میں ہوں گی اور یہ بھی فرمایا ”لایبدل القول لدی“ قول میرے سامنے بدلتا نہیں، اس کا کیا معنی؟ اس کا ظاہری معنی تو یہ ہے کہ جب میں نے پچاس کہہ دی تو پچاس ہی ہیں یعنی اجر کے اعتبار سے اور باطنی طور پر اس طرف بھی اشارہ تھا کہ بس اب آگے نہیں بدلا جائے گا۔ ”فرجعت الیٰ موسیٰ فقال“.....

انہوں نے پھر کہا واپس جاییں، تو میں نے کہا کہ مجھے شرم آگئی اور ساتھ میں ”لایبدل القول لدی“ میں لطیف اشارہ تھا کہ بس اب اسی پر معاملہ مستقر ہوگا اس لئے آپ پھر تشریف نہیں لے گئے۔

سوال:

بعض علماء سے بحوالہ مرقات سنا ہے کہ حضور ﷺ کی ملاقات تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اجسام مثالیہ کے ساتھ ہوئی؟

جواب:

یہ بحث آگے آئے گی ان شاء اللہ وہاں عرض کروں گا، ویسے دونوں قول ہیں، بعض حضرات کہتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی ملاقات اجسام مثالیہ سے ہوئی، بعض نے کہا کہ حقیقہ سے ہوئی ہے، زیادہ تر علماء اہل سنت والجماعت اس طرف گئے ہیں کہ اجسام حقیقیہ سے ہوئی ہے، لیکن اپنے مقامات سے اٹھ کر کیسے گئے ہیں یہ بحث ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

آگے فرمایا ”ثم انطلق حتی انتہی بی الی سدرۃ المنتہی“ پھر مجھے لے جایا گیا یہاں تک کہ سدرۃ المنتہی تک مجھے پہنچا دیا گیا، سدرۃ المنتہی ایک درخت ہے آسمانِ سابع سے اوپر کہیں اس کی جڑیں ہیں اور اس کی شاخیں عرش الہی تک گئی ہیں۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا فرمان

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے بعض روایات کی روشنی میں یہ معلوم ہوا ہے کہ سدرۃ المنتہی سے نیچے یعنی یہ دنیا اور دنیا کے بعد سات آسمان یہ سارا عالم جہنم ہے اور ہم جس پر بیٹھے ہیں یہ بھی جہنم ہے ”العباد باللہ العلیٰ العظیم“ اس قول کے مطابق یہاں سے لے کر ساتوں آسمان تک سارا جہنم ہے، مطلب یہ ہے کہ وہ وقت آئے گا (اللہ ﷻ معاف کرے) یہ سب جہنم ہوگا اور ساتوں آسمان سے اوپر جنت کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے اور پھر وہ غیر متناہی ہے، اللہ ﷻ ہی جانے کہاں تک گیا وہ سارا جنت کہلاتا ہے۔ تو حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سدرۃ المنتہی اس لئے کہتے ہیں کہ جہاں تک اس کی جڑیں ہیں وہاں جہنم کے علاقے کا منتہی ہے۔

پھر فرمایا کہ مجھے وہاں تک لے جایا گیا۔ ”فغشيها الوان لا ادري ماهي“ یعنی سدرۃ المنتہیٰ کو ایسے رنگ ڈھانپنے ہوئے تھے کہ جن کی حقیقت کا کسی کو پتہ نہیں یعنی جتنے رنگ ہم نے دنیا میں دیکھے ہیں، جانتے ہیں کہ یہ سرخ ہے، یہ سبز یا ہرا ہے لیکن وہ سارے الوان عجیب و غریب تھے کہ ان کے لئے انسانی لغت نے کوئی الفاظ وضع نہیں کئے تھے۔

”ثم ادخلت الجنة الخ“ پھر مجھے جنت میں داخل کیا گیا، تو میں نے دیکھا کہ اس میں موتی کی لڑیاں اور ہار ہیں اور اس کی مٹی مشک ہے۔

”حبائل“ کا مطلب

”حبائل“ کیا چیز ہے؟ بعض نے کہا ہے یہ حبائل سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا لفظ ہے، کیونکہ حبائل عام طور پر جو استعمال ہوتا ہے وہ ”حبیلہ“ کی جمع ہے جو جال کو کہتے ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ ”النساء حبائل الشيطان“ کہ عورتیں شیاطین کے پھینکے ہوئے جال ہیں۔ اب موتی کے جال کیسے ہونگے؟ بعض نے کہا کہ یہاں تحییف ہو گئی ہے اصل میں جانا بڑا تھا حبائل نہیں تھا اور جانا بڑا جمع ہے، اور جبذ ”قبہ“ کو کہتے ہیں، تو ”جنابذ اللؤلؤ“ کے معنی موتیوں کے قبے ہوئے، لیکن دوسرے حضرات نے کہا کہ کوئی مشکل بات نہیں ہے جس طرح حبائل جمع حبیلہ کی آتی ہے اسی طرح جمع حبالہ کی بھی آتی ہے جس کے معنی لڑیاں، قلاۃ اور ہار کے آتے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے کسی مقام پر لٹکے ہوئے ہار دیکھے تو فرمایا کہ اس میں موتیوں کے ہار ہیں اور اس کی مٹی مشک ہے۔

حدیث اسراء جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں روایت کی ہے اس کی باقی تفصیل معراج کے واقعہ میں آئے گی جو اس کا صحیح محل ہے۔

۳۵۰۔ حدثنا عبد الله بن يوسف قال: أخبرنا مالك عن صالح بن كسيان

عن عروة بن الزبير، عن عائشة أم المؤمنين قالت: فرض الله الصلاة حين فرضها ركعتين ركعتين في الحضر و السفر فأقرت صلاة السفر وزيد في صلاة الحضر.

[أنظر: ۱۰۹۰، ۳۹۳۵، ۱۲]

۱۲۔ وفي صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب صلاة المسافرين وقصرها، رقم: ۱۱۰۵، وسنن النسائي

كتاب الصلاة، باب كيف فرضت الصلاة، رقم: ۴۴۹، وسنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافرين، رقم:

۱۰۱۳، ومسند أحمد، باقي مسند الأنصار، باب باقي المسند السابق، رقم: ۲۴۷۷۶، ۲۴۸۳۹، ۲۵۰۸۰،

۲۵۱۳۳، وموطأ مالك، كتاب النداء للصلاة، باب قصر الصلاة في السفر، رقم: ۳۰۴، وسنن الدارمي، كتاب الصلاة،

باب قصر الصلاة في السفر، رقم: ۱۴۷۰.

مشروعیت نماز کا ابتدائی حصہ

یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جس میں انہوں نے فرمایا کہ اللہ ﷻ نے جب نماز فرض کی تھی تو سفر و حضر دونوں میں دو دور کعتیں فرض کی تھیں یعنی تمام نمازیں دو دور تھیں سوائے مغرب کے کہ وہ تین تھیں، ”فاقرت صلوٰۃ السفر و زید فی صلوٰۃ الحضر“ پھر سفر کی نماز تو اپنے حال پر برقرار رکھی گئی اور حضر کی نماز میں اضافہ کر دیا گیا، یعنی حضر کی نماز دو دور کعتوں کے بجائے چار رکعتیں کر دی گئیں۔ ۱۳

سفر میں قصر کرنا عزیمت ہے

اس حدیث سے حنفیہ نے استدلال کیا ہے کہ سفر میں قصر عزیمت ہے، رخصت نہیں، لہذا سفر میں قصر واجب ہے، اتمام جائز نہیں، اس واسطے کہ اس حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ سفر میں بھی اور حضر میں بھی اصل رکعتیں دو ہی فرض کی گئی تھیں، تو سفر کی حالت میں دو رکعتیں برقرار رہیں اور حضر میں اضافہ ہو گیا۔ ۱۴

معلوم ہوا کہ سفر میں جو دو رکعتیں پڑھی جاتی ہیں وہ اپنی اصل پر ہیں اور اس میں کوئی کمی نہیں کی گئی، جس کی بنا پر یہ کہا جائے کہ وہ رخصت تھی۔ یہ مسئلہ ان شاء اللہ تعالیٰ ”ابواب تقصیر الصلوٰۃ“ میں سفر کی نماز میں تفصیل سے آئے گا۔

ضعیف استدلال

یہاں اس حدیث کے بارے میں صرف اتنا سمجھ لیجئے کہ حنفیہ نے اس سے استدلال کیا ہے لیکن

۱۳ وقد يخطر بالبال أن ما رواه عائشة رضي الله عنها محمول على الزمان الذي كان يصلي فيه الصلاتين فقط، الفجر والعصر، وذلك قبل الاسراء ولعلها كانتا اذ ذاك ركعتين ركعتين كما وصفتها، فلما فرضت في الاسراء، فرضت ابتداء على الشاكلة التي رواها ابن عباس رضي الله عنهما الخ، فيض الباری، ج: ۲، ص: ۶۰.

۱۴ واحتج أصحابنا بهذا الحديث، أعني: قول عائشة رضي الله عنها، المذكور في هذا الباب، على أن القصر في السفر عزيمة لا رخصة، وبما رواه مسلم أيضاً عن مجاهد عن ابن عباس، قال: فرض الله الصلاة على لسان نبيكم في الحضر أربع ركعات، وفي السفر ركعتين، وفي الخوف ركعة، ورواه الطبرانی في معجمه بلفظ: ”الترض رسول الله ﷺ ركعتين في السفر كفي الترض في الحضر أربعاً“. وبما رواه النسائي وابن ماجه عن عبد الرحمن بن أبي ليلى عن عمر[ؓ]. قال: صلاة السفر ركعتان، وصلاة الأضحى ركعتان وصلاة الفطر ركعتان، وصلاة الجمعة ركعتان، تمام غير قصر على لسان نبيكم محمد ﷺ ورواه ابن حبان في صحيحه ولم يقدحه بشئ، عمدة القاری، ج: ۳، ص: ۲۵۶.

استدلال اتا قوی نہیں، اس کی ایک وجہ تو حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ دوسری روایتوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ شروع میں بیشک دو دور کعتیں تھیں لیکن جب معراج میں پانچ نمازیں فرض کی گئیں تو اس میں چار رکعتیں ہی فرض کی گئیں تو گویا حضر کے اندر دو رکعتوں سے چار رکعتیں ہو گئیں اور وہ کہتے ہیں کہ قصر کا حکم مدینہ طیبہ میں آیا تو ایسا نہیں ہے کہ سفر کی نماز اپنی جگہ برقرار رہی ہو اور پھر فوراً حضر میں اضافہ ہو گیا ہو، بلکہ بیچ میں فاصلہ ہے کہ ایک زمانہ ایسا آیا جب کہ سفر کا کوئی حکم تھا ہی نہیں، اس واسطے کہ قصر کے احکام نہیں آئے تھے اور حضر کی نماز میں اضافہ کر کے چار کر دی گئیں، پھر مدینہ طیبہ میں قصر کے احکام آئے تو اس وقت میں چار کو پھر دو کی طرف منتقل کر دیا گیا، اس واسطے اس سے استدلال پوری طرح واضح نہیں۔ ۱۵

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی رائے

اور دوسری اس وجہ سے کہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ”فیض الباری“ میں فرمایا کہ مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرما رہی ہیں کہ شروع میں دو دور کعتیں فرض تھیں بعد میں چار کی گئیں، اس سے مراد وہ دو رکعتیں ہیں جو اسراء کے واقعہ سے پہلے مسلمان عشاء کی نماز میں پڑھا کرتے تھے، تو اس وقت دو دور کعتیں تھیں لیکن جب اسراء کا واقعہ پیش آیا تو اس وقت میں دو دور کعتوں کے بجائے چار رکعتیں ہی فرض کی گئیں۔

تو اس واسطے یہ جو واقعہ بیان کر رہی ہیں یہ فرضیتِ صلوٰۃ خمسہ سے پہلے کا ہے کہ دو دور کعتیں پڑھی گئیں لہذا اس سے استدلال اتنا واضح اور تام نہیں ہے، حنفیہ کے پاس دوسرے دلائل ہیں جو ان شاء اللہ تعالیٰ متعلقہ باب میں آجائیں گی۔ ۱۶

(۲) باب وجوب الصلاة في الثياب

کپڑے پہن کر نماز پڑھنا فرض ہے

وقول الله تعالى: ﴿ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ ﴾ [الأعراف: ۳۱]

ومن صلى ملتحفاً في ثوب واحد، ويذكر عن سلمة بن الأكوع أن النبي ﷺ قال:

”يزره ولو بشوكة“، في إسناده نظر، ومن صلى في الثوب الذي يجمع فيه مالم ير أذى،

وأمر النبي ﷺ أن لا يطوف بالبيت عريان.

۳۵۱۔ حدثنا موسى بن إسماعيل قال : حدثنا يزيد بن إبراهيم ، عن محمد ، عن أم عطية قالت : أمرنا أن تخرج الحيض يوم العيدين وذوات الخدور فيشهدن جماعة المسلمين ودعوتهم ، ويعتزل الحيض عن مصلاهن ، قالت امرأة : يا رسول الله إحدانا ليس لها جلباب ، قال : ”تلبسها صاحبها من جلبابها“ ، وقال عبد الله بن رجاء : حدثنا عمران قال : حدثنا محمد بن سيرين قال : حدثنا أم عطية : سمعت النبي ﷺ بهذا . [راجع : ۳۲۴]

مقصود امام بخاری رحمہ اللہ

”باب وجوب الصلاة في الغياب“ الخ

یہ باب قائم فرمایا ”باب وجوب الصلاة في الغياب وقول الله تعالى: ”خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ“ مقصد یہ ہے کہ پہلے باب میں نماز کی فرضیت کا بیان تھا کہ نماز کب فرض ہوئی؟ کس طرح فرض ہوئی؟ اور اب یہاں سے امام بخاری رحمہ اللہ نماز کی جو شرائط ہیں، ان کا بیان شروع کر رہے ہیں، ان میں سب سے پہلے اہم شرط ستر عورت ہے، ستر عورت نماز کی صحت کے لئے لازم ہے، تو اس واسطے اب ستر عورت کے متعلق ابواب آرہے ہیں، پہلا باب ہے ”باب وجوب الصلوة في الغياب“ اس کا مقصد یہ ہے کہ ستر عورت ضروری ہے اور کپڑے پہن کر نماز پڑھنا ضروری ہے، اس کے بارے میں ترجمۃ الباب میں آیت ذکر کی ہے کہ ”خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ“ تمام مفسرین کے نزدیک زینت سے مراد لباس ہے یعنی ہر مسجد کے پاس تم لباس پہن کر جایا کرو، اور یہ اس سیاق میں نازل ہوئی کہ مشرکین بعض اوقات بالکل ثلاثی مجرد ہو کر طواف کرتے تھے، کپڑے نہیں پہنتے تھے۔ وہ (مشرکین) کہتے تھے کہ ہم بیت اللہ کا طواف اس لباس میں نہیں کریں گے جس لباس میں گناہ کئے ہیں، تو یہ صرف جس کے لئے جائز ہے (یعنی عرب کے بعض وہ قبائل جو مجاور بیت اللہ تھے یعنی بیت اللہ کے قریب رہ کر اس کی خدمت بھی کرتے تھے تو اس کو جس کہا جاتا تھا) ان میں قریش، کنانہ وغیرہ چند قبائل تھے جن میں قریش بھی داخل ہیں۔

جس اس لئے کہا جاتا تھا کہ مجاور ہونے کی وجہ سے ان کے کچھ مخصوص احکام انہوں نے خود بنا کر اپنے اوپر عائد کر رکھے تھے، مثلاً گوشت نہیں کھاتے تھے اور جب حج کو جاتے تھے تو وقوف عرفات نہیں کرتے تھے بلکہ مزدلفہ میں وقوف کرتے تھے کیونکہ ان کا کہنا یہ تھا کہ ہم بیت اللہ کے مجاور ہیں، لہذا حرم سے باہر نہیں جائیں گے اور عرفات چوں کہ حرم سے باہر ہے اس واسطے وقوف عرفات میں کرنے کی بجائے مزدلفہ میں کرتے تھے، اس طرح

کے بہت سے احکام اپنے لئے مقرر کر رکھے تھے۔

خمیس کے ساتھ عرب کا عقیدہ

خمیس کے بارے میں عرب کا عقیدہ تھا کہ خمیس کے لئے تو جائز ہے کہ اپنے لباس میں وہ طواف کریں، کیونکہ انہوں نے اپنے اوپر ایسی پابندیاں عائد کی ہیں جس کی وجہ سے وہ گناہ نہیں کرتے حالانکہ بہت کچھ کرتے تھے لیکن جن کو وہ گناہ سمجھتے تھے تو وہ نہیں کرتے، یہ لوگ اپنے لباس میں طواف کر سکتے تھے اور اگر دوسرے قبیلہ کا کوئی آدمی آئے تو وہ ان (خمیس) کا لباس اگر پہن لے تو طواف کر سکتا ہے یعنی خمیس میں سے کسی کا لباس مستعار لے کر طواف کر سکتا ہے لیکن اگر نہ تو خود خمیس میں سے ہو، نہ خمیس کے کپڑے ملے ہوں تو پھر بہتر یہ ہے کہ عریاں ہو کر طواف کرے، چنانچہ جو لوگ عرب کے مختلف علاقوں سے حج یا عمرہ کرنے کے لئے آتے تھے تو پہلے وہ کوشش کرتے تھے کہ خمیس میں سے کسی کے کپڑے مل جائیں، اگر کسی کو مل گئے تو وہ کپڑے پہن کر طواف کرتا اور اگر کپڑے نہ ملتے تو وہ اپنے کپڑے سے دستبردار ہو کر ثلاثی مجرد ہو کر طواف کرتا، تو ان کا یہ طریقہ تھا، آیت کریمہ ”تُخَذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ“ نے اُس طریقہ کو منع فرمایا اور حکم دیا کہ مسجد کے نزدیک اپنا لباس اختیار کرو اور طواف کرو۔

طوافِ عریاں کی ممانعت

حضور اقدس ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ۹ھ میں جو احکام حج دے کر بھیجا تھا تو اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا ”لَا يَطُوفُ بِالْبَيْتِ عُرْيَانًا“ کہ اب کوئی آدمی بیت اللہ کا ننگا طواف نہیں کرے گا۔

امام بخاری رحمہ اللہ یہاں اس آیت کریمہ اور حدیث کو لا کر ترجمۃ الباب میں اس بات پر استدلال کر رہے ہیں کہ جب طواف کے اندر کپڑے پہننے کو ضروری قرار دیا گیا، حالانکہ طواف ایسی عبادت ہے جس میں پابندیاں کم ہوتی ہیں تو نماز کے اندر بطریقِ اولیٰ کپڑے پہننا ضروری ہوگا کیونکہ نماز کی پابندیاں طواف کے مقابلے میں زیادہ ہیں، تو فرمایا قول اللہ عزوجل: ”تُخَذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ“ آگے فرمایا ”وَمَنْ صَلَّى مُلْتَحِفًا فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ“ یہ بتلانا مقصود ہے کہ اصل جو نماز کی شرط ہے وہ ستر عورت ہے کہ آدمی کے عورت کا حصہ ہے وہ ڈھکا ہوا ہو اور ساتھ میں مسنون یہ ہے کہ جسم کے باقی اعضاء جو عورت نہیں ہیں، وہ بھی ڈھکے ہوئے ہوں۔

مقصود اصلی ستر عورت ہے، کپڑوں کی تعداد کی قید نہیں

یہ مقاصد جس طرح بھی حاصل ہو جائیں اس میں کپڑوں کی تعداد کی کوئی قید نہیں ہے کہ ایک کپڑا ہو یا

دو ہوں یا تین ہوں بلکہ اگر سارے جسم کو چھپالیا گیا تو بس وہ مقصد حاصل ہو گیا، لہذا اگر ایک کپڑے کے اندر بھی کوئی نماز پڑھے تو اس میں لپٹ کر نماز پڑھنا جائز ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ تنبیہ اس لئے فرمائی کہ بعض روایات میں ایک کپڑے کے اندر لپٹ کر نماز پڑھنے کو منع کیا گیا ہے یعنی اس میں اشتمال الصماء سے منع کیا گیا ہے لیکن اشارہ کر دیا گیا کہ جو منع کیا گیا ہے وہ اس وجہ سے نہیں کہ کپڑوں کی کوئی تعداد نماز کیلئے مقرر ہے بلکہ اس لئے منع کیا گیا ہے کہ اشتمال الصماء کے اندر آدمی بالکل اس طرح ایک کپڑے کے اندر ہاتھ پاؤں کو اس طرح سے بند کر لے کہ اگر کسی ضرورت کے وقت ٹکنا پڑے تو پھنس جائے، تو یہ امر ارشاد کا ہے ورنہ فی نفسہ نماز کے اندر اگر ایک ہی کپڑا ہو اور وہ ساتر ہو تو وہ کافی ہے، پھر ایک کپڑے میں بھی نماز ہو جاتی ہے۔ تو اس میں تین مختلف حالتیں ہیں جن کو امام بخاری رحمہ اللہ نے تین مختلف ابواب میں بیان کیا ہے۔

پہلی حالت :- ایک حالت یہ ہے کہ کپڑا بہت کشادہ ہو یعنی ایک کپڑا یا ایک چادر ہے لیکن وہ بہت کشادہ ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ جب آدمی اس کو اوڑھے اور اس کا ایک پلو ایک کندھے پر ڈال دے تاکہ پورا جسم چھپ جائے اور کوئی حصہ کھلا ہو نہ رہے۔

دوسری حالت :- اگر وسیع ہے لیکن بہت زیادہ وسیع نہیں بلکہ متوسط درجے کا ہے تو اس صورت میں اگر کندھے پر ڈالے گا تو عین ممکن ہے کہ کندھے کے نیچے تک زیادہ نہیں جا رہا ہو تو کسی وقت کھل کر گر جانے کا امکان ہے ایسی صورت میں اس کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ دونوں پلو لے کر باہر قفا کے اوپر دونوں کو آپس میں باندھ لے تاکہ گرنے کا اندیشہ نہ رہے۔

تیسری حالت :- اگر کپڑا تنگ ہے تو اب اگر اس کو اوپر لے جائیگا تو تنگ اتنا ہے کہ وہ دونوں کا ندھوں پر نہیں آئے گا تو اس صورت میں بجائے اس کے کہ پورا جسم ڈھانکے، پھر صرف تہ بند کے طور پر استعمال کر لے یعنی ازار کے طور پر اس کو نیچے باندھ لے اور ناف سے اوپر کا حصہ کھلا رہے تو بھی نماز ہو جائے گی۔

چنانچہ پہلا باب جو امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں آگے قائم کیا ہے ”باب عقد الإزار علی القفا فی الصلوۃ“ اور دوسرا باب ”باب الصلوۃ فی الثوب الواحد ملتحفاً بہ“۔

”قال الزہری فی حدیثہ : الملتحف المتوشح ، وهو المخالف بین طرفیہ علی عاتقیہ ، وهو الإشتمال علیہ منکبیہ ، قال : وقالت أم ہانی : التحف النبی ﷺ بثوب ، وخالف بین طرفیہ علی عاتقیہ۔“

یہ اس صورت میں ہے جب کہ بہت کشادہ ہو، اور جب متوسط ہو تو ”عقد الأزار علی القفا فی الصلوۃ“ اور پھر آگے تیسرا باب قائم کیا ہے کہ ”باب اذا كان الثوب ضيقاً“ یعنی کپڑا تنگ ہو تو اس

صورت میں صرف ازار کے طور پر استعمال کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

خلاصہ بحث

خلاصہ یہ ہے کہ حتی الامکان آدمی کو چاہیے کہ ”تَسْتُر“ جتنا زیادہ کر سکے اتنا بہتر ہے۔ اگرچہ فرض تو یہ ہے کہ صرف عورت کا تستر ہو جائے لیکن جتنا اس سے زیادہ تستر کر سکتا ہو تو وہ کر لے۔ کپڑوں کی تعداد کی کوئی قید نہیں ہے۔ ”وَيَذْكُرُ عَنْ سَلْمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: يَزْرَهُ وَلَوْ بَشُوكَهُ“ یعنی حضرت سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر آدمی ایک کپڑے کے دو پلوں میں لپٹا ہوا ہے تو ایسے کپڑے کے اندر بٹن لگا لے، چاہے کانٹے ہی کا کیوں نہ ہو یعنی دوپرت کپڑے کے اندر ایسے ہیں کہ ان کو اگر ایک کے اوپر کر لے گا تو رکوع میں جاتے وقت یا سجدے میں جاتے وقت ان کے ہٹ جانے کا احتمال ہے۔ تو ان دونوں کے کناروں کو آپس میں ایک دوسرے سے باندھ لے جیسے بٹن لگائے جاتے ہیں، چاہے ایک کانٹے کے ذریعے کیوں نہ ہو۔ ”وفی اسنادہ نظر“ لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس حدیث کی سند میں کلام ہے۔

حالت مجامعت میں پہنے ہوئے کپڑے کا حکم

”وَمَنْ صَلَّى فِي الثَّوْبِ الَّذِي يَجَامَعُ فِيهِ“

اس میں بھی اور ترجمۃ الباب میں بھی یہ مسئلہ بیان کر دیا گیا ہے کہ اگر کپڑا سا تر ہے تو اس میں نماز پڑھ لینی چاہیے، اور اگر اسی کپڑے میں اپنی بیوی سے مجامعت بھی کی ہو تو بھی اس کپڑے میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے ”مَالِمُ يَرِيهِ اَذًى“ جب تک اس میں کوئی نجاست نہ دیکھے۔ یہ درحقیقت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ ؓ نے ان سے پوچھا تھا کہ:

”هَلْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَصَلِّي فِي الثَّوْبِ الَّذِي يَجَامَعُ فِيهِ“

تو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

”نَعَمْ اِذَا مَا لَمْ يَرِ فِيهِ اَذًى“

ابن حبان رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور صحیح ابن حبان میں مروی ہے۔ بحوالہ

منی کی نجاست پر حنفیہ کا استدلال

اس سے معلوم ہوا کہ جس کپڑے میں آدمی نے مجامعت کی ہو تو اس کے اندر نماز پڑھنا جائز ہے جبکہ اس

کے اندر نجاست نہ لگی ہو۔ اس سے حقیقہ منی کی نجاست پر استدلال کرتے ہیں کیونکہ یہاں ”اذی“ سے مراد منی ہے تو معنی یہ ہوا کہ اگر منی لگی ہوئی ہے تو پھر نماز نہیں پڑھ سکتے، معلوم ہوا کہ منی نجس ہے۔ ۱۸۔

”لعلبسها صاحبها من جلبابها“ اس حدیث کو یہاں پر لانے کا منشاء یہ ہے کہ ایک عورت نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ جس عورت کے پاس جلباب نہ ہو تو کیا وہ عید کی نماز کے لئے جاسکتی ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کی ساتھن (ساتھی) اس کو جلباب دے دے۔ تو یہاں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ جب عورت نماز کے لئے جائے تو جلباب ضروری ہے، کیونکہ عورت کے مقامہائے عورت زیادہ ہیں، عورت کا پورا جسم عورت ہے، سوائے وجہ اور کفین کے، اس واسطے اس کے لئے جلباب بھی ضروری ہونا چاہیے تاکہ جسم کا کوئی حصہ کھلا نہ رہے۔

(۳) باب عقد الإزار علی القفا فی الصلوة،

نماز میں تہبند کا پشت پر باندھنے کا بیان

”وقال أبو حازم عن سهل: صَلَّوْا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ عَاقِدَ أَرْحَمِ عَلَى عَوَاتِقِهِمْ“

ابو حازم حضرت سہل سے روایت کرتے ہیں کہ لوگوں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز اس حالت میں پڑھی کہ انہوں نے اپنی ازاروں کو اپنے عواتق (کندھوں) پر باندھا ہوا تھا۔

۳۵۲۔ حدثنا أحمد بن يونس قال: حدثنا عاصم بن محمد قال: حدثني واقد بن محمد، عن محمد بن المنكدر، قال صلى جابر في إزار قد عقده من قبل قفاه، وثيابه موضوعة على المشحب، قال له قائل: تصلي في إزار واحد؟ فقال: إنما صنعت ذلك ليراني أحق مثلك، وأينا كان له ثوبان على عهد النبي ﷺ؟ [أنظر: ۳۵۳، ۳۶۱، ۳۷۰، ۱۹]

۳۵۳۔ حدثنا مطرف أبو مصعب قال: حدثنا عبد الرحمن بن أبي الموالي، عن

۱۸۔ قولہ: ”ولم يرفه اذى“ وهذا ايضا دليل على انه ذهب الى نجاسة المنى، فيض الباری، ج: ۲، ص: ۹۰۔

۱۹۔ وفي صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب الصلاة في ثوب واحد وصفه لبسه، رقم: ۸۰۵، وسنن أبي داود، كتاب الصلاة باب في الرجل يصلي في قميص واحد، رقم: ۵۳۸، ومسند أحمد، باقي مسند المكثرين، باب مسند جابر بن عبد الله، رقم: ۱۳۶۸۷، ۱۳۸۲۳، ۱۳۹۳۵، ۱۳۹۹۳، ۱۴۰۶۷، ۱۴۱۶۸، ۱۴۲۶۲، ۱۴۳۱۵، ۱۴۳۹۲، ۱۴۵۲۳، ۱۴۵۹۹، ۱۴۶۲۷، ۱۴۶۷۱، وموطأ مالك، كتاب النداء للصلاة، باب الرخصة في الصلوة في الثوب الواحد، رقم: ۲۹۳۔

محمد بن المنکدر قال: رأيت جابر بن عبد الله يصلي في ثوب واحد، وقال: رأيت النبي ﷺ يصلي في ثوب. [راجع: ۳۵۲]

بغرض تعلیم کوئی کام کرنے کا حکم

فرماتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ایک ایسی ازار میں نماز پڑھی کہ اس کو انہوں نے اپنی گدی کے پیچھے باندھ رکھا تھا اور انہوں نے کپڑے ”مشجب“ پر ڈال رکھے تھے۔ ”مشجب“ اس کو کہتے ہیں کہ دونوں طرف تھون کی طرح تین لکڑیوں کو کھڑا کر دیتے ہیں تاکہ اس پر کپڑے ڈالے جاسکیں۔ پھر کسی کہنے والے نے کہا کہ آپ صرف ایک ہی ازار میں پڑھ رہے ہیں؟ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے جان بوجھ کر اس طرح اس لئے کیا تاکہ تم جیسا احق مجھے دیکھے (اور ہم میں سے کسی کسی کے پاس حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں دو کپڑے ہوتے تھے لیکن عام طور سے ایک ہی کپڑا ہوا کرتا تھا) تاکہ لوگوں کو یہ مسئلہ معلوم ہو جائے کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنا مکروہ یا ناجائز نہیں ہے، اگرچہ سنت یہ ہے کہ آدمی ایسے کپڑوں میں نماز پڑھے کہ جن کو پہن کر دوسروں کے سامنے جاسکتا ہو، لہذا اگر آدمی کے پاس اچھے کپڑے ہیں تو ان کو چھوڑ کر خراب کپڑوں میں نماز پڑھنا پسندیدہ نہیں ہے، لیکن یہاں چونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو مسئلہ بتلانا مقصود تھا کہ ایسا کرنا بھی جائز ہے، اس لئے انہوں نے باوجود کپڑے وہاں پر لٹکے رہنے کے ایک کپڑے کے اندر نماز پڑھ لی۔

(۴) باب الصلاة في الثوب الواحد ملتحقا به،

صرف ایک کپڑے کو لپیٹ کر نماز پڑھنے کا بیان

قال الزهري في حديثه: الملتحف المتوشح، وهو المخالف بين طرفيه على عاتقيه، وهو الا شتمال عليه منكبيه، قال: وقالت أم هانئ: التحف النبي ﷺ بثوب، وخالف بين طرفيه على عاتقيه.

۳۵۴ — حدثنا عبيد الله بن موسى قال: حدثنا هشام بن عروة، عن أبيه عن عمر بن

أبي سلمة أن النبي ﷺ في ثوب واحد قد خالف بين طرفيه. [أنظر: ۳۵۵، ۳۵۶] ۲۰

۲۰ وفي صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب الصلاة في ثوب واحد وصفة لبسه، رقم: ۸۰۲، وسنن الترمذی، كتاب الصلاة باب ماجاء في الصلاة في الثوب الواحد، رقم: ۳۱۱، وسنن النسائی، كتاب القبلة، باب الصلاة في الثوب الواحد، رقم: ۷۵۶، وسنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب جماع أئوام ما يصلى فيه، رقم: ۵۳۳، وسنن ابن ماجه، كتاب القامة الصلاة والسنة فيها، باب الصلاة في الثوب الواحد، رقم: ۱۰۳۹، ومسند أحمد، أول مسند المدینین أجمعین، باب حديث عمر بن أبي سلمة، رقم: ۱۵۷۳۷، وموطأ مالك، كتاب النداء للصلاة، باب الرخصة في الصلاة في الثوب الواحد، رقم: ۲۹۱.

۳۵۵۔ حدثنا محمد بن المثنی قال: حدثنا يحيى قال: حدثنا هشام قال: حدثني أبي عن عمر بن أبي سلمة أنه رأى النبي ﷺ يصلي في ثوب واحد في بيت أم سلمة، قد ألقى طرفيه على عاتقيه. [راجع: ۳۵۳]

۳۵۶۔ حدثنا عبيد بن إسماعيل قال: حدثنا أبو أسامة، عن هشام، عن أبيه أن عمر بن أبي سلمة أخبره قال: رأيت رسول الله ﷺ يصلي في ثوب واحد مشتملا به في بيت أم سلمة واضعا طرفيه على عاتقيه. [راجع: ۳۵۴]

۳۵۷۔ حدثنا إسماعيل بن أبي أويس قال: حدثني مالك، عن أبي النضر مولى عمر بن عبيد الله أن أباه مرة مولى أم هانئ بنت أبي طالب أخبره أنه سمع أم هانئ بنت أبي طالب تقول: ذهبت إلى رسول الله ﷺ عام الفتح فوجدته يغتسل وفاطمة ابنته تستره، قالت فسلمت عليه، فقال: (من هذه؟) فقلت: أنا أم هانئ بنت أبي طالب، فقال: (مرحبا بأم هانئ) فلما فرغ من غسله قام فصلى ثماني ركعات ملتحفا في ثوب واحد، فلما انصرف قلت: يا رسول زعم ابن أمي أنه قاتل رجلا قد أجرته، فلان بن هبيرة، فقال رسول الله ﷺ: (قد أجرنا من أجرت يا أم هانئ)، قالت أم هانئ: وذاك ضحى. [راجع: ۲۸۰]

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر صلوٰۃ الضحیٰ پڑھنے کا واقعہ ماقبل میں گزرا ہے لیکن یہاں ایک جملہ کا اضافہ ہے کہ جب آپ ﷺ نماز پڑھ چکے تو میں نے کہا کہ ”زعم ابن امیسی انه قاتل رجلا“ الخ یعنی میرے بھائی نے ارادہ کیا ہوا ہے کہ وہ ایک آدمی کو قتل کرے گا حالانکہ میں نے اس کو پناہ دیدی ہے اور اس کا نام فلاں ابن ہبیرہ ہے۔

(یہ فتح مکہ کا واقعہ ہے اور یہ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے سرالی رشتہ دار تھے جب حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا مکہ مکرمہ میں داخل ہوئی تو انہوں نے ان کو امان دیدی، لیکن ان کے بھائی باوجود امان دینے کے اس کو قتل کرنا چاہتے ہیں) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”قد أجرنا من أجرت يا أم هانئ“ کہ اے ام ہانی جس کو تم نے امان دی ہم نے بھی اس کو امان دیدی۔ ویسے تو قاعدہ یہ ہے کہ ”ذمة المسلمين واحدة يسعى بها ادناهم“ تمام مسلمانوں کی ذمہ داری برابر ہے تو ادنیٰ درجہ کا مسلمان بھی اگر کسی کو امان دیدے تو سارے مسلمانوں پر اس کی ذمہ داری واجب ہے۔ تو جب حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے امان دیدی تھی تو ان کے بھائی کو ان کے قتل کا ارادہ کرنا درست نہیں تھا، لیکن آنحضرت ﷺ نے مزید تاکید کے لئے فرمایا کہ ہم نے بھی اس کو امان دی تھی۔

۳۵۸۔ حدثنا عبد الله بن يوسف قال: أخبرنا مالك، عن ابن شهاب، عن

سعید ابن المسیب، عن ابي هريرة: أن سائلا سأل رسول الله ﷺ عن الصلاة في ثوب واحد، فقال رسول الله ﷺ: (أو لكلكم ثوبان ؟). [أنظر: ۳۶۵]

(۵) باب إذا صلى في الثوب الواحد فليجعل على عاتقيه

جب ایک کپڑے کا میں نماز پڑھے، تو چاہیے کہ اس کا کچھ حصہ اپنے شانے پر ڈال لے
۳۵۹۔ حدثنا أبو عاصم، عن مالك، عن أبي الزناد، عن عبد الرحمن الأعرج، عن أبي هريرة قال: قال النبي ﷺ (لا يصلي أحدكم في الثوب الواحد ليس على عاتقيه شيء). [أنظر: ۳۶۰] ۲

۳۶۰۔ حدثنا أبو نعيم قال: حدثنا شيبان، عن يحيى بن أبي كثير، عن عكرمة قال: سمعته أو كنت سألته قال: سمعت أبا هريرة يقول: أشهد أني سمعت رسول الله ﷺ يقول: (من صلى في ثوب فليخالف بين طرفيه). [راجع: ۳۵۹]

حدیث باب کی تشریح

پہلے حدیث میں یہ فرمایا کہ اس حالت میں نماز نہ پڑھے کہ اس کے کندھے پر کچھ بھی نہ ہو، کیونکہ دونوں طرف سے جب کندھے پر کچھ نہیں تو ایسے ہی کندھے کے نیچے ڈال دیا ہے تو جب رکوع میں جائے تو کھل جانے کا اندیشہ ہے، اس لئے دوسری آنے والی حدیث میں اس کا طریقہ بتا رہے ہیں کہ ”فلیخالف بین طرفیه“۔

(۶) باب إذا كان الثوب ضيقا

جب کپڑا تنگ ہو تو کس طرح نماز پڑھے

۳۶۱۔ حدثنا يحيى بن صالح قال: حدثنا فليح بن سليمان، عن سعيد بن الحارث قال: سألنا جابر بن عبد الله عن الصلاة في الثوب الواحد؟ فقال: خرجت مع النبي

۲۔ وفي صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب الصلاة في ثوب واحد وصفه لبسه، رقم: ۸۰۱، وسنن النسائي، كتاب القبلة، باب صلاة الرجل في الثوب الواحد ليس على عاتقه منه، رقم: ۷۶۱، وسنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب جماع أثواب ما يصلى فيه، رقم: ۵۳۱، ۵۳۲، ومسند أحمد، باقي مسند المكثرين، باب مسند أبي هريرة، رقم: ۷۵۴، ۷۵۳، ۷۵۲، ۷۵۱، ۷۵۰، ۷۴۹، ۷۴۸، ۷۴۷، ۷۴۶، ۷۴۵، ۷۴۴، ۷۴۳، ۷۴۲، ۷۴۱، ۷۴۰، ۷۳۹، ۷۳۸، ۷۳۷، ۷۳۶، ۷۳۵، ۷۳۴، ۷۳۳، ۷۳۲، ۷۳۱، ۷۳۰، ۷۲۹، ۷۲۸، ۷۲۷، ۷۲۶، ۷۲۵، ۷۲۴، ۷۲۳، ۷۲۲، ۷۲۱، ۷۲۰، ۷۱۹، ۷۱۸، ۷۱۷، ۷۱۶، ۷۱۵، ۷۱۴، ۷۱۳، ۷۱۲، ۷۱۱، ۷۱۰، ۷۰۹، ۷۰۸، ۷۰۷، ۷۰۶، ۷۰۵، ۷۰۴، ۷۰۳، ۷۰۲، ۷۰۱، ۷۰۰، ۶۹۹، ۶۹۸، ۶۹۷، ۶۹۶، ۶۹۵، ۶۹۴، ۶۹۳، ۶۹۲، ۶۹۱، ۶۹۰، ۶۸۹، ۶۸۸، ۶۸۷، ۶۸۶، ۶۸۵، ۶۸۴، ۶۸۳، ۶۸۲، ۶۸۱، ۶۸۰، ۶۷۹، ۶۷۸، ۶۷۷، ۶۷۶، ۶۷۵، ۶۷۴، ۶۷۳، ۶۷۲، ۶۷۱، ۶۷۰، ۶۶۹، ۶۶۸، ۶۶۷، ۶۶۶، ۶۶۵، ۶۶۴، ۶۶۳، ۶۶۲، ۶۶۱، ۶۶۰، ۶۵۹، ۶۵۸، ۶۵۷، ۶۵۶، ۶۵۵، ۶۵۴، ۶۵۳، ۶۵۲، ۶۵۱، ۶۵۰، ۶۴۹، ۶۴۸، ۶۴۷، ۶۴۶، ۶۴۵، ۶۴۴، ۶۴۳، ۶۴۲، ۶۴۱، ۶۴۰، ۶۳۹، ۶۳۸، ۶۳۷، ۶۳۶، ۶۳۵، ۶۳۴، ۶۳۳، ۶۳۲، ۶۳۱، ۶۳۰، ۶۲۹، ۶۲۸، ۶۲۷، ۶۲۶، ۶۲۵، ۶۲۴، ۶۲۳، ۶۲۲، ۶۲۱، ۶۲۰، ۶۱۹، ۶۱۸، ۶۱۷، ۶۱۶، ۶۱۵، ۶۱۴، ۶۱۳، ۶۱۲، ۶۱۱، ۶۱۰، ۶۰۹، ۶۰۸، ۶۰۷، ۶۰۶، ۶۰۵، ۶۰۴، ۶۰۳، ۶۰۲، ۶۰۱، ۶۰۰، ۵۹۹، ۵۹۸، ۵۹۷، ۵۹۶، ۵۹۵، ۵۹۴، ۵۹۳، ۵۹۲، ۵۹۱، ۵۹۰، ۵۸۹، ۵۸۸، ۵۸۷، ۵۸۶، ۵۸۵، ۵۸۴، ۵۸۳، ۵۸۲، ۵۸۱، ۵۸۰، ۵۷۹، ۵۷۸، ۵۷۷، ۵۷۶، ۵۷۵، ۵۷۴، ۵۷۳، ۵۷۲، ۵۷۱، ۵۷۰، ۵۶۹، ۵۶۸، ۵۶۷، ۵۶۶، ۵۶۵، ۵۶۴، ۵۶۳، ۵۶۲، ۵۶۱، ۵۶۰، ۵۵۹، ۵۵۸، ۵۵۷، ۵۵۶، ۵۵۵، ۵۵۴، ۵۵۳، ۵۵۲، ۵۵۱، ۵۵۰، ۵۴۹، ۵۴۸، ۵۴۷، ۵۴۶، ۵۴۵، ۵۴۴، ۵۴۳، ۵۴۲، ۵۴۱، ۵۴۰، ۵۳۹، ۵۳۸، ۵۳۷، ۵۳۶، ۵۳۵، ۵۳۴، ۵۳۳، ۵۳۲، ۵۳۱، ۵۳۰، ۵۲۹، ۵۲۸، ۵۲۷، ۵۲۶، ۵۲۵، ۵۲۴، ۵۲۳، ۵۲۲، ۵۲۱، ۵۲۰، ۵۱۹، ۵۱۸، ۵۱۷، ۵۱۶، ۵۱۵، ۵۱۴، ۵۱۳، ۵۱۲، ۵۱۱، ۵۱۰، ۵۰۹، ۵۰۸، ۵۰۷، ۵۰۶، ۵۰۵، ۵۰۴، ۵۰۳، ۵۰۲، ۵۰۱، ۵۰۰، ۴۹۹، ۴۹۸، ۴۹۷، ۴۹۶، ۴۹۵، ۴۹۴، ۴۹۳، ۴۹۲، ۴۹۱، ۴۹۰، ۴۸۹، ۴۸۸، ۴۸۷، ۴۸۶، ۴۸۵، ۴۸۴، ۴۸۳، ۴۸۲، ۴۸۱، ۴۸۰، ۴۷۹، ۴۷۸، ۴۷۷، ۴۷۶، ۴۷۵، ۴۷۴، ۴۷۳، ۴۷۲، ۴۷۱، ۴۷۰، ۴۶۹، ۴۶۸، ۴۶۷، ۴۶۶، ۴۶۵، ۴۶۴، ۴۶۳، ۴۶۲، ۴۶۱، ۴۶۰، ۴۵۹، ۴۵۸، ۴۵۷، ۴۵۶، ۴۵۵، ۴۵۴، ۴۵۳، ۴۵۲، ۴۵۱، ۴۵۰، ۴۴۹، ۴۴۸، ۴۴۷، ۴۴۶، ۴۴۵، ۴۴۴، ۴۴۳، ۴۴۲، ۴۴۱، ۴۴۰، ۴۳۹، ۴۳۸، ۴۳۷، ۴۳۶، ۴۳۵، ۴۳۴، ۴۳۳، ۴۳۲، ۴۳۱، ۴۳۰، ۴۲۹، ۴۲۸، ۴۲۷، ۴۲۶، ۴۲۵، ۴۲۴، ۴۲۳، ۴۲۲، ۴۲۱، ۴۲۰، ۴۱۹، ۴۱۸، ۴۱۷، ۴۱۶، ۴۱۵، ۴۱۴، ۴۱۳، ۴۱۲، ۴۱۱، ۴۱۰، ۴۰۹، ۴۰۸، ۴۰۷، ۴۰۶، ۴۰۵، ۴۰۴، ۴۰۳، ۴۰۲، ۴۰۱، ۴۰۰، ۳۹۹، ۳۹۸، ۳۹۷، ۳۹۶، ۳۹۵، ۳۹۴، ۳۹۳، ۳۹۲، ۳۹۱، ۳۹۰، ۳۸۹، ۳۸۸، ۳۸۷، ۳۸۶، ۳۸۵، ۳۸۴، ۳۸۳، ۳۸۲، ۳۸۱، ۳۸۰، ۳۷۹، ۳۷۸، ۳۷۷، ۳۷۶، ۳۷۵، ۳۷۴، ۳۷۳، ۳۷۲، ۳۷۱، ۳۷۰، ۳۶۹، ۳۶۸، ۳۶۷، ۳۶۶، ۳۶۵، ۳۶۴، ۳۶۳، ۳۶۲، ۳۶۱، ۳۶۰، ۳۵۹، ۳۵۸، ۳۵۷، ۳۵۶، ۳۵۵، ۳۵۴، ۳۵۳، ۳۵۲، ۳۵۱، ۳۵۰، ۳۴۹، ۳۴۸، ۳۴۷، ۳۴۶، ۳۴۵، ۳۴۴، ۳۴۳، ۳۴۲، ۳۴۱، ۳۴۰، ۳۳۹، ۳۳۸، ۳۳۷، ۳۳۶، ۳۳۵، ۳۳۴، ۳۳۳، ۳۳۲، ۳۳۱، ۳۳۰، ۳۲۹، ۳۲۸، ۳۲۷، ۳۲۶، ۳۲۵، ۳۲۴، ۳۲۳، ۳۲۲، ۳۲۱، ۳۲۰، ۳۱۹، ۳۱۸، ۳۱۷، ۳۱۶، ۳۱۵، ۳۱۴، ۳۱۳، ۳۱۲، ۳۱۱، ۳۱۰، ۳۰۹، ۳۰۸، ۳۰۷، ۳۰۶، ۳۰۵، ۳۰۴، ۳۰۳، ۳۰۲، ۳۰۱، ۳۰۰، ۲۹۹، ۲۹۸، ۲۹۷، ۲۹۶، ۲۹۵، ۲۹۴، ۲۹۳، ۲۹۲، ۲۹۱، ۲۹۰، ۲۸۹، ۲۸۸، ۲۸۷، ۲۸۶، ۲۸۵، ۲۸۴، ۲۸۳، ۲۸۲، ۲۸۱، ۲۸۰، ۲۷۹، ۲۷۸، ۲۷۷، ۲۷۶، ۲۷۵، ۲۷۴، ۲۷۳، ۲۷۲، ۲۷۱، ۲۷۰، ۲۶۹، ۲۶۸، ۲۶۷، ۲۶۶، ۲۶۵، ۲۶۴، ۲۶۳، ۲۶۲، ۲۶۱، ۲۶۰، ۲۵۹، ۲۵۸، ۲۵۷، ۲۵۶، ۲۵۵، ۲۵۴، ۲۵۳، ۲۵۲، ۲۵۱، ۲۵۰، ۲۴۹، ۲۴۸، ۲۴۷، ۲۴۶، ۲۴۵، ۲۴۴، ۲۴۳، ۲۴۲، ۲۴۱، ۲۴۰، ۲۳۹، ۲۳۸، ۲۳۷، ۲۳۶، ۲۳۵، ۲۳۴، ۲۳۳، ۲۳۲، ۲۳۱، ۲۳۰، ۲۲۹، ۲۲۸، ۲۲۷، ۲۲۶، ۲۲۵، ۲۲۴، ۲۲۳، ۲۲۲، ۲۲۱، ۲۲۰، ۲۱۹، ۲۱۸، ۲۱۷، ۲۱۶، ۲۱۵، ۲۱۴، ۲۱۳، ۲۱۲، ۲۱۱، ۲۱۰، ۲۰۹، ۲۰۸، ۲۰۷، ۲۰۶، ۲۰۵، ۲۰۴، ۲۰۳، ۲۰۲، ۲۰۱، ۲۰۰، ۱۹۹، ۱۹۸، ۱۹۷، ۱۹۶، ۱۹۵، ۱۹۴، ۱۹۳، ۱۹۲، ۱۹۱، ۱۹۰، ۱۸۹، ۱۸۸، ۱۸۷، ۱۸۶، ۱۸۵، ۱۸۴، ۱۸۳، ۱۸۲، ۱۸۱، ۱۸۰، ۱۷۹، ۱۷۸، ۱۷۷، ۱۷۶، ۱۷۵، ۱۷۴، ۱۷۳، ۱۷۲، ۱۷۱، ۱۷۰، ۱۶۹، ۱۶۸، ۱۶۷، ۱۶۶، ۱۶۵، ۱۶۴، ۱۶۳، ۱۶۲، ۱۶۱، ۱۶۰، ۱۵۹، ۱۵۸، ۱۵۷، ۱۵۶، ۱۵۵، ۱۵۴، ۱۵۳، ۱۵۲، ۱۵۱، ۱۵۰، ۱۴۹، ۱۴۸، ۱۴۷، ۱۴۶، ۱۴۵، ۱۴۴، ۱۴۳، ۱۴۲، ۱۴۱، ۱۴۰، ۱۳۹، ۱۳۸، ۱۳۷، ۱۳۶، ۱۳۵، ۱۳۴، ۱۳۳، ۱۳۲، ۱۳۱، ۱۳۰، ۱۲۹، ۱۲۸، ۱۲۷، ۱۲۶، ۱۲۵، ۱۲۴، ۱۲۳، ۱۲۲، ۱۲۱، ۱۲۰، ۱۱۹، ۱۱۸، ۱۱۷، ۱۱۶، ۱۱۵، ۱۱۴، ۱۱۳، ۱۱۲، ۱۱۱، ۱۱۰، ۱۰۹، ۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۵، ۱۰۴، ۱۰۳، ۱۰۲، ۱۰۱، ۱۰۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱، ۰.

ﷺ فی بعض أسفاره فجنث ليلة لبعض أمري، فوجدته يصلي وعلي ثوب واحد، فاشتملت به وصليت إلى جانبه، فلما انصرف قال: (ما السري يا جابر؟) فأخبرته بحاجتي فلما فرغت قال: (ما هذا الاشتغال الذي رأيت؟) قلت: كان ثوب قال: ((فإن كان واسعاً فالتحف به، وإن كان ضيقاً فالتزربه)). [راجع: ۳۶۱]

ثوب واحد میں نماز کا حکم

سعید بن حارث رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہم نے پوچھا کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

انہوں نے کہا کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ اپنے کسی کام سے کسی سفر میں تھا، ایک رات میں آپ ﷺ کے پاس آیا ”فوجدته يصلي وعلي ثوب واحد“ اور صرف ایک ہی کپڑا تھا ”فاشتملت به“ میں اس میں لپٹا ہوا تھا ”وصليت الى جانبه“ اور آپ کے برابر میں کھڑے ہو کر نماز شروع کر دی ”قال ما السري يا جابر“ کہ آپ ﷺ نے کہا اے جابر رات کو آنے کا کیا مقصد ہے؟ سُرئی کہتے ہیں رات کے وقت میں چلنا، تو یہ تم کیوں آئے ہو؟ ”فاخبرته بحاجتي فلما فرغت قال ما هذا الاشتغال الذي رأيت؟“ یہ جو تم ایک ہی کپڑے میں لیٹ کر نماز پڑھ رہے تھے کیا بات تھی؟ تو میں نے کہا ”کان ثوب“ میرے پاس ایک ہی کپڑا تھا ”قال فان كان واسعاً فالتحف به، فان كان ضيقاً فالتزربه“۔

آپ نے فرمایا کہ اگر کپڑا وسیع ہو تب تو اس میں اس طرح لیٹ جاؤ کہ وہی دونوں طرف ڈال لو اور اگر تنگ ہو تو پھر یہ تکلف کرنے کی ضرورت نہیں، اس کو ازار بنا کر استعمال کر لو تا کہ جو عورت ہے وہ چھپ جائے اور جو حصہ اوپر کا ہے وہ ننگا رہے تو بھی کوئی حرج نہیں۔

۳۶۲۔ حدثنا مسدد قال: حدثنا يحيى عن سفيان قال: حدثني أبو حازم، عن سهل قال: كان رجال يصلون مع النبي ﷺ عاكدي أزهرهم على اعناقهم كهيشة الصبيان وقال للنساء: لا ترفعن رؤسكن حتى يستوي الرجال جلوساً. [أنظر: ۸۱۳، ۱۲۱۵، ۲۲]

۲۲ وفی صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب أمر النساء المصلیات وراء الرجال أن لا یرفعن، رقم: ۶۱۵، وسنن النسائی، کتاب القبلة، باب الصلاة فی الأزار، رقم: ۷۵۸، وسنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب الرجل یعقد الثوب فی لفاه ثم یصلی، رقم: ۵۳۵، ومسنند أحمد، مسند المکیین، باب من مسند سهل بن سعد الساعدی، رقم: ۱۵۰۱، وباقی مسند الأنصار، باب حدیث أبی مالک سهل بن سعد الساعدی، رقم: ۲۱۷۴۳۔

شریعت کی دوراندیشی

حضرت سہل بن ساعد ؓ فرماتے ہیں کہ لوگ نبی کریم ﷺ کے ساتھ اس حال میں نماز پڑھا کرتے تھے کہ انہوں نے اپنی ازاریں اپنی گردنوں پر باندھی ہوئی تھیں ”کھینٹہ الصبیان“ جیسے بچوں کو مائیں باندھ دیتی ہیں تاکہ بچہ گرے نہیں۔ اور عورتوں سے کہا جاتا ہے کہ ”لا ترفعن رؤسکُن حتی یستوی الرجال جلوسا“ کہ تم اپنے سر اس وقت تک سجدے سے نہ اٹھانا جب تک مرد بیٹھ نہ جائیں یعنی جب مرد آگے نماز پڑھ رہے ہوں اور پیچھے عورتیں نماز پڑھ رہی ہوں تو ایسی صورت میں عورتوں کو کہا جاتا تھا کہ تم اپنا سر اس وقت تک سجدہ سے نہ اٹھانا جب تک مرد بیٹھ نہ جائیں اور اس سے مقصد یہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مرد کی عورت (شرمگاہ) کا کوئی حصہ ظاہر ہو جائے۔

سوال: بعض لوگ مساجد میں نماز کے لئے ٹوپیاں رکھتے ہیں جبکہ وہ ٹوپی عام حالات میں نہیں پہنتے۔
جواب: آدمی کو چاہئے کہ اپنی ٹوپی خود اپنے پاس رکھے، لیکن اگر بالفرض اس وقت کسی کے پاس ٹوپی نہیں ہے، تو دو خرابیاں لازم آئیں گی۔
(۱) وہ ننگے سر نماز پڑھے۔

(۲) ایسی ٹوپی میں نماز پڑھے جو عام طور سے وہ نہیں پہنتا۔
ان میں پہلے کے مقابلہ میں دوسری خرابی اھوں ہے اس لئے ننگے سر پڑھنے کے مقابلے میں بہتر ہے کہ وہی لیلے اور نماز پڑھ لے، لیکن (حقیقت میں) دونوں باتیں غلط ہیں۔

لفظ ”ابن“ کے پڑھنے میں ایک اہم غلطی پر تنبیہ

سوال:- یہ سوال کیا جاتا ہے کہ عام طور پر فضائل اعمال کی تعلیم میں حدیث بیان کرتے وقت اور اردو پڑھتے وقت ”عبداللہ ابن مسعود ؓ“ کہتے ہیں حالانکہ یہ صحیح نہیں، اس وجہ سے عربی میں بھی پڑھتے ہیں؟
جواب:- اردو اور فارسی میں اس لئے غلط نہیں ہے کہ اس میں اعراب کا لحاظ نہیں ہوتا کیونکہ یہاں ہر حالت میں مضاف مکسور ہوتا ہے، خواہ اعرابی حالت کوئی بھی ہو جیسے ابن مسعود ؓ، ابن عمر ؓ وغیرہ۔
اس واسطے وہاں پر کسی غلط معنی کا احتمال نہیں، بخلاف عربی کے کہ یہاں حالات اعراب یہ مختلف ہوتی ہیں، ذرا سے اعراب کے فرق سے یعنی زیر و زبر سے معنی میں زمین و آسمان کی تبدیلی ہو جاتی ہے۔

لہذا جب عربی میں پڑھ رہے ہوں اور ”عبد اللہ“ حالت رفعی میں ہو تو اس وقت میں ابن پڑھنا بالکل حرام ہے، لیکن جب آدمی اردو یا فارسی میں بولے تو اس کی گنجائش ہے۔

(۷) باب الصلاة في الجبة الشامية،

جبہ شامیہ میں نماز پڑھنے کا بیان

”وقال الحسن في الثياب ينسجها المجوسي: لم يربها بأسا، وقال معمر: رأيت الزهري يلبس من ثياب اليمن ما صبغ بالبول، ووصلى علي في ثوب غير مقصور“.

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب جبہ شامیہ میں نماز پڑھنے کے حکم کے بارے میں قائم کیا ہے اور اس میں حدیث بھی دہ لے کر آئے ہیں جس میں نبی کریم ﷺ کا شام کے بنے ہوئے جتے میں نماز پڑھنا مذکور ہے۔

ترجمۃ الباب سے امام بخاریؒ کا مقصود

اس ترجمۃ الباب سے تین مسائل متعلق ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود ان تینوں مسئلوں کی طرف اشارہ کرنا ہے۔

پہلا مسئلہ: کفار کے ساتھ وضع قطع میں مشابہت کا حکم

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ کفار کی وضع قطع کا لباس پہننا جائز ہے یا نہیں کہ جو عام طور سے کفار پہنتے ہیں؟ اس مسئلہ کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ لباس ان (کفار) کا شعار ہے تب تو وہ پہننا جائز نہیں جیسا کہ ہندوؤں کی دھوتی اور زنار (یہ ان کا شعار ہے) یہ پہننا جائز نہیں، لیکن اگر شعار نہیں ہے بلکہ عادیہ پہنتے ہیں اور عادت کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان اور کافر اس جگہ میں سب ہی پہنتے ہیں، تو پھر اس کے پہننے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

دوسرا مسئلہ: کفار کے بنائے ہوئے کپڑوں کا حکم

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کفار کا بنایا ہوا لباس چاہے اس کی وضع قطع کچھ بھی ہو، یعنی کپڑا انہوں نے بنایا اور بنا اور خود سلائی کی تو کافر کے ہاتھ اُس کو لگ گئے اور کافر کا اس کی صنعت میں دخل ہے، آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جائز ہے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے شام کا بنا ہوا جبہ پہنا، جب کہ شام میں اس وقت کافروں کی حکومت تھی اور وہ کرتہ شام کا بنا ہوا تھا۔ ۲۳

تیسرا مسئلہ: کفار کے استعمال شدہ کپڑوں کا حکم

اور تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ کافروں کے لباس میں یہ احتمال ہوتا ہے کہ شاید وہ نجس ہو، کیونکہ کافر نجاست اور طہارت کا خیال نہیں کرتے، تو احتمال ہے کہ وہ نجس ہو، تو ایسی صورت میں اس کا پہننا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں فقہائے کرام نے تفصیل یوں کی ہے کہ اگر کپڑا نیا ہے، وہاں سل کر یا بن کر آیا ہے اور کسی کا مستعمل نہیں ہے تو ظاہر حال یہ ہے کہ وہ پاک ہوگا، جب تک اس پر کسی نجاست کا ظن غالب یا یقین نہ ہو جائے تو اس کا پہننا جائز ہے اور جو کپڑا مستعمل ہو، یعنی کافروں نے اس کو استعمال کیا ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ پہلے اس کو دھویا جائے، کیونکہ ظن غالب یہ ہے کہ جب استعمال کیا ہوگا تو کسی وقت نجاست لگی ہوگی، تو اس کو پہلے دھویا جائے پھر اس کو استعمال کیا جائے۔ ۲۳

”وقال الحسن فی الثیاب ینسجھا المجوسی لم یر بہا باسا“ حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا جو کپڑے مجوسی لوگ بٹتے ہیں ان کے پہننے میں حرج نہیں۔

”وقال معمر رأیت الزہری یلبس من ثیاب الیمن ما صیغ البول“

حضرت معمر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے زہری کو دیکھا کہ وہ یمن کے ایسے کپڑے پہنتے تھے جو پیشاب سے رنگے ہوئے ہوتے تھے اور پھر ظاہر ہے کہ وہ پہن کر نماز بھی پڑھتے ہو گئے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ یہاں بعض لوگوں نے کہا ہے کہ بول سے مراد ”بول مایوکل لحمہ“ ہے۔ اور امام زہری ”بول مایوکل لحمہ“ کی طہارت کے قائل تھے، لہذا اس سے رنگے ہوئے کپڑوں میں نماز پڑھنے کو جائز سمجھتے تھے، لیکن حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام زہری رحمہ اللہ بھی ان لوگوں میں سے ہیں جو ”بول مایوکل لحمہ“ کو طہر نہیں سمجھتے تھے، لہذا یہ تاویل درست نہیں ہے۔

صحیح بات یہ ہے کہ ابتدا میں کپڑے اگرچہ پیشاب سے رنگے گئے تھے، لیکن جب امام زہری رحمہ اللہ کے پاس آئے ہوں گے تو امام زہری رحمہ اللہ نے اس کو دھویا ہوگا اور دھو کر پہنا ہوگا، تو اصلاً اگرچہ پیشاب سے رنگے گئے تھے، لیکن بعد میں مسلمان اس کو دھو کر پہنتے تھے۔ فرض کریں کہ اگر کسی کافر نے کپڑے پر نجاست لگا بھی دی تو جب مسلمان کے پاس آئے تو اس کو دھو کر پہن لے تو جائز ہے۔

آگے فرمایا ”وصلی علی فی ثوب غیر مقصور“

۲۴ قلت وقال الحافظ رحمه الله تعالى أن الترجمة معقودة لجواز الصلاة في ثياب الكفار ما لم تتحقق بنجاستها،

وروى عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى كراهية الصلاة فيها إلا بعد الغسل، وعن مالك إن فعل بعيد في الوقت انتهى

اور حضرت علیؓ نے ایسے کپڑے میں نماز پڑھی جو دھلا ہوا نہیں تھا (کورا کپڑا) حالانکہ کپڑا باہر یعنی غیر مسلموں کا بنایا ہوا تھا، اس کے باوجود حضرت علیؓ کے پاس آیا تو دھوئے بغیر انہوں نے نماز پڑھ لی۔

۳۶۳۔ حدثنا يحيى قال : حدثنا أبو معاوية ، عن الأعمش ، عن مسلم ، عن مسروق ، عن مغيرة بن شعبه قال : كنت مع النبي ﷺ في سفر فقال : (يا مغيرة، خذ الا داوة) ، فآخذتها ، فأنطلق رسول الله ﷺ حتى نوارى عني فقصي حاجته و عليه جبة شامية ، فذهب ليخرج يده من كمها فضالت ، فأخرج يده من أسفلها فصبت عليه فتوضأ وضوءه للصلاة ومسح على خفيه ثم صلى . [راجع: ۱۸۲]

حدیث کا مطلب

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا ”خذ الا داوة“ یہ مشکیزہ لے لو میں نے لے لیا اور آپ ﷺ چلے یہاں تک کہ مجھ سے چھپ گئے: آپ ﷺ نے قضاء حاجت فرمائی اور آپ ﷺ پر ایک شامی جبہ تھا۔ آپ ﷺ نے اس کی آستین سے ہاتھ مبارک نکالنا چاہا، لیکن وہ تنگ پڑ گئی تو آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک اس کے نیچے سے نکال لیا پھر میں نے آپ ﷺ پر پانی ڈالا تو آپ ﷺ نے وضو فرمایا۔ گو یہاں مقصود یہ ہے کہ آپ ﷺ نے جبہ شامیہ زیب تن فرمایا اور اس کی آستین بھی تنگ تھیں اور اتنی تنگ تھیں کہ اوپر چڑھانہیں سکے تو آپ ﷺ نے ہاتھ باہر نکالے۔

(۸) باب كراهية التعري في الصلاة

نماز میں اور غیر نماز میں ننگے ہونے کی کراہت کا بیان

۳۶۴۔ حدثنا مطر بن الفضل قال : حدثنا روح قال : حدثنا زكريا بن اسحاق قال : حدثنا عمرو بن دينار قال : سمعت جابر بن عبد الله يحدث أن رسول الله ﷺ كان ينقل معهم الحجارة للكعبة وعليه إزاره، فقال له العباس عمه : يا ابن أخي، لو حللت إزارك فجعلت على منكبيك دون الحجارة ، قال : فحلله فجعله على منكبيه ، فسقط مغشيا عليه ، فما روي بعد ذلك عريانا ﷺ [أنظر: ۱۵۸۲، ۳۸۲۹، ۲۵]

حضور ﷺ قریش کے ساتھ کعبہ کے لئے پھراٹھا اٹھا کر لا رہے تھے (یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب

۲۵۔ وفي صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب الاعتناء بحفظ العورة، رقم: ۵۱۵، ۵۱۳، ومسنود أحمد، باقي مسند

المكثرين، باب مسند جابر بن عبد الله، رقم: ۱۳۶۲۶، ۱۳۸۱۳، ۱۳۰۵۱، ومسنود أحمد، باقي مسند

قریش نے آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے کعبۃ اللہ کی تعمیر کی تھی تو اس تعمیر کے وقت میں آپ ﷺ بچے تھے آپ ﷺ بھی اس تعمیر میں شامل تھے اور پتھر اٹھا اٹھا کر لارہے تھے۔

”وعلیہ ازارہ“ اور آپ ﷺ کے اوپر ازار تھی، تو حضرت عباسؓ جو آپ ﷺ کے چچا ہیں، انہوں نے کہا ”یا ابن اخی لو حلت ازارک“ کہ آپ ﷺ اپنا ازار کھول لیں اور اپنے منکبین مبارکین پر رکھ لیں ”دون الحجارة“ پتھروں کو روکنے کے لئے کیونکہ پتھر کندھے پر رکھنے کی وجہ سے خراش پیدا کرتا ہے، اس وجہ سے حضرت عباسؓ نے کہا کہ تم اپنی ازار کھول کر یہاں رکھ لو تا کہ پتھر اس کے اوپر رکھ سکو اور تمہارے جسم کو تکلیف نہ پہنچے ”قال فحلہ“ آپ ﷺ نے ان کے کہنے پر کھول دیا اور اپنے کندھے مبارک پر ازار رکھ لیا۔

”فسقط مغشبا علیہ“ فوراً آپ ﷺ پر غشی طاری ہو گئی اور آپ ﷺ گر گئے ”فما رؤی بعد ذلک عرباناً“ اس کے بعد آپ ﷺ کو عرباں نہیں دیکھا گیا۔

چچا کے کہنے پر آپ ﷺ نے یہ عمل تو کیا لیکن عمل کرنے کے نتیجے میں تعری لازم آئی تھی اور اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کی حفاظت فرمائی تھی تو اس واسطے آپ ﷺ کو بعثت سے پہلے ایسے امور سے محفوظ رکھا جو باعث عار ہوتے ہیں، اس واسطے غشی طاری ہو گئی اور گویا اس عمل کو جاری نہ رکھ سکے۔

انبیاء قبل البعث بھی معصوم ہوتے ہیں

اس سے معلوم ہوا کہ انبیائے کرام علیہم السلام بعثت سے پہلے بھی معصوم ہوتے ہیں۔ اللہ ﷻ کی طرف سے ان کی حفاظت ہوتی ہے، البتہ اس میں کلام ہوا ہے کہ آیا صغائر اور کبار دونوں سے معصوم ہوتے ہیں یا صرف کبار سے۔ اس کے متعلق دونوں قول ہیں اللہ ﷻ ہی بہتر جانتے ہیں، لیکن ظاہر یہ ہے کہ دونوں قسم کے گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں اور باعث ننگ و عار کاموں سے معصوم رکھا جاتا ہے۔

وضاحت

یہ وہ واقعہ نہیں جس میں آپ ﷺ نے حجر اسود رکھا تھا۔ یہ واقعہ اس سے پہلے کا ہے جس میں کعبۃ اللہ کی مرمت وغیرہ کی جارہی تھی، لیکن حجر اسود کو رکھ کر جو نزاع ختم کیا تھا وہ بعثت سے پانچ سال پہلے کا واقعہ ہے۔

(۹) باب الصلاة في القميص و السراويل و التبان و القباء

قمیص، سراویل، تبان اور قبا میں نماز پڑھنے کا بیان

۳۶۵۔ حدثنا سليمان بن حرب قال: حدثنا حماد بن زيد، عن أيوب، عن محمد،

عن أبي هريرة قال: قام رجل إلى النبي ﷺ فسأله عن الصلوة في الثوب الواحد، فقال:

(اَکَلْکُمْ یَجِدُ ثَوْبَیْنِ؟)، ثم سأل رجل عمر فقال: إذا وسع الله فأوسعوا، جمع رجل عليه ثيابه، صلى رجل في إزار و رداء، في إزار و قميص، في إزار و قباء، في سراويل و رداء، في سراويل و قميص، في سراويل و قباء، في ثياب و قباء، في ثياب و قميص، قال: وأحسبه قال: في ثنان و رداء. [راجع: ۳۵۸]

۳۶۶۔ حدثنا عاصم بن علي قال: حدثنا ابن أبي ذئب، عن الزهري، عن سالم، عن ابن عمر، قال: سأل رجل رسول الله ﷺ فقال: (لا يلبس القميص، ولا السراويل، ولا البرنس، ولا ثوبا مسه زعفران ولا ورس، فمن لم يجد نعلين فليلبس الخفين، وليقطعهما حتى يكونا أسفل من الكعبين) وعن نافع عن ابن عمر عن النبي ﷺ مثله. [راجع: ۱۳۴]

مقصود بخاری رحمہ اللہ

”تَبَان“ کہتے ہیں جا نگیا کو (نیکر، کچھا) جس میں آدھی رانوں تک کپڑا ہوتا ہے اور آدھی رانیں کھلی ہوتی ہیں، اس کو جا نگیا بولتے ہیں۔ یہاں یہ بتلانا مقصود ہے کہ جا نگیا پہن کر بھی نماز پڑھ سکتے ہیں بشرطیکہ اس کے ساتھ کوئی کپڑا بھی ہو جو عورت کے لئے ساتر ہو مثلاً قباء، تاکہ رانیں بھی ڈھک جائیں اور رانوں کا حکم آگے مستقل باب میں آ رہا ہے۔

چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا ”اذا وسع الله فأوسعوا“ جب اللہ ﷻ نے وسعت دی ہے تو وسعت پر عمل کرو، یعنی پھر ایک کپڑا پہن کر نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں بلکہ زیادہ کپڑے استعمال کرے۔

”جمع رجل عليه ثيابه“ یعنی ایک شخص نے اپنے اوپر کپڑے جمع کر کے رکھے تھے، تو کسی نے ازار اور رداء میں نماز پڑھی، کسی نے ازار اور قمیص میں پڑھی، کسی نے ازار اور قباء میں پڑھی، کسی نے سراويل اور قمیص میں پڑھی، کسی نے سراويل اور قباء میں پڑھی۔ ساتھ میں ثنان بھی تھا جہاں بھی ثنان ہے وہاں اس کے ساتھ کوئی اور چیز ضرور ہوتی ہے قمیص یا رداء، تو تنہا ثنان میں پڑھنا کہیں ثابت نہیں۔

(۱۰) باب ما يستر من العورة

ستر عورت کا بیان

۳۶۷۔ حدثنا قتيبة بن سعيد قال: حدثنا ليث، عن ابن شهاب، عن عبيد الله بن عبد الله بن عتبة، عن أبي سعيد الخدري أنه قال: نهى رسول الله ﷺ عن اشتغال الصماء وأن يبتحي الرجل في ثوب واحد ليس على فرجه منه شيء. [انظر: ۱۹۹۱، ۲۱۴۴،

۲۱۴۷، ۵۸۲۰، ۵۸۲۲، ۶۲۸۳ [۲۶]

”اشتمال الصّماء“ کی تفسیر اور حکم

”اشتمال الصّماء“ اس کو کہتے ہیں کہ آدمی ایک کپڑے میں اپنے آپ کو اس طرح لپیٹ لے اور اپنے آپ کو بالکل اس طرح بند کر لے کہ جس میں نہ ہاتھ ہلا سکتا ہو اور نہ پاؤں ہلا سکتا ہو۔

آنحضرت ﷺ نے ”اشتمال الصّماء“ سے صرف نماز ہی میں نہیں بلکہ عام حالات میں بھی منع فرمایا ہے، کیونکہ عام حالات میں اگر آدمی بیٹھا ہے، اچانک آگ لگ جائے یا بچھو یا سانپ آجائے تو اس وقت آدمی کو اس کپڑے سے نکلنا بہت مشکل ہو جائے گا، اس واسطے اس سے منع کیا گیا ہے۔

”وَأَنْ يَحْتَبِيَ الرَّجُلُ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ لَيْسَ عَلَىٰ فَرْجِهِ مِنْهُ شَيْءٌ“ اور دوسرے اس سے منع کیا گیا ہے کہ کوئی شخص ایک کپڑے میں اس طرح ”احتبا“ کر لے کہ اس کی فرج پر کوئی چیز نہ ہو۔

”احتبا“ کا طریقہ اور اس سے وجہ ممانعت

”احتبا“ اس کو کہتے ہیں کہ عرب لوگ بعض اوقات گھٹنے کھڑے کر کے کمر کے ساتھ کسی کپڑے کو ایسے باندھتے تھے کہ پھر نیچے فرج پر کوئی کپڑا نہ رہتا تھا اور بعض اوقات ہاتھوں کو بھی باندھ لیتے تھے، کہ ذرا کوئی حرکت کرے تو کشفِ عورت ہوگا اس واسطے اس سے منع فرمایا۔

۳۶۸ — حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ بْنُ عَقِبَةَ قَالَ : حَدَّثَنَا سَفِيَّانٌ ، عَنْ أَبِي زَنَادٍ ، عَنْ

الْأَعْرَجِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ : نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ بَيْعَتَيْنِ ، عَنْ اللِّمَاسِ وَالنَّبَازِ ، وَأَنْ يَشْتَمَلَ الصَّمَاءَ ، وَأَنْ يَحْتَبِيَ الرَّجُلُ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ . [أنظر ۵۸۸ ، ۵۸۳ ، ۱۹۹۳ ،

۲۱۴۵ ، ۲۱۴۶ ، ۵۸۱۹ ، ۵۸۲۱] ۷

۷۶ وفی سنن النسائی، کتاب الزینة، باب النهی عن اشتمال الصماء، رقم: ۵۲۳۵، ۵۲۳۶، وسنن أبی داؤد، کتاب

الصوم، باب فی صوم العیدین، رقم: ۲۰۶۳، وسنن ابن ماجہ، کتاب اللباس، باب ما نہی عنہ من اللباس، رقم: ۳۵۴۹،

ومسند أحمد، باقی مسند المکثرین، باب مسند ابی سعید الخدری، رقم: ۱۰۵۹۹، ۱۰۶۷۲، ۱۰۹۹۸، ۱۱۲۰۳،

۷۷ وفی سنن الترمذی، کتاب البیوع عن رسول اللہ، باب ماجاء فی الملامسة والمنابذة، رقم: ۱۲۳۱، وسنن النسائی

کتاب البیوع، باب بیع الملامسة، رقم: ۳۴۳۳، ۳۴۳۷، ۳۴۳۱، وسنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب ماجاء فی النهی

عن المنابذة والملامسة، رقم: ۲۱۶۰، وکتاب اللباس، باب ما نہی عنہ من اللباس، رقم: ۳۵۵۰، ومسند أحمد، باقی

مسند المکثرین، باب باقی المسند السابق، رقم: ۷۹۰۳، ۸۵۷۹، ۹۰۶۶، ۹۲۱۴، ۹۵۴۷، ۹۶۰۳، ۹۷۶۴، ۹۸۳۸،

۹۸۳۸، ۹۹۷۵، ۱۰۰۳۷، ۱۰۱۳۱، ۱۰۲۱۴، ۱۰۳۳۲، ۱۰۴۲۶، وموطأ مالک، کتاب البیوع، باب الملامسة

والمنابذة، رقم: ۱۱۷۶، وکتاب الجامع، باب ماجاء فی لبس الثیاب، رقم: ۱۴۳۱.

۳۶۹۔ حدثنا إسحاق قال : حدثنا يعقوب بن إبراهيم قال : حدثنا ابن أخي ابن شهاب ، عن عمه قال : أخبرني حميد بن عبد الرحمن بن أن أبا هريرة قال : بعثني أبو بكر في تلك الحجة في مؤذنين يوم النحر يؤذن بمنى : أن لا يحج بعد العام مشرك ، ولا يطوف بالبيت عريان ، قال حميد بن عبد الرحمن : ثم أردف رسول الله ﷺ علياً فأمره أن يؤذن بـ ﴿ بَرَاءَةٌ ﴾ ، قال أبو هريرة : فأذن معنا علي في أهل منى يوم النحر : لا يحج بعد العام مشرك ولا يطوف بالبيت عريان . [أنظر: ۱۶۲۲، ۳۱۷۷، ۳۳۶۳، ۴۶۵۵، ۴۶۵۶، ۴۶۵۷، ۲۸]

مشرکین کو حج کرنے اور ننگے طواف کرنے سے ممانعت

حضرت ابو ہریرہ ؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے مجھے کچھ منادی کرنے والوں کے ساتھ یوم نحر کے دن بھیجا تا کہ ہم اعلان کریں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے۔ یہ واقعہ ۹ھ کے حج کا واقعہ ہے کہ اس وقت حضور اقدس ؐ خود تشریف نہیں لے گئے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق ؓ کو امیر حج بنا کر بھیجا تھا، تو حضرت صدیق اکبر ؓ نے حضرت ابو ہریرہ ؓ کو بھیجا ”ولا يطوف بالبيت عريان قال حميد بن عبد الرحمن : ثم أردف رسول الله ﷺ علياً فأمره أن يؤذن ببراءة“ اور نہ کوئی ننگی حالت میں طواف کرے گا۔ حمید بن عبد الرحمن کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی ؓ کو پیچھے بھیجا، یعنی حضرت ابو بکر صدیق ؓ کو پہلے بھیج دیا تھا بعد میں ان کے پیچھے حضرت علی ؓ کو بھیجا۔ ”أردف“ یہاں پیچھے بٹھانے کے معنی میں نہیں ہے بلکہ یہاں پر اس کا معنی ”اس کے بعد بھیجا“ کے ہیں اور ان کو حکم دیا کہ وہ براءة کا اعلان کریں یعنی احکام براءت کا اور حضرت ابو ہریرہ ؓ کہتے ہیں کہ حضرت علی ؓ نے یوم النحر کو منیٰ میں ہمارے ساتھ اعلان کیا تھا کہ ”لا يحج بعد العام مشرك ولا يطوف بالبيت عريان“۔

۲۸ وفی صحیح مسلم، کتاب الحج، باب لا یحج البیت مشرک ولا یطوف بالبيت عريان و بیان یوم الحج الاکبر، رقم: ۲۳۰۱، و سنن النسائی، کتاب مناسک الحج، باب قوله عز وجل خذوا زینتکم عند کل مسجد رقم: ۲۹۰۸، ۲۹۰۹، و سنن أبی داؤد، کتاب المناسک، باب یوم الحج الاکبر، رقم: ۱۶۶۲، و مسند أحمد، باقی مسند المکثرین، باب مسند أبی هريرة، رقم: ۷۶۳۶، و سنن الدارمی، کتاب الصلاة، باب النهی عن دخول المشرك المسجد الحرام، رقم: ۱۳۹۴۔

(۱۱) باب الصلاة بغير رداء

بغير چادر کے نماز پڑھنے کا بیان

۳۷۰۔ حد ثنا عبد العزيز بن عبد الله قال: حدثنا ابن أبي الموالی، عن محمد ابن المنکدر قال: دخلت على جابر بن عبد الله وهو يصلي في ثوب ملتصق به، و رداؤه موضوع، فلما انصرف قلنا: يا عبد الله، تصلي و رداؤك موضوع؟ قال: نعم، أحببت أن يراني الجهال مثلکم، رأيت النبي ﷺ يصلي كذا. [راجع: ۳۵۲]

یہ وہی حدیث ہے جو پہلے بھی گزری تھی اور اس میں وہی حکم بیان کیا گیا ہے۔

(۱۲) باب ما يذكر في الفخذ

ران کے بارے میں جو روایتیں آتی ہیں ان کا بیان

ویروی عن ابن عباس و جرهد و محمد بن جحش عن النبي ﷺ (الفخذ عورة)، وقال أنس: حسر النبي ﷺ عن فخذہ، و حديث أنس أسند، و حديث جرهد أحوط حتى يخرج من اختلافهم، وقال: أبو موسى: غطي النبي ﷺ ركبتيه حين دخل عثمان، وقال زيد بن ثابت: أنزل الله على رسوله ﷺ وفخذہ على فخذی، فثقلت علي حتى خفت أن ترض فخذی.

”باب ما يذكر في الفخذ“

یہاں سے امام بخاری رحمہ اللہ اس مسئلہ کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ ”فخذ“ عورت میں داخل ہے یا نہیں؟ اور نماز میں اس کا ستر واجب ہے یا نہیں؟

اس مسئلہ میں فقہاء کرام کے درمیان اختلاف ہے۔

حنفیہ کا مسلک:

امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ دونوں کی طرف سے ایک ہی روایت ہے کہ ”فخذ“ عورت میں داخل ہے، اور حنفیہ اور شافعیہ دونوں اس بات کے قائل ہیں کہ مرد کی ”عورة ما بين السرة والركبة“ ہے، البتہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کے درمیان اس میں اختلاف ہے کہ رکبہ اور سرّہ ستر میں داخل ہے

یا نہیں تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک رکبہ عورت میں داخل ہے لیکن سترہ عورت میں داخل نہیں بلکہ سترہ سے نیچے عورت شروع ہوتی ہے۔ ۲۹

شواہغ کا مسلک:

امام شافعی رحمہ اللہ اس کے برعکس فرماتے ہیں یعنی وہ سترہ کو عورت شمار کرتے ہیں اور رکبہ کو عورت نہیں سمجھتے، لیکن ان دونوں کے درمیان کا جو حصہ ہے اس کو دونوں متفق علیہ طور پر عورت سمجھتے ہیں۔ ۳۰

حنابلہ کا مسلک:

امام احمد رحمہ اللہ سے دو روایتیں ہیں، ایک روایت یہ ہے کہ ”فخذ“ عورت ہے اور دوسری روایت یہ ہے کہ عورت نہیں ہے۔ ۳۱

۲۹۔ فاما الفخذ عورة عندنا۔

ثم بدأ الكتاب بمسائل النظر وهو ينقسم أربعة أقسام نظر الرجل إلى الرجل ونظر المرأة إلى المرأة والمرأة إلى الرجل والرجل إلى المرأة أما بيان القسم الأول فانه يجوز للرجل أن ينظر إلى الرجل إلا إلى عورته وعورته ما بين سترته حتى يجاوز ركبته للحديث عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله عنهم أن النبي ﷺ قال عورة الرجل ما بين سترته إلى ركبته وفي رواية مادون سترته حتى يجاوز ركبته وبهذا تبين أن السرة ليست من العورة بخلاف ما يقوله أبو عصمة سعد بن معاذ أنه أحد حدی العورة فيكون من العورة كالركبة بل هو أولى لأنه في معنى الاشتها فوق الركبة وحجتنا في ذلك ما روى عن ابن عمر أنه كان إذا أتوا أهدى عن سترته وقال أبو هريرة للحسن رضي الله عنهما أرني الموضع الذي كان يقبله رسول الله ﷺ منك فأبدي عن سترته فقبلها أبو هريرة والتعامل الظاهر فيهما بين الناس أنهم إذا أتوا في الحمامات أبدوا عن السرة تكبر منكر دليل على أنه ليس بعورة فاما مادون السرة عورة في ظاهر الرواية للحديث الذي روينا وكان أبو بكر محمد بن الفضل رحمه الله تعالى يقول إلى موضع نبات الشعر ليس من العورة أيضاً لتعامل العمال في الإبداء عن ذلك الموضع ثم الانزاد في النزاع عن العارة الظاهرة نوع حرج.

وهذا بعيد لأن التعامل بخلاف النص لا يعتبر وإنما يعتبر لما انص فيه، فاما الفخذ عندنا. وأصحاب الظواهر يقولون العورة من الرجل موضع السرة، وأما الفخذ ليس بعورة لقوله تعالى بدت لهما سوآتهما والمراد منه العورة وفي الحديث أن النبي ﷺ كان رجل من الأنصار وقد دلى ركبته في ركبة وهو مكشوف الفخذ إذ دخل أبو بكر فلم يتزحزح ثم دخل عمر فلم يتزحزح ثم دخل عثمان فتزحزح وغطى فخذه فقبل له في ذلك فقال ألا أستحي من تستحي منه الملائكة فلو كان الفخذ من العورة لما كشفه بين يدي أبي بكر وعمر رضي الله عنهما وحجتنا في ذلك الخ، المبسوط للسرخسي، ج: ۱، ۱۰، ۱۲۶.

مالکیہ کا مسلک:

امام مالک رحمہ اللہ کی طرف بھی یہ نسبت کی گئی ہے کہ وہ ”فخذ“ کو عورت نہیں سمجھتے ہیں، لیکن دوسری روایت ان کی یہ ہے کہ ”فخذ“ عورت ہے۔ ۳۲

دیگر ائمہ کا مسلک:

ائمہ اربعہ کے علاوہ علامہ ابن ابی ذئب، ابن جریر طبری اور شافعیہ میں سے علامہ اصطرخی رحمہم اللہ کی طرف یہ منسوب کیا گیا ہے کہ وہ ”فخذ“ کو عورت قرار نہیں دیتے، ان کے نزدیک ران تک عورت نہیں ہے۔ ۳۳ لیکن تحقیق یہ ہے کہ امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ کی طرف اس مسلک کی نسبت درست نہیں کیونکہ وہ بھی ”فخذ“ کو جمہور کے قول کے مطابق عورت قرار دیتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کی کتاب ”تہذیب الآثار“ میں یہ بات واضح ہے کہ ”فخذ“ عورت ہے، لہذا امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ کی طرف اس کی نسبت کرنا درست نہیں۔ ۳۴

امام مالک رحمہ اللہ کے بارے میں بھی یہ کہا گیا ہے، لیکن علامہ ابن رشد رحمہ اللہ نے (جو خود مالکی مذہب سے تعلق رکھتے ہیں) اپنی کتاب ”بدایۃ المجتہد“ میں ”فخذ“ کو عورت قرار دینے کے مسئلہ میں تینوں ائمہ کرام امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور امام مالک رحمہم اللہ کا مسلک یہ بیان کیا ہے کہ ”فخذ“ عورت ہے اس کی بنا پر بعض لوگوں نے کہا کہ امام مالک رحمہ اللہ کی طرف اس قول کی نسبت درست نہیں ہے۔ ۳۵

۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳ أما القوم الذين ذهبوا إلى أن الفخذ ليس بعورة فهم: محمد بن عبد الرحمن بن أبي ذيب وإسماعيل بن عليّة ومحمد بن جرير الطبري وداؤد الظاهري وأحمد في رواية، ويروي ذلك أيضاً عن الأصطخري من أصحاب الشافعي حكاية الرافي عنه.

وأما الآخرون الذين هم خالفوهم وقالوا: الفخذ عورة، فهم جمهور العلماء من التابعين ومن بعدهم، منهم: أبو حنيفة ومالك في أصح أقواله والشافعي وأحمد في أصح روايته وأبي يوسف ومحمد وزفر بن الهذيل، حتى قال أصحابنا: إن الصلاة مكشوف العورة فاسدة. عمدة القاري، ج: ۳، ص: ۲۹۶، والمبسوط للسرخسي، ج: ۱۰، ص: ۱۲۶، وفتح الباري، ج: ۱، ص: ۳۸۱، دار المعرفة.

۳۴ وقال الطبري في كتاب ”تہذیب الآثار“: والأخبار التي رويت عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه دخل عليه أبو بكر وعمر وهو كاشف فخذيه، وأهية الأسانيد لا يثبت بمثلها حجة في الدين، والأخبار والواردة بالأمر بتغطية الفخذ والنهي عن كشفها أخبار صحاح. عمدة القاري، ج: ۳، ص: ۲۹۷.

۳۵ وهو حد العورة من الرجل فذهب مالك والشافعي إلى أن حد العورة منه ما بين السرة إلى الركبة وكذلك قال أبو حنيفة، بدایۃ المجتہد، ج: ۱، ص: ۸۳، دار الفكر بیروت.

اگرچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے مؤطا کی شرح میں یہ لکھا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ”فخذ“ عورت نہیں اور پھر خود اسی قول کو ترجیح بھی دی ہے، لیکن ابن رشد رحمہ اللہ نے ”ہدایۃ المجتہد“ میں جہاں امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب بیان کیا ہے (حالانکہ وہ خود مالکی ہیں) وہاں انہوں نے ”فخذ“ کو جمہور کے قول کے مطابق عورت قرار دیا۔

تحقیقی مسئلہ

میں نے خود مالکیہ کی کتابوں میں اس کی تحقیق کی، تو پتہ چلا کہ اصل میں امام مالک رحمہ اللہ کے ہاں عورت ہونے کے دو مفہوم ہیں، ایک عورت ہونے کا مفہوم ان کے نزدیک یہ ہے کہ اس کے ستر کے بغیر نماز ہی درست نہ ہو۔ اور دوسرا عورت ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ اس کا چھپانا واجب تو ہے لیکن اگر کوئی نہ چھپائے تو اس کے بغیر نماز درست ہو جائے۔

امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ وہ پہلی قسم کی عورت جس کے چھپائے بغیر نماز ہی درست نہ ہو یعنی جس کا چھپانا شرائط صلوٰۃ میں سے ہے وہ صرف قبل اور دُبر ہیں، لہذا وہ یہ کہتے ہیں کہ قبل اور دُبر اور دبر میں بھی حلقۃ الدبر یہاں تک کہ وہ کہتے ہیں کہ البتین اگر کھلے ہوئے ہوں تو نماز صحیح ہو جائے گی اور اگر عورتین میں سے کوئی چیز کھلی ہوئی ہے جس کو عورت غلیظہ کہتے ہیں، تو اس صورت میں تو نماز ہی درست نہ ہوگی، لہذا اس کا چھپانا واجب ہوگا۔

البتین کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ البتین اگر کھلے ہوئے ہوں تو وقت کے اندر اندر اس نماز کا اعادہ واجب ہوگا لیکن اگر وقت گزر گیا تو اس کا اعادہ بھی واجب نہیں اور البتین کے علاوہ یعنی ”فخذ“ کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ یہ دوسری قسم کی عورت ہے یعنی اس کا چھپانا واجب ہے، عام حالات میں بھی واجب ہے اور نماز کی حالت میں بھی واجب ہے، لیکن اگر کوئی شخص اس واجب کو ترک کر دے تو واجب کو ترک کرنے سے نماز کا اعادہ اس کے ذمہ واجب نہیں، نہ وقت میں اور نہ وقت کے بعد۔ یہ تفصیل امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ہے۔

جن لوگوں نے کہا کہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک بھی عورت ہے، انہوں نے پہلا معنی مراد لئے ہیں اور جن لوگوں نے کہا کہ عورت نہیں ہے انہوں نے دوسرے معنی مراد لئے ہیں، یعنی وہ ایسی عورت قرار دیتے ہیں جس کے چھپائے بغیر نماز ہی صحیح نہ ہو، بلکہ اس کے چھپائے بغیر نماز ان کے نزدیک درست ہو جاتی ہے، البتہ اس کا چھپانا واجب ہے اگر کوئی شخص نہ چھپائے گا تو گناہ گار ہوگا لیکن نماز کی صحت اس سے متاثر نہیں ہوتی، یہ امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب کی تحقیق ہے۔ ۳۶

خلاصہ بحث و اختلاف مذاہب

اس تفصیل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جمہور فقہاء ”فخذ“ کے عورت ہونے کے قائل ہیں، البتہ جن لوگوں کا مذہب یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ ”فخذ“ کے عورت ہونے کے قائل نہیں وہ محمد بن ابی ذئب رحمہ اللہ اور شافعیہ میں سے امام اصطخری رحمہ اللہ ہیں اور امام مالک رحمہ اللہ اس معنی میں عورت ہونے کے قائل نہیں کہ اس کے چھپائے بغیر نماز درست نہ ہو، بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص نہ چھپائے تو نماز درست ہو جائے گی اگرچہ گناہگار ہوگا۔

مسئلہ مذکورہ میں وجہ اختلاف

اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ احادیث میں اختلاف ہے۔ بعض احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ”فخذ“ عورت نہیں اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت ہے۔ ۳۷

”فخذ“ کو عورت میں داخل نہ ماننے والوں کے دلائل

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے جو حدیث مسند روایت کی ہے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، یہی ان کی پہلی دلیل ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں کہ ”! ان رکبتی لعمس فخذ النبی ﷺ ثم حسر الازار عن فخذہ حتی انی انظر الی بیاض فخذ نبی اللہ ﷺ“ کہ آنحضرت ﷺ نے ازار کو اپنے ”فخذ“ مبارک سے ہٹا دیا یہاں تک کہ میں نے آپ کی ”فخذ“ مبارک کی بیاض کو دیکھا۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے ”فخذ“ کو کھول دیا، اگر یہ عورت ہوتی تو اس کا کھولنا جائز نہیں ہوتا، جب آپ نے اسے کھول دیا تو معلوم ہوا کہ ”فخذ“ کا کھولنا جائز ہے اور یہ عورت میں داخل نہیں۔

اس کے عورت نہ ہونے کے قائلین کا اس مشہور واقعہ سے استدلال ہے جو متعدد کتب حدیث میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کا ازار ”فخذ“ سے ہٹا ہوا تھا (اسی اثنا میں) حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور آپ اسی طرح بیٹھے رہے، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تشریف لائے آپ ﷺ

۳۷۔ وقد بان بما قدمناه انه لم يدخل على البخاری حديث في حديث بل هما قصتان متغايرتان في إحداهما كشف الركبة وفي الأخرى كشف الفخذ، والاولی من رواية أبي موسى وهي المعلقة هنا والأخرى من رواية عائشة ووافقتها حفصة ولم يذكرهما البخاری كذا ذكره الحافظ في الفتح، ج: ۱، ص: ۴۷۹۔

اسی طرح بیٹھے رہے، لیکن جب حضرت عثمان غنی ؓ تشریف لانے لگے تو آپ نے اپنا کپڑا ”فخذ“ کے اوپر ڈھک لیا اور جب پوچھا گیا کہ آپ ؓ نے پہلے دو حضرات کے آنے پر تو ڈھکا نہیں لیکن حضرت عثمان غنی ؓ کے آنے پر ڈھک لیا، تو آپ ؓ نے فرمایا کہ میں اس شخص سے کیوں حیا نہ کروں جس سے ملائکہ بھی حیا کرتے ہیں۔

اس روایت میں آنحضرت ﷺ کا ”فخذ“ کھول کر بیٹھنا مذکور ہے۔ اس سے استدلال یوں ہے کہ اگر ”فخذ“ عورت ہوتی تو آنحضرت ﷺ اس کو کھول کر نہ بیٹھتے، معلوم ہوا کہ یہ عورت نہیں۔

البتہ حضرت عثمان غنی ؓ کے آنے پر آپ ؓ نے زیادہ تستر کو مناسب سمجھا، اس واسطے کہ ان کے اندر حیا بہت زیادہ تھی اور کامل الحیا والا ایمان تھے، تو ان کے اور ان کی حیا کے احترام کے طور پر آپ ؓ نے زیادہ تستر اختیار فرمایا، فی نفسہ کھولنا جائز تھا اور نہ آپ ؓ پہلے کھولے ہوئے نہ بیٹھے ہوتے، یہ دو روایتیں ہیں جن سے ”فخذ“ کے عورت نہ ہونے پر بنیادی طور پر استدلال کیا جاتا ہے۔ ۳۸

”فخذ“ کو عورت قرار دینے والوں کے دلائل

جو حضرات ”فخذ“ کو عورت قرار دیتے ہیں ان کے دلائل کی طرف امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب میں اشارہ کر دیا ہے اور یہ فرمایا ہے ”یروی عن ابن عباس وجہد و محمد بن جحش عن النبی ﷺ الفخذ عورة“ یہ تین صحابہ کرام ؓ سے مروی ہے، ایک عبد اللہ بن عباس ؓ دوسرے حضرت جرہد ؓ اور تیسرے محمد بن جحش ؓ سے کہ نبی کریم ﷺ نے ”فخذ“ کو عورت قرار دیا ہے۔

ان میں سے جو عبد اللہ بن عباس ؓ کی حدیث ہے وہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے روایت کی ہے اس میں بھی ”فخذ“ کے عورت ہونے کا ذکر ہے، اور دوسری حدیث جو حضرت جرہد ؓ سے مروی ہے وہ بھی امام ترمذی نے روایت کی ہے اور امام مالک رحمہ اللہ نے مؤطا کے بعض نسخوں میں بھی روایت کی ہے، نیز ابن حبان رحمہ اللہ نے بھی اپنی صحیح میں اسے روایت کیا ہے۔ تو جرہد ؓ کی حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ ان کے پاس سے گزرے تو ان کی ران کھلی ہوئی تھی، آپ نے ان سے فرمایا کہ ”فخذک فان الفخذ عورة او کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام“ کہ اپنی ”فخذ“ کو ڈھانکو کہ ”فخذ“ عورت ہے۔

حضرت جرہد ؓ کی حدیث کو ترمذی نے حسن قرار دیا ہے، لہذا اس سے استدلال درست ہے۔ حضرت ابن عباس ؓ کی حدیث کو بھی امام ترمذی رحمہ اللہ نے ایک مقام پر ”حسن غریب“ کہا ہے، اور ”حسن غریب“ سے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ حدیث حسن ہونے کی وجہ سے قابل استدلال ہے، اگرچہ بعض حضرات

نے اس پر کلام کیا ہے کہ اس کے ایک راوی یحییٰ القنات ہیں جو متکلم فیہ ہیں، لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ یحییٰ القنات مختلف فیہ راوی ہیں اور اسی وجہ سے امام ترمذی رحمہ اللہ نے ان کی حدیث کو صحیح تو نہیں قرار دیا، لیکن حسن قرار دیا ہے اور بعض طرق اس کے ایسے بھی ہیں کہ جن کے اوپر بعض محدثین نے صحت کا حکم لگایا ہے۔ ۳۹

تیسری روایت محمد بن جحش رحمہ اللہ کی ہے اور ان کی حدیث امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے صحیح مسند اور حاکم نے صحیح مستدرک میں روایت کیا ہے۔ اس کے اندر آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک صحابی حضرت معمر رحمہ اللہ کے پاس سے گزرے تو ان کو دیکھا کہ ان کی ران کھلی ہوئی ہے، آپ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ اپنی ران ڈھکو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ڈھکنے کا حکم دیا، اس حدیث سے بھی یہ بات معلوم ہوئی کہ ران کو ڈھکنا واجب ہے اور یہ عورت میں داخل ہے۔

تینوں روایتوں کے بارے میں امام بخاریؒ کا فیصلہ

ان تینوں حدیثوں کی طرف امام بخاری رحمہ اللہ نے اشارہ کیا ہے، آگے امام بخاریؒ نے یہ فرمایا:

”وقال انس حسر النبي صلی اللہ علیہ وسلم عن فخذہ“ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ران سے کپڑا ہٹایا پھر آگے فرمایا کہ:

”وحدیث انس اسند و حدیث جرہد احوط“ کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سند کے اعتبار سے زیادہ قوی ہے اور صحیح کے مرتبہ تک پہنچتی ہے، بخلاف جرہد رحمہ اللہ کی حدیث کے، کہ وہ سند کے اعتبار سے اس مقام پر نہیں جس مقام پر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، لیکن ساتھ میں کہتے ہیں کہ وہ احوط ہے یعنی احتیاط کے زیادہ مناسب ہے کہ آدمی ”فخذہ“ کو ڈھکے۔ انہوں نے گویا دونوں روایتوں میں ایک طرح سے تعارض قرار دیتے ہوئے کہا کہ ایک وجہ ترجیح حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کو حاصل ہے یعنی سند کی قوت کے لحاظ سے۔

دوسری وجہ ترجیح حضرت جرہد رحمہ اللہ کی حدیث کو حاصل ہے، اس واسطے کہ وہ زیادہ احوط ہے، تو جرہد رحمہ اللہ کی حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے ضعیف نہیں کہا، بلکہ یہ کہا کہ سند کے اعتبار سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے مقابلے میں کم رتبہ ہے۔

۳۹ قال أبو عيسى هذا حديث حسن ما أرى استاده بمقتل، سنن الترمذی، ج: ۵، ص: ۱۱۰، دار احیاء التراث العربی،

بیروت، وعمدة القاری، ج: ۳، ص: ۲۹۴.

۴۰ مسند احمد، ج: ۵، ص: ۲۹۰، دار لنشر مؤسسه قرطبة، مصر.

۴۱ المستدرک علی الصحیحین، ج: ۳، ص: ۷۳۸، دار لکتاب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۱ھ.

”فخذ“ کے عورت قرار دینے والوں کی طرف سے

حدیث انس رضی اللہ عنہ کا جواب

جو حضرات ”فخذ“ کے عورت ہونے کے قائل ہیں وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ خیر کو جاتے ہوئے سفر کا واقعہ ہے، آنحضرت ﷺ اس وقت سوار تھے تو جب سواری پر آدمی سفر کرتا ہے تو ہوا سے اور جانور کی حرکت وغیرہ سے بسا اوقات کپڑا اپنی جگہ سے ہٹ جاتا ہے، لہذا یہ ”حسر“ اختیاری نہیں تھا بلکہ غیر اختیاری تھا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ بعض روایتوں میں ”انحسر“ کا لفظ آیا ہے یعنی ”انحسر الا زار عن فخذہ“ اور ”انحسر“ کے معنی ہیں بغیر اختیار کے خود بخود کھل گیا اور ہٹ گیا۔

اگر یہ روایت لی جائے جس میں ”حسر“ آیا ہے تو بعض حضرات کہتے ہیں کہ مجرد میں بھی ”حسر“ بعض اوقات لازم کے معنی میں آتا ہے، تو یہاں ”حسر“ بمعنی ”انحسر“ ہے، اگر اس کو ”انحسر الا زاد“ پڑھا جائے یعنی ازار نبی کریم ﷺ کے ”فخذ“ سے کھل گیا۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ غیر اختیاری طور پر آپ کی ”فخذ“ مبارک کھل گئی۔ جب غیر اختیاری طور پر کھل گئی تو اس پر کسی قسم کے احکام متفرع نہیں کئے جاسکتے۔

”فخذ“ کو عورت قرار دینے والوں کی طرف سے

واقعہ عثمان رضی اللہ عنہ کا جواب

دوسرا استدلال جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے تھا کہ آنحضرت ﷺ نے ”فخذ“ کھولی ہوئی تھی اور اتنے میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ آئے تو آپ نے ”فخذ“ ڈھک لی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس روایت کے متن میں راویوں کا اختلاف ہے، بعض راویوں نے یہ ذکر کیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ران کھولی ہوئی تھی اور بعض راویوں نے ”عن فخذہ او عن ساقہ“ شک کے ساتھ ذکر کیا ہے یعنی راوی کو شک ہے کہ آپ ﷺ نے ”فخذ“ کھولی ہوئی تھی یا ساق کھولی ہوئی تھی، چونکہ شک ہے، اس لئے شک کی حالت میں کوئی حکم مستحب نہیں کیا جاسکتا۔ ہو سکتا ہے کہ ساق والی بات درست ہو۔

”اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال“۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ ”رکبة“ کھولا ہوا تھا۔ اس میں بھی ہو سکتا ہے کہ ”رکبة“ کا آخری حصہ

کھولا ہوا ہو اور اس سے آگے نہ کھولا ہو، جبکہ ”رکبۃ“ والی روایت بڑی قوی سند کے ساتھ آئی ہے۔
اس واسطے اس سے استدلال تام نہیں، لہذا ان دونوں مرفوع حدیثوں سے استدلال درست نہیں جبکہ
حضرت جرہد رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عبداللہ بن عباس رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت محمد بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی حدیثیں ”فخذ“ کے عورت
ہونے پر صریح ہیں۔

ایک عقلی دلیل اور ترجیحات کا قاعدہ

دوسرے یہ دونوں واقعے واقعات جزئیہ ہیں اور حضرت جرہد رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت محمد بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث
میں آپ نے ایک قاعدہ کا بیان فرمایا کہ ”فخذ“ عورت ہے اور جب کسی واقعہ جزئیہ میں اور قاعدہ کلیہ میں
تعارض ہو جائے تو ترجیح ہمیشہ قاعدہ کلیہ کو ہوتی ہے پھر محرم اور منہج میں تعارض ہو جائے تو محرم کو ترجیح ہوتی
ہے۔ قوی اور فعلی میں تعارض ہو جائے تو قوی کو ترجیح ہوتی ہے۔ یہ سارے مرجحات ان کے ساتھ موجود ہیں، اس
واسطے ”فخذ“ کے عورت ہونے کا قول زیادہ راجح ہے۔

احناف کے نزدیک ”رکبۃ“ عورت میں داخل ہے۔

”رکبۃ“ کے سلسلے میں حنفیہ رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ رکبۃ بھی عورت میں داخل ہے، اس میں امام ابوحنیفہ
رحمہ اللہ کی دلیل مجمع طبرانی میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف
یہ جملہ منسوب کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا ”فان ما بین السرة الى الركبة عورة“ کہ ”سرة“
سے ”رکبۃ“ تک عورت ہے۔ ۴۲

حنفیہ کہتے ہیں کہ یہاں غایہ مغیا میں داخل ہے۔ اس واسطے کہ قاعدہ یہ ہے کہ جب غایہ اسقاط ماعدا
کیلئے آرہی ہو تو اس وقت غایہ مغیا میں داخل ہوتی ہے جیسے ”وایدیکم الی المرافق“ یہاں اگر ”الی
المرافق“ نہ آتا تو ہاتھ کندھوں تک دھونا واجب ہوتا جب ”الی المرافق“ اسقاط ماعدا کے لئے آیا ہے تو
”غایہ مغیا“ میں داخل ہے، اسی طرح اگر ”الی الركبة“ نہ ہوتا تو ماتحت السرة کا پورا پورا عورت
ہوتا۔ یہاں ”الی الركبة“ کا لفظ اسقاط ماعدا کیلئے آیا ہے، لہذا غایہ مغیا میں داخل ہے اور ”الركبة“ عورت

۴۲ حدثنا محمد بن عون السیرا فی البصرة..... قلت بعد اللہ بن جعفر بن ابی طالب حدثنا شیخا سمعته من رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم فقال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يقول ما بین السرة والركبة عورة. كما رواه
الطبرانی فی ”المعجم الصغير“ رقم الحديث ۱۰۳۳ ۱۰۳۳ ۲: ۲، ص: ۲۰۵، دار النشر المكتبة السلامی، دار عمار،
بیروت، عمان سنة النشر ۱۴۰۵ھ.

سمجھا جائے گا۔

”رکبہ“ عورت میں داخل نہ ہونے پر شوافع کی دلیل

اس کے برخلاف امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں تین الفاظ ہیں ”فخذ، ساق“ اور ”رکبہ“ جس میں آیا ہے وہ روایت سنداً قوی ہے۔ تو اس کی وجہ سے امام شافعی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا ”رکبہ“ کھولنا اس بات کی دلیل ہے کہ ”رکبہ“ عورت نہیں۔ اور وہاں وہ کہتے ہیں کہ جس روایت میں ”إلى الركبة“ کہا گیا ہے اس میں دونوں احتمال ہوتے ہیں کہ غایہ مغیا میں داخل ہو یا غایہ مغیا میں داخل نہ ہو۔ اور دوسری حدیث میں چونکہ حضور ﷺ کا ”رکبہ“ کھولنا ثابت ہے اس واسطے ہم وہاں کہیں گے کہ غایہ مغیا میں داخل نہیں۔ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ کا مسلک ہے۔ ۴۳

بہر حال فقہاء حنفیہ نے جس دلیل کی بنیاد پر رکبہ کو عورت قرار دیا ہے وہ اتنی صریح نہیں ہے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی روایت اس کے خلاف موجود ہے، اس واسطے رکبہ کا عورت ہونا اتنا مؤکد نہیں ہے جتنا ”ما فوق الركبة“ کا عورت ہونا مؤکد ہے، بلکہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ نے ”فیض الباری“ میں فرمایا کہ ”فخذ“ کا عورت ہونا بھی اتنا مؤکد نہیں ہے۔ ”فخذ“ ہے تو عورت، لیکن اس کا عورت ہونا اتنا مؤکد نہیں ہے جتنا ”ما فوق الفخذ“ کا ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقام فہم

اور مراتب شرعیہ سے متعلق ایک نفیس بحث

یہاں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ نے بڑی نفیس بحث فرمائی ہے کہ احکام شرعیہ کے مراتب ہوتے ہیں، یعنی ایک مراتب تو وہ ہیں جو حضرات فقہائے کرام رحمہم اللہ نے متعین و مرتب کر دیئے ہیں کہ یہ فرض ہے، واجب ہے، سنت ہے، مباح ہے اور مستحب ہے، لیکن خود ان میں سے ہر مرتبہ کے اندر مراتب ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ جن کو فرض کہا گیا ہے وہ سب فرض تو ہیں، لیکن فرضیت کے بھی مراتب ہیں کسی کی فرضیت زیادہ مؤکد ہے اور کسی کی اس کے مقابلے میں کم مؤکد ہے اگرچہ ہیں دونوں فرض۔

۴۳ قال الشيخ أبو حامد نص الشافعي على أن عورة العبد ما بين سروته، وركبته وأن السرة والركبة ليستا عورة

لی ”الام“ و ”الإملاء“ الخ، المجموع ج: ۳، ص: ۱۰۱، دار النشر دار الفكر، بیروت الاولى سنة النشر ۱۴۱۷ھ.

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس کی مثال یوں دی ہے کہ جیسے پانچ نمازیں بھی فرض ہیں اور جمعہ بھی فرض ہے لیکن جمعہ کی فرضیت زیادہ مؤکد ہے بنسبت صلوات خمسہ کے۔

اسی طرح واجبات میں ہے کہ بعض کا وجوب زیادہ مؤکد ہے، اور اس کے مقابلے میں بعض کا وجوب کم مؤکد ہے اسی طرح منہیات میں بھی جو چیزیں حرام ہیں، منہیات ہیں تو سب حرام لیکن ان کی حرمتوں کے اندر مراتب ہیں کہ کسی کی حرمت زیادہ مؤکد اور شنیع ہے، اور کسی کی اس کے مقابلے میں کم مؤکد ہے۔

دلیل: اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”الغیبة اشد من الزنا“ کہ غیبت زنا سے بھی اشد قرار دیا، حالانکہ ہیں دونوں حرام، لیکن غیبت کو فرمایا کہ وہ زنا سے زیادہ شدید ہے۔ تو معلوم ہوا کہ حرام کے اندر بھی مراتب ہیں۔

اسی طرح جن کو ہم مکروہ تحریمی اور ناجائز کہتے ہیں ان میں بھی مراتب ہیں۔ بعض میں کراہت زیادہ ہے اور بعض کراہت کم ہے۔

تو حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ عورت تو عورت غلیظہ بھی ہے اور ”فخذ“ بھی اور رقبہ بھی، تینوں کو ڈھکنا واجب ہے۔ چنانچہ عورت غلیظہ کو کھولنا بے انتہا زیادہ شنیع ہے، اور ”فخذ“ اس کے مقابلے میں کم ہے اور ”رکبہ“ کا کھولنا اس سے بھی کم ہے۔ اگرچہ جب حکم لگایا جائے گا تو تینوں پر یہی حکم ہے کہ تینوں کو کھولنا ناجائز ہے۔

یہاں پر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نازک بات فرمائی ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ جو احکام میں تخفیف آئی ہے جیسے ”رکبہ“ کا عورت ہونا اتنا مؤکد نہیں ہے جتنی اوپر کے اعضاء کی عورت مؤکد ہے۔ یہ تخفیف صرف تعارضِ ادلہ کی وجہ سے نہیں ہوتی۔ عام طور سے لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ تخفیف تعارضِ ادلہ کی وجہ سے آتی ہے کہ راویوں میں اختلاف ہوا۔ کسی نے یوں روایت کیا، کسی نے یوں روایت کیا تو اس اختلافِ رواۃ کی وجہ سے تخفیف آگئی۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نہیں بلکہ یہ تخفیف خود شارع کی طرف سے ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ معاملہ ایسا ہوتا ہے کہ شارع نہ تو اس میں کھلی چھٹی دینا چاہتے ہیں اور شارع کا یہ منشا بھی نہیں ہوتا کہ لوگ اس بارے میں بہت زیادہ تنگی میں مبتلا ہوں۔ اس واسطے اگر کبھی ایک آدھ موقع پر اس مکروہ شئی کا ارتکاب ہو جائے تو شارع اس کے اوپر اتنی تنگی نہیں کرتے، لیکن اگر یہ کہہ دیں کہ یہ مکروہ نہیں ہے تو لوگ جری ہو جائیں اور دھڑا دھڑا اس کا ارتکاب شروع کر دیں، کھلی چھٹی مل جائے۔

لہذا نہ تو کھلی چھٹی دیتے ہیں اور نہ اتنی تنگی کرتے ہیں۔ ایسے موقع پر کوئی دلیل شارع خود پیدا کر دیتے ہیں کہ جس کے ذریعے اختلاف رائے اجتہادی پیدا ہو جائے اور اس کے نتیجے میں تخفیف آجائے۔ یہ بڑی عجیب

اور لطیف بات فرمائی۔ یہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کا ہی مقام ہے کہ وہ یہ بات فرما رہے ہیں اور کسی کے بس کا کام نہیں تھا۔

مراتب احکام کا لحاظ رکھنا ضروری ہے

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عجیب نکتہ بیان فرمایا کہ اس سے درحقیقت شارع کا منشا یہ ہے کہ ایک طرف امت حرج میں مبتلا نہ ہو، اور اس کے اوپر زیادہ سختی نہ ہو، اور دوسری طرف اگر اس کو کھلی چھوٹ دیدیں تو اندیشہ ہے کہ لوگ اس معاملہ میں بہت زیادہ بے پرواہ ہو جائیں گے۔

اس واسطے کھلی چھٹی تو نہیں دیتے، لیکن کبھی ایک آدھ مرتبہ عمل ایسا کر لیا کہ جس کے نتیجے میں اجتہادی اختلاف کی گنجائش نکل آئی تاکہ اختلاف اجتہادی کی بنا پر پھر تخفیف پیدا ہو اور تخفیف کے نتیجے میں لوگوں کو سہولت مل جائے، اس لئے فرماتے ہیں کہ ان مراتب احکام کا لحاظ رکھنا بڑا ضروری ہے۔ اس کو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ”مراتب الاحکام“ کے نام سے یاد فرماتے ہیں، اور جو شخص مراتب الاحکام کا لحاظ نہ رکھے تو وہ تفقہ سے محروم ہے، یہ بڑی عجیب و غریب بات ہے۔ ۴۴

مراتب الاحکام کی نظیر

ہمارے ہاں بعض حضرات نے یہ فتویٰ دیا کہ داڑھی منڈوانا جس طرح حرام ہے اسی طرح داڑھی کٹوانا بھی حرام اور ناجائز ہے، اور ایک قبضہ سے کم رکھنا بھی ناجائز ہے۔

لہذا انہوں نے کہا کہ داڑھی منڈوانے والے میں اور کٹوانے والے میں کوئی فرق نہیں، یعنی گناہ کے اعتبار سے دونوں برابر ہیں چاہے منڈوائے یا کٹوائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض لوگ جو اس بات کی ہمت کر رہے تھے کہ تھوڑی بہت رکھ لیں، انہوں نے کہا جب دونوں میں کوئی فرق نہیں تو پھر منڈو وادو، رکھنے کی ضرورت نہیں۔

یہ جو موقف ہے کہ دونوں میں کوئی فرق نہیں یہ مراتب احکام سے ناواقفیت کی دلیل ہے، مجھ سے پوچھا تو میں نے کہا کہ چھوٹی داڑھی رکھنا داڑھی منڈوانے سے یقیناً اہون ہے، اور جس شخص کو پوری داڑھی رکھنے کی ہمت نہ ہو رہی ہو اس سے یہ کہا جائیگا کہ جتنی رکھ سکو رکھ لو باقی کے لئے یہ سمجھو کہ ناجائز کر رہا ہوں، لیکن جب اللہ تعالیٰ توفیق دیں گے تو مکمل رکھ لو گناہ نہ رکھنے سے تو کچھ رکھنا بہتر ہے، گویا نبی اکرم ﷺ کے حکم سے اتنا بعد نہیں ہے جتنا بعد بالکل منڈوانے والے کو ہے، لہذا یہ سمجھنا کہ دونوں برابر ہیں، یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ دونوں گناہ

تو ہیں، لیکن گناہوں میں بھی باہم مراتب کا فرق ہے۔

مثال کے طور پر ایک عورت اس قدر بے پردہ ہے کہ بالکل شتر بے مہار کی طرح پھر رہی ہے، نہ برقعہ پہنے، نہ چادر پہنے، اور نہ صحیح طریقہ سے دوپٹہ پہنے۔ اور ایک وہ عورت ہے جس نے جسم کو ڈھک لیا، چادر سے یا کوٹ سے سر بھی ڈھک لیا، لیکن چہرہ اور ہاتھ کھلے رہے، اگرچہ متاخرین کا فتویٰ یہ ہے کہ عورت کے لئے ستر وجہ بھی واجب ہے اور یہ وجوب بطور حجاب نہیں ہے، بلکہ بطور ازالہ فتنہ کے متاخرین حنفیہ نے واجب قرار دیا ہے۔ تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ چہرہ کا کھولنا بھی ناجائز ہوگا، لیکن ایک عورت سارا جسم کھولے پھر رہی ہے اور ایک وہ ہے جو صرف چہرہ کھولے پھر رہی ہے تو دونوں کے مقابلہ میں یہ اھون ہوگی۔

اب جہاں اس بات کا امکان ہو کہ عورتیں پورے پردہ کی طرف نہیں آسکتیں تو کم از کم اس طرف (یعنی صرف چہرہ کھولنے پر) تو آسکتی ہیں۔ اب وہاں پراگریہ کہہ دیا جائے کہ اس بے پردہ اور اس بے پردہ میں کوئی فرق نہیں تو یہ بات صحیح نہیں ہوگی، بلکہ مراتب احکام کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

نکیر میں بھی مراتب محرمات کا لحاظ ضروری ہے

یہی معاملہ نکیر کا ہے کہ اس منکر پر نکیر ہوتی ہے جو متفق علیہ طور پر منکر ہو، اور جس میں اختلاف ہو یعنی مختلف فیہ مسئلہ ہو تو اس پر اس درجے کی نکیر نہیں ہوگی جس درجہ کی متفق علیہ منکر پر ہوتی ہے یعنی جو محرمات قطعہ پر ہوتی ہے۔

اس بات کو مد نظر نہ رکھنے سے بہت سے لوگ ایسے مقامات پر نکیر کرتے ہیں کہ جہاں نکیر کا اس درجہ کا موقع نہیں ہوتا۔ جو معاملہ مجتہد فیہ ہے یا ایسا ہے کہ جس میں شریعت میں اتنا تشدد نہیں ہوتا اس پر نکیر اس درجہ کی گئی جیسا کہ محرمات قطعہ پر نکیر کی جاتی ہے تو اس سے وہ شریعت کا مزاج مختل ہو جاتا ہے اور شریعت کے جو مقاصد ہیں وہ فوت ہو جاتے ہیں، لہذا ہر چیز پر نکیر اس کے مناسب ہونی چاہئے۔ اگر معاملہ محرمات قطعہ کا ہے تو نکیر شدید ہے اور اگر معاملہ محرمات قطعہ کا نہیں ہے بلکہ مکروہات تحریمیہ کا ہے تو نکیر اس سے اخف ہے اور اگر ایسا ہے جو مختلف فیہ ہے اور مجتہد فیہ ہے تو نکیر اور اخف ہے، لہذا اس کے اوپر ایسی نکیر کرنا کہ لوگ یہ سمجھیں کہ یہ بالکل حرام قطعی ہے تو یہ بھی تفقہ اور مقاصد شریعہ سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

ہمارے ماحول میں مراتب احکام کا یہ فرق بسا اوقات ملحوظ نہیں رہتا، نکیر بعض اوقات ایسی چیزوں پر کی جاتی ہے جو سنت بھی نہیں ہوتیں، لیکن بزرگوں کا ایک معمول چلا آ رہا ہے ٹھیک ہے معمول کہ پابندی کرانی چاہئے بزرگوں کے طریقہ کو برقرار رکھنا بڑی برکت کا باعث ہے، لیکن اس کے تارک پر ایسی نکیر کرنا جو کہ تارک واجب پر کی جاتی ہے اس میں تو خطرہ ہوتا ہے کہ اس کو بدعت نہ بنادے۔ اس واسطے ہر چیز کے اندر نکیر اس کے مطابق

ہے۔ جہاں شریعت نے جس چیز کو جو مقام دیا ہے اس کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

کرسیوں پر بیٹھ کر کھانا جانا جائز اور حرام نہیں

ایک جگہ کرسیوں پر کھانا ہو رہا تھا، ایک صاحب نے جا کر کہا کہ میں نہ بیٹھوں گا اور نہ ہی کھاؤں گا، جب تک زمین پر کھانا نہ لگاؤ گے۔

تو ٹھیک ہے زمین پر کھانا اقرب الی السنہ ہے بلکہ سنت یہی ہے کہ آدمی زمین پر بیٹھ کر کھائے، لیکن زمین پر کھانا سنت ضرور ہے مگر کرسیوں پر کھانا حرام نہیں۔ ایک زمانے میں جب یہ طریقہ عام طور سے غیر مسلموں کا تھا اس وقت اسے تشبہ کی بناء پر بہت سے علماء نے منع فرمایا تھا، مگر ساتھ ہی حضرت حکیم الامت قدس سرہ اس وقت کرسی پر پاؤں اٹھا کر بیٹھے اور فرمایا کہ اس طرح تشبہ یا مشابہت کا شبہ بھی ختم ہو گیا۔ اب یہ طریقہ اتنا عام ہو گیا کہ اس میں تشبہ نہیں رہا لہذا ترغیب کے درجے میں نیچے بیٹھ کر کھانے کا اہتمام ضرور کرنا چاہئے، سنت کی برکات کا حصول معمولی چیز نہیں جس سے بے پروائی برتی جائے، لیکن اگر کوئی کرسی پر بیٹھ کر کھا رہا ہے تو اس پر ایسی نکیر کرنا درست نہیں جیسی محرمات پر ہوتی ہے، یہ نکیر کسی طرح بھی شریعت کے مزاج کے مطابق نہیں۔

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کا قول

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے (یہ ایک جملہ یاد رکھنے کا ہے) کہ ”غیر منکر پر نکیر کرنا خود منکر ہے“ اور یہ درست نہیں کیونکہ جب شریعت نے ایک چیز کو حرام نہیں کیا تو تم داروغہ بن کر کیسے حرام کہہ سکتے ہو۔ یہ باتیں درحقیقت شریعت کے مزاج کو سمجھنے کی ہیں اور اسی کا نام تفقہ فی الدین ہے اور شریعت کے مزاج کو سمجھنا محض کتاب پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتا، اس کے لئے صحبت کی ضرورت ہوتی ہے، اور صحبت سے انسان کو پتہ چلتا ہے کہ کس جگہ انسان کو کیا موقف اختیار کرنا چاہئے، کہاں تشدد اور کہاں نرمی (اختیار کرنی چاہئے)

سوال: جس وقت شارع نے بات کی اس وقت تو اگرچہ مراتب کے مفہوم ہوتے ہوئے، لیکن مجتہدین نے مختلف دلائل کو سامنے رکھتے ہوئے ایک موقف اختیار کر لیا۔ اس موقف کو اختیار کر لینے کے بعد تو اب وہ ایک جانب متعین ہو گئی، کیونکہ جب انہوں نے ایک چیز کو حرام کہہ دیا تو اب ہم اس کو حرام ہی سمجھیں گے یا انہوں نے کہا کہ مکروہ ہے تو اب ہم اس کو مکروہ ہی سمجھیں گے، اس میں پھر تخفیف کیسے ہوگی؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے بے شک رکبہ کو عورت میں داخل کر دیا، لیکن ساتھ ہی فقہاء کرامؒ نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ رکبہ کا عورت ہونا یہ اخف ہے بنسبت ”فخذ“ کے عورت ہونے کے۔ اور یہ بھی صراحت کی گئی ہے کہ مسئلہ کے مجتہد فیہ ہونے سے مسئلہ میں تخفیف ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بول

مایوکل لحمہ میں اختلاف ہوا تو کہہ دیا کہ نجاست غلیظہ نہیں ہے بلکہ خفیفہ ہے۔ تو بہت سی جگہوں پر خود انہوں نے صراحت کردی اور بہت سی جگہوں پر صراحت نہیں کی لیکن صراحت نہ کرنے کے باوجود اس کو فہم سامع پر چھوڑ دیا کہ ہمارا موقف تو بے شک یہ ہی ہے لیکن چونکہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے اس لئے نکیر اس درجہ کی نہیں ہوگی جس درجہ کی مجمع علیہ منکر پر کی جاتی ہے۔ یہ گویا مفروغ عنہ سمجھا۔ اس واسطے فقہائے کرام رحمہم اللہ نے یہ بات لکھ دی کہ نکیر ہمیشہ مجمع علیہ امر پر ہونی چاہیے۔ مجتہد فیہ معاملہ پر نکیر نہیں، فہائش ہے، یعنی سمجھا دو کہ ایسا کرنا چاہئے، لیکن اس کے اوپر نکیر ایسی جیسے محرمات قطعیہ پر ہوتی ہے وہ درست نہیں ہے، یہ ایک اصول بتا دیا۔

خلاصہ بحث

خلاصہ یہ نکلا کہ ”فخذ“ کے بارے میں راجح یہ ہے کہ وہ عورت ہے۔
خفیفہ نے رقبہ کے بارے میں بھی اس کو ترجیح دی ہے کہ یہ بھی عورت ہے، لیکن عورت کے ہونے میں مراتب احکام کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔
توفرمایا ”قال ابو عبد الله و حدیث انس اسند و حدیث جرہد احوط حتی نخرج من اختلافهم“۔

”احوط“ کا مطلب

”احوط“ کے مطلب ہیں تاکہ ہم فقہاء کے اختلاف سے بالکل نکل جائیں۔

یہاں بھی وہ دونوں احتمالات ہیں:

ایک احتمال یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا منشا یہ ہو کہ اگرچہ دلیل کے لحاظ سے عورت نہ ہونا راجح ہے، لیکن احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی اس کو عورت سمجھ کر اس کو نہ کھولے۔ گویا کہ کھولنے سے ان کے نزدیک فسادِ صلوٰۃ نہیں، لیکن کہتے ہیں کہ احتیاط یہ ہے کہ ڈھک کر نماز پڑھے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ ان کے نزدیک ”أخوطة“ کا مطلب یہ ہے کہ احتیاط اجتہادی کرے کہ چونکہ دلائل دونوں طرف مساوی ہیں، مختلف جہتیں ہیں۔ تو احتیاط کا مقتضی یہ ہے کہ جانب حرمت کو ترجیح دی جائے تو اس صورت میں ان کے نزدیک بھی عورت ہوگا، اور اس کے کھولنے سے نماز نہیں ہوگی۔

بہر حال یہ بڑا طویل الذیل موضوع ہے۔ میں نے صرف اس باب کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس باب کو مد نظر رکھنا ضروری ہے، اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ”فیض الباری“ میں متعدد مقامات میں اس پر تنبیہ فرمائی ہے۔

تشریح عبارت

”وقال أبو موسى غطى النبي ﷺ ركبته حين دخل عثمان“ ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ داخل ہوئے تو نبی کریم ﷺ نے اپنی رکتین کو ڈھکا۔

تو یہ وہی حدیث ہے جس کا میں نے ابھی ذکر کیا اور اس کا جواب دیا۔ آگے فرمایا:

”وقال زيد بن ثابت انزل الله على رسوله ﷺ وفخذه على فخذي فثقلت علي حتى خفت أن ترض فخذي“.

حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ پر اللہ ﷻ نے وحی نازل فرمائی اس حال میں کہ آپ ﷺ کی ران مبارک میری ران پر رکھی ہوئی تھی۔ یہاں تک کہ مجھ پر بہت بوجھ پڑا ”حتی خفت ان ترض فخذي“ یہاں تک کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ میری ران ٹوٹ جائے گی۔

استدلال یہاں یوں ہے کہ ”فخذه“ علی فخذي“ کہ آپ کی ”فخذ“ میری ”فخذ“ سے ملی ہوئی تھی۔ تو اس کا ظاہر انہوں نے یہ قرار دیا کہ ”فخذ فخذ“ کے ساتھ بلا حائل ملی ہوئی تھی۔ اس سے وہ لوگ استدلال کریں گے جو ”فخذ“ کو عورت نہیں مانتے کہ یہاں حضور ﷺ نے ”فخذ“ کو کھول دیا تھا۔

لیکن جو حضرات ”فخذ“ کو عورت مانتے ہیں وہ کہیں گے کہ یہ کہنا کہ یہ ”فخذ“ بغیر حائل کے تھی یہ بات صحیح روایت سے ثابت نہیں بلکہ ظاہر یہ ہے کہ اس کے اوپر کپڑا ہوگا اور عام طور سے عادت یوں ہی ہے کہ کپڑے کی موجودگی میں ہی پاؤں ملائے جاتے ہیں اور کسی صورت میں نہیں ملائے جاتے، لہذا یہ کپڑے کی حالت پر محمول ہے یعنی لباس کے ہوتے ہوئے۔

۳۷۱۔ حدثنا يعقوب بن ابراهيم قال: حدثنا إسماعيل بن عليه قال: حدثنا عبد العزيز بن صهيب، عن أنس أن رسول الله ﷺ غزا خيبر فصلىنا عندها صلاة الغداة بغلس فركب النبي ﷺ وركب أبو طلحة وأنا رديف أبي طلحة، فأجرى نبي الله ﷺ في زقاق خيبر وإن ركبتني لتمس فخذ نبي الله ﷺ، ثم حسر الإزار عن فخذه حتى إني أنظر إلى بياض فخذ نبي الله ﷺ دخل القرية قال: (الله أكبر خربت خيبر، إنا إذا نزلنا بساحة قوم فساء صباح المنذرين)، قالها ثلاثاً، قال وخرج القوم إليهم فقالوا: محمد، قال: عبد العزيز، وقال بعض أصحابنا: والخميس يعني الجيش - قال: فأصبناها عنوة فجمع السبي فجاء دحية فقال: يا نبي الله ﷺ، أعطني جارية من السبي، قال: (أذهب فخذ جارية) فأخذ صفية بنت حيي فجاء رجل إلى النبي ﷺ فقال: يا نبي الله ﷺ أعطيت دحية صفية بنت حيي سيدة قريظة

والنضير، لا تصلح إلا لك، قال: (ادعوه بها) فجاء بها فلما نظر إليها النبي ﷺ قال: (خذ جارية من السبي غيرها)، قال: فأعتقها النبي ﷺ وتزوجها، فقال له ثابت: يا أبا حمزة، ما أصدقها؟ قال: نفسها، أعتقها وتزوجها، حتى إذا كان بالطريق جهزتها له أم سليم، فأهدتها له من الليل، فأصبح النبي ﷺ عروسا، فقال: من كان عنده شيء فليجي به، وبسط نطعا، فجعل الرجل يجيئ بالتمر، وجعل الرجل يجيئ بالسمن، قال: وأحسبه قد ذكر السويق، قال: فحاسبوا حيسا، فكانت وليمة رسول الله ﷺ.

[أنظر: ۹۳۷، ۶۱۰، ۲۲۲۸، ۲۲۳۵، ۲۸۸۹، ۲۸۹۳، ۲۹۴۳، ۲۹۴۴، ۲۹۴۵، ۲۹۹۱، ۳۰۸۵، ۳۰۸۶، ۳۳۶۷، ۳۶۳۷، ۴۰۸۳، ۴۸۰۳، ۴۱۹۷، ۴۱۹۸، ۴۱۹۹، ۴۶۰۰، ۴۲۰۱، ۴۲۱۱، ۴۲۱۲، ۴۲۱۳، ۵۰۸۵، ۵۱۵۹، ۵۱۶۹، ۵۳۸۷، ۵۳۳۵، ۵۹۶۸، ۶۶۱۸۵] ۳۵

تشریح حدیث

مذکورہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور یہ غزوہ خیبر والی حدیث ہے اور اس میں موضع استدلال یہ ہے کہ:

ثم ”حسر الا زاز عن فخذہ حتی انی انظر الی بیاض فخذ نبی اللہ ﷺ“
یہاں بھی ”حسر“ بمعنی ”انحسر“ کے ہے جیسا کہ ماقبل میں بحث گذر چکی۔ یہ حدیث ”کتاب المغازی“ میں غزوہ خیبر کے اندر ہے اس کے آخر میں ایک واقعہ ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ تم جا کر قیدیوں میں سے کوئی جا رہیے لو! تو انہوں نے صفیہ بنت جحش کو لے لیا۔
یہ صفیہ بنت جحش سردار کی بیٹی تھی اور ایک سردار کے نکاح میں تھیں اور جس وقت حضرت نبی کریم

۳۵ ولی صحیح مسلم، کتاب الحج، باب فضل المدينة ودعاء النبی فیہا بالبرکۃ وبيان الخ، رقم: ۲۳۲۸، وکتاب النکاح، باب فضیلة اعتاقہ آمنہ ثم يتزوجها، رقم: ۲۵۶۱، ۲۵۶۲، وسنن الترمذی، کتاب السير عن رسول اللہ، باب فی البیات والغارات، رقم: ۱۳۷۰، وسنن النسائی، کتاب المواقیت، باب التغلیس فی السفر، رقم: ۵۳۴، وکتاب النکاح، باب البناء فی السفر، رقم: ۳۳۲۷، وسنن ابی داؤد، کتاب النکاح والإمارة والفی، باب ماجاء فی سهم الصفی رقم: ۲۶۰۳، وسنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب الرجل یعتق آمنہ ثم يتزوجها، رقم: ۱۹۳۷، ومسنند أحمد، باقی مسند المکثرین، باب مسند أنس بن مالک، ۱۱۵۵۳، ۱۱۷۷۰، ۱۱۹۶۰، ۱۲۱۵۵، ۱۲۲۰۸، ۱۲۵۵۳، ۱۳۰۸۶، ۱۳۲۷۲، ۱۳۳۵۹، وموطأ مالک، کتاب الجہاد، باب ماجاء فی الخیل والمسابقة بینہا والنفقة فی الغزو، رقم: ۸۹۱.

ﷺ نے خیبر پر حملہ کا ارادہ فرمایا تو انہوں (حضرت صفیہؓ) نے خواب میں دیکھا کہ آسمان سے چاند آ کر میری گود میں گر گیا اور غالباً یہ بھی دیکھا کہ جنوب کی طرف سے چاند آیا۔ تو صبح اٹھ کر انہوں نے اپنے شوہر سے ذکر کیا تو شوہر نے طمانچہ مارا اور کہا کہ تم یہ خواب دیکھ رہی ہو کہ مدینے کے سلطان (نبی کریم ﷺ) کے نکاح میں چلی جاؤ۔ بعد میں نبی کریم ﷺ نے حملہ فرمایا اور خیبر فتح ہوا اور یہ حضرت دحیہ کلبیؓ کے حصہ میں آ گئیں تو ”فجاء فجاء ورجل الی النبی ﷺ“ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا:

”فقال یا نبی اللہ اعطیت دحیة صفیة بنی حنیّ سيدة قریظة والنضیر“

کہ آپ ﷺ نے صفیہ جیسی خاتون دحیہ کلبیؓ کو دیدی ہے جو کہ قرظہ اور نضیر دونوں قبیلوں کی سردار ہیں۔

”لا تصلح الا لک قال ”ادعوه بها“ فجاء بها فلما نظر الیها النبی ﷺ قال ”خذ جاریة من السبی غیرها“ تو دحیہ کلبیؓ سے فرمایا کہ اب ان کے علاوہ کوئی اور جاریہ تم لے لو۔

اب یہ دو صورتیں ہو سکتی ہیں:-

ایک صورت یہ ہے کہ ان کا لینا ابھی تقسیم سے پہلے تھا، لہذا ابھی ان کی ملکیت مؤکد نہیں ہوئی تھی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اگر تقسیم ہو بھی گئی ہو تو پھر آپ ﷺ نے ان سے گویا خرید لیا۔

دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دس باندیاں ان کے عوض میں دیدیں۔ روایات میں آتا ہے کہ

دس رؤوس دیئے۔ دس رؤوس دے کر ان کو خرید لیا۔ تو:

”قال: فاعتقها النبی ﷺ وتزوجها“ آپ ﷺ نے ان کو آزاد فرمایا اور نکاح کر لیا۔

اس کی تفصیل ”مسند احمد“ کی روایت میں ہے ۴۶ کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

سے فرمایا کہ میں تمہیں اختیار دیتا ہوں کہ اگر تم اپنے گھر والوں کے پاس جانا چاہو تو میں تمہیں اپنے گھر والوں کے

پاس بھیج دیتا ہوں یعنی آزاد کر دیتا ہوں اور اگر تم چاہو تو آزاد کرنے کے بعد میں تم سے نکاح کر لوں اور پھر تم

میرے پاس رہو تو انہوں نے دوسری شق کو اختیار کیا اور اس کے نتیجے میں آنحضرت ﷺ نے ان سے نکاح کر لیا۔

”فقال له ثابت: یا ابا حمزة ما اصدقها؟ قال نفسها، اعتقها وتزوجها“

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا مہر

حضرت انسؓ سے پوچھا کہ آپ ﷺ نے صفیہ رضی اللہ عنہا کو مہر دیا تھا ”قال نفسها“ کہا کہ انہی کا

نفس یعنی ”اعتقها وتزوجها“

اس کی تشریح حنابلہ یوں کرتے ہیں کہ بغیر مہر کے نکاح کر لیا یا عتق کو صداق قرار دیا ہے۔ ہمارے نزدیک اس کی توجیہ یہ ہے کہ عتق علی المال کیا اور اس مال کو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے لئے مہر بنایا۔ ۴۸
 ”حتی إذا کان بالطریق جهزتها له أم سلیم، فأهدتها له من اللیل، فاصبح النبی ﷺ، عروسا، فقال: من کان عنده شیء فلیجئ به“۔

حضرت نبی کریم ﷺ کا ولیمہ

ولیمہ اس طرح ہوا کہ لوگوں سے کہا کہ جس کے پاس جو کچھ ہو وہ لے آئے ”وبسط نطعاً“ ایک چڑے کا دسترخوان بچھایا تو ایک شخص تمر لے کر آیا اور ایک شخص گھی لے کر آیا تو کہنے لگے کہ میرا خیال ہے کہ بعض لوگوں نے ستو کو بھی ذکر کیا تھا۔

”قال فحاسوا حیساً“ تو سب نے مل کر ایک حلوہ بنایا۔

”حیس“ کہتے ہیں ایسے طعام کو جس میں بہت ساری چیزیں ملا کر اکٹھی کر دی گئی ہوں۔ یہ آپ ﷺ

کا ولیمہ تھا۔

سوال:

امام بخاری رحمہ اللہ کی عادت ہے کہ صرف مقصود پر اکتفا کرتے ہیں اور زائد روایت کو حذف کر دیتے ہیں حالانکہ مذکورہ روایت میں زائد کو حذف نہیں کیا گیا، اس کی وجہ کیا ہے؟

جواب:

یہ طریقہ امام ترمذی رحمہ اللہ کا ہے کہ مقصود والے حصہ کو لے لیتے ہیں اور باقی کو حذف کر دیتے ہیں، لیکن بعض اوقات امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد صرف ایک فقرہ ہوتا ہے لیکن پوری صفحہ ڈیڑھ صفحہ کی حدیث لے آتے ہیں تو اس پر اشکال کی کوئی وجہ نہیں۔

ع۲ وقال ابن حزم: اتفق ثابت وقتاده وعبد العزيز بن صهيب عن أنس أنه ﷺ: عتق صفية وجعل عتقها صداقها، وبه قال قتادة في رواية، وأخذ بظاهره أحمد والحسن وابن المسيب، ولا يجب لها مهر غيره الخ، عمدة القاری، ج: ۳، ص: ۳۰۵۔
 ۴۸ وقال اللبث بن سعد وابن شبرمة وجابر بن زيد وأبو حنيفة ومحمد وزفر ومالك، ليس لأحد غير رسول الله ﷺ أن يفعل هذا فيتم له النكاح بغير صداق، وإنما كان ذلك لرسول الله ﷺ خاصة، لأن الله تعالى لما جعل له أن يتزوج بغير صداق كان له أن يتزوج على العتاق الذي ليس بصداق، ثم إن فعل هذا وقع العتاق ولها عليه مهر المثل الخ، عمدة القاری ج: ۳، ص: ۳۰۵، ۳۰۶۔

(۱۳) باب: في كم تصلي المرأة من الثياب؟

عورت کتنے کپڑوں میں نماز پڑھے

”وقال عكرمة: لو وارت جسدها في ثوب جاز“.

عورت کے لئے دوران نماز مستحب کپڑے

اس بات پر یہ باب قائم کیا ہے کہ عورت کتنے کپڑوں میں نماز پڑھے؟

اس مسئلہ میں فقہاء کرامؒ نے مختلف باتیں کہی ہیں، کسی نے کہا کہ دو کپڑے ہونے چاہئیں، کسی نے کہا

کہ تین کپڑے ہونے چاہئیں کسی نے کہا کہ چار کپڑے ہونے چاہئیں۔

لیکن بظاہر یہ سب اقوال اس بات سے متعلق ہیں کہ مستحب کپڑے کتنے ہیں، اس پر شاید کسی کا اختلاف

نہیں کہ اگر ایک ہی کپڑا ہو اور عورت سر سے لے کر پاؤں تک سوائے چہرے کے اپنے سارے جسم کو ڈھک لے تو

نماز ہو جائے گی بشرطیکہ وہ کپڑا اشفاف یعنی باریک نہ ہو اور اتنا چست بھی نہ ہو کہ اس سے اعضاء نظر آئیں، ڈھیلا

ڈھالا ایک کپڑا بہن لے بس کافی ہے۔ اسی واسطے عکرمہؒ کا قول نقل کیا کہ ”لو وارت جسدها في ثوب جاز“.

ثوب جاز“.

۳۷۲۔ حدثنا أبو اليمان قال: أخبرنا شعيب، عن الزهري، قال: أخبرني

عروة أن عائشة قالت: لقد كان رسول الله ﷺ يصلي الفجر فيشهد معه نساء من

المؤمنات متلفعات في مروطهن ثم يرجعن إلى بيوتهن، ما يعرفهن أحد.

[أنظر: ۵۷۸، ۸۶۷، ۸۷۲، ۸۷۹]

حدیث کی تشریح

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

۳۹۔ وفي صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب استحباب التكبير بالصبح في اول وقتها الخ رقم: ۱۰۲۰،

وسنن الترمذی، كتاب الصلاة، باب ماجاء في التلبیس بالفجر، رقم: ۱۲۱. وسنن النسائی، كتاب المواقیت، باب التلبیس

في الحضر، رقم: ۵۳۲، وكتاب السهو، باب الوقت الذي ينصرف فيه النساء من الصلاة، رقم: ۱۳۳۵، وسنن أبي داود،

كتاب الصلاة، باب في وقت الصبح، رقم: ۳۵۹، وسنن ابن ماجه، كتاب الصلاة، باب وقت صلاة الفجر، رقم: ۲۶۱،

ومسند أحمد، باقي مسند الانصار، باب حديث السيدة عائشة، رقم: ۲۲۹۲۲، ۲۲۹۶۷، ۲۳۹۱۵، ۲۵۰۲۵، وموطأ مالك

كتاب وقوت الصلاة، باب وقوت الصلاة، رقم: ۳، وسنن الدارمی، كتاب الصلاة، باب التلبیس في الفجر، رقم: ۱۱۹۰.

”لقد كان رسول الله ﷺ يصلي الفجر فيشهد معه نساء من المؤمنات متلفعات في مروطهن“۔
یعنی آپ ﷺ کے ساتھ خواتین نماز فجر میں حاضر ہوتی تھیں اس حالت میں کہ وہ اپنی چادر میں لپیٹی ہوئی ہوتی تھیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ درحقیقت اس کو یہاں اس بنا پر لائے ہیں کہ اس میں اختلاف ہے کہ کوئی عورت سارے جسم پر ایک ہی چادر لپیٹ کر آئے تو اس کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟
اس حدیث میں یہ احتمال نکلتا ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے، اس طرح نماز ہو جاتی ہے، لیکن اس روایت میں بظاہر مطلب یہ ہے کہ عورتیں نماز میں اس طرح عام کپڑوں کے اوپر دوسری چادروں میں لپیٹ کر آتی تھیں بہر حال مقصود یہ ہے کہ جسم اور عورت کا ستر باقی رہے، خواہ وہ جس طرح سے بھی ہو حاصل ہو جائے۔
”ثم ير جعهن الى بيوتهن ما يعرفهن احد“۔

”غسل“ میں نماز فجر کی ادائیگی

پھر عورتیں اپنے گھروں کو چلی جاتی تھیں اور ان کو کوئی پہچانتا بھی نہیں تھا۔ دیکھئے! یہاں ”من الغسل“ کا لفظ نہیں ہے، لہذا اس سے حنفیہ کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو کہہ رہی ہیں کہ کوئی پہچانتا بھی نہیں تھا، اس کی وجہ یہ نہیں کہ اندھیرا ہوتا تھا بلکہ وہ چادروں میں لپیٹی ہوئی ہوتی تھیں، اس وجہ سے ان کو پہچانتا نہیں تھا، لہذا بعض شافعیہ نے اس سے ”غسل“ میں نماز فجر پڑھنے پر جو استدلال کیا ہے وہ استدلال تام نہیں ہے۔

اور ابن ماجہ کی روایت میں صراحت ہے کہ ”من الغسل“ کا لفظ جو ترمذی وغیرہ میں آیا ہے یہ راوی کا اوراج ہے۔ ورنہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بات یہاں ختم ہو جاتی ہے۔ ۵۰

(۱۴) باب: إذا صلى في ثوب له أعلام ونظر إلى علمها

ایسے کپڑوں میں نماز پڑھنے کا بیان، جس میں نقش و نگار ہوں اور ان پر نظر پڑے
۳۷۳۔ حدثنا أحمد بن يونس قال: حدثنا إبراهيم بن سعد قال: حدثنا ابن شهاب عن عروة، عن عائشة: أن النبي ﷺ صلى في خميصة لها أعلام، فنظر إلى أعلامها نظرة،

فلما انصرف قال: (اذهبوا بخميصتي هذه إلى أبي جهم، والتوني يا بنجانية أبي جهم، فإنها ألهي انفا عن صلاتي). قال هشام بن عروة، عن أبيه، عن عائشة: قال النبي ﷺ (كنت أنظر إلى علمها وأنا في الصلاة فأخاف أن تفتني). [أنظر: ۷۵۲، ۷۵۸، ۷۵۹]

منتقل محل فی الصلاة اشياء پر نماز کا حکم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک ایسے کبل میں نماز پڑھی جس میں کچھ نقش و نگار تھے۔ ”خميصه“ کبل یا کھیس کو کہتے ہیں۔ آپ نے جب اس کے نقش و نگار کو دیکھا ایک نظر ڈالی اور جب آپ فارغ ہوئے تو فرمایا کہ میرا یہ کبل ابی جهم کے پاس لے جاؤ اور ابی جهم کی ”انجانية“ میرے لئے لے آؤ۔ ”انجانية“ اس کبل کو کہتے ہیں جس میں نقش و نگار نہ ہوں۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ”انجانية“ کوئی جگہ تھی اس کی طرف یہ منسوب تھا۔ بہر حال مراد اس سے وہ کبل ہے جس میں نقش و نگار نہ ہوں۔

تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابو جهم کا ”انجانية“ لے آؤ، کیونکہ اس نے مجھے نماز سے غافل کر دیا، تو ”انجانية“ منگوائی اور یہ واپس بھیج دی۔

بعض حضرات نے فرمایا اور بعض روایتوں میں بھی اس کا ثبوت ملتا ہے کہ اصل میں یہ نقش و نگار والا کبل ابو جهم ہی نے رسول کریم ﷺ کے پاس بطور ہدیہ بھیجا تھا، آپ ﷺ نے اس میں نماز پڑھ لی لیکن چونکہ آپ نے محسوس فرمایا کہ یہ خشوع فی الصلوٰۃ میں رکاوٹ بن رہا ہے اس واسطے آپ نے وہ بھیج دیا، اور ان کی دل شکنی نہ ہونے کے لئے فرمایا کہ کوئی ”انجانية“ ایسی بھیج دیں جس میں نقش و نگار نہ ہوں۔ اب ان کی دل شکنی بھی نہ ہوئی اور ہدیہ کو رد کرنا بھی لازم نہ آیا۔

معلوم ہوا کہ ایسے نقش و نگار جو انسان کی توجہ نماز کی طرف سے ہٹا دیں چاہے کپڑے میں ہوں، دیوار پر ہوں وہ پسندیدہ نہیں۔ آپ نے نماز نہیں لوٹائی، جس سے پتہ چلا کہ نماز فاسد نہیں ہوتی لیکن بہتر یہ ہے کہ آدمی ایسی جگہ، ایسے کپڑے اور ایسے مصلے پر نماز پڑھے جس میں نقش و نگار انسان کے ذہن کو ہٹانے والے نہ ہوں۔

۱۵۱. فی صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب کراهة الصلاة فی ثوب له اعلام، رقم: ۸۶۳، وسنن النسائی،

کتاب القبلة، باب البرخصة فی الصلاة فی خمیصة لها اعلام، رقم: ۷۶۳، وسنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب النظر فی

الصلاة، رقم: ۷۸۰، ومسند أحمد، بالفی مسند الأنصار، باب حدیث السيدة عائشة، رقم: ۲۲۹۵۸، ۲۳۰۶۰، ۲۳۲۷۳،

۲۳۳۵۳، ۲۳۵۵۲، وموطأ مالک، کتاب النداء للصلاة، باب النظر فی الصلاة الی ما یشتغلک عنها، رقم: ۲۰۴.

(۱۵) باب: إن صلی فی ثوب مصلب أو تصاویر

هل تفسد صلاته؟ وما ينهی من ذلك؟

اگر کسی کپڑے میں صلیب یا دیگر تصاویر بنی ہوں اور اس میں نماز پڑھے تو

کیا نماز اس کی فاسد ہو جائے گی؟ اور اس کی مخالفت کا بیان

۳۷۴۔ حدثنا أبو معمر عبد الله بن عمرو قال: حدثنا عبد الوارث قال: حدثنا

عبد العزيز بن صهيب، عن أنس قال: كان قرام لعائشة سترت به جانب بيتها، فقال النبي ﷺ (أميطي عنا رامك هذا فإنه لا تزال تصاویر تعرض في صلاتي). [أنظر: ۵۹۵۹] ۵۲

تصویر والے کپڑے میں نماز کا حکم

فرمایا ”فی ثوب مصلب أو تصاویر“ کسی ایسے کپڑے میں جس میں صلیب کی تصویر بنی ہوئی ہو یا اس میں تصویریں بنی ہوں تو کیا نماز فاسد ہو جائے گی؟ اور اس کے اوپر جو نمبی وارد ہوئی ہے اس کا ذکر بھی اس میں آیا ہے۔ ”هل تفسد صلاته“ سے اشارہ کر دیا کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔

بعض فقہاء کرام رحمہم اللہ یہ کہتے ہیں کہ اگر تصویر والے کپڑے میں نماز پڑھ لی تو نماز فاسد ہوگی اور بعض کہتے ہیں کہ نماز فاسد تو نہیں ہوگی لیکن ایسا کرنا منع ہے، ناجائز ہے۔

حدیث کا ترجمہ

اس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے آپ نے فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ایک پردہ تھا جس کے ذریعے انہوں نے اپنے گھر کی ایک جانب کو چھپا رکھا تھا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”أميطي عنا رامك هذا“ کہ ہم سے اپنے اس پردے کو دور کر دو، اس واسطے کہ اس کی تصویریں مسلسل میری نماز میں حارج ہوتی رہتی ہیں، اس طرح آپ ﷺ نے وہ پردہ ہٹوا دیا۔

اس حدیث میں دو مسئلہ ہیں:-

۱۔ ایک تو تصویر کا فی نفسہ حکم۔ وہ ان شاء اللہ آگے ”کتاب اللباس“ میں آئے گا، وہاں تفصیل سے

بحث ہوگی۔

تصویر والی جگہ نماز پڑھنے کا حکم

دوسرا جو مقصود باب ہے، وہ یہ ہے کہ اگر کپڑے پر تصویر ہو، سامنے ہو، یا دائیں یا بائیں ہو، تو کیا اس صورت میں نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ اس میں حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ ایسی جگہ پر نماز پڑھنا جہاں تصویریں ہوں منع ہے، ایسی جگہ نماز نہیں پڑھنی چاہیے، اگر کوئی پڑھ لے گا تو اس کی نماز مکروہ تحریمی ہوگی جس کا حاصل یہ ہے کہ فریضہ تو اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا، لیکن نماز مکروہ تحریمی ہوگی اور جب کراہت تحریمی آجاتی ہے تو حنفیہ کا قاعدہ یہ ہے کہ ”کل صلوة أدیت مع الکراہة تجب اعادةها“ تو اس کا اعادہ واجب ہوتا ہے۔ حنفیہ کا مسلک یہی ہے جو عام طور سے کتب فقہیہ میں لکھا ہوا ہے، البتہ بعض فقہاء نے اس کو اس صورت پر محمول کیا ہے جب کراہت صلب صلوة میں اگر خارج صلوة کسی سبب سے کراہت ہو تو اعادہ واجب نہیں ہوتا، اس اصول پر نماز واجب الاعادہ نہ ہونی چاہئے۔

(۱۶) باب من صلی فی فروج حریر ثم نزعہ

حریر کا جبہ پہن کر نماز پڑھنا پھر اس کو مکروہ سمجھ کر اتار پھینک دینا

۳۷۵۔ حدثنا عبد الله بن يوسف قال: حدثنا الليث، عن يزيد، عن أبي الخير، عن عقبة بن عامر قال: أهدى إلى النبي ﷺ فروج حرير فلبسه فصلی فیہ ثم انصرف فنزعہ شدیداً کالکار له، وقال: لا ينبغي هذا للمتقين. [أنظر: ۵۸۰۱] ۵۳

ریشم کی شناعت

آپ ﷺ نے ایک ریشم کا کوٹ پہنا۔

”فروج“ ایک ایسی قبا ہوتی ہے کہ اس کے پیچھے شگاف ہوتا ہے قریب اور زیادہ نیچے تک نہیں ہوتی۔ اس زمانہ میں ایسا ہوتا تھا۔ یہ کوٹ کے مشابہ ایک چیز ہوتی تھی۔ تو آپ نے ریشم کا فروج پہنا اور اس میں نماز پڑھی، پھر آپ فارغ ہوئے تو آپ نے اس کو سختی سے نکالا ”کالکارہ لہ“ جیسے اس کو ناپسند کر رہے ہوں، اور فرمایا کہ یہ متقیوں کے شایان شان نہیں۔

۵۳ وفی صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینة، باب تحریم استعمال اداء الذهب والفضة علی الرجال، رقم: ۳۸۶۸، وسنن النسائی، کتاب القبلة، باب الصلاة فی الحریر، رقم: ۷۶۲، ومسند أحمد، مسند الشاميين، باب حديث عقبة بن عامر الجهني عن النبي، رقم: ۱۶۶۵۵، ۱۶۷۰۳۔

یہ اس وقت کا واقعہ ہے کہ جب مردوں کے لئے حریر کی حرمت کا حکم نہیں آیا تھا۔ تو یہیں سے حریر کی شاعت کا آغاز ہوا، کہ پہلے پہن لیا، لیکن پہننے کے بعد اس کو پسند نہیں فرمایا اور فرمایا کہ یہ متقیوں کے لئے پسند نہیں ہے۔

(۱۷) باب الصلاة في الثوب الأحمر

سرخ کپڑے میں نماز پڑھنے کا بیان

۳۷۶۔ حدثنا محمد بن عرعرة قال: حدثني عمر بن أبي زائدة، عن عون بن أبي جحيفة، عن أبيه قال: رأيت رسول الله ﷺ في قبة حمراء من آدم، ورأيت بلالا أخذ وضوء رسول الله ﷺ ورأيت الناس يتدرون ذاك الوضوء، فمن أصاب منه شيئاً تمسح به، ومن لم يصب منه شيئاً أخذ من بلل يد صاحبه ثم رأيت بلالاً أخذ عنزة فركزها، وخرج النبي ﷺ في حلة حمراء مشمرا صلى إلى العنزة بالناس ركعتين، ورأيت الناس والدواب يمرون بين يدي لعنزة. [راجع: ۱۸۷]

مردوں کے لئے سرخ کپڑے کا حکم

حضرت ابو جحیفہ ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو ایک چڑے کے سرخ قبہ (خیمہ) میں دیکھا، اور حضرت بلال ؓ کو دیکھا کہ وہ حضور ﷺ کے وضوء کا بچا ہوا پانی لے رہے ہیں اور میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ حضور ﷺ کے بچے ہوئے پانی کی طرف دوڑ رہے ہیں، جس کو جو کچھ مل گیا اس نے اس کو اپنے جسم پر مل لیا اور جس کو کچھ نہیں ملا تو اس نے اپنے ساتھی کے ہاتھ پر جو تری تھی وہ لے لی، یعنی عالم عشق میں اگرچہ حضور ﷺ کا بچا ہوا پانی مل جائے، وہ نہ ملے تو کسی اپنے ساتھی کے ہاتھ پر جو لگا ہوا تھا وہی لے لیا۔

”تم رائٹ“ پھر میں نے حضرت بلال ؓ کو دیکھا کہ انہوں نے چھڑی لی اور اس کو گاڑا، اور حضور ﷺ ایک سرخ جوڑے میں نکلے۔

”حلة حمراء“ کا لفظ یہ موضع ترجمہ ہے۔

اس سے امام بخاری رحمہ اللہ استدلال کرنا چاہتے ہیں کہ مردوں کیلئے سرخ کپڑا پہننا اور اس میں نماز پڑھنا جائز ہے، کیونکہ حضور ﷺ سے سرخ جوڑا پہننا منقول ہے۔

اور حدیث میں یعنی نص صریح میں آنے کی بناء پر حنفیہ کے ہاں حکم میں تفصیل یوں ہے کہ عصفر اور زعفران کا رنگ منع ہے۔ البتہ سرخ رنگ کے کپڑے کے بارے میں حکم یہ ہے کہ احمر قانی جو بالکل سرخ ہو وہ مکروہ

تزیہی ہے، اور احمر قانی اگر نہ ہو بلکہ ہلکا سرخ ہو یا اس میں دھاریاں ہوں تو اس میں کراہت تزیہیہ بھی نہیں ہے، یہاں حملہ حراء میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر احمر قانی ہے تو زیادہ سے زیادہ مکروہ تزیہی ہوگا اور یہ بھی جواز کا ایک شعبہ ہوتا ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حراء مخطط ہو اور یہ مخطط ہونا رائج ہے۔ ۵۴

اس واسطے کہ ”احکام القرآن لابن العربی“ میں ایک روایت نقل کی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ جوڑ ادھاری دار تھا اور مکمل طور پر سفید تھا۔ ”مشمراً“ یعنی آپ نے اپنے پانچے اس وقت چڑھائے ہوئے تھے۔ ۵۵

(۱۸) باب الصلاة في السطوح، والمنبر، والخشب،

چھتوں پر اور منبر اور لکڑیوں پر نماز پڑھنے کا بیان

”قال أبو عبد الله: ولم ير الحسن بأساً أن يصلي على الجمد والقناطر وإن جرى تحتها بول أو فوقها أو أمامها إذا كان بينهما سترة وصلى أبو هريرة على ظهر المسجد بصلاة الإمام، وصلى ابن عمر على الثلج“.

کیا جائے نماز کا جنس ارض سے ہونا ضروری ہے؟

چھتوں پر، منبر پر اور لکڑی پر نماز پڑھنے کا حکم

یہاں سے دو باتیں بیان کرنا مقصود ہے:-

ایک مسئلہ یہ کہ جنس ارض کے علاوہ دوسری چیزوں پر نماز پڑھنا بھی بلا کراہت جائز ہے۔

اس کو بیان کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ کی طرف یہ بات منسوب ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نماز یا تو زمین پر ہو یا زمین کی جنس سے جو چیزیں ہوں، ان پر ہو۔

یعنی زمین کی جنس سے جو اگنے والی ہوں یا اس سے بنی ہوئی ہوں مثلاً یہ جو کھجور کا مصلیٰ ہوتا ہے اس پر

۵۴، ۵۵۔ والحافظ ابن تيمية رحمه الله تعالى يأخذ بقول الحنفية من هذا الكتاب، فدل على اعتباره عنده، وحاصل ما لحضت

في تلك المسألة: أن اللون أن كان من الزعفران أو المصفر كره تحريماً للرجال، وغيرهما أن كان احمر قانياً كره تنزيهاً والا

لا، وإن كان مخططاً بمخطوط حمر أو حمر بلا كراهة، وقال بعضهم باستحبابه وجاز الكل للنساء، قوله: حلة حمر: قالوا إنها

كانت مخططة، قلت: ووجدت له رواية بعد تتبع بالغ في احكام القرآن لابن العربی، فیض الباری ج: ۲، ص: ۱۶۰.

نماز ٹھیک ہے، لیکن وہ چیزیں جو جنس ارض سے نہ ہوں مثلاً کپڑا یا بستر تو ان کی مصلیٰ پر نماز کو مکروہ کہتے ہیں۔ ان کی تردید کرنے کے لئے یہ بتلادینا مقصود ہے کہ جما ہوا پانی جنس ارض سے نہیں، مگر اس پر حسن بصری رحمہ اللہ نماز کو جائز سمجھتے ہیں۔

ایک تو مقصود بالترجمہ یہ ہے اور اس مقصد کو کئی ابواب میں ظاہر کیا ہے۔ اس واسطے کہیں ”صلوة علی الخمر“ فرمایا، کہیں ”صلوة علی الحصر“ فرمایا، کہیں ”صلوة علی الفراش“ فرمایا۔

امام اور مقتدی کے اختلاف مقام کا حکم

دوسرا مسئلہ جو یہاں بطور مقصود بیان کرنا ہے وہ یہ ہے کہ امام اونچی جگہ پر ہو اور مقتدی نیچے ہوں، تو ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تو فرمایا کہ یہ صورت بھی نماز کے لئے جائز ہے کہ امام اونچا کھڑا ہو جیسے منبر پر اور مقتدی نیچے ہوں۔ اس کی تفصیل میں بعض حضرات نے کہا ہے کہ ایک ذراع اونچا ہونے میں کوئی حرج نہیں، کسی نے کہا ایک بالشت اونچا ہونے میں کوئی حرج نہیں، کسی نے کہا ایک قد آدم کی حد تک اونچا ہونے میں کوئی حرج نہیں۔

لیکن خلاصہ حکم یہ ہے کہ بلا عذر امام کا بلند ہونا کراہت سے خالی نہیں، لیکن اگر کوئی عذر ہو تو پھر اگر اتنی بلندی ہو جائے کہ انتقالات امام کی خبر مقتدیوں کو ہو رہی ہے اور دونوں کے درمیان کوئی ایسا حائل نہیں ہے جو انتقالات امام سے مقتدیوں کو بے خبر کر دے تو یہ جائز ہے۔ ۵۶

تیسرا مسئلہ اس باب میں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ نماز کے لئے جو طہارت مکان شرط ہے اس سے مراد وہ مکان ہے جو مصلیٰ سے متصل ہو لہذا اگر مصلیٰ سے متصل مکان پاک ہے تو اس مکان سے نیچے یا اوپر یا آگے اگر کوئی نجاست بھی ہو تو نماز کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

جنس ارض کے شرط نہ ہونے پر تاسید اول

اور فرمایا ”وقال أبو عبد الله ولم ير الحسن بأساً أن يصلي على الجمد و القناطر“ کہ حسن بصری رحمہ اللہ نے اس میں کوئی حرج نہیں سمجھا کہ کوئی آدمی ”جمد“ پر نماز پڑھے۔

طہارت مکان کی احترازی صورت

”جمد“ جسے ہوئے پانی کو کہتے ہیں جیسے سردیوں میں ٹھنڈے علاقوں میں پانی جم جاتا ہے، برف کی

۵۶ بذلک الى الجواز والخلاف في ذلك عن بعض التابعين وعن المالكية في المكان المرتفع لمن كان اماماً قوله قال أبو عبد الله هو المصنف الخ، فتح الباری ج: ۱، ص: ۴۸۶، دار النشر دار المعرفة، بيروت سنة النشر ۱۳۷۹ھ، و فیض الباری ج: ۲، ص: ۲۴.

شکل اختیار کر لیتا ہے تو اس کے اوپر نماز پڑھنے میں انہوں نے کوئی حرج نہیں سمجھا، حالانکہ وہ جنس ارض نہیں ہے۔ ”والقناطر“ اور پلوں پر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں یعنی اگرچہ ان کے نیچے پیشاب بہہ رہا ہو۔ یہاں سے تیسرا مسئلہ ثابت کرنا مقصود ہے۔ عام طور پر یہ ہوتا تھا کہ مثلاً گاڑیوں کے گزرنے کے لئے کوئی پل ہے اس کے نیچے مویشی وغیرہ گزرتے ہیں اور ان کے پیشاب وغیرہ وہاں بہتے رہتے ہیں یا نیچے کوئی گندانا لہ بہہ رہا ہے جس میں پیشاب بھی ہے تو اگر کوئی پل پر نماز پڑھے جبکہ نیچے پیشاب پڑا ہے، تو نیچے پیشاب پڑا ہونے کی وجہ سے پل پر نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہوگا، نماز صحیح ہو جائے گی۔

تو طہارت مکان سے مراد صرف اس مکان کی طہارت شرط ہے جہاں پر آدمی نماز پڑھ رہا ہو۔ اس کے نیچے، اس کے اوپر اگر کوئی نجس چیز ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ”اوفوقھا“ اس کے اوپر اگر پیشاب ہو مثلاً پل نیچے ہوا ہو پر کوئی عمارت بنی ہوئی ہے اور اس کے اندر پانچخانہ ہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ ”اوامامھا“ یا قطرہ کے سامنے پیشاب پڑا ہو اور آدمی قطرہ پر نماز پڑھ رہا ہو جبکہ دونوں کے درمیان کوئی سترہ ہو۔ سترہ سے مراد یہ ہے کہ کوئی طاہر چیز بیچ میں حائل ہو۔

دوسرے مسئلہ کی دلیل

”وصلی ابو ہریرۃ علی ظہر المسجد بصلوۃ الامام“۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے چھت پر امام کی نماز کے ساتھ نماز پڑھی یعنی امام نیچے کھڑا نماز پڑھا رہا ہے اور یہ چھت پر پڑھ رہے تھے۔

”وصلی ابن عمر علی الثلج“ اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے نماز برف کے اوپر پڑھی۔

تو ان سب سے معلوم ہوا کہ مصلی اور جائے نماز کا جنس ارض سے ہونا ضروری نہیں ہے۔

۳۷۷۔ حدثنا علی بن عبد اللہ قال : حدثنا سفیان قال : حدثنا أبو حازم قال :

سألو سهل بن سعيد : من أي شئ المنبر ؟ فقال : ما بقى بالناس أعلم مني ، هو من أنل الغابه عمله فلان مولى فلانة لرسول ﷺ ، وقام عليه رسول ﷺ حين عمل و وضع ، فاستقبل القبلة ، كبر وقام الناس خلفه فقرا ، وركع الناس خلفه ، ثم رفع رأسه ثم رجع القهقري فسجد على الأرض ، ثم عاد إلى المنبر ثم ركع رأسه ثم رجع القهقري حتى سجد بالأرض ، فهذا شأنه .

قال أبو عبد الله : قال علي ابن المديني : سألني أحمد بن حنبل رحمه الله عن

هذا الحديث قال : فإنما أردت أن النبي ﷺ كان أعلى من الناس ، فلا بأس أن يكون

الإمام أعلى من الناس بهذا الحديث قال : فقلت : إن سفيان بن عيينة كان يسأل عن هذا كثير أ ، فلم تسمعه منه ؟ قال : لا . [أنظر : ۴۳۸ ، ۹۱۷ ، ۲۰۹۴ ، ۲۵۶۹] ۷۷

منبر نبوی کی تفصیل

حدیث کا ترجمہ

لوگوں نے سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضور ﷺ کا منبر کس چیز سے بنا ہوا تھا ؟ تو انہوں نے کہا کہ اب لوگوں میں اس منبر کو مجھ سے زیادہ کوئی جاننے والا باقی نہیں رہا۔
”هو من اثل الغابة“ یعنی وہ جھاؤ کے درخت سے بنایا گیا تھا۔

”غایۃ“ میں ”بن“ کو کہتے ہیں یعنی ایسی جگہ جہاں پر گھنے درخت ہوں ، لیکن غابہ کے نام سے مدینہ طیبہ میں ایک جگہ بھی تھی ، یہاں وہ مراد ہے۔

”اثل“ جھاؤ کے درخت کو کہتے ہیں ، اسی جھاؤ کے درخت سے نبی کریم ﷺ کا منبر بنایا تھا۔
”وعمله فلان مولى فلانة لرسول الله ﷺ“ اور نام لیا کہ ”فلان مولى فلانة“ نے اس کو رسول اللہ ﷺ کے لئے بنایا تھا۔

”وقام عليه رسول الله ﷺ حين عمل ووضع فاستقبل القبلة كبر“۔
یعنی جب پہلی بار یہ منبر بن کر آیا تو آپ ﷺ نے قبلہ کی طرف رخ فرمایا ”وکبر“ اور تکبیر کہی۔ ”وقام الناس خلفه“ اور لوگ آپ ﷺ کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔

آپ ﷺ منبر پر کھڑے تھے اور لوگ نیچے آپ ﷺ کے پیچھے کھڑے ہو گئے ، تو آپ نے قرأت کی ، اور رکوع کیا لوگوں نے بھی آپ کے پیچھے رکوع کیا ”ثم رفع رأسه“ پھر آپ ﷺ نے سر مبارک اٹھایا ”ثم رجع القهقري“ یعنی پھر منبر سے اتر گئے۔ ”فسجد على الارض“ پس زمین پر سجدہ کیا ”ثم عاد على المنبر“ پھر دوبارہ منبر پر تشریف لے گئے۔ ”ثم قرائم رفع رأسه ثم رجع قهقري حتى مسجد

۷۷ وفی صحیح مسلم ، کتاب المساجد ومواضع الصلاة ، باب جواز الخطوة والخطوتين فی الصلاة رقم : ۸۴۷ ، وسنن النسائی ، کتاب المساجد ، باب الصلاة علی المنبر ، رقم : ۷۳۱ ، وسنن أبی داؤد ، کتاب الصلاة ، باب فی اتخاذ المنبر ، رقم : ۹۱۲ ، وسنن ابن ماجه ، کتاب القامة الصلاة والسنة فیها ، باب ماجاء فی بدء شأن المنبر ، رقم : ۱۴۰۶ ، ومسند أحمد ، باقی مسند الانصار ، باب حديث أبی مالک سهل بن سعد الساعدي ، رقم : ۲۱۷۳۵ ، ۲۱۷۸۶ ، ۲۱۸۰۱ ، وسنن الدارمی ، کتاب الصلاة ، باب الامام یصلی بالقوم وهو أنشز من اصحابه ، رقم : ۱۲۳۰ .

بالارض فهذا شانه“.

یہ عمل نبی کریم ﷺ نے اس لئے فرمایا تا کہ تمام صحابہ کرام ﷺ آپ کی نماز کی کیفیت دیکھ سکیں جب آپ ﷺ نیچے کھڑے ہوتے تھے جو روزمرہ کا معمول تھا تو صرف صفِ اول والے تو دیکھ لیتے تھے، لیکن پیچھے کے لوگ اچھی طرح نہیں دیکھ پاتے تھے۔ تو آپ ﷺ نے یہ عمل کیا تا کہ سب لوگ دیکھ لیں۔

عمل قلیل مفسد صلوٰۃ نہیں

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قلیل عمل مفسد صلوٰۃ نہیں۔ چنانچہ ایک دو قدم چلنا مفسد صلوٰۃ نہیں اور ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ منبر کی دوسری سیڑھی پر کھڑے تھے اور نیچے اترنے کے لئے آپ ﷺ کو صرف دو قدم پیچھے ہٹنا پڑا۔ تو دو قدم آگے یا پیچھے ہو جائے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، یہ عمل قلیل میں داخل ہے۔ ۵۸

آگے فرمایا: ”وقال أبو عبد الله قال علي بن المديني سألتني أحمد بن حنبل عن هذا الحديث“ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام علی بن المديني رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مجھ سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اس حدیث کے بارے میں پوچھا: ”قال وإنما اردت أن النبي ﷺ كان أعلى من الناس“ امام علی بن مديني رحمہ اللہ نے کہا کہ میری مراد یہ تھی کہ نبی کریم ﷺ لوگوں سے اوپر تھے۔

اور حضرت شاہ صاحب اور حضرت شیخ الحدیث رحمہما اللہ نے ”لامع“ میں ترجیح اس کو دی ہے کہ یہ مقولہ علی بن مديني کا نہیں بلکہ امام احمد رحمہ اللہ کا ہے، یعنی میں اس حدیث کے بارے میں اس لئے پوچھ رہا ہوں کہ اس سے امام کا بلند ہونے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

”فلأبأس أن يكون الامام أعلى من الناس بهذا الحديث“ لہذا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر امام لوگوں سے اونچا کھڑا ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔ ”قال فقلت: فان سفیان كان يسأل عن هذا كثير: فلم تسمعه منه قال لا“ امام علی بن مديني رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے کہا کہ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے اس لئے یہ مسئلہ کثرت سے پوچھا جاتا تھا کہ امام اگر اوپر ہو اور مقتدی نیچے ہوں تو کیا حکم ہے؟ تو کیا آپ نے ان سے نہیں سنا؟ تو انہوں نے کہا ”لا“ کہ میں نے ان سے نہیں سنا۔

۳۷۸۔ حدثنا محمد بن عبد الرحيم قال: حدثنا يزيد بن هارون قال:

أخبرنا حميد الطويل، عن أنس بن مالك: أن رسول الله ﷺ سقط عن فرسه فجحشت ساقه أو كتفه، والى من نساؤه شهراً فجلس في مشربة له درجتها من

۵۸ قلت: أما ملحق أبي حنيفة في هذا ما ذكره صاحب ”البدائع“ في بيان العمل الكثير الذي يفسد الصلاة والقيل الذي لا يفسدها: فالكثير ما يحتاج فيه إلى استعمال اليدين، والقيل ما لا يحتاج فيه إلى ذلك الخ، عمدة القاری ج: ۳، ص: ۶۰۶.

جذوع ، فأتاه أصحابه يعودونه ، فصلى بهم جالسا وهم قيام ، فلما سلم قال : (انما جعل الإمام ليؤتم به فأكبر فكبروا ، وإذا ركع فاركعوا وإذا سجد فاسجدوا ، وإن صلى قائما فصلوا قياما) ، ونزل لتسع وعشرين ، فقالوا : يا رسول الله ، إنك أيت شهرًا ، فقالوا : (إن الشهر تسع وعشرون) . [أنظر : ٦٨٩ ، ٤٣٢ ، ٨٠٥٤٣٣ ، ١١١٣ ، ١٩١١ ، ٢٣٦٩ ، ٥٢٠١ ، ٥٢٨٩ ، ٦٦٨٢] ٥٩

”سقوط عن الفرس“ کا واقعہ

یہاں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے ایک گھوڑے سے ساقط ہو گئے تھے (گر گئے تھے) ”فجحشت ساقه او کتفه“ تو آپ ﷺ کی پنڈلی مبارک یا فرمایا کہ آپ ﷺ کا کندھا زخمی ہو گیا تھا۔

یہ واقعہ ۵ھ کا ہے اور حضور اقدس ﷺ غابہ کے مقام پر گھوڑے پر تشریف لے جا رہے تھے ، تو گھوڑا بھاگ گیا اور کھجور کے درخت کی جڑ میں جا کر حضور ﷺ کو گرا دیا تو اس وقت آپ ﷺ کی دائیں کروٹ زخمی ہو گئی تھی۔ ۶۰

”وآلی من نسانہ شهرًا“۔

اور یہ دوسرا واقعہ ہے کہ اپنی ازواج مطہرات ﷺ کے پاس نہ جانے کی قسم کھائی تھی۔ یہ ایلاء لغوی تھا نہ کہ اصطلاحی ، کیونکہ ایلاء اصطلاحی کے لئے ضروری ہے کہ چار مہینے کی قسم کھائے۔ یہاں آپ ﷺ نے ایک مہینہ کی قسم کھائی تھی۔

۵۹۔ وفی صحیح مسلم ، کتاب الصلاة ، باب انعام المأموم بالامام ، رقم : ۶۲۲ ، وسنن الترمذی ، کتاب الصلاة ، باب ماجاء اذا صلى الإمام قاعداً فصلوا قعوداً ، رقم : ۳۲۹ ، وسنن النسائی ، کتاب الامامة ، باب الانعام بالامام ، رقم : ۸۶۷ ، وسنن التطبيق ، رقم : ۱۰۵۱ ، باب ما يقول المأموم ، وسنن أبی داؤد ، کتاب الصلاة ، باب الامام یصلی من قعود ، رقم : ۵۰۹ ، وسنن ابن ماجه ، کتاب اقامة الصلاة والسنة فیها ، باب ماجاء فی انما جعل الإمام لیؤتم به ، رقم : ۱۲۲۸ ، وسنن أحمد ، بابی مسند المکثرین ، باب باقی المسند السابق ، رقم : ۱۲۵۹۸ ، وموطأ مالک ، کتاب النداء للصلاة ، باب صلاة الإمام وهو جالس ، رقم : ۲۸۰ ، وسنن الدارمی ، کتاب الصلاة ، باب فیمن یصلی خلف الإمام والامام جالس ، رقم : ۱۲۲۸ ۔

۶۰۔ وكان سقوطه ﷺ عن الفرس فی شهر ذی الحجة آخر سنة خمس من الهجرة الخ ، صحیح ابن حبان ج : ۵ ، ص : ۴۹۲ ،

دار النشر مؤسسة الرسالة ، بیروت سنة النشر ۱۴۱۳ھ ۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی مسامحت

بعض حضرات نے یہ سمجھا جن میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ بھی شامل ہیں کہ یہ دونوں ایک ہی واقعہ میں شامل ہیں یعنی آپ ﷺ نے ازواج مطہرات ﷺ کے پاس نہ جانے کی قسم کھائی اور اسی حالت میں آپ ﷺ گھوڑے سے گرنے کی وجہ سے زخمی ہو گئے اور اس حالت میں آپ ﷺ نے بالا خانہ میں قیام فرمایا۔ ”مشرَبہ“ کہتے ہیں بالا خانہ کو کہتے ہیں۔

حالانکہ مذکورہ دونوں واقعات الگ الگ ہیں۔ سقوط عن الفرس کا واقعہ الگ ہے، اس میں آنحضرت ﷺ نے معذوری کی وجہ سے بالا خانہ میں قیام فرمایا اور پھر نمازیں بھی وہیں پڑھتے رہے، مسجد نبوی میں نماز کے لئے تشریف نہیں لاتے تھے۔

اور دوسرا واقعہ ایلاء کا ہے کہ جب آپ ﷺ نے ازواج مطہرات ﷺ کے پاس نہ جانے کی قسم کھائی اور آپ مشربہ میں جا کر کچھ دن کے لئے مقیم ہو گئے۔ اس وقت کوئی معذوری نہیں تھی چنانچہ آپ ﷺ واپس مسجد نبوی میں تشریف لاتے تھے، لیکن راوی نے محض یہاں ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے ذکر کر دیا کہ سقوط عن الفرس کے واقعہ میں آپ مشربہ میں مقیم رہے اور ایلاء کے واقعہ میں بھی۔ دونوں کو اکٹھا ذکر کر دیا گیا، لیکن ایسا نہیں ہے کہ دونوں ایک ہی واقعہ ہوں۔ ۱۱۔

”فجلس فی مشربۃ لہ“ آپ اپنے بالا خانہ میں تشریف فرما تھے ”درجتها من جذوع“ اس کی سیڑھیاں کھجور کے شہتیروں کی بنائی ہوئی تھیں ”فاتاہ اصحابہ یعودونہ“ تو آپ ﷺ کے صحابہ آپ کی عیادت کے لئے آئے ”فصلی بہم جالسا“ تو آپ ﷺ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی ”وہم قیام“ اور صحابہ کرام ﷺ کھڑے تھے۔ آپ ﷺ چونکہ معذور تھے تو بیٹھ کر نماز پڑھائی، جبکہ صحابہ کرام ﷺ کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔

إلا أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال إنما جعل الإمام لیؤتم بہ ، الحدیث لیس فیہ قصة الفرس الخ ، نصب الرایۃ ج: ۲ ص: ۴۳ ، دار النشر دار الحدیث ، مصر سنة النشر ۱۳۵۷ ،

قال ابن حبان ، وہی واقعة السنة الخامسة ، وقال الحافظ : فی المجلد الثامن وحاصله : انها فی التاسعة قلت : وهو قطعی البطلان ، وآنمجب من مثل هذا الحافظ أنه كيف غفل عنه ولعله دعاه اليه ذكر ايلاء النبي ﷺ في تلك الواقعة ، وكان في السنة التاسعة ، فجعل سقوط الفرس أيضاً فيها ، والذي تحقق عندي أن قصة السقوط عن الفرس وايلاء ﷺ ، والعتان في عامين مختلفين ، وإنما جمعهما الراوي في حديث واحد لجلوسه ﷺ في المشربة فيهما ، أما في السقوط فلأن أصحابه يجمعون لها دته ، وأما في قصة الايلاء فللعتلى والنجنب عنهن قصداً وهذا كله يدل على المغايرة بين القصتين ، فكيف غفل عنه الحافظ رحمه الله تعالى وجعلها في السنة التاسعة ؟ فيض الباری ج: ۲ ص: ۲۱ ، ۲۲ .

بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم

”فلما سلم قال: انما جعل الامام ليؤتم به فاذا كبر فكبروا، وإذا ركع فاركعوا، وإذا سجد فاسجدوا وإن صلى قائماً فصلوا قائماً“
بعد میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ امام چونکہ اقتدا کے لئے بنایا ہے، لہذا اس کی اقتدا کرنی چاہئے، اگر وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو تم بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھو اور اگر وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔

مسئلہ مذکورہ میں مذہب حنابلہ

اس حدیث سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اس بارے میں استدلال فرمایا ہے کہ امام مجبوری کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھا رہا ہے تو مقتدیوں پر بیٹھ کر نماز پڑھنا لازم ہے، کھڑے ہو کر پڑھنا جائز نہیں، اس لئے کہ آپ ﷺ نے یہاں منع فرمایا ہے۔ ۶۲

جمہور کا مسلک

جمہور رحمہم اللہ کا کہنا ہے کہ اگر مقتدی معذور نہیں ہیں تو وہ کھڑے ہو کر اقتدا کریں، خواہ امام بیٹھ کر نماز پڑھا رہا ہو۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ حضور ﷺ مرض وفات میں بیٹھ کر امامت فرما رہے تھے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور پوری قوم پیچھے کھڑی تھی اور یہ بالکل آخری زمانہ کا واقعہ ہے، لہذا یہ اس حدیث شہاب کے لئے ناخ ہے۔ ۶۳

”نزل لتسع وعشرين“ آپ ﷺ بالا خانہ سے انتیس دن پورے کر کے اتر گئے۔

فقال: ”يا رسول، انك آليت شهراً“

یا رسول اللہ! آپ نے تو ایک مہینہ کی قسم کھائی تھی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ مہینہ انتیس کا ہے، لہذا آپ ﷺ انتیس دن کے بعد اتر گئے اور یہ بالا خانہ زمین سے بلند تھا۔

انتیس دن کی حکمت

یہ جو فرمایا کہ مہینہ انتیس دن کا ہے حالانکہ کبھی تیس کا ہوتا ہے۔ تو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ایک لطیفہ نقل

۶۲۶۱۲ واعلم ان صلاة القائم خلف القاعد جائزة عندنا وعند الشافعية، وعند أحمد لا يجوز، بل تجب على القوم أن يبعثوا أيضاً وإن لم يبعثوا مرضى لأجل هذا الحديث، ثم قالوا: ان تعود الامام ان كان طارئاً يسع للقوم أن يقوموا، وعند مالك: لا يجوز القدوة مطلقاً فذهب الحنفية والشافعية الى نسخه الخ، فيض الباری ج: ۲، ص: ۲۳ ”درس ترمذی“ ج: ۲، ص: ۱۳۱-۱۳۸.

کیا ہے کہ جس وقت آپ نے ازواج مطہرات کے پاس نہ جانے کی قسم اٹھائی، اس وقت نوازواج مطہرات تھیں اور ایک باندی تھی۔ تو دوسری طرف تین دن سے زیادہ ہجران منع ہے۔ تو نو بیویوں کا ہجران تین تین دن شمار کیا جائے تو یہ ہو گئے ستائیس دن اور حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا باندی تھیں ان کے دو دن تو کل اسی دن ہوئے۔

ایلاء کی وجہ

ایلاء کی وجہ یہ تھی کہ حضور ﷺ بعض امور پر تنبیہ کرنا چاہتے تھے، اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ ازواج مطہرات نے نفقہ کی زیادتی کا مطالبہ کیا تھا، ایک واقعہ شہد والا ہے جو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے متعلق تھا، ایک واقعہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا تھا۔ یہ مختلف واقعات تھے جن پر نبی کریم ﷺ تنبیہ فرمانا چاہتے تھے۔

(۱۹) باب: إذا أصاب ثوب المصلي امرأته إذا سجد

جب نماز پڑھنے والے کا اس کی عورت کو سجدہ کرتے وقت چھو جائے

۳۷۹۔ حدثنا مسدد، عن خالد قال: حدثنا سليمان الشيباني، عن عبد الله بن شداد، عن ميمونه قالت: كان رسول الله ﷺ يصلي وأنا حذاءه وأنا حائض، وربما أصابني ثوبه إذا سجد، قالت: وكان يصلي على الخمرة. [راجع: ۳۳۳]

یہاں پر صرف اتنا مقصود ہے ”ربما أصابني ثوبه إذا سجد“ کہ جب آپ ﷺ سجدے میں جاتے تو آپ کا کپڑا کبھی کبھی مجھے لگ جایا کرتا تھا، حالانکہ میں حائضہ تھی، سامنے لیٹی ہوئی تھی، تو معلوم ہوا کہ اگر کچھ مصلی کا کپڑا لگ جائے تو اس سے نماز میں کچھ فرق نہیں پڑتا اور یہ بھی بتلایا کہ آپ ﷺ خمرہ پر نماز پڑھتے تھے ”الخمره“ چھوٹے مصلے کو کہتے ہیں۔

(۲۰) باب الصلاة على الحصير

چٹائی پر نماز پڑھنے کا بیان

”وصلی جابر بن عبد اللہ و أبو سعید فی السفینۃ قائما، قال الحسن: قائما مالم تشق علی أصحابک تدور معها وإلا فقاعدوا“۔

”کيفية صلوة على السفينة“۔

حصیر یعنی چٹائی پر نماز پڑھنے کے حکم کے بارے میں یہ باب قائم کیا ہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ

اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے سفینہ میں ”قائما“ کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔

سفینہ میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا جائز ہے اور بیٹھ کر بھی جائز ہے، اور اگر کھڑے ہو کر پڑھ سکتا ہو اور اس سے دورانِ راس نہ ہو تو ٹھیک ہے اور اگر دورانِ راس کا اندیشہ ہو تو بیٹھ کر پڑھ لے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سفینہ میں بیٹھ کر نماز پڑھنا علی الاطلاق جائز ہے کیونکہ اس میں غالب یہ ہے کہ سفینہ ڈولتی ہے۔

صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں اس پر مدار ہے کہ اگر کھڑے ہو کر پڑھنے پر قادر ہے تو کھڑا ہونا واجب ہے ورنہ بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے۔

امام صاحب رحمہ اللہ بھی کہتے ہیں کہ سفینہ میں چونکہ غالب یہ ہے کہ وہاں دورانِ راس ہوتا ہے، اس واسطے غالب کو حقیقت کے قائم مقام کر دیا جائے گا، لہذا ہر حالت میں بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے۔

اور یہ اس زمانہ کی بات ہے جب باد بانی کشتیاں ہوا کرتی تھیں، بہت ڈولتی تھیں لیکن جب سے یہ مشین والے جہاز ایجاد ہوئے ہیں تو اس میں اس سہولت سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہئے، کیونکہ اس میں آدمی کھڑے ہو کر آرام سے نماز پڑھ سکتا ہے۔ ۶۴

ریل اور بس کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر کھڑے ہو کر پڑھ سکتا ہے، قدرت ہے تو کھڑے ہو کر ہی پڑھے، لیکن اگر قدرت نہیں ہے تو بیٹھ کر پڑھنے سے نماز ہو جائے گی، لہذا ریل اور بس میں اس کا لحاظ ضرور کرنا چاہئے کہ قریب میں اگر کوئی ایسا اسٹاپ آنے والا ہے، نماز کا وقت گزرنے سے پہلے آدمی وہاں پر پہنچ سکتا ہے اور نیچے اتر کر نماز پڑھ سکتا ہے تو پھر بیٹھ کر نماز نہ پڑھے۔ ہاں اگر قریب میں کوئی اسٹاپ آنے والا نہیں ہے اور نماز کا وقت نکل جانے کا اندیشہ ہے اور گاڑی میں کھڑے ہو کر پڑھنے کی کوئی جگہ مسافروں سے درخواست کے باوجود نہیں ملتی تو پھر بیٹھ کر پڑھ لینی چاہئے۔ یہی حکم ہوائی جہاز کا بھی ہے کہ اس میں اگر خیال ہو کہ ہم ایسے موقع پر اتر جائیں گے جہاں پر اتر کر وقت پر نماز پڑھ سکیں گے تو نماز کو مؤخر کر دینا چاہئے، اگر کھڑے ہو کر نہ پڑھ سکے اور اگر

۶۴ وقال أبو حنيفة: تجوز قائماً وقاعداً بعذر وبغير عذر، وبه قال الحسن بن مالك وأبو قلابة وطائوس، روى عنهم ابن أبي شيبة، وروى أيضاً عن مجاهد أن جنادة بن أبي أمية قال: كنا نغزو معه لكننا نصلى في السفينة لعموداً“ أو لأن الغالب دوران الرأس فصار كالمحقق، والاولى أن يخرج ان استطاع الخروج منها، وقال أبو يوسف ومحمد: لا يجوز قاعداً الا من عذر، لأن القيام ركن فلا يترك الا من عذر، والخلاف في غير المربوطة، فلو كانت مربوطة لم تجز قاعداً أجمعاً، وقيل: تجوز عنده في حالتي الاجراء والارساء ويلزمه التوجه عند الافتتاح كلما دارت السفينة لأنها في حقه كالبيت، حتى لا يتطوع فيها مؤمياً مع القدرة على الركوع والسجود، بخلاف راكب الدابة، عمدة القاري ج: ۳، ص: ۳۳۶.

کھڑے ہو کر پڑھنے پر قادر ہے تو پھر وقت کے اندر وہیں پڑھ لینا چاہئے۔ جہاز میں بعض جگہیں ایسی بنی ہوتی ہیں کہ اس میں آدمی کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتا ہے وہاں پر کھڑے ہو کر نماز پڑھ لینی چاہئے لیکن جب کھڑے ہو کر پڑھنے کی بالکل قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھ لینا بھی جائز ہے، لیکن احتیاط یہ ہے کہ بعد میں قضا بھی کرے کیونکہ جہاز اور سفینہ میں فرق یہ ہے کہ سفینہ میں بیٹھ کر پڑھنے کی صورت میں بھی سجدہ زمین پر ہو سکتا ہے مگر سیٹ پر بیٹھ کر نہیں ہو سکتا لیکن صریح حکم موجود نہیں۔ رہا یہ مسئلہ کہ جہاز میں فی نفسہ نماز جائز ہے کہ نہیں؟

تو بعض علمائے کرام نے یہ فرمایا کہ جہاز میں نماز نہیں ہوتی، اس کی وجہ یہ ہے کہ فقہاء کرام نے سجدے کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے کہ: ”وضع الجبهة على الارض او على ما يستقر على الهواء“ اور ہوا مستقر علی الارض نہیں، کیونکہ وہ طالب علو ہے۔ اس واسطے اس کو مستقر علی الارض نہیں کہتے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ جہاز میں بھی نماز ہو جاتی ہے۔

اور فقہاء نے جو فرمایا کہ ”وضع الجبهة على الارض او على ما يستقر على الارض“ اس میں ارض سے مراد وہ ہے کہ اس وقت جس ماحول میں انسان ہے اس ماحول میں اس کو ارض کہتے۔ تو جہاز کی ارض اس کا فرش ہے اس طرح وہاں سجدہ اس لئے متحقق ہو جاتا ہے، لہذا صحیح یہ ہے کہ جہاز میں نماز ہو جاتی ہے۔ کھڑے ہو کر قدرت ہے تو کھڑے ہو کر پڑھے اور کھڑے ہو کر قدرت نہیں ہے تو بیٹھ کر پڑھے، لیکن اس صورت میں احتیاط یہ ہے کہ بعد میں اعادہ بھی کرے۔ پس یہ اس کا خلاصہ ہے۔

البتہ یہ ہے کہ حتی الامکان قبلہ کی رعایت بھی رکھے اور تحری بھی کرے۔ جہاز میں پتہ لگانا بالکل مشکل نہیں ہوتا۔ پہلے تو یہ ہوتا تھا کہ آدمی پائلٹ سے پوچھ لیتا تھا۔ اب تو مستقل نقشہ آتا رہتا ہے، اس نقشہ میں جہاز جہاں جہاں حرکت کرتا ہے اس کی سب باتیں لکھی ہوتی ہیں کہ ہم اب فلاں جگہ پہنچ گئے ہیں وغیرہ وغیرہ تو اس میں آدمی پتہ لگا سکتا ہے کہ جہت قبلہ کیا ہے۔

البتہ اگر جہت قبلہ کی طرف استقبال کی قدرت نہ ہو کہ کھڑے ہو کر پڑھنے کی جگہ باوجود کوشش کے نہیں ملی، بیٹھ کر پڑھ رہا ہے تو سیٹ پر بیٹھا ہے تو اسی پر بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے تو اس صورت میں اس وقت نماز بیٹھ کر پڑھ لینی چاہئے، لیکن بعد میں قضا بھی کر لینا چاہئے۔

۳۸۰۔ حدثنا عبد الله قال: أخبرنا مالك، عن إسحاق بن أبي طلحة، عن أنس بن مالك، أن جدته مليكة دعت رسول الله ﷺ لطعام صنعته له، فأكل منه، ثم قال: (قوموا فلأصلي لكم)، قال أنس: فقلت إلى حبيبنا قد أسود من طول ما لبس، فنضحته بماء، فقام رسول الله ﷺ و صفت أنا واليتيم ورائه والعجوز من ورائنا فصلى لنا رسول الله ﷺ ركعتين ثم انصرف. [أنظر ۷۲، ۸۶۰،

۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵

ملیکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی دادی ہیں انہوں نے ایک کھانا بنا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تناول فرمایا اور پھر فرمایا کہ میں تمہیں نماز پڑھاؤں۔ مقصد یہ تھا کہ ان کے گھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی برکت ہو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اپنی ایک چٹائی کی طرف میں کھڑا ہوا جو ”من طول مالمس“ یعنی ”من طول ما خلط من طول ما استعمل“ کثرت استعمال سے وہ سیاہ پڑ گئی تھی۔ کہتے ہیں کہ میں اس کی طرف کھڑا ہوا۔ ”فنضحتہ بماء“ اور پانی ڈال کر اس کو صاف کیا۔

”فقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“۔

آپ کھڑے ہوئے میں نے اور یتیم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے صف بنائی۔ ”یتیم“ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بھائی کا نام ہے۔ تو کہتے ہیں کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھے

”والعجم ز من ورائنا“ یعنی دادی ملکہ ہمارے پیچھے کھڑی تھیں۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتیں پڑھائیں اور پھر تشریف لے گئے۔

حضرات شافعیہ نے اس سے جماعت فی النوافل کے جواز پر استدلال کیا ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ جماعت نوافل عام حالات میں مکروہ تحریمی ہے، البتہ بغیر تداعی کے ہو تو جائز ہے۔ اور تداعی کی تفصیل یہ کی ہے کہ اگر امام کے علاوہ تین آدمی ہوں تو تداعی سمجھی جائے گی، یہاں چونکہ دو ہی آدمی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صرف دو تین واقعات ہیں۔ ایک یہ ہے اور ایک تہجد کی نماز میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تہجد کی نماز میں جا کے کھڑے ہو گئے تھے۔ تو دو سے زیادہ کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، اس واسطے حنفیہ کہتے ہیں کہ نوافل کی جماعت مکروہ تحریمی ہے۔ ۶۶۔

۶۵۔ وفی صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب جواز الجماعة فی النافلة والصلاة علی حصیر وخمرة، رقم: ۱۰۵۳، وسنن الترمذی، کتاب الصلاة، باب ماجاء فی الرجل یصلی ومعہ الرجال والنساء رقم: ۲۱۷، وسنن النسائی، کتاب الامامة، باب اذا کانوا ثلاثة وامرأة، رقم: ۷۹۲، وسنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب اذا کانوا ثلاثة کیف یقومون، رقم: ۵۱۷، ومسند أحمد، باقی مسند المکثرین، باب مسند أنس بن مالک، رقم: ۱۱۷۵۳، ۱۱۸۹۰، ۱۲۰۳۹، ۱۲۲۱۹، وموطأ مالک، کتاب النداء للصلاة، باب جامع مہجة الضحی، رقم: ۳۲۶، وسنن الدارمی، کتاب الصلاة، باب صلاة الرجل خلف الصف وحده، رقم: ۱۲۵۶۔

۶۶۔ ولا جماعة فیہ عندنا وکرہ له التداعی... وفسره الحلواني بما فوق الثلاث... فان قلت: ان صلاة الكسوف والاستسقاء والتراویح سنة فلزم أن لا تكون جماعة قلت: كان تلك مستتاة من ذلك على أنه صرح في الغاية بوجوب صلاة الكسوف.

فائدة: قال الفقهاء ان الجماعة في النوافل مكروهة الا في رمضان ولم يفهم مرادهم بعض الأغبياء فحمله على جواز الجماعة في النفل المطلق في رمضان مع أن مرادهم التراویح لا غير فافهمه فان العلم لا يتحصل الا بعد السير، فیض الباری ج: ۲، ص: ۳۳۲۔

(۲۱) باب الصلاة على الخمرة

خمرہ پر نماز پڑھنے کا بیان

۳۸۱۔ حدثنا أبو الوليد قال: حدثنا شعبة قال: سليمان الشيباني، عن عبد الله بن شداد عن ميمونة قالت: كان النبي ﷺ يصلي على الخمرة. [راجع: ۳۳۳]

(۲۲) باب الصلاة على الفراش

فرش پر نماز پڑھنے کا بیان

وصلى أنس فراشه وقال أنس: كنا نصلي مع النبي ﷺ فيسجد أحدنا على ثوبه.
 ۳۸۲۔ حدثنا إسماعيل قال: حدثني مالك عن أبي النضر مولى عمر بن عبيد الله، عن أبي سلمة بن عبد الرحمن، عن عائشة زوج النبي ﷺ أنها قالت: كنت أنام بين يدي رسول الله ﷺ ورجلاي في قبلته، فإذا سجد غمزني فقبضت رجلي، فإذا قام بسطتهما، قالت: والبيوت يومئذ ليس فيها مصابيح. [أنظر: ۳۸۳، ۳۸۴، ۵۰۸، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۹، ۹۹۷، ۱۲۰۹، ۶۲۷۶، ۶۷]

۳۸۳۔ حدثنا يحيى بن بكير قال: حدثنا الليث، عن عقيل عن ابن شهاب قال: أخبرني عروة أن عائشة أخبرته أن رسول الله ﷺ كان يصلي وهي بينه وبين القبلة، على فراش أهله اعتراض الجنابة. [راجع: ۳۸۲]

۳۸۴۔ حدثنا عبد الله بن يوسف قال: حدثنا الليث، عن يزيد، عن عراك، عن عروة أن النبي ﷺ كان يصلي وعائشة معترضة بينه، وبين القبلة على الفراش انوى ينأمان عليه [راجع: ۳۸۲]

منشأ حديث

یہ وہ معروف حدیث ہے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ اس حدیث کو لانے کا

۷۷۰ فی صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب الاعتراض بین یدی المصلی، رقم: ۷۹۶، و سنن النسائی، کتاب الطهارة، باب ترک الوضوء من مس الرجل امرأته من غیر شهوة، رقم: ۱۶۸، و مسند أحمد، باقی مسند الانصار، باب باقی المسند السابق، رقم: ۲۳۶۹۷، و موطأ مالک، کتاب النداء للصلاة، باب ماجاء فی صلاة اللیل، رقم: ۲۳۸.

منشأً یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے خود حضرت عائشہؓ کے بستر پر نماز پڑھی اور یہ فرمایا کہ اس وقت گھروں میں چراغ نہیں ہوتے تھے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت اندھیرا ہوتا تھا کہ مجھے پتہ نہیں چلتا کہ کب سجدہ کے لئے تشریف لائیں گے ورنہ میں خود پاؤں نہ پھیلاتی۔

اور یہ حدیث حنفیہ کی جانب سے مس امرأہ کے ناقض وضو نہ ہونے کی دلیل ہے۔ ۶۸۔

(۲۴) باب الصلوة فی النعال

جو تیوں کے ساتھ نماز پڑھنے کا بیان

ما قبل حدیث سے ”صلوة فی النعلین“ کا جواز معلوم ہوتا ہے اور نعلین سے مراد چپل ہیں اور جہاں تک بوٹ اور جوتے کا تعلق ہے تو ان میں نماز مکروہ ہے، کیونکہ اس میں پاؤں زمین پر نہیں لگتے۔

تو حضور اقدس ﷺ نے پہلے نعال میں نماز پڑھ کر بتا دیا کہ نعال میں نماز جائز اور مباح ہے۔ اگر نعال پاک ہوں تو بعض حضرات نے اس کو مستحب کہا ہے، بات دراصل یہ ہے کہ اصلاً یہ عمل جائز تھا اور ادب کے تحت کوئی شخص جوتے اتار کر نماز پڑھے تو یہ زیادہ اوفق بالتعظیم والادب ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ ”فَاَخْلَعْ نَعْلَيْكَ اِنَّكَ بِاَلْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى“ حکم تو دیا گیا تھا اس وجہ سے کہ یہ طریقہ زیادہ ادب اور اوفق بالتعظیم تھا لیکن یہودیوں نے سمجھا کہ یہ امر وجوب کے لئے ہے، لہذا انہوں نے کہہ دیا کہ ہر حالت میں جوتے پہن کر نماز پڑھنا حرام ہے۔ تو یہودی کی تردید کے لئے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ یہودیوں کی مخالفت کرو اور نعال میں نماز پڑھو، دراصل یہودی کی مخالفت بتانی مقصود تھی، یہ نہیں کہ اصلاً نعال میں پڑنا مستحب تھا بلکہ اس عارض کی وجہ سے آپ نے اسی کا حکم دیا تھا۔ اصل یہ ہے کہ وہ مباح ہے۔

اب اس کو واجب، مستحب یا مسنون سمجھنا اور اس کی تاکید یا اس کی ترغیب دینا، یہ اس پس منظر سے ناواقفیت کی دلیل ہے ”کَمَا يَفْعَلُهُ بَعْضُ النَّاسِ“۔

(۲۵) باب الصلاة في الخفاف

موزے پہنے ہوئے نماز پڑھنے کا بیان

۳۸۷۔ حدثنا آدم قال: حدثنا شعبة عن الأعمش قال: سمعت إبراهيم يحدث

۶۸ أن المرأة لا تبطل صلاة من صلى إليها، ولا من مروت بين يديه، وهو قول جمهور الفقهاء سلفاً وخلفاً. منهم أبو حنيفة و

مالك والشافعي، ومعلوم أن اعتراضها بين يديه أشد من مرورها الخ عمدة القاری ج: ۳، ص: ۳۴۳۔

عن همام بن الحارث قال: رأيت جرير بن عبد الله بال، ثم تروضا ومسح على خفيه، ثم قام فصلى، فستل فقال: رأيت النبي ﷺ صنع مثل هذا، قال إبراهيم: فكان يعجبهم لأن جريرا كان من آخر من أسلم. ۳۸۹

۳۸۸۔ حدثنا إسحاق بن نصر قال: حدثنا أبو أسامة، عن الأعمش، عن مسلم، عن مسروق، عن المغيرة بن شعبة قال: وضأت النبي ﷺ فمسح على خفيه وصلى. [راجع: ۱۸۲]

خفین پر مسح کا حکم

امام بخاری رحمہ اللہ نے موزے پہن کر نماز پڑھنے کے بارے میں باب قائم کیا جس میں حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے۔

اس کے آخر میں یہ ہے کہ علماء کرام کو حضرت جریر رضی اللہ عنہ کی حدیث پسند آتی تھی، کیونکہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے ہیں جو آخر میں اسلام لائے۔ مطلب یہ ہے کہ جو روافض مسح علی الخفین کی احادیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ سورہ مائدہ کی آیت وضو سے منسوخ ہیں، تو ان کا یہ قول باطل ہے، اس واسطے کہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ سورہ مائدہ کے نزول کے بعد آخر میں اسلام لائے۔ تو آیت وضو پہلے نازل ہو چکی تھی اور انہوں نے حضور ﷺ کو خفین پر مسح کرتے ہوئے دیکھا اور اس کے اوپر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔

(۲۶) باب: إذا لم يتم السجود

جب کوئی شخص سجدہ پورا نہ کرے

۳۸۹۔ أخبرنا الصلت بن محمد، أخبرنا مهدي عن واصل، عن أبي وائل، عن حذيفة أنه رأى رجلا لا يتم ركوعه ولا سجوده، فلما قضى صلاته قال له حذيفة: ما صليت؟ قال: وأحسبه قال: لو مت مت على غير سنة محمد ﷺ.

۳۸۹۔ وفي صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين، رقم: ۴۰۱، وسنن الترمذی، كتاب الطهارة عن رسول الله، باب في المسح على الخفين، رقم: ۸۶، وسنن النسائي، كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين، رقم: ۱۱۷، وسنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين، رقم: ۱۳۲، وسنن ابن ماجه، كتاب الطهارة وسننها، باب ماجاء في المسح على الخفين، رقم: ۵۳۶، ومسنند أحمد، أول مسند الكوفيين، باب ومن حديث جرير بن عبد الله عن النبي ﷺ: رقم: ۱۸۳۷۷.

[أنظر: ۸۰۸، ۷۹۱، ۷۰]

(۲۷) باب: یدی ضبعیة ویجافی فی السجود

سجدہ میں اپنے شانوں کو کھول دے اور اپنے دونوں پہلو علیحدہ رکھے

۳۹۰۔ أخبرنا یحییٰ بن بکیر قال: حدثنا بکیر بن مضر، عن جعفر، عن ابن هرمز، عن عبد الله بن مالک بن بحينة أن النبي ﷺ كان إذا صلى فرج بين يديه حتى يبدو بياض إبطيه. وقال الليث: حدثني جعفر بن ربيعة نحوه. [أنظر: ۸۰۷، ۸۰۸، ۳۵۶۲] ۷۱
یہاں دو باب ایک ساتھ ذکر کئے ہیں۔ دونوں ابواب کا مقصد الگ الگ ہے۔

سجدہ کی کیفیت کا بیان

پہلا باب اس بارے میں ہے کہ اگر کوئی شخص سجدہ تام نہ کرے یعنی اس میں تعدیل ارکان نہ ہو تو اس کی نماز تام نہیں ہوتی اور اس میں مشہور حدیث روایت کی ہے کہ حضرت حذیفہ ؓ نے ایک شخص کو دیکھا جو رکوع وسجود پورا نہیں کر رہا تھا۔ جب اس نے نماز پوری کی تو حضرت حذیفہ ؓ نے ان سے کہا کہ ”ماصلیت“ کہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔ قال: ”لومت مت علی غیر سنة محمد ﷺ“۔

اسی طرح دوسرے باب: ”باب یدی ضبعیہ ویجافی فی السجود“ میں یہ مسئلہ بیان ہوا ہے کہ جب آدمی سجدہ میں جائے تو اپنے بازوؤں کو باہر نکال لے اور اس کو اپنے پہلو سے الگ کر لے۔ تو اس میں حضرت عبد اللہ بن مالک بن بحینہ ؓ کی روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ جب نماز پڑھتے تھے تو ”فرج بین یدیه“ اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان فاصلہ رکھتے تھے۔ ”حتی یدو بیاض ابطیه“ یہاں تک کہ آپ کے ابطین مبارکتین کی سفیدی ظاہر ہوتی تھی۔

بلا مناسبت آنے والے دو باب

ان دونوں بابوں کا تراجم ابواب سے کوئی تعلق نظر نہیں آ رہا، اس واسطے کہ اب تک جو بات چل رہی تھی

۷۰۔ وفی مسند أحمد، ہالی مسند الأنصار، باب حدیث حذیفہ بن الیمان عن النبی، رقم: ۲۲۱۷۲، ۲۲۲۷۱۔

۷۱۔ وفی صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب ما یجمع صفة الصلاة وما یفتح به ویختم به الخ رقم: ۷۶۳، وسنن النسائی، کتاب التطبیق، باب صفة السجود، رقم: ۱۰۹۳، ومسند أحمد، ہالی مسند الأنصار، باب حدیث عبد الله بن مالک ابن

بحینة، رقم: ۲۱۸۳۵۔

وہ ستر عورت سے متعلق تھی اور آگے جو احادیث اور ابواب آرہے ہیں وہ استقبال قبلہ سے متعلق ہیں اور یہ دو باب بیچ میں آگئے۔ جن میں ”باب اذ لم یتم السجود“ میں گویا سجدہ کی کیفیت کا بیان ہے کہ سجدہ کس طرح ہونا چاہیے تو اس کا صحیح محل وہ ہے جو ابواب آگے آئیں گے اور جن میں صلوٰۃ اور سجدہ کی صفت کا بیان ہے وہاں پر یہ آنے چاہئیں اور وہاں یہ بعینہ آئے بھی ہیں، اس واسطے بعض حضرات نے یہ فرمایا کہ یہ نساخ کی غلطی ہے۔ کہیں غلط فہمی ہوئی ہے کہ وہاں سے یہ منتقل ہو کر یہاں آگئے ہیں۔ بعض حضرات نے کہا کہ نہیں یہ اپنی جگہ پر ہیں اور دو راز کا قسم کی توجیہات بیان کی ہیں کہ جس سے اس کا تعلق کچھ ستر عورت وغیرہ سے نکل آئے لیکن یہ توجیہات بہت دور کی ہیں، ایسے ہی ہیں جیسے۔

مگس کو باغ میں جانے نہ دینا

کہ ناحق خون پروانے کا ہوگا

تو اس قسم کی توجیہات کی گئیں ہیں جو خواہ مخواہ کی ہیں، اس میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ ظاہر یہ لگتا ہے کہ یہ غلطی نساخ سے ہوئی ہے۔ چنانچہ بعض بخاری کے نسخے ایسے ہیں کہ ان میں یہاں پر یہ دو باب نہیں ہیں اور آگے جا کر آئے ہیں، لہذا ظاہر یہی لگتا ہے کہ نساخ کی غلطی سے ایسا ہو گیا ہے۔

(۲۸) باب فضل استقبال القبلة

استقبال قبلہ کی فضیلت کا بیان

”قالہ أبو حمید عن النبی ﷺ“

۳۹۱۔ حدثنا عمرو بن عباس قال : حدثنا ابن المہدی قال : حدثنا منصور بن سعد ، عن میمون بن سیاہ ، عن أنس بن مالک ، قال : قال رسول اللہ ﷺ : (من صلی صلاتنا واستقبل قبلتنا وأکل ذبیحتنا فذلک المسلم الذی لہ ذمۃ اللہ وذمۃ رسولہ ، فلا تخفروا اللہ فی ذمۃ)۔ [أنظر: ۳۹۲، ۳۹۳]

۳۹۲۔ حدثنا نعیم قال : حدثنا ابن المبارک ، عن حمید الطویل ، عن أنس بن مالک قال : قال رسول اللہ ﷺ : (أمرت أن أقاتل الناس حتی یقولوا : لا إله إلا اللہ ، فإذا قالوها وصلوا صلاتنا ، واستقبلوا قبلتنا ، وذبحوا ذبیحتنا فقد حرمت علینا دماؤہم وأموالہم إلا بحقہا وحسابہم علی اللہ)۔ [راجع: ۳۹۱]

۳۹۳۔ وقال ابن أبی مریم : أخبرنا یحیی قال : حدثنا حمید قال : حدثنا

انس عن النبی ﷺ . وقال علي بن عبد الله : حدثنا خالد بن الحارث قال : حدثنا حميد قال : سأل ميمون بن سياه أنس بن مالك قال : يا أبا حمزة ، ما يحرم دم العبد وماله ؟ فقال : من شهد أن لا إله إلا الله واستقبل قبلتنا ، وصلى صلاتنا ، واكل ذبيحتنا فهو المسلم له ما للمسلم ، وعليه ما على المسلم ۲۰۔

نماز کی دوسری شرط استقبال قبلہ کا بیان

یہاں سے امام بخاری رحمہ اللہ نماز کی شرائط میں سے نماز کی دوسری شرط استقبال قبلہ کا بیان فرما رہے ہیں۔ ستر عورت کے ابواب ختم ہو گئے اور اب استقبال قبلہ کے متعلق ابواب شروع ہو رہے ہیں۔ استقبال قبلہ کی فضیلت کے بیان میں باب قائم کیا اور اس میں فرمایا ”یستقبل باطراف وجلیہ القبلة“ کہ اپنے پاؤں کی انگلیوں کو بھی قبلہ رخ کرے، یعنی آدمی کو چاہیے کہ وہ اپنے پاؤں کی انگلیوں کو بھی قیام میں اور رکوع و سجود میں قبلہ رخ کر لے۔ قیام میں کھڑا ہو تو بھی رجليں کی اصابع قبلہ کی جانب ہونی چاہئیں، لہذا اس طرح کھڑا ہونا چاہیے کہ انگلیوں کا رخ قبلہ کی جانب ہو۔ ”قالہ ابو حمید عن النبی ﷺ“۔

حضرت ابو حمید ساعدی ؓ نے یہ بات نبی کریم ﷺ سے روایت کی ہے اور آگے خود بھی آجائگی انشاء اللہ تو رکوع میں بھی اسی طریقے سے اور سجدہ میں بھی۔ سجدہ میں اس واسطے انگلیوں کو موڑنے کا حکم ہے کہ انگلیوں کو موڑ کر قبلہ رخ کر لیا جائے تاکہ جسم کے زیادہ سے زیادہ اعضاء کا رخ قبلہ کی طرف ہو۔

اسلام میں عہد و پیمان کی اہمیت

حضرت انس ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ”من صلی صلواتنا“ جو ہماری نماز پڑھے۔

”واستقبل قبلتنا“ اور ہمارے قبلہ کا استقبال کر لے: ”واكل ذبيحتنا“ اور ہمارا ذبیحہ کھائے۔ تو وہ مسلمان ہے۔ جس کے لئے اللہ اور رسول اللہ کا ذمہ ہے یعنی اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے اس کے خون، جان و مال عزت و آبرو کی ذمہ داری لی ہے۔

۲۰۔ وفی سنن الترمذی ، کتاب الايمان عن رسول الله ، باب ماجاء امرت ان اقاتل الناس حتى يقولوا لا اله الا الله الخ رقم: ۲۵۳۳ ، وسنن النسائی ، کتاب التحريم الدم ، رقم: ۳۹۰۳ ، وکتاب الايمان وشرائعه ، باب صفة المسلم ، رقم: ۳۹۱۱ ، وسنن أبي داؤد ، کتاب الجهاد ، باب علی ما یقاتل المشرکون رقم: ۲۲۷۱ ، ومسند أحمد ، بالفی المسند المکثرین ، باب بالفی المسند السابق ، رقم: ۱۲۵۸۳ ، ۱۲۸۶۹ ۔

”فلا تخفرو الله في ذمته“ لہذا اللہ تعالیٰ کی جو ذمہ داری ہے اس میں اس کی بے حرمتی نہ کرو۔

”لا تخفرو الله: اخفرو يخفر“ کے معنی اصل میں ہوتے ہیں بدعہدی کرنا۔

تو اللہ ﷻ کے ذمہ کی بدعہدی نہ کرو یعنی جب اللہ ﷻ نے ان کی جان، مال، عزت و آبرو کا تحفظ کیا ہے اور اس کو اپنی ذمہ داری قرار دیا ہے تو پھر اگر تم اس کی جان یا مال یا آبرو پر حملہ کرو گے تو وہ اللہ ﷻ کے ساتھ بدعہدی ہوگی، اللہ ﷻ کے عہد کو توڑنا ہوگا، اس لئے ایسا نہ کرو۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص ان ظاہری شعائر کے ذریعہ مسلمان نظر آ رہا ہو تو اس کو تم یہ نہ سمجھو کہ یہ منافق ہے کہ اس کو قتل کر دو یا اس کے مال کو چھین لو یا اس کی آبرو پر حملہ آدر ہو تو یہ جائز نہیں۔

یہاں اس حدیث کو لانے کا منشأ استقبال قبلہ کی فضیلت بیان کرنا ہے۔ ترجمۃ الباب بھی وہی قائم کیا ہے کہ ”باب فضل استقبال القبلة“۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

اس سے استقبال قبلہ کی فضیلت اس طرح نکل رہی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے استقبال قبلہ کو شعائر اسلام میں سے قرار دیا ہے اور مسلمان کی بنیادی علامتوں میں سے ایک علامت قرار دیا ہے، اُن علامتوں میں اس کا شمار کیا ہے جس کے ذریعہ مسلمان، مسلمان پہچانا جاتا ہے۔

معلوم ہوا کہ استقبال قبلہ ایک حکم تو ہے ہی، لیکن حکم ہونے کے ساتھ ساتھ یہ شعائر اسلام میں سے بھی ہے، جس کے ذریعے مسلمان کی پہچان ہوتی ہے۔ تو یہ استقبال قبلہ کی فضیلت پر دلالت کرتا ہے۔

حدیث باب کا صحیح مطلب و مفہوم

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ حدیث مبارک ”من صلی صلوٰتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا“۔

اس میں جو تین باتیں بیان کی گئی ہیں ان کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جو آدمی یہ تین کام کر لے تو وہ لازماً مسلمان ہوگا، چاہے دوسرے ضروریات دین کا انکار کرتا ہو، یہ مراد نہیں ہے، بلکہ مراد یہ ہے کہ یہ تین باتیں اس بات کی علامت ہیں کہ وہ ضروریات دین کا قائل ہے۔ تو جب تک اس کے خلاف کوئی بات ثابت نہ ہو۔ اس وقت تک ان علامتوں کو اس کے ضروریات دین کے قائل ہونے کی علامت سمجھا جائے گا اور اس پر مسلمان کے احکام جاری ہونگے۔

لیکن اس کے باوجود یہ مطلب نہیں کہ سارا دین ان تین چیزوں میں منحصر ہے اور اگر کوئی نماز پڑھے اور استقبال قبلہ کر لے اور مسلمانوں کا ذبیحہ کھائے تو وہ ہر حالت میں مسلمان ہے، چاہے وہ کھلم کھلا حضور ﷺ کی رسالت

کایا آخرت کا یا ملائکہ کا انکار کرے، مثلاً کوئی نماز تو پڑھ رہا ہے لیکن روزہ اور حج کا منکر ہے تو وہ مسلم نہ ہوگا۔

حدیث باب سے مرزائی اور منکرین حدیث کا باطل استدلال

لہذا اس حدیث کو جو قادیانیوں یا منکرین حدیث نے پیش کیا ہے اور اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ دیکھو حضور ﷺ تو فرماتے ہیں کہ جو کوئی نماز پڑھے اور ہمارے قبلہ کا استقبال کرے اور ذبیحہ کھائے تو وہ مسلمان ہے اور ہمیں خواہ مخواہ لوگ کافر کہتے ہیں۔ ہم تو نماز بھی پڑھتے ہیں۔ قادیانی جو ہیں نماز پڑھتے ہیں اور قبلہ کا استقبال بھی کرتے ہیں اور مسلمانوں کا ذبیحہ بھی کھاتے ہیں۔

منکرین حدیث بھی ایسے ہی ہیں لیکن ان پر کفر کا فتویٰ عائد کیا گیا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ دیکھو جی! باوجود ان تین چیزوں کی پابندی کے ہم پر کفر کا فتویٰ عائد کیا گیا ہے۔

اسلام اور کفر کا صحیح معیار

تو یہ فتویٰ اس لئے عائد کیا گیا ہے کہ یہ علامتیں ہیں، یہ جامع مانع تعریف نہیں ہے۔ مسلمانوں کی جامع مانع تعریف وہ ہے کہ جو دوسری احادیث (مسلم وغیرہ) میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمائی کہ ”ان یؤمنو بی وبما جنت بہ“ آدمی ہر اس چیز پر ایمان لائے جو میں لے کر آیا ہوں۔ تو جس چیز کا دین میں ہونا ضروریات دین میں سے ہے، اس میں سے کسی چیز کا انکار موجود ہے تو وہ موجب کفر ہوگا، چاہے یہ علامت اس میں پائی جا رہی ہو، کیونکہ علامت کے وجود سے ذوالعلامہ کا وجود لازم نہیں ہوتا۔ ۳۷

(۲۹) باب قبلۃ اهل المدينة و اهل الشام و المشرق،

مدینہ اور شام والوں کا قبلہ اور مشرق والوں کا قبلہ

لیس فی المشرق ولا فی المغرب قبلۃ لقول النبی ﷺ : (لا تستقبلوا القبلة

بغائط أو بول ، ولكن شرقوا أو غربوا)

اس باب کی تشریح میں شراح بخاری کافی حیران و پریشان اور سرگرداں ہوئے ہیں۔ اس واسطے کہ ترجمہ

الباب کا فقرہ کچھ عجیب و غریب قسم کا نظر آتا ہے، اس کی ترتیب کیا ہے؟ اور کیا مقصود ہے؟ یہ واضح نہیں ہوتا۔

اس واسطے لوگوں نے اس کی مختلف توجیہات کی ہیں۔

ترجمۃ الباب سے مقصود بخاری

پہلے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ترجمۃ الباب کے قائم کرنے سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ قبلہ سارے عالم کے لئے کسی ایک جہت میں واقع نہیں ہے یعنی یہ نہیں کہہ سکتے کہ قبلہ ہر جگہ مغرب میں ہے یا ہر جگہ مشرق میں ہے یا ہر جگہ شمال میں ہے۔ یا ہر جگہ جنوب میں ہے۔ بلکہ جہاں بھی انسان رہتا ہے۔ یا جہاں انسان موجود ہے اس سے قبلہ کسی جہت بھی ہو وہ قبلہ ہوگا یعنی کعبۃ اللہ جس جہت میں بھی ہو وہ قبلہ ہے، چاہے وہ مغرب میں ہو، مشرق میں ہو، شمال میں ہو یا جنوب میں ہو۔

اب ہمارے اطراف میں یہ قبلہ مغرب میں ہے اور مدینہ طیبہ میں جنوب میں ہے، یورپ چلے جاؤ تو وہاں مشرق میں ہے۔ امریکہ چلے جاؤ تو وہاں شمال مشرق میں ہے۔ اگر کوئی افریقہ کی طرف چلا جائے تو وہاں سے قبلہ شمال میں ہوگا۔

اس واسطے ہر جگہ کا قبلہ اور اس کی جہت مختلف ہو سکتی ہے۔ اصل مقصود ترجمۃ الباب کے قائم کرنے سے یہ بیان کرنا ہے، جو اس ترجمۃ الباب کی صحیح تشریح ہے۔

علامہ ابن بطل رحمہ اللہ کی توجیہ

اب یہ مقصد کس طرح حاصل کیا جائے، اس میں ایک توجیہ تو علامہ ابن بطل رحمہ اللہ نے کی ہے۔ علامہ ابن بطل رحمہ اللہ بڑے فاضل بزرگ اور مالکی عالم ہیں اور بخاری کے بہترین شارح ہیں، لیکن اس جگہ انہوں نے ایسی توجیہ کی ہے کہ تمام شارح نے اس توجیہ کی تردید کی ہے۔

ابن بطل رحمہ اللہ نے جو راستہ اختیار کیا ہے وہ یہ کہ ”اہل الشام والمشرق“ سے ساری دنیا کے مشرق والے مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ دنیا میں ہر جگہ مشرق یا مغرب کی طرف رخ کر کے قضاء حاجت جائز ہے، سوائے ان مقامات کے جو مکہ مکرمہ میں مشرق سے مغرب کی طرف جانے والے خط پر واقع ہوں، کہ ان کے لئے قضاء حاجت کے وقت مشرق یا مغرب کی طرف رخ کرنا جائز نہ ہوگا، کیونکہ قبلہ عین مشرق یا عین مغرب میں ہوگا، لہذا ترجمۃ الباب میں ان بلاد کا ذکر ہے جو اس خط پر واقع نہ ہوں، لیکن اس توجیہ کو اس لئے درست قرار نہیں دیا گیا کہ ترجمۃ الباب ان بلاد پر منطبق نہیں ہوتا، جو مکہ مکرمہ کے خط مشرق و مغرب پر واقع ہوں۔

صحیح توجیہ

اس کی صحیح تشریح علامہ عینی اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ نے بیان فرمائی ہے کہ اس کی دو توجیہ ہو سکتی ہیں:

پہلی توجیہ:- پہلی توجیہ یہ ہے کہ ”باب“ یہ توین کے ساتھ ہے۔ یہ ”باب“ مابعد کے لئے مضاف نہیں ہے۔ بلکہ ”باب“ متون ہے اور مستقل جملہ ہے کہ ”ہذا باب“ اور عبارت یہ ہے کہ ”قبلہ اهل المدينة و اهل الشام و المشرق ليس في المشرق و لافي المغرب“۔
اور آخر میں جو ”قبلہ“ لکھا ہے یہ لفظ ”قبلہ“ غلط ہے۔
چنانچہ بعض نسخوں میں یہ لفظ ”قبلہ“ یہاں پر موجود نہیں ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے کہ ”باب قبلہ اهل المدينة و اهل الشام و المشرق ليس في المشرق و لافي المغرب“۔
تو ”قبلہ اهل المدينة و اهل الشام و المشرق“ مبتدا ہے، اور ”ليس في المشرق و لافي المغرب“ اس کی خبر ہے۔

کیا معنی کہ اہل مدینہ، اہل شام اور اہل مشرق کا قبلہ نہ مشرق میں ہے نہ مغرب میں ہے، اہل مدینہ کا قبلہ اور اہل شام کا قبلہ اور تمام اہل مشرق اس لئے کہا کہ مدینہ منورہ سے جتنے بھی ملک مشرق کی جانب واقع ہیں مسلمانوں کی زیادہ آبادی اسی مشرق کی طرف تھی، اگرچہ مغرب کا بھی حکم یہی ہے، لیکن مغرب میں چونکہ زیادہ تر مسلمان آباد نہیں تھے، بلکہ زیادہ تر مسلمان مشرق کی سمت میں تھے، اس واسطے خاص طور سے مشرق کا ذکر کر دیا اور مغرب کا ذکر نہیں کیا ورنہ حکم اس کا بھی یہی ہے، چاہے قبلہ ہوا اہل مدینہ کا، یا اہل شام کا، یا اہل مشرق کا۔ وہ نہ مشرق میں ہے نہ مغرب میں ہے یعنی دائیہ نہیں کہہ سکتے کہ ہر آدمی کا قبلہ مشرق میں ہے یا ہر ایک کا مغرب میں ہے بلکہ ان سب حضرات کا جو قبلہ ہے، مثلاً اہل مدینہ کا جنوب میں ہے، اہل شام کا بھی جنوب میں ہے، اہل مشرق میں جو لوگ سیدھے مشرق میں رہتے ہیں یعنی مکہ مکرمہ سے تو ان کا قبلہ مغرب میں ہوگا جیسے ہم لوگ اور اگر کوئی دائیں بائیں ہٹ گیا ہے تو اسی حساب سے اس کا قبلہ بنے گا، کہیں شمال مغرب، کہیں جنوب مغرب۔
تو اس توجیہ کا حاصل یہ ہے ”باب“ متون ہے اور آخر میں جو ”قبلہ“ کا لفظ لکھا ہوا ہے وہ غلط ہے کسی کاتب کی غلطی ہے۔

اور ”قبلہ اهل المدينة و اهل الشام و المشرق“ مبتدا ہے۔

اور ”ليس في المشرق و لافي المغرب“ اس کی خبر ہے۔

دوسری توجیہ:- دوسری توجیہ یہ ہے کہ ”باب“ متون نہیں ہے بلکہ یہ مضاف ہے مابعد کی طرف اور آخر میں ”قبلہ“ کا لفظ صحیح ہے۔ تو تقدیر عبارت یوں ہے کہ:

”باب قبلہ اهل المدينة و اهل الشام و المشرق“ یعنی ”ہذا باب قبلہ اهل المدينة

و اهل الشام و المشرق“ یہ باب قبلہ کے بیان میں ہے، یہ باب کا عنوان قائم کر دیا۔ ۴۷

آگے جیسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ ہوتا ہے کہ ترجمۃ الباب میں کوئی حکم شرعی بھی بیان کر دیتے ہیں تو اس حکم شرعی کے بیان کرنے کے طور پر آگے کہہ دیا کہ ”لیس فی المشرق ولا فی المغرب قبلۃ“ کہ مشرق میں یا مغرب میں قبلہ نہیں ہے، بلکہ اصل اعتبار اس کا ہے کہ مصلیٰ سے کعبہ کس جہت میں واقع ہے، جس جہت میں بھی واقع ہو وہاں قبلہ ہو جائیگا۔

تو اس صورت میں باب کا عنوان پورا ہوا۔ ”باب قبلۃ اهل المدينة و اهل الشام و المشرق“۔

آگے پھر یہ قاعدہ بیان کر دیا کہ نہ مشرق میں کوئی قبلہ ہے نہ مغرب میں ہمیشہ کوئی قبلہ ہے بلکہ ہر جگہ کے مناسب اس جگہ کی جہت کے اعتبار سے ہوگا۔ یہ دوسری توجیہ ہے اور یہ دونوں تو جیہیں ٹھیک ہیں اور صحیح تو جیہات یہ دو ہی ہیں اور مقصود بھی یہی ہے کہ دائمی اور ابدی طور پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ساری دنیا کے لئے قبلہ کسی خاص ایک جہت میں ہے، بلکہ ہر جگہ کے لحاظ سے قبلہ کی جہت بدلتی رہتی ہے:

”لقول النبی ﷺ لا تستقبلوا القبلة بغائط أو بول“۔

اس واسطے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ غائط اور بول کے وقت میں استقبال قبلہ نہ کرو۔

”ولكن شرّقوا أو غرّبوا“

لیکن یا مشرق کا رخ کرو یا مغرب کا۔ تو مقصود ہے استنجا کے وقت میں کعبہ کے استقبال و استدبار سے ممانعت کرنا کہ کعبہ کا استقبال و استدبار نہ کرو، اور پھر کہا گیا کہ مشرق کا رخ کرو یا مغرب کا۔ تو معلوم ہوا کہ مشرق و مغرب کی جہت میں قبلہ نہیں ہے کیونکہ اگر مشرق و مغرب میں قبلہ ہوتا تو آنحضرت ﷺ اس کی طرف استنجا کے وقت میں رخ کرنے کی اجازت نہ دیتے، کیونکہ آپ نے خود استنجا کے وقت میں استقبال قبلہ کی ممانعت فرمائی۔ آگے حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے۔

۳۹۴۔ حدثنا علي بن عبد الله قال: حدثنا سفيان قال: حدثنا الزهري عن عطاء ابن

يزيد عن أبي أيوب الأنصاري أن النبي ﷺ قال: (إذا أتيتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة ولا تستدبروها، ولكن شرّقوا أو غرّبوا)

قال أبو أيوب: فقد منا الشام فوجدنا مراحيض بنيت قبل القبلة فنحنرف ونستغفر

الله تعالى. وعن الزهري، عن عطاء، قال: سمعت أبا أيوب عن النبي ﷺ مثله. [راجع: ۱۴۳]

اس میں جو اختلاف فقہاء کرام ہے وہ تفصیل سے ترمذی شریف میں مذکور ہے، اور اس میں یہی ہے کہ

”ولكن شرّقوا أو غرّبوا“۔

(۳۰) باب قوله تعالى:

﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾ [البقرة: ۱۲۵]

اللہ جلّ جلالہ کا فرمانا کہ مقام ابراہیم کو مصلی بناؤ

تشریح باب

یہ باب بھی بظاہر استقبال قبلہ کے متعلق معلوم نہیں ہوتا، کیونکہ یہاں یہ کہا جا رہا ہے کہ مقام ابراہیم پر نماز پڑھو، اور طواف کے بعد وہاں پر نماز پڑھی جاتی ہے، لیکن یہاں امام بخاری رحمہ اللہ اس باب کو اس لئے لائے ہیں کہ اس آیت کریمہ کی ایک تفسیر بعض حضرات نے یہ فرمائی ہے کہ مقام ابراہیم سے مراد پورا حرم ہے، کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وہاں کھڑے ہو کر بیت اللہ کی تعمیر کی تھی، لہذا وہ خاص پتھر مراد نہیں ہے بلکہ پورا حرم مراد ہے اور ”مصلی“ سے مراد قبلہ ہے۔ معنی یہ ہے کہ مقام ابراہیم کو یعنی حرم کو قبلہ بناؤ۔ تو اس آیت کریمہ کی ایک تفسیر تو یہ ہے کہ یہ استقبال قبلہ کا حکم دینے کیلئے آئی ہے اور مقام ابراہیم سے مراد حرم ہے اور ”مصلی“ سے مراد قبلہ ہے، لہذا مطلب یہ ہے کہ مقام ابراہیم کو قبلہ بناؤ، حرم کو قبلہ بناؤ۔ اگرچہ مشہور تفسیر وہی ہے کہ مقام ابراہیم سے مراد پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ شریف کی تعمیر کی تھی اور وہ اب بھی موجود ہے، اور اسی جگہ پر ہے جہاں آپ ﷺ نے رکھا تھا۔ ۵۔

طواف کے بعد نماز کا حکم

مقام ابراہیم پر طواف کے بعد نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے کہ طواف کے بعد کی دو رکعتیں واجب طواف ہیں، معروف تفسیر یہی ہے اور اس معروف تفسیر کے مطابق آگے جو حدیث آئی ہے وہ اسی کے مطابق لائے ہیں۔

لیکن اس معروف تفسیر کے مطابق سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ استقبال قبلہ سے اس کا کوئی واضح جوڑ نظر نہیں آتا، البتہ ایک مخفی قسم کا جوڑ ہے اور وہ یہ کہ وہاں مقام ابراہیم پر طواف کے بعد جو نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اس

۵۔ وهذاها على أن المراد بمقام إبراهيم الحجر الذي فيه أثر قدمه هو موجود الى الآن، وقال مجاهد: المراد بمقام

کا طریقہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ مصلیٰ اس طرح نماز پڑھے کہ مقام ابراہیم اس کے اور کعبہ کے درمیان آجائے۔
تو جب مقام ابراہیم کو درمیان میں لے کر نماز پڑھے گا تو استقبال قبلہ کا ہوگا تو ”واتخذوا من مقام ابراہیم
مصلیٰ“ سے لازمی طور پر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قبلہ کا استقبال کرنا چاہیے، اس لحاظ سے اس کو باب سے
مناسبت ہے۔

۳۹۵۔ حدثنا الحمیدی قال : حدثنا سفیان قال : حدثنا عمرو بن دينار
قال : سألنا ابن عمر عن رجل طاف بالبيت العمرة ولم يطف بين الصفا والمروة ،
أيأتي امرأته ؟ فقال : قدم النبي ﷺ فطاف بالبيت سبعا و صلى خلف المقام ركعتين ،
و طاف بين الصفا والمروة ، وقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة . [أنظر :
۱۶۲۳، ۱۶۲۷، ۱۶۳۵، ۱۶۳۷، ۱۶۹۳]

۳۹۶۔ و سألنا جابر بن عبد الله فقال : لا يقربنها حتى يطوف بين الصفا و
المروة . [أنظر : ۱۶۲۳، ۱۶۲۶، ۱۶۹۳] ۷۶

عمرہ کی ادائیگی میں سعی سے پہلے جماعت کا حکم

عمرو بن دينار رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک شخص کے بارے میں پوچھا
جس نے عمرہ کے لئے بیت اللہ شریف کا طواف کر لیا تھا یعنی اس نے عمرہ کا احرام باندھا تھا اور بیت اللہ کا طواف
کر لیا ”ولم يطف بين الصفا والمروة“ لیکن صفا اور مروہ کے درمیان ابھی سعی نہیں کی۔

”ایسا ہی امراتہ :“ تو کیا اس حالت میں جبکہ طواف کر چکا ہے ابھی سعی نہیں کی اپنی بیوی کے پاس
جاسکتا ہے؟ یعنی اگر کوئی اتنا جلد باز آدمی ہو کہ اس کو سعی کرنے کا بھی انتظار نہ ہو اور طواف کر کے ہی جماعت کرنا
چاہتا ہے، آیا اس کے لئے ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ حرم میں
تشریف لائے۔

”فطاف بالبيت سبعا“ : سات چکر بیت اللہ کے لگائے۔ ”وصلی خلف المقام ركعتين“
مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھی یہ ہے موضع ترجمہ کہ اس سے استقبال قبلہ لازم آیا۔
”وطاف بين الصفا والمروة“ : پھر آپ نے سعی فرمائی۔

۷۶ ولی صحیح مسلم، کتاب الحج، باب ما یلزم من احرام بالحج ثم قدم مكة من الطواف، رقم: ۲۱۷۲، وسنن
النسائی کتاب مناسک الحج، باب طواف من اهل بعمرۃ، رقم: ۲۸۸۱، ومسند أحمد، باقی مسند الکمثرین، باب
مسند جابر بن عبد اللہ رقم: ۱۳۷۹۷۔

تو مطلب یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے دونوں کے درمیان کوئی فصل نہیں کیا اور عمرے کی تکمیل سعی پر ہوئی۔

”لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة و سألنا الخ“ یعنی یہ ہی مسئلہ (مذکورہ) عمرو بن دینار نے جابر بن عبد اللہ ﷺ سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ”لایقربنہا“ اس کے قریب بھی نہ جائے جب تک کہ صفا و مروہ کی سعی نہ کر لے۔ چنانچہ اس بات پر تمام فقہاء متفق ہیں کہ عمرے کی تکمیل سے پہلے جماعت جائز نہیں ہے۔

۳۹۷۔ حدثنا مسدد قال : حدثنا يحيى، عن سيف، قال : سمعت مجاهداً قال : أتى ابن عمر ف قيل له : هذا رسول الله ﷺ دخل الكعبة، فقال ابن عمر : فأقبلت والنبي ﷺ قد خرج وأجد بلائاً قائماً بين البابين ، فسألت بلالاً فقلت : أصلى النبي ﷺ في الكعبة ؟ قال : نعم ، ركعتين بين الساريتين على يساره اذا دخلت ، ثم خرج فصلى في وجه الكعبة ركعتين . [أنظر : ۴۶۸، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۱۱۶۷، ۱۵۹۸، ۱۵۹۹، ۲۹۸۸، ۴۲۸۹، ۴۴۰۰]

حدیث کا ترجمہ

”أتی ابن عمر ف قيل له : هذا رسول الله ﷺ دخل الكعبة“ یعنی حضرت عبد اللہ بن عمر ﷺ کے پاس کچھ لوگ آئے اور ان سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کعبہ میں داخل ہوئے ہیں یعنی کسی نے آکر ابن عمر ﷺ کو خبر دی کہ آپ یہاں بیٹھے ہیں اور حضور اکرم ﷺ تو کعبہ میں تشریف لے گئے ہیں۔

تو ابن عمر ﷺ کہتے ہیں کہ میں کعبہ کی طرف آیا جبکہ آپ ﷺ کعبہ سے نکل چکے تھے تو میں نے حضرت بلال ﷺ کو دیکھا کہ وہ دونوں دروازوں کے درمیان کھڑے ہیں یعنی دروازے کے دونوں کواڑوں کے درمیان، تو میں نے حضرت بلال ﷺ سے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ نے کعبے میں نماز پڑھی تو انہوں نے کہا کہ ہاں دو رکعتیں پڑھی ہیں اور جب آپ کعبہ میں داخل ہوں تو آپ کے بائیں طرف جو دو ستون ہیں ان کے درمیان یہ دو رکعت پڑھی ہیں۔

”ثم خرج فصلى في وجه الكعبة ركعتين“ یعنی پھر باہر نکلنے کے بعد آپ ﷺ نے کعبہ کے موابہ میں استقبال قبلہ کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں۔

روایات میں تعارض

یہاں اس مذکورہ روایت میں یہ مذکور ہے کہ حضرت بلال ﷺ نے آپ ﷺ کی رکعتوں کی تعداد بھی

عبداللہ بن عمر ؓ کو بتادی کہ دو رکعتیں پڑھی ہیں، لیکن زیادہ تر روایات میں آیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت بلال ؓ سے یہ تو پوچھا تھا کہ کیا آپ ؓ نے نماز پڑھی یا نہیں لیکن کتنی رکعت پڑھی یہ میں نے حضرت بلال ؓ سے نہیں پوچھا تھا، لہذا بظاہر اس مذکورہ حدیث کا ان روایات سے تعارض معلوم ہوتا ہے۔

روایتوں میں تطبیق

ان روایات میں اگرچہ بظاہر تعارض معلوم ہو رہا ہے لیکن دونوں میں تطبیق اس طرح ہے کہ جن روایات میں ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے حضرت بلال ؓ سے یہ پوچھا کہ آپ ؓ نے کعبہ کے اندر نماز پڑھی ہے؟ تو حضرت بلال ؓ نے اشارہ کر کے یعنی سر ہلا کر اور ہاتھ کا اشارہ کر کے جواب دیا کہ ہاں پڑھی ہے، تو اگرچہ زبان سے دو رکعت کا لفظ تو نہیں کہا لیکن اشارہ کر کے بتلادیا کہ دو رکعتیں پڑھی ہیں اور یہاں اس اشارے کو لفظوں میں بیان کر دیا۔

اور جس حدیث میں یہ آیا ہے کہ میں نے رکعتوں کے بارے میں سوال نہیں کیا تھا، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ لفظوں میں سوال و جواب نہیں ہوئے یعنی یہ نہیں ہوا کہ میں نے لفظوں میں پوچھا ہو کہ آپ ؓ نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں تو انہوں نے کہا ہو کہ دو رکعتیں پڑھی ہیں۔ ایسا نہیں ہوا۔

۳۹۸۔ حد ثنا إسحاق بن نصر قال: حدثنا عبد الرزاق قال: أخبرنا ابن جريج، عن عطاء قال: سمعت ابن عباس قال: لما دخل النبي ﷺ البيت دعا في نواحيه كلها ولم يصل حتى خرج منه فلما خرج ركع ركعتين في قبل الكعبة و قال: (هذه القبلة) [انظر: ۱۶۰۱، ۳۳۵۱، ۳۳۵۲، ۳۲۲۸] ۷۷

اس مذکورہ روایت میں حضرت عبداللہ بن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ آپ ؓ نے بیت اللہ شریف میں نماز نہیں پڑھی۔

تعارض

ما قبل میں روایت گزری ہے کہ جس میں حضرت بلال ؓ کہتے ہیں آپ ؓ نے بیت اللہ میں نماز پڑھی ہے جبکہ حضرت اسامہ ؓ اور عبداللہ بن عباس ؓ کہتے ہیں کہ آپ ؓ نے نماز نہیں پڑھی، لہذا اس سے روایات میں تعارض واقع ہو رہا ہے۔

۷۷ وفی صحیح مسلم، کتاب الحج، باب استحباب دخول الکعبۃ للحاج وغیرہ والصلاۃ فیہا، رقم: ۲۳۶۳، وسنن النسائی، کتاب مناسک الحج، باب الکبیر فی نواحی الکعبۃ، رقم: ۲۸۶۳، وسنن أبی داؤد، کتاب المناسک، باب الصلاة فی الکعبۃ، رقم: ۱۷۳۲، ومسند أحمد، ومن مسند بنی هاشم، باب بدایۃ مسند عبد اللہ بن العباس، رقم: ۲۳۳۱.

جواب تعارض

اس مذکورہ تعارض کا جواب یہ ہے کہ جہاں تک حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے تو ان کے بارے میں یہ بات روایات سے ثابت ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پانی لانے کے لئے کعبہ سے باہر بھیج دیا تھا، لہذا یہ کچھ دیر کے لئے باہر چلے گئے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی غیر موجودگی میں نماز پڑھ لی اور ان کو پتہ نہیں لگ سکا۔

اس کے علاوہ جہاں تک حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا معاملہ ہے تو ان کے بارے میں یہ بات صراحت سے نہیں ملتی کہ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اندر گئے تھے، لیکن اگر ترجیح کا طریقہ اختیار کیا جائے تو ”المثبت مقدم علی النافی“ اور اگر تطبیق کا طریقہ اختیار کیا جائے تو بعض حضرات نے یہ فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا دخول کعبہ دومرتبہ ہوا ہے، ایک فتح مکہ کے موقع پر اور دوسرا حجة الوداع کے موقع پر۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب فتح مکہ کے موقع پر کعبہ میں داخل ہوئے تو نماز پڑھی تھی، اسی کا ذکر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا اور حجة الوداع کے وقت جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں داخل ہوئے تو نماز نہیں پڑھی تھی، اور اس کا ذکر عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کو علامہ عینی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔ ۸۷ اور اس میں یہ سب تفصیل موجود ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی لیکن جب دوسری مرتبہ داخل ہوئے تو نماز نہیں پڑھی بلکہ صرف تکبیر فرمائی۔ لہذا اگر یہ روایت ثابت ہو تو اس سے یہ اشکال بالکل رفع ہو جاتا ہے۔

(۳۱) باب التوجہ نحو القبلة حیث کان

جہاں بھی ہو قبلہ کی طرف منہ کرنے کا بیان

وقال أبو هريرة: قال النبي ﷺ: (استقبل القبلة وكبر)

۸۷ وقال بعض العلماء به يحتمل أنه ﷺ دخل البيت مرتين، فمرة صلى فيه، ومرة دعا فلم يصل، ولم تتضاد الاخبار، قلت: روى الدارقطني: من حديث ابن عباس قال: دخل رسول الله ﷺ البيت فصلى بين السارين ركعتين ثم خرج فصلى بين الباب والحجر ركعتين، ثم قال: هذه القبلة، ثم دخل مرة أخرى فقام فيه يدعو ثم خرج ولم يصل كما رواه الدارقطني في مسنده ج: ۲، ص: ۵۲، باب صلاة النبي ﷺ في الكعبة واختلاف الروايات فيه، رقم: ۳، دار النشر دار المعرفة، بيروت، سنة النشر، ۱۳۸۶، ۱۹۶۶ء.

ترجمة الباب کا مطلب

”التوجه نحو القبلة حيث كان“ یعنی قبلہ کی طرف رخ کرنا جہاں بھی آدمی ہو۔ اس کے

دو مطلب ہیں:

ایک تو یہ ہے کہ انسان دنیا میں جس جگہ بھی ہو، اس کو قبلہ کی طرف رخ کرنا چاہیے ﴿وحيث ما

كنتم فولوا وجوهكم شطره﴾

دوسرا مطلب یہ ہے کہ نفل پڑھنے کے وقت یعنی جب دابہ پر نفل پڑھ رہا ہے تو چاہے کسی طرف بھی ہو یا اس کے علاوہ کسی ایسی حالت میں ہے کہ جس میں استقبال قبلہ معذور ہے تو آدمی جس طرف بھی رخ کر کے نماز پڑھے اس کی نماز ہو جائے گی، لیکن اس کی نیت و توجہ قبلہ کی طرف ہونی چاہیے، اگرچہ قبلہ اس کی جہت مقابل میں موجود نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ سفر کی نفلی نماز کے اندر استقبال قبلہ ضروری نہیں ہوتا، البتہ دل اس کا قبلہ کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔

”وقال أبو هريرة: قال النبي ﷺ استقبال القبلة وكبر“ یعنی ابو ہریرہؓ کا قول نقل

کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قبلہ کا استقبال کرو اور تکبیر کہو یعنی وہ شخص جو ”مسی فی الصلوة“ تھا جس نے نماز میں گڑبڑ کی تھی تو جب آپ ﷺ نے اس کو نماز کی تعلیم دی تو سب سے پہلے یہ فرمایا کہ قبلہ کا استقبال کرو اور تکبیر کہو۔

فرائض میں استقبال قبلہ حالت سفر میں بھی ضروری ہے

آپ ﷺ اپنی راحلہ پر نفلی نماز پڑھتے رہتے تھے چاہے وہ جس طرف بھی رخ کرے، لیکن جب آپ ﷺ فریضے کا ارادہ فرماتے تو راحلہ سے اتر کر باقاعدہ استقبال کرتے۔ معلوم ہوا کہ فرائض میں استقبال قبلہ حالت سفر میں بھی فرض ہے، البتہ نوافل میں جبکہ آدمی سواری پر سفر کر رہا ہو تو اس صورت میں استقبال قبلہ کی فرضیت باقی نہیں رہتی، اور جو حکم دابہ کا ہے وہی پہیوں والی سواری کا بھی ہے یعنی بس، ریل، کار وغیرہ، تو اس میں نفلی نماز آدمی کے لئے اشارے سے بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے۔

حالت سفر ہو یا حضر نفلی نماز سواری پر پڑھ سکتے ہیں

امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اجازت صرف حالت سفر کے اندر ہے اور اگر آدمی

حضر میں ہو تو پھر اجازت نہیں ہے۔ ۹۷

امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مصر ہو یا غیر مصر، سفر ہو یا حضر، نفلی نماز ہر حالت میں دابہ پر پڑھنا

موضع ترجمہ

حدثنا عثمان عن علقمه قال لا أدري زاد أو نقص فلما سلم قيل له: يا رسول الله أحدث في الصلاة شيء؟ قال: (وما ذاك؟) قالوا: صليت كذا وكذا، فثنى رجله واستقبل القبلة وسجد سجدتين الخ

اس روایت میں ”ثنی رجله واستقبل القبلة“ یہ جملہ موضع ترجمہ ہے اور اسی کی وجہ سے یہاں پر اس حدیث کو لائے ہیں۔

اس روایت میں ایک مشہور واقعہ مذکور ہے کہ حضور اقدس ﷺ سے نماز میں بھول ہو گئی تھی تو آپ نے دو سجدے ہو کے فرمائے اور پھر سلام پھیر لیا۔

یہاں اس روایت میں سجدہ سہو قبل السلام ہے اور اسی پر شافعیہ کا عمل ہے، اور بعض روایات میں سجدہ سہو بعد السلام ہے اور حنفیہ اس پر عمل کرتے ہیں، دونوں طریقے جائز ہیں۔

فلیتحر الصواب

”فلیتحر الصواب“ یعنی جب کسی کو نماز میں شک ہو جائے تو تحریر کرے اور یہی حنفیہ کا مسلک ہے، البتہ امام شافعی رحمہ اللہ تحریر کے قائل نہیں ہیں اور کہتے ہیں کہ مصلیٰ ہر حال میں بنا علی الاقل کرے۔ ۸۳

عصمت کا مطلب

تحریر کے مسئلہ میں بعض احناف کی شوافع کے خلاف دلیل یہ ہے کہ اولاً پہلا کام یہ ہے کہ آدمی تحریر کرے کیونکہ نسیان امور طبعیہ میں سے ہے، لہذا جس طرح بیماری عصمت انبیاء کے منافی نہیں ہے اسی طرح نسیان بھی عصمت انبیاء کے منافی نہیں ہے، خطا ہو سکتی ہے لیکن خطا پر برقرار نہیں رکھا جاتا، بتا دیا جاتا ہے اور یہ گناہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ گناہ وہ ہوتا ہے کہ جو جان بوجھ کر کیا جائے۔

لہذا عصمت کا مطلب یہ ہے کہ گناہ کا صدور انبیاء کرام علیہم السلام سے نہیں ہو سکتا، البتہ خطا اور نسیان دونوں ہو سکتے ہیں، لیکن اس پر برقرار نہیں رکھا جاتا۔ ۸۴

۸۳ وقصد الصواب في البناء على غالب الظن عند أبي حنيفة وعند الشافعي: الاخذ باليقين، عمدة القاری ج: ۳، ص: ۳۷۸.

۸۴ ومنها: أن فيه جواز النسيان في الأفعال على الأنبياء عليهم الصلاة والسلام واتفقوا على أنهم لا يقرون عليه بل يعلمهم الله تعالى به، عمدة القاری ج: ۳، ص: ۳۷۹.

(۳۲) باب ماجاء في القبلة ، ومن لم ير إلا عادة على

من سها فصلى إلى غير القبلة

قبلہ کے متعلق جو منقول ہے اور جنہوں نے بھول کر غیر قبلہ کی طرف نماز

پڑھنے والے کے لئے اعادہ ضروری خیال نہیں کیا

وقد سلم النبي ﷺ في ركعتي الظهر وأقبل على الناس بوجه ثم أتم ما بقي:

مندرجہ بالا باب کا پہلا حصہ قبلہ کے بیان میں ہے اور اس کے ساتھ پھر یہ بھی ذکر ہے کہ جو شخص بھول کر غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھ لے تو اس پر اعادہ واجب نہیں ہے۔

مختلف فی مسئلہ

مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص جنگل میں ہے اور اسے قبلہ کا پتہ نہیں چل رہا تو حکم یہ ہے کہ تحری کرے اور تحری کرنے کے نتیجے میں اگر ذہن کا خیال اس طرف آیا کہ قبلہ اس طرف ہے، لہذا اس نے تحری کے مطابق نماز پڑھ لی، لیکن جب نماز ختم کر چکا تو بعد میں پتہ چلا کہ قبلہ تو مخالف سمت میں تھا تو اب آیا وہ پہلی نماز ہو گئی یا اس کا اعادہ واجب ہے؟

احناف کا قول و امام بخاری رحمہ اللہ کا مسلک

مذکورہ مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نماز ہو گئی ہے، اعادہ واجب نہیں ہوگا اور یہی امام بخاری رحمہ اللہ

کا مسلک ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر تحری کرنے کے بعد یقینی طور پر یہ بات معلوم ہو گئی کہ میں نے غلط

رخ پر نماز پڑھی تھی اور قبلہ مخالف سمت میں تھا تو وقت کے اندر اس پر اعادہ واجب ہے اور اگر وقت گزر چکا ہو تو

اس پر اعادہ نہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر یقین سے غلطی واضح ہو گئی تو اعادہ واجب ہے، اور بظاہر ان کے

نزدیک وقت کے بعد غلطی واضح ہونے پر بھی اعادہ واجب ہے۔ ۸۵۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال

امام بخاری رحمہ اللہ و احناف کا قول یہ تھا کہ تحری کے ذریعہ جو نماز پڑھی گئی ہے چاہے اس کی خطا یقینی طور پر ظاہر ہو جائے تب بھی جو نماز پڑھی ہے وہ نماز ہو گئی ہے، لہذا اس کا اعادہ ضروری نہیں اور اس قول کی تائید میں امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ تعلیق نقل کی ہے کہ ”وقد سلم النبي ﷺ في ركعتي الظهر وأقبل على الناس بوجهه ثم أتم ما بقي“ یعنی حضور اقدس ﷺ نے ظہر کی رکعتوں میں دو رکعتوں پر سلام پھیر دیا تھا یہ سمجھتے ہوئے کہ چار پوری پڑھ لی ہیں، پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہو گئے پھر باقی دو رکعتوں کو پورا کیا۔

اس واقعہ سے استدلال اس طرح ہے کہ جس وقت آنحضرت ﷺ نے دو رکعت پڑھنے کے بعد یہ سمجھتے ہوئے سلام پھیر دیا کہ چار رکعت پڑھ لی ہیں اور پھر مصلیوں کی طرف متوجہ بھی ہو گئے، تو اس متوجہ ہونے سے استقبال قبلہ فوت ہو گیا پھر بعد میں پتہ چلا کہ نماز پوری نہیں ہوئی تھی تو آپ ﷺ نے اس نماز کو پورا کیا اور جو پہلی دو رکعتیں تھیں ان کے اوپر ہی بنا فرمائی اس کے باوجود کہ درمیان میں ایک وقت ایسا بھی آیا تھا کہ جس میں استقبال قبلہ فوت ہو چکا تھا، لہذا اس سے معلوم ہوا کہ کسی اجتہادی غلطی کی بنا پر اگر استقبال قبلہ فوت ہو جائے تو اس کا اعادہ ضروری نہیں ہے، لہذا تحری کے اندر بھی اگر غلطی ہو جائے تو اعادہ واجب نہ ہوگا کیونکہ یہ بھی اجتہادی غلطی ہے۔

اگرچہ حنفیہ کے نزدیک بھی یہی مسئلہ ہے کہ اعادہ واجب نہیں لیکن جو استدلال امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے وہ احناف کے طریقے پر درست نہیں، کیونکہ احناف کے نزدیک تحری کی صورت میں اگر کوئی شخص غلطی کر جائے تو نماز واجب الاعادہ نہیں ہوتی، لیکن اس صورت میں کہ چار رکعتیں تھیں اور دو رکعتوں پر سلام پھیر دیا اور قبلہ کی طرف سے رخ پھیر کر نمازیوں کی طرف متوجہ ہو گئے اور پھر سابق دو رکعتوں پر بنا کر لینا یہ جائز نہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے جس واقعہ سے استدلال کیا ہے یہ ذوالیدین کا واقعہ ہے اور یہ واقعہ احناف

۵۱۔ وهذا باب فيه الخلاف، وهو أن الرجل إذا اجتهد في القبلة فصلى إلى غير ما فهل يعيد أم لا؟ فقال إبراهيم النخعي والشعبي وعطاء وسعيد بن المسيب وحماد: لا يعيد، وبه قال الثوري وأبو حنيفة وأصحابه، واليه ذهب البخاري وعن مالك كللك، وعنه: يعيد في الوقت استحسن.

وقال الشافعي: إن فرغ من صلاته لم يأن له أنه صلى إلى المغرب استأنف الصلاة، وإن لم يأن له ذلك إلا باجتهاده.

فلا أعاده عليه، وفي التوضيح: وقال الشافعي: إن لم يأتين الخطأ فلا إعادة عليه ولا أعاد، عمدة القاري ج: ۳، ۳۸۵، ۳۸۴.

المجموع، ج: ۳، ص: ۲۰۱.

کے نزدیک منسوخ ہے کیونکہ آپ ﷺ نے قبلہ سے رخ موڑ لیا تو استقبال قبلہ فوت ہو گیا اور پھر آپ ﷺ نے باتیں بھی کی تھیں تو یہ عمل کثیر ہوا اور پھر ان تمام چیزوں کے باوجود آپ ﷺ نے سابق دو رکعتوں پر بنا فرمائی، تو یہ واقعہ حنفیہ کے نزدیک منسوخ ہے، لہذا اس سے احناف کا استدلال درست نہیں ہوگا۔

احناف کا استدلال

احناف کا اس مسئلہ میں استدلال ترمذی وابن ماجہ کی اس حدیث سے ہے کہ جب حضور ﷺ اور صحابہ کرام ﷺ ایک سفر میں تھے اور رات کا وقت تھا اور رات اتنی تاریک تھی کہ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ قبلہ کس سمت میں ہے تو ہر شخص نے اپنے اپنے حساب سے نماز پڑھ لی اور پھر آپ ﷺ سے ذکر فرمایا کہ ہم نے اس طرح نماز پڑھی ہے کہ کسی کا رخ اُس طرف تھا اور کسی کا رخ اس طرف، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ سب کی نماز ہو گئی۔ ۵۶۔

لہذا اس سے معلوم ہوا کہ تحری کے ساتھ جب نماز پڑھ لی جاتی ہے تو وہ نماز ہو جاتی ہے اور تحری کے غلط ثابت ہو جانے پر بھی واجب الاعادہ نہیں ہوتی ہے۔

۴۰۲۔ حدثنا عمرو بن عون قال: حدثنا هشيم، عن حميد، عن أنس قال: قال عمر: وافقت ربي في ثلاث، قلت: يا رسول الله لو اتخذنا من مقام إبراهيم مصلى؟ فنزلت: ﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾ [البقرة: ۱۲۵] وآية الحجاب، قلت، يا رسول الله لو أمرت نساءك أن يحتجبن فإنه يكلمهن البرو الفاجر، فنزلت آية الحجاب، واجتمع نساء النبي ﷺ في الغيرة عليه، فقلت لهن: ﴿عَسَى رَبُّهُ إِنْ طَلَّقَكُنَّ أَنْ يُبْدِلَهُ أَزْوَاجًا خَيْرًا مِنْكُنَّ﴾ [التحریم: ۵] فنزلت هذه الآية. [أنظر: ۴۲۸۳، ۴۷۹۰، ۴۹۱۶]

وقال ابن أبي مريم قال: أخبرنا يحيى بن أيوب قال: حدثني حميد قال: سمعت أنسا بهذا. ۵۷

۵۶ فی سنن الترمذی، ج: ۲، ص: ۱۷۶، باب ماجاء فی الرجل یصلی لغیر القبلة فی الغیم، رقم: ۳۳۵، دار النشر دار احیاء التراث العربی، بیروت، وسنن ابن ماجہ، کتاب اقامة الصلوة والسنة فیها، باب من یصلی لغیر القبلة وهو لا یعلم، رقم: ۱۰۱۰۔

۵۷ وفی صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل عمر، رقم: ۴۴۱۲، وسنن الترمذی، کتاب تفسیر القرآن عن رسول اللہ، باب ومن سورة البقرة، رقم: ۲۸۸۵، وسنن ابن ماجہ، کتاب اقامة الصلاة والسنة فیها، باب القبلة رقم: ۹۹۹، ومسند أحمد، مسند العشرة المبشرين بالجنة باب أول مسند عمر بن الخطاب، رقم: ۱۵۲، وسنن الدارمی، کتاب المناسک، باب الصلاة خلف المقام، رقم: ۱۷۷۷۔

حضرت عمرؓ کی رب ذوالجلال کے ساتھ تین چیزوں میں موافقت

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ تین چیزوں میں میں نے اپنے پروردگار کی موافقت کی یعنی میں نے اپنی سمجھ سے ایک رائے دی اور اللہ ﷻ نے بعد میں اس کی تائید میں آیت نازل فرمادی۔

ایک آیت ”واتخذوا من مقام ابراہیم مصلیٰ“ ہے

دوسری آیت وہ ہے کہ جس میں ازواج مطہرات کو حجاب کا حکم دیا گیا ہے۔

اور تیسری آیت وہ ہے جب آپ ﷺ کی ازواج نے مل کر ایک ساتھ آپ ﷺ سے کچھ مطالبات کئے تھے تو کہتے ہیں کہ میں نے ان سے جا کر کہا تھا کہ ”عسی ربہ ان یتلقک ان یدلہ ازواجہن اذ ینکحن“ (الایۃ) تو اللہ ﷻ نے بعینہ یہی الفاظ نازل فرمادیئے۔

گویا حضرت عمرؓ اپنی سعادت بیان کر رہے ہیں کہ تین مقامات پر اللہ ﷻ نے میری موافقت فرمائی۔

حدیث کو لانے کا منشأ

امام بخاری رحمہ اللہ کا اس حدیث کو یہاں لانے کا منشأ حدیث میں مذکور آیت ہے کہ ”واتخذوا من مقام ابراہیم مصلیٰ“ اور اس کی مناسبت ماقبل میں گزر چکی ہے۔

۴۰۳۔ حدثنا عبد الله بن يوسف قال : أخبرنا مالك بن أنس ، عن عبد الله بن دينار ، عن عبد الله بن عمر قال : بينا الناس بقباء في صلاة الصبح إذ جاءهم آت فقال : إن رسول الله ﷺ قد أنزل عليه الليلة قرآن ، وقد أمر أن يستقبل الكعبة ، فاستقبلوها ، وكانت وجوههم إلى الشام فاستداروا إلى الكعبة . [أنظر : ۴۲۸۸ ، ۴۲۹۰ ، ۴۲۹۱ ، ۴۲۹۳ ، ۴۲۹۴ ، ۴۲۵۱ ، ۴۸]

۴۸ وفی صحیح مسلم ، ، کتاب المساجد ومواضع الصلاة ، باب تحويل القبلة من القدس الى الكعبة ، رقم : ۸۲۰ ، وسنن النسائی ، کتاب الصلاة ، باب استبانة الخطأ بعد الاجتهاد ، رقم : ۴۸۹ ، وکتاب القبلة ، باب استبانة الخطأ بعد الاجتهاد ، رقم : ۴۳۷ ، ومسند المکثرین من الصحابة ، باب مسند عبد الله بن عمر بن الخطاب رقم : ۴۳۱۳ ، ۵۵۶۴ ، ۵۶۶۴ ، وموطأ مالک ، کتاب النداء للصلاة ، باب ماجاء فی القبلة ، رقم : ۴۱۱ ، وسنن الدارمی ، کتاب الصلاة ، باب فی تحويل القبلة من بیت المقدس الى الكعبة ، رقم : ۱۲۰۶ .

امام بخاری رحمہ اللہ کا منشأ

مذکورہ حدیث کی تشریح وغیرہ ماقبل میں گذر چکی ہے۔ یہاں امام بخاری رحمہ اللہ کا منشأ اس حدیث کو لانے کا یہ ہے کہ یہ حضرات جو مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے، یہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہے تھے، اتنے میں ایک آنے والے نے خبر دی کہ قبلہ بدل گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ قبلہ کے بدلنے کا حکم تو ان کے نماز شروع کرنے سے پہلے آچکا تھا، لہذا ان پر اسی وقت فرض تھا کہ وہ کعبہ کا استقبال کریں لیکن چونکہ ان کو معلوم نہیں تھا تو گویا انہوں نے اپنے اجتہاد سے استحبابِ حال کی بنیاد پر بیت المقدس کی طرف نماز شروع کر دی، درمیان میں اطلاع ملی کہ قبلہ بدل گیا ہے تو انہوں نے وہیں سے رُخ بدل لیا اور اپنی سابقہ نماز کا اعادہ نہیں کیا اور نہ ہی آپ ﷺ نے ان کو اعادہ کا حکم دیا۔

لہذا اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اجتہاد کی بنا پر یا استحبابِ حال کی بنا پر کسی ایک جانب منہ کر کے نماز پڑھ لیتا ہے اور پھر بعد میں معلوم ہوتا ہے کہ قبلہ اُس طرف نہیں تھا تو اس کے ذمہ اعادہ واجب نہیں ہے۔

۴۰۴۔ حدثنا مسدد قال: حدثنا يحيى، عن شعبة، عن الحكم، عن إبراهيم، عن علقمة عن عبد الله قال: صَلَّى النبي ﷺ الظهر خمسا، فقالوا: أزيد في الصلاة؟ قال: (وما ذاك؟) قالوا: صليت خمسا، فثنى رجله وسجد سجدتين. [راجع: ۴۰۰]

(۳۳) باب حک البزاق باليد من المسجد

تھوک کا ہاتھ کے ذریعے مسجد سے صاف کر دینے کا بیان

۴۰۵۔ حدثنا قتيبة قال: حدثنا إسماعيل بن جعفر عن حميد، عن أنس أن النبي ﷺ رأى نخامة في القبلة فشق ذالك عليه حتى روى في وجهه، فقام فحكه بيده. فقال: (إن أحدكم إذا قام في صلاته فإنه يناجي ربه أو إن ربه بينه وبين القبلة فلا يزقن أحدكم قبل قبلته ولكن عن يساره أو تحت قدمه) ثم أخذ طرف رءائه فبصق فيه، ثم زد بعضه على بعض، فقال: (أو يفعل هكذا). [راجع: ۲۴۱]

۴۰۶۔ حدثنا عبد الله بن يوسف قال: أخبرنا مالك، عن نافع، عن عبد الله بن عمران رسول الله ﷺ رأى بصاقا في جدار القبلة فحكه، ثم أقبل على الناس

فقال: (إذا كان أحدكم يصلي فلا يصبق قبل وجهه، فإن الله قبل وجهه إذا صلى).
[أنظر: ۷۵۳، ۱۲۱۳، ۶۱۱۱، ۸۹]

۴۰۷۔ حدثنا عبد الله بن يوسف قال: أخبرنا مالك، عن هشام بن عروة عن أبيه، عن عائشة أم المؤمنين أن رسول الله ﷺ رأى في جدار القبلة مخاطاً أو بصاقاً أو نخامة فحكه.

مساجد کے احکام

امام بخاری رحمہ اللہ یہاں سے مساجد کے احکام شروع کر رہے ہیں اور تقریباً پچپن ابواب میں مساجد کے احکام یعنی مسجد کے آداب، مسجد کی تعظیم، مسجد کے اندر کیا کام جائز ہے اور کیا کام ناجائز ہے وغیرہ وغیرہ ذکر کئے ہیں اور شروع کے چند ابواب ایک ہی موضوع سے متعلق ہیں کہ اگر کسی کو تھوک آجائے یا ناک کی ریش ہو تو اس صورت میں اس کو کیا کرنا چاہیے؟

لہذا اس سلسلے میں بعض جگہ فرمایا کہ اگر خشک ہے تو اس کو رگڑ کر صاف کر دے اور اگر تر ہے تو کس طرح دھویے؟ خود آپ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ مسجد کو گندا کر گیا ہے، تو بعض روایات میں آتا ہے کہ خود اپنے دست مبارک سے صاف کیا اور بعض روایات میں آتا ہے کہ عصا سے صاف کیا۔

(۳۴) باب حک المخاط بالحصی من المسجد،

ریٹ کا بذریعہ کنکریوں کے مسجد سے صاف کر دینے کا بیان

وقال ابن عباس: إن وطئت على قدر رطب فاغسله وإن كان يابساً فلا.

۴۰۸، ۴۰۹۔ حدثنا موسى بن إسماعيل قال: أخبرنا إبراهيم بن سعد قال:

۸۹ وفي صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب النهي عن البصاق في المسجد في الصلاة وغيرها، رقم: ۸۵۲، وسنن النسائي، كتاب المساجد، باب النهي عن أن يتنخم الرجل في قبلة المسجد رقم: ۷۱۶، وسنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب في كراهية البزاق في المسجد، رقم: ۴۰۵، وسنن ابن ماجه، كتاب المساجد والجماعات الباب كراهية النخامة في المسجد، رقم: ۷۵۵، ومسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، باب مسند عبد الله بن عمر بن الخطاب، رقم: ۴۲۸۰، ۴۲۰۹، ۴۲۳۵، ۴۲۷۷، ۴۹۰۵، ۵۰۸۳، ۵۱۵۱، ۵۲۸۶، ۵۹۸۳، ۶۰۲۳، وموطأ مالك، كتاب النداء للصلاة، باب النهي عن البصاق في القبلة، رقم: ۴۰۹، وسنن الدارمي، كتاب الصلاة، باب كراهية البزاق في المسجد، رقم: ۱۳۶۱.

[راجع: ۴۰۸، ۴۰۹]

۴۱۲۔ حدثنا حفص بن عمر قال: حدثنا شعبه قال: أخبرني قتادة قال: سمعت أنس قال: قال النبي ﷺ (لا يتفلن أحدكم بين يديه ولا عن يمينه ولكن عن يساره أوتحت رجله). [راجع: ۲۴۱]

(۳۶) باب: ليبصق عن يساره أوتحت قدمه اليسرى

حالت نماز میں اگر تھوکنے کی ضرورت ہو تو اپنے بائیں جانب یا اپنے بائیں پیر کے نیچے تھوکنا چاہئے

۴۱۳۔ حدثنا آدم قال: حدثنا شعبه قال: حدثنا قتادة قال: سمعت أنس بن مالك قال: قال النبي ﷺ: (إن المؤمن إذا كان في الصلوة فإنما يناجي ربه، فلا يبزقن بين يديه ولا عن يمينه، ولكن عن يساره أوتحت قدمه). [راجع: ۲۴۱]

۴۱۴۔ حدثنا علي قال: حدثنا سفيان قال: حدثنا الزهري، عن حميد بن عبد الرحمن، عن أبي سعيد أن النبي ﷺ أبصر نخامة في قبلة المسجد فحكها بحصاة، ثم نهى أن يبزق الرجل بين يديه أو عن يمينه، ولكن عن يساره أوتحت قدمه اليسرى. وعن الزهري سمع حميداً عن أبي سعيد نحوه. [راجع: ۴۰۹]

(۳۷) باب كفارة البزاق في المسجد

مسجد میں تھوکنے کے کفارہ کا بیان

۴۱۵۔ حدثنا آدم قال: حدثنا شعبه قال: حدثنا قتادة قال: سمعت أنس بن مالك قال: قال النبي ﷺ: (البزاق في المسجد خطيئة وكفارتها دفنها)

(۳۸) باب دفن النخامة في المسجد

مسجد میں بلغم کے دفن کر دینے کا بیان

۴۱۶۔ حدثنا إسحاق بن نصر قال: حدثنا عبد الرزاق، عن معمر، عن همام: سمع أبا هريرة عن النبي ﷺ قال: (إذا قام أحدكم إلى الصلاة فلا يبصق أمامه فإنما يناجي

اللہ مادام فی مصلاہ، ولا عن یمینہ فإن عن یمینہ ملکا، ولیبصق عن یسارہ، أو تحت قدمہ، فیدفنها [راجع: ۴۰۸]

(۳۹) باب إذا بدرہ البزاق فلیأخذ بطرف ثوبہ

جب تھوکنے پر مجبور ہو جائے تو اس کو اپنے کپڑے میں لے لینا چاہیے

۴۱۷۔ حدثنا مالک بن إسماعیل قال: حدثنا زهير قال: حدثنا حميد عن أنس: أن النبي ﷺ رأى نخامة في القبلة فحكها بيده، ورؤي منه كراهية أو رؤي كراهيته لذلك وشدة عليه، وقال: (إن أحدكم إذا قام في صلاته فإنما يناجي ربه، أو ربه بينه وبين قبلته، فلا يزقن في قبلته، ولكن عن يساره أو تحت قدمه)، ثم أخذ طرف ردائه فبزق فيه ورد بعضه على بعض، قال: (أو يفعل هكذا). [راجع: ۲۴۱]

مذکورہ روایت میں راوی کو یہ شک ہے کہ یا تو ”فانما يناجي ربه“ کہا تھا یا ”ربه بينه وبين قبلته“ کہا تھا یعنی مطلب یہ ہے کہ قبلہ کی طرف تھوکتا نہیں چاہئے، بلکہ اپنے بائیں طرف یا پاؤں کے نیچے تھوک دے یا پھر اگر کوئی اور صورت ممکن نہ ہو تو اپنی چادر کے اندر تھوک لے اور پھر اس کو ایک دوسرے سے مل لے۔

(۴۰) باب عظة الإمام الناس في إتمام الصلاة وذكر القبلة

امام کا لوگوں کو نصیحت کرنا کہ وہ اپنی نماز کو مکمل کریں اور قبلہ کا ذکر

۴۱۸۔ حدثنا عبد الله بن يوسف قال: أخبرنا مالک، عن أبي الزناد، عن الأعرج، عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ قال: (هل ترون قبلتي ها هنا؟ فوالله ما يخفى علي خشوعكم ولا ركوعكم إني لأراكم من وراء ظهري). [أنظر: ۴۱۷] ۹۱

۴۱۹۔ حدثنا يحيى بن صالح قال: حدثنا فليح بن سليمان، عن هلال بن علي، عن أنس بن مالك قال: صلى بنا النبي ﷺ صلاة ثم رقي المنبر فقال في الصلاة وفي

۹۱ وفي صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب الأمر بتحسين الصلاة وإتمامها والخشوع فيها، رقم: ۶۴۳، ومسنّد أحمد،

باقی مسند المکثرین، باب مسند أبي هريرة، رقم: ۶۹۰۱، ۶۲۸۱، ۷۹۰۷، ۸۴۱۶، ۸۵۲۲، ۹۴۲۰، ۱۰۱۶۱، وموطأ

مالک، کتاب النداء للصلاة، باب العمل فی جامع الصلاة، رقم: ۳۶۱۔

الركوع : (إني لأراكم من ورائي كما أراكم) . [أنظر : ۷۴۲، ۶۶۴]

”هل ترون قبلتي ههنا“ یعنی کیا تم دیکھتے ہو میرا قبلہ اس طرف ہے، مقصود یہ ہے کہ شاید تم یہ سمجھتے ہو کہ میں چونکہ قبلہ کے رخ منہ کر کے نماز پڑھ رہا ہوں، لہذا بس مجھے قبلہ کی جانب ہی کی خبر ہے اور چیزوں کا پتہ نہیں۔

”فوالله ما يخفى علي خشوعكم ولا ركوعكم“ یعنی اللہ کی قسم مجھ پر تمہارا خشوع اور رکوع مخفی نہیں ہے، اگرچہ میرا رخ قبلہ ہی کی جانب کیوں نہ ہو اور میری نظریں سامنے ہی کی طرف کیوں نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ”إني لأراكم من وراء ظهري“ یعنی میں تم کو اپنی پشت کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔

”وراء ظہری“ کا مطلب

حضرات علماء کرام نے اس پر بحث کے دروازے کھول دیئے ہیں کہ نبی کریم ﷺ پشت کے پیچھے سے کس طرح دیکھتے تھے؟

اس سلسلے میں لوگوں نے اپنے اپنے تخیلات بیان فرمائے ہیں اور بعض لوگوں نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی ایک آنکھ پیچھے بھی تھی یعنی باقاعدہ آنکھ کا اثبات کیا کہ جس طرح دو آنکھیں آگے تھیں تو ایک آنکھ پیچھے بھی تھی، حالانکہ دیکھنے کیلئے آنکھ کا ہونا کوئی ضروری نہیں کیونکہ جس خالق نے آنکھ میں دیکھنے کی قوت عطا فرمائی ہے وہ جب چاہے کسی اور شئی میں قوت بینائی عطا فرمادے اس کی قدرت سے کیا بعید ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کا واقعہ

حضرت تھانوی رحمہ اللہ ایک مرتبہ سفر میں جا رہے تھے تو ایک ریلوے اسٹیشن پر انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے تو ایک جدید تعلیم یافتہ صاحب پہنچ گئے اور جب اس قسم کے لوگوں کو کوئی مولوی مل جاتا ہے تو وہ اپنے دماغ کے سارے خیالات اس مولوی کے اوپر انڈیلنا چاہتے ہیں، یہ صاحب بھی حضرت تھانوی رحمہ اللہ سے پوچھنے لگے کہ قرآن میں ہے کہ قیامت کے دن ہاتھ اور پاؤں بولیں گے اور یہ گواہی دیں گے تو یہ ہاتھ اور پاؤں بغیر زبان کے کیسے بولیں گے؟

اس پر حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ زبان بغیر زبان کے کیسے بولتی ہے، اگر بولنے کے لئے زبان ضروری ہے تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ اس زبان کے لئے بھی ایک زبان ہونی چاہیئے اور پھر اس زبان کے لئے ایک زبان چاہیئے، پھر اس زبان کے لئے ایک زبان چاہیئے، ”وہلم جراً“ پھر فرمایا کہ زبان کو جو بولنے کی قوت دی ہے وہ اللہ جلّ جلالہ نے دی ہے تو وہ اگر ہاتھ کو بھی بولنے کی قوت دے دے تو کیا بعد ہے۔ تو ایک جملہ پر بات ختم

کردی کہ زبان بغیر زبان کے کیسے بولتی ہے، لہذا اعضاء کا بولنا عقلاً ممکن ہے اور نقلاً منجر صادق نے خبر دی ہے۔ اس پر وہ صاحب کہنے لگے کہ ایسا کبھی ہوا بھی ہے؟ تو حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آپ دلیل پوچھتے ہیں یا نظیر پوچھتے ہیں کیونکہ اگر نظیر پوچھتے ہیں تو کوئی بھی ایسا واقعہ ثابت نہ ہو سکے گا جو اس سے پہلے نہ ہوا ہو، لہذا کسی واقعہ کے ثبوت کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ پہلے بھی ہوا ہو، یہ جتنی بھی ایجادات ہو رہی ہیں کیا پہلے تھیں؟ لہذا فرمایا کہ دلیل پوچھتے ہو یا نظیر، تو ضرورت دلیل کی ہے نظیر کی ضرورت نہیں ہے۔

اسی طرح یہاں یہ کہنا کہ نبی کریم ﷺ کے پیچھے کی طرف آنکھ تھی اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ جس اللہ ﷻ نے آنکھ میں قوت بینائی پیدا فرمائی ہے وہ اگر زبان میں بینائی کی طاقت پیدا فرما دے تو کیا بعد ہے اور یہ سب اس وقت ہے جب رویت کو رویت حقیقیہ پر محمول کیا جائے۔

بعض حضرات نے اس رویت کو رویت علم کے معنی میں بھی لیا ہے اور اس کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ اللہ ﷻ بذریعہ وحی پیچھے کے حالات سے بھی نبی کریم ﷺ کو باخبر فرما دیتے تھے۔

لہذا اس میں کوئی اشکال کی بات نہیں اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ”اتنی لا راکم من وراء ظہری“ یہ ہر وقت ہو، بلکہ عین ممکن ہے کہ اللہ ﷻ خاص حالات میں آپ ﷺ کو بطور معجزہ یہ کیفیت عطا فرما دیتے ہوں اور بعض اوقات نہ بھی عطا فرمائیں۔ تو دونوں باتیں ممکن ہیں۔

(۴۱) باب: هل يقال: مسجد بني فلان؟

کیا بنی فلاں کی مسجد کہنا جائز ہے یا نہیں؟

یعنی کیا کسی مسجد کو کسی محلہ یا قبیلے والوں کی طرف منسوب کر سکتے ہیں کہ یہ فلاں قبیلے کی مسجد ہے؟

باب قائم کرنے کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب اس لئے قائم کیا ہے کہ بعض اسلاف جیسے حضرت ابراہیم خلی رحمہ اللہ وغیرہ سے منقول ہے کہ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ مسجد کو کسی انسان یا قبیلے کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ اور یہ حضرات استدلال کرتے ہیں آیت قرآنی:

﴿وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ﴾

سے کہ مسجد اللہ کی ہیں، لہذا کسی شخص کی طرف منسوب کرنے سے ایہام لازم آتا ہے کہ مسجد اس کی مملوک ہے، اس لئے وہ اس کو مکروہ سمجھتے ہیں۔

ترجمة الباب سے مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ یہاں سے یہ بیان کرنے کیلئے کہ کون سے افعال مسجد میں جائز ہیں اور کون سے ناجائز ہیں، یہ ابواب لارہے ہیں اور کہنا یہ چاہتے ہیں کہ اگر مال غنیمت مجاہدین کے درمیان تقسیم کرنا پڑے تو یہ تقسیم مسجد کے اندر ہو سکتی ہے۔

”وتعليق القنوفي المسجد“ یعنی امام بخاری رحمہ اللہ یہ بھی کہنا چاہتے ہیں کہ ضرورت کے وقت کھانے پینے کا انتظام بھی مسجد میں ہو سکتا ہے اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔
القنؤ: العذق الخ ”قنؤ“ کھجور کے خوشے کو کہتے ہیں اور اس کی تشبیہ اور جمع ”قنؤان“ ہے، فرق صرف یہ ہے کہ تشبیہ ”قنؤان“ ہے بکسر نون اور جمع ”قنؤان“ بضم نون ہے مثل ”صنوصنؤان“۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک اس سلسلے میں یہ ہے کہ مسجد میں وہ کام جو خالص دنیا کے کام ہیں نہ کیے جائیں اور بلا عذر ایسے کام مسجد کے اندر کرنا مکروہ ہیں، لہذا اگر مال باہر تقسیم کرنا ممکن ہو تو باہر تقسیم کیا جائے، اسی طرح اگر کھانا کھلانا ہے تو مسجد سے باہر کھلایا جائے۔ ۹۳۔

مسئلہ کی توضیح

حنفیہ کے یہ احکام کہ مسجد میں مال تقسیم کرنا یا کھانا کھلانا مکروہ ہے، اس سے مراد مسجد شرعی ہے یعنی وہ حصہ جس کے بارے میں بانی مسجد نے مسجد ہونے کی نیت کی ہو جس میں اعتکاف کیا جاسکتا ہے لیکن مسجد کی جو فضا ہے جس کے مسجد ہونے کی بانی مسجد نے نیت نہیں کی یا جیسے وضو خانہ ہے یا کوئی مدرسہ بنا ہوا ہے اور یہ سب اگرچہ مسجد کے احاطہ میں ہیں لیکن یہاں یہ سب کام کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا پہلا استدلال

امام بخاری رحمہ اللہ یہاں دو باتوں سے استدلال فرما رہے ہیں۔ ایک تو اس باب کے تحت ہی حدیث ذکر کی ہے کہ جس میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بحرین سے آیا ہوا مال غنیمت مسجد میں کھڑے ہو کر تقسیم کیا، لہذا اس سے استدلال کر رہے ہیں کہ مال غنیمت کی تقسیم مسجد میں جائز ہے۔

حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کا جواب

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ تقسیم عین مسجد میں نہیں تھی بلکہ صفہ میں تھی اور جہاں صفہ ہے وہ حصہ باقاعدہ مسجد شرعی کا حصہ نہیں تھا، لہذا وہاں پر کھڑے ہو کر تقسیم کرنے سے عین مسجد میں تقسیم کرنا لازم نہیں آتا۔ ۹۴

امام بخاری رحمہ اللہ کا دوسرا استدلال

امام بخاری رحمہ اللہ ”تعلیق القنوفی المسجد“۔

سے دوسرا استدلال فرما رہے ہیں، اگرچہ اس کے بارے میں کوئی حدیث یہاں براہ راست منقول نہیں ہے، لیکن اس واقعہ کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ لوگ اصحاب صفہ کے لئے کھجور کے خوشے لا کر مسجد کے ستون میں ٹانگ دیتے تھے (اور آج بھی مسجد نبوی میں اس ستون پر علامت بنی ہوئی ہے کہ اس ستون میں ٹانگا کرتے تھے)۔

اس سے امام بخاری رحمہ اللہ استدلال فرما رہے ہیں کہ اس طرح ٹانگنے میں اور کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ وہاں پر ٹانگنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ اصحاب صفہ کھائیں، تو کھانے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

جواب: اس کا جواب بھی شاہ صاحب رحمہ اللہ کے قول کے مطابق یہ ہے کہ یہ صفہ کا علاقہ تھا جو کہ عین مسجد میں نہیں ہے، لہذا وہاں پر کھانے میں کوئی حرج نہیں، البتہ جہاں عین مسجد ہو تو وہاں بغیر کسی عذر کے یہ کام نہیں کرنے چاہئے۔

عذر یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی اور جگہ رکھنے کی نہ ہو، لہذا اگر یہ مان لیا جائے کہ آپ ﷺ نے عین مسجد میں تقسیم فرمایا تھا تو وہ عذر کی وجہ سے ہو سکتا ہے کیونکہ بیت المال کا کوئی باقاعدہ شعبہ قائم نہیں تھا اور حضور ﷺ اپنے گھر میں رکھنا پسند نہیں فرماتے تھے، اور اگر کسی صحابی کے گھر میں لیجا کر رکھیں تو بھی دشواری کہ ان کے گھر میں آئے یا نہ آئے، اور دوسرے لوگوں کو شبہات پیدا ہوں کہ فلاں کے گھر میں سارا خزانہ رکھ دیا۔ تو یہ سارے اعذار موجود تھے۔

لہذا اگر عین مسجد کے اندر بھی تقسیم کیا گیا تو کوئی حرج نہیں تھا، لیکن جہاں اس کے خلاف ممکن ہو اور کوئی جگہ موجود ہو تو وہاں پر رائج یہ ہے کہ یہ کام باہر کیا جائے تاکہ مسجد شور و غلب وغیرہ سے محفوظ رہے۔

۴۲۱۔ وقال إبراهيم. يعني ابن طهمان. عن عبد العزيز بن صهيب، عن أنس

قال: أتني رسول الله ﷺ بمال من البحرين فقال: (انثروه في المسجد). وكان أكثر مال أتني به رسول الله ﷺ فخرج رسول الله ﷺ إلى الصلاة ولم يلتفت إليه. فلما قضى الصلاة جاء

فجلس إليه، فما كان يرى أحداً إلا أعطاه إذ جاء العباس ؑ فقال: يا رسول الله، أعطني فإني فاديت نفسي وفاديت عقيلاً، فقال له رسول الله ؑ: (خذ)، فحشى في ثوبه ثم ذهب يقله فلم يستطع، فقال: يا رسول الله، مر بعضهم يرفعه إلي. قال: (لا)، قال: فارفعه أنت علي. قال: (لا)، فنثر منه ثم ذهب يقله فقال: يا رسول الله أو مر بعضهم يرفعه. قال: (لا)، قال: فارفعه أنت علي. قال: (لا)، فنثر منه ثم احتمله فאלقاه على كاهله ثم انطلق فما زال رسول الله ؑ يتبعه بصره حتى خفي علينا عجباً من حرصه، فما قام رسول الله ؑ وثم منها درهم. [أنظر: ۳۰۴۹، ۳۱۶۵]

بحرین کا مال

حضرت انس ؓ سے یہ روایت تعلقاً نقل ہے کہ آپ ؐ کے پاس بحرین سے کچھ مال آیا تو آپ ؐ نے فرمایا کہ مسجد میں بکھیر دو۔ ”وكان اكثر مال اتى به رسول الله ؑ“ یعنی اور یہ سب سے زیادہ وہ مال تھا جو رسول اللہ ؐ کی خدمت میں لا گیا یعنی اس سے پہلے اتنا مال غنیمت کبھی نہیں آیا تھا۔ ”فخرج رسول الله ؑ إلى الصلاة ولم يلتفت إليه“۔

حضرت انور شاہ صاحب کشمیریؒ کی تائید

اس مذکورہ جملہ سے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی بات کی تائید ہو رہی ہے کہ مال موجود تھا اور نماز پڑھی گئی تو معلوم ہوا کہ مال نماز کی جگہ سے کہیں دور تھا۔ ”فجلس اليه“ یعنی آپ ؐ تقسیم کے لئے بیٹھ گئے۔ ”فما كان يرى أحداً إلا أعطاه“: یعنی جس کسی کو دیکھتے اس کو کچھ دے دیتے۔ ”اذ جاء العباس ؑ: اتنے میں آپ ؐ کے چچا حضرت عباس ؓ آ گئے۔

”فقال: يا رسول الله، اعطني فإني فاديت نفسي وفاديت عقيلاً“، یعنی حضرت عباس ؓ نے فرمایا یا رسول اللہ! مجھے دیجئے کہ میں نے اپنے آپ کا بھی فدیہ دیا تھا اور عقیل کا بھی فدیہ دیا تھا یعنی بدر کے قیدی سب فدیہ دے کر آزاد ہوئے تھے، مطلب یہ ہے کہ میری خدمات ہیں۔ جنگ بدر میں جب یہ قیدی بن کر آئے تھے تو آنحضرت ؐ نے ان سے اپنے علاوہ عقیل اور حارث کا فدیہ بھی دینے کو کہا تھا، انہوں نے کہا کہ میں کنگال ہو جاؤں گا، اس پر آپ ؐ نے فرمایا کہ وہ مال کہاں ہے جو آپ بدر میں آتے وقت ام الفضل کے پاس رکھا کر آئے تھے یہ سن کر حضرت عباس ؓ حیران ہو گئے کیونکہ اس بات کا علم ان کے اور ام الفضل کے سوا کسی کو نہیں تھا، چنانچہ آپ ؐ کے اس فرمانے پر اسلام ان کے دل پر گھر کر گیا، اور یہ دل سے مسلمان ہو گئے اگرچہ اعلان بعد میں کیا ”كذا ذكره في "سيرة ابن هشام"۔

تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ لے لو تو انہوں نے اپنی جھولی بھری، پھر اٹھانے لگے لیکن اٹھانہ سکے تو عرض کیا یا رسول اللہ! کسی کو کہہ دیجئے کہ یہ میرے لئے اٹھا کر لے جائے یعنی مجھ سے اٹھایا نہیں جا رہا، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”نہیں“ فارفعہ انت علی: قال: ”لا“

یعنی حضرت عباس ؓ چونکہ چچا تھے اور آپ ﷺ بھیجے تھے تو کہا کہ اچھا آپ ہی اٹھا لیجئے، یعنی میرے اوپر اٹھا کر رکھ دیجئے تو آپ ﷺ نے اس سے بھی منع فرمایا۔

آپ ﷺ کی مدد سے انکار کرنے کی وجہ

حضرت عباس ؓ جس انداز سے جھولیاں بھر کر لے جا رہے تھے، تو اس طرح سے مال کی طرف غیر ضروری رغبت کا اظہار ہو رہا تھا، لہذا آپ ﷺ کے انکار کرنے کا منشا یہ تھا کہ اتنا مال لیتے کیوں ہوں جس کو اٹھانہ سکو بلکہ اتنا لو جس کو اٹھا سکو، اتنے زیادہ حرص کرنے کی ضرورت نہیں، لہذا مقصد یہ تھا کہ جب یہ اٹھانہ سکیں گے تو کچھ نہ کچھ چھوڑ کر جائیں گے۔

”فنشر منه“ یعنی حضرت عباس ؓ نے اس میں سے کچھ تھوڑا بھینک دیا۔

”ثم ذهب يقله فقال:.... الخ یعنی پھر اٹھا کر جانے لگے تو نہ لے جاسکے، پھر دوبارہ بات دہرائی تو آپ ﷺ نے دوبارہ منع فرمایا، تو انہوں نے کچھ اور کم کر دیا۔ ”ثم احتمله“ یعنی پھر اٹھا لیا کیونکہ اب ہلکا ہو گیا تھا۔ ”فالتقاء على كاهله ثم انطلق“ الخ یعنی پھر اس کو اپنے کندھے پر رکھ لیا اور چل پڑے اور آپ ﷺ ان کو جاتے ہوئے دیکھتے رہے یہاں تک کہ وہ ہم سے پوشیدہ ہو گئے اور آپ ﷺ بار بار ان کو دیکھتے رہے یعنی ان کی حرص پر تعجب کر رہے تھے کہ یہ کیسی حرص ہے کہ دوسروں کی مدد سے اتنا بھر کے جانا چاہ رہے ہیں۔

”فما قام رسول الله ﷺ الخ یعنی آپ ﷺ جب کھڑے ہوئے تو ایک درہم بھی باقی نہ تھا یعنی سب مال درہم وغیرہ تقسیم فرمادیئے۔

(۴۳) باب من دعى لطعام في المسجد ومن أجاب منه

جس کو کھانے کی دعوت مسجد میں دی جائے اور جس شخص نے اسے قبول کر لیا

۴۲۲۔ حد ثنا عبد الله بن يوسف قال: أخبرنا مالك، عن إسحاق بن عبد الله،

سمع أنسا: وجدت النبي ﷺ في المسجد معه ناس فقال نعم فقال لي: (أأرسلک

أبو طلحة؟) قلت: نعم، قال: (لطعام؟) قلت: نعم، فقال لمن حوله: (قوموا)، فانطلق وانطلقت

بین ایدیہم [أنظر: ۳۵۸۷، ۵۳۸۱، ۵۳۵۰، ۶۶۸۸] ۹۵

باب کا مقصد

مسجد میں رہتے ہوئے کھانے کی دعوت قبول کرنا، یعنی کوئی اگر مسجد میں آ کے دعوت دے کہ ہمارے ساتھ کھانا کھا لو اور کوئی آدمی اس دعوت کو قبول کر لے تو یہ جائز ہے۔

اس سلسلے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ روایت نقل کی ہے کہ اسحاق بن عبد اللہ ؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس ؓ سے سنا کہ نبی کریم ﷺ مسجد میں بیٹھے تھے اور آپ ﷺ کے ساتھ کچھ لوگ بھی تھے، میں کھڑا ہوا تھا کہ آپ ﷺ نے پوچھا، کیا تمہیں ابو طلحہ ؓ نے بھیجا ہے؟ تو میں نے کہا جی ہاں، تو آپ ﷺ نے ان سے کہا چلو۔ ”فانطلق وانطلقت بین ایدیہم“۔

یہاں اس روایت میں مسجد کے اندر حضرت انس ؓ کا آ کر دعوت دینا اور حضور اقدس ﷺ کا دعوت قبول کرنا اور چلے جانا یہ مذکور ہے۔

(۴۴) باب القضاء واللعان في المسجد

مسجد میں مقدمات کا فیصلہ اور لعان کرانے کا بیان

۴۴۳ — حدثنا يحيى قال: أخبرنا عبد الرزاق قال: أخبرنا ابن جريج قال:

أخبرني ابن شهاب عن سهل بن سعد: أن رجلاً قال: يا رسول الله، أرايت رجلاً وجد مع امرأته رجلاً أيقضه؟ فتلا عنا في المسجد وأنا شاهد. [أنظر: ۴۷۴۵، ۴۷۴۶، ۵۲۵۹،

۵۳۰۸، ۵۳۰۹، ۶۸۵۳، ۷۱۶۵، ۷۱۶۶، ۷۳۰۴] ۹۶

۹۵ وفی صحیح مسلم، کتاب الأشربة، باب جواز استباعه غیرہ الی دار من یشق برضاه ہذلک، رقم: ۳۸۰۲، وسنن الترمذی، کتاب المناقب عن رسول اللہ، باب فی آیات اثبات نبوة النبی وما قد خصه اللہ عزوجل، رقم: ۳۵۶۳، ومسند أحمد، باقی مسند المکثرین، باب مسند انس بن مالک، رقم: ۱۲۰۳۳، ۱۲۸۰۶، ۱۲۹۳۶، ۱۳۰۵۸، وموطأ مالک، کتاب الجامع، باب جامع ما جاء فی الطعام والشراب، رقم: ۱۳۵۱، وسنن الدارمی، کتاب المقدمة، باب ما اکرم به النبی فی برکة طعامه، رقم: ۴۳۔

۹۶ وفی صحیح مسلم، کتاب اللعان، رقم: ۳۷۴۱، وسنن النسائی، کتاب الطلاق، باب الرخصة فی ذلک، رقم: ۳۳۳۹، وسنن أبی داؤد، کتاب الطلاق، باب فی اللعان، رقم: ۱۹۱۷، وسنن ابن ماجہ، کتاب الطلاق، باب اللعان، رقم: ۲۰۵۶، ومسند أحمد، باقی مسند الأنصار، باب حدیث أبی مالک سهل بن سعد الساعدی، رقم: ۲۱۷۳۸، وموطأ مالک، کتاب الطلاق، باب ما جاء فی اللعان، رقم: ۱۰۳۵، وسنن الدارمی، کتاب النکاح، باب فی اللعان، رقم: ۲۱۳۲۔

باب کا مقصد

اس باب کو قائم کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ قضاء اور لعان مسجد میں ہو سکتی ہے یعنی آپ ﷺ نے مجلس قضاء مسجد میں قائم فرمائی اور لعان فرمایا، اور اس بات پر اتفاق ہے کہ قضاء مسجد میں ہو سکتی ہے۔

(۴۵) باب: إذا دخل بيتا يصلي حيث أمر، ولا يتجسس

کسی کے گھر میں داخل ہو تو جہاں چاہے نماز پڑھالے یا جہاں اس سے

کہا جائے، زیادہ چھان بین نہ کرے

۴۴۴۔ حدثنا عبد الله بن مسلمة قال: حدثنا إبراهيم بن سعد، عن ابن شهاب، عن محمود بن الربيع، عن عتبان بن مالك: أن النبي ﷺ أتاه في منزله فقال: (أين تحب أن أصلي لك من بيتك؟) قال: فأشرت له إلى مكان، فكبّر النبي ﷺ و صففنا خلفه، فصلى ركعتين. [أنظر: ۴۲۵، ۶۶۷، ۶۸۶، ۸۳۸، ۸۴۰، ۱۱۸۶، ۴۰۰۹، ۴۰۱۰، ۵۴۰۱، ۶۴۲۳، ۶۹۳۸] ۹۷

ترجمة الباب کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب قائم کیا ہے کہ جب کسی کے گھر میں داخل ہو تو جہاں چاہے نماز پڑھ لے یا جہاں پر اس کو حکم دیا جائے وہاں پڑھے۔ یعنی دو مختلف حالتیں بیان کی ہیں کہ جہاں چاہے پڑھ لے یا جہاں صاحب دار کہیں وہاں پڑھ لے۔

مندرجہ بالا دو مختلف باتیں دو مختلف حالات پر محمول ہیں اور دونوں کی حدیث بھی موجود ہے یعنی ”یصلیٰ حيث شاء“ اس کی دلیل اگرچہ یہاں بیان نہیں کی گئی، لیکن ماقبل میں گزر گئی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی دادی ملیکہ نے آپ ﷺ کی دعوت کی تھی تو آپ ﷺ جب ان کے گھر گئے تو خود فرمایا کہ چلو تمہارے

۹۷۔ وفی صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی أن من مات علی التوحید دخل الجنة قطعات، رقم: ۴۸، و کتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب الرخصة فی التغلف عن الجماعة بعدد، رقم: ۱۰۵۲، و سنن ابی داود، کتاب الصلاة، باب فی الرجل یسمع السجدة وهو راكب وفی غیر الصلاة، رقم: ۱۲۰۲، و سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد والجماعات، باب المساجد فی الدور، رقم: ۷۴۶۔

گھر میں نماز پڑھ لیں۔ یہاں یہ نہیں فرمایا کہ کہاں پڑھ لوں بلکہ جہاں چاہا وہاں پڑھ لی۔
 ”او حیث امر“ اس کی دلیل یہ مذکورہ روایت ہی ہے کہ عتب بن مالک کہتے ہیں کہ میری بیٹائی کمزور ہو گئی تھی اور میرا گھر مسجد سے دور تھا، لہذا میرے لئے آنا مشکل ہوتا تھا۔ تو میں نے آپ ﷺ سے کہا کہ آپ ایک دن آکر میرے گھر میں کسی جگہ نماز پڑھ لیں تاکہ برکت ہو جائے، پھر اس کے بعد میں وہاں پر نماز پڑھ لیا کرونگا، لہذا آپ ﷺ تشریف لے گئے اور فرمایا کہ نماز کہاں پڑھوں؟ تو آپ ﷺ نے یہاں صاحب دار سے پوچھا، لہذا معلوم ہوا کہ جب خود سے نماز پڑھنے کا ارادہ ہو تو جہاں موقع ملے وہاں پڑھ لے اور جہاں صاحب دار نے درخواست کی ہو کہ آپ آکر نماز پڑھ لیں تو پھر اس سے پوچھنا چاہیے کہ کہاں پڑھوں، لہذا یہ دو باتیں ترجمۃ الباب میں کہہ دی ہیں۔

”ولا یتجسس“ اور ترجمۃ الباب کے آخر میں یہ نتیجہ بھی نکال دیا کہ تجسس نہ کرے یعنی آپ کسی کے گھر گئے، اس نے آپ کو مہمان بنایا، لہذا اس میزبان کا یہ حق ہے کہ تم جا کر اس کے گھر کے بھید لینا نہ شروع کرو کہ اس کا گھر کیسا ہے؟ کہاں کیا چیز رکھی ہے؟ کہاں یہ نماز پڑھتے ہے؟ کہاں سوتا ہے؟ یہ تجسس نہ کرے بلکہ جہاں میزبان بٹھا دے وہاں بیٹھ جائے، جہاں نماز پڑھنے کو کہے وہاں نماز پڑھ لے۔
 ”قال: فأشرت له إلى مكان الخ“

اسی وجہ سے فقہاء کرام نے فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص کسی کے گھر دعوت میں جائے تو وہ جس جگہ بیٹھنے کو کہے وہاں بیٹھے، مہمان بعض اوقات اپنی مرضی چلاتا ہے حالانکہ میزبان کی مصلحت یہ ہوتی ہے کہ یہ اس جگہ بیٹھے تاکہ بے پردگی نہ ہو وغیرہ وغیرہ اور دوسری مصلحتیں بھی ہو سکتی ہیں، لہذا اس کی مصلحت کے تابع ہونا چاہیے اس ”ولا یتجسس“ سے یہ ادب سکھا دیا گیا۔

(۴۶) باب المساجد فی البیوت

گھروں میں مسجدیں بنانے کا بیان

”وصلی البراء بن عازب فی مسجده فی دارہ جماعۃ“

گھر کے اندر مسجد بنانا

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب قائم کیا ہے کہ مساجد گھر کے اندر بنانا، یعنی آدمی گھر میں ایسی جگہ بنائے جہاں پر نماز پڑھ سکے اور فرمایا ہے کہ ”حضرت براء بن عازبؓ نے اپنے گھر کی مسجد میں جماعت سے نماز پڑھی،

لہذا اس سے معلوم ہوا کہ گھر میں جماعت سے نماز پڑھنا بھی جائز ہے۔

فقہاء کرام فرماتے ہیں اور ”منية المصلي“ میں بھی یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے کہ گھر کے اندر جماعت کرانے سے اگرچہ جماعت کی جو تاکید ہے اس پر عمل بھی ہو جاتا ہے اور جماعت کی فضیلت بھی حاصل ہو جاتی ہے لیکن مسجد کی فضیلت حاصل نہیں ہوتی، تو گویا گھر میں جماعت کرنا خلاف اولیٰ ہے۔

۴۲۵۔ حدثنا سعيد بن عفیر قال: حدثني الليث قال: حدثني عقيل، عن ابن شهاب قال: أخبرني محمود بن الربيع الأنصاري أن عتبان بن مالك، وهو من أصحاب رسول الله ﷺ ممن شهد بدرًا من الأنصار، أنه أتى رسول الله ﷺ فقال: يا رسول الله، قد أنكرت بصري وأنا أصلي لقومي، فإذا كانت الأمطار سال الوادي الذي بيني وبينهم، لم أستطع أن آتي مسجدهم فأصلي بهم، ووددت يا رسول الله أنك تأتيني فتصلي في بيتي فأأخذك مصلي، قال: فقال له رسول الله ﷺ: (سأفعل إن شاء الله)، قال عتبان: فغدار رسول الله ﷺ وأبو بكر حين ارتفع النهار فاستأذن رسول الله ﷺ فأذنت له فلم يجلس حين دخل البيت، ثم قال: (أين تحب أن أصلي من بيتك؟) قال: فأشرت له إلى ناحية من البيت، فقام رسول الله ﷺ فكبر، فقمنا فصفنا فصلی ركعتين ثم سلم، قال: وحسنه على خزيمة صنعنا هاله، قال: فشاب في البيت رجال من أهل الدار ذوو عدد فاجتمعوا فقال قائل منهم: أين مالك بن الدخيشن أو ابن الدخشن؟ فقال بعضهم: ذلك منافق لا يحب الله ورسوله، فقال رسول الله ﷺ: (لا تقل ذلك، ألا تراهم قد قال لا إله إلا الله، يريد بذلك وجه الله؟) قال: الله ورسوله أعلم، قال فإنا: نرى وجهه ونصيحته إلى المنافقين، قال رسول الله ﷺ: (فإن الله قد حرم على النار من قال لا إله إلا الله، يبتغي بذلك وجه الله، قال ابن شهاب: ثم سألت الحصين بن محمد الأنصاري وهو أحد بني سالم، وهو من سرائهم عن حديث محمود بن الربيع فصدقه بذلك. [راجع: ۴۲۴])

حدیث کی تشریح

مذکورہ حدیث کے شروع کے حصہ میں حضرت عتبان بن مالک کے گھر میں آپ ﷺ کا تشریف لیجانا اور نماز پڑھنا منقول ہے۔

”خزيمة“: سالن، گوشت اور کچھ آٹا ملا کر کچھ بنایا جاتا تھا، اس زمانے میں اس قسم کے سالن کو خزيمة

کہتے تھے۔

”قال فغاب في البيت رجال من اهل الدار“ یعنی جب کچھ کھانا وغیرہ کھایا تو محلے کے کچھ لوگ گھر میں جمع ہو گئے۔ ”غاب“ کے معنی ہیں۔ جمع ہو گئے۔ ”اهل الدار“ سے مراد محلے کے کچھ لوگ، یعنی محلے والے۔ ”ذو وعدہ“: یعنی اچھے خاصے لوگ، اچھے خاصے عدد والے۔

”فقال قائل منهم اين مالک بن الدخيشن“ یعنی کسی نے کہا کہ مالک بن دخيشن یا ابن الدخشن آج کل کہاں ہیں۔

”ذلک منافق لا يحب الله ورسوله، فقال رسول الله ﷺ: لا تقل ذلک“۔

تو کسی نے کہہ دیا کہ وہ تو منافق ہے اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسا مت کہو کیا تم نہیں دیکھتے کہ انہوں نے کلمہ نہیں پڑھا یعنی انہوں نے تو اللہ ﷻ کو راضی کرنے کے لئے کلمہ پڑھا ہے۔ لوگوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، لیکن ہم جو ان کے بارے میں منافق ہونے کا کہہ رہے تھے، وہ اس وجہ سے کہہ رہے تھے کہ ان کا رخ اور ان کی نصیحتیں منافقین کے لئے ہوتی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ منافقین کے ساتھ کافی اٹھتے بیٹھتے ہیں اور ان کے ساتھ کافی میل جول ہے، لہذا اس وجہ سے ہم نے سمجھا کہ وہ منافقین میں سے۔

اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

”فان الله قد حرم على النار من قال لا اله الا الله، يبتغي بذلك وجه الله“۔

ظاہر حال کی بنا پر کسی کو منافق نہیں کہہ سکتے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ظاہر احوال کی بناء پر کہ وہ منافقین کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے تھے، یہ سمجھا کہ یہ بھی منافق ہیں اس پر آپ ﷺ نے تنبیہ فرمائی کہ ظاہر حال کی بناء پر کسی کو منافق نہیں کہہ سکتے، البتہ ظاہر حال کی بناء پر کسی کو مسلمان کہہ سکتے ہیں، لہذا جب تک تحقیق نہ ہو کسی کو منافق کہنا صحیح نہیں ہے۔

حضرت مالک بن دخشن رضی اللہ عنہ بدری صحابی ہیں۔ آپ ﷺ نے جن لوگوں کو مسجد ضرار گرانے کے لئے بھیجا تھا، ان میں حضرت مالک بن دخشن رضی اللہ عنہ بھی تھے، لہذا ان پر خواہ مخواہ منافق ہونے کا الزام لگانا درست نہیں جب تک کہ تحقیق نہ ہو جائے۔

(۴۷) باب: التيمن في دخول المسجد وغيره،

مسجد کے اندر داخل ہونے اور دوسرے کاموں میں دائیں طرف سے ابتدا کرنے کا بیان

”وكان ابن عمر يبدأ برجله اليمنى، فإذا خرج بدأ برجله اليسرى“۔

ترجمة الباب کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ نے باب قائم کیا ہے کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت دایاں پاؤں پہلے رکھنا چاہئے اور چونکہ کوئی حدیث مرفوع امام بخاری رحمہ اللہ کی شرائط پر نہیں تھی اس وجہ سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث کا اثر ذکر کیا کہ عبداللہ بن عمرؓ جب مسجد میں داخل ہوتے، دایاں پاؤں پہلے رکھتے تھے اور جب باہر نکلتے تو بایاں پاؤں پہلے باہر نکالتے تھے۔

مستدرک حاکم وغیرہ میں حضرت انسؓ کی حدیث آتی ہے کہ ”أنه كان يقول من السنة اذا دخلت المسجد أن تبدأ برجلك اليمنى الخ“ اور جب کوئی صحابی ”السنة كذا“ کہے تو وہ مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے۔ ۹۸۔

۴۲۶۔ حدثنا سليمان بن حرب قال: حدثنا شعبة، عن الأشعث بن سليم، عن أبيه، عن مسروق، عن عائشة رضي الله عنها قالت: كان النبي ﷺ يحب اليمن ما استطاع في شأنه كله، في طهوره وترجله وتنعله. [راجع: ۱۶۸]

اس مذکورہ روایت سے امام بخاری رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ ہر چیز میں تین کا خیال رکھتے تھے۔

(۴۸) باب: هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد،

کیا جاہلیت کے مشرکوں کی قبریں کھود ڈالنا اور ان کی جگہ مسجد بنانا جائز ہے

لقول النبي ﷺ: (لعن الله اليهود، اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد)؟ وما يكره من الصلاة في القبور، ورأى عمر أنس بن مالك يصلي عند قبر فقال: القبر القبر، ولم يأمره بالإعادة.

ترجمة الباب کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ نے باب قائم کیا ہے کہ جاہلیت کے مشرکین جہاں دفن ہوں تو کیا ان کی قبروں کو

۹۸ عن أنس بن مالك أنه كان يقول من السنة اذا دخلت المسجد أن تبدأ برجلك اليمنى واذا خرجت أن تبدأ برجلك اليسرى هذا حديث صحيح الخ، المستدرک علی الصحیحین ج: ۱، ص: ۳۳۸، دارالکتب العلمیة، بیروت، سنة النشر، ۱۴۱۱ھ، ۱۹۹۰ء.

اکھاڑ کر مسجد بنا سکتے ہیں؟ مقصد یہ ہے کہ مسجد بنا سکتے ہیں، یہ جائز ہے۔ چنانچہ مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام بھی اسی طرح تعمیر ہوئی تھی، البتہ چونکہ اس میں امام اوزاعی رحمہ اللہ کا اختلاف تھا جو یہ فرماتے ہیں کہ قبر اکھاڑ کر مسجد بنانا جائز نہیں اس لئے ترجمۃ الباب میں ”ہل“ کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔

”لَقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ لَعَنَ اللَّهُ الْيَهُودَ اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ؟“ یعنی اللہ تعالیٰ لعنت کریں یہود پر کہ جنہوں نے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنا دیا۔

اعتراض

یہ مسئلہ تو سمجھ میں آ گیا کہ قبورِ مشرکین کو اکھاڑ کر وہاں مسجد بنانا جائز ہے، لیکن ”لَعَنَ اللَّهُ الْيَهُودَ اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ؟“ سے امام بخاری رحمہ اللہ نے جو استدلال فرمایا ہے، اس میں وجہ استدلال کیا ہے؟ اس سوال کے جواب میں شرح نے مختلف توجیہات کی ہیں:

توجیہ: علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا منشا یہ ہے کہ اللہ ﷻ نے یہودیوں پر لعنت کی اس وجہ سے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو اکھاڑ کر ان کی جگہ مساجد بنالیں، تو ان پر لعنت اس وجہ سے ہوئی کہ یہ انبیاء قابلِ تعظیم تھے اور ان انبیاء کی قبور کو اکھاڑنا جائز نہیں تھا، اس وجہ سے ان پر لعنت فرمائی۔

تو اس کا مفہوم مخالف یہ نکلا کہ اگر یہ انبیاء نہ ہوتے اور قابلِ تعظیم نہ ہوتے تو قبریں اکھاڑنے میں کوئی حرج نہیں تھا، لہذا مشرکین چونکہ قابلِ تعظیم نہیں اس وجہ سے ان کی قبریں اکھاڑ کر اگر مساجد بنا دیں تو کوئی حرج نہیں۔

ایک اور توجیہ

یہ مذکورہ توجیہ مجھے امام بخاری رحمہ اللہ سے بہت بعید لگتی ہے کہ وہ ”لَعَنَ اللَّهُ الْيَهُودَ الْخ“ کے معنی یہ بیان کریں کہ انہوں نے انبیاء کرام کی قبروں کو اکھاڑ کر وہاں مسجدیں بنالیں تھیں کیونکہ اس حدیث کا سیاق یہ ہے کہ انہوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کی تعظیم کی خاطر قبروں کو اکھاڑا نہیں تھا بلکہ عین انکی قبروں پر مسجدیں تعمیر کر دی تھیں، اور وہ گویا ایک طرح سے ان قبروں کی پرستش کرنے لگ گئے تھے، حدیث کا اصل مفہوم یہ ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے انبیاء کرام علیہم السلام کی قبروں پر مسجد بنانے کی جو وعید بیان فرمائی وہ دونوں صورتوں کو شامل ہے، یعنی اگر انبیاء کرام علیہم السلام کے اجساد مبارک قبروں میں موجود ہوں، پھر ان پر مسجد بنائی جائے تو یہ عبادتِ قبور کے مشابہ ہونے کی بناء پر قابلِ وعید ہے، اور اگر (معاذ اللہ) ان کی قبروں کو اکھاڑ کر بنائی جائے تو ان کی اہانت کی بناء پر قابلِ وعید ہے، لیکن اس

دوسری صورت پر وعید اسی وقت ہو سکتی ہے جب صاحب قبر قابل تعظیم ہو، مشرکین میں یہ علت نہیں پائی جاتی اس لئے ان کی قبر اکھاڑ کر مسجد بنانے میں کچھ حرج نہیں ہے، یہی توجیہ علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے بھی کی ہے۔

حضرت گنگوہی قدس سرہ نے اس کی توجیہ دوسری طرح فرمائی ہے ان کا فرمانا یہ ہے کہ انبیاء کرام کی قبور پر مسجد بنانے کی ممانعت کی علت ”تشبه بعبادة الأوثان“ ہے، یہ علت اسی وقت پائی جاسکتی ہے جب قبر اونچی ہو اور نظر آئے، لیکن اگر اسے زمین کے برابر کر دیا جائے تو وہاں تشبہ نہیں رہے گا، اب زمین کے برابر کرنا دو طرح ممکن ہے:

ایک یہ کہ صاحب قبر کا جسم قبر میں رہے، اور اسی حالت میں قبر زمین کے برابر کر دی جائے۔
دوسری صورت یہ ہے کہ جسم اور ہڈیوں کو باہر نکال دیا جائے مشرکین کے معاملے میں یہ دوسری صورت انسب ہے، اسلئے اس سے پتہ چلا کہ ایسا کرنا جائز ہے۔

(۴۹) باب الصلاة في مريض الغنم

بکریوں کی بندھنے کی جگہ میں نماز پڑھنے کا بیان

۴۲۹۔ حدثنا سليمان بن حرب قال: حدثنا شعبة عن أبي التياح، عن أنس قال: كان النبي ﷺ يصلي في مريض الغنم ثم سمعته بعد يقول (كان يصلي في مريض الغنم قبل أن يبنى المسجد: [راجع ۲۳۴]

(۵۰) باب الصلاة في مواضع الإبل

اونٹوں کی بندھنے کی جگہ میں نماز پڑھنے کا بیان

۴۳۰۔ حدثنا صدقة بن الفضل قال: حدثنا سليمان بن حيان قال: حدثنا عبيد الله، عن نافع قال: رأيت ابن عمر يصلي إلى بعيره، وقال: رأيت النبي ﷺ يفعله. [أنظر: ۵۰۷: ۹۹]

۹۹۔ وفی صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب ستره المصلی، رقم: ۷۷۶، و سنن الترمذی، کتاب الصلاة، باب ماجاء فی الصلاة الى الراحلة، رقم: ۳۲۰، و سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب الصلاة الى الراحلة، رقم: ۵۹۳، و مسند أحمد، مسند المکثرین من الصحابة، باب مسند عبد الله بن عمر بن الخطاب رقم: ۴۲۳۸، ۳۵۲۲، ۵۵۵۹، ۵۸۷۶.

”مرابض الغنم“ میں نماز پڑھنے کا حکم

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے دو باب قائم فرمائے ہیں:

ایک ”باب الصلوٰۃ فی مرابض الغنم“.

اور دوسرا ”باب الصلوٰۃ فی مواضع الإبل“.

پہلے باب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ بکریوں کے باڑوں میں نماز پڑھ لیتے تھے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے ابوالتیاہ ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے بعد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جس وقت مسجد نبوی تعمیر نہیں ہوئی تھی تو آپ ﷺ مرابض غنم میں نماز پڑھ لیتے تھے۔

”مواضع ابل“ میں نماز پڑھنے میں امام کا مسلک

دوسری سنن کی احادیث میں وارد ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مرابض غنم میں نماز پڑھنے کی تو اجازت دی لیکن معاطن ابل یعنی اونٹوں کے باڑوں میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔ وہ احادیث جن میں معاطن ابل یا مواضع ابل میں نماز پڑھنے کی ممانعت کی گئی ہے وہ امام بخاری رحمہ اللہ کی شرط پر نہیں تھیں اس واسطے انہوں نے یہاں روایت نہیں کی، لیکن اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ مرابض غنم میں حضور اقدس ﷺ سے نماز پڑھنا ثابت ہے اور مواضع ابل میں نماز پڑھنا اس طرح ثابت ہے کہ اونٹ سامنے کھڑا ہوا ہے، اونٹ کو سترہ بنا کر نماز پڑھنا جو کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ:

”رأيت ابن عمر يصلي إلى بعيره، وقال: رأيت النبي ﷺ يفعلها“.

امام بخاری رحمہ اللہ کے اس طریقہ کار سے بعض حضرات نے تو یہ سمجھا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ جس روایت میں معاطن ابل میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے وہ امام بخاری رحمہ اللہ کی شرط کے مطابق نہیں ہے، لہذا وہ کہتے ہیں کہ معاطن ابل میں بھی نماز پڑھنا جائز ہے اور دلیل میں یہ بات ثابت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے سامنے بغیر کھڑا ہوا تھا اس کو سترہ بنا کر نماز پڑھی تو معلوم ہوا کہ قریب میں اگر اونٹ ہو تو اس سے نماز میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔

توجیہات

بعض حضرات نے اس کی توجیہ یوں کی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ معاطن ابل میں نماز پڑھنے سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے، اگرچہ وہ ان کی شرط کے مطابق نہیں ہے اس واسطے

حدیث بھی نہیں لائے، لیکن ممانعت کوئی الجملہ تسلیم کرتے ہیں اور باب میں یہ حدیث لانے اور باب قائم کرنے کا منشاء یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ سے جو جواز منقول ہے وہ صرف اتنا ہے کہ سامنے بغیر ہو اور آدمی اس کو سترہ بنا کر نماز پڑھ لے، اتنا جواز منقول ہے، بخلاف مرا بضع غنم کے کہ مرا بضع میں نماز پڑھنے کا ثبوت ہے، تو گویا وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ غنم میں اور اہل میں یہ تفریق ہے کہ مرا بضع غنم کے اندر تو آپ ﷺ کا نماز پڑھنا ثابت ہے، لیکن اہل کے معائن میں نماز پڑھنا ثابت نہیں زیادہ سے زیادہ جو بات ثابت ہے وہ یہ کہ سامنے اونٹ کھڑا ہوا ہے اور اس کی طرف رخ کر کے آپ ﷺ نے نماز پڑھی۔

نماز پڑھنا اور معائن میں نماز پڑھنا، دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے، اس واسطے کہ معائن میں اہل کثرت سے ہوتے ہیں اور وہاں جب وہ اپنے معائن کے اندر ہوتے ہیں تو وہ شرارت وغیرہ کر سکتے ہیں، اس واسطے آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا لیکن ایک اپنا اونٹ ہے، اپنی ہی سواری ہے اور اس کو آگے کھڑا کر دیا اور اس کے پیچھے نماز پڑھ لی، اس کا ثبوت ہے، اس واسطے یہاں پر ترجمۃ الباب میں جو لفظ استعمال کیا ہے وہ ”باب الصلوۃ فی مواضع الابل“ کہا معائن نہیں کہا اہل کے مواضع میں یعنی جہاں پر اونٹ کو بٹھایا ہے وہاں پر نماز پڑھتے تھے۔

دوسری توجیہ:

بعض حضرات محدثین نے حدیث باب کی توجیہ یوں کی ہے کہ دونوں حدیثیں ثابت ہیں مرا بضع غنم میں نماز پڑھنے کا جواز بھی اور معائن اہل میں ممانعت بھی، لیکن بعض نے تو اس کو ظاہر پر محمول کیا ہے اور یہ کہا کہ معائن اہل میں نماز پڑھنا بالکل جائز نہیں ہے اور بعض حضرات نے اس نہی کو نہی تنزیہی اور نہی ارشادی پر محمول کیا ہے اور معنی یہ ہے کہ کیونکہ اہل ذرا شرارت پسند طبیعت رکھتا ہے تو اس واسطے اگر معائن اہل میں نماز پڑھے گا تو اس میں خطرہ ہے کہ کہیں کوئی نقصان نہ پہنچا دے اور اس نقصان کے خطرے سے انسان کا خشوع فوت ہو جائے گا، اس واسطے اس سے منع کیا گیا، ورنہ فی نفسہ ممانعت نہیں ہے کیوں کہ ”جعلت لی الارض کلھا مسجداً“ کے تحت جائز ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی ایک توجیہ

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے ایک توجیہ کی ہے جو بعض روایتوں سے مؤید ہے کہ اصل میں مدینہ منورہ کی جو زمین تھی وہ ہموار نہیں تھی، اونچی نیچی تھی، لیکن جو مرا بضع غنم ہوتے تھے جہاں بکریوں کو باندھا جاتا تھا ان کو ہموار کرنے کا اہتمام کیا جاتا تھا وہ خاص طور پر ہموار کی جاتی تھیں، تو حضور اکرم ﷺ نے مرا بضع غنم

میں نماز پڑھنے کو جائز قرار دیا، اس واسطے کہ وہ ہموار زمین ہے اور معاطن اہل میں منع فرمایا، اس وجہ سے کہ اس میں ہموار کرنے کا اتنا اہتمام نہیں ہوتا تھا اس میں زمین برابر نہیں ہوتی تھی، تو اس میں گویا سجدہ کرنے میں پاؤں کہیں ہے اور سر کہیں ہے تو انسان کی ہیئت خراب ہو جاتی تھی اس ناہمواری کی وجہ سے منع فرمایا۔

یہی وجہ ہے کہ حدیث میں یہ کہا گیا ہے کہ مسجد کے بنانے سے پہلے آپ ﷺ مراہض غنم میں نماز پڑھاتے تھے، تو مطلب یہ کہ وہ چونکہ ہموار کی جاتی تھی اس واسطے ہموار جگہ پر جماعت کی جاتی تھی، معاطن اہل میں یہ صورت حال نہیں تھی، اس واسطے وہاں پر جماعت نہیں کراتے تھے۔

لہذا یہ جو نبی ہے یہ نبی دراصل تحریمی نہیں ہے بلکہ ایک عارض کی وجہ سے ہے اور عارض یہ کہ معاطن اہل میں ہموار زمین نہیں تھی اور مراہض غنم میں ہموار زمین ہوتی تھی۔ ۱۰۰۔

چوتھی توجیہ

بندے کی سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ معاطن اہل میں نماز کی نبی والی احادیث کو درست تسلیم کرتے ہیں، لیکن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث لا کر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ نبی کی علت اونٹ کا سامنے یا قریب ہونا نہیں ہے، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اونٹ کو سامنے رکھ کر نماز پڑھی ہے، جبکہ علت کچھ اور ہے۔ اب وہ علت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ معاطن اہل ہموار نہیں ہوتے تھے جیسا کہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے بیان فرمایا، اور یہ بھی ہو سکتی ہے کہ معاطن میں اونٹوں کی کثرت کی وجہ سے ان کے باہم لڑنے اور شرارت کرنے کا امکان زیادہ ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

(۵۱) باب من صلی و قدامہ تنور أو شیئ مما یعبد

فأراد به وجه الله تعالى

جس شخص نے تنور یا آگ یا کوئی ایسی چیز جس کی پرستش کی جاتی ہے اس کے سامنے کھڑے

ہو کر نماز پڑی اور اس نماز میں ذات الہی کی رضامندی پیش نظر رہی

وقال الزهري: أخبرني أنس قال: النبي ﷺ: (عرضت على النار وأنا أصلي)

۴۳۱۔ حدثنا عبد الله بن مسلمة، عن مالك، عن زيد بن أسلم، عن عطاء بن يسار، عن عبد الله بن عباس قال: انخسفت الشمس فصلى رسول الله ﷺ، ثم قال: (أريت النار فلم أر منظر اكا ليوم قط أقطع). [راجع: ۲۹]

یہ ترجمۃ الباب قائم کیا ہے کہ کوئی شخص اس حالت میں نماز پڑھے کہ اس کے سامنے تور، چولہا، آگ ہو یا کوئی ایسی چیز ہو جس کی عبادت کی جاتی ہے لیکن اس کا اپنا مقصد اللہ ﷻ کی عبادت ہو ان چیزوں کی عبادت نہ ہو۔

مسئلۃ الباب میں امام بخاریؒ کا مسلک:

امام بخاری رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر سامنے آگ ہو یا تور ہو یا کوئی اور ایسی چیز ہو جس کی کافر عبادت کرتے ہیں جیسے پھیل کا درخت ہے یا گائے، ہندو اس کی عبادت کرتے ہیں وہ سامنے ہو تو اس سے نماز میں خلل نہیں آتا، جبکہ مصلیٰ کا مقصد اللہ ﷻ کی عبادت کرنا ہو، ان اشیاء کی عبادت مقصود نہ ہو۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال

اس مقصد پر حضرت انس بن مالک ؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”عرضت علی النار وانا اصلی“ میرے پاس آگ پیش کی گئی جبکہ میں نماز پڑھ رہا تھا، اور اس کی تفصیل عبد اللہ بن عباس ؓ کی حدیث میں ہے کہ سورج کو گرہن لگا تو نبی کریم ﷺ نے صلوٰۃ کسوف پڑھی اور پھر فرمایا کہ مجھے آگ دکھائی گئی، میں نے آج اس سے زیادہ گہرا دینے والا کوئی منظر نہیں دیکھا، آج جو جہنم کا منظر دیکھا اس سے زیادہ خونخاک منظر کوئی نہیں دیکھا۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال یہ ہے کہ حضور ﷺ پر نماز کی حالت میں جہنم کی آگ پیش کی گئی، گویا آپ کے سامنے آگ تھی معلوم ہوا کہ اگر آگ سامنے ہو تو نماز پڑھنا جائز ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر سامنے کوئی آگ وغیرہ یا انگلیٹھی ہو جس میں آگ جل رہی ہو تو نماز میں کراہت تنزیہی آتی ہے، اس واسطے کہ اس میں ”عبدة النار“ کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے، اس لئے اس سے منع کرتے ہیں اور یہاں حدیث باب سے امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال تام نہیں۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ یہاں جو آپ ﷺ کے سامنے آگ پیش کی گئی تھی اس میں پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ ﷺ کے اختیار کے بغیر تھی، ایسا نہیں تھا کہ پہلے آگ جل رہی ہو اور آپ ﷺ نے وہاں نماز پڑھنا شروع کی ہو، بلکہ جس وقت آپ ﷺ نے نماز شروع کی اس وقت کوئی آگ آپ کے سامنے نہیں تھی، پھر آپ کے اوپر جنت بھی پیش کی گئی اور جہنم بھی پیش کی گئی۔ یہ آپ کے اختیار کے بغیر تھی اور جو کچھ کلام ہے وہ اس صورت میں ہے جبکہ آدمی اپنے اختیار سے آگ کے سامنے نماز پڑھے، لہذا اس حدیث سے استدلال پورا تمام نہیں ہوتا۔ ۱۰۱

دوسری وجہ: حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عالم کشف میں جو مناظر دکھائے جاتے ہیں وہ درحقیقت عالم غیب سے تعلق رکھتے ہیں، اس لئے بھی استدلال تمام نہیں۔

عالم حس اور عالم غیب میں فرق

حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک عالم حس ہوتا ہے کہ جس کو انسان اپنے حواس سے محسوس کر سکے اور ایک عالم غیب ہوتا ہے جس کو ہم اپنے حواس سے محسوس نہیں کر سکتے۔ اگرچہ وہاں پر بھی جو واقعات ہو رہے ہوتے ہیں وہ بھی حقیقی ہیں، محض فرضی نہیں ہیں لیکن ہم اپنے حواس سے ان کا ادراک نہیں کر پاتے۔

مثال: حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ اس کی مثال دیتے ہیں کہ حدیث میں آتا ہے کہ قبر کے اندر میت کو جب عذاب ہوتا ہے تو اس کے چیخنے کی آوازیں انسان اور جنات کے سوا ساری مخلوق سنتی ہے تو بھی! اس کو عذاب ہو رہا ہے اور واقعی چیخ رہا ہے اور آوازیں نکل رہی ہیں تو ہم کیوں نہیں سنتے؟ جنات اور انسان کیوں نہیں سنتے؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ جنات اور انسان کا تعلق عالم حس سے ہے اور مردوں کو جو عذاب ہو رہا ہے وہ عالم غیب میں ہو رہا ہے اگرچہ ہے حقیقی اور جسم پر ہو رہا ہے یعنی ایسا نہیں کہ جسم پر نہ ہو روح پر ہو جیسے بعض لوگ کہتے ہیں۔ جسم ہی پر ہے لیکن عالم غیب میں ہے اور اس وجہ سے اس کی آواز ہم اور آپ اپنے حواس کے ذریعے نہیں سن سکتے، تو اسی طرح عالم حس میں اور عالم غیب میں بڑا فرق ہے اور عالم غیب میں ہونے والی چیز اگر واقعتاً ہو رہی ہوتی ہے لیکن حواس اس کا ادراک نہیں کر پاتے، اتنا فرق ہوتا ہے تو یہ جو آپ کو جہنم اور جنت کا مشاہدہ کرایا گیا اس کا تعلق عالم غیب سے تھا، یہی وجہ ہے کہ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو آپ کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے ان کو منظر نظر نہیں آیا، حالانکہ حقیقتاً آپ کو آگ پیش کی گئی، اس وجہ سے کہ اس کا تعلق عالم حس سے نہیں تھا بلکہ عالم

غیب سے تھا تو عالم غیب کے اوپر جو احکام عائد ہوتے ہیں ان پر عالم حس کے احکام کو قیاس نہیں کیا جاسکتا، اس واسطے امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال تام نہیں ہے۔ ۱۰۲۔

(۵۲) باب کراہیۃ الصلاة فی المقابر

مقبروں میں نماز پڑھنے کی کراہت کا بیان

۴۳۲۔ حدثنا مسدد قال: حدثنا يحيى عن عبيد الله قال: أخبرني نافع، عن ابن عمر عن النبي ﷺ قال: (اجعلوا في بيوتكم من صلاتكم ولا تتخذوها قبوراً) [أنظر: ۱۱۸۷] ۱۰۳۔

گھروں میں نماز پڑھنے کی ترغیب

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث نقل کی ہے فرمایا کہ ”اجعلوا فی بیوتکم من صلوٰتکم“ کہ اپنے گھروں میں نماز کے لئے کوئی جگہ بناؤ یا یہ کہ کچھ نمازیں گھر میں بھی پڑھا کرو ”ولا تتخذوها قبوراً“ اور گھروں کو قبریں مت بناؤ یعنی وہ جگہ جہاں نماز بالکل نہ پڑھی جائے وہ قبر کے مشابہ ہے وہ زندوں کی جگہ نہیں ہے مردوں کی جگہ ہے، یعنی جس طرح قبر میں مردے عالم حس کے اندر نماز نہیں پڑھتے، اسی طریقے سے تم اپنے گھر کے اندر نماز نہیں پڑھو گے تو تمہارے گھر قبروں کے مشابہ ہو جائیں گے۔

میں نے (استاذنا) یہ قید لگا دی کہ عالم حس میں، لہذا اگر عالم غیب میں نماز پڑھیں تو وہ اس کے منافی نہیں جب کہ مولیٰ علیہ السلام کا قبر کے اندر نماز پڑھنا حدیث سے ثابت ہے، تو مقصود یہ ہے کہ اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ اور قبرستان بنانے کے معنی یہ ہیں کہ ان میں نماز نہ پڑھی جائے جیسا کہ قبر میں مردے نماز نہیں پڑھتے ہیں۔

۱۰۲ فیض الباری، ج: ۲، ص: ۴۵۔

۱۰۳۔ وفی صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب استحباب صلاة النافلة فی بیتہ وجوازها فی المسجد، رقم: ۱۲۹۶، وسنن الترمذی، کتاب الصلاة، باب ماجاء فی فضل صلاة التطوع فی البيت، رقم: ۴۱۳، وسنن النسائی، کتاب قیام اللیل وتطوع النهار، باب الحث علی الصلاة فی البیوت والفضل فی ذلک، رقم: ۱۵۸۰، وسنن أبی داود، کتاب الصلاة، باب فی فضل التطوع فی البيت، رقم: ۱۲۳۶، وسنن ابن ماجه، کتاب اقامة الصلاة والسنة فیها، باب ماجاء فی التطوع فی البيت، رقم: ۱۳۶۷، ومسند أحمد، مسند الکمثرین من الصحابة، باب مسند عبد الله بن عمر بن الخطاب، رقم: ۴۲۸۲، ۴۳۲۳، ۵۷۷۲۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے اس بات پر مزید استدلال کیا ہے کہ قبرستان میں نماز پڑھنا جائز نہیں، چنانچہ فرمایا کہ ”باب کراهية الصلوة في المقابر“ اس لئے کہ گویا حضور اقدس ﷺ نے پہلے یہ بات مفروغ عنہ اور یہ بات طے قرار دی کہ قبریں نماز کی جگہ نہیں ہیں۔ پھر فرمایا کہ تم اپنے گھروں میں نماز پڑھا کرو اور اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، تو معلوم ہوا کہ قبرستان میں نماز پڑھنا مکروہ ہے، ورنہ اس گھر کو جس میں نماز نہ پڑھی جائے قبرستان سے تشبیہ نہ دی جاتی۔

قبرستان میں نماز پڑھنے کے بارے میں حنفیہ کا موقف

اس باب میں حنفیہ کا موقف یہ ہے کہ قبر کے اوپر نماز پڑھنا جائز نہیں اور اگر قبر کے سامنے اس طرح پڑھی جائے کہ قبر اور مصلیٰ کے درمیان کوئی سترہ نہ ہو تو بھی جائز نہیں، لیکن اگر قبر اس طرح سامنے ہو کہ سامنے سترہ ہے یا قبر کے دائیں یا بائیں نماز پڑھی جائے تو حنفیہ کے نزدیک جائز ہے اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور جہاں نماز پڑھنے کی ممانعت آئی ہے وہ اس صورت پر محمول ہے جبکہ قبر کو بالکل اس طرح سامنے رکھا جائے کہ مصلیٰ اور اس کے درمیان کوئی سترہ نہ ہو۔ ۱۰۴

ہیٹرو غیرہ کے سامنے نماز کا حکم

سوال: سردیوں میں ہیٹرو غیرہ جلا دیئے جاتے ہیں اور اس کے سامنے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟
جواب: جو فقہاء حنفیہ نے اس کو مکروہ کہا ہے کراہت تنزیہی اور یہ بھی اس ماحول کے اندر ہوگی جہاں اس چیز کو عبادت کے لئے استعمال کیا جاتا ہو اور جو لوگ آتش پرست ہیں وہ ہیٹرو غیرہ کو استعمال نہیں کرتے وہ باقاعدہ آگ جلاتے ہیں، لہذا کراہیت صرف خالص آگ کی ہوگی، ہیٹرو عبادت میں استعمال نہیں ہوتا، لہذا اس میں کراہت بھی نہیں ہوگی۔

(۵۳) باب الصلاة في مواضع الخسف والعذاب

خسف اور عذاب کے مقامات میں نماز پڑھنے کا بیان

ويذكر أن علياً كره الصلوة بخسف بابل .

۴۳۳۔ حدثنا إسماعيل بن عبد الله قال: حدثني مالك، عن عبد الله بن دينار، عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما: أن رسول الله ﷺ قال: (لا تدخلوا علي هؤلاء المعذبين إلا أن تكونوا باكين، فإن لم تكونوا باكين فلا تدخلوا عليهم، لا يصيبكم ما أصابهم) [أنظر: ۳۳۸۰، ۳۳۸۱، ۴۴۱۹، ۴۴۲۰، ۴۷۰۲، ۴۷۰۵]

مقصود بخاری رحمہ اللہ

یہ باب قائم کیا کہ ”باب الصلوۃ فی مواضع الخسف والعذاب“ ان جگہوں پر نماز پڑھنا جہاں پر کسی قوم کو خسف کیا گیا ہو یعنی زمین میں دھنسا دیا گیا ہو یا ان کے اوپر عذاب نازل کیا گیا ہو، یعنی مواضع عذاب میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ مقصود ہے۔ اس میں تعلیقاً یہ نقل کیا ہے ”ویدکر ان علیاً کرہ الصلوۃ بخسف بابل“ کہ حضرت علیؓ نے بابل کے کھنڈرات میں نماز پڑھنے کو مکروہ سمجھا ہے۔

تہذیب و تمدن کا تاریخی شہر بابل

بابل عراق کا علاقہ ہے، جو کسی زمانہ میں بہت بڑی تہذیب تھی اور نمرود اسی تہذیب کا بادشاہ تھا اور عرصہ دراز تک یہ بابل بہت بڑا تمدن کا مرکز رہا، نمرود کے زمانے میں یہ بحر کا بھی مرکز رہا ہے، جادو بہت ہوتا تھا بعد میں اس شہر کے اوپر عذاب آیا، نمرود نے خدائی کا دعویٰ کیا، وہاں اس کے کچھ کھنڈرات ابھی تک باقی ہیں۔ حضرت علیؓ جب عراق کے اس علاقے سے گزرے تو حضرت علیؓ نے منع کیا کہ یہاں نماز نہ پڑھو بلکہ آگے چل کر نماز پڑھیں گے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال

اس سے امام بخاری رحمہ اللہ استدلال کر رہے ہیں کہ مواضع عذاب میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ خفیہ کا موقف یہی ہے کہ وہاں پر نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے۔ ویسے تو یہ ہے کہ:

۵۰۵ وفی صحیح مسلم، کتاب الزہد والرقائق، باب لا تدخلوا مساکن الذین ظلموا انفسہم الا ان تكونوا برقم: ۵۲۹۲۔
ومسند أحمد، مسند المکثرین من الصحابة، باب مسند عبد اللہ بن عمر بن الخطاب، رقم: ۴۳۳۳، ۴۹۷۳، ۵۰۹۰،
۵۱۳۷، ۵۱۸۳، ۵۱۸۷، ۵۳۸۷، ۵۴۳۷، ۵۶۶۱، ۵۷۱۲، ۵۹۳۳۔

”جعلت لی الارض کلها مسجداً“۔

لیکن اس مقام پر چونکہ اللہ ﷻ کا عذاب نازل ہوا تو اللہ ﷻ ہی جانے وہاں پر کیا زہریلے اثرات ہوں گے، جو انسان کے اوپر متوجہ ہو جائیں، تو اسی واسطے حضور ﷺ تبوک جاتے ہوئے صالح الطیبؓ کی بستی (مدائن) سے گزرے تو آپ ﷺ نے اپنی سواریوں کو تیز کرنے کا حکم دیا اور پھر فرمایا کہ یہاں کے پانی سے اپنا آٹا بھی مت گوندھو وغیرہ وغیرہ۔

وہی حدیث پھر آگے امام بخاری رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”لا تدخلوا علی ہؤلاء المعذبین“ یہ اسی وقت کا واقعہ ہے جب آپ ﷺ تبوک تشریف لے جا رہے تھے، راستے میں مدائن صالح پڑتے تھے اور اب بھی ان کے کھنڈرات باقی ہیں۔ اس جگہ پر فرمایا کہ ان معذبین کے اوپر داخل نہ ہو ”الا ان تکونوا باکین“ مگر روتے ہوئے ”فان لم تکنوا باکین فلا تدخلوا علیہم“ اگر نہ روؤ تو مت جاؤ ”الا یصیبکم ما اصابہم“ کہ تم کو وہ عذاب نہ پہنچے جو ان کو پہنچا تھا۔ تو معلوم ہوا کہ معذب بستیوں میں ٹھہرنا پسندیدہ نہیں ہے۔

اس سے استدلال کر رہے ہیں کہ جب ٹھہرنے کی ممانعت ہے تو معنی یہ ہوئے کہ نماز بھی نہ پڑھو، اس واسطے کہ نماز پڑھنا تو اس وقت ہوگا کہ کہیں آدمی اس جگہ پر اترے اور اس جگہ کو اپنی منزل بنائے یا جائے اقامت بنائے تب نماز پڑھے گا، آپ ﷺ نے جائے اقامت بنانے سے ہی منع فرمایا تو اس سے معلوم ہوا کہ نماز پڑھنا بھی مکروہ ہے۔ ۱۰۶۔

(۵۴) باب الصلاة في البيعة،

گر جا میں نماز پڑھنے کا بیان

”وقال عمر رضی اللہ عنہ: إنا لا ندخل كنا نكسكم من أجل التماثيل التي فيها الصور، وكان

ابن عباس يصلي في البيعة إلا بيعة فيها تماثيل .

۱۰۶۔ هذا الحديث مطابق لأثر على من حيث عدم النزول من النبي صلى الله عليه وسلم لما مر بالحجر ديار لثمود في حال توجهه الى تبوك ، ومن على كذا الك حيث لم ينزل لما أتى خسف بابل ، فأتى على رضى الله تعالى عنه ، مطابق للترجمة للوجه الذى ذكرناه ، فكذاك حديث ابن عمر مطابق للترجمة ، لان المطابق للمطابق للشئى مطابق لذلك الشئى ، وعدم نزولهما فيها مستلزم لعدم الصلاة فيهما ، وعدم الصلاة لأجل الكراهة ، والباب معقود لبيان الكراهة ، لحصلت المطابق لافهم ، عمدة القارى ج: ۳، ص: ۴۵۱۔

۴۳۴۔ حدثنا محمد قال: أخبرنا عبدة، عن هشام بن عروة عن أبيه، عن عائشة أن أم سلمة ذكرت لرسول الله ﷺ كتليسة رأتها بأرض الجشة يقال لها: مارية، فذكرت له مارات فيها من الصور، فقال رسول الله ﷺ (أولئك قوم إذا مات فيهم العبد الصالح أو الرجل الصالح بنوا على قبره مسجدا وصوروا فيه تلك الصور أولئك شرار الخلق عند الله). [راجع: ۴۲۷]

البيعة

”بيعة“ معبد کو کہتے ہیں جمع اس کی بیچ آتی ہے اور قرآن پاک میں بھی آیا ہے۔
بعض اوقات نصاریٰ کے معبد کو بھی کہتے ہیں اور بعض اوقات یہودیوں کے معبد کو کہتے ہیں۔ یہودیوں یا نصاریٰ کے معبد کو بیعہ کہا جاتا ہے، تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ”إنا لا ندخل كننا نسكم“۔

حضرت عمرؓ کا دعوت میں جانے سے انکار

ایک نصرانی نے حضرت عمرؓ کی دعوت کی تھی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم نہیں جائیں گے، کیونکہ ہم تمہارے معبد میں اس لئے داخل نہیں ہوتے ”من أجل التماثيل التي فيها الصور“ اس میں جو تماثيل ہیں جن کے اندر انبیاء علیہم السلام وغیرہ کی تصویریں بنا رکھی ہیں۔ ان کی وجہ سے ہم اس میں نہیں جائیں گے یعنی اندر نہیں جائیں گے۔

بیعہ میں نماز پڑھنے کی مطلقاً ممانعت نہیں

”وكان ابن عباس رضي الله عنهما يصلي في البيعة الا بيعة فيها تماثيل“۔

عبداللہ بن عباسؓ بیعہ میں نماز پڑھ لیتے تھے سوائے اس بیعہ کے جس میں تصویریں ہوں، تو معلوم ہوا کہ نماز پڑھنے کی جو ممانعت ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ سامنے تصویر ہوتی ہے تو عبادت صور یا عبادت اصنام کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے، لیکن اگر یہ عارض نہ ہو تو مجرد بیعہ اگر ہے تو ان کے بیعہ ہونے کی وجہ سے نماز پڑھنے میں کراہت نہیں ہے ”جعلت لي الأرض كلهما مسجداً“۔

اور آج تو مغربی ممالک میں مسلمان نصرانیوں کے جو کنیسہ ہیں ان کو خرید کر خرید کر مسجدیں بنا رہے ہیں جو پہلے کنیسہ تھے ان کو مسلمان خریدتے ہیں، ان کے ہاں اپنے کنیسہ کو بیچنا جائز ہے ویسے بھی مذہب پر عمل کرنے کی گرفت لوگوں کے اوپر کم ہے کنیسہ یہ دیران پڑے ہوئے ہیں تو کنیسہ یہ کے لوگ ان کو بیچ دیتے ہیں اور مسلمان

خریدتے ہیں پھر ان کو مسجد بنا لیتے ہیں اس میں کوئی مضائقہ نہیں، اس واسطے کہ زمین تو اللہ عزوجل کی ہے اور اس کو غلط طور پر استعمال کیا جا رہا تھا اب اس کو صحیح طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔

(۵۵) باب :

۴۳۵، ۴۳۶ — حدثنا أبو الیمان قال : أخبرنا شعيب ، عن الزهري قال : أخبرني عبيد الله بن عبد الله بن عتبة أن عائشة وعبد الله بن عباس قالا : لما نزل برسول الله ﷺ طفق يطرح خميصة له على وجهه ، فإذا اغتم بها كشفها عن وجهه فقال وهو كذلك : (لعنة الله على اليهود والنصارى اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد) يحذر ما صنعوا . [أنظر : ۱۳۳۰ ، ۱۳۹۰ ، ۳۲۵۳ ، ۳۳۵۲ ، ۴۲۲۱ ، ۴۲۲۳ ، ۴۲۲۴] ۵۸۱۶ ، ۵۸۱۵ ، ۴۲۲۴ ۱۷۷

۴۳۷ — حدثنا عبد الله بن مسلمة ، عن مالك ، عن ابن شهاب ، عن سعيد بن المسيب ، عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ قال : (قاتل الله اليهود ، اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد)

روایت باب سے مقصود بخاری

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما دونوں روایت کرتے ہیں کہ ”لما نزل برسول اللہ ﷺ“ جب رسول اللہ ﷺ پر اتاری گئی ”نزل“ مجہول کا صیغہ ہے (یعنی آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو ”طَفِقَ يَطْرَحُ خَمِيصَةً لَهُ عَلَى وَجْهِهِ“ آپ ﷺ تکلیف میں تھے تو آپ ﷺ اپنا کبیل اپنے چہرہ مبارک پر ڈال دیتے تھے ”فَإِذَا أَعْلَمَ بِهَا“ جب اس میں ٹھن محسوس فرماتے تو ”كشَفَهَا عَنْ وَجْهِهِ“ تو چہرے سے ہٹا لیتے تھے جیسے آدمی بے چینی میں کرتا ہے کہ کبھی اوڑھ لیا اور کبھی ہٹا لیا۔

”فَقَالَ وَهُوَ كَذَلِكَ“ اسی حالت میں آپ تھے کہ ارشاد فرمایا کہ ”لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْيَهُودِ“

۱۷۷ وفی صحیح مسلم ، کتاب المساجد ومواضع الصلاة ، باب النهی عن بناء المساجد علی القبور واتخاذ الصور ، رقم : ۸۲۶ ، ومسند النسائی ، کتاب المساجد ، باب النهی عن القبور مساجد ، رقم : ۶۹۶ ، ومسند أحمد ، ومن مسند بنی ہاشم ، باب بدایة مسند عبد اللہ بن العباس ، رقم : ۱۷۸۶ ، وباقی مسند الأنصار ، باب حدیث السيدة عائشة ، رقم : ۲۲۹۳۱ ، ۲۲۹۳۲ ، ۲۳۷۳۸ ، ۲۳۹۵۳ ، ۲۳۹۸۲ ، ومسند الدارمی ، کتاب الصلاة ، باب النهی عن اتخاذ القبور مساجد ، رقم : ۱۳۶۷ .

والنصارى“ یہود و نصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو کہ ”اتخذوا قبور انبيائهم مساجد“ کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنالیا کہ باقاعدہ ان کو سجدے کرنے شروع ہو گئے، لیکن تم ایسا نہ کرنا کہ میری وفات کے بعد میری قبر کو سجدہ گاہ بنالو۔ یہاں لانے کا امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ قبروں کو سجدہ گاہ بنانا یا قبروں کی طرف سجدہ کرنا یہ منع ہے۔

(۵۶) باب قول النبي ﷺ ”جعلت لي الأرض مسجداً وطهوراً“

نبی ﷺ کا یہ فرمایا کہ زمین میرے لئے مسجد اور پاک کرنے والی بنائی گئی ہے

۴۳۸۔ حدثنا محمد بن سنان قال: حدثنا هشيم قال: حدثنا سيار هو أبو الحكم قال: حدثنا يزيد الفقيه قال: حدثنا جابر بن عبد الله قال: قال رسول الله ﷺ: (أعطيت خمساً لم يعطهن أحد من الأنبياء قبلي: نصرت بالرعب مسيرة شهر، وجعلت لي الأرض مسجداً وطهوراً، وأيما رجل من أمتي أدتته الصلاة فليصل، وأحلت لي الغنائم، وكان النبي يبعث إلى قومه خاصة وبعثت إلى الناس كافة وأعطيت الشفاعة). [راجع: ۳۳۵] ۱۰۸۔

(۵۷) باب نوم المرأة في المسجد

عورت کا مسجد میں سونے کا بیان

ترجمۃ الباب سے مقصود بخاریؒ

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس پر ترجمۃ الباب قائم کیا کہ ”نوم المرأة في المسجد“ لہذا اس سے معلوم ہوا کہ عورت کا مسجد میں سونا جائز ہے، کیونکہ اس عورت کے لئے حضور اقدس ﷺ نے مسجد ہی کے اندر خیمہ قائم کر دیا تھا اور وہیں پر وہ رہتی تھی ظاہر ہے کہ جب وہ رہتی تھی تو سوتی بھی ہوگی، لہذا معلوم ہوا کہ عورت کا مسجد میں سونا جائز ہے۔

۴۳۹۔ حدثنا عبيد بن إسماعيل قال: حدثنا أبو أسامة، عن هشام، عن أبيه، عن

۱۰۸۔ مذکورہ حدیث کی روشنی میں خاص نص نبوی ﷺ کی تفصیل: رقم الحديث: ۳۳۵، کتاب التيمم، انعام الباری، ج: ۲،

عائشة: أن ولدة كانت سوداء لحی من العرب فاعتقوها فكانت معهم. قالت: فخرجت صبية لهم عليها وشاح أحمر من سیور، قالت: فوضعتہ أوقع منها فمرت به حدياة وهو ملقى فحسبته لحما فخطفته، قالت: فالتمسوه فلم يجدوه، قالت: فاتهموني به. قالت: فطفقوا يفتشون حتى فتشوا قبلها. قالت: والله إني لقائمة معهم إذامرت الحدياة فالقته، قالت: فوقع بينهم، قالت: فقلت هذا الذي اتهمتموني به زعمتم وأنا منه بريئة وهو ذاهو، قالت: فجاءت إلى رسول الله ﷺ فأسلمت، قالت: فكانت لها خباء في المسجد أو حفش، قالت: فكانت تأتيني فتحدث عندي، قالت فلأتجلس عندي إلا قالت: ويوم الوشاح من تعاجيب ربنا ألا إنه من بلدة الكفر أنجاني قالت عائشة فقلت لها: ماشأنك لا تقعدين معي مقعدا إلا قلت هذا؟ قالت فحدثني بهذا الحديث. [أنظر: ۳۸۳۵] ۱۰۹

عجیب واقعہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک لڑکی تھی ”کانت سوداء“ سیاہ رنگ کی یعنی سانولے رنگ کی ”لحی من العرب“ عرب کے کسی قبیلہ سے تعلق رکھتی تھی اور ان کی باندی تھی ”فاعتقوها“ مالکوں نے اس کو آزاد کر دیا ”فكانت معهم“ آزاد ہونے کے بعد بھی وہ اسی قبیلے کے لوگوں کے ساتھ رہتی رہی۔ ایک طرف تو یہ ہوا، آگے دوسرا واقعہ یہ ہوا ”قالت فخرجت صبية لهم عليها وشاح احمر من سیور“ کہ قبیلہ والوں کی ایک بچی گھر سے نکلی جس پر سرخ رنگ کے چڑے کا ہار تھا اور اس میں کچھ موتی وغیرہ لگا دیئے ہوئے، ”وشاح“ عام طور سے اس ہار کو کہتے ہیں جس میں موتی جڑے ہوئے ہوں، ”سیور“ جمع ”سیر“ کی ہے اور ”سیر“ کے معنی چڑے کے تسمہ کے آتے ہیں تو چڑے کے تسمہ پر موتی جڑے ہوئے تھے، ”قالت فوضعتہ“ اس بچی نے وہ ہار کسی جگہ جا کر اتار دیا ”وقع منها“ یا ویسے ہی بغیر اختیار کے اس سے گر گیا ”فمرت به حدياة“ تو وہاں اوپر سے ایک چیل گزری ”وهو ملقى“ جبکہ وہ ہار نیچے پڑا ہوا تھا ”فحسبته لحما“ تو چیل سمجھی کہ یہ گوشت ہے، ”فخطفته“ وہ اچک کر لے گئی، ”قالت فالتمسوه“ اب قبیلہ والوں کو تلاش ہوئی کہ بچی کے گلے میں ہار تھا وہ کہاں گیا جب تلاش کرنا شروع کیا، ”فلم يجدوه“ لیکن وہ ملا نہیں، ”قالت فانهموني به“ تو اب وہ کنیز کہنے لگی کہ لوگوں نے مجھے اس ہار کے بارے میں متہم کر دیا کہ میں نے چوری کیا ہے اور بچی سے چھین کر اپنے قبضہ میں کر لیا ہے، ”فطفقوا يفتشون“ میری تلاش لینی شروع

کردی، ”حتیٰ فتشوا قبلہا“ یہاں تک کہ اس کی شرم گاہ کی بھی تلاشی لی ”قالت واللہ انی لقائمة معهم“ میں لوگوں کے ساتھ کھڑی ہوئی تھی، ”إذ امرت الحدياءة فآلقتہ“ وہی چیل جواٹھا کر لے گئی تھی وہ پاس سے گزری اور وہ ہاران کے سامنے ڈال دیا ”قالت فوقع بینہم“ تو وہ ہاران کے سامنے جا کر گر گیا۔

”قالت فقلت هذا الذي اتهمتموني به زعمتم وانا منه بريئة“ یہ ہے وہ ہارجس کے بارے میں تم مجھ پر تہمت لگا رہے تھے، تم نے دعویٰ کیا تھا کہ میں نے لیا ہے حالانکہ میں اس نے بری ہوں ”وہو ذاہو“ دیکھو یہ پڑا ہے یہاں تک قصہ ختم ہو گیا۔

مطلب یہ ہے کہ کس طرح اللہ ﷺ نے اس کی برأت لوگوں پر ظاہر کرادی کہ اس نے چوری نہیں کی تھی بعد میں یہ باندی اپنے قبیلے سے سفر کر کے نبی کریم ﷺ کے پاس آگئی اور آکر مسلمان ہوگئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ ”فكانت لها خباء في المسجد“ کہ مسجد میں اس کا خیمہ لگا ہوا تھا ”او قال حفش“ یا یہ کہ ”حفش“ تھا ”حفش“ جھونپڑی اور چھوٹے خیمے کو کہتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ جب وہ مسلمان ہو گئیں تو رسول اللہ ﷺ نے سوچا کہ اس کو کہاں رکھیں تو میں نے مسجد کے اندر اس کے لئے خیمہ یا جھونپڑی ڈال دی تھی ”فكانت تاتيني“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ وہ میرے پاس آیا کرتی تھی ”فتحدث عندي“ مجھ سے باتیں کیا کرتی تھی ”قالت فلا تجلس عندي مجلس“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جب بھی وہ میرے پاس آکر بیٹھتی تھی ”الاقالت“ تو یہ شعر پڑھا کرتی۔

ويوم الوشاح من تعاجيب ربنا
الا إنه من بلدة الكفر أنجاني

وہ ہار و الادن ہمارے پروردگار کی عجیب و غریب باتوں میں سے ہے اور اس دن کے واقعات نے مجھے کفر سے نجات دلائی ”قالت عائشة“ (عائشہ) کہتی ہیں، میں نے اس سے کہا ”ما شانك“ کہ کیا بات ہے ”لاتقعدين معي مقعدا الا قلت هذا“ جب بھی تم میرے پاس بیٹھتی ہو تو یہ شعر پڑھتی ہو۔

”قالت لحد نثني بهذا الحديث“ اس نے یہ واقعہ سنایا کہ اس طرح میرے ساتھ واقعہ پیش آیا تھا اس کی وجہ سے میں یہ شعر پڑھتی ہوں۔

(۵۸) باب نؤم الرجال في المسجد،

مسجد میں مردوں کے سونے کا بیان

وقال أبو قلابة عن أنس: قدم رهط من عكل على النبي ﷺ فكانوا في الصفة، وقال عبد الرحمن بن أبي بكر: كان أصحاب الصفة الفقراء.

۴۴۰۔ حد ثنا مسدد قال : حد ثنا يحيى ، عن عبيد الله قال : حد ثنى نافع قال :

أخبرني عبد الله بن عمر أنه كان ينام وهو شاب أعزب لا أهل له في مسجد النبي ﷺ .

[أنظر: ۱۱۲۱، ۱۱۵۶، ۳۷۳۸، ۳۷۴۰، ۴۰۱۵، ۴۰۲۸، ۴۰۳۰، ۱۱۰]

”نوم فی المسجد“ سے متعلق امام بخاریؒ اور شوافع کا مسلک

امام بخاری رحمہ اللہ نے باب قائم کیا ہے ”باب نوم الرجال فی المسجد“ کہ مسجد کے اندر مردوں کا سونا بھی جائز ہے جس کے لئے تین روایتیں لائے ہیں ایک عربین کی کیونکہ عربین کو شروع میں مسجد میں ٹھہرایا گیا تھا تو وہاں پر سونے بھی ہونگے اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی روایت نقل کی ہے کہ میں نوجوان تھا اور کنوارا تھا میرا کوئی گھر نہیں تھا تو وہیں مسجد نبوی کے اندر سویا کرتا تھا۔

تو ان دونوں روایتوں کے نقل کرنے سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ مسجد کے اندر سونا مرد کے لئے بھی جائز ہے، اور عورت کے لئے بھی جائز ہے اور یہی مسلک امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے کیونکہ ان کے ہاں نوم فی المسجد مطلقاً جائز ہے۔ ۱۱۱

حنفیہ اور مالکیہ کا مسلک

امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ مسجد کے اندر سونا مکروہ ہے اور جب مردوں کے لئے مکروہ ہے تو عورتوں کے لئے بطریق اولیٰ مکروہ ہوگا کیونکہ ان کے سونے میں تو اور زیادہ فتنہ ہے اس واسطے مکروہ ہے، البتہ کوئی مسافر ہو جس کا کوئی اور ٹھکانہ نہ ہو تو وہ مسجد میں سو سکتا ہے یا کوئی ایسا شخص ہے جو بے گھر ہے تو وہ بھی مسجد میں سو سکتا ہے یا معتکف ہے تو وہ بھی حالت اعتکاف میں مسجد میں سو سکتا ہے۔

لیکن عام حالت میں جب کہ آدمی نہ مسافر ہو نہ معتکف ہو نہ بے گھر ہو تو ایسی صورت میں اس کے لئے مسجد کے اندر سونا مکروہ ہے۔ ۱۱۲

۱۱۰۔ وفی صحیح مسلم ، کتاب فضائل الصحابة ، باب فقه فضائل عبد الله بن عمر ، رقم : ۴۵۲۸ ، وسنن الترمذی ، کتاب الصلاة ، باب ماجاء فی النوم فی المسجد ، رقم : ۲۹۵ ، وسنن النسائی ، کتاب الصلاة ، باب النوم فی المسجد ، رقم : ۷۱۳ ، وسنن ابن ماجه ، کتاب المساجد والجماعات ، باب النوم فی المسجد ، رقم : ۷۴۳ ، وکتاب تعبیر الرؤیا ، رقم : ۳۹۰۹ ، ومسند أحمد ، مسند المکثرین من الصحابة ، باب مسند عبد الله بن عمر بن الخطاب ، رقم : ۴۲۶۵ ، ۴۳۷۸ ، ۵۵۷۵ ، ۶۰۴۸ ، وسنن الدارمی ، کتاب الصلاة ، باب النوم فی المسجد ، رقم : ۱۳۶۳ ، وکتاب الرؤیا ، باب فی القمص والبنر واللبن والعسل والسمن والتمر وغیره ، رقم : ۲۰۵۹ .

۱۱۱۔ وفیه : جواز النوم فی المسجد ، ولا کراهة فیہ عند الشافعی . ومالك وابن القاسم یکرهان المبيت فیہ للحاضر القوی وجوزه ابن القاسم للضعیف الحاضر الخ ، عمدة القاری ج : ۵ ، ص : ۴۴۷ .

حنفیہ دلیل میں یہ بات پیش کرتے ہیں کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ مسجد میں سو گیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ نے مجھے لات مار کر اٹھایا۔ لات مار کر اٹھانا اس بات کی دلیل ہے کہ مسجد کے اندر سونے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند نہیں فرمایا اور مکروہ قرار دیا۔ ۱۱۳

روایت باب کا محمل اور جواب

جتنی روایتیں جواز کی آئی ہیں جیسے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں پر ذکر کی ہیں وہ یا تو مسافر ہیں یا بے گھر ہیں کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ خود کہہ رہے ہیں کہ میرا کوئی گھر نہیں تھا۔ عربین مسافر لوگ تھے اور بے گھر تھے، یہ خاتون جو تھیں یہ بھی انتہائی ضرورت کی وجہ سے اکیلی آئی تھی اور آ کر مسلمان ہو گئی تھی، اس نے قبیلہ کو چھوڑا تھا، تو اس کو کوئی جگہ دینے والا نہیں تھا، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وقتی طور پر مسجد میں جھونپڑی ڈال دی۔
تو ان وقتی احکام کو جو کسی ضرورت سے پیش آئے ایک عام قاعدہ بنالینا اور اس کی وجہ سے اتنا توسع کرنا کہ مسجد میں سونا بلا کر اہت مردوں کیلئے بھی اور عورتوں کیلئے بھی جائز ہے، یہ مناسب نہیں، جہاں جو چیز جس ماحول میں، جس سیاق میں وارد ہوئی ہے، اسی سیاق میں اس کو رکھنا چاہئے۔

یہ ساری توجیہات جو میں (استاذنا) نے کی ہیں یہ اس وقت ہیں جب کہ کہا جائے کہ یہ خیمہ عین مسجد کے اندر گاڑھا گیا تھا یا عربین اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ عین مسجد میں سوتے تھے، لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مسجد کی جوفنا ہے اس میں یہ واقعات ہوئے ہوں۔

۴۴۱۔ حدثنا قتیبہ بن سعید قال: حدثنا عبد العزيز بن أبي حازم عن أبي حازم، عن سهل بن سعد، قال: جاء رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بیت فاطمة فلم يجد عليا في البيت، فقال: أين ابن عمك؟ قالت: كان بيني وبينه شيء فغاضبني فخرج فلم يقل عندي. فقال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لإنسان: (انظر أين هو) فجاء فقال: يا رسول الله هو راقدا في المسجد. فجاء رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وهو مضطجع قد سقط رداؤه عن شقه وأصابه تراب، فجعل رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يمسحه عنه ويقول: (قم أباترأب، قم أباترأب). [أنظر: ۳۷۰۳، ۶۲۰۴، ۶۲۸۰] ۱۱۴

۱۱۳ عن أبي ذر قال أتاني نبي الله صلى الله عليه وسلم وأنا نائم في المسجد فضربني برجله قال ألا أراك نائماً فيه قلت يابني الله غلبتني عينى، كذا ذكره الدارمى فى "سننه" باب النوم فى المسجد، رقم: ۱۳۹۹، ج: ۱، ص: ۳۷۹، دار النشر دار الكتب العربى، بيروت، سنة النشر ۱۴۰۷ھ.

۱۱۴ وفى صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل على بن أبى طالب رقم: ۴۴۲۶.

حدیث کا پس منظر

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ایک مرتبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے تو وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا حضور ﷺ نے پوچھا ”ایمن ابن عمک“ تمہارے چچا کا بیٹا کہاں گیا؟ حالانکہ یہ حضرت فاطمہ کے چچا کے بیٹے نہیں تھے بلکہ حضور ﷺ کے چچا کے بیٹے تھے۔

بعض اوقات جو رشتہ داری باپ کی طرف سے ہوتی ہے، اولاد کو بھی اسی رشتہ داری کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جیسے باپ کے چچا کو چچا کہتے ہیں اسی طرح باپ کے ماموں کو ماموں کہتے ہیں تو اسی طرح باپ کے ابن عمر کو بھی بیٹی کا ابن عمر قرار دیا۔

تو حضرت فاطمہ نے عرض کیا ”كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ شَيْءٌ“ میرے اور ان کے درمیان کچھ کھٹ پٹ ہو گئی تھی ”فَعَا ضَبْنِي“ تو وہ مجھ سے غصہ ہو گئے ”فَخَرَجَ“ اور چلے گئے ”فَلَمْ يَقُلْ عِنْ دِي“ اور میرے پاس قیلوہ بھی نہیں کیا ”قَالَ يَقِيلُ“ سے ہے یعنی قیلوہ کرنا ”فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَانْسَانَ: انظر اين هو“ آپ نے فرمایا جا کے دیکھو کہ کہاں ہیں ”فَجَاءَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ هُوَ فِي الْمَسْجِدِ رَاقِدٌ“ تو اس نے آکر بتایا کہ وہ مسجد میں سو رہے ہیں۔

”فَجَاءَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَهُوَ مُضْطَجِعٌ قَدْ سَقَطَ رِءَاءُ ه عَنْ شَقْدٍ“ دیکھا کہ وہ لیٹے ہوئے ہیں اور چادران کے کروٹ سے ہٹ گئی ہے ”وَاصَابَهُ تَرَابٌ“ اور اس کی وجہ سے ان کے جسم کو مٹی لگ گئی تھی ”فَجَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَمْسَحُهُ عَنْهُ“ آپ وہ مٹی ان سے صاف کرنے لگے اور فرمانے لگے ”قَعِ ابَاتِرَابٍ، قَمِ ابَاتِرَابٍ“ ابوتراب رکھنے کی وجہ اور پس منظر یہ ہے، کیونکہ اس موقع پر حضور ﷺ نے محبت سے ان کو ابوتراب فرمایا کہ مٹی والے اٹھ جا، مٹی والے اٹھ جا۔

موضع ترجمہ

یہاں موضع ترجمہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مسجد میں سو رہے تھے تو حضور اکرم ﷺ نے سونے پر کوئی نکیر نہیں فرمائی معلوم ہوا کہ سونا جائز ہے۔

جو حضرات ”نوم فی المسجد“ کو مکروہ کہتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خصوصیت تھی حضور اقدس ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مسجد نبوی کے بارے میں ایسی خصوصیت حاصل تھی جو کسی دوسروں کو حاصل نہیں تھی چنانچہ ترمذی شریف میں حدیث آئی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ”لَا يُجْنَبُ فِي هَذَا الْمَسْجِدِ غَيْرِي وَغَيْرُكَ“

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؑ کو مسجد نبوی سے وہ کچھ خصوصیت وابستہ تھی جو حضور ﷺ کو بھی تھی، ان کے علاوہ کسی کو نہیں تھی، لہذا ان کے سونے سے عام لوگوں کے سونے کے جواز پر استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ ۱۱۵

۴۴۲۔ حدثنا يوسف بن عيسى قال: حدثنا ابن فضيل، عن أبيه، عن أبي حازم، عن أبي هريرة قال: رأيت سبعين من أصحاب الصفة ما منهم رجل عليه رداء، إما إزار وإما كساء، قد ربطوا في أعناقهم، فمنها ما يبلغ نصف الساقين، ومنها ما يبلغ الكعبين، فيجمعه بيده كراهية أن ترى عورته. ۱۱۶

اس حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ اصحاب صفہ کا حال بیان فرما رہے ہیں کہ اصحاب صفہ کو میں نے دیکھا کہ ان میں سے کوئی شخص ایسا نہیں تھا کہ جس کے اوپر چادر ہو یا تو صرف ازار پہنے ہوئے ہوتے تھے یا ایک کمبل جو اپنے گردنوں میں باندھا ہوا ہوتا تو ان میں سے کوئی ایسا ہوتا تھا کہ جو نصف ساق تک پہنچ جاتا، کوئی ایسا ہوتا تھا کہ جو کعبین تک پہنچ جاتا، تو وہ صحابی اس کو اپنے ہاتھ سے پکڑ کر رکھتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کشف عورت ہو جائے۔

موضع ترجمہ

یہاں موضع ترجمہ یہ ہے کہ اصحاب صفہ مسجد ہی میں مقیم تھے جب مقیم تھے تو سوئے بھی ہونگے، لیکن اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ صفہ ضروری نہیں کہ مسجد ہی کا حصہ ہو، ہو سکتا ہے کہ مسجد کے باہر شمار کیا جاتا ہو اور دوسرا یہ ہے کہ اگر اس کو مسجد کا حصہ تسلیم کیا جائے تو یہ حضرات سب مسافر تھے تو تحصیل علم کے لئے آئے تھے، لہذا ان کے لئے ایسا کرنا جائز ہے۔

(۵۹) باب الصلاة إذا قدم من سفر

سفر سے واپس آنے پر نماز پڑھنے کا بیان

وقال كعب بن مالك: كان النبي ﷺ إذا قدم من سفر بدأ بالمسجد فصلى فيه.

۱۱۵ عن أبي سعيد قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لعلی یا علی لا یحل لأحد یجنب فی هذا المسجد غیری وغیرک قال علی بن المنذر قلت لضرار بن صرد ما معنی هذا الحديث قال لا یحل لأحد یستطرقه جنبا غیری وغیرک قال أبو عیسیٰ هذا حديث حسن غریب لا نعرفه الا من هذا الوجه وسمع منی محمد بن اسماعیل هذا الحديث فاستغربه، سنن الترمذی ج: ۵، ص: ۶۳۹، رقم: ۳۷۷۷، کتاب المناقب عن رسول الله، باب مناقب علی بن ابی طالب.

۴۴۳۔ حدثنا خلاد بن يحيى قال: حدثنا مسعر قال: حدثنا محارب بن دثار، عن جابر بن عبد الله قال: أتيت النبي ﷺ وهو في المسجد. قال مسعر: أراه قال: ضحى . فقال: صل ركعتين. وكان لي عليه دين فقضاني وزادني. [انظر: ۱۸۰۱، ۲۰۹۷، ۲۳۰۹، ۲۳۸۵، ۲۳۹۴، ۲۴۰۶، ۲۴۷۰، ۲۶۰۳، ۲۶۰۴، ۲۷۱۸، ۲۸۶۱، ۲۹۶۷، ۳۰۸۷، ۳۰۸۹، ۳۰۹۰، ۳۰۵۲، ۵۰۷۹، ۵۰۸۰، ۵۲۳۳، ۵۲۳۴، ۵۲۳۵، ۵۲۴۶، ۵۳۶۷، ۶۳۸۷، ۱۱۷]

”تحية السفر“ مستحب ہے

سفر سے آتے وقت دو رکعتیں پڑھنا مستحب ہے، یہ تحیۃ الوضو یا تحیۃ المسجد کے علاوہ ہے، سفر سے قدم کی دو رکعتیں ہیں۔

(۶۰) باب: إذا دخل المسجد فليركع ركعتين

جب کوئی مسجد میں داخل ہو تو دو رکعت نماز پڑھ لے

۴۴۴۔ حدثنا عبد الله بن يوسف قال: أخبرنا مالك، عن عامر بن عبد الله بن الزبير، عن عمرو بن سليم الزرقى، عن أبي قتادة السلمي أن رسول الله ﷺ قال: (إذا دخل أحدكم المسجد فليركع ركعتين قبل أن يجلس). [انظر: ۱۱۶۳]

تحیۃ المسجد کا افضل طریقہ

حنفیہ اور اکثر علماء کے نزدیک افضلیت کی قید یہ ہے کہ تحیۃ المسجد کی یہ دو رکعتیں بیٹھنے سے پہلے پڑھی جائیں، لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اگر بیٹھ گیا تو تحیۃ المسجد فوت ہوگئی، البتہ اول طریقہ حاصل نہ ہو سکا، لہذا بیٹھنے کے بعد بھی اگر آدمی کو یاد آئے اور موقع ہو تو تحیۃ المسجد پڑھ سکتا ہے۔

۱۱۶۸، وسنن النسائي، كتاب البيوع، باب الزيادة في الوزن، رقم: ۴۵۱۳، وسنن أبي داود، كتاب البيوع، باب في حسن القضاء، رقم: ۲۹۰۵، ومسند أحمد، باقي مسند المكثرين، باب مسند جابر بن عبد الله، رقم: ۱۳۹۱۰.

(۶۱) باب الحدث في المسجد

مسجد میں بے وضو ہو جانے کا بیان

۳۴۵۔ حدثنا عبد الله بن يوسف قال : أخبرنا مالك عن أبي الزناد ، عن الأعرج ، عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ قال : (الملائكة تصلي على أحدكم مادام في مصلاه الذي صلى فيه مالم يحدث . تقول : اللهم اغفر له ، اللهم ارحمه) . [راجع : ۱۷۶] ۱۸

(۶۲) باب بنيان المسجد

مسجد کی تعمیر کا بیان

”وقال أبو سعيد : كان سقف المسجد من جريد النخل ، وأمر عمر ببناء المسجد وقال : أكن الناس من المطر وإياك تحمر أو تصفر فتفتن الناس . وقال أنس : يتباهون بهائم لا يعمرونها إلا قليلا . وقال ابن عباس : لتزخرفنها كما زخرفت اليهود والنصارى .“

تعمیر مسجد کی ترغیب

یہ باب مسجد کی تعمیر کے بارے میں قائم کیا ہے اور اس میں ابو سعید خدری ؓ کا قول تعلیقاً نقل کیا ہے : ”كان سقف المسجد من جريد النخل ، وأمر عمر ببناء المسجد“ . کہ مسجد نبوی کی چھت کھجور کے شاخوں کی تھی اور حضرت عمر ؓ نے مسجد کی بنا کا حکم دیا اور فرمایا کہ : ”أكن الناس من المطر“ .

کہ میں لوگوں کو بارش سے بچانا چاہتا ہوں یعنی مقصود تعمیر سے صرف یہ ہے کہ لوگوں کو بارش اور دھوپ وغیرہ سے بچایا جائے ، یہ نہیں کہ اس کے اوپر عالیشان عمارت قائم کر کے اس کو زخرف کیا جائے ۔ ”وإياك تحمر أو تصفر“ .

اور فرمایا کہ اس بات سے بچو کہ اس پر سرخ رنگ کرو یا پیلا رنگ کرو ۔

”فتفتن الناس“.

لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کر دو گے کیوں کہ سرخ یا پیلا رنگ کرنے کے بعد لوگ جب نماز پڑھیں گے تو ان کو خشوع حاصل نہ ہوگی۔

مساجد کو مزین کرنے کی حد

”قال انس: يتباهون بهائم لا يعمرونها إلا قليلا“.

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ مساجد کے بارے میں آپس میں مفاخرت کرتے ہیں کہ دیکھو ہم نے اتنی شاندار مسجد بنائی ہے، پھر اس کو بہت کم آباد کرتے ہیں، ویسے تو فخر کے لئے بڑی عالیشان مسجدیں بنادیں اور ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کی لیکن جو اس کی حقیقی آبادی ہے یعنی نماز اور ذکر اللہ سے، وہ آباد نہیں کرتے مگر بہت کم۔

مسجد تو بنادی شب بھر میں ایمان کی حرارت والوں نے من اپنا پرانا پانی برسوں میں نمازی بن نہ سکا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ”لتزخرفنها كما زخرفت اليهود والنصارى“ کہ تم مساجد کو اسی طرح آراستہ کرو گے جس طرح یہود و نصاریٰ نے اپنے معابد کو آراستہ کیا۔ ”زخرفة“ زخرف سے نکلا ہے زخرف کے اصل معنی سونے کے آتے ہیں اور زخرف کے معنی کسی چیز کو سونا چڑھانا یعنی مزین اور آراستہ کرنا۔ مطلب یہ ہے کہ ایسی آراستہ پیراستہ مسجدیں بنائیں گے جیسے کہ یہود و نصاریٰ نے بنائیں تھیں۔ تو ان سارے اقوال سے خواہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہو یا حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یا حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا ان سے یہ پتہ چلا کہ مسجدوں میں ایسا نقش و نگار جو لوگوں کو خشوع سے منع کر دے، یہ مکروہ ہے۔

تعمیر مسجد کے دواہم مسئلے

یہاں دوا لگ الگ مسئلے ہیں، ان کو سمجھنا چاہیئے:

ایک مسئلہ ہے مسجد کو پختہ بنانا تو بعض روایتوں میں پختہ بنانے کی بھی ممانعت آئی ہے۔ دوسرا ہے اس پر نقش و نگار بنانا۔

جہاں تک پختہ بنانے کا مسئلہ ہے تو اس کے بارے میں زیادہ تر علماء نے یہ فرمایا ہے کہ یہ ابتداء اسلام کی بات ہے جب کہ عام طور پر لوگوں کے مکانات بھی کچے ہوتے تھے، تو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ مسجد کو پکا بنانے کی ضرورت نہیں ہے جیسے اور لوگوں کے مکانات ہیں یہ بھی کچی رہے، بعد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسجد کو پکا بنایا:

”کان ذالک من محضر من الصحابه فلم ینکر علیہ احد“ کسی نے اس کے اوپر نکیر نہیں کی۔

علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ بعد میں جب لوگوں نے اپنے مکانات پختہ بنانے شروع کر دیئے تو مساجد کو بھی پختہ کرنے کی اجازت مل گئی تو جیسے لوگوں کے مکانات ہیں کم از کم ویسی مسجدیں تو ہوں اور جہاں تک زخرفہ کا تعلق ہے تو اس کو آراستہ و پیراستہ کرنا اور اس کے اندر نقش و نگار بنانا وغیرہ وغیرہ اس کی جو کراہت کی علت ہے یعنی فوت خشوع، تو جہاں فوت خشوع کا اندیشہ ہو تو ایسے نقش و نگار درست نہیں، لیکن اگر سادگی ہے اور ساتھ خوبصورتی بھی ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

دوسرا پہلو علمائے کرام نے ذکر کیا ہے کہ مسجد کو عام رہنے والوں کے گھروں سے فروتر رکھنا یہ بھی مطلوب نہیں یعنی مطلب یہ ہے کہ آس پاس رہنے والے کوٹھی، بنگلے اور عالیشان گھر رہنے کے لئے بنائے ہوئے ہیں اور مسجد جھوپڑ یا بالکل سچی بنائی تو یہ بات بھی درست نہیں، ابھی جب آپ نے گھر بنائے ہیں کم از کم ایسی معیار کی مسجد بھی ہونی چاہئے تو اس حد تک کوئی مضائقہ نہیں۔

ہاں البتہ نقش و نگار پر جو خرچ کیا جائے عام چندے سے نہ ہو بلکہ صرف اسی مقصد کے تحت کوئی چندہ دے یا کوئی اپنے ذاتی خرچ سے اس کو بنائے، لیکن مسجد کے عام چندے سے محض نقش و نگار پر خرچ کرنا درست نہیں۔ ۱۱۹

۴۴۶۔ حدثنا علی بن عبد اللہ قال: حدثنا یعقوب بن إبراهيم قال: حدثني أبي، عن صالح بن كيسان قال: حدثنا نافع أن عبد الله أخبره أن المسجد كان على عهد رسول الله ﷺ مبنيا بالبن وسقفه الجريد، وعمده خشب النحل، فلم يزد فيه أبو بكر شيئا، وزاد فيه عمر وبناء على بنيانه في عهد رسول الله ﷺ بالبن والجريد، وأعاد عمده خشبا، ثم غيره عثمان فزاد فيه زيادة كثيرة وبنى جداره بالحجارة المنقوشة والقصة، وجعل عمده من حجارة منقوشة وسقفه بالساج.

۱۱۹ قلت: أوّل من زخرف المساجد الوليد بن عبد الملك بن مروان، وذلك في أواخر عصر الصحابة، رضي الله تعالى عنهم، وسكت كثير من أهل العلم عن انكار ذلك خوفاً من القصة، وقال ابن المنير: لما شيد الناس بيوتهم وزخرفوها فانتدب أن يصنع ذلك بالمساجد صوناً لها عن الاستهانة، وقال بعضهم: ورخص في ذلك بعضهم، وهو قول أبي حنيفة إذا وقع ذلك على سبيل التعظيم للمساجد، ولم يقع الصرف على ذلك من بيت المال، قلت: مذهب اصحابنا أن ذلك مكروه، وقول بعض اصحابنا: ولا بأس بنقش المسجد، معناه: تركه أولى، ولا يجوز من مال الوقف، ويغرم الذي يخرج به سواء كان ناظراً أو غيره، عمدة القاري ج: ۳، ص: ۴۷۱، وفيض الباري ج: ۲، ص: ۵۱.

”قصہ“ کے معنی گچ کے آتے ہیں جس سے مکان کو پکا کیا جاتا ہے۔

(۶۳) باب التعاون في بناء المسجد

مسجد کی تعمیر میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کا بیان

﴿ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَغْمُرُوا مَسَاجِدَ اللَّهِ شَاهِدِينَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ أُولَئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ وَفِي النَّارِ هُمْ خَالِدُونَ . إِنَّمَا يَغْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللَّهَ فَعَسَى أُولَئِكَ أَنْ يَكُونُوا مِنَ الْمُتَّقِينَ ﴾ [التوبة: ۱۷]

۴۴۷۔ حدثنا مسدد قال: حدثنا عبد العزيز بن مختار قال: حدثنا خالد الحذاء، عن عكرمة: قال لي ابن عباس ولا بنه علي: انطلقا إلى أبي سعيد فاسمعا من حديثه، فإنا نطلقنا فإذا هو في حائط يصلحه، فأخذ رداءه فاحتبى، ثم أنشأ يحدثنا حتى أتى على ذكر بناء المسجد فقال: كنا نحمل لبنة لبنة، وعمار لبنتين لبنتين، فرآه النبي ﷺ فينفض التراب عنه ويقول: (وبح عمار، يدعوهم إلى الجنة ويدعونه إلى النار). قال: يقول عمار: أعوذ بالله من الفتن. [أنظر: ۲۸۱۲، ۲۰]

ما قبل سے مناسبت

اس سے پہلے امام بخاری رحمہ اللہ نے باب قائم کیا تھا ”باب بنیان المسجد“ جس میں مسجد کی تعمیر کی فضیلت اور اس کا مسنون طریقہ بیان کیا گیا تھا۔

اس باب میں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ جب مسجد کی تعمیر ہو رہی ہو تو اس میں کسی بھی جہت سے تعاون کرنا اور مسجد کی تعمیر میں حصہ لینا یہ بھی بڑی فضیلت کی چیز ہے، اس لئے فرمایا کہ ”باب التعاون في بناء المسجد“ اور پھر قرآن کریم کی آیت ذکر فرمائی ہے کہ ﴿ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسَاجِدَ اللَّهِ ﴾۔

علامہ عینی رحمہ اللہ کا ارشاد

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں پر یہ آیت ذکر کی ہے، اس سے بہتر یہ تھا

۲۰ وفي صحيح مسلم، كتاب الفتن واشراط الساعة، باب لا تقوم الساعة حتى يمر الرجل بقبر الرجل فيتمنى، رقم: ۵۱۹۲،

ومسند أحمد، باقي مسند المكثرين، باب مسند أبي سعيد الخدري، رقم: ۱۰۵۸۸، ۱۰۷۸۹، ۱۱۴۲۹.

کہ اس سے اگلی آیت ذکر کرتے ”انما یعمرو مساجد اللہ من امن باللہ والیوم الآخر“ کیونکہ یہاں پر تعاون کا ذکر ہو رہا ہے، ظاہر ہے کہ مسلمان تعاون ہی کریں گے، مشرکین تعاون تو نہیں کرتے، تو اس واسطے علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ اس کے بجائے اگلی آیت ذکر کرتے تو زیادہ مناسب تھا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی توجیہ

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اصل میں امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد اس آیت کو ذکر کرنے سے یہ ہے کہ ”یعمروا مساجد اللہ“ کا جو لفظ ہے اس میں دو احتمال ہیں:

ایک احتمال تو یہ ہے کہ عمارت سے مراد بناء فی تعمیر ہو یعنی عمارت جس طرح اردو میں ہم عمارت کہتے ہیں اس سے تعمیر مراد ہو اور مساجد سے مراد مساجد ہی ہو۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ مساجد سے مراد مطلق وہ جگہیں ہوں جہاں پر نماز قائم کی جاتی ہے، چاہے وہ فقہی اعتبار سے مسجد ہو یا نہ ہو، ویسے نماز پڑھنے کی جگہ ہو، اس کو بھی بعض اوقات مسجد کہہ دیا جاتا ہے اور عمارت سے مراد اس کو ذکر اللہ، نماز، عبادت سے آباد کرنا ہو۔

ان دو احتمالوں میں سے امام بخاری رحمہ اللہ نے پہلے احتمال کو ترجیح دینے کے لئے یہ آیت یہاں پر لائے ہیں کہ تعاون فی بناء المسجد۔ ”بناء“ کا لفظ استعمال کر کے اور پھر آیت ذکر کر کے اس میں اشارہ کر دیا کہ عمارت سے مراد بناء ہے اور مساجد سے مراد مساجد اصطلاحیہ ہیں نہ کہ مطلق اماکن صلوٰۃ۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہاں اس آیت کی یہ توجیہ کی ہے، لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی توجیہ ذرا دور از کار قسم کی ہے اور پوری طرح بیٹھتی نہیں۔

بعض حضرات کی توجیہ

بعض لوگوں نے یہ کہا ہے ”مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يعمروا مَسَاجِدَ اللَّهِ“ میں جو یہ کہا گیا ہے کہ مساجد کی تعمیر کرنا مشرکین کا کام نہیں ہے۔ تو اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ مؤمنین کا کام ہے، تو مؤمنین کا جب کام ہے تو اس میں تعاون کرنا باعث اجر و ثواب ہے اور یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے آیت کا پہلا حصہ ذکر کیا ہے اور آگے الایہ کہہ دیا تو مقصود دوسرا حصہ ہے کہ ”انما یعمرو مساجد اللہ من امن باللہ والیوم الآخر“ تو اس طرح گویا کہ ترجمہ الباب سے اس کی مطابقت ہے۔

طلب علم کا شوق

آگے اس میں حضرت عکرمہؓ کی روایت نقل کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے اور اپنے بیٹے علی سے

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا یعنی عکرمہ خود حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں اور علی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں۔ تو کہتے ہیں کہ ہم دونوں سے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ”انطلقا الی ابی سعید“ کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ ”فاسمعنا من حدیثہ“ اور ان کی باتیں سنو، یعنی وہ جو حدیثیں روایت کر رہے ہیں وہ ان سے جا کر سنو۔ ”فانطلقنا“ کہتے ہیں کہ ہم یعنی میں اور علی ابن عبداللہ بن عباس دونوں گئے ”فاذا هو حائط یصلحہ“ تو جا کر دیکھا کہ وہ ایک باغ میں ہے، اُس کی وہ مرمت کر رہے ہیں اس کو ٹھیک ٹھاک کر رہے ہیں ”فاحذر داءہ فاحتبی“ انہوں نے اپنی چادر لی اور احتباء کر کے بیٹھ گئے، ”ثم انشأ یحدثنا“ پھر ہمیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے واقعات سنانے لگے ”حتی اتی علی ذکر بناء المسجد“ یہاں تک کہ وہ مسجد نبوی کی تعمیر کے ذکر تک پہنچے کہ مسجد نبوی کس طرح تعمیر ہوئی۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے ساتھ حب نبوی

”فقال“ تو فرمایا ”کنّا نحمل لبنۃ لبنۃ وعمار لبنتین لبنتین“ کہ جب مسجد کی تعمیر ہو رہی تھی تو ہم میں سے ہر شخص مسجد کی تعمیر کے لئے ایک ایک اینٹ اٹھا کر لیجا رہا تھا اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ دو دو اینٹ اٹھا کر لیجا رہے تھے، ”فراہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فجعل یفرض التراب عنہ“ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا کہ دو دو اینٹیں اٹھا کر لیجا رہے ہیں تو اُن کے جسم پر جو مٹی لگی ہوئی تھی اس کو اپنے دست مبارک سے جھاڑا ”ویقول“ اور ساتھ میں یہ بھی فرمایا ”ویح عمار تقتله الفتنۃ الباغیۃ“ عمار پر افسوس ہے کہ ان کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔ ”یدعوہم الی الجنۃ“ یہ ان کو جنت کی طرف دعوت دے رہے ہو گئے اور وہ جہنم کی طرف دعوت دے رہے ہو گئے۔ تو اس پر حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”أعوذ باللہ من الفتن“ میں فتنوں سے اللہ جل جلالہ کی پناہ مانگتا ہوں۔

یہاں اصل باب جو مقصود بالترجمہ ہے وہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے ذوق و شوق کا ہے جو انہوں نے بناء مسجد کے اندر ظاہر فرمایا کہ دوسرے لوگ تو ایک ایک اینٹ لیکر جا رہے تھے اور یہ دو دو اینٹ اٹھا کر لیجا رہے تھے اس موقع پر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار سے محبت کا بھی اظہار فرمایا کہ ان کے جسم پر جو مٹی لگ رہی تھی وہ خود اپنے دست مبارک سے صاف فرمایا جو حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے ساتھ خصوصی تعلق اور محبت کی دلیل ہے۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے بارے میں پیشین گوئی

دوسرے ایک ایسا فقرہ ارشاد فرمایا جو آئندہ سے متعلق تھا: آئندہ کی پیشین گوئی تھی وہ یہ کہ ان کو باغیوں کی ایک جماعت قتل کرے گی اور واقعہ یہ پیش آیا کہ بعد میں جب جنگ صفین ہوئی جو حضرت علی

ﷺ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان تھی تو اس میں یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑائی میں شریک تھے۔ دوسری طرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا لشکر تھا اور اسی جنگ کے اندر مشہور روایت کے مطابق یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

تو اس حدیث کو ایک طرح سے اس بات کی صریح دلیل قرار دیا گیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان جو جنگ ہوئی اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حکم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس باغی جماعت کا حکم تھا۔

مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں احتیاطی پہلو

یہ مشاجرات صحابہ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان جو آپس میں جنگیں، لڑائیاں اور اختلافات پیش آئے، یہ بڑا نازک مسئلہ اور ایک دریائے خون ہے جس کے بارے میں تذکرہ اور تبصرہ کرتے ہوئے بڑی احتیاط لازم ہے، کیونکہ دونوں طرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں نصوص قطعیہ سے یہ بات واضح ہے کہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم عدول ہیں ”الصحابۃ کلہم عدول“ اور یہ بات کہ وہ عدول ہیں صرف روایت حدیث کی حد تک نہیں بلکہ اپنی عام زندگی میں بھی۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لغزشیں بھی ہوئیں، گناہ بھی سرزد ہوئے جیسے کہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ سے یا غامدیہ سے، لیکن گناہوں پر ان کو باقی نہیں رکھا گیا وہ انبیاء کی طرح معصوم نہیں تھے غلطیاں ہوئیں اور بعض گناہ بھی سرزد ہوئے لیکن گناہوں پر ان کو باقی نہیں رکھا گیا، وہ تائب ہوئے اور تائب ہونے کے بعد بحیثیت مجموعی ان کی زندگی عادل کی زندگی رہی اور تمام صحابہ اس میں شامل ہیں کسی کا اس میں استثنیٰ نہیں۔

اشکال:

یہاں اشکال واقع ہوتا ہے کہ اس لشکر کو ”الفئۃ الباغیۃ“ کہا گیا جس نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کیا اور پھر اسی پر بس نہیں بلکہ آپ رضی اللہ عنہ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ”یدعوہم الی الجنة ویدعونہ الی النار“ اس سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ گویا یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کے بارے میں نبی کریم رضی اللہ عنہ نے یہ تبصرہ فرمایا ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کو جہنم کی طرف بلارہے تھے۔

مشاجرات صحابہ سے متعلق اہل سنت والجماعت کا عقیدہ

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ ان مشاجرات میں اور خاص طور سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت

معاویہ رضی اللہ عنہ کے باہم جنگوں میں حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم نوا اور ان کے رفقاء سے اجتہادی غلطی ہوئی تھی۔

روافض کی کارستانی

صحیح بات یہ ہے کہ اس مسئلے کے اندر روافض کی ریشہ دوانیوں کے نتیجے میں غلط سلط روایات کا تاریخ میں ایک انبار لگ گیا ہے۔ اس کی وجہ سے جو حقیقت ہے اس کا چہرہ رو پوش ہو گیا، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ دونوں جماعتیں اپنے اپنے خیال کے مطابق اللہ جل جلالہ کی رضا کی خاطر، اللہ جل جلالہ کے دین کے احکام پر عمل کرنے کی کوشش کر رہی تھی جس طرح دو مجتہدوں کے درمیان اختلاف ہوتا ہے تو ان میں سے ہر مجتہد اپنے طور پر، اپنی بساط کے مطابق حق تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے اور اس لحاظ سے وہ باعث اجر بھی ہوتا ہے ”ان اصابہ المجتہد فله اجر ان وان اخطا فله اجر واحد“ تو اگر غلطی بھی ہو جائے تو چونکہ اس نے نیت یہ کی تھی کہ وہ اللہ جل جلالہ کی صحیح رضا کو حاصل کرے گا، اس واسطے ایک اجر سے وہ بھی محروم نہیں ہوتا ہے۔ یہی معاملہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان تھا، دونوں کے موقف اپنی اپنی جگہ اجتہاد پر مبنی تھے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا موقف

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا موقف یہ تھا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد تھے ان کو کچھ باغیوں نے آ کر قتل کر دیا، تو ایک خلیفہ راشد کا قتل کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے اور بالخصوص ان حالات میں جبکہ اس سے پہلے اس قسم کا کوئی واقعہ عالم اسلام میں پیش نہیں آیا تھا تو گویا مسلمانوں کے درمیان تلوار چلانے کی سب سے پہلی بنیاد ڈالی گئی تھی، لہذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ موقف تھا کہ سب سے پہلا کام یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے قصاص لیا جائے، چنانچہ ان کا مطالبہ شروع میں خلافت کا نہیں تھا بلکہ ان کا مطالبہ صرف یہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے قصاص لیا جائے اور جب تک ان سے قصاص نہیں لیا جاتا تو اس وقت تک ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اس لئے بیعت نہیں کریں گے کہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کے گروہ کے بہت سے لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قریب پہنچ گئے تھے یعنی ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور مشاورت کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ اس واسطے کہتے ہیں کہ ان کے ہاتھ پر بیعت ہم اس وقت تک نہیں کریں گے جب تک کہ وہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو پہلے پکڑیں اور پھر قصاص لیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا موقف

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا موقف یہ تھا کہ قصاص لینا یہ میرا حق ہے اور پہلے امیر مقرر ہو جائے اور اس کی حکومت

مستحکم ہو جائے تب ہی قصاص لے سکتا ہے۔ ہر ایک آدمی کا کام تو نہیں ہے کہ وہ قصاص لے۔ پہلے امارت و خلافت قائم ہونی چاہئے، اس کو استحکام حاصل ہونا چاہئے پھر وہ حضرت عثمان ؓ کا قصاص لے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ فتنہ کا زمانہ تھا تو اس فتنہ کے زمانہ میں وہی لوگ جو قاتلین عثمان ؓ تھے ان کا بڑا جتھہ اور بڑا گروہ تھا۔ تو ان پر ایک دم سے ہاتھ ڈالنا مشکل تھا، یہ اسی وقت ممکن تھا کہ ایک مرتبہ سارے لوگ حضرت علی ؓ کو اپنا امیر مقرر کر لیں، ان کے ہاتھ پر بیعت کر لیں، ان کے ہاتھ مضبوط کریں اور مضبوط کرنے کے بعد پھر وہ ان لوگوں سے حضرت عثمان ؓ کا قصاص لیں، اس لئے کہ وہ بڑے قوی جتھہ کے لوگ تھے۔ تو دونوں نقطہ نظر اپنی اپنی جگہ اجتہاد پر مبنی تھے۔

علماء اہل سنت کا فیصلہ

اگرچہ علماء اہل سنت نے یہ قرار دیا کہ حضرت علی ؓ کا موقف نفس الامر میں صحیح تھا اور حضرت معاویہ ؓ کا یہ کہنا کہ ”بیعت بعد میں کریں گے قصاص پہلے لو“ یہ اصول کے خلاف تھا، کیونکہ پہلے امارت منعقد ہونی چاہئے وہی قصاص لے گی، لیکن بہر حال حضرت معاویہ ؓ پر ملامت اس لئے نہیں کہ انہوں نے یہ موقف اپنے اجتہاد کی بنیاد پر قائم کیا تھا۔

منافقین کی ریشہ دوانیاں

ایک طرف تو دونوں کے درمیان یہ اجتہادی اختلاف تھا، دوسری طرف منافقین کی ریشہ دوانیاں تھیں یعنی دونوں طرف ایسے لوگ لگے ہوئے تھے جو ایک کو دوسرے کے خلاف بھڑکاتے اور مختلف قسم کی خبیثیات اور دوسرے کو پہنچاتے۔ حضرت علی ؓ کو یہ خبر پہنچاتی کہ دیکھو حضرت معاویہ ؓ آپ کے مقابل آگئے ہیں اور خلافت کا دعویٰ کرنے والے ہیں اور حضرت معاویہ ؓ کو یہ خبریں پہنچاتے کہ دیکھو قاتلین عثمان ؓ حضرت علی ؓ کے بالکل دست و بازو بنے ہوئے ہیں اور ان کے قریب ہیں، لہذا ان کا ارادہ قاتلین عثمان ؓ سے قصاص لینے کا نہیں ہے۔

تو اس قسم کی ریشہ دوانیوں کے سلسلہ میں دونوں فریقوں میں بعد پیدا ہوتا گیا اور بالآخر جنگ پر منتج ہوا۔ تو اصل میں حضرات صحابہ کرام ؓ کے پیش نظر دین کے کسی نہ کسی حکم کی تعمیل تھی اور منافقین کے ریشہ دوانیوں کے نتیجہ میں یہ بعد بڑھتا چلا گیا، یہاں تک کہ جنگ صفین پر منتج ہوا اور دونوں فریقوں کے درمیان بڑی افسوس ناک جنگ ہوئی۔

حضور ﷺ کی پیشین گوئی اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت

اس موقع پر جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کے لوگوں نے یہ کہا کہ دیکھو ہمارے حق پر ہونے کی بالکل واضح اور قطعی دلیل سامنے آگئی، اس واسطے کہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہ ”تقتله الفئة الباغية“ یہ معروف و مشہور تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی جانتے تھے کہ حضور ﷺ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا ہے۔ تو جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر والوں نے اس کو بطور حجت کے پیش کیا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف یہ حجت قاطعہ سمجھی گئی۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد

روایات میں یہ آتا ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ بات پیش کی گئی کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے ہیں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”تقتله الفئة الباغية“ تو روایات میں آتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ ”أنحن قتلناه إنما قتلته الذين جاء وابه“ کہ کیا ہم نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا؟ قتل تو انہوں نے کیا ہے جو ان کو لے کر آئے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ارشاد کی دوراز کارتاویل

اس کا مطلب بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ انہوں نے یہ کہا کہ گویا حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کو اپنے ساتھ ہمارے مقابلہ پر نہ لاتے تو یہ شہید نہ ہوتے۔ یہ ان کو اپنے ساتھ لیکر آئے تو درحقیقت وہ ان کے قاتل ہیں کہ ان کو اپنے ساتھ ایک غلط مقصد کے لئے لے کر آئے، تو اس کے نتیجے میں ان کی شہادت واقع ہوئی تو یہ تاویل بڑی دوراز کار ہے۔ تو اس کے نتیجے میں یہ کہا جاتا ہے کہ دیکھو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس حضور ﷺ کا ارشاد صریح آگیا ہے، اس کے باوجود انہوں نے ایسی دوراز کارتاویل کی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کے اس قول کا مقصد یہ نہیں تھا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ارشاد کا مقصد

ان کے قول کا مقصد یہ تھا کہ درحقیقت ان کو قتل کرنے والے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کے بعض افراد ہیں۔ ان کا دعویٰ یہ تھا کہ ان کو ہمارے لشکر کے آدمیوں نے قتل نہیں کیا بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کے بعض آدمیوں نے قتل کیا تا کہ اس کو ہمارے خلاف حجت بنایا جاسکے۔

تو اس واسطے ان کا کہنا یہ تھا کہ ”فئة باغية“ درحقیقت وہ ہے کہ جس نے حضرت عثمان ؓ کو شہید کر دیا اور اسی کے بعض افراد حضرت علی ؓ کے گروہ میں شامل ہو گئے، انہوں نے حضرت عمار ؓ کو قتل کر لیا اور قتل اس لئے کیا تا کہ ہمارے خلاف حجت بنا سکیں۔ تو ان کا دعویٰ یہ تھا کہ حضرت عمار ؓ کو قتل کرنے والا ہمارے لشکر کا کوئی آدمی نہ تھا بلکہ اسی لشکر کا کوئی آدمی تھا۔ تو ان کی جو تاویل ہے وہ اتنی بدیہی البطلان نہیں جیسا کہ سمجھا جاتا ہے، بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ حضرت عثمان ؓ کے قاتلوں کا جو گروہ ہے اُن میں سے کسی نے حضرت عمار ؓ کو قتل کیا ہے۔ اور یہ اس ماحول کے اندر اتنا کچھ بعید بھی نہ تھا۔

اس وقت بھی یہ صورت حال پیش آئی کہ حضرت عمار ؓ کی شہادت کے موقع پر حضرت معاویہ ؓ کا موقف یہ تھا کہ ان کو قتل کرنے والے وہ ہیں تو اس طرح انہوں نے کہا کہ یہ ہمارے خلاف کوئی نص صریح نہیں ہے بلکہ یہ اُن کے خلاف بنتی ہے جنہوں نے قتل کیا ہے۔

”انما قتلہ الذین جاء وابہ“ تو بہر حال یہاں پر بھی بات ایسی ہے کہ اس کو بالکل یہ سو فیصد رد کرنا مشکل ہے۔ اس واسطے اجتہاد کی گنجائش دونوں طرف موجود تھی۔

پیشین گوئی کا دوسرا جملہ

اب جو اگلا جملہ ہے:

”یدعوہم الی الجنة ویدعونہ الی النار“

کہ حضرت عمار ؓ ان کو جنت کی دعوت دے رہے ہیں اور وہ جہنم کی دعوت دے رہے ہیں۔ اس کی توجیہ تین طریقہ سے کی گئی ہے:

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی توجیہ

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ یہ فقرہ ”یدعوہم الی الجنة ویدعونہ الی النار“ اس کا تعلق فئہ باغیہ سے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق ان مشرکین سے ہے جنہوں نے ابتداء اسلام میں حضرت عمار ؓ کو اذیت پہنچائی تھی گویا حضور اکرم ؐ نے حضرت عمار ؓ کو اس حالت میں دیکھ کر دو جملے ارشاد فرمائے، ایک تو آئندہ سے متعلق کہ آئندہ ایسا ہوگا کہ ان کو ”فئة باغیہ“ قتل کرے گی اور دوسرا فقرہ ان کی ماضی سے متعلق ارشاد فرمایا کہ ان کی ماضی اس حالت میں گزری ہے کہ مشرکین مکہ نے ان کو صرف ان کے کلمہ پڑھنے کی وجہ سے اذیتیں پہنچائیں۔ یہ ان کو جنت کی دعوت دے رہے تھے اور وہ مشرکین ان کو جہنم کی دعوت دے رہے تھے تو اس کا تعلق ان کی ماضی کی زندگی سے ہے، جو انہوں نے مشرکین کے ہاتھ سے اسلام میں

اذیتیں اٹھائیں۔ ۱۲۱

علامہ کرمانی رحمہ اللہ کی توجیہ

بعض حضرات جیسے کہ علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے یہ توجیہ کی ہے کہ یہ ”یدعوہم الی الجنة ویدعونہ الی النار“ کا تعلق خوارج سے ہے یعنی حضرت علیؑ نے خوارج کو سمجھانے کے لئے ان کو بھیجا تھا اور خوارج کو سمجھانے کے نتیجہ میں وہ ان کو جنت کی دعوت دے رہے تھے اور خوارج ان کو جہنم کی دعوت دے رہے تھے۔ ۱۲۲۔ لیکن یہ توجیہ اس لئے نہیں بنتی کہ خوارج تو صفین کے بعد ہی پیدا ہوئے ہیں۔ جنگ صفین کے نتیجہ میں جب تحکیم کا مسئلہ پیش آیا تو اس کے بعد خوارج نے تحکیم سے انکار کیا اور ”ان الحکم لا للہ“ کا نعرہ لگا دیا۔ وہاں سے خوارج کا فتنہ شروع ہوا۔ تو جس وقت جنگ صفین کا آغاز ہوا تھا جس میں حضرت عمارؓ کی شہادت ہوئی اس وقت خوارج وجود میں ہی نہیں آئے تھے، لہذا خوارج کے یہاں مراد ہونے کا کوئی موقع ہی نہیں۔ ۱۲۳۔

تیسری توجیہ

تیسری توجیہ یہ ہے کہ درحقیقت یہ فقرہ اس حدیث میں موجود ہی نہیں بلکہ حدیث ”قتلہ الفئۃ الباغیۃ“ پر ختم ہوگئی ہے، چنانچہ بخاری کے متعدد نسخوں میں یہ جملہ موجود نہیں اور کسی نسخ سے غلطی ہوئی ہے اور اس نے کسی اور حدیث کا ٹکڑا لاکر یہاں غلطی سے جوڑ دیا، تو درحقیقت یہ جملہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد نہیں فرمایا۔ یہ تین توجیہات عام طور سے شراح حدیث نے کی ہیں۔ ۱۲۴۔

ایک اور توجیہ

چوتھی بات یہ ہے کہ اگر بالفرض اس نسخہ کو تسلیم کر لیا جائے جس نسخہ میں یہ جملہ یہاں موجود ہے اور اس کو فئۃ باغیہ سے بھی متعلق قرار دیا جائے جیسا کہ ظاہراً نظر آ رہا ہے تو صورت حال یہ ہے کہ جنت کنایہ ہے حق سے اور نار کنایہ ہے باطل سے، کیونکہ حق کا اصل تقاضا یہ ہے کہ وہ جنت تک لے جانے والا ہو اور باطل کا تقاضا یہ ہے کہ وہ نار تک لے جانے والا، لیکن حق کا موجب جنت ہونا اور باطل کا موجب نار ہونا یہ اس وقت ہوتا

۱۲۱ انظر: فیض الباری ج: ۲، ص: ۵۲۔

۱۲۲ شرح الکرمانی ج: ۲، ص: ۱۰۷۔

۱۲۳ ولكن لا یصح هذا، لان الخوارج انما خرجوا علی علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بعد قتل عمار بلا خلاف بین اهل العلم بذلك، لان ابتداء امرهم كان علیہم التحکیم بین علی ومعاویہ، ولم یکن التحکیم الا بعد انتهاء القتال بصفین، وکان قتل عمار قبل ذلك قطعاً، عمدة القاری ج: ۳، ص: ۷۶۔

ہے جبکہ کوئی مانع نہ ہو۔

یہی وجہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ ”من قال لا اِلهَ الا الله دخل الجنة“ تو ”لا اِلهَ الا الله“ کا تقاضا یہ ہے کہ جنت کا موجب ہو لیکن اس کے جنت کے موجب ہونے کے لئے کیا شرط ہے؟ موانع مرتفع ہوں اور موانع کیا ہیں کہ معصیوں کا ارتکاب نہ ہو۔ اگر معصیوں کا ارتکاب بھی ہوا تو ”لا اِلهَ الا الله“ موجب جنت ہونے کے باوجود جنت تک نہیں لے جاسکتا، جنت میں دخول اولی نہیں ہو سکتا۔ مثلاً فرمایا کہ ”المرأسی والمرئسی کلہما فی النار“ کہ رشوت لینے والا اور دینے والا دونوں نار میں، تو اس کا تقاضا ہے کہ دونوں فوراً جہنم میں جائیں لیکن یہ جہنم میں جانا ارتقاء موانع پر موقوف ہے۔ اور مانع کیا ہے؟ کہ توبہ کر لی، اور حق جو ہے وہ حق دار کو دے دیا، یا اللہ ﷻ نے مغفرت فرمادی، ورنہ ہر گناہ موجب نار ہوتا ہے، شرط یہ ہے کہ موانع نہ ہوں تو ہر باطل موجب نار ہے۔

تو یہاں جو حضرات اجتہادی غلطی میں مبتلا تھے، تو اس اجتہادی غلطی میں مبتلا ہونے کا معنی کیا ہے کہ ان کا موقف حق نہیں تھا، باطل تھا، تو باطل اپنے باطل ہونے کی حیثیت سے نار تھا اگرچہ ایک مانع کی وجہ سے ان کے حق میں موجب نار نہ ہوا۔ اور وہ مانع کیا ہے؟ ان کا اجتہاد، کہ انہوں نے اجتہاد کی اور یہ موقف اختیار کیا تھا اگرچہ باطل تھا اور باطل ہونے کی حیثیت سے موجب نار تھا لیکن چونکہ انہوں نے اجتہاد کی وجہ سے حاصل کیا ہوا تھا، اس لئے ان کے حق میں موجب نار نہ ہوا، لیکن جو شخص اپنے اجتہاد سے اس کو باطل ہی سمجھتا ہے اس کے حق میں اب بھی موجب نار ہے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء نے جو موقف اختیار کیا تھا وہ باطل ہونے کی وجہ اصلاً موجب نار تھا۔ بغاوت موجب نار ہے لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں مانع پیش آ گیا اور وہ ان کا اجتہاد ہے، لہذا ان کے حق میں انشاء اللہ موجب نار نہیں ہوگا لیکن جو لوگ ان کے موقف کے قائل نہیں اور ان کے اجتہاد کے مطابق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اجتہاد درست نہیں، جیسا کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ، ان کے حق میں وہ کیا موقف ہے؟ ان کے حق میں وہ موقف نار ہے، تو مطلب یہ ہے کہ وہ ان کو بلا رہے تھے ایک ایسے موقف کی طرف جو عمار رضی اللہ عنہ کے لئے نار ہوتا کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ اگر اس موقف کو اس حالت میں قبول کر لیتے جبکہ وہ خود اپنے اجتہاد سے اس کے قائل نہیں تھے تو جہنمی ہوتے اور نار میں چلے جاتے۔ ”یدعوہم الی النار“ کا یہ معنی ہے۔

تقریب الی الفہم کے لئے تمثیل

اس کی مثال یوں سمجھ لینا چاہیے کہ کتنا کھانا ہمارے نزدیک حرام ہے اور امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حرام نہیں ہے تو کتنا کھانا موجب جنت ہے یا موجب جہنم ہے؟ موجب جہنم ہوگا کیونکہ حرام کیا ہے لیکن امام مالک رحمہ اللہ نے اپنے اجتہاد کی وجہ سے اس کو حلال کہا۔ تم بھی اس اجتہاد کے قائل ہو یا نہیں؟

کیونکہ امام مالک رحمہ اللہ اجتہاد کی بنا پر کتے کو حلال کہہ رہے ہیں، لہذا اگرچہ کتا کھانا نفس الامری میں حرام ہوا اور موجب نار ہوا لیکن امام مالک رحمہ اللہ کے حق میں اس لئے نہیں کہ انہوں نے اپنے اجتہاد سے یہ بات فرمائی ہے۔

اُن کا استدلال قرآن کریم کی آیت ہے: ﴿قُلْ لَا أَجِدُ فِيمَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى الْخَنَازِ﴾ اس آیت سے استدلال کر کے انہوں نے کتے کو حلال کہا لیکن تم اگر کتے کو حرام سمجھنے کے باوجود کوئی مالکی آپ سے کہے کہ بھائی کتا کھاؤ اور آپ کتا کھائیں تو آپ باوجود اس کو حرام سمجھنے کے اگر کتا کھائیں گے تو یہ موجب نار ہو جائے گا تو وہاں یہ کہنا درست ہو جائیگا کہ وہ مالکی جو ہے وہ اس کو آگ کی طرف بلا رہا ہے۔ اس کے حق میں تو آگ نہیں لیکن جس کو وہ بلا رہا ہے اس (مالکی) کے حق میں آگ ہے، اس واسطے کہ اس کا اجتہاد اس کی اجازت نہیں دیتا۔

لہذا یہ جملہ اگر اپنی جگہ پر ہو بھی اس کا تعلق ”فَسْمُ بَاغِيَةٍ“ سے ہو تب بھی اس سے یہ مطلب نکالنا درست نہیں کہ العیاذ باللہ حضرت معاویہؓ اور ان کے رفقاء جہنمی تھے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ عمل فی نفسہ باطل ہو نے کی وجہ سے موجب نار تھا۔ تو جناب! یہ اس ساری بحث کا خلاصہ ہے۔ ۱۲۵۔

سوال: حضرت معاویہؓ نے منافقین کو جو قاتل ٹھہرائے تھے، کیا ان سے حضرت معاویہؓ کی تائید نہیں ہوتی، کیونکہ صحابہ کے شان میں دعوت الی النار مناسب نہیں؟

جواب: مطلب یہ ہے کہ ”يَدْعُوهُمْ إِلَى النَّارِ“ اس کا حاصل یہ ہے کہ ایسے عمل کی طرف دعوت دے رہے تھے جو فی نفسہ موجب نار تھا، اگرچہ ان کے اجتہاد کی وجہ سے نار نہ ہو تو جملہ کا یہ معنی اگر لیا جائے تو پھر حضرت علیؓ کا استدلال درست ہوگا اس میں وہ احتمال بھی ہے جو سوال میں ہے اسی واسطے حضرت معاویہؓ نے اس کو اختیار کیا۔

یہی اجتہاد ہوتا ہے کہ دونوں میں سے کوئی فریق بھی کسی فریق کو عقلی طور پر نہیں کہہ سکتے، زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ”مذهبنا صواب يحمل الخطاء مذهبهم خطأ يحتمل الصواب“۔

۱۲۳، ۱۲۴ وقال الحميدى: لعل هذه الزيادة لم تقع للبخارى، أو وقعت لحديثها عمداً ولم يذكرها في الجمع، قال: وقد أخرجهما الأسماعيلي والبرقاني في هذا الحديث، والجواب الصحيح في هذا أنهم كانوا مجتهدين ظانين أنهم يدعونهم إلى الجنة، وإن كان في نفس الأمر خلاف ذلك، فلا لوم عليهم في اتباع ظنهم، فإن قلت: المجتهد إذا أصاب فله أجران، وإذا أخطأ فله اجر، فكيف الأمر هنا؟ قلت: الذي قلنا جواب القناعي فلا يليق أن يذكر في حق الصحابة خلاف ذلك، لأن الله تعالى أثنى عليهم وشهد لهم بالفضل، بقوله: كنتم خير أمة أخرجت للناس، آل عمران: ۱۵، قال المفسرون: هم أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم، عمدة القارى ج: ۳، ص: ۳۷۶۔

کیوں آپ ہی کے عہد میں جھگڑے یہ پڑ گئے اپنی تو عقل ہو گئی اس مسئلے میں گم کہنے لگے: یہ بات کوئی پوچھنے کی ہے ان کے مشیر ہم تھے، ہمارے مشیر تم حضرت علیؓ کا یہ مقولہ ابن خلدون رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے۔ اس قسم کے فتنے کے دور میں ایک ذمہ دار حکومت کن حالات سے دوچار ہوتی ہے، اس کے سامنے کیا مسائل ہوتے ہیں اور ان مسائل کی بنا پر بعض اوقات ایک عام آدمی ان کے اعمال و افعال پر اعتراض کرتا ہے لیکن اس عام آدمی کو پتہ نہیں ہوتا کہ وہ کن مجبور یوں سے دوچار ہے، اس واسطے یہ سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ حضرت علیؓ سے یہ بات کم از کم ناقابل تصور ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کی شہادت میں حصہ دار ہوں، العیاذ باللہ، یا قصاص سے جان بوجھ کر قدرت کے باوجود عدول یا اعراض کیا ہو۔

حضرت عثمانؓ کو شہید کرنے کی وجہ

حضرت عثمانؓ پر یہ اعتراض تھا کہ انہوں نے اپنے قبیلے اور خاندان کے لوگوں کو مختلف جگہوں کا گورنر مقرر کر دیا، اور ان کو گورنر مقرر کرنے کی وجہ سے لوگوں نے ایک طوفان کھڑا کیا اور ایسے ایسے غلط سلط الزام لگائے۔

تو حضرت عثمانؓ کا موقف یہ تھا کہ جب تک کوئی بات پوری طرح ثابت نہ ہو تو میں کسی گورنر کو معزول نہیں کر سکتا، آخر کار انہوں نے چڑھائی کر دی کہ ہمارا مطالبہ مانا جائے جیسا کہ آج کل ہوتا ہے کہ اگر ہمارا مطالبہ منظور نہ کیا گیا تو چڑھائی کر دیں گے۔

اس چڑھائی کو اگر حضرت عثمانؓ چاہتے تو فوج کے ذریعے روک سکتے تھے، لیکن حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں پہلا وہ شخص نہیں بننا چاہتا ہوں جو مسلمانوں کے اوپر تلوار چلائے، وہ خاموش رہے اور صبر کرتے رہے۔ اس صبر کا انہوں نے ناجائز فائدہ اٹھایا اور حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا۔

(۶۴) باب الاستعانة بالنجار والصناع في أعواد المنبر والمسجد

منبر اور مسجد کی لکڑیوں میں بڑھئی اور کاریگروں سے مدد لینے کا بیان

۴۴۸۔ حدیثنا قتیبہ قال: حدیثنا عبد العزیز، عن ابی حازم، عن سهل قال:

بعث رسول الله ﷺ إلى امرأة أن (مری غلامک النجار يعمل لی أعوادا أجلس علیهن).

[راجع: ۳۷۷]

۴۴۹۔ حدثنا خلاد قال: حدثنا عبد الواحد بن أيمن، عن أبيه، عن جابر: (أن امرأة قالت: يا رسول الله، ألا أجعل لك شيئاً تقعد عليه؟ فإن لي غلاماً نجاراً. قال: إن شئت، فعملت المنبر) [أنظر: ۲۰۹۵، ۳۵۸۴، ۳۵۸۵]

حضور اقدس ﷺ نے ایک عورت کے پاس پیغام بھیجا کہ اپنا جو بڑھی غلام ہے اس سے کہو کہ میرے لئے کچھ لکڑیاں بنا دے جس میں میں بیٹھوں گا یعنی منبر، اور اگلی روایت میں یہ آ رہا ہے کہ خود عورت نے یہ پیش کش کی تھی کہ میں آپ کے لئے منبر بنوادوں گی۔
دونوں روایتوں میں تطبیق

دونوں روایتوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ عورت نے پہلے خود پیش کش کی تھی اور جب ذرا کچھ تاخیر ہوئی تو حضور اقدس ﷺ نے خود کہلوایا کہ جا کر اپنے غلام سے بنوادو اور پھر طریقہ بھی بتایا کہ وہ منبر بنانا ہے اور منبر اس طرح کا بناؤ۔

(۶۵) باب من بنی مسجدا

جو شخص مسجد بنائے اس کا بیان

۴۵۰۔ حدثنا يحيى بن سليمان قال: حدثني ابن وهب: أخبرني عمرو: أن بكيراً حدثه أن عاصم بن عمر بن قتادة حدثه أنه سمع عبيد الله الخولاني، أنه سمع عثمان ابن عفان يقول عند قول الناس فيه حين بنى مسجد الرسول ﷺ: إنكم أكثرتم وإني سمعت النبي ﷺ يقول: (من بنى مسجداً. قال بكير: حسب أنه قال: يبتغي به وجه الله. بنى الله له مثله في الجنة). ۱۲۶]

تعمیر مسجد کی فضیلت

حضرت عثمان بن عفان ؓ کو مسجد نبوی کی تعمیر کرتے وقت فرماتے ہوئے سنا ہے کہ لوگ ان کے

۱۲۶] وفي صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب فضل بناء المساجد والحث عليها، رقم: ۸۲۸، وكتاب الزهد والرفائق، رقم: ۵۲۹۷، وسنن العرمذی، كتاب الصلاة، باب فضل بناء المساجد، رقم: ۲۹۲، وسنن ابن ماجه، كتاب المساجد والجماعات، باب من بنى لله مسجداً، رقم: ۷۲۸، ومسند أحمد، مسند العشرة المبشرين بالجنة، باب مسند عثمان بن عفان، رقم: ۴۰۷، وسنن الدارمی، كتاب الصلاة، باب من بنى لله مسجداً، رقم: ۱۳۵۶.

بارے میں مختلف باتیں کرتے تھے، حضرت عثمان بن عفان ؓ نے دو مرتبہ مسجد کی توسیع فرمائی تھی تو جب مسجد نبوی کے اندر تعمیر کر رہے تھے تو بعض لوگ اعتراض کرنے والے ہوتے ہیں، کہنے لگے کہ حضور اقدس ﷺ کے زمانے کی مسجد میں تغیر کر رہے ہیں۔ تو اس کے جواب میں حضرت عثمان ؓ نے یہ حدیث سنائی ”وانکم کم اکثرتم“ ارے بھائی! تم نے بھی مجھ پر اعتراض کرنے میں حد سے تجاوز کیا اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ ”من بنی مسجدا“ اور بکیر نے کہا کہ میرے خیال میں یہ بھی کہا تھا ”یتغی بہ وجہ اللہ“ اور مسجد بنائے اور رضائے الہی مقصود ہو ”بنی اللہ له مثله فی الجنة“ تو اللہ جل جلالہ اس کے لئے اس جیسا گھر جنت میں بنائے گا۔

اعتراض سے کوئی ذات محفوظ نہیں رہی

اس میں بعض حضرات کا حضرت عثمان ؓ پر جو اعتراض تھا وہ یہ تھا کہ آپ نبی اکرم ﷺ کے زمانے کی مسجد میں تبدیلی فرما رہے ہیں اور بعض کا اعتراض یہ تھا کہ حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں مسجد کی عمارت پختہ نہیں تھی اور آپ نے اس کو پختہ بنایا اور اس زمانے کے لحاظ سے اس کو ذرا آراستہ بھی کیا۔

حضرت عثمان ؓ نے اس سے استدلال کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو کوئی مسجد بنائے گا اللہ جل جلالہ اس کے لئے جنت میں اس جیسا گھر بنائے گا ”مثله“ فرمایا، معنی یہ ہوئے کہ جو کچی مسجد بنائے گا تو کچا گھر ملے گا اور پکی مسجد بنائے گا تو پکا گھر ملے گا، لہذا جب ”مثله“ فرمایا تو یہاں اچھی سے اچھی مسجد بنانی چاہئے، تاکہ وہاں پر اچھے سے اچھا گھر ملے۔ حضرت عثمان ؓ نے یہ مسجد کا کام اپنے ذاتی خرچے سے کیا تھا، بیت المال سے کوئی رقم نہیں لی تھی۔

(۶۶) باب: یاخذ بنصول النبل إذا مر فی المسجد

جب مسجد سے گزرے تو تیر کا پھل پکڑے رہے

۴۵۱۔ حدثنا قتیبہ قال: حدثنا سفیان قال: قلت لعمرہ: أسمع جابر

ابن عبد اللہ یقول: مر رجل فی المسجد ومعہ سهام، فقال له رسول اللہ ﷺ:

(أمسک بنصالہا). [أنظر ۷۰۷۳، ۷۰۷۴، ۷۰۷۵]

(۶۷) باب المرور فی المسجد

مسجد میں کس طرح گزرنا چاہیے

۴۵۲ - حدثنا موسى بن إسماعيل قال: حدثنا عبد الواحد قال: حدثنا أبو بردة ابن

عبد الله قال: سمعت أبا بردة عن أبيه عن النبي ﷺ قال: (من مر في شئ من مساجدنا أو أسواقنا بنبل فليأخذ على بصالها، لا يعقر بكفه مسلماً). [أنظر: ۷۵۰-۷۷۷]

ترجمۃ الباب سے مقصود بخاری

پہلے باب ”باب: یاخذ بنصول النبل إذا مر فی المسجد“ میں امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد سے گزرے اور اس کے ہاتھ میں تیر وغیرہ ہوں تو اس کی دھار پکڑ کر رکھے، ایسا نہ ہو کہ وہ کسی دوسرے کو لگ جائے اور اس سے اس کو تکلیف پہنچ جائے، اصل مقصود اس باب سے یہی ہے۔

روایت باب سے مقصود

پھر دوسرا باب قائم کیا ”باب المرور فی المسجد“ اس میں بھی وہی حدیث لائے ہیں لیکن اس میں مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ مسجد کے اندر سے گزرنا درست ہے یا نہیں؟ یعنی کوئی شخص مسجد میں بغرض عبادت نہیں جاتا بلکہ اس کو ایک راستہ کے طور پر استعمال کرتا ہے اور مقصد کہیں اور جانا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

مرور فی المسجد میں اختلاف ائمہ

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس میں کوئی حکم بیان نہیں کیا بلکہ مطلق چھوڑ دیا، کیونکہ اس میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس طرح گزرنے میں کوئی حرج نہیں۔

حنفیہ کا مسلک

حضرات حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ مسجد کو راستہ بنانا مکروہ ہے یعنی اگر اکاؤ کا مرتبہ گزر گیا تو اس کی گنجائش ہے لیکن اس خیال سے عام عادت بنالے کہ راستہ قریب پڑے گا تو اس کو فقہاء حنفیہ نے مکروہ قرار دیا ہے۔

حنفیہ کا استدلال

حنفیہ نے اس مسئلے میں ایک حدیث سے استدلال کیا ہے جو ابن ماجہ میں آئی ہے اور اس میں یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے مسجد کو طریق بنانے سے منع فرمایا ہے۔ ۱۲۸

اس کی سند اگرچہ ضعیف ہے لیکن متعدد آیات و احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ مساجد عبادت کے لئے بنائی گئی ہیں ان کو اگر کوئی شخص راستہ بنا لے تو یہ ان کا غلط استعمال ہے، اس لئے حنفیہ نے ان احادیث اور آیات کی روشنی میں باوجود اس حدیث کے ضعیف ہونے کے اس پر عمل کیا ہے۔ ۱۲۹

قتلین جواز کی دلیل

اور امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں جو حدیث ذکر فرمائی ہے اس میں یہ ہے کہ ”من مَرَّ فِی شَیْءٍ مِنْ مَسَاجِدِنَا أَوْ أَسْوَاقِنَا بِنْبَلٍ فَلْيَأْخُذْ عَلٰی نَصَالِهَا“ کہ جب کوئی شخص مسجد کے اندریروں کے ساتھ گزرے تو اس کی دھار پر ہاتھ رکھ لے تاکہ دوسروں کو تکلیف نہ ہو، تو یہاں چونکہ مرور کا ذکر ہے اس لئے اس سے ان حضرات کے مسلک پر ایک طرح سے استدلال کیا جا رہا ہے جو مرور کے قائل ہیں۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں حدیث میں اس بات کی صراحت نہیں ہے کہ جو آدمی گزر رہا ہے وہ محض راستہ بنانے کے لئے گزر رہا ہے بلکہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ نماز پڑھنے کے لئے آیا ہو اور مسلح بھی ہے اور تیر اس کے ہاتھ میں ہے، تو اس واسطے مرور یہاں محض راستہ بنانے کے معنی میں نہیں ہے، جس سے یہ استدلال کیا جائے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کو راستہ بنانے کی اجازت دی ہے۔

(۶۹) باب أصحاب الحرب في المسجد

حرب والوں کا مسجد میں داخل ہونے کا بیان

۴۵۴۔ حدثنا عبد العزيز بن عبد الله قال: حدثنا إبراهيم بن سعد، عن صالح

۱۲۸ عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: خصال لا تنهى في المسجد لا يتخذ طريقاً ولا يشهر فيه سلاح ولا ينقض فيه بقوس ولا ينشر فيه نبل ولا يمر فيه بلعمن نتي ولا يضرب فيه حد ولا يقتص فيه من أحد ولا يتخذ موقفاً، سنن ابن ماجه رقم: ۷۴۸، ج: ۱، ص: ۲۴۷، دار الفكر، بيروت، والفردوس بماثور الخطاب، رقم: ۶۷۲۳، ص: ۴، ص: ۲۴۵.

۱۲۹ رواه من هذا الوجه باسناد لا بأس به كذا قال عبد العظيم المنذرى الخ، مصباح الزجاجة ج: ۱، ص: ۹۵، دار العربية، بيروت، سنة النشر، ۱۴۰۳ھ.

عن ابن شہاب قال: أخبرني عروة بن الزبير أن عائشة رضي الله عنها قالت: لقد رأيت رسول الله ﷺ يوما على باب حجرتي والحبشة يلعبون في المسجد، ورسول الله ﷺ يسترنني براد نه أنظر إلى لعبهم). [أنظر ۳۵۵، ۹۵۰، ۹۸۸، ۲۹۰۶، ۳۵۲۹، ۳۹۳۱، ۵۱۹۰، ۵۲۳۶] ۱۳۰

۳۵۵ - وزاد إبراهيم بن المنذر: حدثنا ابن وهب، أخبرني يونس، عن ابن شہاب عن عروة، عن عائشة قالت: (رأيت النبي ﷺ والحبشة يلعبون بحراهم) [راجع: ۳۵۴]

مسجد میں نیزہ بازی کا ثبوت؟

یہ مشہور و معروف حدیث ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے حجرے کے دروازے پر دیکھا، جبکہ حبشہ کے لوگ ”یلعون فی المسجد“ مسجد میں نیزہ بازی کے کرتب دکھا رہے تھے ”و رسول اللہ ﷺ یسترني برادنه“ آپ ﷺ نے مجھے اپنی چادر سے چھپایا ہوا تھا۔ ”أنظر إلى لعبهم“ ان کے اُس کرتب کو میں دیکھ رہی تھی اور آگے دوسری روایت میں کہا کہ ”رأيت النبي ﷺ والحبشة يلعبون بحراهم“ وہ اپنے نیزوں سے کھیل رہے تھے۔ تو اس سے امام بخاری رحمہ اللہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ نیزہ بازی مسجد میں کی جاسکتی ہے۔

بعض حضرات نے یہ کہا کہ یہاں مسجد سے مراد فناء مسجد ہے، اور یہ بات امام مالک رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے، ۱۳۱

لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ وغیرہ نے اس کی تائید کی ہے کہ دوسری روایت میں صراحتاً یہ آیا ہے کہ مسجد کے فناء میں نہیں بلکہ عین مسجد میں یہ ہو رہا تھا اور چونکہ نیزہ بازی اور تلوار بازی یہ سب جہاد کی تیاری ہے، اس کے مسجد میں ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں، البتہ اس کو مستقل مسجد کا مشغلہ نہیں بنانا چاہئے، احیاناً ایک مرتبہ واقعہ پیش آیا تھا ایسا احیاناً اگر ہو جائے تو امید ہے کہ انشاء اللہ قابل گرفت نہیں ہوگا لیکن اس کو باقاعدہ کھیل کا میدان بنانا کہ

۱۳۰ ولی صحیح مسلم، کتاب صلاة العیدین، باب الرخصة فی اللعب الذی لا معصية فيه ایام العید، رقم: ۱۲۸۰، ومسنن النسائی، کتاب صلاة العیدین، باب اللعب فی المسجد يوم العید ونظر النساء الى ذلك، رقم: ۱۵۷۷، ومسنن أحمد، بابی مسند الأنصار، باب حديث السيدة عائشة، رقم: ۲۳۳۹۲، ۲۳۱۶۸، ۲۳۹۰۶، ۲۵۱۲۳.

۱۳۱ قلت وثبت عندی عن مالک رحمہ اللہ تعالیٰ أنه کان خارج المسجد لادخله، وظاهر كلام المصنف رحمه الله تعالى أنه حمله على داخل من المسجد، فیض الباری ج: ۲، ص: ۵۵.

یہ کسی اور کی کنیہ تھی اور حضرت عائشہؓ سے انہوں نے اپنی کتابت کے بارے میں سوال کیا کہ مجھے میرے مولیٰ نے مکاتب بنایا ہے کہ پیسے لے آؤ تو تمہیں آزاد کر دیں گے۔

کوئی ایسی صورت پیدا کر دیں کہ میرا بدل کتابت ادا ہوا اور میں آزاد ہو جاؤں، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ”إن شئت أعطيت أهلك ويكون الولاء لي“ کہ اگر تم چاہو تو میں ایسا کر لوں کہ تمہارے اہل کو بدل کتابت دے دوں اور تمہاری ”ولاء“ مجھے ملے اور ان کے اہل (مولیٰ) نے کہا کہ ”إن شئت أعطيتها ما بقي“ کہ اگر تم چاہو تو ایسا کر دو کہ جتنا بدل کتابت باقی ہے وہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو دیدوا اور حضرت بریرہؓ ہمیں دیدیں اور حضرت بریرہؓ کو ہم آزاد کر دیں گے ”وقال سفيان مرة: إن شئت أعتقتها ويكون الولاء لنا“ دوسری مرتبہ سفيان نے کہا تھا کہ حضرت بریرہؓ کے مولیٰ نے یہ کہا تھا کہ اگر تم چاہو تو ان کو خرید کر آزاد کر لو، لیکن ”ولاء“ ہمیں ملے۔

”ثم“ ”قام رسول الله ﷺ على المنبر وقال سفيان مرة فصعد رسول الله ﷺ على المنبر فقال: ما بال أقوام يشترطون شروطا ليس في كتاب الله الخ“۔
لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ بیع میں ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں جس نے ایسی شرط لگائی جو کتاب اللہ میں نہیں ہے تو اس کے لئے نہیں ”وإن اشترطت مائة مرة“ اگرچہ سو مرتبہ بھی لگائے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ بیع شرط کے ساتھ فاسد نہیں ہوئی۔ اس مسئلہ کی تفصیل ”کتاب البيوع“ کے اندر آئے گی۔
یہاں پر بیان کا مقصود یہ ہے کہ منبر پر کھڑے ہو کر بیع و شراء ذکر فرمایا تو معلوم ہوا کہ منبر پر بیع و شراء کا ذکر کرنا جائز ہے، بیع کے شرائط کا مسئلہ انشاء اللہ ”کتاب البيوع“ میں آئے گا۔

(۷۱) باب التقاضي والملازمة في المسجد

مسجد میں تقاضا اور قرض دار کے پیچھے پڑنے کا بیان

۴۵۷۔ حدثنا عبد الله بن محمد قال: حدثنا عثمان بن عمر قال: أخبرنا يونس، عن الزهري، عن عبد الله بن كعب بن مالك، عن كعب: أنه تقاضى ابن أبي حذرد دينا كان له عليه في المسجد، فارتفعت أصواتهما حتى سمعهما رسول الله ﷺ وهو في بيته، فخرج إليهما حتى كشف سجف حجرته، فنادى: (يا كعب)، قال: لبيك يا رسول الله. فقال: (ضع من دينك هذا) وأوما إليه أي الشطر. قال: لقد فعلت يا رسول الله، قال: (قم

فاقضه)۔ [انظر : ۴۷۱، ۴۴۱۸، ۴۴۲۴، ۴۷۰۶، ۴۷۱۰، ۲۷۱۳]

مقصود بخاری رحمہ اللہ

اس ”باب التقاضي والملازمة في المسجد“ میں امام بخاری رحمہ اللہ وہ سب امور بیان کر رہے ہیں جو مسجد میں جائز ہیں تو ان میں سے ایک کام یہ ہے کہ مقروض سے تقاضا کرنا کہ تم میرا قرض ادا کرو یا اس کے پیچھے لگ جانا، اس کے ساتھ چٹ جانا کہ تم میرا قرضہ ادا کرو۔

یہاں پر امام بخاری رحمہ اللہ نے جو حدیث روایت کی ہے اس سے مسجد کے اندر اس عمل کا بھی جواز معلوم ہوتا ہے، روایت ہے: ”عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ كَعْبٍ أَنَّهُ تَقَاضَى ابْنُ أَبِي حَذَرٍ دَيْنًا كَانَ لَهُ فِي الْمَسْجِدِ“۔

یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے بہت سی جگہ روایت کی ہے اور آگے بھی کئی جگہ آئے گی کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کا ابن ابی حذر پر کوئی قرضہ تھا تو حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے ابن ابی حذر سے مسجد کے اندر اپنے دین کا تقاضا کیا ”فارتفعت اصواتهما“ اس تقاضا میں دونوں کی آوازیں کچھ بلند ہوئیں انہوں نے دینے سے کچھ عذر کیا ہوگا اور انہوں نے کہا ہوگا کہ تمہیں دینا چاہئے اور اسی میں تکرار ہوگئی اور آواز بلند ہوگئی ”حتى سمعهما رسول الله ﷺ وهو في بيته“ یہاں تک کہ آپ ﷺ نے ان کی آواز سنی جب کہ آپ ﷺ اپنے گھر میں تھے ”فخرج اليهما“ تو آپ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے ”حتى كشف سجنف حجرتهم“ یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اپنے حجرے کا پردہ کھولا ”فنادى“ اور وہیں سے آواز دی ”يا كعب اقل ليك يا رسول الله قال “ضع من دينك هذا“ وَاَوْماً إِلَيْهِ اَي الشَّطْرِ“ شہادت کی انگلی کے نصف پر انگوٹھا رکھ کر اشارہ فرمایا کہ آدھا قرضہ چھوڑ دو ”قال لقد فعلت يا رسول الله ﷺ“ یا تو تقاضا ہو رہا تھا یا حضور اقدس ﷺ نے جس وقت فرمایا کہ آدھا قرضہ چھوڑ دو تو فوراً عرض کیا کہ ”لقد فعلت يا رسول الله“ (ﷺ) کہ یا رسول اللہ! میں نے آدھا قرضہ چھوڑ دیا ”قال قم فاقضه“ آپ نے ابن ابی حذر سے فرمایا کہ کھڑے ہو جاؤ اور اب یہ قرضہ ادا کرو۔

۱۳۳۳ فی صحیح مسلم، کتاب المساقاة، باب استحباب الوضوء من الدين، رقم: ۲۹۱۲، وضمن النسائي، کتاب آداب القضاة، باب حكم الحاكم في دأره، رقم: ۵۳۱۳، وضمن أبي داود، کتاب الأفضية، باب في الصلح، رقم: ۳۱۲۱، وضمن ابن ماجه، کتاب الاحكام، باب الحبس في الدين والملازمة، رقم: ۲۴۲۰، وضمن أحمد، مسند المكيين، باب حديث كعب بن مالك الانصاري، رقم: ۱۵۲۰۶، ۱۵۲۳۰، من مسند القبائل، باب حديث كعب بن مالك، رقم: ۲۵۹۲۰، وضمن الدارمي، کتاب البيوع، باب في انظار المعسر، رقم: ۲۴۷۴۔

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ کا اس حدیث کو لانے کا مقصد یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت کعب سے یہ تو فرمایا کہ آدھا قرضہ معاف کر دو اور چھوڑ دو لیکن دونوں کو اس بات پر تنبیہ نہیں فرمائی کہ مسجد میں یہ معاملہ کیوں کر رہے ہو، تو معلوم ہوا کہ مسجد میں اگر کوئی دائن اپنے مدیون سے قرض کا مطالبہ کرے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

مسئلہ ”ضع وتعجل“

اس حدیث کے اندر ایک اور مسئلہ زیر بحث آتا ہے وہ یہ ہے کہ کوئی آدمی قرض کا کچھ حصہ چھوڑ کر بقیہ دین کو معجل کر دے تو آیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں، اس کو ”ضع وتعجل“ کہا جاتا ہے۔ یہ مسئلہ اصل میں بیوع سے تعلق رکھتا ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی دائن یہ کہے کہ میرے دین کی اجل تو مثلاً ایک مہینہ کے بعد ہے اور ایک مہینہ کے بعد اس کی ادائیگی کی تاریخ آنے والی ہے، دائن مدیون سے یہ کہتا ہے کہ میں تمہارے قرضہ کی کچھ رقم معاف کر دیتا ہوں اور اس کے بدلے میں پیسے تم آج ہی دے دو، اس کو فقہاء ”ضع وتعجل“ کہتے ہیں یعنی مدیون دائن سے یہ کہہ رہا ہے کہ ”ضع“ تم اپنے دین میں کمی کرو ”وتعجل“ اور پیسے ابھی لے لو مثلاً ایک ہزار روپیہ قرضہ ہے اور ایک مہینہ کے بعد ادائیگی کرنی ہے اب مدیون یہ کہتا ہے کہ تم بجائے ایک ہزار کے مجھ سے آٹھ سو روپیہ ابھی لے لو۔

فقہائے کرام کا اختلاف

”ضع وتعجل“ کا یہ معاملہ جائز ہے یا نہیں، اس میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، بعض حنابلہ اس کے قائل ہیں، لیکن جمہور فقہاء کہتے ہیں کہ یہ عمل ناجائز ہے اور یہی مسلک حنفیہ کا ہے اور اکثر شافعیہ اور مالکیہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ ۱۳۳

بعض فقہاء کا استدلال

جو حضرات اس کے جواز کے قائل ہیں، وہ اس بات سے استدلال کرتے ہیں کہ جس وقت آنحضرت ﷺ نے بنو نضیر کو مدینہ سے جلا وطن کیا اور یہ حکم دیا کہ وہ مدینہ چھوڑ دیں۔

۱۳۳ کرہ زید بن ثابت وابن عمر والمقداد وسعيد بن المسيب وسالم والحسن وحماد والحکم والشافعی ومالك والفروری وهیثم وابن علیة واسحاق وأبو حنیفة الخ، المغنی لابن قدامة، ج: ۳، ص: ۵۲، دار النشر، دار الفکر، مدینة النشر، بیروت، سنة النشر: ۱۴۰۵ھ.

سنن بیہقی میں روایت ہے کہ جس وقت ان کو جانے کا حکم ملا تو حضور اقدس ﷺ سے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ”إِنْ لِهَمَّ عَلَيْنَا دِيُونٌ لَمْ تَحُلْ“ کہ ہمارے اوپر ان کے کچھ قرضے ہیں جن کی میعاد ابھی تک پوری نہیں ہوئی، جب یہ چلے جائیں گے تو ہم کیسے ان کو قرضے ادا کریں گے؟ تو آنحضرت ﷺ نے یہودی بنی نضیر سے خطاب کر کے فرمایا ”ضِعُوا وَتَعَجَّلُوا“ یعنی کم کر دو اور جلدی لے لو۔ تو آپ نے یہودیوں سے باقاعدہ یہ بات فرمائی تھی۔ ۱۳۵

اس سے استدلال کر کے کہتے ہیں کہ قرضے کو کم کرنے کے مقابلے میں معجل کر دینا یا معجل کرنے کے مقابلے میں کم کر دینا جائز ہے۔

دوسری دلیل

حدیث باب سے بھی استدلال کیا جاتا ہے کیونکہ یہاں آنحضرت ﷺ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آدھا دین ساقط کر دو اور ابن حذر سے فرمایا کہ تم ابھی ادا کر دو، تو وہی ہوا کہ کمی کر کے ادائیگی فوراً کر دی۔

جمہور فقہاء کا استدلال

جمہور فقہاء جو ناجائز کہتے ہیں، وہ یہ فرماتے ہیں کہ ”ضِعُوا وَتَعَجَّلُوا“ کا جو معاملہ ہے یہ درحقیقت اس لئے ہے کہ دین کا کچھ حصہ تعجیل کے عوض میں ساقط کیا جا رہا ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ دینے میں دین کے اندر اضافہ کر دیا جائے یا جیسے زمانہ جاہلیت کے ربوا کا طریقہ تھا کہ جب دین کی مدت آ جاتی تو دائن کہتا تھا کہ ”اَمَّا اَنْ تَقْضِيَ وَاَمَّا اَنْ تَرْبِيَ“ یا تو تم ابھی پیسے ادا کرو، ورنہ اس کے اوپر اضافہ کر دو، تو وہ مدیون کو مہلت دینے کے عوض میں پیسے وصول کرتا تھا اس کو ربوا قرار دیا گیا، تو یہاں اجل کو ساقط کرنے کے عوض دین ساقط کیا جا رہا ہے تو یہ بھی ربوا کا ایک شعبہ ہے کیونکہ جو دین ساقط ہوا وہ اجل کے مقابلے میں ہوا، اس واسطے یہ ناجائز ہے اور ایک حدیث بھی اس بارے میں بیہقی میں وارد ہے جس میں اس عمل کو ناجائز قرار دیا گیا ہے اور اس کو ربوا کے ہم معنی قرار دیا گیا ہے۔ ۱۳۶

۱۳۵... عن ابن عباس قال لما أمر النبي صلى الله عليه وسلم باخراج بني النضير من المدينة جاثه ناس منهم فقالوا يا رسول الله انك أمرت باخراجهم ولهم على الناس ديون لم تحل فقال النبي صلى الله عليه وسلم ضِعُوا وَتَعَجَّلُوا، سنن البيهقي الكبرى ج: ۶، ص: ۲۸، كتاب البيوع، باب من عجل له ادنى من حقه قبل محله فقبله ووضع عنه طيبة له أنفسها رقم: ۱۰۹۲۰، دار النشر، مكتبة دار الباز، مكة المكرمة، سنة النشر ۱۴۱۳ھ۔

اگر چندوں حدیثیں سند کے اعتبار سے ضعیف ہیں ”ضعوا وتعجلوا“ والی حدیث بھی اور یہ حدیث بھی جس سے جمہور نے عدم جواز پر استدلال کیا ہے یہ بھی ضعیف ہے، لیکن جمہور علماء کا کہنا یہ ہے کہ ربوا کے جو قواعد ہیں اس کی رو سے یہ معاملہ جائز نہیں۔

بعض فقہاء کی دلیل کا جواب

اب جہاں تک ربوا بنو نضیر کا واقعہ ہے تو اس کی سند کمزور ہے اور بیہمتی نے خود اس پر کلام کیا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور اگر کسی صحیح طریقہ سے ثابت ہو بھی جائے، تو اس کی متعدد توجیہات ہو سکتی ہیں:

پہلی بات یہ ہے کہ یہ واقعہ بنو نضیر کی جلاوطنی کے وقت کا ہے اور وہ سن دو ہجری میں جلاوطن کئے گئے ہیں جبکہ ربوا کی حرمت بعد میں آئی ہے کیونکہ ربوا کی حرمت میں کم سے کم جو قول آیا ہے وہ غزوہ احد کے بعد ہے ورنہ بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ یہ حجۃ الوداع کے قریب قریب حرام ہوا ہے، اس واسطے حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اول ربوا اضعه ربوا العباس بن عبد المطلب“ اس لئے یہ واقعہ اس وقت کا ہے جبکہ ربوا حرام نہیں ہوا تھا، تو اس واقعہ سے جو ربوا کی حرمت سے پہلے کا ہے کسی ربوی معاملہ کی حرمت پر استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

جمہور کی دوسری دلیل

علامہ واقدی رحمہ اللہ نے ایک روایت نقل کی ہے اس سے دوسرا جواب نکلتا ہے علامہ واقدی رحمہ اللہ کی ”کتاب المغازی“ میں یہ روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے جو فرمایا تھا کہ ”ضعوا وتعجلوا“ معنی یہ نہیں تھے کہ دین کی اصل مقدار میں کمی کر دو اور جلدی لے لو، بلکہ اس کا مطلب یہ تھا کہ یہودیوں نے جو قرضے سود پر دیئے ہوئے تھے تو ”ضعوا“ کا مطلب یہ تھا کہ تم اس کا سود ساقط کر دو اور اصل رقم ابھی لے لو تو ”ضعوا“ سے مراد اصل قرضے کی مقدار کو ساقط کرنا نہیں تھا بلکہ سود کی مقدار کو ساقط کرنا تھا، اور واقدی نے اس پر ایک روایت بھی نقل کی ہے کہ ایک صاحب تھے انہوں نے ایک یہودی سے قرض لیا ہوا تھا اور اس کا سود بہت بڑھ گیا تھا تو آپ نے فرمایا کہ سود ساقط کر دو اور اصل رقم لے لو۔ ۱۳۷

ظاہر ہے کہ اس میں کسی کو بھی اشکال نہیں۔ مسئلہ تو یہ ہے کہ قرضے کی اصل رقم میں کمی کی جائے، لہذا اس واقعہ سے استدلال اس وجہ سے درست نہیں۔

بعض فقہاء کی دوسری دلیل کا جواب

جہاں تک اس واقعہ کا تعلق ہے جس میں حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ تم آدھا دین ساقط کرو اور ابن ابی حذرہ سے فرمایا تھا کہ تم ابھی ادا کرو، اس سے استدلال دو وجہ سے نہیں ہو سکتا:

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ یہ سارا اختلاف جو ہو رہا ہے یہ اس دین کے بارے میں ہے جو مؤجل ہو اور اس کی اجل ابھی نہ آئی ہو، تو اس وقت یہ اختلاف ہے اور اس میں اکثر فقہاء یہ کہتے ہیں کہ ”ضع وتعجل“ جائز نہیں، لیکن اگر دین شروع ہی سے مؤجل نہیں تھا یا مؤجل تھا لیکن اجل آگئی اور دین حال بن گیا تو اس وقت میں اگر ”ضع وتعجل“ کا معاملہ ہو تو جائز ہے۔

اس لئے کہ جب دین حال ہو گیا تو اب جو اسقاط ہو رہا ہے وہ کسی اجل کے مقابلے میں نہیں ہو رہا، کیونکہ اجل تو ختم ہو گئی، اس واسطے اگر کسی کا دین واجب ہو گیا اور اس کی اجل آگئی اور مدیون کہتا ہے کہ میرے پاس ابھی اتنے پیسے نہیں ہیں، لہذا یا تو انتظار کرو جب تک کہ میرے پاس پیسے آئیں اور چاہو تو ابھی لے لو، مگر باقی دین ساقط کرو، تو اگر دائن یہ کہے کہ نہیں ابھی دید اور باقی ساقط کر دیتا ہوں تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں، یہ جائز ہے، کیونکہ یہ دیون حالت ہیں اور ان میں ایسا کرنا جائز ہے۔

یہاں حضرت کعب رضی اللہ عنہ کا دین حال ہو چکا تھا، یہی وجہ ہے کہ وہ ابن حذرہ سے تقاضا کر رہے تھے، اگر حال نہ ہوتا تو تقاضا کیسے کرتے، لہذا یہ ”مانحن فیہ“ اور مختلف فیہ مسئلہ میں داخل ہی نہیں، اس واسطے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے آپ نے فرمایا تھا کہ آدھا ساقط کرو، اور آدھا وصول کرو۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ”ضع وتعجل“ کا معاملہ اس وقت ناجائز ہوتا ہے جبکہ یہ مشروط فی العقد ہو یعنی اجل بھی آئی نہیں اور مدیون کہتا ہے کہ تم اتنا دین ساقط کرو تو میں ابھی ادا کرتا ہوں تو ساقط کرنا اجل کے ساتھ مشروط ہوا اور یہ ناجائز ہے لیکن اگر دائن اپنے طور پر ساقط کر دے اور مدیون اپنے طور پر ادا کر دے تو معاملہ چونکہ مشروط نہیں ہوا اس واسطے ناجائز نہیں ہوا اور یہاں جس وقت حضور اکرم ﷺ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ آدھا دین ساقط کرو اس وقت یہ نہیں فرمایا تھا کہ اس کے مقابلے میں تمہیں دین ابھی مل جائے گا بلکہ مطلق فرمایا تھا کہ آدھا ساقط کرو اور انہوں نے کر دیا۔ اب ابن ابی حذرہ سے فرمایا کہ تم ادا کرو، تو دونوں معاملے آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ مشروط نہ ہوئے، لہذا یہ ”ضع وتعجل“ کی صورت میں داخل ہی نہیں۔ ۱۳۸۔

۱۳۸ ومن آجاز من السلف اذا قال عجل لی واضع عنک فجائز ان یکون آجازه اذا لم یجعله شرطاً فیہ وذلك بان یضع عنه بغیر شرط ویعجب الآخر الباقی بغیر شرط ، احکام القرآن للجصاص ، ج: ۲، ص: ۱۸۷، دار احیاء التراث العربی ، بیروت .

خلاصہ کلام

تو خلاصہ یہ نکلا کہ ”ضع و تعجل“ کی جو ممانعت ہے وہ دیون مؤجلہ میں ہے جبکہ ان کی اجل ابھی نہ آئی ہو اور ان کی تعجیل اسقاط کے ساتھ مشروط ہو، یا اسقاط تعجیل کے ساتھ مشروط ہو، لیکن جہاں ایسا نہ ہو مثلاً دین مؤجل ہی نہیں بلکہ حال ہے مگر اسقاط کو تعجیل کیلئے شرط قرار نہیں دیا گیا تو پھر معاملہ جائز ہوگا۔

قرض ”مؤجل بالتاجیل“ نہیں ہوتا

ایک بات سمجھ لینا چاہئے، وہ یہ ہے کہ قرض کا جو عقد ہوتا ہے وہ حنفیہ اور جمہور کے نزدیک مؤجل ہوتا ہی نہیں قرض ہمیشہ مطلق اور حال ہوتا ہے اور جو دیون ہیں مثلاً آپ نے کسی کو کوئی کتاب بیچی اور اس کی قیمت اس کے ذمہ واجب ہو گئی اور دین ہو گئی یہ دین تو مؤجل ہو جاتا ہے کہ مثلاً وہ عقد بیع میں شرط لگائے کہ میں پیسے دو مہینے بعد ادا کروں گا، تو اب دو مہینے سے پہلے آپ مطالبہ نہیں کر سکتے کیونکہ یہ دین مؤجل ہو گیا لیکن کوئی شخص کہے کہ مجھے ایک ہزار روپے قرض دیدو تو یہ کبھی مؤجل نہیں ہوتا۔

یہاں تک کہ اگر عقد قرض میں اجل کو شرط لگا لیا گیا ہو تو وہ شرط بھی باطل ہوتی ہے مثلاً مقروض نے کہا کہ میں دو مہینے بعد قرض ادا کروں گا، قرض دینے والا بھی اس پر راضی ہو گیا کہ ٹھیک ہے دو مہینے بعد دیدینا، تو اس کے باوجود قرض مؤجل نہیں ہوا بلکہ صرف مروۃ قرض دینے والے کو چاہئے کہ وہ دو مہینے سے پہلے مطالبہ نہ کرے لیکن اگر وہ مطالبہ کرتا چاہے تو ہر وقت کر سکتا ہے اور قاضی کے پاس جا کر کہہ سکتا ہے کہ اس کے ذمہ میرا قرضہ واجب ہے، آج ہی دلوائیں، یہاں تک کہ اگر آج قرضہ دو مہینے کیلئے دیا اور کل کو واپس لے لے تو مقروض کو یہ حق حاصل ہے۔

تو قرض حنفیہ اور جمہور کے نزدیک کبھی ”مؤجل بالتاجیل“ نہیں ہوتا، کیونکہ وہ ”عقود حالہ“ میں سے ہے، لہذا اس میں ”ضع و تعجل“ جائز ہوگا کیونکہ ”ضع و تعجل“ کی ممانعت دیون مؤجلہ کے ساتھ مخصوص ہے۔

ہنڈی "Bill Of Exchange" کی حقیقت

ہمارے زمانے میں ایک معاملہ ہوتا ہے وہ دیکھنے میں اس کے قریب نظر آتا ہے جس کو اردو میں ہنڈی اور بیلہ لگانا کہتے ہیں یا آج کل کی اصطلاح میں بل آف ایکسچینج کہتے ہیں "Bill Of Exchange" اور آج کل بینکاری کے نظام میں اس کا بڑا رواج ہے، اس میں یہ ہوتا ہے کہ ایک تاجر کسی کو سامان بیچتا ہے اور سامان کو

بیچتے وقت یہ بات طے ہوئی کہ خریدار اس کی قیمت تین مہینے کے بعد ادا کرے گا تو گویا وہ بیع مؤجل ہوئی ہے اور اس کی بنا پر دین مؤجل ہو جاتا ہے تو خریدار اسی بات کو ثابت کرنے کیلئے ایک پرچہ لکھ دیتا ہے کہ میں نے اس کا فلاں مال خریدا ہے اور اس کی اتنی قیمت میرے ذمہ واجب ہوگئی اور میں تین مہینے کے بعد فلاں تاریخ کو یہ پیسہ ادا کروں گا۔

یہ جو پرچہ اس نے لکھ کر دیا ہے کہ اس سامان کی قیمت کے طور پر تین ماہ بعد میں اتنے پیسے ادا کروں گا یہ پرچہ ہنڈی کہلاتا ہے اور انگریزی میں اسی کو بل آف ایکسچینج بھی کہتے ہیں اور آج کل یہ اصطلاح زیادہ مشہور ہے۔ اب تاجر کے پاس وہ پرچہ آگیا جس کے ذریعے وہ تین مہینے کے بعد خریدار سے پیسوں کا مطالبہ کر سکتا ہے، لیکن اب تاجر یہ چاہتا ہے کہ میں تین مہینے تک انتظار نہ کروں بلکہ مجھے ابھی پیسے مل جائیں تو اس لئے وہ کسی بینک یا سہوکار کے پاس جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میرے پاس یہ ہنڈی ہے تین مہینے کے بعد یہ پختہ ہوگی اور اس کی ادائیگی ہونی ہے، یہ ہنڈی ایک ہزار روپے کی ہے تو تم ایسا کرو کہ یہ ہنڈی مجھ سے لو، میں اس کے اوپر تمہارا نام لکھ دیتا ہوں یعنی وہ دین تمہارے حوالے کر دیتا ہوں، تم جا کر وصول کر لینا اور مجھے اس وقت تم بجائے ایک ہزار روپے کے نو سو اسی روپے دیدو، تو بینک اس ہنڈی کے پیچھے دستخط کر دیتا ہے اور نو سو اسی روپے اس کو ابھی دیتا ہے اور جب تین مہینے پورے ہو جائیں گے تو پورے ایک ہزار اس خریدار سے وصول کر لیا اس کو ہنڈی یا بل لگانا کہتے ہیں۔

یہ معاملہ آج کل کے معاشی کاروبار میں پھیلا ہوا ہے خاص طور پر امپورٹ (Import) اور ایکسپورٹ (Export) کے کاروبار میں یعنی درآمد اور برآمد میں مثلاً ایک شخص نے دوسرے ملک میں سامان برآمد کیا اب وہاں سے پیسے آنے میں تین مہینے لگیں گے تو یہ سوچتا ہے کہ میں تین مہینے تک بیٹھ کر انتظار کرتا رہوں اس کے بجائے مجھے پیسے تھوڑے مل جائیں لیکن ابھی مل جائیں تاکہ میں اور سودا کر کے اتنی دیر میں اور سامان بھیج دوں گا اور نفع کمالوں گا۔

یہ اپنا بل ایکسچینج بینک کے پاس جا کر اس پر بل لگوا لیتا ہے اور بینک وہاں سے پورے پیسے وصول کر لیتا ہے تو وہ بینک کو یہ فائدہ ہوتا ہے کہ وہ بیس روپے اس کو مل جاتے ہیں اور اس برآمد کرنے والے کو یہ فائدہ ہوا کہ پیسے نقد مل گئے اس کو ”ہنڈی یا بل لگانا“ یا ”بل آف ایکسچینج کوڈسکاؤنٹ کرنا“ کہتے ہیں۔

بل کا معاملہ درحقیقت ربوہ ہے

یہ معاملہ اصلاً اگر دیکھا جائے تو یہ بھی ربوی معاملہ ہے اور دو طریقے سے اس کو تعبیر کر سکتے ہیں: ایک طریقہ تعبیر کرنے کا یہ ہے کہ یہ جو ہنڈی ہے یہ اس دین سے عبارت ہے جو تاجر کیلئے خریدار کے ذمہ واجب ہے کیونکہ یہ اس دین کی رسید ہے تو اگر یہ بینک کو بیع کے طور پر دے رہا ہے تو یہ ”بیع الدین من

غیر من علیہ الدین“ ہو گیا یعنی دین کی بیچ ایک ایسے شخص سے ہو گئی جس پر دین واجب نہیں تھا بلکہ مدیون کے علاوہ تیسرا شخص ہے۔

اول تو ”بیع الدین من غیر علیہ الدین“ ویسے بھی حقیقہ کے نزدیک جائز نہیں، چاہے برابر برابر ہی کیوں نہ ہو اور اگر برابر نہ ہو مثلاً دین ایک ہزار روپے کا ہو اور اس کو نو سو اسی روپے میں بیچا ہے تو یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک ہزار روپے نو سو اسی روپے کے بدلے بیچے اور یہ سود ہے اور ناجائز ہے۔ ۱۳۹۔
دوسری تعبیر اس کی یہ ہو سکتی ہے کہ بینک نے جو نو سو اسی روپے دیئے ہیں وہ اس کو بطور قرضہ کے دیا ہو اور بینک نے اپنے ایک ہزار روپے کے قرضے کا حوالہ کر دیا تو اس صورت میں قرضہ نو سو اسی روپے دیئے لیکن تین مہینے بعد پورے ایک ہزار روپے وصول کر رہا ہے، لہذا یہ قرض مشروط فی الزیادۃ ہونے کی وجہ سے ربوا میں آ گیا۔ تو دونوں صورتیں ربوا میں داخل ہیں چاہے اس کو بیع کہو، چاہے اس کو قرض اور اس کا حوالہ کہو۔

ہنڈی کے جواز پر بعض ہم عصروں کا استدلال

بعض معاصر لوگوں نے اس کے جواز پر ”ضعوا و تعجلوا“ سے استدلال کیا ہے کیونکہ ہونفیر کی جلا وطنی کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے ”ضعوا و تعجلوا“ ارشاد فرمایا تھا اور اس کی وجہ سے بعض فقہاء حنابلہ جواز کے قائل ہیں، لہذا جب بعض فقہاء حنابلہ جواز کے قائل ہوتے ہیں تو اس میں اتنا تضاد کیوں کیا جائے۔ اور یہ بل آف ایکسچینج بھی ”ضع و تعجل“ ہے کہ اس میں بینک نے نو سو اسی روپے جلدی دیدیے اور اس کے بدلے قرض کا کچھ حصہ ساقط کر دیا۔

ہنڈی کو ”ضع و تعجل“ پر قیاس کرنا یہ قیاس مع الفارق ہے

لیکن یہ استدلال اس لئے غلط ہے کہ اول تو ”ضع و تعجل“ کا معاملہ تو ویسے ہی ناجائز ہے جیسا کہ میں نے ابھی تفصیل ذکر کی لیکن اگر بعض حنابلہ کا موقف بھی اختیار کر لیا جائے جو جائز کہتے ہیں تو بھی یہ قیاس مع الفارق ہے کیونکہ ”ضع و تعجل“ کا معاملہ براہ راست دائن اور مدیون میں ہو رہا ہے، مدیون کہہ رہا ہے ”ضع یادائن تعجل منی“ کوئی تیسرا فریق بیچ میں داخل نہیں اور یہاں ایک تیسرا فریق بیچ میں داخل ہو گیا یعنی بینک اور اس سے کہا گیا کہ تم ہم سے یہ ہنڈی لے لو اور اس کے بدلے روپے ہمیں دیدو تو یہ ”ضع و

۱۳۹... عن ابن المسيب وابن عمر قالاً من كان له حق على رجل الى أجل معلوم فضعل بعضه وترك له بعضه فهو ربا قال

معمر ولا اعلم احدا قبلنا الا وهو يكرهه، مصنف عبد الرزاق، باب الرجل يضع من حقه و يضعل، رقم: ۱۳۵۳، ج: ۸،

ص: ۱، دار النشر المكتبة الاسلامی، بیروت، سنة النشر ۱۴۰۳ھ۔

”تعجل“ نہ ہوا بلکہ یہ ”بيع الدين من غير من عليه الدين“ ہو گیا اور وہ بھی زیادتی اور کمی کے ساتھ، لہذا اس کو اس معاملہ پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، اس لئے یہ حرام ہے۔

سوال: اگر بینک اپنے ڈیپازیٹر سے ان کے مرے ہوئے قرضوں کے بارے میں کہے کہ آپ اگر ابھی ادائیگی کر دیں تو اتنی کمی کر دیں گے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اول تو سارے کے سارے قرضے معطل ہوتے ہیں اور پھر یہ جو آپ کہہ رہے ہیں کہ قرضے مر گئے تو مرجانے کا یہی مطلب ہے کہ وہ حال ہو چکے تھے مگر ادائیگی نہیں کی گئی، جب وہ قرضے حال ہو گئے تو ان میں ”ضع وتعجل“ جائز ہو گیا۔

بل آف ایکسچینج کی متبادل صورت

سوال: بل آف ایکسچینج کے جواز کی کوئی صورت ہو سکتی ہے؟

جواب: اس معاملے کے جواز کی صورت نہیں، البتہ اس کا متبادل طریقہ ایک ہو سکتا ہے وہ یہ کہ اس کی زیادہ ضرورت برآمد کنندگان کو پیش آتی ہے کیونکہ ان کو پیسے فوراً ملنے کا کوئی راستہ نہیں ہوتا کیونکہ سامان پہلے وہاں جایگا یا اس کے کاغذات پہنچیں گے پھر بینک کے ذریعے وہاں سے رقم آئے گی اس میں کافی سارا وقت لگ جاتا ہے، ادھر انہوں نے جو مال بھیجا ہے وہ کہیں سے اکٹھا کیا ہوا ہوتا ہے اور وہ بھی ادھا خرید ہوتا ہے تو ان کی ادائیگیاں کرنی ہوتی ہیں، اس واسطے ان کو پیسوں کی ضرورت ہوتی ہے

اصل طریقہ یہ ہے کہ تاجر جب سامان بھیجے تو اس وقت ہی بینک سے شرکت کا معاملہ کر لے کہ یہ جو سامان ہم بھیج رہے ہیں اس میں اتنا پیسہ تم لگاؤ اور اتنا پیسہ ہم لگا رہے ہیں اور یہ معلوم ہے کہ باہر کے آدمی نے یہ سامان منگوا لیا ہے، اتنی قیمت مقرر ہوئی ہے اور اس پر اتنی لاگت آئے گی اور اس پر اتنا نفع ہوگا، یہ سب باتیں پہلے سے معلوم ہیں جس کی وجہ سے اس میں خطرہ بھی نہیں ہے، لہذا یہ مشارکت کا معاملہ کر لیں اور اگر کہیں ناگزیر ضرورت ہو تو ایک طریقہ اور ہو سکتا ہے وہ یہ کہ بینک سے دو معاملے الگ الگ کئے جائیں۔

ایک معاملہ یہ کیا جائے کہ ہمارا قرضہ فلاں شخص کے ذمہ واجب ہے آپ وہ قرضہ ہمارے لئے وصول کر لیں ہم آپ کو وکیل بناتے ہیں اور اس وکالت کی کوئی اجرت اندازاً مقرر کر لی جائے اور پھر اس بینک سے کہا جائے کہ آپ ہمیں کچھ قرضہ بلا سود ابھی دے دیں اور اس قرضے کی توثیق کیلئے یہ ہنڈی رکھیں، مثلاً یہی پچھلی مثال کہ تاجر بینک سے کہے کہ آپ ہمارا قرضہ فلاں سے وصول کریں اس کے ہم آپ کو بیس روپے دیں گے اور نو سو اسی روپے تم ہمیں ابھی قرضہ دے دو، چنانچہ وہ قرضہ لے لیا، اب بینک نے وہاں سے پورے ایک ہزار روپے وصول

کئے تو بیس روپے وہ اپنی اجرت وکالت کے بدلے میں رکھ لے گا اور نو سو اسی روپے کا قرض مقاصدہ کر لے گا تو اس طرح ادائیگی ہو جائے گی۔

لیکن اس میں یہ ضروری ہے کہ وکالت کی جو اجرت مقرر کیجائے اس کا مدت سے کوئی تعلق نہ ہو، لیکن اس وقت جو بیٹہ لگایا جاتا ہے اس میں بینک کے ساتھ بیٹہ لگانے کی جو شرح مقرر کرتے ہیں وہ اس بات کو مد نظر رکھ کر کرتے ہیں کہ یہ ہنڈی کب واجب الاذہ ہو رہی ہے، مثلاً تین مہینے بعد ادائیگی ہو رہی ہے تو کمیشن زیادہ لگائیں گے۔

غرض یہ کہ مدت کے حساب سے اس کا کمیشن بڑھتا رہتا ہے لیکن یہاں یہ نہیں ہو سکتا بلکہ وکالت کی ایک خاص اجرت مقرر کر دے، پھر پیسے لے۔

(۷۲) باب کنس المسجد والتقاط الخراق والقذی والعیدان

مسجد میں جھاڑ و دینا اور چیتھڑوں اور لکڑیوں کے چن لینے کا بیان

یہ باب مسجد میں جھاڑ و دینے کے بارے میں ہے۔ ”کنس“ کے معنی جھاڑ و دینے کے آتے ہیں ”والتقاط الخرق“ کپڑے کی دھجیاں اٹھانا، ”والقذی“ اور کوڑا اٹھانا، ”والعیدان“ اور لکڑیاں اٹھانا، یعنی مسجد کی صفائی کے لئے ان چیزوں کو دور کرنا۔

۳۵۸۔ حدثنا سلیم ان بن حرب قال: حدثنا حماد بن زید، عن ثابت عن ابی رافع، عن ابی ہریرۃ ان رجلاً أسوداً و امرأة سوداً کان یقم المسجد فمات فسأل النبی ﷺ عنه؟ فقالوا: مات. قال: (أفلا کنتم آذنتمونی به؟) د لونہی علی قبرہ) أو قال: (علی قبرہا) فأتی قبرہ فصلى علیہا. [انظر: ۴۶۰، ۱۳۳۷، ۱۳۰]

اس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ ایک سیاہ فام شخص یا ایک سیاہ فام عورت ”کان یقم المسجد“ وہ مسجد میں جھاڑ و دیا کرتی تھی، ”قم یقم“ کے معنی جھاڑ و دینا اور ”قمامة“ کوڑے کو کہتے ہیں، تو وہ عورت کوڑا صاف کیا کرتی تھی، یہاں راوی کو شک ہے کہ یہ سیاہ فام عورت تھی، یا مرد تھا۔

لیکن دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مرد نہیں تھا بلکہ عورت تھی، ”فمات“ ان کا انتقال ہو گیا تو نبی کریم ﷺ نے ان کے بارے میں پوچھا تو لوگوں نے بتایا کہ ان کا انتقال ہو گیا، تو آپ نے فرمایا کہ ”أفلا

۱۳۰۔ وفی صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب الصلاة علی القبر، رقم: ۵۸۸، ومن ابی داؤد، کتاب الجنائز، باب الصلاة علی القبر، رقم: ۲۷۸۸، ومن ابن ماجہ، کتاب ماجاء فی الجنائز، باب ماجاء فی الصلاة علی القبر، رقم: ۱۵۱۶، ومن احمد،

باقی مسند المکثرین، باب باقی المسند السابق، رقم: ۸۶۷۶، ۸۶۸۰۔

اذنعمونی بہ“ کہ تم نے ان کے انتقال کا مجھے کیوں نہیں بتایا تاکہ میں ان کے اوپر نماز جنازہ پڑھتا؟ اب فرمایا ”دلونی علی قبرہ“ مجھے ان کی قبر پر لے جاؤ ”أوقال قبرها“ فاتی قبرہ فصلى علیها“ تو قبر پر جا کر آپ نے نماز جنازہ پڑھی۔

حدیث باب سے شوافع کا استدلال

اس حدیث سے امام شافعی رحمہ اللہ اس بات پر استدلال فرماتے ہیں کہ جس شخص کو کسی کی نماز جنازہ نہ ملی ہو تو وہ قبر پر جا کر اس کی نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے۔

مسک حنفیہ

حنفیہ یہ فرماتے ہیں کہ یہ عمل صرف اس صورت میں جائز ہے جب کسی شخص کو بغیر جنازہ پڑھے دفن کر دیا ہو یا نماز جنازہ بغیر ولی کے پڑھ لی گئی ہو اور وہ بھی صرف اس وقت جائز ہے جب تک کہ یہ خیال ہو کہ میت پھولی پھٹی نہیں ہوگی، جس کی مقدار عام طور سے تین دن بیان کی جاتی ہے لیکن اگر نماز جنازہ پڑھی گئی ہو اور ولی بھی شریک ہوا تو پھر کسی کے لئے قبر پر جا کر نماز پڑھنا جائز نہیں اور اگر پھول پھٹ گئی ہو تو ولی کے لئے بھی جائز نہیں۔

حدیث باب کا جواب

یہ حدیث جس سے امام شافعی رحمہ اللہ نے استدلال فرمایا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حضور اقدس ﷺ کی خصوصیت تھی، اس لئے کہ اول تو نبی کریم ﷺ کو ولایت عامہ حاصل تھی: ”النبی اولى بالمؤمنین من انفسهم“ تو آپ کا حق تمام اولیاء سے بالاتر تھا۔

اس واسطے آپ کے بغیر جب نماز جنازہ پڑھی گئی تو آپ نے جا کر دوبارہ نماز جنازہ پڑھی۔ ۱۳۱
دوسری وجہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے اس عمل کی تعلیل میں یہ ارشاد فرمایا جیسا کہ مسند احمد و مسلم کی روایت میں ہے ”ان هذه القبور مملوءة ظلمة علی أهلها وان الله عزوجل ينورها بصلاتی علیہم“ ۱۳۲

۱۳۱ والمسئلة فیہا عندنا انه لو دفن بدون الصلاة یصلی علی قبرہ مالم یفسخ ، وعینہ المشائخ بثلاثة آیام وان لم یکن الولی حاضر الله ان یصلی علیہ وان کان قد صلی علیہ مرة الخ

وأما فی حدیث الباب فادعی الحنفیة أن النبی صلی الله علیہ وسلم کان ولیا فلا بأس بإعادته ،

والحاصل أن الصلاة بمحضر النبی لا تصح بدونہ مالم توجد قرينة الاجازة من جالبہ ... ولنا أيضا أن نعلما من

خصائصه صلی الله علیہ وسلم ، علی ما جاء فی رواية مسلم وأحمد فی مسنده ، فیض الباری ، ج: ۲، ص: ۵۸، ۵۷.

۱۳۲ صحیح مسلم، کتاب الجنائز ، باب الصلاة علی القبر ، رقم: ۵۸۸، ۱، ومسند أحمد ، باقی مسند المکثرین رقم: ۸۶۷۶.

کہ یہ قبریں ظلمت سے بھری ہوتی ہیں تو اللہ ﷻ میری نماز کی برکت سے ان میں نور پیدا فرما دیتے ہیں تو یہ الفاظ بھی دلالت کرتے ہیں کہ یہ حضور اکرم ﷺ کی خصوصیت تھی کسی اور کو یہ خصوصیت حاصل نہیں، لہذا اس سے استدلال درست نہیں۔

(۷۳) باب تحريم تجارة الخمر في المسجد

مسجد میں شراب کی تجارت کو حرام کہنے کا بیان

۴۵۹۔ حدثنا عبدان، عن أبي حمزة، عن الأعمش، عن مسلم، عن مسروق، عن عائشة قالت: لما أنزلت الآيات في سورة البقرة في الربا خرج النبي ﷺ فقرأهن على الناس ثم حرم تجارة الخمر. [أنظر: ۲۰۸۳، ۲۲۲۶، ۵۴۰، ۴۵۴۳، ۴۵۴۲، ۴۵۴۱، ۴۳۳]

ترجمہ الباب سے مقصود بخاری

اس باب کو قائم کرنے کا مقصد یہ ہے کہ خمر اگرچہ بڑی مستقذر چیز ہے اور اس کا ذکر بھی شنیع ہے، لیکن اس کی حرمت بیان کرنے کے لئے مسجد میں اس کا ذکر کرنا مسجد کی حرمت کے متنافی نہیں، مثلاً اگر کوئی خمر، زنا اور ربا کا نام لے، لیکن ان کا نام لینا حرمت اور شرعی حکم بیان کرنے کے لئے ہو تو یہ مسجد کے آداب کے خلاف نہیں۔

(۷۴) باب الخدم للمسجد

مسجد کے لئے خادم مقرر کرنے کا بیان

وقال ابن عباس ﴿لذرت لك ما في بطني محرراً﴾ [آل عمران: ۳۵]

للمسجد يخدمه.

۴۶۰۔ حدثنا أحمد بن واقد قال: حدثنا حماد، عن ثابت، عن أبي رافع، عن

۴۳۳۔ وفي صحيح مسلم، كتاب المساقاة، باب تحريم بيع الخمر، رقم: ۲۹۵۸، وسنن النسائي، كتاب البيوع، باب بيع الخمر، رقم: ۴۵۸۶، وسنن أبي داود، كتاب البيوع، باب في ثمن الخمر والميتة، رقم: ۳۰۲۸، وسنن ابن ماجه، كتاب الاشرية، باب رقم: ۳۳۷۳، ومسند أحمد، باقي مسند الانصار، باب، رقم: ۲۳۰۶۳، ۲۳۵۵۱، ۲۳۸۱۲، ۲۳۳۵۶، ۲۳۳۰۰، ۲۵۱۷۱، وسنن الدارمي، كتاب البيوع، باب التجارة في الخمر، رقم: ۲۳۵۶.

أبي هريرة أن امرأة أو رجلاً كان يقيم المسجد. ولا أرادته إلا امرأة. فذكر حديث النبي ﷺ أنه صلى على قبره. [راجع: ۳۵۸]

تکرارِ روایت سے مقصود بخاریؒ

یہ روایت دوبارہ لائے ہیں اور اس پر جواب قائم کیا ہے وہ یہ کہ مسجد کے لئے خادم مقرر کرنا۔ پہلے تو تھا ”مسجد میں صرف جھاڑو دینا“ اب یہ ہے کہ ”باقاعدہ کسی آدمی کو مسجد کا خادم مقرر کرنا“ تو یہ جائز ہے خواہ وہ خادم رضا کارانہ طور پر ہو یا اجرت پر خدمت سرانجام دیتا ہو۔

وقال ابن عباس ﴿نذرت لك مافي بطني محرراً﴾ [۲] عمران: ۳۵ للمسجد بخدمه. اسی کے ذیل میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر تعلیقاً نقل کی ہے ”نذرت لك مافي بطني محرراً“ امرأہ عمران نے یہ نظر مانی تھی کہ اے اللہ! جو کچھ میرے پیٹ میں ہے میں نذر مانتی ہوں وہ محرر ہے یعنی اس کو میں نے آزاد کر دیا ہے، ہر کام سے فارغ کر دیا ہے اور میں اس کو مسجد کی خدمت کیلئے وقف کرتی ہوں، تو معلوم ہوا کہ باقاعدہ خدمت کیلئے مقرر کرنا جائز ہے اگرچہ اولاد کی نذر ان کی شریعت میں جائز تھی ہماری شریعت میں نہیں ہے، اگر کوئی باپ یا ماں یہ نظر مانے کہ میرا بچہ پیدا ہوگا اس کو میں مسجد کی خدمت کے لئے وقف کروں گی یا کروں گا تو اولاد پر اس نذر کی تعمیل واجب نہیں، اس لئے کہ یہ دوسروں کے اوپر نذر ہے جو ہماری شریعت میں جائز نہیں اور نافذ بھی نہیں، ہاں ان کی شریعت میں تھی۔

(۷۵) باب الأسير أو الغريم يربط في المسجد

قیدی اور قرض دار کے مسجد میں باندھے جانے کا بیان

۳۶۱۔ حدثنا إسحاق بن إبراهيم قال: أخبرنا روح ومحمد بن جعفر، عن شعبة، عم محمد بن زياد، عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال: (إن عفريتاً من الجن تفلت علي البارحة. أو قال: كلمة نحوها. ليقطع علي الصلاة، فأمكنني الله منه، فأردت أن أربطه إلى سارية من سواري المسجد، حتى تصبحوا وتنظروا إليه كلكم، فذكرت قول أخي سليمان ﴿رب غفر لي وهب لي ملكاً لا ينبغي لأحد من بعدي﴾ [ص: ۳۵] قال روح: فردة خاسناً. [انظر: ۱۲۱۰، ۳۲۸۴، ۳۴۲۳، ۸۰۸، ۳۸۰۸، ۴۴۴]

۴۴۴۔ وفي صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب جواز لعن الشيطان في أثناء الصلاة والعود منه وجواز، رقم:

۸۴۲، ومسنند أحمد، بالي مسند المكثرين، باب مسند أبي هريرة، رقم: ۷۶۲۸.

قیدی کو مسجد میں باندھنے کے جواز پر استدلال بخاری

یہ باب کسی قیدی یا مقروض کو مسجد میں باندھنے سے متعلق ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ فرمانا چاہتے ہیں کہ کسی قیدی یا مقروض کو مسجد میں باندھنا جائز ہے۔

جواز پر اس کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”إِنَّ عَفْرِيَّتَا مِنْ الْجَنِّ تَفَلَّتْ عَلَى الْبَارِحَةِ“ کہ جنات میں سے ایک عفریت گزشتہ رات اچانک سامنے آگیا، ”تفلت“ کے معنی ہیں ”فلتہ“ یعنی اچانک آجانا ”او کلمۃ نحوھا“ ”تفلت“ کے ہم معنی کوئی اور کلمہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ رات کو میرے سامنے آگیا ”لیقطع علی الصلوۃ“ تاکہ میری نماز میں خلل واقع کرے اور میرا شوع فوت کرے ”فامکننی اللہ منہ“ تو اللہ ﷻ نے مجھے اس پر قابو عطا فرمایا ”واردت ان اربطہ الی ساریۃ من سوارۃ المسجد“ اور میرا ارادہ ہوا کہ مسجد کے کسی ستون کے ساتھ اس کو باندھوں ”حتی تصبحوا وتنظروا الیہ کلکم“ تاکہ صبح کو اٹھ کے تم سب اس کا تماشا دیکھو ”فلذکرت قول اخی سلیمان ﷺ“ تو بعد میں مجھے اپنے بھائی سلیمان ﷺ کی دعا یاد آگئی، انہوں نے یہ دعا مانگی تھی ”رب اغفر لی وھب لی ملکاً لا ینبغی لأحد من بعدی“ کہ اے اللہ! ایسی سلطنت مجھے عطا فرما دیجئے، جو میرے بعد کسی کو حاصل نہ ہو، تو ان کو جنات پر چرندوں اور جانوروں پر سلطنت حاصل ہوئی، تو انہوں نے یہ دعا مانگی تھی کہ یہ خصوصیت میری ہی رہے بعد میں کسی کو نہ ملے۔

چونکہ مجھے یہ دعا یاد آگئی اس واسطے میں نے اس کو چھوڑ دیا یہ سوچا کہ اگر باندھوں گا تو حضرت سلیمان ﷺ کی اس خواہش کا احترام نہیں ہوگا ”قال روح: فودہ خاسئاً“ تو نبی کریم ﷺ نے اس کو ذلیل کر کے لوٹا دیا اور باندھا نہیں، اگرچہ آپ باندھ لیتے تب بھی حضرت سلیمان ﷺ کی دعا پر کچھ اثر نہ پڑتا کہ ان کا مقصد یہ تھا کہ سارے چرند، پرند، جنات و شیاطین سب پر حکومت ہو اور اگر اکا دکا کوئی فرد حضور اکرم ﷺ نے باندھا تو کوئی کلی مخالفت اس کی لازم نہیں آتی تھی، لیکن ظاہری طور پر اس کے منافی ایک عمل ہوتا تو حضور اکرم ﷺ بنے ایک پیغمبر کی خواہش کا احترام فرمایا تاکہ اس کی ظاہری مخالفت بھی لازم نہ آئے۔

بہر حال حدیث شریف میں آپ نے ارادہ ظاہر فرمایا کہ میرا ارادہ ہوا کہ میں مسجد کے ستون سے اس کو باندھوں، تو امام بخاری رحمہ اللہ اس سے استدلال فرما رہے ہیں کہ قیدی کو مسجد میں باندھنا جائز ہے۔

جنات کو تابع اور مسخر کرنے کا حکم

سوال: آج کل عامل حضرات جو جنات کو قابو کر لیتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: جنات کو تابع کرنا، مسخر کرنا یہ بالکل حرام ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی آزاد آدمی کو اپنا غلام بنائے۔

(۷۶) باب الاغتسال إذا أسلم، وربط الأسير أيضا في المسجد

جب اسلام لے آئے تو غسل کرنے اور مسجد میں قیدی کے باندھنے کا بیان

”وكان شريع يأمر الغريم أن يحبس إلى سارية المسجد“

۴۶۲۔ حدثنا عبد الله بن يوسف قال: حدثنا الليث قال: حدثنا سعيد

بن أبي سعيد، أنه سمع أبا هريرة قال: بعث النبي ﷺ خيلاً قبل نجد، فجاءت
برجل من بني حنيفة، يقال له: ثمامة بن أثال، فربطوه بسارية من سواري
المسجد، فخرج إليه النبي ﷺ فقال: (أطلقوا ثمامة) فانطلق إلى نخل قريب من
المسجد فاغتسل، ثم دخل المسجد فقال: أشهد أن لا إله إلا الله وأن محمداً
رسول الله. [أنظر: ۴۶۹، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۳۷، ۴۳۸]

ترجمہ الباب سے مقصود بخاری

اس روایت میں حضرت ثمامہ ابن اثالؓ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ جس وقت صحابہ کرامؓ کا ایک لشکر
نجد گیا تھا اور وہاں سے بنو حنیفہ کے ایک صاحب ثمامہ بن اثالؓ کو گرفتار کر کے لائے تو ان کو لا کر
مسجد میں باندھ دیا، بعد میں وہ صاحب مسلمان ہو گئے اور مسلمان ہونے سے پہلے غسل کیا پھر بعد میں مسلمان
ہوئے اور بعد میں اسلام کے حق میں بڑے اچھے ثابت ہوئے۔

یہ واقعہ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں اختصار کے ساتھ اور مغازی میں تفصیل کے ساتھ نقل فرمایا ہے۔

اس پر باب قائم فرمایا ”باب الاغتسال اذا أسلم وربط الأسير أيضاً في المسجد“ اصل باب
تو پہلے قائم فرمایا اس باب کو دوبارہ زیادتی کے ساتھ قائم کر رہے ہیں اور وجہ زیادتی یہ ہے کہ ایک تو یہ بتلانا مقصود
ہے کہ پیچھے جو حدیث لائے تھے وہ ”عفريت من الجن“ سے متعلق تھی اور یہاں جو واقعہ بیان کر رہے ہیں وہ
نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں ایک انسان کے ساتھ پیش آیا کہ ان کو باندھا گیا۔

۴۵۵۔ وفي صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب ربط الأسير وحسه وجواز المن عليه، رقم: ۳۳۱۰، وسنن
النسائي، كتاب الطهارة، باب تقديم غسل الكافر اذا أراد أن يسلم، رقم: ۱۸۹، وكتاب المساجد، باب ربط الأسير
بسارية المسجد، رقم: ۷۰۵، وسنن أبي داود، كتاب الجهاد، باب في الأسير يوثق، رقم: ۲۳۰۴، ومسند أحمد،
بإلى مسند المكثرين، باب بإلى المسند السابق، رقم: ۹۳۵۷.

قبول اسلام کے وقت غسل کے حکم کی حیثیت

دوسرا یہ کہ اس کے ضمن میں یہ مسئلہ بھی بیان فرما دیا کہ اسلام لاتے وقت غسل کرنے کا کیا حکم ہے؟ کیونکہ اس میں حضرت ثمامہ بن اثال نے اسلام لانے سے پہلے غسل کیا تھا، اس کی طرف اشارہ کر دیا اور چونکہ اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ اسلام لاتے وقت غسل کرنا واجب ہے کہ نہیں؟ چونکہ کوئی حتمی حکم نہیں اس لئے باب میں بھی کوئی حتمی مسئلہ بیان نہیں کیا بلکہ مصدر لائے یعنی ”باب الاغتسال اذا اسلم“۔

ظاہریہ کا مسلک

اہل ظاہر کا قول یہ ہے کہ ہر صورت میں جب بھی اسلام لائے غسل واجب ہے۔ ۱۳۶
اور یہی قول بعض حنابلہ اور بعض مالکیہ کا بھی ہے۔ ۱۳۷

حنفیہ کا مسلک

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں اغتسال کسی بھی حالت میں واجب نہیں، خواہ وہ جنابت ہی کی حالت میں اسلام لایا ہو یعنی کفر کی حالت میں غسل کر کے پھر اسلام لایا ہو تب بھی غسل واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔ ۱۳۸

شوافع کا مسلک

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ شخص جنبی تھا تب تو واجب ہے اور اگر جنابت لاحق نہ ہوئی ہو تو مستحب ہے، حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ اگر جنابت بھی لاحق ہوئی اور کبھی نہ کبھی نہ ہالیا ہو تو یہ کافی ہے غسل میں نیت حنفیہ کے ہاں شرط نہیں، تو چاہے نیت غسل جنابت کی ہو یا نہ ہو، جنابت کا ازالہ ہو گیا، اب اسلام کے بعد اس پر غسل واجب نہیں۔ ۱۳۹

۱۳۶ فلو اغتسل الکافر قبل ان یسلم لم یجزہم ذلك من غسل الجنابة وعليهم اعادة الغسل لانهم بعروج الجنابة منهم صاروا جنبا ووجب الغسل به، المحلى، ج: ۲، ص: ۴، دار الآفاق الجديدة، بیروت.

۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹ مسألة قال واذا أسلم الکافر وجعلته أن الکافر اذا أسلم وجب علیه الغسل سواء کان أصلها أو مرئداً اغتسل قبل اسلامه أو لم یغتسل وجد منه فی زمن کفره ما یوجب الغسل أو لم یوجد وهذا ملحق مالک وأبی ثور وابن المنذر وقال أبو بکر یستحب الغسل وليس بواجب الا أن یكون قد وجدت منه جنابة زمن کفره فعليه الغسل اذا أسلم سواء کان قد اغتسل فی زمن کفره أو لم یغتسل وهذا ملحق الشافعی. ولم یوجب علیه أبو حنیفة الغسل بحال لأن العدد الكثير والجم الغفير اسلموا فلو أمر کل من اسلم بالغسل لنقل نقلاً متواتراً أو ظاهراً ولأن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما بعث معاذاً الى الیمن قال ادعهم الى شهاد علی فقرائهم ولو کان الغسل واجباً لأمرهم به لأنه أول واجبات الاسلام، المغنی ج: ۱، ص: ۱۳۲، وسیل السلام، ج: ۱، ص: ۸۷، وعمدة القاری ج: ۳، ص: ۵۱۶، تفسیر القرطبی ج: ۲، ص: ۱۳۵.

باب کے اندر ”وربط الاسیر ایضاً فی المسجد“ میں ”ایضاً“ کا لفظ بڑھا کر اشارہ کر دیا کہ اوپر والی بات دوبارہ ایک نئے عنوان اور نئے طریقے سے آرہی ہے، ”وقال شریح یأمر الغریم ان یحبس الی ساریة المسجد“۔

قاضی شریح رحمہ اللہ کہتے ہیں بعض اوقات مدیون کو یہ حکم دیتے تھے کہ اس کو مسجد کے ستون سے باندھ دیا جائے، تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ مسجد کے ستون کے ساتھ باندھنا جائز ہے اور اس میں پھر حضرت ابو ہریرہ ؓ کی حدیث نقل کی ہے کہ ”بعث النبی ﷺ خیلاً الی قبل نجد فجاءت برجل من بنی حنیفة یقال وان محمد رسول اللہ“۔

(۷۷) باب الخیمة فی المسجد للمرضی وغیرہم

مسجد میں بیماروں وغیرہ کے لئے خیمہ کھڑا کرنے کا بیان

۴۶۳۔ حدثنا زکریا بن یحیی قال: حدثنا عبد اللہ بن نمیر قال: حدثنا هشام، عن أبیہ، عن عائشة قالت: أصیب سعد یوم الخندق فی الکحل، فضرب النبی ﷺ خیمۃ فی المسجد لیعدہ من قریب، فلم یرعہم. وفی المسجد خیمۃ من بنی غفار. إلا الدم یسئل إلیہم، فقالوا: یا أهل الخیمۃ! ما هذا الذی یأتینا من قبلکم؟ فإذا سعد یغذو جرحہ دماً، فمات فیہا. [أنظر: ۲۸۱۳، ۳۹۰۱، ۴۱۱۷، ۴۱۲۲، ۵۰]

مسجد میں بیماروں کیلئے خیمہ لگانے پر امام بخاریؒ کا استدلال

مسجد میں بیماروں وغیرہ کے لئے کوئی خیمہ لگا دینا، امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو جائز قرار دیا ہے اور اس سلسلے میں یہ حدیث روایت کی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ مسجد کے اندر مختلف افعال انجام دینے کے سلسلے میں الگ الگ ابواب قائم کر رہے ہیں اور اس بارے میں بڑے توسع سے کام لے رہے ہیں کہ مسجد میں یہ کام بھی کیا جاسکتا ہے، یہ کام بھی کیا جاسکتا ہے وغیرہ وغیرہ، تو اس میں ایک یہ بھی ہے کہ مسجد کے اندر بیماروں کے لئے کوئی خیمہ لگا دینا۔ اور اس کے جواز پر حضرت سعد بن معاذ ؓ کے واقعہ سے استدلال کیا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ذکر ہے کہ ”

”اصیب سعد یوم الخندق فی الاکھل“۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے مراد حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ہیں ان کو خندق کے دن اکھل میں زخم لگا، ”اکھل“ یہ ذراع کے بیچ میں ہاتھ کے اندر جو رگ ہوتی ہے اس کو کہتے ہیں اور اس کو ”رگ حیات“ بھی کہا جاتا ہے، اس کا تعلق براہ راست قلب سے ہوتا ہے تو اس کے اندر اگر وہ رگ پھٹ جائے تو اس سے خون جاری ہوتا ہے اور خون جاری ہونے کے نتیجے میں بکثرت ایسا ہوتا ہے کہ یہ مہلک ثابت ہوتی ہے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے ذراع کی رگ پھٹ گئی تھی اور یہاں پر زخم لگ گیا تھا، مشہور واقعہ ہے جو غزوہ احزاب اور بنو قریظہ کے سلسلے میں مغازی میں گزر چکے ہیں ”فَصْرَبَ النَّبِيُّ ﷺ خِيَمَةً فِي الْمَسْجِدِ“ تو نبی کریم ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے لئے مسجد میں ایک خیمہ لگا دیا، ”لِيعُودَهُ مِنْ قَرِيبٍ“ تاکہ ان کی عبادت کر سکیں۔

”فَلَمْ يَرْعَهُمْ“ یہ جو بیچ میں جملہ ہے۔

”وَفِي الْمَسْجِدِ خِيَمَةٌ مِنْ بَنِي غِفَارٍ“ یہ جملہ معترضہ ہے۔

اس کو پہلے پڑھ لو کہ مسجد میں بنی غفار قبیلے کے لوگوں کا بھی ایک اور خیمہ لگا ہوا تھا ”فَلَمْ يَرْعَهُمْ اِلَّا الدَّمُ“ پس ان بنی غفار کے لوگوں کو نہیں ڈرایا مگر خون نے کہ ”يَسِيلُ الْيَهُم“ جو ان کی طرف بہہ کر آ رہا تھا۔ دراصل حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے خون نکلا اور خون نکل کر بہا اور بہہ کر برابر والے خیمے کے اندر پہنچنے لگا فقالوا تو بنی غفار نے کہا کہ ”يَا اَهْلَ الْخِيَمَةِ مَا هَذَا الَّذِي يَأْتِينَا مِنْ قِبَلِكُمْ“ اے خیمے والو! آپ کے خیمے کی طرف سے یہ کیا چیز آرہی ہے؟ ”فَاِذَا سَعْدٌ يَغْزُو جَرْحَهُ دَمًا“ کہ اچانک انہوں نے دیکھا کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کا خون زخم سے بہہ رہا ہے ”فَمَاتَ فِيهَا“ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا اسی زخم کی وجہ سے انتقال ہوا۔

استدلال بخاری رحمہ اللہ

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ اس واقعہ سے استدلال کر رہے ہیں کہ مسجد میں بیماروں کے لئے خیمے بھی لگائے جاسکتے ہیں بلکہ بنو غفار کا بھی خیمہ لگا ہوا تھا وہ لوگ بیمار نہیں تھے ان کے لئے بھی خیمہ لگا ہوا تھا تو اس سے مسجد میں خیمہ لگانے کی اجازت نکالنا چاہتے ہیں۔

خون کی طہارت پر استدلال

بعض حضرات نے اس سے خون کی طہارت پر استدلال کیا ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا جو زخم تھا اس سے

خون بہہ رہا تھا اس کے باوجود ان کا خیمہ مسجد میں لگایا گیا، جس کا معنی یہ ہے کہ مسجد میں خون بہنے کو گوارا کیا گیا، اگر نجس ہوتا تو اس کو مسجد میں گوارا نہ کیا جاتا۔

دونوں استدلال تام نہیں

یہ دونوں استدلال درحقیقت اس حدیث سے نہیں ہیں، اس واسطے کہ استدلال اس بات پر موقوف ہے کہ مسجد سے مراد مسجد نبوی ہو یا کوئی مسجد اصطلاحی ہو لیکن زیادہ ظاہر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہاں مسجد سے مراد مسجد نبوی نہیں ہے اور نہ کوئی باقاعدہ مسجد اصطلاحی مراد ہے بلکہ یہ وہ جگہ مراد ہے جو بنو قریظہ کے غزوہ کے وقت حضرت محمد ﷺ نے وہاں نماز پڑھنے کے لئے بنائی تھی۔

غزوہ احزاب کے متصل بعد حضرت جبریل امین علیہ السلام تشریف لائے اور انہوں نے کہا کہ آپ نے تو ہتھیار اتار لئے ہیں، لیکن ہم نے نہیں اتارے، پہلے جا کر بنو قریظہ پر حملہ کرنا۔ لہذا جا کر بنو قریظہ کا محاصرہ کیا اور محاصرہ بہت دنوں تک جاری رہا، اسی دوران حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو یہ زخم بھی لگا تھا اور یہ بنو قریظہ کے قلعہ کا محاصرہ جو مسجد نبوی سے چھ میل کے فاصلے پر واقع ہے، تو اس واسطے یہ سمجھنا کہ نبی کریم ﷺ مسجد نبوی میں تھے اور وہاں خیمہ لگوا یا تھا یہ اس قصے کے سیاق کے منافی ہے۔

یہ بات بہت بعید ہے کہ حضور ﷺ یہاں پر قیام فرمائیں اور جا کر چھ میل دور مسجد نبوی میں خیمہ لگوائیں، لہذا ظاہر یہ ہے کہ مسجد سے مراد یہاں پر وہ جگہ ہے جو آپ نے بنو قریظہ کے محاصرے کے وقت بنائی تھی، لہذا اس سے نہ اس پر استدلال ہو سکتا ہے کہ مسجد نبوی میں یا مسجد اصطلاحی میں بیماروں کے واسطے خیمہ لگانا جائز ہے یعنی اس کو ہسپتال میں تبدیل کر دیا جائے اور نہ اس پر استدلال ہو سکتا ہے کہ خون پاک ہے۔ خون کے پاک ہونے کا قائل تو اصل میں کوئی نہیں سوائے بعض شاذ اقوال کے، لیکن مسجد میں خیمہ لگانے کے جو قائل ہیں وہ بھی اس سے استدلال نہیں کر سکتے اور اگر کبھی ایسا ہوا بھی ہو تو وہ بھی جہاد وغیرہ کے موقع پر بہت ہی ضرورت شدیدہ کے وقت ایسا کر لیا جائے تو اس کی گنجائش ہے لیکن اس میں اتنا توسع کرنا کہ مسجد کے حقیقی مقاصد فوت ہو جائیں اور پیچھے رہ جائیں اور دوسرے کاموں کے لئے اس کو استعمال کیا جانے لگے، یہ مناسب نہیں۔

(۷۸) باب إدخال البعير في المسجد لليلة

ضرورت کی بنا پر مسجد میں اونٹ لے جانے کا بیان

وقال ابن عباس: طاف النبي ﷺ على بعير.

۴۶۴ - حدثنا عبد الله بن يوسف قال: أخبرنا مالك، عن محمد بن عبد الرحمن ابن

نوفل، عن عروة، عن زينب بنت أبي سلمة، عن أم سلمة قالت: شكوت إلى رسول الله ﷺ أنني اشتكي، قال: (طوفي من وراء الناس وأنت راكبة) فطفت ورسول الله ﷺ يصلي إلى جنب البيت، يقرأ بالطور وكتاب مسطور. [أنظر: ۱۶۱۹، ۱۶۲۶، ۱۶۳۳، ۳۸۵۳، ۱۵۱]

اونٹ کو مسجد میں داخل کرنے کے جواز پر امام بخاریؒ کا استدلال

کسی حاجت کی وجہ سے اونٹ کو مسجد میں داخل کرنا یہ بھی گویا امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہے کہ اونٹ کو کسی ضرورت کے تحت داخل کر لیا جائے۔

اور اس میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے ”بعیر“ (اونٹ) پر سوار ہو کر طواف کیا اور یہ بات دوسری روایت سے ثابت ہے یہاں تعلقاً نقل کیا ہے۔

اسی بارے میں حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی ہے کہ اسی حجۃ الوداع کے موقع پر وہ فرماتی ہیں کہ ”شکوٰۃ الی رسول اللہ ﷺ انی اشتکی“ میں نے حضور اقدس ﷺ سے شکایت کی کہ مجھے کچھ تکلیف ہے، پیاری ہے ”قال طوفي من وراء الناس وانت راكبة“ تو آپ نے فرمایا کہ تم لوگوں کے پیچھے سے سوار کر طواف کر لینا۔ تو وہ کہتی ہیں کہ میں نے اس حالت میں طواف کیا کہ رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کے برابر میں نماز پڑھ رہے تھے ”و الطور و کتاب مسطور“ کی تلاوت فرما رہے تھے تو یہاں بھی ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے ”بعیر“ (اونٹ) پر سوار ہو کر طواف کرنے کی اجازت دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ”بعیر“ (اونٹ) کو مسجد میں داخل کیا جاسکتا ہے۔

”بول مایؤ کل لحمہ“ کی طہارت پر استدلال

اس سے ان حضرات نے بھی استدلال کیا ہے کہ جو ”بول مایؤ کل لحمہ“ کو طہر کہتے ہیں کیونکہ جب ”بعیر“ کو داخل کیا جائے گا تو پتہ نہیں کہ کس وقت اس کو قضاء حاجت کی ضرورت پیش آجائے، اس کی پہلے سے کوئی پیشگوئی نہیں کی جاسکتی، تو اس سے معلوم ہوا کہ اس کے ارواث کو مسجد میں گوارا کیا گیا۔

۱۵۱ وفی صحیح مسلم، کتاب الحج، باب جواز الطواف علی بعیر وغیرہ واستلام الحجر بمحجن، رقم: ۲۲۳۸،

وسنن النسائی، کتاب مناسک الحج، باب کیف طواف المریض، رقم: ۲۸۷۶، وسنن أبی داؤد، کتاب المناسک،

باب الطواف الواجب، رقم: ۱۶۰۶، وسنن ابن ماجہ، کتاب المناسک، باب المریض یطوف راكبة، رقم: ۲۹۵۲،

ومسند أحمد، باقی مسند الأنصار، باب حدیث أم سلمہ رجوع زوج النبی، رقم: ۲۵۲۸۰، ۲۵۳۸۹، وموطأ مالک،

کتاب الحج، باب جامع الطواف رقم: ۷۲۸۔

دونوں مسئلوں پر استدلال تام نہیں

اس کا جواب علمائے کرام نے جو ”بول مایوکل لحمہ“ کو طہر نہیں کہتے جیسے حنفیہ اور شافعیہ، تو انہوں نے جواب یہ دیا ہے کہ حضرت رسول کریم ﷺ کا جو ”بعیر“ تھا وہ سدھا ہوا تھا یعنی ”مذراہ“ تھا ”معلم“ تھا تو آپ کو یہ بات یقین سے معلوم ہو گئی کہ یہ مسجد میں ایسی حرکت نہیں کریگا۔ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے جو ”بعیر“ استعمال کیا وہ بھی رسول اللہ ﷺ کا ہی ہوگا تو اس واسطے اس بات کا کوئی یقین نہیں ہے کہ یہ ارواث وغیرہ اس کے اندر داخل ہوں گی۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی توجیہ

حضرت انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے ایک بات اور بھی ارشاد فرمائی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ یہ بات ثابت نہیں ہے کہ یہ مطاف حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں مسجد کا حصہ تھا۔ حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں صورت حال یہ تھی کہ بیت اللہ کی تعمیر کے باہر مطاف تھا اور مطاف کے چاروں طرف مکانات تھے، مکانات کے دروازے مطاف کے اندر کھلتے تھے، لوگ مکان سے اتر کر سیدھے مطاف میں آ جایا کرتے تھے، تو یہ بات ثابت نہیں ہے کہ وہ مطاف بھی مسجد کا حصہ تھا بلکہ عین ممکن ہے کہ مسجد صرف بیت اللہ ہو اور مطاف مسجد سے خارج ہو۔ اگر یہ بات ثابت ہو تو اس پر مسجد اصطلاحی کے احکام تھے ہی نہیں، لیکن نہ اس کا مسجد ہونا ثابت ہے اور نہ مسجد نہ ہونا ثابت ہے بلکہ قرآن کریم میں مسجد الحرام کا جو لفظ آیا ہے اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مسجد الحرام بیت اللہ سے کوئی مختلف چیز ہے، بیت اللہ مسجد الحرام کے اندر واقع ہے۔ اس سے ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مطاف مسجد کا حصہ تھا بہر حال حضور اقدس ﷺ کا اپنے ”بعیر“ کو اندر لے جانا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر آدمی اپنا اونٹ لے کر مسجد میں پہنچ جائے اور وہ وہاں پر قضاء حاجت بھی کیا کرے اس واسطے اس سے استدلال پوری طرح تام نہیں۔ ۱۵۲

(۷۹) باب

۴۶۵۔ حدثنا محمد بن المثنی قال : حدثنا معاذ بن هشام قال : حدثني

أبي، عن قتادة قال : حدثنا أنس أن رجلين من أصحاب النبي ﷺ خرجا من عند النبي ﷺ في ليلة مظلمة، ومعهما مثل المصباحين با حين يضيئان بين أيديهما، فلما اتروا صار مع

کل واحد منهما واحد، حتی ائی اہلہ۔ [انظر: ۳۶۳۹، ۳۸۰۵] ۱۵۳

حضور اکرم ﷺ کا معجزہ

یہ حضرت انس کی حدیث ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں سے دو حضرات آپ کے پاس سے اٹھ گئے ان میں ایک کا نام عباد بن بشر تھا اور دوسرے کا نام اسید بن خضیر تھا اور یہ اندھیری رات تھی حضور ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے کچھ دیر ہوگئی تو وہاں سے اٹھ کر گئے ”ومعہما مثل المصاحین“ اور ان کے ساتھ دو چراغوں جیسی چیز جلتی رہیں، رات اگرچہ اندھیری تھی لیکن جب وہ دونوں آپ ﷺ کے پاس سے اٹھ کر چلے گئے تو آپ ﷺ کے معجزے کے طور پر دو چراغ ان کے ساتھ چلتے رہے۔

”یضیئان بین یدیهما“ جو ان کے سامنے روشنی پھیلا رہے تھے ”فلما افترقا“ آگے جا کر جب ان کے راستے جدا ہو گئے ”صار مع کل واحد منهما واحد“ ہر ایک کے ساتھ ایک ایک چراغ الگ چلا گیا ”حتی ائی اہلہ“ یہاں تک کہ وہ اپنے گھر والوں کے پاس پہنچ گئے یہ درحقیقت نبی کریم ﷺ کا معجزہ تھا کہ آپ کے پاس سے اٹھ کر جب جانے لگے تو رات تاریک تھی تو ان کو اللہ ﷻ نے نور عطا فرما دیا جس کے ذریعے وہ راستہ دیکھتے ہوئے چلے گئے یہاں تک کہ وہ اپنے گھر پہنچ گئے۔

بلا ترجمہ والے باب کے بارے میں اقوال

یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کی ہے اور اس پر جو باب قائم کیا ہے اس کے ساتھ کوئی ترجمہ نہیں ہے اور یہ آپ شروع میں پڑھ کر آئے ہیں کہ بعض اوقات امام بخاری رحمہ اللہ باب قائم کرتے ہیں اور اس کے اوپر کوئی ترجمہ نہیں لگاتے اس کے بارے میں شرح کے مختلف اقوال ہیں:

بعض حضرات کہتے ہیں کہ وہ طلبہ کو تمرین کرانا چاہتے ہیں کہ اب تم خود اس پر ترجمہ الباب لگاؤ۔
بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس کا تعلق کچھ نہ کچھ ماقبل سے یا مابعد سے ہوتا ہے لیکن امام بخاری رحمہ اللہ اس کے اوپر چاہتے ہیں کہ کوئی ترجمہ الباب قائم کریں اور سوچ رہے ہوتے ہیں کہ کوئی ترجمہ الباب قائم کریں مگر موقع نہیں ملا اور ترجمہ الباب قائم نہیں کر سکے اور اسی حالت میں وفات ہوگئی، اس واسطے یہ باب اس طرح رہ گیا۔

اس ”باب“ سے امام بخاری کا مقصود

بہر حال عام طور سے ہوتا یہ ہے کہ جب ایسا باب جو بغیر ترجمہ کے آئے تو اس کا تعلق ماقبل سے یا مابعد سے ہوتا ہے، یہ حدیث یہاں پر جو آئی ہے اس کا بظاہر ماقبل و مابعد سے کوئی تعلق نظر نہیں آتا ہے، کیونکہ پہلے بھی

اور بعد بھی، مسجد کے احکام چل رہے ہیں کہ مسجد میں کیا کام کیا جاسکتا ہے اور کیا نہیں کیا جاسکتا، اب یہاں سے اتنی بات مذکور ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے پاس سے اٹھ کر گئے تو ان کو اللہ ﷻ نے نور عطا فرمادیا اور اس نور کی روشنی میں وہ اپنے گھر تک پہنچ گئے، لہذا کوئی تعلق ماقبل و مابعد سے نظر نہیں آتا، تو شرح حضرات نے تعلق ڈھونڈنے کے لئے بڑی لمبی چوڑی تاویلات اور توجیہات تلاش کی ہیں۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ درحقیقت مراد یہ ہے کہ مسجد کی طرف چل کر آنا یا مسجد سے واپس جانا اگر آدمی اندھیرے میں چل کر آئے تو اللہ ﷻ آخرت میں نور عطا فرمائیں گے لیکن بعض اوقات دنیا کے اندر بھی نور عطا کر دیا جاتا ہے تو گویا درحقیقت تاریکی میں مسجد کی طرف آنے یا مسجد کی طرف جانے کی فضیلت بیان کرنا مقصود ہے۔ چنانچہ دوسری حدیث میں آیا کہ ”بشر المشائین فی الظلم بالنور التام يوم القيامة“ کہ جو لوگ اندھیروں میں چل کر مسجد کی طرف آتے ہیں، ان کو نور تام کی خوشخبری دے دو، اس حدیث کی طرف اشارہ ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ مقصد اس کا یہ ہے کہ یہ جو صحابی تھے یہ جب حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں آئے اور اندھیرے میں واپس گئے، تو اندھیرے میں واپس جانا اسی وقت ممکن ہے جبکہ عشاء کے بعد کچھ دیر حضور ﷺ کے پاس رہے ہوں اور حضور اقدس ﷺ سے باتیں کرتے رہے ہوں گے اور بات کرنے کے نتیجہ میں دیر سے باہر نکلے، تو بیان کرنا یہ مقصود ہے کہ نماز کے بعد اگر تھوڑی دیر کیلئے بیٹھ جائیں اور اس میں کوئی باتیں کر لی جائیں، خاص طور پر وہ باتیں جو دین سے متعلق ہوں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

گویہ ترجمۃ الباب ہونا چاہئے تھا کہ ”باب الکلام فی المسجد“ کہ مسجد کے اندر گفتگو کرنا بعد از صلوٰۃ تو یہ نہ صرف جائز ہے بلکہ حضور اقدس ﷺ سے کلام کے نتیجہ میں اللہ ﷻ نے اس کو دنیا کے اندر ایک معمولی نور بھی عطا فرمایا کہ ان کو نور حاصل ہوا اور اپنے گھر میں آرام سے پہنچ گئے، یہ دو توجیہات ہیں جو زیادہ قریب معلوم ہوتی ہیں اور باقی جتنی توجیہات کی گئی ہیں وہ دور از کار ہیں۔

حضرت مولانا محمد یحییٰ رحمہ اللہ کی توجیہ

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ میرے والد حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمہ اللہ ایک اور بات نقل کرتے ہیں کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ یہ جو صحابی تھے جن کو چراغ کا نور نظر آیا وہ کچھ اس طرح نظر آیا کہ جیسے ایک عصا ہو اور اس کے اوپر اونٹ کی شکل کی کوئی چیز بنی ہوئی ہے اور اسی سے نور نکل رہا ہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ یہ بعض روایات میں آیا ہے تو یہاں مناسبت اس بات کو پہلے باب سے اس طرح ہے کہ پچھلے

باب میں ”ادخال البعير فی المسجد“ کہا تھا یہاں بعیر کی شکل کی ایک چیز مسجد کے اندر سے ان کے ساتھ رہی اور یہاں تک کہ باہر بھی رہی تو اس طرح اس کی ماقبل سے مناسبت ہے۔
 شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت مجھے تلاش کرنے سے کبھی ملی نہیں اگر ہو تو مناسبت بہت واضح اور ظاہر ہو جائے گی لیکن نہیں ملی۔

(۸۰۰) باب الخوخة والممر فی المسجد

مسجد میں کھڑکی اور راستہ رکھنے کا بیان

۴۶۶۔ حدثنا محمد بن سنان قال: حدثنا فليح قال: حدثنا أبو النضر، عن عبيد ابن حنين، عن بسر بن سعيد، عن أبي سعيد الخدري قال: خطب النبي ﷺ فقال: (إن الله سبحانه خير عبد أبين الدنيا وبين ماعنده، فاختار ماعند الله) فبکی أبو بكر ﷺ، فقلت في نفسي: ما يكي هذا الشيخ؟ إن يكن الله خير عبد أبين الدنيا وبين ماعنده، فاختار ماعند الله، فكان رسول الله ﷺ هو العبد، وكان أبو بكر أعلمنا، فقال: (يا أبا بكر! لا تبك، إن أمن الناس علي في صحبته وماله أبو بكر، ولو كنت متخذًا خليلاً من امتي لاتخذت أبا بكر، ولكن أخوة الإسلام ومودته، لا يبقين في المسجد باب إلا سد إلا باب أبي بكر). [أنظر: ۳۶۵۴، ۳۹۰۴، ۵۴]

۴۶۷۔ حدثنا عبد الله بن محمد الجعفي قال: حدثنا وهب بن جرير قال: حدثنا أبي قال: سمعت يعلى بن حكيم، عن عكرمة، عن ابن عباس قال: خرج رسول الله ﷺ في مرضه الذي مات فيه عاصبا رأسه بخرقه، فقع على المنبر، فحمد الله وأثنى عليه. ثم قال: (إنه ليس من الناس أحد آمن علي في نفسه وماله من أبي بكر بن أبي قحافة، ولو كنت متخذًا من الناس خليلاً لاتخذت أبا بكر خليلاً، ولكن خلة الإسلام أفضل، سدا عني كل خوخة في هذا المسجد غير خوخة أبي بكر). [أنظر: ۳۶۵۶، ۳۶۵۷، ۶۷۳۸، ۷۵۵]

۵۴ وفي صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل أبي بكر الصديق، رقم: ۴۳۹۰، وسنن الترمذی، کتاب المناقب عن رسول الله، باب کتاب المناقب عن رسول الله، رقم: ۳۵۹۳، ومسند أحمد، باقی مسند المکثرین، رقم: ۱۰۷۱۰، وسنن الدارمی، کتاب المقدمة، باب مسند أبي سعيد الخدري، رقم: ۷۷.

۵۵ وفي مسند أحمد، ومن مسند بنی هاشم، باب بداية مسند عبد الله بن عباس، رقم: ۲۳۰۶.

مسجد کی طرف روشن دان یا چھوٹا دروازہ کھولنے کا حکم

مسجد کے اندر خوشہ کھولنا کوئی گزرگاہ کھولنا جائز ہے یا نہیں؟

خوشہ اصل میں روشن دان کو کہتے ہیں اور اگر کوئی کسی گھر میں کوئی چھوٹا سا دروازہ کھول دے جیسے کھڑکی نما دروازے ہوتے ہیں تو اس کو بھی ”خوشہ“ کہا جاتا ہے، تو مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کا گھر مسجد کے متصل واقع ہے اور وہ اپنے گھر میں کوئی خوشہ کھول دے جس کے ذریعے وہ مسجد میں اتر جایا کرے تو ایسا کرنا جائز ہے یہ بیان کرنا مقصود ہے۔

لفظ ”ممر“ کی تحقیق اور اس سے مقصود بخاریؒ

اور ”ممر“ کا جو لفظ ہے اس کے بارے میں بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ مصدر میمی ہے ”گزرنے“ کے معنی میں آتے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ کہنا چاہتے ہیں کہ مسجد کے اندر گزرنا بھی جائز ہے لیکن اگر اس کو مصدر میمی قرار دیا جائے تو یہ تکرار ہوگا کیونکہ پہلے یہ باب گزر گیا ہے کہ ”باب الممرور فی المسجد“ لہذا صحیح یہ ہے کہ مصدر میمی نہیں بلکہ اسم ظرف ہے یعنی جس طرح خوشہ کھولنا جائز ہے اسی طرح مسجد کے اندر گزرگاہ بنانا بھی جائز ہے، امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود بھی یہی ہے اور اس میں حدیث وہ روایت کی ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خوشہ کے علاوہ تمام خوشے بند کر دیئے جائیں۔

صورت حال یہ تھی کہ مسجد نبوی کے برابر میں جس جس کے مکانات تھے تو وہاں کے لوگوں نے اپنی سہولت کے خاطر اپنے گھروں کے اندر خوشے چھوڑ رکھے تھے تا کہ جب نماز کا وقت ہو فوراً جلدی سے خوشے کے ذریعے مسجد کے اندر اتر جائیں، تو آنحضرت ﷺ نے تمام خوشے بند کرنے کا حکم دیا، خوشے بند کرنے کا یہ حکم اس وجہ سے نہیں کہ خوشہ کھولنا کوئی ناجائز تھا، اگر ناجائز ہوتا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خوشہ کیوں باقی رکھا جاتا، لہذا وجہ یہ نہیں تھی کہ خوشہ کھولنا ناجائز ہے بلکہ وجہ یہ تھی کہ مصلحت کے خلاف تھا کہ لوگوں کے اپنے اپنے گھروں میں خوشے کھولے ہوئے ہیں اور اس کے نتیجے میں ہر آدمی گھر سے اتر کر چلا آ رہا ہے۔

دوسرا یہ کہ اس گھر سے اترنے کے نتیجے میں یہ بھی ہوتا تھا کہ گھر کا جو کوڑا کرکٹ ہے وہ بھی بعض اوقات مسجد میں گر جاتا ہوگا تو اس واسطے آپ ﷺ نے مصلحت کی خاطر سارے خوشے بند کر دیئے صرف حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا خوشہ ان کی خصوصیت بتانے کے لئے برقرار رکھا ہے۔

خلافت صدیق اکبر ؓ کی طرف لطیف اشارہ

علماء فرماتے ہیں کہ درحقیقت اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ میرے بعد امامت ان کو حاصل ہوگی، کیونکہ جب ان کو امامت کبریٰ حاصل ہوگی تو امامت صغریٰ بھی ان کو حاصل ہوگی یہی نماز پڑھائینگے، نماز پڑھانے کے لئے ان کو ضرورت ہوگی کہ یہ سہولت کے ساتھ آجایا کریں تو اس واسطے یہ ایک لطیف اشارہ حضرت صدیق اکبر ؓ کی خلافت اور ان کی امامت کی طرف تھا تو اس لئے برقرار رکھا۔

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ اس سے استدلال کر رہے ہیں کہ یہ نہ سمجھو کہ اوروں کے خونے جو بند کئے گئے تھے اس کی یہ وجہ نہیں کہ ایسا کرنا شرعاً ناجائز تھا اگر ایسا ہوتا تو صدیق اکبر ؓ کا خونہ نہ باقی رکھا جاتا، لیکن آپ ؓ نے وہ خونہ باقی رکھا کیونکہ حضور ﷺ نے فرما دیا تھا کہ باقی سارے خونے بند کر دئے جائیں البتہ صدیق اکبر ؓ کا خونہ برقرار رکھا جائے اور اس امت کے عشق کی بات ہے کہ صدیق اکبر ؓ کی وفات بھی ہوگئی پھر اس خونے کی ضرورت بھی باقی نہ رہی لیکن امت نے خونے کو برقرار رکھا کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ یہ خونہ کھلا رہے گا یہاں تک کہ جب صدیق اکبر ؓ کا گھر خود مسجد کے اندر آگیا اور مسجد میں شامل ہو گیا جو اس کے برابر دیوار بھی اس میں بھی ایک خونہ برقرار رکھا کہ حضور اقدس ﷺ نے اس خونے کو برقرار رکھنے کا حکم دیا تھا، لہذا اس کو بھی برقرار رکھا وہ بھی مسجد میں شامل ہو گیا تو اور پیچھے دیوار چلی گئی، وہاں تک بھی خونہ برقرار رکھا یہاں تک کہ آج بھی موجود ہے، یہاں پر اب بھی وہ ایک روشن دان ہے حالانکہ بہت دور چلا گیا لیکن اب بھی روشن دان موجود ہے اور لکھا ہوا ہے ”ہذہ خوۃ سیدنا صدیق اکبر ؓ“ تو یہ عقیدت کی بات ہے کہ حضور ﷺ کے اس ارشاد کے احترام میں دور تک گئے اور اس خونے کو برقرار رکھا۔

حضرت صدیق اکبر ؓ کی فراست

روایت نقل کرتے ہوئے امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوسعید خدری ؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ خطبے میں فرمایا ”ان الله سبحانه خیر عبدا بین الدنیا و بین ما عنده“ کہ اللہ ﷻ نے ایک بندے کو اختیار دیا ہے دنیا کے درمیان اور اس عالم کے درمیان جو اللہ ﷻ کے پاس ہیں یعنی یہ ایک واقعے کے طور پر ایک بات ذکر کی ہے کہ اللہ ﷻ نے ایک بندے کو اختیار دیا کہ چاہو تو دنیا کو اختیار کرو اور چاہو تو آخرت میں جو نعمتیں ہیں ان کو اختیار کرو ”فاختار ما عند الله“ تو اس بندے نے اللہ ﷻ کے پاس نعمتوں کو اختیار کیا، یہ ایک واقعہ بیان فرمایا ”لبکی ابو بکر ؓ“ تو حضرت ابو بکر صدیق ؓ یہ بات سن کر رو پڑے۔ ”فلقلت فی نفسی“ تو ابوسعید خدری ؓ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں یہ بات یاد آئی کہ یہ بڑے

میاں کیوں رور ہے ہیں کیا چیز ہے جو شیخ کو زلزلہ ہی ہے ”ان یکن اللہ خیر عبدًا بین الدنیا و بین ماعندہ“ اگر اللہ ﷻ نے کسی بندے کو اختیار دے دیا دنیا اور ماعندہ کے درمیان اور اس نے ماعند اللہ کو اختیار کیا تو اس میں رونے کی کیا بات ہے لیکن بعد میں پتہ چلا کہ ”فکان رسول اللہ ﷺ هو العبد“ وہ بندہ جس کو اختیار دیا گیا تھا وہ خود رسول اللہ تھے۔

اختیار دینے کے معنی یہ تھے کہ پوچھا گیا تھا کہ بھائی اب مزید دنیا میں رہنا چاہتے ہو یا واپس ہمارے پاس آنا چاہتے ہو، تو حضور ﷺ نے واپس جانے کا اختیار کیا تھا تو اس واسطے صدیق اکبر ﷺ رور ہے تھے کہ اب حضور ﷺ کے جانے کا وقت قریب آ گیا ”وکان ابوبکر ﷺ أعلم الناس“ اور صدیق اکبر ﷺ ہم میں سب سے زیادہ جاننے والے تھے تو وہ اس بات کو سنتے ہی یہ محسوس کر گئے کہ حضور ﷺ غنقریب دنیا سے تشریف لے جانے والے ہیں۔

صدیق اکبر ﷺ کی منقبت

”وقال یا ابا بکر لا تبکی“ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے ابوبکر! روؤ نہیں ”ان امن الناس علی فی صحبتہ و مالہ ابوبکر“ اور ان کے تسلی کے لئے فرمایا کہ میں اس شخص کے اوپر سب سے زیادہ بھروسہ کرتا ہوں جس کو سب سے زیادہ امین سمجھتا ہوں اپنے بارے میں ان کی جان کے مقابلے میں اور ان کے مال کے مقابلے میں بھی وہ ابوبکر صدیق ﷺ ان کی جان و مال دونوں کے اعتبار سے سب سے زیادہ بھروسہ مجھے صدیق اکبر ﷺ پر ہے ”ولو کنت متخذ خلیلاً من امتی لاتخذت ابا بکر“ اگر میں امت میں سے کسی شخص کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا۔ تو اس کا مطلب ہوا کہ اب تک کسی کو خلیل بنایا نہیں۔ خلیل کے معنی یہاں دوست کے نہیں ہے خلیل کا معنی ہے ”من یقطع الیہ الرحل“ وہ ایسی ذات یا شخص کہ آدمی اس کی طرف منقطع ہو جائے، منقطع ہونے کے معنی یہ ہیں کہ سارے ماسوا سے اپنے ذہن کو اور اپنی دلچسپیوں کو فارغ کر کے اپنی ساری دلچسپیوں کا مرکز اس کو بنالے اس کو خلیل کہتے ہیں۔

تو حضور اقدس ﷺ ماسوا سے منقطع ہو کر کسی اور کی طرف متوجہ نہیں ہوئے، اس وجہ سے فرمایا کہ میں نے کسی کو خلیل نہیں بنایا، اگر بناتا تو ابوبکر کو بناتا اور فرمایا ”ولکن اخوة فی الاسلام و مودتہ“ خلیل تو نہیں لیکن میری اخوت اور مودت محبت ان سے اتنی ہے کہ اور کسی کے ساتھ نہیں۔

”لا یبقین فی المسجد باب الا سد الا باب ابی بکر“ مسجد میں کوئی دروازہ باقی نہ چھوڑا جائے یعنی اس کو بند کر دیا جائے مگر ابوبکر ﷺ کے دروازے کو بند نہ کیا جائے۔

روافض کا حضرت علی کی خلافت بلا فصل پر استدلال

ایک اور روایت جو متعدد کتب حدیث میں مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سب دروازے بند کر دئے جائیں سوائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دروازے کے۔ اس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بجائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دروازے کے کھلے رکھنے کا حکم ہے۔ ۱۵۶

اس سے روافض نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل پر استدلال کیا ہے۔ ۱۵۷

روافض کے استدلال کا جواب

بہت سے حضرات نے یہ فرمایا کہ اس کی سند کمزور ہے بلکہ بعض حضرات نے یہ دعویٰ بھی کر دیا کہ درحقیقت وہ روایت روافض کی گھڑی ہوئی ہے کہ انہوں نے جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی یہ منقبت سنی اور یہ دیکھا کہ اہل سنت اس سے ان کی خلافت پر استدلال کر رہے ہیں، انہوں نے کہا کہ لا ایسی بات حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف بھی منسوب کر دو تو انہوں نے گھڑ کر یہ حدیث بنادی۔ ۱۵۸

تحقیقی جواب

لیکن محقق محدثین کا کہنا یہ ہے کہ جن میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ بھی داخل ہیں کہ اس روایت کو موضوع کہنا درست نہیں، ابن جوزی رحمہ اللہ نے موضوع کہہ دیا ہے۔ ۱۵۹

۱۵۶ المعجم الکبیر ج: ۱۲، ص: ۹۹، دار النشر مکتبة العلوم والحکم، مدینة النشر الموصل، وسنة النشر ۱۴۰۳ھ۔ ومن الترمذی رقم: ۳۷۳۲، ج: ۵، ص: ۶۳۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ومیزان الاعتدال فی نقد الرجال، رقم: ۵۶۱۶، ج: ۵، ص: ۸۲، دار المکتب العلمیة، بیروت، سنة النشر ۱۹۹۵ء۔

۱۵۷ وأعله ببعض من تكلم فيه من رواه وليس ذلك بقادح لما ذكرت من كثرة الطرق وأعله أيضاً بأنه مخالف للاحدیث الصحیحة الثابتة فی باب ابی بکر وزعم أنه من وضع الرافضة قالوا به الحدیث الصحیح فی باب ابی بکر النبی. وأخطأ شیخا فانه سلك فی ذلك رد الاحادیث الصحیحة بعوهم المعارضة، مع أن الجمع بین القصتين ممكن، فتح الباری، ج: ۷، ص: ۱۵۰.

۱۵۸ قال الترمذی: قال هذا حدیث غریب لا نعرفه عن شعبة بهذا الاسناد الا من هذا الوجه، ج: ۵، ص: ۶۳۱ وقال النبی فی "میزان الاعتدال فی نقد الرجال" غریب منكر واللہ اعلم، رقم: ۵۶۱۶، ج: ۵، ص: ۸۲، وعمدة القاری ج: ۳، ص: ۵۲۷.

۱۵۹ أخرجه أحمد واسناده حسن وأخرجه النسائي من طريق العلاء بن عرار بمهمات قال "قلت لابن عمر: أخبرني عن علي وعثمان - فذكر الحديث وفيه - زأما علي فلا تسأل عنه أحداً وانظر الي منزله من رسول الله صلى الله عليه وسلم، فليشد أبوابنا في المسجد وأقرب بابيه، ورجاله رجال الصحیح الا العلاء وقد وثقه يحيى بن معين وغيره وهذا الاحادیث يقوى بعضها بعضاً وكل طريق منها صالح للاحتجاج فضلاً عن مجموعها وقد أورد ابن الجوزی هذا الحدیث فی الموضوعات الخ، كذا ذكره الحافظ فی الفتح ج: ۷، ص: ۱۵۰، (۳) باب قول النبی صلى الله عليه وسلم سدوا الابواب الا باب ابی بکر.

لیکن کہا جاتا ہے کہ ابن جوزی کا تشدد مشہور ہے، اس کو موضوع کہنا درست نہیں۔ اس واسطے کہ بعض طرق اگرچہ ضعیف ہیں لیکن بعض طرق حسن بھی ہیں اور اتنے طرق سے وہ حدیث مروی ہے کہ ”یقوی بعضها بعضاً“ اس واسطے اس کو ضعیف کہنا اور رد کرنا صحیح نہیں۔

لیکن حقیقت واقعہ یہ ہے کہ شروع میں لوگوں نے مسجد کے ارد گرد خوخہ نہیں بلکہ دروازے بنائے ہوتے تھے۔ لوگوں نے باقاعدہ اپنے گھروں سے دروازے کھولے ہوئے تھے، حضور اقدس ﷺ نے اس موقع پر یہ فرمایا کہ تمام دروازہ جو باقاعدہ کھولے ہوئے ہیں وہ بند کر دئے جائیں سوائے حضرت علیؓ کے، کیونکہ ان کا گھر یعنی آپ ﷺ کا گھر مسجد میں ہے تو وہ دروازہ باقاعدہ باقی رکھا لیکن اس وقت دروازے تو بند کر دئے گئے تھے البتہ خوخہ باقی رکھے گئے تھے تو پھر خوخوں کو بھی بند کرنے کا حکم دیدیا گیا تھا تو اس میں صرف حضرت ابو بکر صدیقؓ کا خوخہ کھلا رکھنے کا حکم فرمایا گیا تھا۔ یہ حدیثیں مختلف زمانوں سے متعلق ہیں، لہذا دونوں میں تطبیق اور جمع کرنا ممکن ہے۔ ۱۶۰

(۸۱) باب الأبواب والغلق للکعبۃ والمساجد

کعبہ اور مسجدوں میں دروازے رکھنا اور ان کا بند کر لینا

مساجد کو تالا لگانا جائز ہے

یہ باب قائم کیا کہ کعبہ کے لئے دروازہ بنانا اور غلق بند کرنے والی چیز خواہ تالا ہو یا کوئی اور چیز جس سے کسی چیز کو بند کیا جائے۔ تو بتلانا یہ مقصود ہے کہ کعبہ یا مسجدوں کے اوپر کنڈی لگا کر ان کو بند کر دینا یہ جائز ہے، اس لئے یہ باب قائم کیا۔

ایک شبہ کا جواب

شبہ ہو سکتا تھا کہ مسجد وہ تو ایک ایسی جگہ ہے جو تمام مسلمانوں کے لئے مشترک عبادت گاہ ہے، لہذا اس کو بند کیا جائے تو کہیں اس وعید میں داخل نہ ہو جائے کہ ”و من اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یدکرو الخ“ تو اس شبہ کے ازالے کے لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے باب بھی قائم فرمایا کہ دروازہ بھی لگا سکتے ہیں اور کنڈی وغیرہ بھی لگا سکتے ہیں۔

قال أبو عبد الله: وقال لي عبد الله بن محمد: حدثنا سفيان عن ابن جريج قال: قال لي ابن أبي مليكة: يا عبد الملك الو رايت مساجد ابن عباس وأبو ابها: كته ہیں کہ ”قال أبو عبد الله وقال عبد الله بن محمد حدثنا..... وأبو ابها ابن أبي مليكة“ ابن أبي مليكة نے ابن جریج (عبد الملك) سے کہا کہ اے عبد الملك! کاش کہ تم ابن عباس کی مسجدیں اور ان کے دروازے دیکھتے۔ عبد اللہ بن عباس ؓ طائف میں جا کر مقیم ہو گئے تھے اور وہاں جا کر انہوں نے مسجدیں تعمیر کیں تو کہا کہ اے عبد الملك! اگر تم دیکھتے تو تمہیں نظر آتا کہ انہوں نے وہاں کیسی اچھی مسجد بنائی ہے اور کیسا اچھا دروازہ بنالیا ہے۔ تو حضرت عبد اللہ بن عباس ؓ کی بنائی ہوئی مسجد کی تعریف کرنا مقصود ہے اور یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ انہوں نے اس میں دروازے بنائے ہیں تاکہ اس کو چوروں وغیرہ سے حفاظت کے لئے رات کو بند کر دیا جائے۔ اس سے ترجمۃ الباب ثابت کیا کہ بند کرنا جائز ہے اور آگے حدیث روایت کی ہے۔

۴۶۸۔ حدثنا ابو النعمان قتيبة بن سعيد قال: حدثنا حماد بن زيد، عن أيوب، عن نافع، عن ابن عمر أن النبي ﷺ قدم مكة فدعا عثمان بن طلحة، ففتح الباب، فدخل النبي ﷺ وبلال، وأسامة بن زيد، وعثمان بن طلحة، ثم أغلق الباب، فلبث فيه ساعة، ثم خرجوا قال ابن عمر: فبدرت فسالت بلالا، فقال: صلى فيه، فقلت: في أي؟ قال: بين الأسطواناتين، قال ابن عمر: فذهب علي أن أسأله كم صلى. [راجع: ۳۹۷]

یہ حدیث پہلے بھی گزری ہے۔ اس میں مقصود یہ ہے کہ عثمان بن طلحہ ؓ سے آپ ﷺ نے چابی منگوائی اور منگوا کر پھر واپس انہی کو دیدی، اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اس میں تالا لگانا جائز ہے۔

(۸۲) باب دخول المشرك المسجد

مسجد میں مشرک داخل ہونے کا بیان

۴۶۹۔ حدثنا قتيبة قال: حدثنا الليث، عن سعيد بن أبي سعيد، أنه سمع أبا هريرة يقول: بعث رسول الله ﷺ خيلاً قبل نجد، فجاءت برجل من بني حنيفة، يقال له: ثمامة بن أثال، فربطوه بسارية من سواري المسجد. [راجع: ۴۶۲]

مشرک کے مسجد میں داخل ہونے میں اختلاف فقہاء

یہ حدیث ثمامہ بن اثال کی ہے۔ اس سے یہ ثابت کیا ہے کہ مشرک کا مسجد میں داخل ہونا جائز ہے،

کیونکہ کئی دن تک ثمامہ بن اثال کو مسجد کے ستون سے باندھ کر رکھا گیا جبکہ وہ کافر تھے، اسلام بعد میں لائے۔ تو اس سے مسجد میں کافر کے داخلے کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ حنفیہ کا یہی مسلک ہے۔ اس باب میں البتہ دوسرے فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔ ۱۶۱۔

مالکیہ اور حنابلہ کا مسلک

مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک کافر اور مشرک کا کسی بھی مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں اور ”یا ایہا الذین امنوا انما المشرکون نجس الخ“ سے استدلال کیا ہے۔

آیت میں دو جملے ہیں اور یہ علت ہیں اور ”ولا یقربوا المسجد بعد عامهم الخ“ یہ اس کا معلول ہے کیونکہ نجس ہے، لہذا مسجد حرام میں داخل نہ ہوں ایک علت اور دوسرے میں مسجد حرام میں داخلے کی ممانعت کی گئی ہے ان بزرگوں نے دونوں باتوں پر عمل کیا کہ مسجد حرام میں داخلہ جائز نہیں اور چونکہ علت یہ بیان کی گئی ہے مشرکین کا نجس ہونا اور یہ علت ہر مسجد میں پائی جاتی ہے، لہذا ہر مسجد کے اندر داخلہ منع ہے۔ ۱۶۲۔

شوافع کا مسلک

امام شافعی رحمہ اللہ ﷺ فرماتے ہیں دوسری مسجدوں کے اندر داخلہ ممنوع نہیں جائز ہے، لیکن مسجد حرام میں داخلہ ناجائز ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے ”فلا یقربوا المسجد الحرام“ والے جملے پر تو عمل کیا لیکن تعلیل میں تاویل کی وہ یہ کہ مشرکین نجس تو ہیں، لیکن نجاست سے نجاست حقیقیہ مراد نہیں ہے، بلکہ نجاست اعتقادیہ مراد ہے تو نجاست اعتقادیہ چونکہ نجاست حقیقیہ نہیں ہے، لہذا اس کا اثر مسجد حرام تک محدود رہے گا کہ وہاں داخل نہیں ہو سکتا۔ ۱۶۳۔

حنفیہ کا مسلک

حنفیہ کہتے ہیں کہ ہر مسجد میں مشرک کا داخلہ جائز ہے خواہ مسجد حرام ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور مسجد ہو۔ حنفیہ دونوں میں تاویل کرتے ہیں ”انما المشرکون نجس“ اس میں تاویل کرتے ہیں کہ نجاست اعتقادیہ مراد ہے اور ”لا یقربوا المسجد الحرام“ میں قرب سے مراد مطلق داخلہ نہیں ہے بلکہ اس سے مراد طواف ہے یعنی طواف نہ کرے۔

اور ایسا ہی ہے جیسا کہ حائضہ عورتوں کے بارے میں فرمایا گیا کہ ”فلا تقربوہن حتی یطہرن“ کہ

جب تک پاک نہ ہو جائیں اس وقت تک قریب بھی مت جاؤ۔ تو وہاں پر مراد یہ نہیں ہے کہ اس سے ایک فٹ فاصلہ پر کھڑا ہونا منع ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ اس سے استمتاع، جماع وغیرہ کے ذریعہ قربت جائز نہیں۔

جس کی دلیل یہ ہے کہ جب آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے اس کے اعلان کرنے کا حکم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیا اور ارشاد فرمایا کہ ”ولا یصح بعد عام“ کہ آج کے سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے تو اس میں قرآن کریم کی اس آیت کی تفسیر کر دی۔

اور ظاہری عموم پر حضرات شافعیہ بھی عمل پیرا نہیں ہے، اس واسطے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ مسجد حرام کے اندر داخل ہونا منع ہے لیکن مسجد حرام کے قریب جانا ان کے نزدیک بھی جائز ہے۔ تو پتہ چلا کہ اس کے حقیقی معنی مراد نہیں ہے۔

استدلال ان روایات سے کرتے ہیں جن میں کافروں کا داخلہ مذکور ہے جیسے یہاں پر ثمامہ بن اثال کی حدیث ہے۔ تو امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب کے ذریعہ بظاہر حنفیہ کے موقف کی تائید کی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں مشرک کا داخلہ جائز ہے۔ ۱۶۴

(۸۳) باب رفع الصوت في المسجد

مسجد میں آواز بلند کرنے کا بیان

۴۷۰۔ حدثنا علي بن عبد الله قال : حدثنا يحيى بن سعيد قال : حدثنا
الجعفي بن عبد الرحمن قال : حدثني يزيد بن خصيفة ، عن السائب بن يزيد
قال : كنت قائما في المسجد ، فحصبني رجل ، فنظرت فإذا عمر بن الخطاب ، فقال : اذهب
فأنتي بهذين ، فجئت بهما ، فقال : من أنتما ؟ أو من أين أنتما ؟ قال : من أهل الطائف ، قال : لو
كنتما من أهل البلد لأوجعتكما ، ترفعان أصواتكما في مسجد رسول الله ﷺ . ۱۶۵

مسجد میں آوازیں بلند کرنا جائز نہیں

”حدثني يزيد بن خصيفة ، عن السائب بن يزيد قال : كنت قائما في

۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵۔ هذا باب في بيان جواز دخول المشرك المسجد ، وفيه خلاف ، فعندنا يجوز مطلقا ، وعند المالكية
والمزني المنع مطلقا ، وعند الشافعية التفصيل بين المسجد الحرام وغيره ، ولنا حديث الباب ، عمدة القاري ج : ۳ ،
ص : ۵۳۱ ، ولبعض الباری ج : ۲ ، ص : ۶۳ ، وفتح الباری ج : ۱ ، ص : ۵۶۰ .

المسجد، فحصبني رجل“

حضرت سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں کھڑا ہوا تھا کہ مجھے پیچھے سے کسی نے ننگری ماری جب میں نے ادھر دیکھا تو پیچھے حضرت عمرؓ تھے۔ آپ نے فرمایا کہ ان دونوں آدمیوں کو ذرا بلا کر لاؤ، پس میں دونوں کو بلا کر لایا۔

آپ نے ان دونوں سے پوچھا ”من أنتم“ کس قبیلہ سے ہو، یا یہ پوچھا ”من أين أنتم“ کہاں سے ہو، تو انہوں نے کہا کہ طائف سے ہیں۔

”قال لو كنتم من أهل البلد لأوجعتكما“ اگر تم اسی شہر کے ہوتے تو تمہاری پٹائی کر دیتا۔

”ترفعان اصواتكما في مسجد رسول الله ﷺ“ کہ حضور اقدس ﷺ کی مسجد مبارک میں تم آوازیں بلند کرتے ہو؟

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں آواز بلند کرنا یہ جائز نہیں ہے اور حضرت عمرؓ نے اس پر پٹائی کرنے کی دھمکی دی۔

۴۷۱۔ حدثنا أحمد قال : حدثنا ابن وهب قال : أخبرني يونس بن يزيد ، عن ابن شهاب قال : حدثني عبد الله بن كعب بن مالك ، أن كعب بن مالك أخبره أنه تقاضى ابن أبي حذرد دينا كان له عليه ، في عهد رسول الله ﷺ في المسجد ، فارتفعت أصواتهما حتى سمعها رسول الله ﷺ وهو في بيته ، فخرج إليهما رسول الله ﷺ حتى كشف سجف حجرته ، ونادى (كعب بن مالك !) قال : لييك يا رسول الله ! فأشار بيده أن ضع الشطر من دينك ، قال كعب : قد فعلت يا رسول الله قال رسول الله ﷺ : (قم فاقضه) . [راجع: ۴۵۷]

یہ حدیث ما قبل میں ”باب التقاضی والملازمة فی المسجد“ میں مکمل فقہی مباحث کے ساتھ گزر چکی ہے وہاں ضرور دیکھا جائے۔

یہاں خلاصہ اور مقصود یہ ہے کہ مذکورہ حدیث میں ہے کہ جب حضرت کعب اور ابن حذر کے درمیان مکالمہ ہوا تو اس میں آوازیں بلند ہو گئیں لیکن حضور اقدس ﷺ نے اس کے اوپر تنبیہ نہیں فرمائی کہ کیوں آوازیں بلند کر رہے ہو، تو اس سے رفع الصوت کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

ان دونوں روایتوں کو لانے کا منشا یہ ہے کہ رفع الصوت مطلقاً مسجد کے اندر ممنوع نہیں، اگر اس کی غرض صحیح ہو تو جائز ہے جیسا کہ حضرت کعب اور ابن ابی حذر کے واقعے میں غرض صحیح تھی یعنی مدیون سے مطالبہ کرنا تھا جو اس کا حق تھا تو اس میں تھوڑی سی آواز بلند ہو گئی اس میں مضائقہ نہیں۔

اسی طرح اگر علم وغیرہ کی کوئی بات کرنی ہے، درس یا تکرار ہو رہا ہے اور اس میں آواز بلند ہو جاتی ہے تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں اور اگر کوئی غرض صحیح نہیں ہے بلا وجہ لوگ عبث گفتگو کر رہے ہیں اور اس میں آوازیں بلند ہو گئیں تو یہ منع ہے۔

اس کو حضور اکرم ﷺ کی حدیث میں فرمایا جو کہ ترمذی میں ہے کہ ”ایاکم وہیسات الاسواق“ کہ مسجد میں ایسی آوازیں بلند کرنا جیسا کہ بازاروں میں ہوتی ہیں، اس سے بچو۔ اسی سے حضرت عمر فاروقؓ نے بھی منع فرمایا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر غرض صحیح ہو اور بقدر ضرورت ہو تو یہ جائز ہے اور جہاں غرض صحیح نہ ہو یا بقدر ضرورت نہ ہو تو وہ منع ہے اور احترام مسجد کے خلاف ہے۔ اسی سے اس کا بھی جواب نکل آیا کہ جو مساجد میں مختلف مجلسیں ہوتی ہیں۔

(۸۴) باب الحلق والحلوس فی المسجد

مسجد میں حلقہ باندھنے اور بیٹھنے کا بیان

۴۷۲۔ حدثنا مسدد قال: حدثنا بشر بن المفضل، عن عبيد الله، عن نافع، عن ابن عمر قال: سأل رجل النبي ﷺ وهو على المنبر: ماترى في صلاة الليل؟ قال: ((مثنى مثنى، فإذا خشي الصبح صلى واحدة، فأوترت له ما صلى)) وأنه كان يقول: ((اجعلوا آخر صلاتكم بالليل وتراً، فإن النبي ﷺ أمر به. [أنظر: ۴۷۳، ۹۹۰، ۹۹۳، ۱۱۳۷، ۱۶۶]

۴۷۳۔ حدثنا أبو النعمان قال عن ابن عمر وهو في المسجد. [راجع: ۴۷۲]

۶۶۱۔ وفي صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب صلاة الليل مثنى مثنى والوتر ركعة من آخر الليل، رقم: ۱۲۳۹، وسنن الترمذی، كتاب الصلاة، باب ماجاء أن صلاة الليل مثنى مثنى، رقم: ۴۰۱، وسنن النسائی، كتاب قيام الليل وتطوع النهار، باب كيف صلاة الليل، رقم: ۱۶۵۱، وسنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب كم الوتر، رقم: ۱۲۱۱، وسنن ابن ماجه، كتاب اقامة الصلاة والسنة فيها، باب ماجاء في صلاة الليل والنهار مثنى مثنى، رقم: ۱۳۱۲، ومسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، باب مسند عبد الله بن عمر بن الخطاب رقم: ۴۵۶۰، ۴۶۱۵، ۴۷۳۰، ۴۸۳۱، ۴۹۶۷، ۵۱۴۲، ۵۲۱۳، ۵۳۹۹، ۵۵۳۱، ۵۶۶۷، ۵۷۳۶، ۶۰۸۵، ۶۱۳۳، وموطأ مالك، كتاب النداء للصلاة، باب الأمر بالوتر، رقم: ۲۴۷.

مقصود امام بخاری رحمہ اللہ

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب مسجد میں بیٹھنے اور حلقہ بنانے کے بارے میں قائم کیا ہے، اس کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو نماز کے انتظار میں الگ الگ ٹولیاں اور حلقے بنا کر مسجد میں بیٹھنے سے منع فرمایا تھا۔

تو اب بتلانا یہ مقصود ہے کہ یہ ممانعت اس صورت کے ساتھ ہے جب کہ لوگ انتظار صلوة میں ٹولیاں اور حلقے بنا کر مسجد میں بیٹھے ہوں۔

مساجد میں حلقے اور ٹولیاں بنانے کے مفاسد

اس میں دو مفاسد ہیں:

پہلا مفسدہ یہ ہے کہ جب لوگ ٹولیاں بنا کر بیٹھ جائیں گے تو پھر آپس میں گپ شپ اور دنیاوی باتیں شروع کریں گے، جب کہ مساجد اس کا محل نہیں ہیں۔

دوسرا مفسدہ یہ ہے کہ جب اس طرح کی الگ الگ ٹولیاں بنیں گی تو کوئی ٹولی لسانی بنیاد پر بنے گی یعنی پشت بونے والے ایک طرف بیٹھ گئے اور بلوچی بونے والے ایک طرف بیٹھ گئے اور اردو اور سندھی بونے والے الگ الگ بیٹھ گئے، یا پھر مختلف نظریات کی بنیاد پر ٹولیاں بنیں گی۔

اس طرح مسلمانوں کے درمیان تفریق پیدا ہونے کا اندیشہ ہے، اس لئے اس سے منع فرمایا، لیکن جہاں کہیں ایسی بات مقصود ہو جو فی نفسہ فائدہ مند ہو اور اس میں کوئی حرج نہ ہو تو اس کی اجازت ہے۔

استدلال بخاری

چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے دونوں روایتیں جو ذکر کی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰات والتسلیمات کے منبر پر خطبہ دیا، روایت میں اگرچہ حلقہ بنانے کا ذکر نہیں ہے۔

لیکن امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال یہ ہے کہ دوران خطبہ ظاہر ہے کہ لوگ حلقہ بنا کر بیٹھے ہوں گے، اس لئے کہ اگر صرف بنا کر بیٹھیں تو جو لوگ صف کے آخری کنارے پر ہیں وہ بہت دور ہو جائیں گے اور ان تک آواز نہیں پہنچ سکے گی، اس کے برخلاف اگر حلقہ بنا کر بیٹھیں تو سب لوگوں کا مواجہہ حضور اقدس ﷺ کی طرف واضح طور پر ہوگا، تو اس وجہ سے ظاہر ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حلقہ بنا کر بیٹھے ہوں گے اور یہ حلقہ بنا کر بیٹھنا وعظ اور نصیحت سننے کے لئے تھا جس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عبداللہ بن عمر ؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور نبی کریم ﷺ سے سوال کیا جب کہ آپ منبر پر تھے، یہ موضع ترجمہ ہے ”وہو علی المنبر“ اور حضور نبی کریم ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے۔

سوال کیا کہ ”ما تری فی صلوٰۃ اللیل“ کہ صلوٰۃ اللیل کے بارے میں کیا رائے ہے؟
تو آپ نے فرمایا ”مثنیٰ مثنیٰ“ دو دو رکعت کر کے پڑھ لو۔ جب تم میں سے کسی کو صبح صادق طلوع ہونے کا اندیشہ ہو تو ایک رکعت ساتھ ملا لے۔

”فاوترت لہ ماصلی“ تو یہ ایک رکعت جو کچھ اس نے پڑھا اس کو وتر بنا دے گی۔
حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے یہ بھی فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اپنی آخری نماز کو وتر بناؤ، اس لئے کہ حضور ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے۔ اس کا تعلق وتر سے ہے، صلوٰۃ اللیل سے نہیں ہے، اس کا ذکر ان شاء اللہ العزیز وہاں پر آئے گا۔

۴۷۴۔ حدثنا عبد الله بن يوسف قال : أخبرنا مالك ، عن اسحاق بن عبد الله بن أبي طلحة ان أبا مرة مولى عقيل بن أبي طالب ، أخبره عن أبي واقد الليثي قال : بينما رسول الله ﷺ في المسجد فأقبل ثلاثة نفر ، فأقبل اثنان الى رسول الله ﷺ وذهب واحد . فاما أحدهما فرأى فرجة فجلس ، واما الآخر فجلس خلفهم ، وأما الآخر فادبر ذاهباً فلما فرغ رسول الله ﷺ قال ((الا أخبركم عن الثلاثة ؟ أما أحدهم فأوى الى الله فأواه الله ، وأما الآخر فاستحيا فاستحيا الله منه ، وأما الآخر فاعرض الله عنه)) [راجع : ۶۶]

روایت باب کی تشریح

ابو واقد لیثی ؓ فرماتے ہیں کہ اس دوران کہ حضور اقدس ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے۔
”فأقبل ثلاثة نفر“ تین آدمی آئے، ان میں سے دو نبی کریم ﷺ کی طرف آگے بڑھے جو دو آگے بڑھے تھے، ان میں سے ایک نے ”فرای فرجة“ خالی جگہ دیکھ لی ”فجلس“ تو وہاں جا کر بیٹھ گیا۔
”وأما الآخر فجلس خلفه“ اور دوسرے صاحب جہاں حلقہ ختم ہو رہا تھا وہاں جا کر ان کے پیچھے بیٹھ گیا۔

”وأما الآخر“ ان میں سے جو تیسرے صاحب تھے۔
”فادبر ذاهباً“ انہوں نے دیکھا کہ اب جگہ نہیں ہے تو وہ واپس چلے گئے۔
”فلما فرغ رسول الله ﷺ“ جب رسول اللہ ﷺ خطبہ سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ کیا میں نہ

بتاؤں ان تین آدمیوں کے بارے میں کہ ان میں سے ایک نے اللہ جل شانہ کی طرف ٹھکانہ لیا ”فاواہ اللہ“ اللہ جل جلالہ نے اس کو ٹھکانہ دے دیا۔

یہ وہ شخص ہے جس نے فرجہ (خالی جگہ) دیکھا اور وہاں جا کر بیٹھ گیا۔ دوسرے جو صاحب تھے اس نے اس چیز سے حیا کی کہ میں لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر آگے بڑھوں، اس کے بجائے وہ تواضعاً وہاں پر بیٹھ گئے۔
تو ”فاستحی اللہ عنہ“ اللہ ﷻ نے بھی حیا کی کہ ان کا مواخذہ کرے، ان کے اس عمل میں کوئی خرابی نہیں ہے کہ اللہ ﷻ اس کا مواخذہ کرے۔

”واما الآخر فاعرض فاعرض اللہ عنہ“ تیسرے صاحب نے اعراض کیا تو اللہ ﷻ نے بھی اس سے اعراض کیا، حالانکہ یہ شخص بھی حضور اقدس ﷺ کی مجلس میں شرکت کے لئے آئے تھے لیکن مناسب جگہ نہ ملنے پر واپس چلے گئے اور نبی کریم ﷺ کی مجلس سے اعراض کیا، اس واسطے اللہ ﷻ نے بھی اعراض کیا۔
موضع ترجمہ

یہاں موضع ترجمہ یہ ہے کہ اس میں بھی حلقہ بنا کر بیٹھنے کا ذکر ہے۔
تو اس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں وعظ اور پند و نصیحت کیلئے حلقہ بنا کر بیٹھنا جائز ہے۔

(۸۵) باب الاستلقاء فی المسجد

مسجد میں چٹ لیٹنے کا بیان

۴۷۵۔ حدثنا عبد اللہ بن مسلمة، عن مالک عن ابن شہاب، عن عباد بن تمیم، عن عمہ اَنَّهُ رَأَى رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مُسْتَلْقِياً فِي الْمَسْجِدِ، وَاضِعاً أَحَدِي رِجْلَيْهِ عَلَى الْآخَرَى.

و عن ابن شہاب، عن سعيد بن المسيب قال: كان عمر و عثمان يفعلان ذلك. [أنظر ۵۹۶۹، ۶۲۸۷، ۶۷]

۶۷۷۔ وفي صحيح مسلم، كتاب اللباس والزينة، باب في اباحة الاستلقاء ووضع إحدى الرجلين على برقم: ۳۹۲۱، وسنن الترمذی، كتاب الادب عن رسول اللہ، باب ماجاء في وضع إحدى الرجلين على الاخرى مستلقياً، رقم: ۲۶۸۹، وسنن النسائی، كتاب المساجد، باب الاستلقاء في المسجد، رقم: ۷۱۳، وسنن أبي داود، كتاب الادب، باب في الرجل يضع إحدى رجليه على الاخرى، رقم: ۴۲۲۳، ومسند أحمد، اول مسند المدنیين أجمعين، باب حديث عبد اللہ بن زيد بن عاصم المازنی، رقم: ۱۵۸۳۵، ۱۵۸۳۹، وموطأ مالک، كتاب النداء للصلاة، باب جامع الصلاة، رقم: ۳۷۸، وسنن الدارمی، كتاب الاستئذان، باب في وضع إحدى الرجلين على الاخرى، رقم: ۲۵۴۱.

ترجمة الباب اور روایت باب سے مقصد امام بخاریؒ

انہوں نے دیکھا کہ حضور ﷺ مسجد میں لیٹے ہوئے ہیں اور اپنا ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر رکھا ہوا ہے۔ ترجمۃ الباب اور حدیث باب سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ بعض روایتوں میں آپ علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے ایک پاؤں کو دوسرے پاؤں پر رکھ کر لیٹنے سے منع فرمایا ہے۔ تو امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ روایتوں میں موجود نہی عام نہیں ہے بلکہ معلول بعلة ہے اور علت نہی یہ ہے کہ اس طرح ایک پاؤں کو دوسرے پاؤں پر رکھ کر لیٹنے سے کشف عورت کا اندیشہ ہوتا ہے، اس لئے آپ نے فرمایا ہے۔

استلقاء کی ممنوع صورت

محققین نے فرمایا ہے کہ ایک پاؤں کو دوسری پاؤں پر رکھ کر لیٹنے کی دو صورتیں ہوتی ہیں:

ایک صورت تو یہ ہے کہ ایک پاؤں کھڑا کیا ہوا ہے اور اس کے اوپر دوسرا پاؤں ایسے رکھ لیا ہے جیسے بعض لوگ بڑے ٹھاٹھ سے لیٹتے ہیں، تو یہ ممانعت اس طریقے کی ہے، بالخصوص اس وقت جبکہ تہبند پہنا ہوا ہو، کیونکہ اس میں کشف عورت کا احتمال رہتا ہے، لیکن اگر شلوار پہنی ہوئی ہے تو اس میں ممانعت نہیں ہے، البتہ ذرا بد ہیئت ضرور ہے، اس واسطے بلا ضرورت اس طرح لیٹنے میں کچھ نہ کچھ کراہت تنزیہی شاید اس میں بھی ہو۔

دوسری صورت یہ ہے کہ آدمی لیٹا ہوا ہے اور دونوں پاؤں پھیلے ہوئے ہیں اور ایک پاؤں پر دوسرا پاؤں رکھ لیا ہے تو یہ (خواہ تہبند پہنا ہوا ہو یا شلوار پہنی ہوئی ہو) ہر صورت میں جائز ہے اور حضور ﷺ کا لیٹنا جو یہاں مذکور ہے وہ اسی دوسری قسم کا لیٹنا ہے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

(۸۶) باب المسجد یكون فی الطريق من غیر ضرر بالناس

مسجد میں راستہ ہو اور لوگوں کا اس میں نقصان نہ ہو تو کچھ حرج نہیں

وبہ قال الحسن وأیوب ومالک

اراضی مباحہ میں مسجد بنانے کا جواز مشروط بشرط ہے

یہ باب قائم کیا ہے کہ جو مسجد راستہ میں ہو جبکہ دوسرے لوگوں کو ضرر واقع نہ ہو۔ بتایا کہ ویسے تو مسجد ہمیشہ ایسی جگہ بنانی چاہئے جو باقاعدہ مسجد کی ملک ہو، کسی دوسرے کی ملک میں مسجد بنانا جائز نہیں، البتہ جو مباح

زمینیں ہیں جیسے راستہ وغیرہ تو وہ چونکہ مباح عام ہے، ہر انسان کو اس سے انتفاع کا حق حاصل ہے اور مسجد بھی مباح عام ہوتی ہے، ہر انسان کو وہاں عبادت کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے، لہذا اراضی مباحہ میں مسجد بنانا جائز ہے، صرف ایک شرط ہے وہ یہ کہ اس مباح زمین میں مسجد بنانے سے لوگوں کو تکلیف نہ ہو، ورنہ جائز نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا یہی مقصود ہے۔

۳۷۶۔ حدثنا يحيى بن بكير قال: حدثنا الليث، عن عقيل، عن ابن شهاب، قال: أخبرني عروة بن الزبير أن عائشة زوج النبي ﷺ قالت: لم أعقل ابوي إلا وهما يدينان الدين، ولم يمر علينا يوم إلا يأتينا فيه رسول الله ﷺ طرفي النهار بكرة وعشيا، ثم بدأ لأبي بكر فابتنى مسجداً بفناء داره، فكان يصلي فيه ويقرأ القرآن فيقف عليه نساء المشركين وأبناؤهم يعجبون منه وينظرون إليه، وكان أبو بكر رجلاً بگاء لا يملك عينيه إذا قرأ القرآن، فافزع ذلك أشراف قريش من المشركين. [أنظر: ۲۱۳۸، ۲۲۶۳، ۲۲۹۷، ۳۹۰۵، ۴۰۹۳، ۵۸۰۷، ۶۰۷۹، ۱۶۸]

روایت باب کی تشریح

اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ معروف حدیث روایت کی ہے جو واقعہ ہجرت پر مشتمل ہے ”کتاب المہجرت“ میں یہ حدیث ان شاء اللہ تعالیٰ تفصیل کے ساتھ آئے گی، اس کا ایک چھوٹا سا حصہ یہاں روایت کیا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ”لم أعقل ابوي إلا وهما يدينان دينا“ میں تے اپنے ماں باپ کو نہیں دیکھا مگر یہ کہ شروع ہی سے وہ دین کے پابند تھے۔ حضرت صدیق اکبر ﷺ تو بالکل ابتدا ہی میں اسلام لائے تھے، اس لئے میں نے اپنے ماں باپ کو ہمیشہ اسلام کا پابند پایا۔

”ولم يمر علينا يوم إلا يأتينا فيه رسول الله ﷺ“ کوئی دن نہیں گزرتا تھا کہ جس میں حضور اقدس ﷺ ہمارے پاس نہ آتے ہوں ”طرفي النهار“ دن کے دونوں وقتوں میں ”بكرة وعشيا“ ایک مرتبہ صبح ایک مرتبہ شام۔ پھر فرماتی ہیں کہ پھر حضرت صدیق اکبر ﷺ کی رائے یہ ہوئی۔ ”بداله“ کے معنی (رائے ہو جانا) کے آتے ہیں، ”فابتنى مسجداً في فناء داره“ تو انہوں نے اپنے گھر میں مسجد بنائی۔

موضع استدلال

یہیں سے امام بخاری رحمہ اللہ استدلال کر رہے ہیں کہ اس زمانے میں گھراتی بڑی حویلی نہیں ہوتی

تھی کہ اس کے اندر چار دیواری ہو اور اس میں فناء ہو، بلکہ گھر راستہ پر تھا، تو گھر کی فناء راستہ بنا، گویا کہ انہوں نے راستہ میں مسجد بنائی، لہذا راستہ جو مباح عام ہے اس میں مسجد بنانا جائز ہے، بشرطیکہ گزرنے والوں کو اس سے ضرر لاحق نہ ہو۔

”فكان يصلى فيه“ اس کے بعد صدیق اکبر ؓ اس میں نماز پڑھتے تھے ”ويقرأ القرآن“ اور قرآن کریم کی تلاوت کرتے تھے، تو مشرکین کی عورتیں اور ان کے بچے کھڑے ہو کر دیکھتے تھے، ”فيعجبون منه وينظرون اليه وكان أبو بكر رجلاً بكاءً“ وہ اس سے تعجب کرتے تھے اور اس کی طرف دیکھا کرتے تھے اور ابو بکر ؓ پر کثرت سے گریہ طاری ہوتی رہتی تھی، ”ولا يملك عينه“ وہ اپنی آنکھوں کو قابو میں نہیں رکھ سکتے تھے یعنی تلاوت قرآن کریم کے وقت آنسو جاری ہوتے تھے۔

”إذا قرأ القرآن فافزع ذالك اشراف قریش من المشركين“ تو مشرکین کے جو بڑے بڑے چوہدری لوگ تھے، ان کو اس بات سے پریشانی لاحق ہوئی کہ یہ روتے بھی ہیں اور ان کی آواز بھی ایسی ہے اور عورتیں اور بچے ان کے ارد گرد جمع بھی ہوتے ہیں، تو رفتہ رفتہ یہ متاثر ہوں گے اور اسلام قبول کر لیں گے، اس لئے انہوں نے سازش کر کے حضرت صدیق اکبر ؓ کو جلاوطن کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ اس کے بعد لمبا قصہ ہے جو ان شاء اللہ العزیز ہجرت کے باب میں آئے گی۔

(۸۷) باب الصلاة في مسجد السوق

بازار کے مقام میں نماز پڑھنے کا بیان

مقصود امام بخاری بقول بعض شراح

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب قائم فرمایا ہے کہ ”باب الصلاة في مسجد السوق“ بازار کی مسجد میں نماز پڑھنا، بعض شراح نے اس باب کو قائم کرنے کا مقصد یہ بتایا ہے کہ حدیث میں بازار کو ”ابغض البقاع“ قرار دیا گیا ہے، تو اب اس باب کو قائم کر کے اس شبہ کی تردید کرنا چاہتے ہیں کہ بعض لوگوں کو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ سوق جو ”ابغض البقاع“ ہے اس میں نماز پڑھنا اور مسجد بنانا شاید پسندیدہ نہ ہو کیونکہ مسجد ”خبیب البقاع“ ہے۔ تو امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کی تردید کر دی ہے کہ نہیں سوق میں بھی مسجد بنائی جاسکتی ہے اور اس میں نماز پڑھی جاسکتی ہے۔

مقصود امام بخاری بقول بعض حضرات

بعض حضرات نے یہ کہا کہ یہاں مسجد سے مراد مسجد اصطلاحی ہے اور مقصد یہ ہے کہ مسجد بنانا درست ہے

لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے جو روایات ذکر کی ہیں ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مقصد مسجد کے لفظ سے مسجد لغوی ہے نہ کہ مسجد اصطلاحی یعنی نماز پڑھنے کی جگہ، اس لئے کہ اسی ترجمۃ الباب کے اندر یہ تعلیق نقل کی ہے:

”و صلی ابن عون فی مسجد فی دار یغلق علیہم الباب“.

ابن عون نے ایک ایسی مسجد میں نماز پڑھی جو گھر میں تھی اور اس پر دروازہ بند ہو جاتا تھا، عام طور پر جو گھر میں مسجد ہوتی وہ مسجد اصطلاحی نہیں ہوتی بلکہ مسجد لغوی ہوتی ہے، تو اس تعلیق کو نقل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ انہوں نے ایک ایسا مصلیٰ بنایا ہوا تھا جس کا دروازہ بھی بند ہوتا تھا اور اس میں نماز پڑھی، جب اس میں نماز پڑھنا درست ہے تو اگر کوئی بازار میں مصلیٰ بنا لے اور اس میں نماز پڑھے تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔

۴۷۷۔ حدثنا مسدد قال: حدثنا أبو معاوية، عن الأعمش، عن أبي صالح، عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال: صلاة الجميع تزيد على صلاته في بيته وصلاته في سوقه خمسا وعشرين درجة، فإن أحدكم إذا توجها فأحسن وأتى المسجد لا يريد إلا الصلاة لم يخط خطوة إلا رفعه الله بها درجة وحط عنه خطيئة حتى يدخل المسجد. وإذا دخل المسجد كان في صلاة ما كانت تحبسه وتصلی علیہ الملائكة ما دام فی مجلسه الذی فیہ: اللّٰهُم اغفر له، اللّٰهُم ارحمه ما لم يؤذ يحدث“.[راجع: ۱۷۶]

باجماعت نماز کی فضیلت

اس میں جو مرفوع حدیث نقل کی ہے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی معروف حدیث ہے جس میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ جماعت کی نماز گھر میں نماز پڑھنے اور بازار میں نماز پڑھنے کے مقابلے میں پچیس درجہ زیادہ فضیلت رکھتی ہے ”خمسا وعشرين درجة“.

تو یہاں ”صلاتہ فی سوقہ“ کہا گیا ہے، اس سے پتہ چلا کہ اگر بازار میں بھی نماز پڑھی جائے تو وہ ادا ہو جاتی ہے اور اس میں کوئی گناہ بھی نہیں ہے۔ صرف اتنا ہے کہ جماعت کی فضیلت حاصل نہیں ہوتی۔

مقصود امام بخاری رحمہ اللہ

مجھے ایسا لگتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ یہاں پر جو حدیث لائے ہیں اس کا منشا یہ ہے کہ جب آپ نے بغیر جماعت کے بازار میں نماز پڑھنے کو جائز قرار دیا اور یہ فرمایا کہ جماعت کی نماز اس پر پچیس درجہ زیادہ فضیلت رکھتی ہے، تو معلوم ہوا کہ اگر کوئی بازار میں باقاعدہ مسجد بنا لے یا مصلیٰ بنا لے اور اس میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھے تو دونوں مصلحتیں جمع ہو جائیں گی اور پچیس درجہ کی فضیلت بھی حاصل ہو جائے گی۔

یہی حال بیت کا بھی ہے کہ اگر گھر میں تنہا نماز پڑھے گا تو جماعت کے مقابلے میں پچیس گنا کم ثواب ملے گا، لیکن اگر گھر میں جماعت کرے گا تو پھر ان شاء اللہ اس کو پچیس درجہ ثواب حاصل ہو جائے گا۔

پچیس گنا ثواب مسجد کے ساتھ مقید نہیں

اسی واسطے فقہاء کرام نے فرمایا ”شرح المنیۃ“ میں مسئلہ لکھا ہے کہ اگر مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ میں جماعت کر لی جائے تو ایک تو جماعت کی سنت مؤکدہ ادا ہو جاتی ہے، دوسرا جو پچیس درجہ فضیلت کی بات ہے وہ بھی حاصل ہو جاتی ہے، البتہ مسجد کی فضیلت حاصل نہیں ہوتی۔ ۱۶۹

مسجد کی جو فضیلت ہے وہ مسجد سے باہر پڑھی ہوئی نماز کے مقابلے میں ”کیھا“ زیادہ ہے، ”کما“ اگرچہ برابر ہو، لہذا حتی الامکان کوشش کرنی چاہیے کہ مسجد جماعت کے اندر نماز پڑھی جائے، لیکن اگر کبھی وہ فوت ہو جائے تو پھر انفراد کے مقابلے میں بہتر ہے کہ آدمی جماعت کر لے چاہے وہ جماعت سوق میں ہو یا گھر میں ہو اور یہاں تک کہ اگر کوئی اور نہ ملے تو کسی بچے کو ہی کھڑا کر لے اور وہ بھی نہ ملے تو اپنی کسی محرم عورت کو کھڑا کر لے یعنی مرد امانت کرے اور اس کے ساتھ ایک عورت کھڑی ہو جائے بشرطیکہ عورت اس کی محرم ہو، جیسے بیوی ہو یا محرم میں سے اور کوئی ہو تو اس کے ساتھ بھی جماعت ہو سکتی ہے۔

اختلاف روایات اور تطبیق کی مختلف توجیہات

اس حدیث میں پچیس درجہ کا بیان ہے اور بعض روایتوں میں ستائیس درجہ کا بھی ذکر آیا ہے کہ ستائیس درجہ فضیلت رکھتی ہے۔

لطیف توجیہ:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے استاذ علامہ بلقینی رحمہ اللہ نے اس میں ایک لطیفہ بیان فرمایا ہے کہ اقل جماعت وہ ہے جو تین افراد پر مشتمل ہو۔ تو اگر کم سے کم تین افراد کی جماعت سمجھی جائے تو ”کل حسنة بعشر افعالها“ کے قاعدہ سے ہر ایک کی نماز دس درجہ فضیلت رکھے گی اور تینوں کی مل کر تیس درجہ ہوئی۔ تو ان میں سے تین اصل ہے اس واسطے کہ تین آدمی تھے اور ستائیس فضیلت ہے تو اس واسطے ستائیس درجہ کہا گیا ہے۔ علامہ بلقینی رحمہ اللہ نے یہ لطیف توجیہ بیان فرمائی ہے۔

دوسری توجیہ:

بعض روایات میں خمساً و عشرین آیا ہے اور بعض میں ستائیس درجہ آیا ہے تو بعض حضرات نے تو اس کو

راویوں کے نسیان پر محمول کیا ہے کہ کسی کو ستائیس یا درہا اور کسی کو پچیس یا درہا، اور بعض نے کہا ہے کہ پچیس اور ستائیس، یہ اخلاص کے اعتبار سے ہے کہ اگر زیادہ اخلاص ہوگا تو ستائیس درجہ، ورنہ پچیس درجہ ثواب ہوگا۔ ۷۰

تیسری توجیہ:

بعض حضرات نے اس کی توجیہ یوں بیان فرمائی ہے کہ اقل جماعت دو سے ہوتی ہے۔ اگر ایک امام اور ایک مقتدی ہو تب بھی جماعت ہو جاتی ہے۔ تو جس میں ستائیس کا ذکر ہے اس میں اصل اور فضیلت دونوں کا ذکر ہے اور جس میں پچیس ہے اس میں صرف فضیلت کا بیان ہے، کیونکہ اگر ایک امام اور ایک مقتدی نماز پڑھتے ہیں تو دو آدمی ہیں، دونوں کا ایک ایک درجہ اصل ہے اور پچیس فضیلت ہے اگر فضیلت کے ساتھ اصل کو بھی شامل کر لیں تو ستائیس ہو جائیں گے اور اگر اصل کو نکال دیں تو پچیس رہ جاتے ہیں۔

سوال: اگر آدمی مسجد میں آئے اور جماعت ہو چکی ہو تو اب اس کو بغیر جماعت کے مسجد میں نماز پڑھنی چاہئے اور جماعت کرنے کے لئے مسجد سے باہر نہیں جانا چاہئے، اس لئے کہ جب مسجد میں داخل ہو گیا تو اس پر مسجد کا حق لازم ہو گیا، اس مسئلہ کی کیا حقیقت ہے؟

جواب: یہ خیال بالکل غلط ہے۔ اگر مسجد میں آیا اور جماعت ہو چکی ہے تو اب بہتر یہی ہے کہ اگر کوئی دوسرا آدمی موجود ہے تو اس کے ساتھ مل کر باہر جماعت کرے، انفراد کے مقابلے میں یہ بہت بہتر ہے اور حضور ﷺ سے یہ بات ثابت ہے۔

مجم طبرانی میں روایت ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ قبا تشریف لے گئے وہاں کچھ لوگوں کا جھگڑا تھا، اس جھگڑے کو نمٹانے کے لئے تشریف لے گئے تھے، جب واپس مسجد نبوی میں تشریف لائے تو وہاں جماعت ہو چکی تھی، کیونکہ لوگ سمجھے کہ حضور ﷺ کہیں تشریف لے گئے ہیں، لہذا کسی اور نے نماز پڑھادی، آپ ﷺ نے مسجد نبوی میں نماز نہیں پڑھی بلکہ اپنے گھر تشریف لے گئے ”و جمع اہلہ و صلی بہم“ تو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسی صورت میں یہی کرنا چاہئے۔

انتظارِ نماز کی فضیلت

”فان أحدکم اذا توضا فاحسن الخ“

یہ معروف حدیث ہے کہ کوئی شخص وضو کرے اچھا وضو اور پھر مسجد آئے اور اس کا مقصد صرف نماز پڑھنا ہو تو ہر ایک قدم اٹھانے پر ایک درجہ بلند ہوگا اور ایک گناہ معاف ہوگا، یہاں تک کہ مسجد میں داخل ہو جائے گا تو وہ نماز کے ہی حکم میں ہوگا ”ما كانت تحبسہ“ جب تک کہ نماز اس کو وہاں روکے رکھے، نماز کے انتظار میں

رہے اور جب تک وہ نماز والی جگہ پر بیٹھے رہے ملائکہ دعا کرتے رہتے ہیں اور یہ دعا کرتے ہیں ”اللّٰهُم اغفر له ، اللّٰهُم ارحمه ما لم يؤذ يحدث“ جب تک اس میں ملائکہ کو ایذا نہ پہنچائے اور اس کی تفسیر ”یحدث“ سے کردی کہ ”یؤذی“ کے معنی ”یحدث“ کے ہیں کہ حدث لاحق نہ ہو۔

(۸۸) باب تشبیک الأصابع فی المسجد وغیرہ

مسجد میں انگلیوں میں پنچہ ڈالنے کا بیان

۴۷۸، ۴۷۹۔ حدثنا حامد بن عمر، عن بشر قال: حدثنا عاصم قال: حدثنا واقد عن أبيه، عن ابن عمر. وقال شبك النبي ﷺ أصابعه، [أنظر: ۴۸۰] ۴۸۰۔ وقال عاصم بن علي: حدثنا عاصم بن محمد سمعت هذا الحديث من أبي فلم احفظه، فقومه لي واقد عن أبيه قال: سمعت أبي وهو يقول: قال عبد الله: قال رسول الله ﷺ ”ياعبدا لله بن عمرو. كيف بك اذا يقيت في حثالة من الناس.... بهذا. [راجع: ۴۷۹]

تشبیک کا حکم

”باب تشبیک الأصابع فی المسجد وغیرہ“

مسجد میں یا غیر مسجد میں اصابع کے درمیان تشبیک کرنا یہ باب اس لئے قائم کیا کہ بعض احادیث میں تشبیک کی ممانعت آئی ہے کہ حضور ﷺ نے ”تشبیک بین الأصابع“ کو منع فرمایا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ ”تشبیک بین الأصابع“ کی جو ممانعت ہے وہ اتنی عام نہیں ہے کہ ہر وقت ممانعت ہو بلکہ بعض حالات میں وہ جائز بھی ہے۔

خلاصہ مسئلہ

اس مسئلہ کا خلاصہ یہ ہے کہ ”تشبیک بین الأصابع“ جب عبث کے طور پر ہو یا کھیل کے طور پر یا سستی اور کابلی کی وجہ سے ہو تو اس کے اندر کراہت ہے اور وہ کراہت بھی تحریمی نہیں بلکہ تنزیہی ہے، لیکن جہاں کوئی بات واضح کر دینے کے لئے یا کوئی اشارہ کرنے کے لئے تشبیک مقصود ہو یا بے اختیار تشبیک ہو گئی ہو تو اس صورت میں اس کے اندر کوئی کراہت نہیں ہے، چاہے وہ مسجد میں ہو یا غیر مسجد میں ہو۔

روایت باب کی تشریح

چنانچہ اس میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ یا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی، یعنی راوی کو شک ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہیں یا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ ہیں۔

”قال شبک النبی ﷺ أصابعه“ اس روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی انگلیوں میں تشبیک فرمائی، آگے اس کی وضاحت آرہی ہے کہ کیوں فرمائی ہے۔

”قال عاصم بن علی: حدثنا عاصم بن محمد سمعت هذا الحديث من أبي“ عاصم بن محمد کہتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث اپنے والد سے سنی تھی، پھر بعض نسخوں میں یہاں اضافہ ہے کہ ”فلما أحفظه“ مجھے وہ یاد نہ رہی اور بعض نسخوں میں یہ جملہ محذوف ہے ”فقومه لي واقد“ والد سے جو حدیث سنی تھی وہ تو یاد نہ رہی لیکن واقد نے وہ حدیث پوری سنائی ”عن أبيه“ اپنے والد سے، اور انہوں نے یہ کہا کہ میں نے اپنے والد سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ”یا عبداللہ بن عمرو کیف بک اذا بقیت فی حثالة من الناس“۔

تمہارا کیا حال ہوگا جب تم کوڑا کرکٹ قسم کے لوگوں کے ساتھ رہ جاؤ گے۔ ”حثالة“ کوڑا کرکٹ کو کہتے ہیں، ہر چیز کی جو خراب ترین صنف اور نوع ہوتی ہے اس کو ”حثالة“ کہتے ہیں، اسی واسطے جب گندم کو چھانتے ہیں تو اس کے بھوسہ کو بھی ”حثالة“ کہہ دیتے ہیں۔

جب تم ایسے لوگوں کے ساتھ رہ جاؤ گے جو بالکل ردی قسم کے ہوں گے تو اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا؟ اور اس وقت آپ ﷺ کا ”بہذا“ سے تشبیک کی طرف اشارہ تھا، آپ نے ”تشبیک بین الاصابع“ یعنی اپنی اصابع کے درمیان تشبیک فرمائی کہ جب تم ان لوگوں کے ساتھ اس طرح مل جاؤ گے جیسا کہ انگلیاں ایک دوسرے کے ساتھ ملی ہوئی ہیں یعنی جب ردی قسم کے لوگوں کے ساتھ مل جاؤ گے، اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا؟ یہاں تشبیک کے ذریعہ اتصال کو بیان کرنا مقصود تھا، لہذا یہ تشبیک جائز تھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ نبی اس صورت پر محمول ہے جب عبث اور لعب مقصود ہو یا سستی اور کاہلی کی وجہ سے ہو، ورنہ عام حالات میں تشبیک منع نہیں ہے۔

۴۸۱۔ حدثنا خلاد بن یحیی قال: حدثنا سفیان، عن أبي بردة بن عبد الله بن أبي بردة، عن جده، عن أبي موسى عن النبي ﷺ قال: ”ان المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضا“ و شبک ﷺ أصابعه. [أنظر: ۲۴۴۶، ۲۶۰۲۶] الحی

یہاں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: مؤمن مؤمن کے لئے ایک عمارت کی طرح ہے، جس کا ایک حصہ

دوسرے حصے کو مضبوط کرتا ہے اور پھر تشبیک فرمائی۔ اگر تشبیک کر لی جائے تو ایک ہاتھ کا حصہ دوسرے ہاتھ کے حصہ کو مضبوط کرتا ہے، تو یہاں پر بھی تشبیک سے مضبوطی کی طرف اشارہ کرنا مقصود تھا۔

۳۸۲۔ حدثنا اسحاق قال : حدثنا ابن شميل قال : أخبرنا ابن عون، عن ابن سيرين، عن أبي هريرة قال: صَلَّى بنا رسول الله ﷺ اهدى صلواتي العشي. قال ابن سيرين: قد سماها أبو هريرة، ولكن نسيت أنا. قال: فصلى بنا ركعتين ثم سلم، فقام الى خشبة معروضة في المسجد، فاتكأ عليها كأنه غضبان، ووضع يده اليمنى على اليسرى، وشبك بين أصابعه ووضع خده الأيمن على ظهر كفه اليسرى، وخرجت السرعان من أبواب المسجد فقالوا: أقصرت الصلاة؟ وفي القوم أبو بكر وعمر فهابا أن يكلماه، وفي القوم رجل في يديه طول يقال له ذو اليدين، قال: يا رسول الله! أنسيت أم قصرت الصلاة؟ قال: "لم أنس ولم تقصر" فقال: "أكما يقول ذو اليدين؟" فقالوا: نعم، فتقدم فصلى ما ترك، ثم سَلَّمَ ثم كبر وسجد مثل سجوده أو أطول، ثم رفع رأسه وكبر، ثم كبر وسجد مثل سجوده أو أطول، ثم رفع رأسه وكبر، فرمما سأله: ثم سلم؟ فيقول: نبئت أن عمران بن حصين قال: ثم، سلم. [أنظر: ۷۱۳، ۷۱۵، ۷۲۷، ۱۲۲۹، ۶۰۵۱، ۷۲۵۰، ۷۲۷]

روایت باب سے امام بخاریؒ کا مقصود

یہ حضرت ذوالیقرین والواقعہ ہے جو آگے "کتاب الصلوة" میں بھی ان شاء اللہ اس کا مستقل بیان

الحلی وفی صحیح مسلم، کتاب البر والصلوة والآداب، باب تراحم المؤمنین وتعاطفهم وتعاضلهم، رقم: ۳۶۸۳، وسنن الترمذی، کتاب البر والصلوة عن رسول الله، باب ماجاء فی شفقة المسلم علی المسلم، رقم: ۱۸۵۱، وسنن النسائی، کتاب الزکاة، باب أجر العائز اذا تصدق باذن مولاه، رقم: ۲۵۱۳، ومسند احمد، اول مسند الکوفیین، باب حدیث ابی موسیٰ الاصری، رقم: ۱۸۷۸.

الحلی وفی صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلوة، باب السهو فی الصلوة والسجود له، رقم: ۸۹۷، وسنن الترمذی، کتاب الصلوة، باب ماجاء فی الرجل یسلم فی الركعتین من الظهر، رقم: ۳۶۵، وسنن النسائی، کتاب السهو، باب ما یفعل من سلم من ركعتین ناسیا وتکلم، رقم: ۱۲۰۹، وسنن ابی داؤد، کتاب الصلوة، باب السهو فی السجدة، رقم: ۸۵۶، وسنن ابن ماجه، کتاب اقامة الصلوة والسنة فیها، باب فیمن سلم من ثنتين أو ثلاث ساهياً، رقم: ۱۲۰۳، ومسند احمد، باقی مسند المسکثرین، باب مسند ابی هريرة، رقم: ۶۹۰۳، ۷۳۳۲، ۷۳۸۶، ۹۰۹۹، ۹۵۳۵، موطأ مالک، کتاب النداء للصلوة، باب ما یفعل من سلم من ركعتین ساهياً، رقم: ۱۹۵، ۱۹۶، وسنن الدارمی، کتاب الصلوة، باب فی سجدة السهو من الزیادة، رقم: ۱۳۵۸.

آئے گا اور اس پر بحث بھی وہیں پر آئے گی۔

یہاں صرف اتنا بیان کرنا مقصود ہے کہ جب نبی کریم ﷺ سے یہ کہا گیا کہ آپ نے دو رکعتیں پڑھائی ہیں تو آپ نے سوچنے کی حالت میں ”تشبیک بین أصابعہ“ اپنی انگلیوں کے درمیان تشبیک فرمائی۔ ”ووضع خده الايمن علی ظهر کفه اليسرى“ ایسے تشبیک فرمائی کہ اپنا دایاں رخسار ہتھیلی کی پشت پر رکھا، تو یہاں حضور ﷺ سے مسجد کے اندر تشبیک کرنا ثابت ہوا۔ اس کو ثابت کرنے کے لئے یہ حدیث لائے ہیں، باقی تفصیلی بیان ان شاء اللہ اپنے موقع پر آئے گا۔

(۸۹) باب المساجد التي علی طرق المدينة،

والمواضع التي صلى فيها النبي ﷺ

وہ مسجدیں جو مدینہ کے راستوں پر ہیں

اور وہ جگہیں جن میں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی

۴۸۳ - حدثنا محمد بن أبي بكر المديني قال: حدثنا فضيل بن سليمان قال:

حدثنا موسى بن عقبة قال: رأيت سالم بن عبد الله يتحرى أماكن من الطريق، فيصلي فيها، ويحدث أن أباه كان يصلي فيها، وأنه رأى النبي ﷺ يصلي في تلك الأماكن، وحدثني نافع، عن ابن عمر رضي الله عنهما. أنه كان يصلي في تلك الأماكن، وسألت سالمًا فلأعلمه إلا وافق نافعًا في الأماكن كلها إلا أنهما اختلفا في مسجد بشرف الروحاء. [أنظر: ۱۵۳۵، ۲۳۳۶، ۷۳۴۵، ۷۳۴۷]

روایت باب سے مقصود بخاری

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب ان مساجد کے بیان میں قائم کیا ہے جو مدینہ منورہ کے راستہ میں واقع

۴۸۳ وفي صحيح مسلم، كتاب الحج، باب استحباب استلام الركنين اليمانيين في الطواف دون، رقم: ۲۲۲۵، ومسند النسائي، كتاب مناسك الحج، باب التعريس بذي الحليفة، رقم: ۲۶۱۲، ومسند احمد، مسند المكثرين من الصحابة، باب مسند عبد الله بن عمر بن الخطاب، رقم: ۴۲۳۰، ۴۳۸۹، ۴۹۵۴، ۵۳۳۷، ۵۹۵۲، ۶۱۶۴، وموطأ مالك، كتاب الحج، باب صلاة المعرس والمحصب، رقم: ۸۰۴، ومسند الدارمي، كتاب المناسك، باب في أي طريق يدخل مكة، رقم: ۱۸۴۷.

ہیں اور ان مواضع کا بیان جن میں نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھی تھی اور اس میں آگے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے طویل حدیث روایت کی ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ جب مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان سفر کرتے تو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان مقامات پر نماز پڑھتے تھے جہاں نبی کریم ﷺ نے اپنے سفر کے دوران نماز پڑھی تھی اور ان مواضع کو نہ صرف خود تلاش کر کے نماز پڑھتے تھے بلکہ لوگوں کو بتلاتے بھی تھے کہ دیکھو یہ جگہ ہے جہاں نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھی تھی، یہاں تک کہ بعض روایات میں آتا ہے کہ ایک جگہ کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بتلایا کہ دیکھو یہاں حضور اکرم ﷺ نے پیشاب کیا تھا اور اسی تحری کے نتیجے میں انہوں نے لفظوں میں اپنے تمام شاگردوں کو ان تمام مواضع کی تفصیل بتادی تھی کہ کوئی جگہ ہے جہاں حضور ﷺ نے نماز پڑھی تھی۔

اگرچہ تفصیل ایسی تھی کہ اس کی مدد سے آج کوئی آدمی وہاں نہیں پہنچ سکتا کیونکہ وہ تفصیل انہوں نے اپنے زمانہ کے اعتبار سے بتائی تھی کہ دیکھو فلاں جگہ پر فلاں درخت ہے، فلاں جگہ پر گھاٹی ہے، فلاں جگہ پر پہاڑ ہے، فلاں جگہ پر بستی ہے، ظاہر ہے کہ مرور زمانہ کی وجہ سے اب وہ نشانیاں مٹ گئی ہیں۔ یہاں تک کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اپنے زمانہ میں یعنی آٹھویں صدی میں کہہ رہے ہیں کہ عبداللہ بن عمرؓ نے جو مقامات بیان فرمائے ہیں ان میں سے صرف دو باقی رہ گئے ہیں۔ ایک روعاء کا مقام اور ایک ذوالحلیفہ۔ باقی سارے مقامات اب دستیاب نہیں ہیں۔ اگرچہ بہت سی جگہیں اب تک ایسی ہیں جن کے نام اب تک وہی ہیں جو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بیان فرمائے تھے، لیکن جو تفصیل حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بیان فرمائی تھی کہ بائیں مڑو اور دائیں مڑو، وہ تفصیل اب نہیں رہی ہے۔ صرف روعاء ایک ایسی جگہ ہے جہاں سعودی حکومت کے ہاتھ نہیں پہنچے، اس واسطے وہ جگہ ایسی ہے کہ جہاں کوئی عمارت نہیں بنی تھی۔

چند سال پہلے میں گیا تھا تو وہاں وہ کنواں (بر روعاء) اب بھی موجود ہے اور اس کے قریب جو ایک جگہ بتائی گئی ہے، واللہ اعلم وہ جگہ بھی محفوظ ہے۔ باقی جتنے مقامات بتائے ہیں یہاں تک کہ ذوالحلیفہ کی وہ جگہ جہاں حضور ﷺ نے نماز پڑھی تھی، اب وہاں بہت عالی شان، لمبی چوڑی مسجد بنادی گئی ہے اُس جگہ کو خاص طور پر محفوظ نہیں رکھا گیا ہے، وہ مسجد اس کے اندر آگئی ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ موجودہ علماء نجد کا کہنا ہے کہ اس قسم کے مقامات کو خاص طور پر محفوظ رکھنا ناجائز ہے اور شرک آثار میں ہونے کی وجہ سے منع ہے۔ چنانچہ انہوں نے مدینہ منورہ میں ایسی کوئی نشانی نہیں چھوڑی جسے نہ مٹایا ہو، حضور ﷺ کے جو آثار تھے ایک ایک کر کے سب مٹا دیئے اور چن چن کر ختم کر دیئے۔

لمحہ فکر یہ

افسوناک اور ستم ظریفی کا پہلو یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں کعب بن اشرف کا قلعہ برقرار ہے اور اس پر

بورڈ لگایا ہوا ہے کہ یہ آثار قدیمہ میں سے ہے، خبردار کوئی شخص اس کو نقصان نہ پہنچائے، تو کعب بن اشرف کا قلعہ تو محفوظ ہے، نہ صرف محفوظ بلکہ اس کی حفاظت کے لئے بورڈ لگایا ہوا ہے اور مدینہ منورہ کے جتنے آثار تھے ایک ایک کر کے، جن جن کو سب ختم کر دیئے ہیں، جس پر بس چلا اسے اٹھا کر ختم کر دیا۔ وہاں کبھی ہم جایا کرتے تھے اور وہاں پر حاضری ہو جایا کرتی تھی۔ ایک آخری چیز باقی رہ گئی تھی اور وہ مسجد قباء کے برابر وہ مکان تھا جس کے بارے میں مشہور تھا کہ اس میں حضور ﷺ نے چودہ دن قیام فرمایا تھا۔ اب تین چار سال پہلے جب میں حاضر ہوا تو اس کو بھی ڈھادیا گیا اور وہ بھی ختم کر دیا گیا۔

اس کی وجہ یہ کہتے ہیں کہ آثار کو برقرار رکھنا اور آثار انبیاء اور آثار صلحاء سے تبرک حاصل کرنا ”شعب من شعب الشریک“ یہ شریک ہے، لہذا اس کو ختم کرنا ضروری ہے۔

استدلال حضرت عمرؓ کے دور کے ایک واقعہ سے ہے جو سنن سعید بن منصور میں مروی ہے کہ حضرت عمرؓ حج کے لئے تشریف لے گئے، دیکھا کہ لوگ حج کے بعد ایک درخت کی طرف کثرت سے جا رہے ہیں اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ وہ مسجد ہے جہاں حضور ﷺ نے نماز پڑھی تھی، اس واسطے لوگ چاہتے ہیں کہ وہاں جا کر نماز پڑھیں۔ اس وقت حضرت عمرؓ نے یہ فرمایا کہ تم سے پہلی امتیں اس لئے ہلاک ہوئیں تھیں کہ انہوں نے اپنے انبیاء کے مشاہد کو مساجد بنا دیا تھا اور ان کے اندر نماز پڑھنی شروع کر دی اور ثواب کی چیز بنا دیا اور پھر عمرؓ نے یہ فرمایا کہ اگر کسی کو نماز کا وقت ہے تو پڑھ لے اور اگر نہیں ہے تو چلا جائے۔ ”من عرض له صلوٰۃ فلیصل ومن لا فلیمض“ ۴۷

تبرک بآثار الانبیاءؑ جائز ہے

کہتے ہیں کہ دیکھو حضرت عمرؓ نے ان جگہوں پر نماز پڑھنے سے منع کیا، اب یہ حدیث حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ہے جس میں حضور ﷺ کی تمام جگہوں پر نماز پڑھنے کا ذکر ہے۔ اسی سے سارے علماء یہ کہتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے آثار سے تبرک جائز ہے جو ”فتح الباری“ میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی

۴۷... فلما قضی حجة ورجع والناس یعتدرون فقال ما هذا فقالوا مسجد صلی فیہ رسول اللہ ﷺ فقال هكذا ملک اهل الكتاب اتخلوا آثار انبيائهم بیعا من عرضت له منکم فی الصلاة فیصل ومن لم تعرض له منکم فی الصلاة فلا یصل. تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: مصنف ابن ابی شیبہ رقم: ۷۵۵۰، ج: ۲، ص: ۱۵۱، مکتبۃ الرشید، الرياض منہ النشر ۱۴۰۹ھ، وعمدة القاری، ج: ۳، ص: ۵۵۹ و ۵۶۸، وفتح الباری، ج: ۱، ص: ۵۶۹.

لکھا ہے۔ ۱۷۵

لیکن ابھی حال میں سعودی عرب میں وہاں کے علماء کی نگرانی میں یہ کام ہوا ہے کہ وہاں کے جدید نسخوں میں جہاں جہاں یہ بات لکھی ہوئی ہے وہاں پر ایک حاشیہ لکھ دیا جاتا ہے کہ ”هذا خطأ وهذا فيه نظر“ ۱۷۶

اور ”وهو أعلم بهذا الشأن من ابنه رضي الله عنهما“ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کی زیادہ اقتدا کرنی چاہئے نسبت ان کے بیٹے کے اور کہیں ایسا ہو تو ایک حدیث صحیح بخاری کی ہو لیکن ایک حدیث سعید بن منصور کی ہو تو پھر کہا جائے گا کہ صاحب بخاری کا سعید بن منصور کی روایت سے کیا مقابلہ۔ سعید بن منصور کی روایت کہاں اور بخاری کی روایت کہاں، لیکن یہاں پر بخاری کی روایت جو ہے اس کی کوئی قیمت نہ رہی اور سعید بن منصور کی روایت کی بنیاد پر یہ کہہ دیا کہ ایسا کرنا شرک ہے۔

تبرک بآثار الانبیاء کا انکار غلو اور مکابرہ ہے

درحقیقت یہ بالکل غلو ہے اور دلائل شریعہ سے ناواقفیت پر مبنی ہے احادیث میں آثار انبیاء سے تبرک حاصل کرنے کے اتنے دلائل اور اتنے واقعات ہیں کہ ان کا انکار سوائے مکابرہ کے اور کچھ نہیں، ایک حدیث تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ دیکھ رہے ہیں کہ کس کس طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے جزی سے یہ بتایا کہ یہاں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی لہذا پڑھو، اور یہ واقعات آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے پڑھ آئے ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر سے کوئی ٹھوک یا ریش نہیں گرتی تھی، یہاں تک کہ لوگ اسے اپنے جسموں پر مل لیتے تھے، اب کہہ دو کہ یہ بھی شرک تھا؟

دلائل جواز تبرک

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم سے مس کی ہوئی چیز کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے جسم پر مل رہے ہیں یہ تبرک نہیں تو اور کیا تھا؟ پھر خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ریش مبارک کے بال صحابہ میں تقسیم کئے تو اس تقسیم کرنے کا مقصد کیا تھا؟ اگر تبرک بآثار الانبیاء جائز نہیں ہوتا تو خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم علیہ الصلوٰۃ والسلام کیوں تقسیم فرماتے، نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان تبرکات کا ایسا تحفظ فرمایا کہ وہ پانی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلی فرمائی تھی وہ تقسیم فرما رہے تھے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا

۱۷۵ لأن ذلك من عمر محمول على أنه كره زيارتهم لمثل ذلك بغیر صلاة أو غشى أن يشكل ذلك على من لا يعرف حقيقة

الأمر فيظننه واجباً، وكلا الأمرين مأمون من ابن عمر، وقد تقدم حديث عبان وسؤاله النبي ﷺ أن يصلي في بيته ليعتد به

مصلی واجابة النبي ﷺ الى ذلك، فهو حجة في التبرک بآثار الصالحين الخ كذا ذكره الحافظ في فتح

الباری، ج: ۱، ص: ۵۲۲ و ۵۶۹.

۱۷۶ من اراد فليراجع في فتح الباری، ج: ۱، ص: ۵۲۲ و ۵۶۹.

ذکر پیچھے گزرا ہے ان سے فرمایا کہ اپنی ماں کے واسطے کچھ بچا کے رکھنا۔ ۱۷۷

وہی ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہیں کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کا ایک موئے مبارک ایک شیشی کے اندر محفوظ رکھا ہوا تھا اور اس میں پانی ڈالا ہوا تھا۔ بخاری شریف میں ”کتاب اللباس“ میں یہ روایت ہے، تو سارے شہر میں جب کوئی بیمار ہوتا تو وہ اپنے ایک پیالے میں پانی رکھ کر حضرت ام سلمہؓ کی خدمت میں بھیجتے اور ان سے درخواست کرتے کہ آپ اس موئے مبارک کو ہمارے پانی میں بھی ڈال دیجئے تو وہ پانی جو شیشی میں ہوتا جس میں موئے مبارک تھا وہ اس پیالے میں ڈال دیتیں اور وہ لے جا کر اس مریض کو استشفاء پلاتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کے پاس بھیج رہے ہیں اور ام سلمہؓ یہ تبرک استشفاء کے لئے کرتی تھیں۔ ۱۷۸

حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں ان کی روایت بخاری ”کتاب الاستئذان“ کے اندر آئے گی وہ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ سوئے ہوئے تھے گرمی کا موسم تھا تو آپ کے جسم اطہر سے پسینہ بہنے لگا تو میں جلدی سے ایک شیشی لے کر آئی اور جو پسینہ آپ کے جسم اطہر سے بہہ رہا تھا اس کو میں نے شیشی کے اندر جمع کر کے محفوظ کر لیا تو جتنی بہتر سے بہتر خوشبو کسی عطر میں ہو سکتی ہے وہ اس پسینہ مبارک میں تھی اور لوگ مجھ سے کہتے تھے۔ کہ ہم اپنی حنوط کو اس کے ساتھ تھوڑا سا مس کر لیں اور لوگ لے جایا کرتے تھے۔ ۱۷۹

مسلم شریف کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ جب آپ ﷺ بیدار ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ یہ کیا کر رہی ہو؟ تو انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! ”ا تبرک بها“ کہ یہ میں اپنے بچوں کے واسطے تبرک جمع کر رہی ہوں، فقال رسول اللہ ﷺ: ”اصبت“ ۱۸۰

”او كما قال عليه الصلوة والسلام“ آپ نے اس کی تصویب فرمائی تو حضور اکرم ﷺ کی تقریر

۱۷۷ صحیح البخاری، ۶۳، کتاب المغازی، (۵۷) باب غزوة الطائف فی شوال سنة ثمان، رقم: ۳۳۳۸۔
وفی فتح الباری: وقوله ”یاخذون من فضل وضوئه“ كأنهم اقتسموا الماء الذى فضل عنه. وقوله (ومج فيه) أى صب ما تنالونه من الماء فى الإناء والغرض بذلك ایجاد البركة بريقه المبارك. (ج: ۱، ص: ۲۹۵ وعمدة القاری، ج: ۲، ص: ۳۸۳۔

۱۷۸ صحیح البخاری، کتاب اللباس، (۶۶) باب ما یدکر فی الشب، رقم: ۵۸۹۶، ۵۸۹۷، ص: ۱۲۶۱ دار السلام۔
۱۷۹.... أن ام سلیم كانت تبسط للنبي ﷺ نعلًا فيقبل عندها على ذلك النعل قال: فإذا نام النبي ﷺ أخذت من عرقه وشعره، فجعلته فى فاردة لم يجمعته فى سك وهو نام. قال: فلما حضرا نس بن مالك الوفاة أوصى إلى أن يجعل فى حنوطه من ذلك السك، قال: فجعل فى حنوطه. صحیح البخاری، کتاب الإستئذان، (۳۱) باب من زار لوماً فقال عند هم، رقم: ۶۳۸۱۔

۱۸۰ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب طیب عرق النبی ﷺ والتبرک به، رقم: ۳۳۰۱۔

بھی ثابت ہوگئی، ”لما ذا بعد الحق الا الضلال“۔

حضرت خالد بن ولیدؓ کے بارے میں منقول ہے کہ جب حضرت ابو طلحہؓ موئے مبارک تقسیم فرما رہے تھے اس وقت انہوں نے ان سے آنحضرتؐ کی پیشانی کے چند بال لے لئے تھے جو انہوں نے اپنی ٹوپی سے لگائے تھے اور اس ٹوپی کو پہن کر جنگوں میں شریک ہوتے اور فتیاب ہوتے، جنگ یمامہ میں وہ ٹوپی گر گئی، تو حضرت خالدؓ نے اس کو حاصل کرنے کے لئے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر نہایت زوردار حملہ کیا، اپنی جان کو اس طرح خطرہ میں ڈالنے پر صحابہ کرامؓ نے ان پر اعتراض کیا تو انہوں نے جواب دیا ”انسی..... علیہ الصلاة والسلام“ ۱۸۱۔

حضرت سہل بن سعدؓ سے آپؐ نے فرمایا تھا جو ”کتاب الاشربة“ میں مذکور ہے کہ حضورؐ جب سقیفہ بنی ساعدہ میں تشریف فرما تھے تو آپؐ نے حضرت سہل بن سعدؓ سے فرمایا کہ بھائی ذرا پانی پلاؤ، وہ ایک پیالہ لے کر آئے اور رسول کریمؐ کو پانی پلایا تو آپؐ نے اس پیالے کو اٹھا کر محفوظ کر دیا، حضرت سہل بن سعدؓ نے اس کے بعد جب حدیث سنائی تو وہ کہتے ہیں کہ میں وہ پیالہ نکال کر لایا کہ دیکھو! یہ پیالہ ہے میں نے جس میں نبی کریمؐ کو پانی پلایا تھا تو سب نے کہا کہ ہم بھی اس میں پییں گئے تو ہر ایک نے اس میں پانی پیا اور اس پیالہ کو باقاعدہ اہتمام کے ساتھ صحابہ کرامؓ و تابعینؓ نے محفوظ رکھا۔ یہ سہل بن سعدؓ کا واقعہ ہے۔ ۱۸۲۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں (ان کی حدیث حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ”الاصابة فی تمییز الصحابة“ میں حضرت انسؓ کے حالات میں صحیح ابن السکن کے حوالے سے نقل کی ہے) کہ حضرت انسؓ نے ایک پیالہ رکھا ہوا تھا جس میں حضور اکرمؐ نے پانی پیا تھا تو وہ ٹوٹنے لگا تو اس کو زنجیر سے باندھ کر یعنی اس میں تکے لگا کر اس کو محفوظ رکھا اور صحابہ کرامؓ باقاعدہ اس کے تکے لگا کر محفوظ رکھ رہے ہیں۔ ۱۸۳۔

یہ ایک دو واقعے نہیں، بے شمار واقعات ہیں۔

حضرت ابو محذورہؓ جن کو نبی کریمؐ تے اذان سکھائی تھی کہ ساری عمر اپنے بال نہیں منڈوائے اس

۱۸۱ عمدة القاری، ج: ۳، ص: ۴۸۴۔ وتہذیب الاسماء ج: ۱، ص: ۱۷۵۔

۱۸۲ صحیح البخاری، کتاب الاشربة، (۳۰) باب شرب من قدح النبی ﷺ وآتية، رقم: ۵۶۳۷، ۱۲۱۳، دار السلام سنة النشر ۱۴۱۷ھ۔

۱۸۳ قال: وقال ابن سيرين: انه كان فيه حلقة من حديد، فاراد انس أن يجعل مكانها حلقة من ذهب أوفضة، فقال له ابو طلحة: لا تغيرن شيئاً صنعه رسول الله ﷺ فتركه (مكثدا لفظ البخاری، فی کتاب الاشربة (۳۰) باب الشرب من قدح النبی ﷺ وآتية، رقم: ۵۶۳۸۔

واسطے کہ نبی کریم ﷺ کے دست مبارک نے ان کو مس کیا تھا۔ ۱۸۴۔
یہ عشق کی باتیں ہیں، یہ خشک مزاج لوگوں کی عقل میں نہیں آتیں، لیکن یہ ساری تفصیل احادیث کے اندر موجود ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو آپ دیکھ رہے ہیں، عمر بن شبہ نے اخبار مدینہ میں روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے سارے مدینہ منورہ میں اور اس کے ماحول میں جتنی مسجدیں تھیں جس میں نبی کریم ﷺ کا نماز پڑھنا ثابت ہے ایک ایک آدمی سے پوچھ کر تحقیق کر کے جہاں حضور ﷺ نے نماز پڑھی تھی اس کے اوپر پتھر لگوائے تھے کہ یہ مسجد ہے جس میں حضور اکرم ﷺ نے نماز پڑھی ہے۔ ۱۸۵۔
یہ سب کام بے کار اور مشرکانہ تھے؟ اور کیا سب شرک کا ارتکاب کرتے تھے؟

حضرت فاروق اعظمؓ کے منع کرنے کی وجہ

اب یہ بات کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے منع کیا تھا تو بھائی منع کرنے کے اسباب ہوتے ہیں۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے منع اس لئے کیا تھا کہ اہل کتاب کے طریقے پر کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ ان اماکن ہی کو نافع اور ضار سمجھنے لگیں یا ان کے اندر نماز پڑھنے کو واجب سمجھیں اور فرائض کو ترک کر کے اس کی طرف زیادہ متوجہ ہو جائیں یہ بے شک منع ہے۔ ۱۸۶۔

حضرت فاروق اعظمؓ نفس ”تبرک بالماثر“ کے منکر نہیں تھے

حضرت عمرؓ کی جہاں یہ بات ہے وہاں ایک اور بات بھی ہے جو ”کتاب المغازی“ میں مذکور ہے کہ حضرت زبیرؓ کے پاس ایک نیزہ تھا جس سے ابو ذات الکرش کو قتل کیا تھا تو حضور ﷺ کے پاس وہ نیزہ رہا اور جب آپ ﷺ کا وصال ہوا تو حضرت صدیق اکبرؓ نے اٹھا کر اپنے پاس رکھا، جب حضرت صدیق اکبرؓ کا وصال ہوا تو حضرت زبیرؓ وہ نیزہ اپنے پاس لے گئے تو حضرت فاروق اعظمؓ نے کہا کہ تمہارے

۱۸۳۔.... ان ابا محنورة كانت له قصة في مقدم رأسه اذا قعد أرسلها فبلغ الأرض فقالوا له ألا تحلقها فقال أن رسول الله ﷺ مسح عليها بيده فلم أكن لأحلقها حتى أموت فلم يحلقها حتى مات، (المستدرک علی الصحیحین، ج: ۳، ص: ۵۸۹، رقم: ۶۱۸۱، دار النشر دار المکتب العلمیة، بیروت، ۱۴۱۱ھ، ۱۹۹۰ء۔

و استفاد من هذه الروایات اطلاع النبی ﷺ علی فعل ام سلیم و تصویبه، ولا معارضة بین قولها انها كانت تجمعهم لأجل طيبه و بین قولها للبركة بل يحصل علی انها كانت تفعل ذلك للامرین معاً، فتح الباری، ج: ۱، ص: ۷۲۔

۱۸۵۔ انظر: فتح الباری، ج: ۱، ص: ۵۷۱ و عمدة القاری، ج: ۳، ص: ۵۶۸۔

۱۸۶۔ قالوا: أما ساری عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، أنه كره ذلك فأنه شئ ان يلتزم الناس الصلاة في تلك المواضع، فيشكل ذلك علی من يأتي بعدهم ويرى ذلك واجباً (عمدة القاری، ج: ۳، ص: ۵۶۰، ۵۶۸۔

پاس وہ نیزہ ہے جو حضور ﷺ نے رکھا ہوا تھا تو انہوں نے کہا کہ جی ہاں، تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے دے دو میں اپنے پاس رکھوں گا تو حضرت عمرؓ نے وہ نیزہ ساری عمر اپنے پاس رکھا اور جب ان کا وصال ہوا تو حضرت عثمانؓ نے وہ نیزہ مانگا۔

تو یہ نیزہ ہی تو تھا لیکن اس کی اتنی حفاظت اور اتنا تحفظ؟ حضرت فاروق اعظمؓ جیسا آدمی اس کی حفاظت کر رہا ہے تو وہ کیوں؟ ”عنزہ“ کا لفظ آتا ہے اور حضرت فاروق اعظمؓ نے وہ اٹھا کر رکھا تو معلوم ہوا کہ فاروق اعظمؓ بھی نفس تبرک بالإنشاء کے منکر نہیں تھے وہ وہی عنزہ اٹھا کر کیوں رکھتے، دنیا میں اس نام کے ہزاروں عنزے تھے۔

ہمارے ہاں بھی ایک میزائیل کا نام عنزہ رکھا ہوا ہے، یہ اسی کے نام پر رکھا ہوا ہے۔ تو درحقیقت وہ عنزہ چونکہ حضور اکرم ﷺ کے پاس رہا تھا، اس وجہ سے تمام صحابہ کرامؓ اس کو اپنے پاس رکھنے میں سعادت سمجھتے تھے۔ ۱۸۷

شجرہ بیعت رضوان کو کٹوانے کی وجہ

دوسرا واقعہ جو ان کا مشہور ہے وہ یہ کہ انہوں نے شجرہ حدیبیہ (بیعت رضوان جس کے نیچے ہوئی) کو کٹوا دیا تھا اس میں پہلی بات تو یہ ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ کی روایت سے معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ درحقیقت جس درخت کو لوگ شجرہ رضوان سمجھ رہے تھے اس کے شجرہ رضوان ہونے میں شک تھا، بخاری کی روایت مغازی میں ہے جس میں انہوں نے کہا تھا کہ ”ہمیں تو پتہ نہیں ہے تم جانتے ہو تو بتاؤ“ مطلب یہ ہے کہ ہمیں تعین کے ساتھ وہ درخت یاد نہیں ہے تمہیں معلوم ہو تو بتاؤ کہ کونسا درخت ہے؟ ۱۸۸

اور لوگ تعین کے ساتھ اس کو شجرہ رضوان سمجھ رہے تھے اس لئے فاروق اعظمؓ نے اس کو کٹوا دیا۔ ۱۸۹ اور دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اندیشہ ہوا کہ لوگ اس کو باقاعدہ عرس کی جگہ نہ بنالیں تو اس واسطے انہوں نے کٹوا دیا لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ کسی بھی مآثر کو باقی نہ رکھا جائے۔

آپ نے دیکھا ہو گا کہ جو روایتیں میں نے پیش کی ہیں یہ اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ تبرک بآثار

۱۸۷ صحیح البخاری، کتاب المغازی، رقم: ۳۹۹۸۔

۱۸۸ صحیح البخاری، کتاب المغازی، (۳۶) باب غزوة الحديبية، رقم: ۴۱۶۲، ۴۱۶۳، ۴۱۶۴، ۴۱۶۵۔

۱۸۹ ولی رواية ابن سعد باسناد صحيح عن نافع: أن عمر رضي الله تعالى عنه، بلغه أن لوماً يأتون الشجرة فليصلون عندها، فتودعهم ثم أمر بقطعها فقطعت - مصنف ابن أبي شيبة، ج: ۲، ص: ۱۵۰ و الطبقات الكبرى ج: ۲، ص: ۱۰۰

و فتح الباری، ج: ۷، ص: ۴۲۸ و عمدة القاری، ج: ۱۲، ص: ۱۹۱۔

الانبياء والصالحين جائز ہے اور ثابت ہے۔ ۱۹۰

مآثر انبیاء کے تبرکات کا مقصد

ان مشاہد اور تبرکات کا حاصل صرف اتنا ہے کہ آدمی حضور اکرم ﷺ کے ساتھ نسبت ہونی والی چیز کے ساتھ ایک محبت کا اظہار کرے اور اس سے تبرک حاصل کرے لیکن اس کو معبود سمجھ لے العیاذ باللہ یا اس کی عبادت شروع کر دے، یا اس کے ساتھ مس کو واجب سمجھ لے، یہ حدود سے تجاوز کرنا ہے۔ ۱۹۱

حضرت فاروق اعظم ؓ نے محسوس کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو بعد میں لوگ ایسا کرنے لگیں، لہذا انہوں نے منع کر دیا، لیکن منع کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تبرکات کی کوئی سرے سے حیثیت ہی نہیں۔ حضرت فاروق اعظم ؓ نے تو حجر اسود کو بھی کہہ دیا تھا کہ جانتا ہوں تو صرف پتھر ہی ہے نہ تیرے اندر نفع پہنچانے کی طاقت ہے اور نہ تیرے اندر نقصان پہنچانے کی طاقت ہے لیکن ”اما واللہ انی لاعلم انک حجر، لاتضر ولا تنفع لولائی رأیت رسول اللہ ﷺ یقبلک لم اقبلک“ فرمایا۔ ۱۹۲

ان کی نگاہ اس پر گئی کہ کہیں لوگ دوسری طرف غلو میں مبتلا نہ ہو جائیں، اس واسطے انہوں نے اس کو روکا، لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ تبرکات کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔

تبرکات مٹاؤ والے موقف کی حقیقت

لہذا یہ جو موقف اختیار کیا ہے کہ تبرکات کو مٹاؤ یہ بالکل غلو ہے اور تشدد فی الدین ہے اور دلائل واضحہ کے خلاف اور مکابرہ ہے، ہاں یہ بات ضرور ہے کہ یہ تبرک تبرک ہی کی حد میں رہنا چاہئے اس سے آگے بڑھ کر عبادت نہ سمجھا جائے کہ تبرک کو عبادت بنا لیں اور آدمی اسی کو نافع و ضار سمجھنے لگیں اور تعظیم ایسی کرنے لگیں کہ عبادت کے ساتھ مشابہ ہو جائے تو یہ باتیں منع ہیں اور غلو ہے اور بعض جگہ شرک کی حد تک پہنچ جاتی ہیں تو اس وجہ سے جہاں اس بات کا خطرہ ہو اور وہاں ممکن ہو تو اس جگہ لوگوں کو ایسا کرنے سے روک لیں، بس حد میں رہنے کا پابند بنایا جائے اور جہاں ممکن نہ ہو تو وہاں سد ذریعہ کے طور پر یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ بالکل رک جاؤ، یہ وہاں ہے

۱۹۰ الثانی: فیہ الدلالة علی جواز التبرک بآثار الصالحین۔ عمدة القاری، ج: ۲، ص: ۵۳۶۔

۱۹۱ وکان سبب خفائها أن یفتن الناس بها لما جرى تحتها من الخیر ونزول الرضوان فلو بقت ظاهرة معلومة لخيف تعظیم

الجهال اياها وعبادتهم لها، فاحفظوها رحمة من الله تعالى. عمدة القاری، ج: ۱۰، ص: ۱۹۱۔

۱۹۲ سنن و الترمذی، باب ماجاء فی تقبیل الحجر، ج: ۳، ص: ۲۱۴، رقم: ۸۶۰ و صحیح البخاری، کتاب

الحج، (۵۰) باب ما ذکر فی الحجر الاسود، رقم: ۱۵۹۷ و (۵۷) باب الرمل فی الحج والعمرة، رقم: ۶۰۵ و (۶۰)

باب تقبیل الحجر، رقم: ۱۶۱۰۔

جہاں لوگ حدود کے پابند نہیں رہیں گے، لیکن اس کو مطلق شرک قرار دینا اور مآثر کو جان بوجھ کر مٹانا یہ بڑی زیادتی کی بات ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے مآثر کو ایک ایک کر کے مٹایا جا رہا ہے۔

بھئی! تم نے روضۂ اقدس پر قابو پایا ہے کہ نہیں پایا، کہ روضۂ اقدس پر بھی لوگ شرک کرتے تھے، وہاں جا کر بدعات کرتے تھے، لیکن آدمی کھڑے کر دیئے مجال ہے کہ کوئی آدمی ہاتھ باندھ کر بھی کھڑا ہو جائے، اس کی بھی اجازت نہیں دیتے کہ ہاتھ نیچے کر دو، وہاں پر پابندی لگائی ہوئی ہے لیکن تم نے غلو اور شرک کے اندیشہ سے بند نہیں کیا ہے تو جو کام وہاں کر رہے ہو دوسرے مآثر پر بھی کر سکتے ہو، اس واسطے غلو اور بدعات کو روکو، لیکن مآثر کو ضائع کرنا اور باقاعدہ ختم کرنا اور اس کو مشن بنالینا یہ اتنی افسوسناک بات ہے کہ کوئی حد احساس نہیں۔

چودہ صدیوں سے امت نے نبی کریم ﷺ کے ایک ایک مآثر کو محفوظ رکھا، ایک ایک یادگار کو اپنے سینہ سے لگا کر رکھا کہ کوئی آدمی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا، کوئی دوسری قوم اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی تھی ”خوشہ ابوبکر“ کو محفوظ رکھا، یہ نہیں کہ شرک کی وجہ سے، ارے عشق بھی کوئی چیز ہوتی ہے محبت بھی ہوتی ہے، تعلق خاطر بھی ہوتی ہے۔ آدمی جب ان یادگاروں کو دیکھتا ہے تو ان واقعات کو یاد کرتا ہے اور نبی کریم ﷺ اور ان کی سیرت طیبہ کو یاد کرتا ہے اس سے استحضار ہوتا ہے اور اس کے نتیجے میں اللہ ﷻ رسول کریم ﷺ کی محبت میں اضافہ فرماتے ہیں۔ چودہ صدیوں تک جن چیزوں کو محفوظ رکھا گیا ان کو یک لخت اٹھا کر ختم کر دیا، جب سے یہ برسرِ اقتدار آئے ایک ایک کر کے سب مٹا دیئے یعنی رفتہ رفتہ کر کے ایک دم سے سارے نہیں مٹائے، سوچا کہ لوگ ہنگامہ نہ کر دیں اس لئے رفتہ رفتہ کر کے کبھی ایک مٹایا، کبھی دوسرا اس طرح کر کے سب ختم کر دیئے، کوئی باقی نہیں چھوڑا۔

مستند تبرکات

جہاں سرکارِ دو عالم ﷺ کے تبرکات محفوظ کئے گئے ہیں، یوں تو دنیا کے مختلف حصوں میں آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب تبرکات پائے جاتے ہیں، لیکن مشہور یہ ہے کہ استنبول میں محفوظ یہ تبرکات زیادہ مستند ہیں۔ ان میں سرکارِ دو عالم ﷺ کا جبہ مبارک، آپ ﷺ کی دو تلواریں، آپ ﷺ کا وہ جھنڈا جس کے بارے میں مشہور یہ ہے کہ وہ غزوۂ بدر میں استعمال کیا گیا تھا، موئے مبارک، دندان مبارک، مقوقش شاہِ مصر کے نام آپ ﷺ کا مکتوب گرامی اور آپ ﷺ کی مہر مبارک شامل ہیں۔

تاریخی واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تبرکات بنو عباس کے خلفاء کے پاس موجود تھے، چنانچہ یہ آخری عباسی خلیفہ المتوکل کے حصے میں بھی آئے تھے، وہ آخر میں مصر کے اندر ملوک سلاطین کے زیرِ سایہ زندگی بسر کر رہا تھا، اقتدار و اختیار میں اس کا کوئی حصہ نہ تھا۔ دسویں صدی ہجری میں جب حجاز اور مصر کے علاقوں نے عثمانی سلطان سلیم اول کی سلطنت تسلیم کر لی اور اسے ”خادم الحرمين شریفین“ کا منصب عطا کیا گیا تو عباسی خلیفہ

الموتوکل نے ”خلافت“ کا منصب بھی سلطان سلیم کو سونپ دیا، اور مقامات مقدسہ و حرمین شریفین کی کنجیاں اور یہ تبرکات بھی بطور سند خلافت ان کے حوالے کر دیئے۔ اسی کے بعد سے سلاطین عثمان کو ”خلیفہ“ اور ”امیر المؤمنین“ کا لقب مل گیا، اور پوری دنیائے اسلام نے ان کی یہ حیثیت کسی اختلاف کے بغیر تسلیم کر لی۔

اس طرح سلطان سلیم دسویں صدی ہجری میں یہ تبرکات مصر سے استنبول لے کر آئے، اور یہ اہتمام کیا کہ ”توپ کا پے سرائے“ میں ان کو محفوظ رکھنے کے لئے ایک مستقل کمرہ تعمیر کیا۔ سلطان کی طرف سے ان تبرکات کی قدر دانی اور ان سے عشق و محبت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب تک سلطان سلیم زندہ رہے استنبول میں مقیم رہنے کے دوران اس کمرے میں خود اپنے ہاتھ سے جھاڑو دیتے اور اس کی صفائی کیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ اس کمرے میں انہوں نے حفاظ قرآن کو مقرر کیا کہ چوبیس گھنٹے یہاں تلاوت کرتے رہیں، حفاظ کی باریاں مقرر تھیں، ایک جماعت کا وقت ختم ہونے سے پہلے دوسری جماعت آ کر تلاوت شروع کر دیتی تھی۔ اس طرح یہ سلسلہ بعد کے خلفاء نے بھی جاری رکھا۔ اس طرح دنیا میں شاید ہی یہ واحد جگہ ہو جہاں چار سو سال تک تلاوت قرآن ہوتی رہی، اس دوران ایک لمحہ کے لئے بھی بند نہیں ہوئی۔ خلافت کے خاتمے کے بعد یعنی کمال اتاترک نے یہ سلسلہ بند کر دیا۔

ان تبرکات کو انتہائی نفیس لکڑی کے صندوقوں میں رکھا گیا ہے، اور سال بھر میں صرف ایک بار رمضان کی ستائیس ویں شب میں باہر نکال کر ان کی زیارت کرائی جاتی ہے، عام دن میں یہ تبرکات صندوقوں میں بند رہتے ہیں، بس صرف صندوق ہی دیکھے جاسکتے ہیں۔ بہر حال اس ظرف کی زیارت بھی ایک نعمت عظمیٰ ہے جسے ان کی صحبت و مساس کا شرف حاصل ہو سعادت سے خالی نہیں ہے۔

درجہ استناد کے لحاظ سے ان تبرکات کی جو بھی حیثیت ہو، لیکن ایک امتی کے لئے اس نسبت کی سچائی کا احتمال، اور صرف احتمال بھی کیا کم ہے!

اسی کمرے میں کچھ اور تبرکات بھی رکھے ہوئے ہیں جو شوکیسوں میں محفوظ ہیں، اور شفاف شیشوں کے واسطے سے ان کی زیارت کی جاسکتی ہے۔ ان میں ایک تلوار حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، چار تلواں چاروں خلفائے راشدین ؑ کی طرف منسوب ہیں، ان کے علاوہ حضرت خالد بن ولید، حضرت جعفر طیار، حضرت عمار بن یاسر اور حضرت ابوالحسنین ؑ کی طرف منسوب تلواں بھی رکھی ہوئی ہیں۔ ایک حصہ میں کعبہ شریف کے دروازے کا ایک ٹکڑا، کعبہ شریف کا قفل اور چابیاں، میزاب رحمت کے دو ٹکڑے اور وہ تھیلہ بھی محفوظ ہے جس میں کسی زمانے میں حجر اسود رکھا گیا تھا، سرکارِ دو عالم ﷺ کے روضہ اقدس کی مٹی بھی موجود ہے، لیکن محققین کا کہنا ہے کہ تلواروں کی نسبت مشکوک ہے۔ ۱۹۳

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے پاس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بال رکھا ہوا ہے، جب میں مروں تو مرنے کے بعد وہ میرے منہ میں رکھ دینا اور اس کے ساتھ مجھے دفن کر دینا، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا کہ دفن کے وقت ان کے منہ میں موئے مبارک رکھا ہوا تھا، یہ اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ تبرک بآثار الانبیاء والصلحین جائز ہے اور ثابت ہے۔

”رأيت سالم بن عبد الله يتحري أماكن من الطريق، فيصلي فيها، ويحدث أن أباه كان يصلي فيها“.

فرمایا کہ سالم بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ ”یتحوی“ تحری کے کیا معنی ہیں، سالم بن عبد اللہ ”یتحوی“ تلاش کر کے ان جگہوں کو جو راستے میں تھے اسی میں نماز پڑھتے تھے اور کہتے تھے ”ان أباه كان يصلي فيها“.

۳۸۴ - حدثنا ابراهيم بن المنذر قال: حدثنا انس بن عياض قال: حدثنا موسى ابن عقبة، عن نافع، ان عبد الله بن عمر أخبره أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم كان ينزل بذي الحليفة حين يعمر و في حجة حين حج تحت سمره في موضع المسجد الذي بذي الحليفة، و كان اذا رجع من عزو كان في تلك الطريق، او في حج او عمرة هبط من بطن واد، فاذا ظهر من بطن واد، اناخ بالبطحاء التي على شفير الوادي الشرقية فعرس ثم حتى يصبح، ليس عند المسجد الذي بحجارة ولا على الاكمة التي عليها المسجد، كان ثم خليج يصلي عبد الله عنده، في بطنه كذب كان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ثم يصلي، فدحا فيه السيل بالبطحاء حتى دفن ذلك المكان الذي كان عبد الله يصلي فيه. [أنظر: ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۸۹۹، ۱۹۴]

۳۸۵ - وأن عبد الله بن عمر حدثه أن النبي صلی اللہ علیہ وسلم صلى حيث المسجد الصغير الذي دون المسجد الذي بشرف الروحاء، وقد كان عبد الله يعلم المكان الذي كان صلى فيه النبي صلی اللہ علیہ وسلم يقول: ثم عن يمينك حين تقوم في المسجد تصلي، و ذلك المسجد على حافة الطريق اليمنى وانت ذاهب الى مكة، بينه وبين المسجد الاكبر رمية بحجر أو نحو ذلك.

۱۹۴ و فی صحیح مسلم، کتاب الحج، باب الاھلال من حیث تنبعث الرحلة، رقم: ۲۰۳۵، و سنن النسائی، کتاب مناسک الحج، باب دخول مكة، رقم: ۲۸۱۳، و سنن أبی داؤد، کتاب المناسک، باب فی وقت الاحرام، رقم: ۱۵۰۹، و مسند أحمد، مسند المکثرین من الصحابة، باب مسند عبد اللہ بن عمر بن الخطاب، رقم: ۴۲۳۰، ۴۳۸۹، ۴۹۵۴، ۴۹۸۷، ۵۳۳۷، ۶۱۷۴، و موطأ مالک، کتاب الحج باب العمل فی الاھلال، رقم: ۶۳۷.

یہ دو روایتیں اصل میں حضرت ابن عمرؓ کی ہیں۔ ایک سالم نے روایت کی ہے اور دوسری نافع نے کی ہے اور سب معاملات میں اور جو پتے بتائے ہیں، ان میں سالم اور نافع کی روایتیں متحد ہیں۔ دونوں روایتیں جا کر مل جاتی ہیں، لیکن شرف الروحاء کے مقام پر جو نماز پڑھنے کی جگہ بتلائی ہے اس میں سالم اور نافع کے درمیان اختلاف ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ”ان رسول اللہ ﷺ کان ينزل بذي الحليفة حين يعتمر.....“ آپ ﷺ ذوالحلیفہ میں قیام فرمایا کرتے تھے جبکہ آپ عمرہ کرتے اور اپنے حج میں بھی جبکہ آپ حج کرتے، ایک ببول کے درخت کے نیچے اس جگہ جہاں آج ذوالحلیفہ مسجد ہے۔ یہ حضرت ابن عمرؓ اپنے زمانے کی بات کر رہے ہیں وہاں جہاں ابھی مسجد ہے ایک ببول کے درخت کے نیچے اور جب آپ کسی غزوہ سے تشریف لاتے اور اس راستہ میں ہوتے یا حج سے آتے یا عمرے سے تشریف لاتے تو آپ بطن وادی کے اندر اتر جاتے تھے اور جب بطن وادی سے نکلتے تو اونٹ کو اس بطحاء پر سنگریز وادی میں بٹھاتے جو شریقہ کے کنارے پر واقع ہے اور رات کو وہاں قیام فرماتے تھے۔ ”فعرس“ تعریس سے ہے یعنی وہاں تعریس فرماتے یعنی آخری شب میں اترتے، یہاں تک کہ صبح ہوتی۔ صرف نماز ہی کی بات نہیں کر رہے ہیں بلکہ بتا رہے ہیں کہ کہاں قیام فرماتے تھے، کس جگہ نزول ہوتا تھا۔

اب کسی کے ذہن میں شبہ ہو سکتا ہے اس کا ازالہ کر رہے ہیں ”لیس عند المسجد الذی بحجارة“ کہ اس مسجد کے پاس نہیں جہاں پتھر ہیں، پتھروں کے پاس جو مسجد ہے اور نہ اس ٹیلہ پر کہ جس پر مسجد واقع ہے بلکہ ”کان ثم خلیج“ وہاں ایک خلیج تھی۔ عبداللہ بن عمرؓ اس خلیج کے پاس نماز پڑھا کرتے تھے جس کے پیٹ میں کچھ ٹیلے تھے۔

خلیج کے پیٹ میں کتب جمع کتب کی ٹلے۔ وہ خلیج جو تھی اس میں سیلاب آگیا ”بالبطحاء“ بطحاء کے اندر۔ یہاں تک کہ وہ جگہ دفن ہو گئی اور ریز مین آ گئی ہے جہاں حضرت عبداللہ بن عمرؓ نماز پڑھا کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ اس جگہ نماز پڑھا کرتے تھے جہاں چھوٹی مسجد واقع ہے اس مسجد سے پہلے جو شرف الروحاء پر ہے۔ ”شرف الروحاء“ روحاء مدینہ منورہ سے تقریباً چھتیس میل کے فاصلہ پر واقع ایک جگہ کا نام ہے اور یہاں پر بیئر روحاء ایک کنواں بھی ہے جو آج تک جاری ہے اور میں نے کہا تھا کہ وہ ابھی دست برد سے محفوظ ہے اس لئے کہ مدینہ منورہ سے چھتیس میل کے فاصلے پر ہے۔ تو وہ جگہ ایسی ہے جہاں حضور ﷺ کا نماز پڑھنا ثابت ہے جیسا کہ یہ مذکور ہے اور وہاں آپ ﷺ سے یہ روایت بھی ہے کہ یہاں یعنی روحاء میں چالیس انبیاء نے نمازیں پڑھی ہیں اور اس میں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس کنویں میں اپنا لعاب مبارک بھی ڈالا تھا اور آج تک وہ چلتا ہے، بڑا ہی میٹھا پانی ہے۔ تو اس کے لئے میں ایک سے زیادہ مرتبہ حاضر

ہوا تھا، وہاں کنواں چل رہا ہے وہ جگہ ابھی تک ایسی ہے جو دست برد سے محفوظ ہے۔

لیکن وہاں سالم اور نافع میں اس بارے میں اختلاف ہو گیا کہ وہ کہتے ہیں اس جگہ نماز پڑھی جو چھوٹی مسجد ہے اس مسجد سے پہلے جو شرف الروحاء کے اوپر ہے۔ ”او قد کان عبد اللہ کان صلیٰ فیہ النبی ﷺ“ جب تم مسجد میں کھڑے ہو تو دائیں طرف اور وہ مسجد جو ہے وہ دائیں راستے کے کنارے پر ہے۔ جب تم مکہ مکرمہ جارہے ہو گے اس کے اور مسجد اکبر کے درمیان ایک پتھر پھینکنے کا فاصلہ ہے ”او نحو ذالک“۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس چھوٹے سے پہاڑ کی طرف بھی رخ کر کے نماز پڑھتے تھے جو روحاء سے واپس لوٹنے کی جگہ پر واقع ہے وہ مسجد جو کہ اس کے اور منصرف کے درمیان ہے جبکہ تم مکہ مکرمہ جارہے ہو، اب اس کا صرف ترجمہ ہی کر سکتے ہیں۔ اس کا کوئی نقشہ بنا نہیں سکتا۔ اب کہتے ہیں کہ سالم کہہ رہے ہیں کہ وہاں پر ایک اور مسجد بنی ہوئی ہے اب بھی عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وہاں پر نماز نہیں پڑھتے تھے اس کو بائیں طرف چھوڑ دیتے تھے اس سے آگے بڑھ کر جو پہاڑ ہے عین پہاڑ کے اوپر جا کر نماز پڑھتے تھے تو مسجد چھوڑ دی اور پہاڑ کے پاس جا کر نماز پڑھی، اس واسطے کہ حضور ﷺ وہاں نماز پڑھا کرتے تھے۔

۴۸۶۔ وأن ابن عمر کان یصلیٰ إلى العرق الذی عند منصرف الروحاء ، وذلك العرق انتهاء طرفه علی حافة الطريق دون المسجد الذی بینہ وبين المنصرف وأنت ذاهب إلى مكة، وقد ابتنی ثم مسجد فلم یکن عبد اللہ یصلیٰ فی ذلك المسجد کان یترکہ عن یساره ووراءه ویصلیٰ أمامه إلى العرق نفسه ، وکان عبد اللہ یروح من الروحاء فلا یصلیٰ الظهر حتی یأتی ذلک المكان فیصلیٰ فیہ الظهر ، واذا أقبل من مكة فإن مر به قبل الصبح بساعة أو من آخر السحر عرس حتی یصلیٰ بها الصبح .

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روحاء سے روانہ ہوتے۔ رواج یہاں شام کے وقت جانے کے معنی میں نہیں بلکہ مطلق جانے کے معنی میں ہے۔ ظہر نہیں پڑھتے تھے اس وقت تک جب تک کہ اس جگہ تک نہ پہنچ جاتے، وہاں ظہر پڑھتے تھے۔ اور اگر مکہ سے آ رہے ہوتے تو اگر صبح سے ایک گھنٹہ پہلے گزرتے یا آخری سحری کے وقت میں گزرتے ”عروس“ وہاں پر اتر جاتے تھے تاکہ وہاں پر صبح کی نماز پڑھیں۔

۴۸۷۔ وأن عبد اللہ حدثہ أن النبی ﷺ کان یسزل تحت سرحة ضخمة دون الرویفة عن یمین الطريق ووجاه الطريق فی مکان بطح سهل حتی یفضی من اکمة دووین برید الرویفة بمیلین، وقد إنکسر أعلاها فأنشی فی جوفها وهي قائمة علی ساق وفي ساقها کتب كثيرة۔

یہ بھی فرمایا کہ حضور ﷺ قیام فرماتے تھے۔ ”سرحہ“ بڑے درخت کو کہتے ہیں۔ تو بڑے درخت کے

نیچے جو ”رویثہ“ کے مقام سے پہلے ہے۔ ”رویثہ“ ایک بستی کا نام ہے۔ راستے کے دائیں طرف جو راستہ کے سامنے ایک ایسی جگہ جو کہ وادی ہے، پہل ہے یعنی نرم زمین ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس ٹیلہ سے نکل جاتے جو قریب ہے ”برید الرویثہ“ کے۔ برید الرویثہ بھی جگہ کا نام ہے۔ اس کا اوپر کا حصہ ٹوٹ چکا ہے اور وہ اپنے پیٹ کی طرف دوہرا ہو کر آ گیا ہے اور وہ ایک ساق پر کھڑا ہوا ہے۔ اور اس کے تنے کے نیچے بہت سے چھوٹے چھوٹے ٹیلے ہیں۔ عرض کے پیچھے ایک ٹیلہ ہے ٹیلے کے کنارے پر نماز پڑھتے تھے۔

۴۸۸۔ وَأَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرِو حَدَّثَنَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى فِي طَرَفِ ثَلَاثَةِ مَنَ وَرَاءَ الْعَرَجِ وَأَنْتَ ذَاهِبٌ إِلَى هَضْبَةٍ ، عِنْدَ ذَلِكَ الْمَسْجِدِ قَبْرَانِ أَوْ ثَلَاثَةِ ، عَلَى الْقُبُورِ رَضَمٌ مِنْ حِجَارَةٍ عَنْ يَمِينِ الطَّرِيقِ عِنْدَ سَلَمَاتِ الطَّرِيقِ ، بَيْنَ أُولَئِكَ السَّلَمَاتِ كَانَ عَبْدُ اللَّهِ يَرُوحُ مِنَ الْعَرَجِ بَعْدَ أَنْ تَمِيلَ الشَّمْسُ بِالْهَاجِرَةِ فَيَصْلِي الظَّهْرَ فِي ذَلِكَ الْمَسْجِدِ ۔

جب کہ تم جا رہے ہو اس مسجد کے پاس ایک ”ہضبة“ میں۔ ”ہضبة“ گھاٹی کو کہتے ہیں وہاں پر دو یا تین قبریں بنی ہوئی ہیں اور ان قبروں کے اوپر موٹے موٹے پتھر رکھے ہوئے ہیں۔

”رضم“ کے معنی ہیں پتھر۔ ”سلمات“ درختوں کو کہتے ہیں ان ”سلمات“ کے درمیان حضرت عبداللہ بن عمرؓ جایا کرتے تھے عرض کی طرف۔

۴۸۹۔ وَأَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرِو حَدَّثَنَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَزَلَ عِنْدَ سَرَاحَاتٍ عَنْ يَسَارِ الطَّرِيقِ فِي مَسِيلٍ دُونَ هَرَشِي ، ذَلِكَ الْمَسِيلُ لَاصِقٌ بِكَرَاعِ هَرَشِي بَيْنَهُ وَبَيْنَ الطَّرِيقِ قَرِيبٌ مِنْ غُلُوَّةٍ ، وَكَانَ عَبْدُ اللَّهِ يَصْلِي إِلَى سَرَحَةٍ هِيَ أَقْرَبُ السَرَاحَاتِ إِلَى الطَّرِيقِ وَهِيَ أَطْوَلُهُنَّ ۔

وہاں اترتے تھے سراحا کے معنی درخت راستے کے بائیں طرف ایک مسیل (ٹالے میں) جو ہرشی مقام سے پہلے ہے اور وہ ٹالہ ملا ہوا ہے ”قراع ہرشی“ سے۔ اس کے راستہ کے درمیان ایک ”غلوۃ“ کا فاصلہ ہے۔ اگر تیر پھینکا جائے تو جہاں جا کر گرے اتنے فاصلے کو ”غلوۃ“ کہا جاتا ہے۔

۴۹۰۔ وَأَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرِو حَدَّثَنَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَنْزِلُ فِي الْمَسِيلِ الَّذِي فِي أَدْنَى مَرِّ الظُّهْرَانِ قَبْلَ الْمَدِينَةِ حِينَ يَهْبِطُ مِنَ الصَّفَرَاوَاتِ يَنْزِلُ فِي بَطْنِ ذَلِكَ الْمَسِيلِ عَنْ يَسَارِ الطَّرِيقِ وَأَنْتَ ذَاهِبٌ إِلَى مَكَّةَ ، لَيْسَ بَيْنَ مَنْزِلِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَبَيْنِ الطَّرِيقِ إِلَّا رَمِيَّةٌ بِحَجَرٍ ۔

۴۹۱۔ وَأَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرِو حَدَّثَنَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَنْزِلُ بِذِي طَوًى وَبَيْتِ حَتَّى يَصْبِحَ يَصْلِي الصُّبْحَ حِينَ يَقْدُمُ مَكَّةَ ، وَمُصَلًى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ ذَلِكَ عَلَى أَكْمَةِ

غليظة ليس في المسجد الذي بنى ثم ولكن أسفل من ذلك على أكمة غليظة .
[انظر: ۱۷۶۷، ۱۷۶۹]

”مر الظهران“ بھی جگہ کا نام ہے اور ”ذی طوی“ پر بھی اتر اترتے تھے۔ ذی طوی بھی کنواں ہے جو اب شہر مکہ کے اندر آگیا ہے۔ اب یہ محلہ زاہر کے نام سے کہلاتا ہے، زاہر کے محلے میں یہ واقع ہے وہاں اتر اترتے تھے۔

(۹۴) باب السترة بمكة و غيرها

مکہ اور دوسرے مقامات میں سترہ کا بیان

۵۰۱۔ حدثنا سليمان بن حرب قال: حدثنا شعبة، عن الحكم، عن أبي جحيفة قال: خرج رسول الله ﷺ بالهاجرة فصلى بالطحاء الظهر والعصر ركعتين و نصب بين يديه عنزة و توضأ، فجعل الناس يتمسحون بوضوئه. [راجع: ۱۸۷]

ترجمہ الباب سے مقصود امام بخاریؒ

”باب السترة بمكة و غيرها“.

اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ مصلی کے سامنے سے گزرنے کی جو ممانعت آئی ہے آیا یہ ممانعت مکہ مکرمہ میں بھی لاگو ہے یا نہیں؟
اس مسئلے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے:

مرور امام المصلی میں اختلاف فقہاء

امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ ممانعت عام ہے مکہ ہو یا مدینہ، حرم ہو یا مسجد نبوی ہو، ہر حالت میں مصلی کے سامنے سے گزرنانا جائز ہے اور ایسا لگتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مذہب بھی یہی ہے، اس لئے انہوں نے باب قائم کیا ”باب السترة بمكة و غيرها“، یعنی مکہ اور غیر مکہ میں سترہ کے اندر کوئی فرق نہیں ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ٹھیک ہے ویسے تو فرق نہیں اور مصلی کے سامنے سے کسی حالت میں بھی گزرنانا جائز نہیں، نہ مکہ میں نہ مدینہ میں اور نہ کہیں اور لیکن مکہ مکرمہ میں اتنا ہے کہ جو لوگ طواف کر رہے ہیں وہ اگر مصلی کے سامنے سے گزر جائیں تو معاف ہے، کیونکہ طواف ایک عبادت ہے اور مصلی جو نماز پڑھ رہا ہے وہ بھی عبادت ہے تو یہ ایسا ہوا کہ مصلی کے سامنے کوئی دوسرا مصلی نماز پڑھ رہا ہے، لہذا طواف کرنے والا اگر

مصلی کے سامنے سے گزر جائے تو وہ کہتے ہیں کہ جائز ہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور یہی مذہب بعض حنفیہ کا بھی ہے۔ ۱۹۵

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مکہ وغیرہ میں فرق ہے مکہ مکرمہ میں بلکہ پورے حدود حرم میں مصلی کے سامنے سے گزرنا جائز ہے کہیں بھی کوئی نماز پڑھ رہا ہو تو اس کے سامنے سے گزرنا جائز ہے چاہے وہ مکہ مکرمہ کا شہر ہو یا مسجد حرام ہو یا حدود حرم میں جگہ ہو۔ ۱۹۶

امام بخاری رحمہ اللہ اس کی تردید کرنا چاہ رہے ہیں۔

امام طحاوی رحمہ اللہ کا مسلک

احناف میں سے امام طحاوی رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ مسجد حرام میں یا مکہ مکرمہ کے شہر میں کسی ایسی جگہ جہاں سے کعبہ سامنے نظر آتا ہو وہاں مصلی کے سامنے سے گزرنا جائز ہے۔ یہ پورے مسجد حرام یا صرف طائفین کے ساتھ خاص نہیں بلکہ پورے مسجد حرام میں بلکہ اگر آدمی باہر بھی کسی جگہ کھڑا ہے جہاں سے کعبہ سامنے نظر آ رہا ہو تو اس صورت میں مصلی کے سامنے سے گزرنے والے کے لئے جائز ہے کہ وہ بغیر سترے کے گزر جائے، اس پر انہوں نے روایت نقل کی ہے۔ ۱۹۷

اور ایک روایت دوسری جگہ یعنی مصنف عبدالرزاق میں ہے اور اس کے مختلف طرق ہیں جو اس کو درجہ حسن تک ضرور پہنچا دیتے ہیں، نبی کریم ﷺ کو مسجد حرام میں نماز پڑھتے دیکھا گیا آپ کے سامنے کوئی سترہ نہیں تھا اور لوگ آپ کے سامنے سے گزر رہے تھے۔ ۱۹۸

۱۹۵ قال الطحاوی فی مشکله أنه لا بأس بمرور الطائفین امام المصلی عند البیت لأن الطواف بالبيت صلاة ولا توجد تلك المسألة فی المذاهب الاربعة إلا عند الطحاوی وهذا باب ناظر إليها إلا أن الصلاة فی الحديث كانت علی نحو میل من مكة ومسألة الطحاوی فی داخل المسجد۔ الخ ، فیض الباری ، ج: ۲، ص: ۸۱۔

۱۹۶ فصل — لا بأس أن یصلی بمكة إلى غیر ستره روى ذلك عن ابن الزبیر وعطاء ومجاهد قال الأثرم قيل لأحمد الرجل یصلی بمكة ولا یستر بشئ فقال قد روى عن النبی صلی الله علیه وسلم أنه صلی وثم لیس بینہ وبين الطواف ستره قال أحمد لأن مكة لیست کغیرها کان مكة مخصوصة الخ ، المغنی ، ج: ۲، ص: ۴۰، دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۵ھ۔

۱۹۷ شرح معانی الآثار ، ج: ۱، ص: ۴۶۱، دار الکتب العلمیة، بیروت، ۱۳۹۹ھ۔

۱۹۸ باب لا یقطع الصلاة شی بمكة ، رقم: ۲۳۸۵ ، عبد الرزاق عن معمر بن طاووس عن أبيه قال لا یقطع الصلاة بمكة الخ و رقم ۲۳۸۷، عبد الرزاق عن عمرو بن قیس قال أخبرنی کثیر بن کثیر بن المطلب بن أبي وداعة عن أبيه عن جده قال رأیت النبی صلی الله علیه وسلم یصل فی المسجد الحرام والناس یطوفون بالبيت بینہ وبين القبلة بین یدیه لیس بینہ وبينهم ستره ، مصنف عبدالرزاق ، ج: ۲، ص: ۳۵، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۴۰۳ھ۔

اس حدیث سے امام طحاوی رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے اور حنفیہ میں سے انہوں نے ہی بہت جم کر یہ فرمایا کہ مسجد حرام میں سترے کے احکام نہیں ہیں بلکہ سامنے سے گزر سکتے ہیں۔ فقہائے احناف فقہ کی کتابوں میں جب یہ مسئلہ ذکر کرتے ہیں تو ڈرڈر کر کرتے ہیں کہ اس میں یہ لکھ دیا کہ طائفین یعنی طواف کرنے والوں کے لئے جائز ہے۔ ۱۹۹

علامہ شامی رحمہ اللہ نے امام طحاوی رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے اور پھر کہا ہے کہ امام طحاوی نے بڑی نادر بات کہی ہے اور اس کو یاد رکھنا، مطلب یہ ہے۔ کہ ان کو یہ قول پسند آیا اور بات ٹھیک ہے اور حدیث سے چونکہ اس کی تائید ہوتی ہے، لہذا یہی قول راجح ہے۔ ۲۰۰

سوال: کیا مسجد حرام میں سترے کے احکام جاری نہیں ہوتے ہیں اور اس میں اگر آدمی سامنے سے گزر جائے تو کوئی مضائقہ نہیں، اس میں کیا حکمت ہے؟

جواب: واللہ اعلم حکمت کے پیچھے ہم زیادہ پڑتے نہیں ہیں، لیکن علمائے کرام نے یہ حکمت بیان کی ہے کہ سترے کا حکم اس لئے ہے کہ جس وقت بندہ نماز پڑھ رہا ہوتا ہے اس وقت اس کا اللہ جل جلالہ کے ساتھ ایک خاص تعلق قائم ہوتا ہے تو اس کے سامنے سے بغیر سترے کے کسی شئی کا گزر جانا یہ اس تعلق کو منقطع کرنے کا سبب بنتا ہے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب کعبہ سامنے ہو تو نماز پڑھنے والے کی کیفیت ہی کچھ اور ہوتی ہے یہاں نماز پڑھ لو اور حرم میں کعبہ کے سامنے نماز پڑھ لو، دونوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔ یہاں جو تعلق قائم ہو رہا ہے اور وہاں جو تعلق قائم ہو رہا ہے جہاں کعبہ سامنے نظر آتا ہو، زمین و آسمان کا فرق ہے۔ یہاں تعلق کمزور ہے سامنے سے گزرنے والے کے مرور سے ٹوٹ جاتا ہے۔ اور وہاں جو تعلق قائم ہے کعبہ کے سامنے اور کعبہ کے ساتھ اتنی عظمت و جلال کا واسطہ ہے تو اس صورت میں کتنے ہی لوگ گزرتے رہیں، پرواہ بھی نہیں ہوتی کہ میرے سامنے تو کعبہ ہے تو اس واسطے وہ گزرنا قطع مصلیٰ کا سبب نہیں بنتا، واللہ اعلم اور یہی قول درست اور راجح ہے لیکن یہ حکم صرف مسجد حرام میں ہے مسجد نبوی میں نہیں، لہذا مسجد نبوی میں سامنے سے گزرتے ہوئے بڑا اہتمام چاہئے اور لوگ اہتمام نہیں کرتے، ”والناس عنه غافلون“ کیونکہ بعض مرتبہ لوگوں کو یہ مسئلہ معلوم ہو جاتا ہے کہ مسجد حرام میں گزر سکتے ہیں تو وہ سمجھتے ہیں کہ دونوں حرم ایک ہی جیسے ہیں، لہذا وہاں پر بھی وہی احکام

۱۹۹ ولس بينهما سعة وهو محمول على الطائفين فيما يظهر لأن الطواف صلاة لصار كمن بين يديه صفوف من المصلين

انتهى. حاشية ابن عابدين، ج: ۱، ص: ۶۳۶، بيروت.

۲۰۰ بين يديه صفوف من المصلين ۵۱.

وقال لم رأيت في البحر العميق حكي عز الدين بن جماعة عن مشكلات الآثار للطحاوي أن المرور بين يدي

المصلي بحضرة الكعبة يجوز ۵۱ قلت وهذا لرع غريب فليحفظ. حاشية ابن عابدين، ج: ۲، ص: ۵۰۲.

جاری کرو، جو درست بات نہیں۔

یہ روایت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کی ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہاجرہ میں نکلے، ہاجرہ کے معنی ہیں دو پہر کا وقت۔ ”فصلی“ الخ بطحاء میں ظہر اور عصر کی دو رکعتیں پڑھیں ”و نصب بین یدیه عنزة“ آپ کے سامنے ایک عنزہ (نیزہ) لگایا ہوا تھا۔ یہ موضع ترجمہ ہے، بطحاء سے مکہ مکرمہ کی بطحاء مراد ہے وہاں نماز پڑھ رہے تھے اور عنزہ گاڑھا ہوا تھا، معلوم ہوا کہ سترہ کے احکام وہاں پر بھی ہیں۔

لہذا اس سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی تردید مقصود ہے اور اس سے ان لوگوں کی تردید نہیں ہو رہی جو کہہ رہے ہیں کہ یہ احکام مسجد حرام سے باہر کے ہیں اور مسجد حرام کے اندر کے نہیں ہیں جیسا کہ امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”وتواضؤا“ الخ۔

(۹۵) باب الصلاة الى الأسطوانة

ستون کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا بیان

”وقال عمر: المصلون احق بالسواری من المتحدثین إلیہا، وراى عمر رجلا یصلی بین اسطوانتین فادناہ الی ساریة. فقال: صل إلیہا“۔
امام بخاری رحمہ اللہ نے کسی ستون کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کے بارے میں یہ باب قائم کیا ہے۔

سترہ کی ضرورت

”اسطوانہ“ ستون کو کہتے ہیں اور یہ بات مستحب ہے کہ جب کوئی شخص نماز پڑھے تو ایسی جگہ پڑھے جہاں سامنے کوئی سترہ ہو، تاکہ گزرنے والوں کو کوئی تکلیف نہ ہو، لہذا جب آدمی مسجد میں جماعت کے علاوہ نماز پڑھ رہا ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اس بات کا اہتمام کرے کہ کسی ستون کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھے لے تاکہ گزرنے والوں کو تکلیف نہ ہو، اگر ستون کے علاوہ پڑھے گا اور سامنے کوئی سترہ نہ ہو تو گزرنے والے کو لمبا چکر کاٹنا پڑے گا جو اس کے لئے تکلیف کا باعث بنے گا۔

اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ ”المصلون احق بالسواری من المتحدثین إلیہا“ نمازی لوگ یعنی جو نماز پڑھنے والے ہیں وہ ستونوں کے زیادہ مستحق ہیں بنسبت ان لوگوں کے جو وہاں بیٹھ کر باتیں کریں یعنی جو لوگ ستونوں کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں ان سے وہ لوگ زیادہ ستونوں کے مستحق ہیں جو ان کے سامنے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا چاہتے ہیں۔

”ورای عمر“ اور حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو دیکھا جو دو ستونوں کے درمیان نماز پڑھ رہا تھا ”فأدناه الی ساریة“ انہوں نے اس کو ایک ستون کے قریب کر دیا اور کہا ”صل الیہا“ یہاں کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔

ضروری تنبیہ

یہ مشہور و معروف مسئلہ ہے کہ مصلیٰ کو حتی الامکان یہ کوشش کرنی چاہئے کہ جب وہ نماز پڑھے تو اس کے سامنے کوئی سترہ ہو لیکن افسوس کی بات ہے کہ ہمارے ہاں طلبہ وغیرہ اس بات کا دھیان نہیں رکھتے۔ ساری مسجد خالی پڑی ہوتی ہے اور وہ صحن کے درمیان کھڑے ہو کر نماز پڑھنا شروع کر دیتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص گزرنا چاہے تو اس کو لمبا چکر کاٹنا پڑتا ہے اور بعض اوقات تو لمبا چکر کاٹ کر بھی راستہ نہیں ملتا، یہ بڑی غلط بات ہے۔ فقہائے کرام نے فرمایا ہے کہ اس طرح کھڑا ہونا جس سے دوسرے گزرنے والوں کو تکلیف ہو، گناہ ہے۔ فرض کریں اگر کوئی شخص ایسے موقع پر نمازی کے سامنے سے گزرے اور اس کے پاس گزرنے کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہ ہو، مجبوری ہو تو اس صورت میں گزرنے والے پر گناہ نہیں ہے۔ بلکہ نماز پڑھنے والے پر ہے کیونکہ اس نے خود مجبور کیا کہ وہ اس کے سامنے سے گزرے۔ اس لئے خود بھی اس کا اہتمام کرنا چاہئے اور دوسرے جو ساتھی ایسی حرکت کرتے ہیں ان کو بھی سمجھانا چاہئے۔

۵۰۲۔ حدثنا المکی قال: حدثنا یزید بن ابی عبید قال: کنت آتی مع سلمة بن الاکوع فیصلى عند الاسطوانة التي عند المصحف، فقلت: یا ابا مسلم! اراک تتحرى الصلاة عند هذه الاسطوانة؟ قال: فانی رايت النبی ﷺ یتحرى الصلاة عندها. ۲۰۱
امام بخاری رحمہ اللہ نے یزید بن ابی عبید کی روایت نقل کی ہے اور یہ امام بخاری رحمہ اللہ کی ثلاثیات میں سے ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں حضرت سلمة بن الاکوعؓ کے ساتھ آتا تھا یعنی مسجد نبوی میں حاضر ہوتا تھا ”فیصلى عند ان اسطوانة التي عند المصحف“ تو وہ خاص طور پر اس ستون کے پاس کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے جو مصحف کے پاس تھا۔

یہ اس مصحف کا ذکر ہے جو حضرت عثمانؓ نے اپنے زمانے میں لکھوایا تھا وہ مسجد نبوی میں ایک جگہ رکھوا دیا تھا اور وہ مصحف کی جگہ معروف تھی، اب وہ مصحف نہیں رہا۔ ۲۰۲

۲۰۱ وفی صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب دنو المصلی من المسترة، رقم: ۷۸۸، وسنن ابن ماجہ، کتاب إقامة الصلاة، السنة فیہا، باب ماجاء توطین المكان فی المسجد یصلی فیہ، رقم: ۱۱۳۲۰، ومسند احمد، أول مسند المدینین أجمعین، باب حدیث سلمة بن الاکوع، رقم: ۵۹۱۹.

”اسطوانة“ کی تعیین میں اختلاف شرّاح

شرح حدیث نے اس میں کلام کیا ہے کہ اس سے کون سا اسطوانہ مراد ہے؟ بعض حضرات نے فرمایا کہ ”اسطوانة عائشةؓ“ مراد ہے، مسجد میں جو اسطوانے ہیں ان میں ایک اسطوانہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی ہے جس کو ”اسطوانة المهاجرین“ بھی کہتے ہیں۔

علامہ عینیؒ اور حافظ ابن حجرؒ کی رائے

علامہ عینیؒ اور حافظ ابن حجرؒ جہما اللہ دونوں نے یہ کہا ہے کہ یہاں اسطوانة عائشہ رضی اللہ عنہا مراد ہے، حضرت سلمۃ بن الاکوعؓ اس کے پاس جا کر نماز پڑھتے تھے۔ ”فقلت یا أبا مسلم“ میں نے ان سے کہا اے ابو مسلم! میں آپ کو دیکھتا ہوں کہ آپ خاص طور سے اہتمام کرتے ہیں ”تتحری“ باقاعدہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر آپ اس اسطوانہ کے پاس نماز پڑھتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ”رأیت النبی ﷺ يتحرى الصلاة عندها“ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ بھی خاص طور پر اس جگہ نماز پڑھتے تھے اور اہتمام فرماتے تھے۔ علامہ عینیؒ اور حافظ ابن حجرؒ جہما اللہ کا خیال یہ ہے کہ اس سے اسطوانة مهاجرین یا اسطوانة عائشہ مراد ہے، آج بھی اس پر یہ نام لکھا ہوا ہے ”هذه اسطوانة عائشة“۔

اسطوانة عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت

اس اسطوانہ کے بارے میں روایات میں آتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے تحویل قبلہ کے بعد کچھ عرصہ تک وہاں کھڑے ہو کر امامت فرمائی، گویا یہ آپ ﷺ کا مصلیٰ تھا، آپا ﷺ کے کھڑے ہونے کی جگہ تھی، نیز اس سے پشت لگا کر آپ صحابہؓ کے سامنے تشریف فرما بھی ہوتے تھے۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ میری مسجد میں ایک اسطوانہ ہے، یعنی ایک جگہ ایسی ہے کہ اگر لوگوں کو اس کی فضیلت معلوم ہو جائے تو لوگ وہاں پر نماز پڑھنے کے لئے قرعہ اندازی کرنے لگیں۔ پھر اس جگہ کی نشاندہی فرمائی اور وہ ”ریاض الجنة“ کے اندر حضور اقدس ﷺ کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے۔

اول تو مسجد نبویؐ کی فضیلت پھر مسجد نبویؐ میں ”ریاض الجنة“، پھر ”ریاض الجنة“ میں بھی وہ حصہ جہاں نبی کریم ﷺ کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے۔ آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اگر لوگوں کو اس جگہ کی فضیلت معلوم ہو جائے تو قرعہ اندازی کرنے لگیں۔ تو علامہ عینیؒ اور حافظ ابن حجرؒ جہما اللہ کا

خیال ہے کہ یہاں اسطوانۃ عائشہؓ مراد ہے۔ ۲۰۳

علامہ سمہودیؒ کی رائے

علامہ سمہودی رحمہ اللہ نے وفاء الوفاء میں ان دونوں بزرگوں یعنی حافظ ابن حجر اور علامہ یعنی رحمہما اللہ سے اختلاف کیا ہے اور کہا ہے کہ ان حضرات سے اسطوانہ کے تعیین میں مساحت ہو گئی ہے، اس سے اسطوانۃ عائشہ رضی اللہ عنہا مراد نہیں ہے بلکہ اس سے رسول اللہ ﷺ کا مصلیٰ مراد ہے جس کو ”اسطوانۃ علم المصلیٰ“ کہا جاتا ہے، یہ نام وہاں لکھا ہوا نہیں ہے، کتابوں میں آتا ہے اور یہ اس جگہ ہے جہاں آج ”ریاض الجنة“ میں محراب بنی ہوئی ہے۔

لوگ سمجھتے ہیں کہ یہی محراب حضور ﷺ کا مصلیٰ ہے حالانکہ حضور ﷺ کے زمانہ میں محراب نہیں تھی، وہ مصلیٰ نہیں ہے بلکہ محراب کے دائیں طرف ایک ستون ہے جس پر ”مصلیٰ النبی“ لکھا ہوا ہے اور یہ وہ اسطوانہ ہے جسے ”اسطوانۃ علم المصلیٰ“ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے مصلیٰ کی علامت ہے، حضور ﷺ وہاں کھڑے ہو کر امامت فرمایا کرتے تھے۔

اس کے ساتھ ایک لمبا ستون ہے جس پر لکھا ہوا ہے ”هذه الاسطوانة المخلقة مخلقة“ اس کو کہتے ہیں جس کو خلوق کی خوشبو لگائی جاتی تھی۔ ۲۰۴

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ”اسطوانۃ حنّانہ“ وہیں پر تھا یعنی ”روئے والا“ لیکن اس پر اسطوانۃ مخلقہ لکھا ہوا ہے، اس زمانہ میں ہر ایک ستون پر خلوق کی خوشبو لگاتے تھے، لیکن صرف اس اسطوانہ پر اسطوانۃ مخلقہ کیوں لکھا ہوا ہے؟ اس کی وجہ معلوم نہیں۔

بہر حال علامہ سمہودی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں اسطوانۃ علم المصلیٰ مراد ہے اور یہ ”ریاض الجنة“ میں دوسری اہم جگہ ہے جہاں نماز پڑھنے کی اس لئے فضیلت ہے کہ ان دنوں میں جب آپ ﷺ نے اسطوانۃ عائشہؓ کے سامنے کھڑے ہو کر نماز پڑھائی، باقی دنوں میں آپ مستقل طور پر یہیں پر کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے۔ تو حضرت سلمہ بن الاکوعؓ نے اس جگہ کا انتخاب کیا اور وہاں پر نماز پڑھی۔

۲۰۳ قال ابن حجر و الاسطوانة المذكورة حقق بعض مشايخنا أنها المتوسطة في الروضة الكريمة وأنها تعرف باسمطوانة المهاجرين. قال وروى عن عائشة أنها قالت لو عرفها الناس لاضطربوا عليها بالسهم الخ، فيض القدير، ج: ۱، ص: ۳۹۰، المكتبة التجارية الكبرى، مصر، ۱۳۵۶ھ، وفتح الباری، ج: ۱، ص: ۵۷۷، وعمدة القاری، ج: ۳، ص: ۵۷۷

حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے

حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہ نے اس بارے میں علامہ سہودی رحمہ اللہ کی تحقیق کو راجح قرار دیا ہے۔

اسی ”ریاض الجنة“ میں چار ستون اور ہیں۔

۱۔ اسطوانة التوبة: اس کو اسطوانۃ ابولبابہ بھی کہتے ہیں اور یہ وہ اسطوانہ ہے، جس سے حضرت ابولبابہؓ نے اپنے آپ کو باندھ لیا تھا، تفصیل مغازی میں ہے اور حضور اقدس ﷺ کا بھی اس جگہ پر بکثرت نماز پڑھنا ثابت ہے۔

۲۔ اسطوانة السريور: یہ وہ اسطوانہ ہے جس کے پاس حالت اعتکاف میں حضور ﷺ کی چار پائی ہوتی تھی۔

۳۔ اسطوانة الوفود: جب باہر سے آپ ﷺ کی خدمت میں وفود آتے تھے تو آپ ﷺ اس اسطوانہ سے ٹیک لگا کر ان سے گفتگو فرمایا کرتے تھے۔

۴۔ اسطوانة الحرس: حضرت علیؓ، یا بعض اوقات کوئی اور صحابی اس پر بیٹھ کر حضور ﷺ کے لئے پہرہ دیا کرتے تھے۔

۵۔ اسطوانة التهجد: ہے۔ یہ حضرت علیؓ کے مکان کی شمالی جانب اور صفہ سے جنوب کی جانب ہے۔ بعض روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ وہاں تہجد کی نماز پڑھا کرتے تھے۔

مسجد نبویؐ میں یہ مختلف اسطوانے ہیں، ان میں نماز پڑھنے، دعاؤں اور عبادت کے لئے یہ تین اسطوانے یعنی ”اسطوانة علم المصلیٰ، اسطوانة عائشة رضی اللہ عنہا“ (مہاجرین) اور اسطوانہ توبہ، خاص اہمیت رکھتے ہیں۔

حضرت سلمہ بن الأكوعؓ کے اس خاص عمل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ صحابہؓ بھی ان مقامات پر نماز پڑھنے کا اہتمام فرماتے تھے، لہذا وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ سارا ”ریاض الجنة“ برابر ہے، اس لئے کسی خاص اسطوانے کی طرف جانے کا اہتمام کرنے کی کوئی حاجت نہیں، حضرت سلمہؓ کے اس عمل سے یہ بات غلط ثابت ہوتی ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرت سلمہؓ خاص طور پر تحریر کر کے اس طرف نماز نہ پڑھتے۔

۵۰۳۔ حدثنا قبيصة قال: حدثنا سفيان، عن عمرو بن عامر، عن أنس قال: لقد

رأيت كبار اصحاب النبي ﷺ يتدرون السواري عند المغرب. وزاد شعبه، عن عمرو، عن

انس: حتی یخرج النبی ﷺ. [أنظر: ۶۲۵]. ۲۰۵

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے بڑے بڑے صحابہ کو پایا کہ وہ مغرب کے وقت جلدی سے ستونوں کے پاس جایا کرتے تھے۔

شعبہ کی روایت میں ہے، یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ نکل آتے یعنی اذان ہو چکی ہوتی اور جب تک آپ ﷺ تشریف نہ لاتے تو صحابہ رضی اللہ عنہم دو رکعت پڑھنے کے لئے جلدی سے ستونوں کے پاس جاتے۔

مقصود بخاری رحمہ اللہ

یہاں اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ عمل بیان کرنا ہے کہ وہ نماز پڑھنے کے لئے ستونوں کی طرف جایا کرتے تھے۔ اس سے پتہ چلا کہ اگر اکیلے نماز پڑھنی ہو تو کسی ستون کی طرف پڑھنی چاہئے تاکہ سترہ ہو جائے۔

”رکعتین قبل المغرب“ میں اختلاف ائمہ

یہاں فقہ کا دوسرا مسئلہ ”رکعتین قبل المغرب“ کا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ”رکعتین قبل المغرب“ مستحب ہیں۔ ۲۰۶

ان کا استدلال اس حدیث سے ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ”رکعتین قبل المغرب“ پڑھا کرتے تھے، دوسری طرف وہ حدیث بھی ان کی دلیل ہے جس میں فرمایا ”بین کل اذانین صلوۃ لمن شاء“۔

حنفیہ کا مسلک

حنفیہ کا جو مشہور منسک بیان کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ مغرب سے پہلے کی دو رکعت مشروع نہیں ہیں بلکہ بعض فقہاء نے ان کو مکروہ قرار دیا ہے اور اس بات سے استدلال کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مغرب کی تحیل کا حکم

۲۰۵ وفی صحیح مسلم، کتاب الصلاة المسافرين وقصرها، باب استحب رکعتین، قبل صلاة المغرب، رقم: ۱۳۸۳،

وسنن النسائی، کتاب الأذان، باب الصلاة بین الأذان والاقامة، رقم: ۶۷۵، وسنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب الصلاة قبل

المغرب، رقم: ۱۰۹۰، ومسند أحمد، باقی مسند المکثرین، باب مسند أنس بن مالک، رقم: ۱۱۸۶۱، ۱۳۴۷۲.

۲۰۶ وتلك الصلاة مستحبة عند الشافعية ومباحة عند أبي حنيفة ومالك كما قرر ابن الهمام في فیض الباری، ج: ۲، ص: ۸۱.

دیا ہے اور ان رکعتوں کا پڑھنا تعجیل مغرب کے خلاف ہے، لہذا وہ اس کی مشروعیت سے انکار کرتے ہیں۔ ۲۰۷

حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے

لیکن علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کراہت کی کوئی دلیل نہیں، اس کے برخلاف حدیث باب سے صراحۃً معلوم ہو رہا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ اس واسطے اگر دو رکعتوں کے برابر تاخیر ہو بھی جائے تو وہ کوئی معتد بہ تاخیر نہیں ہے، لہذا اس کو ناجائز یا مکروہ کہنا درست نہیں۔

قول فیصل

صحیح بات یہ ہے کہ یہ جائز ہیں، البتہ تعجیل مغرب کی فضیلت حاصل کرنا زیادہ بہتر ہے۔ اذان ہوتے ہی نماز پڑھ لینا زیادہ بہتر ہے لیکن اگر کسی وجہ سے تاخیر ہو رہی ہے تو پھر اس وقت دو رکعت پڑھ لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، عام طور پر جو یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ مکروہ ہیں، یہ بات درست نہیں، کیونکہ روایات کے ذریعہ رکعتین قبل المغرب کے استحباب کی نفی تو ثابت ہوتی ہے، لیکن ان کو مکروہ یا بدعت کہنے کا جواز نہیں، حضرت شاہ صاحبؒ یہی فرماتے ہیں۔

حنفیہ کا استدلال دارقطنی اور بیہقی کی ایک روایت سے ہے جس میں ”ان عند کل اذانین رکعتین

ما خلا صلاة المغرب“ آیا ہے۔ ۲۰۸

لیکن ”إلا المغرب“ کا استثناء سنداً کمزور ہے۔ ۲۰۹

۲۰۷۔ قوله وقبل المغرب أى ومنع عن التنفل بعد غروب الشمس قبل صلاة المغرب لما رواه أبو داؤد سنن ابن عمر رضى الله عنهما عن الركعتين قبل المغرب فقال ما رأيت احدا على عهد رسول الله ﷺ يصلهما وهو يقتضى نفى المنذوبية أما ثبوت الكراهية فلا إلا أن يدل دليل آخر وما ذكر من استلزام تأخير المغرب فقد قدمنا عن القنية استثناء القليل والركعتان لا تزيد على القليل اذا تجوز فيهما وفى صحيح البخارى أنه فالصلاة قبل المغرب ركعتين وهو أمر نذب وهو الذى ينبغى اعتقاده فى هذه المسألة والله الموفق، البحر الرائق، ج: ۱، ص: ۲۶۶، وفيض الباری، ج: ۲، ص: ۸۲.

۲۰۸۔ سنن الدارقطنی، باب الحث على الركوع بين الأذانین فی كل صلاة والركعتین قبل المغرب والاختلاف فيه

، رقم: ۱، ج: ۱، ص: ۲۶۳، وسنن البيهقي الكبرى، رقم: ۴۲۷۱، ج: ۲، ص: ۴۷۳.

۲۰۹۔ مزید تفصیل حدیث نمبر ۶۲۵ میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۹۶) باب الصلاة بین السواری فی غیر جماعۃ

اگر اکیلا ہو تو ستونوں کے درمیان نماز پڑھنے کا بیان

یہ باب ہے کہ سواری کے درمیان بغیر جماعت کے نماز پڑھنا، یعنی ابھی جماعت نہیں ہو رہی ہے آدمی تنہا دو ستونوں کے درمیان نماز پڑھنے کھڑا ہو گیا۔

مقصود بخاری رحمہ اللہ

پچھلے باب میں گزرا ہے کہ مستحب ہے کہ آدمی کسی اسطوانہ کی طرف رخ کرے۔ یہاں امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ عام حالات میں تو یہی مستحب ہے کہ آدمی کسی اسطوانہ کی طرف رخ کرے اور دونوں ستونوں کے درمیان کھڑا ہو، جبکہ سامنے سترہ نہ ہو یہ خلاف اولیٰ ہے لیکن جہاں کوئی ایسی جگہ ہو کہ سامنے سے کسی کے گزرنے کا امکان نہ ہو تو پھر اسطوانہ کی طرف رخ کرنا یا دونوں ستونوں کے درمیان کھڑے ہونا، دونوں برابر ہیں، اس لئے کہ کسی کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ نہیں ہے۔

۵۰۴۔ حدثنا موسیٰ بن اسماعیل قال: حدثنا جویریۃ، عن نافع، عن ابن عمر قال: دخل النبی ﷺ البیت و اسامة بن زید، و عثمان بن طلحة، و بلال فاطال ثم خرج، كنت اول الناس دخل علی اثره، فسالت بلالا: ابن صلی؟ قال: بین العمودین المقدمین. [ارجع: ۳۹۷]

چنانچہ اس میں وہ روایت ذکر کی کہ رسول اللہ ﷺ کعبہ شریف میں داخل ہوئے اور دو ستونوں کے درمیان نماز پڑھی۔ ظاہر ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ کعبہ میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ تھے اور آپ کے ساتھ ایک دو صحابی تھے، سامنے سے کسی کے گزرنے کا کوئی امکان نہیں تھا، اس لئے آپ ﷺ نے وہاں بغیر سترہ کے نماز پڑھ لی۔ اس سے پتہ چلا کہ جہاں کسی کے گزرنے کا امکان نہ ہو وہاں دو ستونوں کے درمیان بھی نماز پڑھی جاسکتی ہے۔

صف بین السواری کا حکم

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس میں ”فی غیر جماعۃ“ کا لفظ بڑھا کر مفہوم مخالف کے ذریعے اس طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ جب جماعت ہو رہی ہو تو اس وقت ستونوں کے درمیان صف بنانا کراہت سے خالی نہیں ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مسلک

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مسلک یہی ہے کہ مسجد کے اندر ستونوں کی جگہ صف نہیں بنانی چاہئے بلکہ ستونوں کی جگہ بالکل خالی چھوڑ دینی چاہئے، دو ستونوں کے درمیان صف بنانا امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک مکروہ ہے۔ ۲۱۰

امام بخاری رحمہ اللہ نے بظاہر اس ترجمۃ الباب سے ”غیر جماعة“ کا لفظ بڑھا کر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی تائید کرنا چاہتے ہیں۔

اس کی دلیل حضرت انسؓ کی وہ حدیث ہے جو ترمذی میں آئی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے کسی امیر کے پیچھے نماز پڑھی تو وہاں بہت ہجوم تھا اس کی وجہ سے ہم دو ستونوں کے درمیان صف بنانے پر مجبور ہو گئے۔ بعد میں حضرت انسؓ نے فرمایا ”کنا نتقی هذا على عهد رسول الله ﷺ“ ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں اس عمل سے بچا کرتے تھے یعنی صف بین السواری سے۔ ۲۱۱

جمہور کا مسلک

لیکن جمہور کے نزدیک صف بین السواری میں کوئی کراہت نہیں ہے بشرطیکہ اس سے صف کے سیدھے ہونے میں کوئی فرق نہ پڑے، صف سیدھی ہو، بیچ میں صرف ستون حائل ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حنفیہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ ۲۱۲

جمہور کہتے ہیں کہ حضرت انسؓ نے جو یہ فرمایا کہ ہم نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں اس عمل سے بچا کرتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ مسجد نبوی کے ستون باہم متوازی نہ تھے، ایک سیدھ میں نہ تھے، اس لئے اگر اس میں صف بنائیں گے تو وہ ٹیڑھی ہوگی، اب بھی جا کر دیکھیں مسجد نبوی کے ستون متوازی نہیں ہے۔ یہ ترکوں کی تعمیر کی ہوئی ہے، انہوں نے ستونوں کو اسی جگہ برقرار رکھا ہے جہاں نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں تھے، البتہ اسی جگہ

۲۱۰ المبدع، ج: ۲، ص: ۹۳.

۲۱۱..... عن عبد الحميد بن محمود قال صلينا خلف امير من الأمراء فاضطرونا الناس فصلينا بين السارين فلما صلينا قال انس بن مالك كنا تقى هذا على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وفي الباب عن قرة بن إياس المزني قال ابو عيسى حديث انس حديث حسن صحيح وقد كره قوم من اهل العلم أن يصف بين السواري وبه يقول احمد واسحاق وقد رخص قوم من اهل العلم في ذلك . سنن الترمذی ، باب ماجاء في كراهية الصف بين السواري ، رقم : ۲۲۹ ، ج: ۴۳۳ ، بيروت .

۲۱۲ وقد رخص قوم من اهل العلم في ذلك انتهى..... قال ابن سيد الناس ولا يعرف لهم مخالف في الصحابة ورخص فيه ابو حنيفة ومالك والشافعي الخ ، نيل الأوطار ، ج: ۳، ص: ۲۳۶، واعلاء السنن ، ج: ۴، ص: ۳۸۳.

برقرار رکھتے ہوئے جتنا توازن پیدا کر سکتے تھے، اتنا توازن پیدا کیا ہے۔

تو جب ستون متوازی نہ تھے تو اگر ان میں صف بنائی جاتی تو وہ بھی ٹیڑھی ہوتی، اس واسطے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اس سے پرہیز کرتے تھے، ورنہ اگر ستون متوازی ہو تو فی نفسہ درمیان میں صف بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور کوئی محذور نہیں ہے۔

۵۰۵۔ حدثنا عبد اللہ بن یوسف قال : أخبرنا مالک ، عن نافع ، عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ : ان رسول اللہ ﷺ دخل الکعبة أو أسامة بن زید و بلال و عثمان بن طلحة الحببي فاغلقها عليه ، و مکث فيها ، فسالت بلالا حين خرج : ما صنع البني ﷺ ؟ قال : جعل عمودا عن يساره ، و عمودا عن يمينه ، و ثلاثة اعمدة ورائه ، و كان البيت يومئذ على ستة اعمدة ثم صلی . و قال اسماعيل : حدثني مالک و قال : عمودين عن يمينه . [راجع : ۳۹۷]

حصول تبرک کا حکم

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو دیکھئے کہ کتنے اہتمام سے اس جگہ کا تعین کر رہے ہیں، جہاں نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھی، اس کی اور کیا وجہ ہے، سوائے اس کے کہ وہ جگہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے جسد اطہر سے مس ہوئی ہے! اس سے معلوم ہوا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ سے جس جگہ کو بھی نسبت حاصل ہوئی ہو، اس سے تبرک حاصل کرنا نہ شرک ہے، نہ کفر ہے اور نہ بدعت ہے۔

(۹۸) باب الصلاة الى الراحلة و البعير و الشجر و الرحل

اوٹنی اور اونٹ اور درخت اور کجاوہ کو آڑ بنا کر نماز پڑھنے کا بیان

”راحلة“ کا اطلاق مذکور مؤنث دونوں پر ہوتا ہے لیکن چونکہ اس کے آخر میں ”تاء“ لگی ہوئی ہے جس سے بعض لوگوں کو شبہ ہو سکتا ہے کہ اس سے مؤنث مراد ہوگی، امام بخاری رحمہ اللہ نے باقاعدہ لفظ ”بعير“ بڑھا دیا کہ صرف مؤنث مراد نہیں بلکہ ”بعير“ بھی اس میں داخل ہے۔ آگے جو حدیث آرہی ہے اس میں صراحتہ لفظ ”رحل“ اور ”راحلة“ دونوں کا ذکر ہے، ”بعير“ کو ”راحلة“ پر اور ”شجر“ کو ”رحل“ پر قیاس کیا۔ معلوم ہوا کہ ان سب کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا جائز ہے۔

۵۰۷۔ حدثنا محمد بن أبي بكر المقدمي البصري قال : حدثنا معتمر ، عن عبيد اللہ ، عن نافع ، عن ابن عمر عن النبي ﷺ أنه كان يعرض راحلته فيصلی اليها . قلت :

افرايت اذا هبت الركاب؟ قال: كان يأخذ الرجل فيعد له فيصلى الى آخرته، أو قال مؤخره و كان ابن عمر رضى الله عنهما يفعله. [راجع: ۴۳۰]

اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے کہ ”اُنہ کان یعرّض راحلته“ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت یہ تھی کہ آپ اپنی راحلہ کو عرضاً سامنے رکھتے تھے ”فیصلی الیہا“۔

تشریح حدیث میں شراح کے اقوال

قلت: افرايت اذا هبت الركاب؟ اس جملہ کی شراح حدیث نے جس طرح تشریح کی ہے اس سے کوئی مفہوم واضح نہیں ہوتا۔

عام شراح حدیث کا قول

شراح نے یہ تشریح کی ہے کہ ”ہبت“ کے معنی ہیں سواری یعنی ”ناقة“ کا حرکت کرنا اور سوال کا منشأ یہ ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی کو بٹھا کر نماز پڑھتے تھے تو اونٹ تو بے عقل ہے اگر وہ کوئی حرکت شروع کر دے، ہلنا جلنا شروع کر دے یا کھڑا ہو جائے تو اس سے تشویش واقع ہوگی۔

اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ ایسی صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس رحل کو سترہ بنا لیتے تھے، اکثر شراح نے جن میں حافظ ابن حجر، علامہ یعنی اور علامہ قسطلانی رحمہم اللہ بھی شامل ہیں انہوں نے یہ مطلب بیان کیا ہے۔ لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جب اونٹنی حرکت کرنے لگتی ہے تو کجاوہ کو اٹھا کر سترہ بنا لیتے، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کجاوہ اٹھا کر سامنے رکھتے تھے یا اس کی کیا صورت تھی؟ بات واضح نہیں ہوتی۔

یا یوں کہیں کہ شروع سے ہی ”بعیر“ کی طرف رخ نہیں کرتے تھے اور کجاوہ اتار کر رکھ کر اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے تو یہ جملہ روایت کے خلاف ہے اور اگر کہیں کہ عین نماز کی حالت میں جب اس نے حرکت شروع کر دی پھر رحل سامنے رکھیں گے تو سوال یہ ہے کہ رحل کہاں سے اٹھائیں گے اور کیسے رکھیں گے؟ شراح میں سے کسی نے بھی یہ ذکر نہیں کیا کہ اس پر کیسے عمل ہو سکتا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا قول

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس اللہ سرہ اپنے والد ماجد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا یہاں ”ہبت“ کا ترجمہ کرنے میں شراح سے غلطی ہوئی ہے۔

شرح نے ”ہبت“ کا ترجمہ کیا ہے ”اوپنی حرکت کرنے لگے“ یہ معنی صحیح نہیں ہیں کیونکہ اس صورت میں کجاوہ کو سامنے رکھنے اور سترہ بنانے کے کوئی معنی نہیں بنتے لہذا وہ کہتے ہیں کہ یہاں ”ہبت“ کا معنی ہے ”چلے جانا“ جب شاعر نے کہا ہے: ”إلا أبها الركب النيام ألا هبوا“ معنی ہیں روانہ ہو جاؤ۔ ”ہب“ (ن) کے معنی ہیں روانہ ہو جانا۔

تو سوال کرنے والا یہ سوال کر رہا ہے کہ آپ نے جو کہا کہ آپ ﷺ اونٹ کو اپنے سامنے عرضاً بٹھا کر جنگل یا سفر وغیرہ میں سترہ بنا کر نماز پڑھتے تھے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اونٹ وغیرہ کو چرنے کے لئے چھوڑ دیتے تھے جیسا کہ چھوڑا جاتا ہے تو پھر کس چیز کو سترہ بناتے تھے؟

انہوں نے فرمایا کہ جب جانوروں کو چرنے کے لئے چھوڑ دیتے تو ان پر سے کجاوہ اتار کر اسے سترہ بنا کر نماز پڑھتے تھے۔ ”اذا هبت الركاب“ کا صحیح مطلب یہ ہے۔

”قلت“: میں نے پوچھا ”اذا هبت الركاب؟“ جب سواریاں چرنے کے لئے جائیں تو پھر کیا ہوتا؟ انہوں نے فرمایا ”كان يأخذ الرحل“ آپ ﷺ ان کے کجاوے لے لیتے تھے، ”فيعذله“ اس کو برابر کرتے ”فیصلي الى آخرته“۔

اس کا صحیح تلفظ ”أَخْرَتِهِ“ [بفتحات ثلاثہ] بعض نے ”آخِرَتِهِ“ کہا ہے جو لغت کے اعتبار سے بن تو جاتا ہے لیکن ایک تو ”أَخْرَ“ کی روایت زیادہ قوی ہے، دوسرا لفظ بھی وہ معنی زیادہ واضح ہیں۔

”أَخْرَتِهِ“ اس کا پچھلا حصہ ”أَوْ قَالَ مُؤَخَّرَهُ“ وکان ابن عمر یفعله“ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما خود بھی ایسا کرتے تھے کہ کجاوہ کے پچھلے حصہ کو سامنے رکھ کر نماز پڑھتے تھے۔

(۹۹) باب الصلاة الى السرير

تخت کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا بیان

۵۰۸۔ حدثنا عثمان بن ابی شیبۃ قال: حدثنا جریر، عن منصور، عن ابراهیم،

عن الاسود، عن عائشة قالت: أعدتُمونا بالکلب والحمار؟ لقد رأيتنی مضطجعة علی

السریر فیجنی النبی ﷺ فیتوسط السریر فیصلی فأکره أن أستحہ فانسل من قبل رجلی

السریر حتی انسل من لحافی. [راجع: ۳۸۰]

عورت کے گزرنے سے نماز کا حکم

آگے کئی ابواب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک بات کو باز بار دہرایا ہے، دراصل وہ اس موقف سے

بڑے ناراض ہیں کہ عورت کیسے نماز قطع کر دیتی ہے؟ اس کی تردید میں باب کے باب باندھتے چلے جا رہے ہیں۔ یہاں بھی ایسی ہی حدیث لائے ہیں کہ آپ ﷺ نے سریر کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی، معلوم ہوا کہ سریر کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا جائز ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سریر پر لیٹی ہوئی تھیں، تو عورت سامنے موجود ہے، پھر بھی نماز کو قطع نہیں کیا۔

”اعدلتمونا بالکلب و الحمار“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ تم نے ہمیں کتے اور گدھے کے برابر کر دیا کہ کہتے ہو کہ کتے، گدھے اور عورت کے گزرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے، حالانکہ ”لقد رأيتني مضطجعة على السرير فيجئ النبي ﷺ فيتوسط السرير فيصلي فأكبره أن اسنحه فأنسل من قبل رجلي السرير حتى أنسل من لحافی“ تو میں اس بات کو برا سمجھتی تھی کہ میں آپ ﷺ کے سامنے آ جاؤں۔ (اسنح) ”سنح - یسنح“ کے معنی ہیں پیش آنا، سامنے آنا۔ میں اس بات کو برا سمجھتی تھی کہ میں آپ ﷺ کے سامنے لیٹی رہوں اور آپ ﷺ نماز پڑھ رہے ہوں، اس لئے میں اپنے لحاف سے چار پائی کے پائنتی کی جانب سے کھسک جاتی تھی۔

(۱۰۰) باب : یرد المصلی من مر بین یدیه

نماز پڑھنے والے کو چاہیے کہ جو شخص اسکے سامنے سے گزرے تو اسے روک دے
ورد ابن عمر فی التشهد، وفي الكعبة و قال: إن أبی إلا أن تقاتله قاتله.

نمازی کے سامنے سے گزرنے کو روکنے کا حکم

یہ باب قائم کیا ہے کہ مصلی کو سامنے سے گزرنے والے کو پیچھے کر دینا چاہئے، لوٹا دینا چاہئے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کعبہ کے اندر نماز کی حالت میں تشہد میں بیٹھے ہوئے سامنے سے گزرنے والے ایک شخص کو ہاتھ بڑھا کر پیچھے کر دیا۔ اس سے اشارہ کیا کہ ان کے خیال کے مطابق مسجد حرام میں بھی سترہ کا اہتمام کرنا چاہئے۔
”وقال: ان أبی إلا أن تقاتله قاتله“ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اگر کوئی آدمی پھر بھی نہ مانے، مگر لڑائی کے ذریعہ سے تو اس سے لڑائی کر۔

۵۰۹۔ حدثنا ابو معمر قال: حدثنا عبد الوارث قال: حدثنا یونس، عن حمید ابن

ہلال، عن أبی صالح أن أبا سعید قال: قال النبی ﷺ ح.

و حدثنا آدم قال: حدثنا سلیمان بن المغيرة قال: حدثنا حمید بن ہلال العدوی

قال: حدثنا ابو صالح السمان قال: رأيت أبا سعید الخدری فی يوم الجمعة یصلی الی شیء

یسترہ من الناس، فأراد شاب من بنی الی معیط أن یجتاز بین یدیه، فدفع أبو سعید فی صدره فنظر الشاب فلم یجد مساعاً الا بین یدیه، فعاد لیجتاز فدفعه أبو سعید أشد من الأولى فنال من أبی سعید، ثم دخل علی مروان فشکا إلیه ما لقی من أبی سعید، ودخل أبو سعید خلفه علی مروان. فقال: ما لك ولابن اخیک یا أبا سعید؟ قال: سمعت النبی ﷺ یقول: "إذا صلی أحدکم إلی شیئی یستره من الناس فأراد أحد أن یجتاز بین یدیه، فلیدفعه فان وأبی فلیقاتله فانما هو شیطان". [أنظر: ۳۲۸۴] ۲۱۳

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، اس کے الفاظ میں "فلیقاتله فانما هو شیطان" کہ سامنے سے گزرنے والا نہ مانے تو اس سے لڑائی کر، اس لئے کہ وہ شیطان ہے۔

فلیقاتله کی صحیح تشریح

"فلیقاتله" کے معنی ہیں اس کو دل میں برا سمجھو اور روکنے کی جتنی استطاعت ہے اس کو روکے اور مبالغہ کرنا مقصود ہے تاکہ گزرنے والے کو یہ احساس ہو کہ یہ ایسا عمل ہے جس پر لڑائی بھی جائز ہے۔
خفیہ کہتے ہیں کہ ہم باوجود ان روایات کے یہ کہہ رہے ہیں کہ ایسا نہ کرو، اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیت ہے "وقوموا للہ قانتین" اس میں "قانتین" کے معنی ہیں ساکت کھڑے رہو اور نماز میں جتنی کم حرکتیں ہوں، اتنا ہی اچھا ہے۔

تو قرآن کریم کی آیت قطعی ہے اور یہ اخبار آحاد ہیں، اس لئے ان کے ذریعے آیت پر زیادتی نہیں ہو سکتی، لہذا حدیث سے جو ظاہری مفہوم سمجھ میں آرہا ہے، وہ مراد نہیں ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ کوئی شخص اگر دوسرے کے گھر میں جھانکے تو اس کی آنکھ پھوڑ دو، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خنجر لے کر اس کی آنکھ میں گھونپ دو، بلکہ اس عمل کی شاعت کی طرف اشارہ ہے کہ یہ عمل اس لائق ہے کہ اگر ایسا کر دیا جائے تو نا

۲۱۳ وفی صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب منع الماربین یدی المصلی، رقم: ۷۸۳، وسنن النسائی، کتاب القبلة، باب التشدید فی المرور بین یدی مصلی و بین ستره، رقم: ۷۳۹، وکتاب القسامۃ، باب من القص وأخذ حقہ دون السلطان، رقم: ۷۷۷۹، وسنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب ما یؤمر المصلی أن یدرأ عن الممر بین یدیه، رقم: ۵۹۸، وسنن ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلاة والسنة فیها، باب ادراً ما استطعت، رقم: ۹۳۳، ومسند احمد، باقی مسند المکثرین، باب مسند أبی سعید الخدری، رقم: ۱۰۸۷۲، ۱۰۹۶۷، ۱۱۰۳۳، ۱۱۱۱۵، ۱۱۱۷۹، ۱۱۳۵۳، وموطأ مالک، کتاب النہد للصلاة، باب التشدید فی أن یمر أحد بین یدی المصلی، رقم: ۳۲۸، وسنن الدارمی، کتاب الصلاة، باب فی دنو المصلی إلی السترة رقم: ۱۳۷۵.

انصافی نہ ہوگی۔

اسی طرح یہاں یہ معنی ہیں کہ نمازی کے سامنے سے گزرنا ایسا عمل ہے کہ اگر گزرنے والے سے لڑائی یا قتال کیا جائے، تو یہ نا انصافی نہیں ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر آدمی دوسرے پر چڑھ دوڑے۔ اس تشریح سے ان روایات کی ”و قوموا للہ فانتین“ کے ساتھ تطبیق ہو جاتی ہے۔ ۲۱۴

بعض فقہاء کی رائے

بعض فقہاء نے اس حدیث کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر کوئی آدمی نمازی کے سامنے سے گزر رہا ہے تو وہ اس کو روکے، اگر وہ نہ رکے تو اس کو پیچھے سے مارے اور اگر پھر بھی نہ رکے تو باقاعدہ اس پر حملہ کر دے۔ اس پر کلام کیا ہے کہ اگر حملہ میں موت واقع ہو جائے تو قصاص بھی نہیں ہے کیونکہ اس نے ایک حدیث پر عمل کرتے ہوئے یہ عمل کیا ہے۔ ۲۱۵

حنفیہ کا مسلک

حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بے خبری میں سامنے سے گزر رہا ہے اور اس کو نمازی کا علم نہیں ہے تو نمازی کو چاہئے کہ وہ تھوڑا سا جہر کر دے یعنی قرأت میں تھوڑا سا جہر کر دے تاکہ گزرنے والے کو تنبیہ ہو جائے اور وہ رک جائے، بعض نے کہا کہ سبحان اللہ کہہ دے، اس کی بھی اجازت ہے، لیکن عملی طور پر روکنے کو حنفیہ مشروع نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ یہ یا تو اس وقت کی روایت ہے جب نماز میں عمل کثیر ممنوع نہیں تھا اور یا یہ مبالغہ پر محمول ہے۔ ۲۱۶

حضرت ابوسعیدؓ نے یہی عمل کیا کہ سامنے سے آدمی گزر رہا تھا، اس کے سینے پر مار ”افنال من ابی سعید، فال منہ“ کے معنی ہیں برا بھلا کہنا۔ یعنی ابوسعیدؓ نے جس شخص کو مارا تھا اس نے ابوسعید کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔

یہ بات مروان کے پاس پہنچی، مروان نے پوچھا تو انہوں نے یہ حدیث پیش کی۔
اگر کوئی نماز میں ایسا عمل کرے تو نماز فاسد نہیں ہوگی اور اس کو ناجائز بھی نہیں کہیں گے، کیونکہ بہر حال

۲۱۴ فیض الباری، ج: ۲، ص: ۸۳۔

۲۱۵ من اراد التفصیل فلیراج: عمدة القاری، ج: ۳، ص: ۵۹۲، وفتح الباری، ج: ۱، ص: ۵۸۲، واعلاء السنن،

ج: ۵، ص: ۹۲ - ۸۷۔

۲۱۶ فیض الباری، ج: ۲، ص: ۸۳۔

حدیث میں آیا ہے۔ البتہ خفیہ کہتے ہیں کہ ”قوموا اللہ قانتین“ کے مطابق کھڑے رہیں تو زیادہ اچھا ہے۔

(۱۰۱) باب اثم المار بین یدی المصلی

نماز پڑھنے والے کے سامنے گزرنے والے کا بیان

۵۱۰۔ حدثنا عبد اللہ بن یوسف قال: أخبرنا مالک عن أبي النضر مولى عمر بن عبد اللہ، عن بسر بن سعيد ان زيد بن خالد أرسله الى أبي جهيم يسأله: ما ذا سمع من رسول اللہ ﷺ في المار بين یدی المصلی، فقال ابو جهيم: قال رسول اللہ ﷺ: ”لو يعلم المار بين یدی المصلی ما ذا عليه لكان أن يقف أربعين خيرا له من أن يمر بين یدیه.“ قال ابو النضر: لا أدري قال: أربعين يوما أو شهرا أو سنة. ۲۷

مرور بین المصلی سے بچنا چاہئے

”مرور بین المصلی“ کے بارے میں آپ ﷺ نے کتنی تاکید فرمائی ہے اور عام لوگ اس کا بڑا اہتمام کرتے ہیں کہ کوئی نمازی کے سامنے سے نہ گزرے، اگر کوئی گزر جائے تو خوب ملامت کا نشانہ بنتا ہے۔ مگر افسوس کہ بہت سے طلبہ اس کا اہتمام نہیں کرتے اور اسے معمولی بات سمجھ کر اس کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں۔

عام لوگوں کی مساجد میں وہ غلطیاں نہیں ہوتیں جو یہاں ہوتی ہیں۔ امام صاحب آخر وقت تک کہتے کہتے تھک جاتے ہیں کہ صف سیدھی کر لو اور دونوں طرف فاصلہ برابر رکھو، لیکن ہوتا یہ ہے کہ لوگ پیچھے سے آئیں گے اور ایک کنارے میں کھڑے ہو جائیں گے، معلوم ہوا کہ صف بائیں طرف چل رہی ہے کسی اور مسجد میں یہ منظر نظر نہیں آتا، کتنے افسوس کی بات ہے۔

خفیہ کے ہاں لکیر کھینچنا مسنون نہیں ہے لیکن حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں جبکہ بہت مجبوری ہو، کیونکہ حدیث میں ہے ”فلیخط خطا“ کسی صحرا وغیرہ میں جہاں سترہ نہ ہو ایسا کرے لیکن مسجد کے اندر کسی خط وغیرہ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

ایک صورت یہ ہے کہ کوئی آدمی خود سترہ بن جائے جیسے یہاں طالب علم بعض اوقات ایسا کرتے ہیں، اللہ ﷻ ان کو جزائے خیر دے کہ وہ خود کھڑے ہو جاتے ہیں تاکہ لوگ سامنے سے گزر جائیں، یہ ٹھیک ہے اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر ہاتھ میں رومال ہے، رومال لٹکا کر گزر جائے یہ بھی جائز ہے۔ ۲۸

(۱۰۲) باب استقبال الرجل الرجل و هو یصلی

نماز پڑھنے کی حالت میں ایک شخص کا دوسرے شخص کی طرف منہ کرنے کا بیان
و کرہ عثمان أن یستقبل الرجل و هو یصلی ، وإنما هذا اذا اشتغل به ، فاما اذا لم
یشتغل فقد قال زید بن ثابت ، ما بالیث إن الرجل لا یقطع صلاة الرجل .

۵۱۱۔ حدثنا اسماعیل بن خلیل : حدثنا علی بن مسهر ، عن الأعمش ، عن مسلم ،
عن مسروق ، عن عائشة أنه ذکر . عندها ما یقطع الصلاة فقالوا : یقطعها الکلب و الحمار
و المرأة . قالت : لقد جعلتمونا کلابا ، لقد رأیت النبی ﷺ یصلی وانی لبینه و بین القبلة
و انا مضطجعة علی السریر فتكون لی الحاجة و أکره أن أستقبله فانسل إنسلالا .
و عن الأعمش ، عن إبراهیم ، عن الأسود عن عائشة نحوه . [راجع : ۳۸۲]
یہ باب قائم کیا ہے کہ مرد کا مرد کے سامنے آنا جبکہ دوسرا آدمی نماز پڑھ رہا ہے۔

نمازی کی طرف رخ کرنا جائز نہیں

اس میں اس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ جس طرح مصلیٰ کے سامنے سے مرونا جائز ہے اسی
طرح اس کی طرف رخ کر کے کھڑا ہونا بھی جائز نہیں ہے۔
بعض نادان شناس یہ کرتے ہیں کہ دیکھا پیچھے کوئی نماز پڑھ رہا ہے تو چاہئے کہ بیٹھا رہے جب تک کہ وہ
فارغ نہ ہو جائے لیکن یہ اس طرح انتظار کرتے ہیں کہ مصلیٰ کی طرف رخ کر کے کھڑے ہو جاتے ہیں ، یہ بہت
بری بات ہے ، اس سے بہتر ہے کہ آدمی بیٹھا رہے۔ ”و کرہ عثمان“ الخ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ بات مکروہ
سمجھی ہے کہ کوئی شخص دوسرے کا استقبال کرے اور وہ حالت نماز میں ہو۔

آگے امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اسی حدیث سے استدلال کیا ہے جو پہلے
گزی ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ میں آپ ﷺ کے سامنے آنا پسند نہ کرتی تھی اور جب میں سریر سے نیچے جانا چاہتی تھی تو
کھسک جاتی تھی تاکہ میں آپ ﷺ کا رخ کر کے سامنے سے نہ اتروں۔ معلوم ہوا کہ سامنے رخ کرنا درست نہیں۔

مذکورہ مسئلہ میں امام بخاریؒ کی رائے

آگے امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک قید لگا دی ”و انما هذا اذا اشتغل به“ یعنی استقبال اس وقت
ناجائز ہے جب مصلیٰ اس کھڑے ہونے والے کے ساتھ مشغول ہو جائے یعنی اس کا ذہن اس کی طرف سے

مشوش ہو جائے ”فاما اذا لم يشتغل“ لیکن اگر کھڑے ہوئے شخص سے اس کے دل میں کوئی تشویش نہ پیدا ہو تو ”فقد قال زید بن ثابت: ما بالیت ان الرجل لا یقطع صلاة الرجل“ مرد دوسرے مرد کی نماز قطع نہیں کرتا۔ اس سے پتہ چلا کہ اگر اس کا خشوع فوت نہیں ہوتا تو پھر کوئی حرج نہیں۔

دوسرے فقہاء کی رائے

یہ امام بخاری رحمہ اللہ کی اپنی رائے ہے، جن احادیث سے وہ استدلال کر رہے ہیں ان میں کہیں بھی اس قسم کی قید نہیں ہے، لہذا دوسرے فقہاء نے امام بخاری رحمہ اللہ سے اختلاف کیا ہے اور کہا ہے کہ استقبال ہر صورت میں ناجائز ہے۔ ۲۱۹

بعض اوقات کسی عالم کے ساتھ محافظین ہوتے ہیں، آج کل علماء کے لئے یہ لازم بن گیا ہے کہ ایک مسلح آدمی ان کے ساتھ ہوتا ہے، بعض اوقات وہ محافظ حفاظت کی خاطر بالکل مصلیوں کی طرف رخ کر کے کھڑا ہو جاتا ہے۔

عام حالات میں یہ جائز نہیں ہے، لیکن اگر ضرورت شدیدہ ہو تو پھر مستثنیٰ ہے، رہی یہ بات کہ کہاں ضرورت شدیدہ ہے؟ اور کہاں نہیں ہے یہ واقعہ کا مسئلہ ہے۔

(۱۰۶) باب اذا حمل جارية صغيرة على عنقه في الصلاة

حالت نماز میں چھوٹی لڑکی کو اپنی گردن پر اٹھانے کا بیان

۵۱۶۔ حدثنا عبد الله بن يوسف قال: أخبرنا مالك، عن عامر بن عبد الله بن الزبير، عن عمرو بن سليم الزرقی عن أبي قتادة الأنصاري أن رسول الله ﷺ كان يصلي و هو حامل أمامة بنت زينب بنت رسول الله ﷺ ولأبى العاص بن ربيعة بن عبد شمس، فاذا سجد وضعها وإذا قام حملها. [أنظر: ۵۹۹۶] ۲۲۰

۲۱۹۔ لم الاستقبال المذكور مكروه عندنا مطلقاً بدون تفصيل الإشتغال وعدمه و فرق المصنف بالإشتغال وعلمه الخ، لفيض الباری، ج: ۲، ص: ۸۵.

۲۲۰۔ وفي صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب جواز حمل الصبيان في الصلاة، رقم: ۸۳۳، و سنن النسائي، كتاب السهو، باب حمل الصبا في الصلاة ووضعهم في الصلاة، رقم: ۱۱۹۰، و سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب العمل في الصلاة، رقم: ۷۸۲، و مسند احمد، باقي مسند الأنصار، باب حديث أبي قتادة الأنصاري، رقم: ۲۱۳۸۱، ۲۱۵۳۳، ۲۱۵۹۳، و موطأ مالك، كتاب النداء للصلاة، باب جامع الصلاة، رقم: ۳۷۲، و سنن الدارمي، كتاب الصلاة، باب العمل في الصلاة، رقم: ۱۳۲۶.

حضرت ابوقادہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھا کرتے تھے، اس حالت میں کہ آپ ﷺ نے اپنی صاحبزادی زینب کی بیٹی امامہ بنت زینب کو اٹھایا ہوا ہوتا تھا۔

”ولابی العاص“ الخ اس کا عطف ”بنت زینب“ پر ہے کہ امامہ حضرت زینب اور ابوالعاص بن ربیعہ کی بیٹی تھیں۔ ابوالعاص بن ربیعہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر تھے۔

”فاذا سجد وضعها“ جب آپ سجدے میں جاتے تو ان کو اتار دیتے اور جب کھڑے ہوتے تو اٹھا لیتے، اس طرح سے حضرت امامہ کو اٹھا کر حضور ﷺ کا نماز پڑھنا اس حدیث سے ثابت ہے۔

حدیث سے استدلال بخاری

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اگر کوئی شخص جاریہ صغیرہ کو اپنی گردن پر رکھ کر نماز پڑھ لے تو نماز میں کوئی حرج نہیں۔

جس سیاق سے امام بخاری رحمہ اللہ یہ حدیث لائے ہیں، اس سے مقصود اسی بات کی تردید ہے کہ عورت کے سامنے ہونے سے نماز نہیں ٹوٹی، کیونکہ کہہ رہے ہیں جب گردن پر سوار کر لیا تو یہ اس بات سے اشد ہے کہ عورت سامنے سے گزر جائے، اس واسطے یہ حدیث یہاں لائے، ورنہ یہ اس کا محل نہ تھا۔ اس کا محل وہ ہے جہاں نماز کے افعال کا بیان ہوتا ہے۔ یہاں لانے کا منشا یہی ہے کہ جب بچی کو اٹھانے سے نماز فاسد نہیں ہوتی تو سامنے سے گزرنے سے بھی نہیں ہوتی۔

بچہ کو اٹھا کر نماز پڑھنے کا حکم

ساتھ ہی اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے یہ مسئلہ بھی بیان کر دیا کہ بچہ کو اٹھا کر نماز پڑھنا ثابت ہے، لہذا یہ عمل جائز ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے دو پہلو ہیں:

ایک پہلو یہ ہے کہ بچہ کے ناپاک ہونے کا احتمال ہوتا ہے۔ اس کے باوجود آپ نے اٹھایا۔ معلوم ہوا کہ اگر بچے کے اوپر ناپاکی لگنے کا یقین نہ ہو یا ظن غالب نہ ہو تو اس کو پاک تصور کر لینا درست ہے۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ بچہ کو نماز کے اندر اٹھانا اور پھر اتار دینا، یہ ایسا عمل ہے کہ جو نماز کے لئے مفسد

نہیں ہے۔ ۲۲۱

دوسرے فقہاء تو یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث سے بھی یہ پتہ چل رہا ہے کہ مصلیٰ کا اتنا عمل جائز ہے۔ خود حنفیہ نے یہ مسئلہ لکھا ہے کہ اگر ماں نماز کے دوران بچہ کو اٹھا کر دودھ پلائے تو نماز فاسد ہو جائے گی، لیکن اگر دودھ نہ پلائے، ویسے ہی اٹھالے، تو نماز درست ہے۔ صاحب بدائع نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے اور اس واقعے کو بیان جواز پر محمول کیا ہے۔ ۲۲۲

اشکال

یہاں اشکال یہ ہوتا ہے کہ عام حالات میں یہ عمل عمل کثیر کو مستزہم ہے، کیونکہ عمل کثیر کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ ایسا عمل جس کو دیکھ کر دوسرا آدمی یہ سمجھے کہ یہ نماز میں نہیں ہے۔ اب یہاں بچے کو اٹھا رہے ہیں، بٹھا رہے ہیں، پھراتا رہے ہیں، یہ عمل عمل کثیر ہے، تو مفسد صلوٰۃ کیوں نہ ہو؟

جواب

اس کے بارے میں تین موقف اختیار کئے گئے ہیں:

ایک: یہ کہ عام حالات میں عمل کثیر مفسد صلوٰۃ ہوتا ہے، لیکن چونکہ اس جگہ یہ حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہو گیا، اس لئے یہ عمل مفسد نہیں، یہ متشبیٰ ہے۔

دوسرا: موقف بعض حضرات نے یہ اختیار کیا ہے کہ یہ واقعہ عمل کثیر کے مفسد ہونے سے پہلے کا ہے، بعد میں حضور ﷺ کے ارشاد ”ان الصلوٰۃ لشغلاً“ یا آیت ”وقوموا للہ فانتین“ نے اسے منسوخ کر دیا۔

تیسرا: موقف علامہ خطابی رحمہ اللہ نے یہ اختیار کیا ہے کہ حقیقت میں حدیث کے ظاہری الفاظ سے جو منظر نظر آ رہا ہے اس میں یہ صورتحال نہ تھی کہ آپ ﷺ خود اٹھا کر کندھے پر بٹھا رہے ہیں، پھراتا رہے ہیں، بلکہ ایسا ہوتا ہوگا کہ جب نبی اکرم ﷺ سجدہ میں گئے تو بچی خود ہی آ کر کندھے پر بیٹھ گئی، اسی حالت میں آپ ﷺ کھڑے ہو گئے، پھر جب سجدہ میں گئے تو وہ اتر گئی اور بچے بکثرت ایسا کرتے ہیں۔

لیکن علامہ نووی اور علامہ عینی رحمہما اللہ نے اس کی تردید کی ہے، کیونکہ صحیح مسلم میں الفاظ ہیں کہ ”فإذا

۲۲۲ واذا قام حملها۔ وقد اُجيب عنه بأجوبة منها ما ذكر الشارح أنه منسوخ مما ذكره من الحديث وهو مردود بأن حديث إن في الصلاة لشغلاً كان قبل الهجرة وقصة امامة بعدها.

ومنها ما في البدائع أنه لم يكره منه ذلك لأنه كان محتاجاً إليه لعدم من يحفظها أو للتشريع بالفعل أن هذا غير مفصلة ومثله أيضاً في زماننا لا يكره لواحد منا فعله عند الحاجة أما بدونها مكره. حاشية ابن عابدين، ج: ۱، ص: ۶۵۳، دار الفكر، بيروت، وعمدة القاری، ج: ۳، ص: ۶۰۶.

قام حملها“ اور ”فإذا رفع من السجود أعادها“ ۲۲۳

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عمداً آپ ﷺ نے ان کو اٹھایا اور رکھا۔ لہذا علامہ عینی رحمہ اللہ نے اسی کو رائج قرار دیا ہے کہ اس بچی کا دوسرا کوئی نگران اس وقت موجود نہ تھا، اسی لئے آپ ﷺ نے ایسا کیا تا کہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ اس حالت میں نماز درست ہو جاتی ہے اور بچی کو ایک ہاتھ سے اٹھانا اور اتارنا عمل کثیر کے بغیر بھی ایک ہاتھ سے ممکن ہے۔ ۲۲۴

بعض حضرات نے اسے نقلی نماز پر محمول کیا ہے، لیکن علامہ عینی رحمہ اللہ نے سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کی ایک روایت نقل کی ہے جس سے نماز باجماعت میں ایسا کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔ ۲۲۵

(۱۰۹) باب المرأة تطرح عن المصلي شيئا من الأذى

اس امر کا بیان کہ عورت نماز پڑھنے والے کے جسم سے ناپاکی کو دور کرے

۵۲۰۔ حدثنا أحمد بن إسحاق السورماری قال : حدثنا عبيد الله بن موسى

قال : حدثنا إسرائيل عن أبي إسحاق عن عمرو بن ميمون ، عن عبد الله قال : بينما رسول الله ﷺ قائم يصلي عند الكعبة وجمع من قريش في مجالسهم : إذ قال قائل منهم : ألا تنظرون إلى هذا المرأى ؟ أيكم يقوم إلى جزور آل فلان فيعمد إلى فرثها ودمها وسلاها فيسجي به ثم يمهل حتى إذا سجد وضعه بين كتفيه ؟ فأنبعث أشقاهم ، فلما سجد رسول الله ﷺ وضعه بين كتفيه وثبت النبي ﷺ ساجداً فضحكوا حتى مال بعضهم إلى بعض من الضحك . فأنطلق منطلق إلى فاطمة وهي جويرة فأقبلت تسمي وثبت النبي ﷺ ساجداً حتى القته عنه ، وأقبلت عليهم تسبهم ، فلما قضى رسول الله ﷺ الصلوة قال : ((اللهم عليك بقريش اللهم عليك بقريش)) ثم سمي : ((اللهم عليك بعمر بن هشام ، وعتبة بن ربيعة ، وشيبة بن ربيعة ، والوليد بن عتبة ، وأميه بن خلف ، وعقبة بن أبي معيط ، وعمارة بن الوليد)) . قال عبد الله : فوالله لقد رأيتهم صرعى يوم بدر ، ثم سحوا إلى القلب قلب بدر ، ثم قال

۲۲۳ فإذا ركع وضعها وإذا رفع من السجود أعادها ، صحيح مسلم ، كتاب المساجد ومواضع الصلاة ، باب جواز

حمل الصبيان في الصلاة ، رقم : ۵۲۳ ، ج : ۱ ، ص : ۳۸۵ .

۲۲۴ عمدة القاری ، ج : ۳ ، ص : ۶۰۶ .

۲۲۵ صحيح مسلم ، كتاب المساجد ومواضع الصلاة ، باب جواز حمل الصبيان في الصلاة ، رقم : ۵۲۳ ، ج : ۱ ، ص : ۳۸۵ .

رسول اللہ ﷺ : ((وَاتَّبِعْ أَصْحَابَ الْقَلِيبِ لَعْنَةُ)) . [راجع : ۲۴۰]

اصحاب قلیب کے پیچھے لعنت لگا دی گئی یعنی اللہ بچائے لعنت ان کا جزو بدن بن گئی۔

یہاں یہ حدیث لائے ہیں اور ترجمہ الباب قائم فرمایا ہے ”باب المرأة تطوع عن المصلي شيئا من الاذى“ کہ عورت کے لئے جائز ہے کہ وہ مرد مصلی کے سامنے سے کوئی تکلیف دہ چیز گندگی وغیرہ ہٹائے، جیسا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ہٹائی۔ مقصد یہ ہے کہ اس طرح عورت کے سامنے آنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

كتاب حواقيت الصلاة

٥٢١ - ٦٠٢

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

٩- كتاب مراقبت الصلاة

(١) باب مواقيت الصلوة وفضلها،

نماز کے اوقات اور ان کی فضیلت کا بیان

وقوله : ﴿إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا﴾ [النساء : ١٠٣]

موقتاً وقتہ علیہم .

۵۲۱ - حدثنا عبد الله بن مسلمة قال : فرأت علي مالک ، عن ابن شهاب أن

عمر ابن عبد العزيز آخر الصلاة يوما ، فدخل عليه عروة بن الزبير فأخبره أن المغيرة بن شعبه أخر الصلاة يوما وهو بالعراق فدخل عليه أبو مسعود الأنصاري فقال : ما هذا يا مغيرة؟ أليس قد علمت أن جبريل صلوات الله وسلامه عليه نزل فصلى ، فصلى رسول الله ﷺ ، ثم صلى فضلي رسول الله ﷺ ، ثم صلى فضلي رسول الله ﷺ ، ثم صلى فضلي

رسول اللہ ﷺ، ثم صلى فصلى رسول الله ﷺ. ثم قال: "بهذا أمرت". فقال عمر لعروة: أعلم ما تحدث به، وإن جنريل هو أقام لرسول الله وقت الصلاة؟ قال عروة: كذا لك كان بشير بن أبي مسعود يحدث عن أبيه. [أنظر: ۳۲۲۱، ۳۰۰۷]

۵۲۲۔ قال عروة ولقد حدثني عائشة ان رسول الله ﷺ كان يصلى العصر والشمس فى حجرتها قبل ان تظهر. [أنظر: ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۳۱۰۳]

”باب مواقیت الصلوٰۃ و فضلها“ اور بعض نسخوں میں عنوان اس کے برعکس ہے، یعنی ”کتاب مواقیت الصلوٰۃ و فضلها“، ”باب مواقیت الصلوٰۃ“ اور بعض نسخوں میں اس طرح ہے جیسے یہاں لکھا ہوا ہے ”کتاب مواقیت الصلوٰۃ، باب مواقیت الصلوٰۃ و فضلها“ دونوں نسخے اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔

ترجمة الباب کا مقصد

اس میں دو باتیں بیان کرنی مقصود ہیں:

(۱) نماز کے مواقیت

(۲) نماز کی فضیلت، خاص طور پر ان مواقیت کی فضیلت۔ ”فضلها“ کی ضمیر کے بارے میں بیشتر شراح نے کہا ہے کہ ”مواقیت“ کی طرف راجع ہے اور مراد یہ ہے کہ نماز کے جو اوقات مقرر کئے گئے ہیں، ان کی فضیلت بیان کرنا مقصود ہے۔

لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے ان ابواب میں جو حدیثیں ذکر کی ہیں ان میں بہت سی ایسی ہیں جنہیں مواقیت کی فضیلت قرار دینا بغیر تکلف کے ممکن نہیں۔

مجھے یہ بات زیادہ بہتر معلوم ہوتی ہے کہ ”ھا“ کی ضمیر کو ”صلوٰۃ“ کی طرف راجع مانا جائے کہ مواقیت صلوٰۃ کا بیان بھی مقصود ہے اور نماز کی فضیلت بیان کرنا بھی مقصود ہے اور آیت کریمہ کی طرف اشارہ کر دیا جو مواقیت کے باب میں اصل ہے۔ اللہ ﷻ نے ارشاد فرمایا ”ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتاباً

۱۔ وفی صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب اوقات الصلوات الخمس، رقم: ۹۶۰، وسنن أبی

داؤد، کتاب الصلاة، باب فی المواقیت، رقم: ۳۳۳، ومسند أحمد، مسند الشامیین، باب بقية حديث أبی مسعود

البدري الأنصاري، رقم: ۱۶۳۶۹، باقی مسند الأنصار، باب حديث أبی مسعود عقبة بن عمرو الأنصاري، رقم

۲۱۳۲۱، ۲۲۹۶۶، وموطأ مالك، کتاب وقوت الصلاة، باب وقوت الصلاة، رقم: ۱، وسنن الدارمی، کتاب

الصلاة، باب فی مواقیت الصلاة، رقم: ۱۱۶۲۔

موقوفاً“ کہ نماز مؤمنین پر ایسا فریضہ ہے جو وقت کا پابند ہے یعنی وقت کے ساتھ بندھا ہوا ہے۔ یہ آیت بتا رہی ہے کہ ہر نماز کا ایک وقت معین ہے اور وقت معین ہونے کی وجہ سے وہ نماز اسی وقت میں پڑھی جاسکتی ہے اور اس کی تفصیل اس باب کی احادیث میں آرہی ہے۔

حدیث باب کی تشریح

پہلی حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت فرمائی کہ عبد اللہ بن مسلمہ کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک رحمہ اللہ پر یہ حدیث پڑھی اور وہ ابن شہاب زہری سے روایت کرتے ہیں اور یہ مؤطا امام مالک رحمہ اللہ کی پہلی حدیث ہے، امام مالک رحمہ اللہ نے اپنی مؤطا کو اسی حدیث سے شروع کیا ہے۔

امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے ایک دن نماز تاخیر سے پڑھی، یہ واقعہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے خلیفہ بننے سے پہلے کا ہے اور ”یوماً“ کے لفظ نے بتا دیا کہ ان کی عادت نماز کو مؤخر کرنے کی نہیں تھی لیکن ایک دن اتفاق سے نماز مؤخر کر دی، ”فدخل علیہ عروہ بن الزبیر“ تو عروہ بن زبیر ان کے پاس آئے، ”فأخبرہ أن المغيرة بن شعبه أخر الصلوة يوماً و هو بالعراق“۔

ایک مرتبہ مغیرہ بن شعبہ ؓ نے بھی نماز تاخیر سے پڑھی تھی جب وہ عراق کے گورنر تھے۔ ”فدخل علیہ ابو مسعود الانصاری“ ان کے پاس حضرت ابو مسعود الانصاری ؓ آئے، ”فقال ما هذا یا مغيرة“ پوچھا اے مغیرہ! کیا بات ہے؟ نماز کیوں تاخیر سے پڑھی؟

”ألیس قد علمت أن جبریل صلوات اللہ و سلامہ علیہ نزل فصلی“۔ کیا آپ کے علم میں یہ بات نہیں ہے کہ حضرت جبریل ؑ نازل ہوئے اور انہوں نے نماز پڑھی اور ان کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے بھی نماز پڑھی۔

فصلی رسول اللہ ﷺ ثم صلی فصلی رسول اللہ ﷺ ثم صلی فصلی رسول اللہ ﷺ
ثم صلی فصلی رسول اللہ ﷺ ، ثم صلی فصلی رسول اللہ ﷺ۔
پانچ مرتبہ ارشاد فرمایا، یعنی پانچوں نمازوں کا ذکر فرمایا ”صلی فصلی“ یہ فاء تعقیب کی ہے۔

فاء تعقیب کے دو معنی

”فاء“ تعقیب کے دو معنی آتے ہیں:

ایک معنی تو یہ ہے کہ تعقیب زمانی ہو، ”فاء“ سے ما قبل کا واقعہ پہلے واقع ہوا ہو، اور ”فاء“ کے مابعد جو

بیان کیا گیا ہے وہ بعد میں واقع ہوا ہو۔

دوسرا ”فء“، تعقیب ”سببہ“ ہے، یعنی ”فء“ کا ماقبل ”فء“ کے مابعد کا سبب ہے، اس کے لئے ضروری نہیں کہ دونوں کے زمانوں میں فرق ہو، ایک ہی وقت میں دونوں ہوں اور ایک چیز دوسری چیز کا سبب ہو تو بھی ”فء“ کا اطلاق ہو جاتا ہے۔

احتمال

”صلیٰ فصلیٰ رسول اللہ ﷺ“ میں دونوں احتمال ہیں، اگر اس ”فء“ کو ”فء“ ”سببہ“ مانا جائے تو اس سے واقعہ جبرئیل علیہ السلام کی طرف اشارہ ہوگا، جس کا مطلب یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے امامت کی جس کے نتیجے میں نبی کریم ﷺ نے بھی ان کے ساتھ نماز پڑھی اگرچہ دونوں کا زمانہ مقترن تھا، دونوں ایک ہی وقت میں پڑھ رہے تھے لیکن حضرت جبرئیل علیہ السلام کی نماز حضور ﷺ کی نماز کے لئے سبب تھی، اس واسطے یہاں پر ”فء“ تعقیب سببی پر دلالت کر رہی ہے۔

اور اگر ”فء“ کو تعقیب زمانی کے لئے لیا جائے تو بعض حضرات نے اس کے یہ معنی کئے ہیں کہ پہلے ”صلیٰ“ سے مراد جبرئیل علیہ السلام کا امامت کرنا اور دوسرے ”صلیٰ“ سے مراد ہے کہ اس کے بعد نبی کریم ﷺ کا انہی اوقات میں نماز ادا کرنا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے امامت کی تھی بعد میں رسول اللہ ﷺ انہی اوقات میں نماز ادا فرماتے رہے جن کی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے تعلیم دی تھی۔ تو یہ دونوں معنی ہو سکتے ہیں۔

تفصیل حدیث کے بارے میں روایات سنن کا اختلاف

اب اس حدیث میں حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ نے مواقیت کی تفصیل نہیں بتائی، صرف اتنا بتایا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت جبرئیل امین علیہ السلام کے ساتھ پانچ نمازیں پڑھیں اور ذکر بھی صرف ایک دن کا کیا، جبکہ حدیث جبرئیل جس میں مواقیت کا ذکر ہے وہاں دو دن کی امامت کا بیان ہے اور حدیث جبرئیل تمام کتابوں یعنی سنن اربعہ میں موجود ہے۔^۱ لیکن بخاری و مسلم نے اس تفصیل کے ساتھ کہیں بھی روایت نہیں کیا جو تفصیل سنن اربعہ میں آئی ہے، وہ اس لئے کہ یہ حدیث ان کی شرائط کے مطابق نہ ہوگی، اس واسطے صرف اتنا حصہ روایت کیا ہے جو ان کی شرائط کے مطابق ہے۔

۱۔ أخرجه أبو داود فيه عن محمد بن مسلمة عن ابن وهب عن أسامة بن زيد عن الزهري به، وأخرجه الترمذي في الصلاة عن قتيبة عن الليث عن ابن شهاب عن عروة عن عائشة به، وأخرجه النسائي فيه عن قتيبة به، وأخرجه ابن ماجة عن محمد بن ربح به، انظر: عمدة القاری، ج: ۴، ص: ۵، فی ذیل ”ذکر تعدد موضعه ومن أخرجه غيره“.

تو یہاں تفصیل نہیں ہے وہاں سنن میں تفصیل ہے، چاہے وہ بخاری و مسلم کی اعلیٰ شرائط پر پوری نہ اترے، لیکن فی نفسہ سند اُوہ صحیح ہے، اس واسطے ان کے ساتھ استدلال بھی درست ہے تو اس میں جو مواظبت کی تعلیم دی ہے، اس میں یہ بات ملحوظ رہے کہ اس میں اوقاتِ مستحبہ، غیر مکروہہ کا بیان ہے۔

اسی وجہ سے اس میں پہلے دن عصر کی نماز مثلِ اول پر پڑھی اور دوسرے دن عصر کی نماز مثلِ ثانی کے بعد پڑھی، حالانکہ عصر کا وقت مثلِ ثانی کے بعد بھی برقرار رہتا ہے لیکن گویا مستحب وقت یہ ہے کہ اصفرار سے پہلے پہلے پڑھ لے، اس واسطے اس کی تعلیم دی۔ باقی مختلف اوقات کے بارے میں جو فقہاء کا اختلاف ہے وہ متعلقہ ابواب میں ان شاء اللہ آجائے گا۔

آگے ذکر فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ نماز پڑھی، ”ثم قال“ پھر جب حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا ”بهذا أمرت یا بهذا أمرت“ دونوں جائز ہیں کہ اسی کا آپ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ اسی طرح نماز پڑھیں۔

”فقنا لعروة“ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے جب عروہ سے یہ بات سنی تو عروہ سے کہا ”اعلم ما تحدث به“ کہ جو حدیث سنار ہے ہو، سوچ سمجھ کر کہو۔

”أو أن جبرئیل هو اقام لرسول الله ﷺ وقت الصلوة؟“

کیا جبرئیل تھے جنہوں نے حضور ﷺ کے لئے نماز کا وقت مقرر کیا؟

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو اس سے قبل یہ واقعہ معلوم نہیں تھا اور ان کو اس بات سے اچھٹا ہوا کہ جبرئیل امین نے آکر حضور اقدس ﷺ کو اوقاتِ نماز کی تعلیم دی۔

”قال عروة! كذا لك كان بشير بن ابی مسعود يحدث عن أبی“

عروہ نے بعد میں کہا کہ میں اس حدیث کو تنہا روایت کرنے والا نہیں ہوں، بلکہ ابو مسعود کے صاحبزادے بشیر بن ابی مسعود رضی اللہ عنہ بھی اس حدیث کو اپنے والد کے واسطے سے سنایا کرتے تھے۔

”قال عروة ولقد حدثني عائشة ان رسول الله ﷺ كان يصلي العصر و الشمس

لی حجرتها قبل ان تظهر“۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس حالت میں نماز پڑھا کرتے تھے کہ سورج ان کے حجرے میں ہوتا تھا۔ ”قبل ان تظهر“ قبل اس کے کہ دھوپ ان کی دیوار پر چڑھے۔ ”تظهر“ یہاں ”ظہر۔ بظہر۔ ظہوراً“ سے نہیں ”ظہر۔ بظہر۔ ظہراً“ سے ہے، جس کے معنی ہوتے ہیں کسی کی پشت پر سوار ہونا، یعنی وہ دھوپ ابھی دیوار پر سوار نہیں ہوئی ہوتی تھی۔ یہ حدیث آگے مسند آ رہی ہے۔

(۲) باب قول اللہ تعالیٰ

﴿مُنِيبِينَ إِلَيْهِ وَاتَّقُوهُ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَ

لَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ [الروم: ۳۱]

اللہ ﷻ کا قول کہ خدا کی طرف رجوع کرو اور اس سے

ڈرتے رہو اور نماز قائم کرو اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ۔

۵۲۳۔ حدثنا قتيبة بن سعيد قال: حدثنا عباد (هو ابن عباد) عن ابى جمرة، عن

ابن عباس قال: قدم وفد عبد القيس على رسول الله ﷺ فقالوا: انا هذا الحبي من ربيعة، و

لسنا نصل اليك الا فى الشهر الحرام، فمرنا بشئٍ نأخذُه عنك و ندعو إليه من

وراءنا. فقال: "أمركم بربع، و أنها كم عن أربع: الايمان بالله. ثم فسر لها لهم. شهادة

ان لا اله الا الله و انى رسول الله و أقام الصلاة و ايتاء الزكاة و أن تؤدوا الى خمس ما

غنمت، و انهى عن الدباء و الحنتم و المقير و النقيير". [راجع: ۵۳]

(۳) باب البيعة على اقام الصلاة

نماز کے قائم رکھنے پر بیعت کا بیان

۵۲۴۔ حدثنا محمد بن المثنى قال: حدثنا يحيى قال: حدثنا اسماعيل قال:

حدثنا قيس عن جرير بن عبد الله قال: بايعت رسول الله ﷺ على اقام الصلاة، و ايتاء

الزكاة، و النصح لكل مسلم. [راجع: ۵۷]

دونوں احادیث کی تشریح کیجئے گزر چکی ہے۔

(۴) باب: الصلاة كفارة

نماز گناہوں کا کفار ہے

۵۲۵۔ حدثنا مسدد قال: حدثنا يحيى، عن الأعمش قال: حدثنى شقيق قال:

سمعت حذيفة قال: كنا جلوسا عند عمر بن الخطاب ﷺ فقال: ايكم يحفظ قول رسول

اللہ ﷺ فی الفتنة؟ قلت: انا، كما قاله. قال: انك عليه او عليها لجريء. قلت: فتنة الرجل في اهله و ماله و ولده و جاره تكفرها الصلاة و الصوم و الصدقة و الامر و النهي. قال: ليس هذا اريد، ولكن الفتنة التي تموج كما يموج البحر؟ قال: ليس عليك منها بأس يا أمير المؤمنين، إن بينك و بينها بابا مغلقا. قال: ايكسر ام يفتح؟ قال: يكسر. قال: اذا لا يغلّق ابدا. قلنا: اكان عمر يعلم الباب؟ قال: نعم كما ان دون الغد الليلة، إني حدثته بحديث ليس بالأغاليط فهبنا أن نسأل حذيفة فأمرنا مسرورا فأسأله فقال: الباب عمر. [أنظر: ۱۳۳۵، ۱۸۹۵، ۳۵۸۶، ۴۰۹۶] ۵

ترجمة الباب سے مقصود بخاریؒ

”باب الصلوة كفارة“ اس باب میں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ نماز گناہوں کے لئے کفارہ ہوتی ہے اور اس میں حدیث روایت کی ہے کہ شقیق بن مسلمہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت حذیفہ ؓ سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: ”کنا جلوساً عند عمر ؓ“ کہ ہم حضرت عمر ؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، تو حضرت عمر ؓ نے فرمایا: ”ایکم يحفظ قول رسول الله ﷺ فی الفتنة“.

کہ تم میں سے کون شخص ہے جس کو رسول اللہ ﷺ کے فتنہ کے بارے میں ارشادات یاد ہوں، کہ جو فتنہ آئے گا، اس کے متعلق حضور اقدس ﷺ نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہو، اگر وہ کسی کو یاد ہو تو بتائے۔ ”قلت: أنا“ حضرت حذیفہ ؓ نے عرض کیا کہ مجھے یاد ہیں۔ اس واسطے کہ ان کو ”فتن“ کے بارے میں خاص طور پر حضور اقدس ﷺ نے وہ باتیں بتائی تھیں جو اور لوگوں کو معلوم نہیں تھیں، اس لئے ان کو صاحب سر رسول اللہ ﷺ کہا جاتا ہے۔ ”قلت أنا، كما قاله“ سچ میں فعل محذوف ہے۔ ”انا أحفظ كما قاله“ کہ مجھے یاد ہیں اور اسی طرح یاد ہیں جس طرح رسول اللہ ﷺ نے وہ باتیں ارشاد فرمائی تھیں۔ ”قال انك عليه لجريء“ حضرت عمر ؓ نے فرمایا کہ: تمہارا یہ کہنا کہ مجھے اس طرح یاد ہے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، تمہاری بڑی جرأت کی بات ہے۔ تم تو بڑے جرأت مند ہو، تو میں نے عرض کیا:

۳۔ وفي صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان أن الاسلام بدأ غريبا وسيعود غريبا وأنه يارز، رقم: ۲۰۷، وكتاب الفتن واهراط الساعة، باب في الفتنة التي تموج كموج البحر، رقم: ۵۱۵۰، وسنن الترمذی، كتاب الفتن عن رسول الله، باب ماجاء في النهي عن سب الرياح، رقم: ۲۱۸۳، وسنن ابن ماجه، كتاب الفتن، باب ما يكون من الفتن، رقم: ۳۹۳۵، ومسند أحمد، بالی مسند الأنصار، باب حديث حذيفة بن اليمان عن النبي، رقم: ۲۲۱۹۳،

”فتنة الرجل في اهله و ماله و ولده و جاره تكفرها الصلوة و الصوم و الصدقة

والامرو النهی“

کہ وہ فتنہ جو کسی انسان کو لاحق ہوتا ہے اپنے اہل میں یا اپنے مال میں یا اپنی اولاد میں یا اپنے پڑوس کے بارے میں تو نماز، روزہ، صدقہ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس کا کفارہ کر دیتے ہیں۔

اس کے نیچے بین السطور میں لکھا ہوا ہے کہ: ”فتنة الرجل في اهله و ماله“ کہ ”بان یاخذہ من غیر ما خدہ ویصرفه فی غیر مصرفه“۔

کہ مال کا فتنہ یہ ہے کہ اس کو غیر ماخذ سے لے، جو اس کے لینے کی جگہ تھی وہاں سے نہیں لیا، حلال طریقہ پر حاصل نہیں کیا بلکہ ناجائز طریقہ پر حاصل کیا اور اس کو غیر مصرف پر خرچ کیا۔ جو اس کا صحیح مصرف تھا اس پر صرف کرنے کے بجائے غلط مصرف میں صرف کیا، یہ ”فتنة الرجل في ماله“ کی تفسیر کی۔

لیکن یہ تفسیر دوسرے دلائل شرعیہ کے خلاف ہے، اس واسطے کہ اگر کوئی شخص مال ناجائز طریقہ سے حاصل کرے اور ناجائز طریقہ سے صرف کرے تو نماز، روزہ اس کا کفارہ نہیں ہوتے، کیونکہ اس کا تعلق حقوق العباد سے ہے اور یہ جو نماز، روزہ وغیرہ کے کفارہ ہونے کا ذکر آیا ہے یہ حقوق العباد سے متعلق نہیں، بلکہ کبار سے بھی متعلق نہیں ہے جیسا کہ میں نے ترمذی میں عرض کیا تھا کہ اس سے ہمیشہ صفائے مراد ہوتے ہیں۔ کبار کی معافی قانون کی رو سے توبہ کے بغیر نہیں ہوتی، اللہ جل جلالہ اپنے فضل سے معاف فرمادیں تو یہ الگ بات ہے اور حقوق العباد کی معافی اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک صاحب حق معاف نہ کر دے یا اس کو اس کا حق نہ پہنچا دے، لہذا یہ تفسیر کرنا کہ ناجائز طریقہ سے مال حاصل کیا اور ناجائز طریقہ سے خرچ کیا اس کا کفارہ صوم یا صلوة ہو جائے گی یہ دلائل شرعیہ کے خلاف ہے۔

مزید توضیح

یہ ہے کہ مجھے یوں معلوم ہوتا ہے (واللہ سبحانہ اعلم) کہ اس کی تفسیر یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے اہل کی وجہ سے، مال کی وجہ سے، اولاد کی وجہ سے، پڑوسی کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا ہو جائے یعنی ان کی وجہ سے کسی گناہ صغیرہ کا ارتکاب کر لے، گھر والوں کو راضی کرنے کے لئے کسی گناہ کا ارتکاب کر لیا، لیکن جس گناہ کا ارتکاب کیا اس کا تعلق حقوق العباد سے نہیں ہے، گھر والوں کے ساتھ اتنا مصروف ہوا کہ فرض کرو کوئی جماعت چھوڑ دی، یا اپنے مال میں اتنا مصروف ہوا کہ اس کی وجہ سے کسی گناہ کا ارتکاب کر لیا، اولاد یا پڑوسی کے ساتھ اتنا مشغول ہوا کہ ان کی وجہ سے کسی گناہ کا ارتکاب کر لیا۔ تو اس صورت میں نماز، روزہ وغیرہ اس کا کفارہ ہو جائیں گے۔

”فتنة الرجل في“ کا معنی یہ نہیں ہے کہ اپنے اہل، مال یا جوار کا حق ضائع کر دے، کیونکہ اگر ان کے

حقوق ضائع کریگا تو محض نماز، روزہ سے اس کا کفارہ ادا نہیں ہوگا۔ تو مراد یہ ہے کہ ان کی وجہ سے یا اس کے ساتھ مشغول و منہمک ہونے کی بنا پر کسی ایسے گناہ کا ارتکاب کر لے جس کا تعلق حقوق اللہ سے ہو تو ”تکفرھا الصلوٰۃ و الصوم“ اس کا کفارہ نماز، روزہ، صدقہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے ہو جاتے ہیں۔

”قال ليس هذا اريد“ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میرے پوچھنے کا مطلب وہ فتنہ نہیں تھا جو انسان کو اہل اور مال وغیرہ کی وجہ سے ہو بلکہ ”ولكن الفتنة التي تموج كما يموج البحر“ میرا مقصد تو اس فتنہ کے بارے میں پوچھنا تھا جو اس طرح موج مارے گا جس طرح سمندر موج مارتا ہے یعنی میرا مقصد انفرادی فتنہ نہیں ہے۔ آپ جو جواب دے رہے ہیں وہ اس فتنہ کے بارے میں دے رہے ہیں جس میں کوئی شخص انفرادی طور پر مبتلا ہو جائے ”قال“ تو حضرت حذیفہؓ نے جواب میں کہا:

”ليس عليك منها بأس يا أمير المؤمنين“

اے امیر المؤمنین! وہ جو اجتماعی فتنہ ہے، اس سے آپ کو کوئی گزند نہیں پہنچے گی۔ کیوں؟

”ان بينك وبينها بابا مغلقا“۔ اس لئے کہ آپ اور اس فتنہ کے درمیان بند دروازہ ہے، کیا معنی؟ کہ جب تک وہ دروازہ بند رہے گا اس وقت تک فتنے نہیں آئیں گے، لہذا آپ اس سے محفوظ ہیں۔

”قال: ايكسر أم يفتح؟“

حضرت عمرؓ کی فراست

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ دروازہ کھولا جائے گا یا توڑا جائے گا، سمجھ گئے کہ یہ دروازہ میں ہوں، یہ حضرت عمرؓ کی فراست ہے کہ دروازہ قوت سے توڑا جائے گا یا معمول کے مطابق کھولا جائے گا۔ گویا میری وفات طبعی طور پر واقع ہوگی یا تشدد و شہادت کے ذریعے واقع ہوگی۔

”قال: يكسر“ حضرت حذیفہؓ نے فرمایا توڑا جائے گا۔ تو اس سے دو نتیجے نکالے:

ایک نتیجہ تو یہ نکلا کہ آپ کی شہادت واقع ہوگی۔

دوسرا نتیجہ یہ کہ ”إذا لا يغلق أبدا“ کہ اگر توڑا جائے گا تو پھر دوبارہ بند نہیں ہوگا۔ کیونکہ اگر معمول کے مطابق کھولا جاتا تو پھر معمول کے مطابق بند بھی کیا جاتا ہے، لیکن جب دروازہ ٹوٹ ہی گیا تو اب اس کے بند ہونے کا راستہ ہی نہیں۔ ”إذا لا يغلق أبدا“ پھر تو وہ کبھی بھی بند نہیں ہوگا۔ ”اللہ اکبر“ یعنی فراست بھی کس مقام کی ہے کہ سوال بھی کیا گیا اور جواب ملا تو اس کا نتیجہ بھی کیا نکلا۔

”قلنا“ حضرت حذیفہؓ کے ایک شاگرد یعنی شقیق کہتے ہیں کہ ہم نے حذیفہؓ سے کہا:

”أكان عمر يعلم الباب“

کہ حضرت عمرؓ جانتے تھے کہ دروازہ کیا ہے؟ ”قال: نعم کما أن دون الغد الليلة“ ہاں وہ اس طرح جانتے تھے جس طرح کل سے پہلے آج کی رات ہے انسان کو جتنا یقین اس بات پر ہو سکتا ہے اتنے ہی یقین سے وہ جانتے تھے کہ دروازہ کون ہے؟

”انی حدثتہ بحديث ليس بالا غاليط“

میں نے انہیں جو حدیث سنائی تھی وہ کوئی مغالطے والی باتیں نہیں تھیں، حضور اقدس ﷺ کا ارشاد تھا۔ اس واسطے وہ جانتے تھے کہ دروازہ کیا ہے؟

اب شقیق ابن مسلمہ کہتے ہیں کہ ”فهبنا أن نسال حذيفة“ ہمیں ڈر لگا کہ ہم حذیفہؓ سے پوچھیں کہ وہ دروازہ کون تھا؟

”فامرنا مسروقاً فسأله، فقال: الباب عمر“

تو ہم نے اپنے ساتھی مروان بن الابدع سے کہا، انہوں نے جا کر حضرت حذیفہؓ سے پوچھا، حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ وہ دروازہ خود حضرت عمر فاروق اعظمؓ ہیں۔

چنانچہ واقعہ بھی یونہی پیش آیا کہ جب تک فاروق اعظمؓ زندہ رہے مسلمانوں میں کوئی فتنہ نہیں پیش آیا اور جب وہ دروازہ توڑا گیا یعنی شہید ہوئے تو ان کی شہادت کے بعد فتنوں کا دروازہ کھلا، حضرت عثمانؓ کے ابتداء خلافت سے ہی اس کے آثار شروع ہو گئے تھے۔

شروع میں ہی حضرت عثمانؓ نے جن جن لوگوں کو مختلف مقامات پر گورنر مقرر کیا، ان کے گورنروں کے خلاف یورش اور شورشیں ہر جگہ شروع ہو گئیں، جو فتنہ کا آغاز تھا۔ پھر حضرت عثمانؓ کی شہادت پر اس کا شباب اور انتہا ہوئی کہ اہل فتنہ نے آپ کو شہید کر دیا۔ اس کے بعد مسلمانوں میں جو تلوار چلی وہ نہ رک سکی۔

۵۲۶۔ حدثنا قتيبة قال: حدثنا يزيد بن زريع، عن سليمان التيمي، عن أبي عثمان النهدي، عن ابن مسعود أن رجلاً أصاب من امرأة قبيلة، فأتى النبي ﷺ فأخبره، فانزل الله: ﴿اقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ وَزُلْفًا مِنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾ [هود: ۱۱۳] فقال الرجل: يا رسول الله، ألي هذا؟ قال: ”لجميع امتي كلهم“ [أنظر: ۴۶۸۷]

۲۔ وفي صحيح مسلم، كتاب العوبة، باب إن الحسنات يذهبن السيئات، رقم: ۴۹۶۳، وسنن الترمذی، كتاب تفسير القرآن عن رسول الله، باب ومن سورة هود، رقم: ۳۰۳۷، وسنن أبي داؤد، كتاب الحدود، باب في الرجل يصيب من المرأة دون الجماع فيتوب قبل، رقم: ۳۸۷۵، وسنن ابن ماجه كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، رقم: ۱۳۸۸، وكتاب الزهد، باب ذكر التوبة، رقم: ۴۲۴۳، ومسند احمد، مسند المكثرين من الصحابة، باب مسند عبد الله بن مسعود، رقم: ۳۴۷۱، ۳۶۶۱، ۳۸۸۵، ۴۰۲۹، ۴۰۶۴، ۴۰۹۷.

باب ”الصَّلَاةُ كَفَّارَةٌ“ کی یہ دوسری حدیث ہے،

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرد نے ناجائز طریقے پر ایک عورت کا بوسہ لے لیا اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور آکر بتایا تو اس پر اللہ جل جلالہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلْفًا مِنَ اللَّيْلِ
إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾

یعنی نماز قائم کرو دن کے دونوں کناروں پر اور رات کے مختلف حصوں میں، بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو زائل کر دیتی ہے۔

بوسہ لینا گناہ صغیرہ ہے یا کبیرہ؟

تو جب نماز کی نیکی کرو گے تو یہ گناہ کا کفارہ ہو جائے گا۔ اس سے علماء نے یہ مسئلہ لکھا ہے کہ قبلہ (بوسہ لینا) صغائر میں سے ہے، ورنہ کبائر حسنات سے معاف نہیں ہوتے، جب تک کہ توبہ نہ کرے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس میں تردد ہے کہ قبلہ صغائر میں سے ہے، حضرت شاہ صاحبؒ نے اتنی بات کہہ کر کہ ”مجھے تردد ہے“ بات چھوڑ دی اس کی مزید تشریح نہیں کی۔ ۵

دیگر علماء کی آراء

بعض علماء کرام نے یہ فرمایا کہ قبلہ یا دوسرے دواعی زنا اور وطی، ان کی دو حیثیتیں ہیں: ایک یہ کہ کوئی شخص زنا کرنا چاہ رہا ہے ”اللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُ“ (آمین) اور یہ اعمال تقبیل، لمس وغیرہ مقدمہ کے طور پر کر رہا ہے تو اس وقت تو یہ صغیرہ ہیں، کیونکہ اصل مقصود تو ارتکاب زنا ہے، ابھی ابتدائی چھیڑ چھاڑ اور ابتدائی مقدمات شروع کئے ہیں، پھر ایک دم سے اللہ جل جلالہ کے خوف سے رک گیا اور آگے تجاوز نہیں کیا، تو یہ قبلہ، لمس وغیرہ صغیرہ ہو گئے اور یہ آئندہ کوئی نماز، وضو کرے گا تو معاف ہو جائے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مقصود ہی قبلہ وغیرہ تھے زنا مقصود نہ تھا آگے بڑھنا منظور ہی نہیں تھا، صرف اسی

۵ ثم ان فی الزیلعی شرح الكنز ان القبلة صغیرة قلت ولی فیہ تردد ، فیض الباری علی صحیح البخاری ،

عمل سے لذت اندوزی پیش نظر تھی تو پھر یہ کبیرہ ہے، کیونکہ مقصود یہی ہے۔ ۱۔

اور یہ بات تو سب ہی کہتے ہیں کہ صغیرہ اس وقت تک صغیرہ ہے جب تک آدمی اتفاقاً کبھی ایسا کام کر لے اور اگر اس کو عادت بنا لے اور اس پر اصرار کرے تو پھر وہ صغیرہ بھی کبیرہ ہوگا، نیز اگر صغیرہ کو معمولی سمجھ کر کرے تو اس کو بھی کبیرہ کہا ہے، اس لئے کہ اللہ ﷻ کی نافرمانی چاہے چھوٹی چیز میں ہو یا بڑی چیز میں ہو، ہے تو نافرمانی۔ اب کوئی اس نافرمانی کو معمولی سمجھ کر نظر انداز کرے تو یہ استہانت ہے اور استخفاف ہے اس لئے وہ گناہ کبیرہ ہے، لہذا کبھی اس چکر میں مت پڑنا کہ بھائی یہ صغیرہ ہے چلو کر گزرو۔

صغیرہ اور کبیرہ کی مثال

حضرت حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ صغیرہ و کبیرہ کی مثال دیتے ہیں کہ جیسے چنگاری اور بڑا شعلہ، دونوں آگ ہیں، کیا کوئی شخص یہ سمجھ کر کہ یہ چھوٹی سی چنگاری ہے اپنی الماری میں رکھ لے گا، ایسا کوئی نہیں کرے گا، اس لئے کہ اگر رکھے گا تو جلا دے گی اس لئے جو کہا گیا ہے کہ روزہ، نماز صغیرہ کے لئے کفارہ بن جاتے ہیں، اس سے کبھی یہ مت سمجھنا کہ یہ معمولی چیز ہے، لہذا کر گزرو۔

یہ کفارہ اس وقت بنتے ہیں جبکہ اتفاقاً بھول چوک سے سرزد ہو جائے، لیکن باقاعدہ مقصد بنا کر، ارادہ کر کے اسے معمولی سمجھ کر کرتا ہے تو یہ کبیرہ ہی کے حکم میں ہے۔ اللہ ﷻ اپنی مدد اور نصرت سے محفوظ فرمائے۔ آمین۔

صحابی تھے ایک مرتبہ تقاضائے بشریت سے مغلوب ہو کر یہ معاملہ ہو گیا اور ہونے کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں آ کر صاف صاف اعتراف کر لیا۔ اگر کسی سے ایسا کام ہو جائے تو کوئی اپنے باپ، استاذ یا شیخ سے جا کر یہ کہے گا کہ مجھ سے یہ کام ہو گیا؟

تو نہ امت کس اعلیٰ مقام کی ہوگی کہ جس کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کے ہاں گئے، تو معلوم ہوا کہ عادت نہیں تھی اس لئے کہ جس کی عادت ہوتی ہے وہ اس قدر پشیمان نہیں ہوتا۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ آیت نازل ہو چکی تھی مگر حضور اکرم ﷺ نے اس جگہ اس سے تمسک فرمایا۔ تو بعض مرتبہ یہ بھی تعبیرات ہوتی ہیں اس لئے تسلی دی کہ نماز پڑھو، معاف ہو جائے گا۔ باقی عادت نہ بنائے، نہ

۱۔ ثم ان آیات الکفارة ثلاث..... اما الامکان فقد علم من النص الاول فعلم ان مغفرة الذنوب كلها ممكنة ولكنها تحت مشيئة تعالى؛ واما الوعد ففي صورة الاجتناب عن الكبائر لا انها مستحيلة عند عدمه؛ واما في الثالثة فتنبه على سبب خاص لها وهو ان الحسنات احد اسباب المغفرة للسيئات وفي قوله لا اللهم ايضا إشارة إلى الوعد بمغفرة الصغائر فهذا نوع آخر ووعد آخر وراجع لكفارة الصغائر والكبائر عقيدة السفاريني الخ، فيض الباری علی صحیح

قصدا و ارادہ کر کے کرے اور نہ اس کو معمولی سمجھے۔

(۵) باب فضل الصلاة لوقتها

نماز اس کے وقت پر پڑھنے کی فضیلت کا بیان

۵۲۷۔ حدثنا أبو الوليد هشام بن عبد الملك قال : حدثنا شعبة قال : الوليد بن العيزار أخبرني قال : سمعت أبا عمرو الشيباني يقول : حدثنا صاحب هذه الدار ، وأشار بيده إلى دار عبد الله ، قال : سألت النبي ﷺ : أي العمل أحب إلى الله ؟ قال : ” الصلاة على وقتها “ قال : ثم أي ؟ قال : ” بر الوالدين “ . قال ثم أي ؟ قال : ” الجهاد في سبيل الله “ . قال : حدثني بهن رسول الله ﷺ ولو استزدته لزادني . [انظر : ۲۷۸۲، ۵۹۷۰، ۷۵۳۳]

یعنی اگر میں اور پوچھتا کہ کون سا عمل افضل ہے تو اور بتاتے کہ کونسا افضل ہے۔

(۶) باب : الصلوات الخمس كفارة

پنج وقت نماز کفارہ ہیں

۵۲۸۔ حدثنا ابراهيم بن حمزة قال : حدثني ابن أبي حازم والدر اوردي ، عن يزيد بن عبد الله ، عن محمد بن ابراهيم ، عن أبي سلمة بن عبد الرحمن ، عن أبي هريرة أنه سمع رسول الله ﷺ يقول : ” أرائتم لو أن نهرا بباب أحدكم يغتسل فيه كل يوم خمساً ، ما تقول ذالك يبقى من درنه ؟ “ قالو : لا يبقى من درنه شيئا . قال : ” فذالك مثل الصلوات الخمس يمحو الله به الخطايا “ .

(۷) باب : في تضييع الصلاة عن وقتها

نماز کے بے وقت پڑھنے کا بیان

۵۲۹۔ حدثنا موسى بن إسماعيل قال : حدثنا مهدي عن غيلان عن انس قال : ما اعرف شيئا مما كان على عهد النبي ﷺ ، قيل : الصلاة ؟ : اليس صنعتم ما صنعتم فيها .
۱۔ وفي سنن الترمذي كتاب صفة القيامة والرقائق والورع عن رسول الله ، باب ما جاء في صفة أوالى الحوض ، رقم : ۲۳۷۱ ، ومسند أحمد ، باقي مسند المكثرين ، باب مسند أنس بن مالك ، رقم : ۱۱۵۳۹ ، ۱۲۶۹۱ .

۵۳۰ - حدثنا عمرو بن زرة قال: أخبرنا عبد الواحد بن واصل أبو عبيدة الحداد، عن عثمان بن أبي رواد أخو عبد العزيز قال: سمعت الزهري يقول: دخلت على أنس بن مالك بدمشق وهو يبكي فقلت له: ما يبكيك؟ فقال: لا أعرف شيئاً مما أدركت الا هذه الصلاة وهذه الصلاة قد ضيعت. وقال بكر بن خلف: حدثنا محمد ابن بكر البرساني قال: أخبرنا عثمان بن أبي رواد نحوه.

حدیث باب کی تشریح

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ آج میں ان چیزوں میں سے کوئی چیز نہیں پاتا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھی۔ ان کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو اعمال دیکھتے تھے، جو جذبات دیکھتے تھے ان میں سے کوئی بھی نظر نہیں آتا ”ما اعراف شیئاً مما کان علی عهد النبی صلی اللہ علیہ وسلم“۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ میں فرما رہے ہیں، یہ سب سے آخری صحابی ہے، تقریباً سو سال عمر پائی، زیادہ سے زیادہ یہ سمجھ لیں کہ جب وہ بات فرما رہے ہوں گے اس وقت صدی کا آخر ہوگا۔
تو ایک صدی سے زیادہ زمانہ نہیں گزرا تھا کہ اس وقت فرما رہے ہیں کہ میں جو چیزیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دیکھتا تھا، ان میں سے اب کچھ نظر نہیں آ رہا ہے۔ سو سال میں یہ حال ہوا۔

لحمہ فکر یہ

اگر آج صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تشریف لے آئیں اور ہماری حالت دیکھیں، کسی بزرگ کا مقولہ میں نے سنا ہے کہ اگر آج کوئی صحابی ”تشریف لے آئیں تو وہ ہمیں کافر کہیں گے اور لوگ انہیں کہیں گے کہ یہ مجنون ہیں۔“
”قیل الصلوۃ“۔

ایک آدمی نے کہا آپ کی یہ بات مبالغہ معلوم ہوتی ہے کہ کچھ تو اس دور کی باتوں کا باقی ہے، مثلاً نماز۔
”قال أليس صنعتم ما صنعتم فيها؟“۔

۱۔ کذا ذكره الزرقانی فی شرحہ ”کما قال الحسن أدركت اقواما لو رأوكم لقالوا لا يؤمنون بیوم الحساب“، ج: ۴، ص: ۵۱۴، ولذا لک قال الحسن أدركنا اقواما ما رأیهم لقلعهم مجانین ولو رأوكم لقالوا شیطانی الخ، فیض القدیر، ج: ۲، ص: ۷۹، وقال الربیع بن خثیم لو رأنا أصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم لقالوا هؤلاء لا يؤمنون بیوم الحساب الخ، فیض القدیر، ج: ۳، ص: ۷۹۔

کیا اس جماعت کے اندر تم نے وہ کچھ نہیں کر لیا یعنی نمازوں کی ادائیگی کے طریقے میں تم نے ایسی تہدیلیاں پیدا کر لی ہیں جن کا رسول کریم ﷺ کے زمانے میں تصور بھی نہیں تھا، اس سے نماز کو وقت سے مؤخر کرنے کی طرف اشارہ ہے کہ وقت مستحب سے مؤخر کر کے پڑھتے ہو اور ظاہر ہے اشارہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو خشوع کی کیفیات، جو انابت الی اللہ اور اخلاص حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں تھا وہ اب نظر نہیں آتا۔ یہاں یہ حدیث لانے کا منشا یہ ہے کہ:

یہ باب ”تضییع الصلوٰۃ عن وقتها“ کا ہے۔
اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بھی یہ کہا کہ تم نے نماز کو اپنے وقت سے مؤخر کر دیا۔

(۸) باب المصلی یناجی ربہ عز و جل

نماز پڑھنے والا اپنے پروردگار سے سرگوشی کرتا ہے

۵۳۱۔ حدثنا مسلم بن ابراہیم قال: حدثنا هشام، عن قتادہ عن أنس قال: قال النبی ﷺ ”إن أحدکم إذا صلی یناجی ربہ فلا یتفلن عن یمینہ، ولكن تحت قدمہ اليسری“. وقال سعید عن قتادہ: ”لا یتفل قدمہ أو بین یدیه ولكن عن يساره أو تحت قدمیه“. وقال شعبۃ: ”لا یبزیق بین یدیه ولا عن یمینہ ولكن عن يساره أو تحت قدمیه“. وقال حمید عن أنس عن النبی ﷺ: ”لا یبزیق فی القبلة ولا عن یمینہ، ولكن عن يساره أو تحت قدمیه“. [راجع: ۲۴۱]

۵۳۲۔ حدثنا حفص بن عمر قال: حدثنا یزید بن ابراہیم قال: حدثنا قتادہ، عن أنس عن النبی ﷺ قال ”اعتدلوا فی السجود، ولا یبسط ذراعیہ کالکلب، وإذا بزیق فلا یبزیقن بین یدیه ولا عن یمینہ، فانما یناجی ربہ“. [راجع: ۲۴۱]

(۹) باب الابراد بالظہر فی شدة الحر

گرمی کی شدت میں ظہر کو ٹھنڈا وقت کر کے پڑھنے کا بیان

۵۳۳، ۵۳۴۔ حدثنا ایوب بن سلیمان قال: حدثنا ابو بکر عن سلیمان بن بلال: قال صالح بن کیسان: حدثنا الأعرج عبدالرحمن و غیرہ، عن أبی ہریرۃ، و نافع مولى عبد اللہ بن عمر، عن عبد اللہ بن عمر أنهما حدثا عن رسول اللہ ﷺ أنه قال: ”إذا اشتد

الحر فابردوا بالصلاة، فان شدة الحر من فيح جهنم“۔ [أنظر: ۵۳۶]

یہ دو حدیثوں کو ایک ساتھ جمع کیا ہے کہ عبدالرحمن ابن اعرج اس کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور نافع عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ حدیثیں دونوں الگ الگ ہیں لیکن متن دونوں کا ایک ہے، وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب گرمی سخت ہو تو ”فأبردوا بالصلاة“ نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھو یعنی ٹھنڈے وقت میں پڑھو۔ ”فان شدة الحر من فيح جهنم“ اس لئے کہ سخت گرمی جہنم کی بھاپ کا ایک حصہ ہے۔ ”فيح“ کے معنی لپک کہہ لو، اصل میں ”فيح“ بھاپ کو کہتے ہیں اور آگ کی بھاپ لپک ہے تو جہنم کی لپک کا حصہ ہے۔

قابل ذکر تین مسائل: پہلا مسئلہ ترجمۃ الباب سے متعلق

یہاں تین مسئلے قابل ذکر ہیں۔ پہلا مسئلہ تو یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ابھی اوقات نماز کی تعیین کرنے والے ابواب شروع نہیں کئے، یعنی ظہر کا وقت کب شروع ہوگا، آگے جا کر باب قائم کیا ہے: ”باب وقت الظہر عند الزوال“۔

ترتیب طبعی کے خلاف کرنے کی وجہ

طبعی ترتیب کا تقاضا یہ تھا کہ پہلے وقت کی ابتدا و انتہا بتادیں، پھر وقت مستحب ذکر فرمائیں جیسے اور محدثین کرتے ہیں کہ پہلے وقت بتاتے ہیں اور پھر اس کے بعد وقت مستحب بتاتے ہیں، اور یہاں امام بخاری رحمہ اللہ ”ابراد بالظہر“ کو پہلے لائے اور وقت ظہر کو بعد میں ذکر کیا۔ تو کسی نے کہا اتفاقاً ابراد کی اہمیت بیان کرنے کے لئے اس کو پہلے ذکر کیا ہے۔

لیکن دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ اصل میں اس سے پہلے جو باب قائم کیا تھا وہ یہ تھا کہ ”المصلیٰ یناجی ربہ“، مصلیٰ نماز میں اپنے پروردگار سے مناجات کرتا ہے اور مناجات کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے لئے ایسے وقت کا انتخاب کیا جائے جو رضا کا وقت ہو، غضب کا وقت نہ ہو تو اس کے مناسب یہ باب لے کر آئے۔

۹۔ وفي صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب استحباب الابراد بالظہر في شدة الحر لمن يعضي، رقم: ۹۷۳، وسنن الترمذی، كتاب الصلاة، باب ماجاء في تأخير الظہر في شدة الحر، رقم: ۱۴۵، وسنن النسائي، كتاب مواقیت، باب الابراد بالظہر اذا اشتد الحر، رقم: ۴۹۶، وسنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب في وقت صلاة الظہر، رقم: ۳۴۱، وسنن ابن ماجه، كتاب الصلاة، باب الابراد بالظہر في شدة الحر، رقم: ۶۶۹، ومسند أحمد، باقی مسند المکثرین، باب مسند أبي هريرة، رقم: ۶۸۳۳، ۶۹۳۸، ۷۱۶۱، ۷۲۹۵، ۷۳۹۷، ۷۴۹۵، ۷۸۷۳، ۸۵۳۵، ۸۷۴۲، ۸۸۲۵، ۸۹۶۷، ۱۰۱۰۲، ۱۰۱۸۷، ۱۰۷۲، ۱۱۰۷۲، وموطأ مالک، كتاب وقوت الصلاة، باب النهي عن الصلاة بالهجرة، رقم: ۲۶، وسنن الدارمی، كتاب الصلاة، باب الابراد بالظہر، رقم: ۱۱۸۱۔

جب یہ فرمایا گیا کہ ”شدۃ الحر من فیح جہنم“ اور جہنم باری تعالیٰ کے غضب کی نشانی ہے، اس واسطے کہا گیا ہے کہ ابراد کے وقت پڑھو جو رضا کا عنوان ہے، اس واسطے مناجات کے مناسب یہ سمجھا کہ پہلے ابراد والی حدیثیں ذکر کر دیں اور پھر آگے جا کر حسب معمول اوقات بیان کریں گے۔

دوسرا مسئلہ: حدیث باب سے استدلال حنفیہ اور امام بخاریؒ کی تاویل

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ یہ حدیث اس باب میں حنفیہ کی دلیل ہے کہ گرمیوں کے موسم میں ظہر میں ابراد افضل ہے اور سردیوں میں حنفیہ کے نزدیک تعجیل افضل ہے۔^۱
امام بخاری رحمہ اللہ ہر حالت میں تعجیل کو افضل کہتے ہیں اور حدیث باب کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ یہ اس وقت ہے جب لوگوں کو نماز میں آنے کے لئے دور دراز کا سفر طے کرنا پڑتا ہو، تو اس وقت ابراد کیا جائے۔

امام کی تاویل کی پہلی تردید

اول تو خود الفاظ حدیث اس تاویل کی تردید کرتے ہیں کیونکہ جو علت بیان کی گئی ہے وہ ”شدۃ الحر من فیح جہنم“ ہے، تو لوگ قریب سے آئیں یا دور سے یہ علت موجود ہے۔

دوسری تردید

دوسرے یہ کہ اگلی حدیث آرہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سفر کی حالت میں بھی نماز کو مؤخر فرمایا اور ”اہود اہود“ فرماتے رہے۔ تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جب سارے لوگ یکجا تھے، دور سے کسی کو نہیں آتا تھا، آپ ﷺ نے پھر بھی تاخیر فرمائی۔

اس واسطے امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہ حدیث نقل کر کے فرمایا ہے کہ اس سے امام شافعی رحمہ اللہ کی تاویل کی تردید ہوتی ہے۔^۲

مسئلے کی مزید تشریح ان شاء اللہ ترمذی میں آئے گی۔

تیسرا مسئلہ: ”فیح جہنم“ کا سبب

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ حدیث باب میں ”حر“ کا سبب ”فیح جہنم“ ہے کیونکہ ”من“ سیئہ ہے۔

۱۔ ولم یرض الترمذی بهذا التاویل مع كونه شافعیاً، ولم یصرح بخلافه مع امامه فی موضع من كتابه إلا هذا فقال قال أبو عیسیٰ ومعنی من ذهب إلى تأخیر الظہر (وهم الحنفیة) رضی اللہ عنہم فی شدۃ الحر اولیٰ واشبه

معلوم ہوا کہ ”شدۃ حر“ سبب ہے ”فیح جہنم“ کا، اور اگر ”مین“ کو تبعیضیہ لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ شدۃ حر فیح جہنم کا ایک حصہ ہے تو اس میں ”شدۃ حر“ کو ”فیح جہنم“ کا حصہ قرار دیا گیا ہے یا فیح جہنم کا سبب قرار دیا گیا ہے۔

پہلی بات (سیت) کی تائید اگلی روایت سے ہوتی ہے کہ:

”عن أبی ہریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال إذا اشتد الحر فابردوا بالصلوة فان شدۃ الحر من فیح جہنم واشتکت النار الی ربها قالت یارب أکل بعضی بعضها فاذن لها بنفسین“۔

کہ جہنم نے اپنے رب سے شکایت کی کہ اے رب! میرے کچھ حصہ نے کچھ کو کھانا شروع کر دیا۔ یہ آگ ایسی چیز ہے جب تک دوسری چیز ملتی رہے یہ اس کو کھاتی رہتی ہے اور جب کھانے کو اور کوئی چیز نہ ملے تو خود اپنے آپ کو کھانا شروع کر دیتی ہے۔

”کالنار تأکل بعضها ان لم تجد ما تأکله“۔

”فاذن لها بنفسین“ تو اللہ جل جلالہ نے اس کو دو سانس لینے کی اجازت دے دی، ”نفس فی الشتاء ونفس فی الصيف“ ایک سانس سردی میں لے اور ایک سانس گرمی میں لے۔

”وهو اشد ما تجدون من الحر“ یعنی جب شدید گرمی کا وقت پاتے ہو وہ اس کا گرمی والا سانس ہے ”واشد ما تجدون من الزمهریر“ اور اس دنیا کے اندر جب تم زیادہ سردی پاتے ہو تو یہ اس کا سردی والا سانس ہوتا ہے۔

”زمهریر“ کے معنی سخت سردی کے ہیں۔ ”ولا یرون فیہا شمساً ولا زمهریراً“ نہ جنت میں دھوپ ہوگی نہ سخت سردی ہوگی۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ گرمی کی شدت کا سبب ”فیح جہنم“ ہے۔

حدیث باب پردو مشہور سائنسی اشکال

اس پر مشہور اشکال ہوا کہ سائنس کی رو سے اور تمام اہل دنیا کے مسلمات کی رو سے گرمی کا سبب سورج کا قرب اور بعد ہوتا ہے، جب سورج ہم سے قریب ہوتا ہے تو گرمی ہوتی ہے، جب دور ہوتا ہے تو سردی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارا خط استوا کی شمالی جانب ہے اور آج کل خط استوا کے شمال میں گرمی کا موسم ہے، لیکن ٹھیک اس وقت خط استوا کے جنوب میں جو ممالک ہیں وہاں سردی ہے، چنانچہ جنوبی افریقہ میں اس وقت شدید سردی ہے۔ مئی، جون ہمارے ہاں گرمی کے موسم شمار ہوتے ہیں جبکہ وہاں مئی، جون سردی کے موسم ہیں۔ آسٹریلیا تک یہی صورت حال ہے۔ ہمارے ہاں جو سردی کے مہینے ہیں، دسمبر اور جنوری، وہ ان علاقوں میں

شدید گرمی کے مہینے سمجھے جاتے ہیں، اور واقعی شدید گرمی ہوتی ہے، کیونکہ سورج جنوب میں چلا جاتا ہے اور ان کے قریب ہو جاتا ہے۔

تو یہ بات مسلمات میں ہے کہ گرمی اور سردی کا سبب سورج کا قرب و بعد ہے جبکہ حدیث میں اس کا سبب ”فیج جہنم“ کو قرار دیا ہے۔ تو اس پر دو اشکال وارد ہوتے ہیں:

پہلا اشکال یہ ہے کہ یہ بات مسلمات کے خلاف معلوم ہوتی ہے۔

پہلا جواب

اس میں حضرات شراح اور علماء نے بڑی لمبی چوڑی بحثیں کی ہیں:

ان میں سے ایک بحث یہ ہے کہ اسباب کا تراجم نہیں ہوتا، ایک ہی چیز کے ایک سے زائد سبب ہو سکتے ہیں۔ سبب تو ایک ہے لیکن اسباب کئی ہیں، یہ ہو سکتا ہے اور فلسفہ و منطق کا مشہور قاعدہ ہے کہ ”لا نزاحم فی الاسباب“ لہذا اگر ایک سبب سورج کا قرب اور بعد ہے تو دوسرا ”فیج جہنم“ ہے، دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔

دوسرا جواب

بعض حضرات نے اس بات کو دوسرے طریقہ سے کہا ہے کہ درحقیقت بات یہ ہے کہ سورج کا قرب اور بعد بے شک گرمی اور سردی کا باعث ہے، لیکن سورج کی گرمی ”فیج جہنم“ سے ہے، سورج میں گرمی جہنم سے آ رہی ہے تو یہ سبب ہے، اور وہ سبب السبب ہے۔

تو یہ حدیث میں انتہائی سبب کو بیان کیا گیا ہے اور وہ ”فیج جہنم“ ہے اور جو ہم دیکھتے ہیں وہ سبب قریب ہے۔

دوسرا اشکال

اب سوال یہ پیدا ہوا کہ اگر یہ بات ہے کہ سورج میں گرمی ”فیج جہنم“ سے آرہی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ ایک علاقہ میں سردی اور دوسرے علاقے میں گرمی ہوتی ہے؟

حضرت شاہ صاحبؒ کی توجیہ

حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ نے اس کی یہ توجیہ فرمائی کہ جہنم کو اللہ ﷻ نے دو سانس لینے کی اجازت دی، ایک سردی میں اور ایک گرمی میں۔ تو حضرت رحمہ اللہ نے اس کی یہ توجیہ فرمائی کہ یہ دونوں

سائنس صرف باہر کی طرف نہیں ہیں بلکہ ایک اندر کی طرف ہے اور دوسرا باہر کی طرف، تو جب اندر کی طرف سائنس لیا تو اس نے ایک علاقہ سے گرمی کھینچی اس لئے وہاں سردی ہو گئی اور جب باہر کی طرف سائنس لیا تو جہاں پھینکا وہاں گرمی ہو گئی۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ ”من فیح جہنم“ میں ”من“ نہ تبعیض کے لئے ہے نہ نہایت کے لئے، بلکہ یہ تشبیہ کے لئے ہے اور مطلب یہ ہے کہ گرمی شیخ جہنم کا مشابہ ہے، لہذا مذکورہ اشکال وارد ہی نہیں ہوتا۔^{۱۲} لیکن مجھے یوں معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم کہ ان سب تکلفات کی چنداں حاجت نہیں۔ یہ ساری کوششیں اس بات کی ہو رہی ہیں کہ حدیث میں جو بات کہی گئی ہے اس کو سائنٹیفک حقائق پر منطبق کر دیا جائے اور اس انطباق میں تکلف سے کام لیا جا رہا ہے۔

مجھے یوں معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم کہ نبی کریم ﷺ کا جو یہ ارشاد ہے ”فان شدة الحر من فیح جہنم“ اس کا تعلق عالم غیب سے ہے اور ہمیں یہاں جو اسباب نظر آتے ہیں وہ عالم مشاہدہ کے ہیں، ہم اپنی ظاہری نظروں سے جن اسباب کا ادراک کر پاتے ہیں وہی ہمارے مشاہدہ میں آتے ہیں اور ہمارا علم، ہماری تحقیقات، ہماری سائنس اسی کے اندر محدود ہے۔

اور قرآن کریم یا حضور اقدس ﷺ کے ارشادات وہ عالم غیب سے متعلق ہیں اور عالم غیب کی گتہ اور حقیقت ہم اپنی اس محدود عقل سے نہیں پاسکتے، اس کی حقیقت ہماری سمجھ سے باہر ہے، جیسے جنت اور نار کی حقیقت ہماری سمجھ سے باہر ہے، جبکہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ”ما خطر علی قلب بشر“ کسی بشر کے دل پر اس کا واہمہ بھی نہیں گزرا، تو جس چیز کا واہمہ ہی نہیں گزرا اس کا تصور کیسے کر سکتے ہیں اور اس کی حقیقت کیسے پاسکتے ہیں، یہ سب عالم غیب ہے اور اس عالم غیب کے حقائق کو ہم اپنے دنیاوی مشاہدات پر منطبق کریں گے تو وہ نہیں منطبق ہوں گے۔ اس کو منطبق کرنے کے لئے جتنی تو جیہات کریں بعض اوقات وہ تو جیہات اتنی آگے بڑھ جاتی ہیں کہ اس پر دل مطمئن نہیں ہوتا اور بعض اوقات مصحک خیز معلوم ہوتی ہیں۔

وہ اس وجہ سے نہیں کہ معاذ اللہ حضور اقدس ﷺ کے کلام میں کوئی بات قابل اعتراض ہوتی ہے، بلکہ اس وجہ سے کہ ہم عالم غیب کے ناقابل ادراک حقائق کو اس عالم مشاہدہ کے محدود علم پر منطبق کرنا چاہ رہے ہیں۔ اس سے ساری گڑبڑ اور سارے اشکالات پیدا ہوتے ہیں۔

خلاصہ کلام

سیدھی سی بات یہ ہے کہ جو حقیقت نبی کریم ﷺ نے بیان فرمائی ہے وہ ہماری اس عقل محدود سے بالاتر

ہے اس کی کُنہ اور حقیقت ہم پہچان ہی نہیں سکتے۔ حدیث میں جتنی عالم غیب کی باتیں آئی ہیں ان عالم غیب کی باتوں کو تم اپنے سائنسی تجربات پر منطبق کرنا چاہو گے تو یہی اشکال پیدا ہوگا۔

یہ حقیقت عالم الغیب کی ہے اور اس کی حقیقت اللہ ﷻ یا اللہ کے رسول ﷺ جانتے ہیں اور یہ بات کہ کوئی کہے ہم اس کی تشریح اس لئے کرنا چاہتے ہیں تاکہ حضور اقدس ﷺ پر سے یہ اشکال رفع ہو کہ آپ ﷺ نے ایک غیر سائنٹیفک بات کہہ دی، یا ایسی بات کہہ دی جو سائنس کے نظریوں کے خلاف ہے، تو یہ حماقت کی بات ہے۔

اس واسطے یہ بات کہ ظاہری اعتبار سے گرمی سورج کے ذریعے آتی ہے یہ وہ بات ہے جو بچہ بھی جانتا ہے یہ بدیہیات میں سے ہے، کیا حضور اقدس ﷺ پر یہ حقیقت واضح نہیں تھی کہ گرمی سورج سے ہوتی ہے اور شام کو جب سورج غروب ہوتا ہے تو ٹھنڈک ہو جاتی ہے اور سورج قریب آتا ہے تو گرمی ہو جاتی ہے، اس کے باوجود حضور اکرم ﷺ اس کو برقرار رکھ کر بتلا رہے ہیں کہ تمہاری نظریں اس چھوٹے سے دائرہ کے اندر دیکھ رہی ہیں اور شروع سے آخر تک سب کچھ نظر آ رہا ہے، لیکن عالم غیب کی حقیقت حال یہ ہے کہ اللہ ﷻ نے اس کو دو سائنسوں کی اجازت دی ہے۔ ایک گرمی میں لیتی ہے اور ایک سردی میں لیتی ہے۔

اب یہ کہ اس سائنس کی کیفیت اور کُنہ کیا ہے؟ میں اور آپ کیسے پہچان سکتے ہیں جبکہ ہمیں جنت کی حقیقت اور نار کی حقیقت معلوم نہیں، اگر ہم میں سے کوئی کہے کہ جہنم کا نقشہ کھینچو، تو نہیں کھینچ سکتے، اس لئے کہ ہمیں اس کی حقیقت اور کُنہ معلوم نہیں، جب اس کی حقیقت معلوم نہیں تو اس کے سائنس لینے کی کُنہ کیسے معلوم ہو سکتی ہے اور اللہ ﷻ نے اس کو جو دو سائنس لینے کی اجازت دی ہے اس کا مطلب کیا ہے؟ چھ ماہ میں ایک سائنس اور چھ ماہ میں دوسرا سائنس، اس کی حقیقت کیا ہے؟

جتنے بھی قیاسات کے گھوڑے دوڑائے جائیں گے اس سے حقیقت تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ سیدھی سی بات یہ ہے کہ نبی کریم سرور عالم ﷺ نے جو بات ارشاد فرمائی ہے وہ عالم غیب کی بات ہے جو ہماری اس محدود عقل کے ادراک میں آ ہی نہیں سکتی، لہذا اس کی تفصیل، اس کی کُنہ، اس کی حقیقت اور اس کی جزئیات میں غورو خوض کرنا، یہ اپنے مقام سے تجاوز کرنے کے مترادف ہے۔

مزید توضیح

اب اللہ ﷻ نے فرمادیا کہ ”ان یوماً عند ربک کالف سنة مما تعدون“ کہ تمہاری گنتی کے حساب سے ایک دن ہزار سال کے برابر ہے۔ اب اس کو سائنٹیفک طریقہ پر منطبق کریں کہ ہزار سال کا دن جبکہ شمس و قمر کا دورہ چل رہا ہے اور اس میں چوبیس گھنٹے میں رات دن بن رہے ہیں، اس میں کہا جا رہا ہے کہ ایک دن ہزار سال کے برابر ہے۔

”یوم“ سورج کے طلوع و غروب ہونے کا نام ہے تو اس ایک ہزار سال کو سورج کے طلوع و غروب ہونے پر منطبق کریں جو ہمیں نظر آ رہا ہے، تو نہیں کر سکتے، اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ یہ عالم الغیب کی بات ہے اور اس کی حقیقت اللہ ﷻ ہی جانتے ہیں۔

اس میں کوئی شک و شبہ کی بات نہیں کہ یہ حق ہے کیونکہ مخبر صادق نے خبر دی ہے لیکن اس حق کی گنہ اور حقیقت و ماہیت کیا ہے؟ یہ ہمارے ادراک میں نہیں آ سکتی، اگر یہ نکتہ ذہن نشین ہو جائے تو قرآن و حدیث کی بے شمار آیات جن کے بارے میں لوگ طرح طرح کی تاویلات کرتے رہتے ہیں تاکہ اس کو سائنٹیفک طریقہ پر منطبق کریں، اس کی چنداں حاجت نہ رہے۔

دعوت فکر

میں اس پر ایمان رکھتا ہوں کہ جو بات قرآن کریم نے یا نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمائی وہ حق ہے، البتہ اس کی گنہ کا ہماری سمجھ میں آنا ضروری نہیں اور نہ ہم اس کے مکلف ہیں، ہم سے قبر میں یہ سوال نہیں ہوگا کہ ”شدة الحر من فیح جہنم“ کا کیا مطلب ہے؟ یہ بتاؤ، نہ حشر میں پوچھا جائے گا نہ حساب و کتاب اس بنیاد پر ہوگا، اس پر ایمان یا عمل کا کوئی مسئلہ موقوف نہیں، لہذا اس کی گنہ میں پڑنا اور اس کی تحقیق میں غور و غوض کرنا، اس کی چنداں حاجت نہیں ”ولا تقف ما لیس لک به علم“ جو بھی آیا ہے جیسا بھی آیا ہے اور اس کی جو بھی گنہ ہے وہ حق ہے، اس پر ایمان واجب ہے، لہذا یہ تو جہات ہیں کہ یوں ہوتا ہوگا اور اس طرح سانس لیتی ہوگی اور اس طرح اس کی گرمی اور ٹھنڈک پیدا ہوتی ہوگی، کچھ بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔

۵۳۵۔ حدثنا ابن بشار قال: حدثنا غندر قال: حدثنا شعبة عن المهاجر ابی الحسن: سمع زید بن وهب عن أبي ذر قال: اذن مؤذن النبي ﷺ الظهر فقال: ”ابرد ابرد“، او قال: ”انتظر انتظر“. و قال: ”شدة الحر من فیح جہنم، حتی رأینا فی التلول، فاذا اشتد الحر فابردوا عن الصلاة“ [أنظر: ۵۳۹، ۶۲۹، ۳۲۵۸]

۵۳۶۔ حدثنا علی بن عبد اللہ قال: حدثنا سفیان قال: حفظناه من الزهري عن سعيد بن المسيب، عن ابی هريرة عن النبي ﷺ قال: ”اذا اشتد الحر فابردوا بالصلاة فان شدة الحر من فیح جہنم. [راجع: ۵۳۳]

حدیث باب کی تشریح

”حتی رأینا فی التلول“ اسے کہہ دیا کہ آپ نے ظہر میں اتنی تاخیر کی کہ ہم نے ٹیلوں کا سایہ دیکھا۔

”قلول“ قل کی جمع ہے اور ”قل“ ٹیلے کو کہتے ہیں، جاز کے اکثر ٹیلے پھیلے ہوئے ہیں، منبسط، منطبق، سیدھے نہیں ہیں۔ اگر ٹیلہ سیدھا ہو تو اس کا سایہ عام چیزوں کے سائے جیسا ہوتا ہے لیکن اگر ٹیلہ پھیلا ہوا ہے تو اس کا سایہ عام اشیاء کے سائے آنے کے کافی دیر بعد آتا ہے۔ نصف النہار کے وقت ایک لکڑی کھڑی کر دی جائے تو جونہی کھڑی کی جائے تو فوراً سایہ پڑنا شروع ہو جائے گا اور جونہی زوال ہو گا وہ سایہ بڑھتا چلا جائے گا، لیکن اگر کوئی چیز پھیلی ہوئی ہو تو اس کا سایہ دیر سے آتا ہے۔

حدیث باب کا مقصد

تو یہاں یہ بتلانا مقصود ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے نماز اتنی دیر سے پڑھی کہ ہم نے ٹیلوں کا سایہ دیکھ لیا۔ آگے ایک روایت امام بخاری رحمہ اللہ نے اذان کے ابواب میں نقل کی ہے وہاں لفظ ہے ”حتی مساوی الظل القلول“ یہاں تک کہ ٹیلوں کا سایہ برابر ہو گیا، گویا ٹیلوں کا سایہ ایک مثل ہو گیا، اس وقت آپ ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھی۔

حدیث باب سے استدلال حنفیہ

اس سے حنفیہ نے استدلال کیا کہ ایک مثل کے بعد بھی وقت ظہر باقی رہتا ہے اور وقت ظہر دو مثل تک باقی رہتا ہے اور وجہ استدلال یہ ہے کہ جب ٹیلوں کا سایہ ایک مثل ہو گیا تو دوسری چیزوں کا سایہ ایک مثل سے یقیناً زیادہ ہو گیا ہوگا۔ اس وقت آپ ﷺ نے ظہر پڑھی۔ تو معلوم ہوا کہ ”ما بعد المثل الاول“ وقت ظہر ہے۔ یہ استدلال موجب ہے البتہ اسے حتمی اور قطعی استدلال نہیں کہہ سکتے، اس لئے کہ راوی اس موقع پر جو الفاظ استعمال کرتے ہیں وہ تخمینی ہوتے ہیں، یہ کہنا کہ ٹیلوں کا سایہ ان کے برابر ہو گیا، ایک مثل ہو گیا، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جو صحابی ﷺ یہ کہہ رہے ہیں انہوں نے ایک ٹیپ لے کر پہلے ٹیلے کو ناپا، پھر اس کے سائے کو ناپا اور دونوں کو برابر قرار دیا بلکہ یہ بات تقریبی اور تخمینی ہوتی ہے، اب وہ ٹیلے جن کا ذکر کر رہے ہیں، وہ کیسے تھے؟ کتنے سیدھے تھے؟، کتنے بچھے ہوئے تھے؟ اور سایہ واقعہ پورا برابر تھا یا کم تھا؟ ان باتوں کی توقع کرنا کہ صحابی ﷺ نے دو اور دو چار کر کے، ناپ تول کر کے یہ بات کہی ہوگی، یہ خلاف عادت بات ہے، لہذا یہ بات قطعی اور یقینی نہیں ہے، پس اس سے استدلال تو نہیں کیا جاسکتا، البتہ استیناس کر سکتے ہیں۔

۵۳۷۔ واشتکت النار إلی ربها فقالت: یا رب اکل بعضی بعضاً، فاذن لها

بنفسین، نفس فی الشتاء و نفس فی الصيف، اشد ما تجدون من الحر و اشد ما تجدون

من الزمهریر۔ [أنظر: ۳۲۶۰]

۵۳۸۔ حدثنا عمر بن حفص قال: حدثنا ابي قال: حدثنا الأعمش قال: حدثنا أبو صالح، عن أبي سعيد قال: قال رسول الله ﷺ: "ابردو أبا الظهر من فيح جهنم" تابعه سفیان، و یحییٰ، و أبو عوانة عن الأعمش. [انظر: ۳۲۵۹]

(۱۰) باب الابراد بالظهر فی السفر

سفر میں ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھنے کا بیان

۵۳۹۔ حدثنا آدم قال: حدثنا شعبة قال: حدثنا مهاجر أبو الحسن مولى لبني تيم الله قال: سمعت زيد بن وهب عن أبي ذر الغفاري قال: كنا مع النبي ﷺ في سفر فأراد المؤذن أن يؤذن للظهر فقال النبي ﷺ: "ابرد" ثم أراد أن يؤذن فقال له: "ابرد" حتى رأينا في التلول. فقال النبي ﷺ: "أن شدة الحر من فيح جهنم، فإذا اشتد الحر فأبردوا بالصلاة" و قال ابن عباس رضى الله عنهما: ﴿تَفْئِياً﴾ [النحل: ۴۷] تَمِيلُ. [راجع: ۵۳۵]

عادت بخاری

امام بخاری رحمہ اللہ کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ حدیث ذکر کرتے ہیں اور اس سے ملتی جلتی کوئی آیت ہوتی ہے اور اس آیت میں اگر کوئی لفظ آجائے تو ساتھ ساتھ اس کی تشریح بھی کرتے ہیں تو یہاں "فی" کا لفظ آیا تھا اور قرآن کریم میں ہے "یتفیوا ظللہ" تو تفتیاً کی تفسیر "تتمیل" سے کی یعنی مائل ہونا۔

(۱۱) باب : وقت الظهر عند الزوال

ظہر کے وقت زوال کے وقت ہے

وقال جابر: كان النبي ﷺ يصلي بالهاجرة.
زوال کے متصل بعد ظہر کا وقت شروع ہوتا ہے، اس لئے یہاں یہ باب قائم فرمایا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"كان النبي ﷺ يصلي بالهاجرة".

"هاجرة" عین دوپہر کے وقت کو کہتے ہیں، جس میں سہرج کی گرمی اپنے شباب پر ہوتی ہے۔

حدیث باب سے استدلال بخاری

اس سے امام شافعی رحمہ اللہ نے تعجیل ظہر پر استدلال کیا ہے، لیکن حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ پیچھے جو حدیث گزری ہے اس کی روشنی میں یہ موسمِ شتاء پر محمول ہوگی کہ سردی کے وقت میں آپ اول وقت میں پڑھا کرتے تھے، چنانچہ ترمذی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

”مارأیت أحدا کان اشد اشد تعجیلا للظہر من رسول اللہ ﷺ“ ۱۳

کہ تم ظہر حضور اکرم ﷺ کے مقابلے میں جلدی پڑھتے ہو اور ایک روایت جس میں ”اذا اشتد الحر“ بھی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ جب ”شدت حر“ ہو تو پھر ابراد افضل ہے لیکن موسمِ سرما میں ابراد کی ضرورت نہیں۔

تو یہاں جو لفظ ہے کہ آپ ﷺ نے ”ہاجرة“ میں نماز پڑھی، اس کو موسمِ سرما پر محمول کیا جاسکتا ہے۔

۵۳۰۔ حدثنا أبو الیمان قال: أخبرنا شعیب عن الزہری قال: أخبرنی أنس بن

مالک أن رسول اللہ ﷺ خرج حين زاغت الشمس فصلى الظهر، فقام على المنبر فذكر الساعة فذكر أن فيها أمورا عظيما، ثم قال: ”من أحب أن يسأل عن شيء فليسأل فلا تسألوني عن شيء الا أخبرتكم ما دمت في مقامى هذا“ فأكثر الناس في البكاء و أكثر أن يقول: ”سلوني“۔ فقام عبد اللہ بن حذافة السهمي فقال: من أبى؟ قال: ”ابوك حذافة“ ثم أكثر أن يقول: ”سلوني“ فبرك عمر على ركبته فقال: رضينا بالله ربا، وبالإسلام ديناً، وبمحمد نبياً، فسكت ثم قال: ”عرضت على الجنة والنار أنفا في عرض هذا الحائط، فلم أر كالحير والشر“۔ [راجع: ۹۳]

اس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی کہ حضور اقدس ﷺ نکلے یہاں تک کہ سورج مائل ہو گیا یعنی زوال ہو گیا تو آپ ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھی، پس یہی ترجمۃ الباب موضع استدلال ہے کہ ”زاغت الشمس“ کے فوراً بعد آپ ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھی۔

حدیث باب کی تشریح

”فقام على المنبر فذكر الساعة“ آپ ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے اور قیامت کا ذکر فرمایا اور فرمایا:

”ان فيها أمورا عظيما ثم قال من أحب أن يسأل عن شيء فليسأل“ جس کو سوال کرنا ہے

وہ سوال کرے، کیونکہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کے بارے میں تم مجھ سے سوال کرو گے مگر میں تم کو بتا دوں گا جب تک کہ میں یہاں کھڑا ہوں، یہ حدیث یہاں مختصر ہے، دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگوں نے حضور ﷺ سے کثرت سے سوال کرنے شروع کر دیئے تھے اور حضور ﷺ نے کثرت سوال سے منع فرمایا، بلا ضرورت سوال کرنا معیوب ہے۔ ”نہی عن کثرت السؤال وقيل وقال“ اور ”کما قال“ تو آپ کو ان کی کثرت سوال ناگوار گزری اور اس ناگواری کا اظہار حدیث میں ذکر کردہ تفصیل کے طور پر کیا۔

”فأكثر الناس في البكاء“ لوگ رونے لگے، اس لئے کہ یہ ناگواری اور ناراضی کا انداز تھا، حقیقت میں طلب سوال اس معنی میں نہیں تھا کہ آپ باقاعدہ کہہ رہے ہیں کہ سوال کرو! بلکہ ناگواری کا انداز تھا ”فمن شاء فليؤمن ومن شاء فليكفر“ کا جو انداز ہے وہی تھا۔ ”وأكثر أن يقول“ ”سلوني“ مسلمان رونے لگے اور آپ ﷺ بار بار یہ فرما رہے ہیں کہ مجھ سے سوال کرو۔

فقام عبد الله بن حذافة السهمي، فقال :

عبد اللہ بن حذافہ السہمی کھڑے ہو گئے اور انہوں نے کہا: ”من أبي“ میرا باپ کون ہے؟ یہ اس لئے پوچھا کہ کچھ لوگ ان کی والدہ پر تہمت لگاتے ہوں گے اس کا ازالہ کر دیا، یا بعض لوگوں کی طبیعت میں وہم ہوتا ہے، ہو سکتا ہے ان کی طبیعت میں بھی ہو، اور اس کا ازالہ کرنا چاہتے ہوں، بہر حال انہوں نے پوچھ لیا ”من أبي؟“

آپ ﷺ نے فرمایا ”أبوک حذافة“ کہ تمہارے باپ حذافہ ہیں۔

”ثم أكثر أن يقول سلوني“ پھر آپ ﷺ بار بار فرماتے رہے ”سلوني“۔

”فبرك عمر على رُكبتيه“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بل بیٹھ گئے اور یہ عرض کیا۔

”رضينا بالله ربا وبالإسلام ديناً وبمحمد ﷺ نبياً“۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت! ہمیں کوئی سوال نہیں کرنا، بس ہم تو آپ کی ہر بات پر مطمئن ہیں، اللہ ﷻ پر راضی ہیں پروردگار ہونے کی حیثیت سے، آپ ﷺ پر راضی ہیں نبی ہونے کی حیثیت سے، لہذا آپ ﷺ اب زیادہ سوالات کا سلسلہ جاری نہ رکھیں۔

”ثم قال عرضت على الجنة والنار أنفا في عرضها“

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: کہ میرے اوپر ابھی جنت اور نار اس دیوار کے کنارے میں پیش کی گئی ”فلم أزال الخير والشر“ تو جنت جیسی خیر اور نار جیسا شر میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ یعنی جنت اتنی بہترین چیز تھی کہ اس سے پہلے اتنی بہترین چیز نہیں دیکھی اور جہنم ایسی شر تھی کہ اس سے پہلے العیاذ باللہ اس جیسا شر نہیں دیکھا۔ اب اگر اس کو سائنٹفک طریقے سے منطبق کریں کہ جنت اور نار دیوار کے کونے میں آگئی، تو نہیں

کر سکتے۔ جبکہ جنت کا ادنیٰ ترین حصہ جو دیا جائے گا وہ دنیا سے ستر گنا زیادہ ہوگا، اب وہ دیوار کے کونے میں جنت اور نار کیسے آگئی، تو اس کا تعلق عالم غیب سے ہے، اس کو اپنے ظاہری احوال اور مشاہدے کے قواعد پر منطبق کرنے کی کوشش ہی فضول ہے۔

۵۴۱۔ حدثنا حفص بن عمر قال: حدثنا شعبة عن أبي المنهال، عن أبي برزة كان النبي ﷺ يصلي الصبح وأحدنا يعرف جليسه، وقرأ فيها ما بين الستين إلى المائة، وكان يصلي الظهر إذا زالت الشمس، والعصر وأحدنا يذهب إلى أقصى المدينة رجوع والشمس حية، ونسيت ما قال في المغرب، ولا يبالي بتأخير العشاء إلى ثلث الليل: ثم قال: إلى شطر الليل. وقال معاذ: قال شعبة: ثم لقيت مرة فقال: أو ثلث الليل. [أنظر: ۵۴۷، ۵۶۸، ۵۹۹، ۶۰۰]

نبی اکرم ﷺ صبح کی نماز پڑھتے تھے ”و أحدنا يعرف جليسه“ جبکہ ہم میں سے ہر کوئی اپنے جلس کو پہچان لیتا تھا۔

حدیث باب سے حنفیہ اور شافعیہ کا استدلال

اب اس سے فریقین نے استدلال کیا ہے: یعنی غلس والوں نے بھی اور اسفار والوں نے بھی۔ غلس والوں نے کہا کہ دیکھو جب نماز سے فارغ ہوتے تھے تب آدمی نظر آتا تھا، وہ بھی بالکل برابر والا، دور سے پھر بھی نظر نہیں آتا تھا، تو معلوم ہوا کہ نماز غلس میں ہو رہی تھی۔ اسفار والوں نے کہا کہ مدینہ منورہ کی مسجد نبوی کا تصور کرو، کہ مسجد نبوی کی دیواریں چھوٹی تھیں، چھت نیچی تھی اور مسجد کی جانب دروازہ نہیں تھا، لہذا آدمی اپنے برابر والے کو اس وقت پہچان سکے گا جب باہر خوب اجالا ہو چکا ہو۔

قول فیصل

تو دونوں نے اس کو اپنے مسلک کی طرف کھینچنے کی کوشش کی، باقی زبردستی کھینچ جان کی ضرورت نہیں،

۱۲۔ وفي صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب استحباب التكبير بالصبح في اول وقتها، رقم: ۲۴۱۰، ومنه النسائي، كتاب مواقيت، باب ما يستحب من تأخير العشاء، رقم: ۵۲۷، وسنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب في وقت الصلاة النبي وكيف كان يصليها، رقم: ۳۳۷، وسنن ابن ماجه كتاب الصلاة، باب وقت صلاة الظهر، رقم: ۶۶۶، وسنن الدارمي، كتاب الصلاة، باب قدر القراءة في الفجر، رقم: ۱۲۶۷.

اس سے کسی بھی مذہب پر یقینی استدلال ممکن نہیں، ایک حقیقت ہے جو بیان فرما رہے ہیں کہ جب نماز پڑھتے تھے تو ہم اپنے برابر والے آدمی کو پہچان لیتے تھے، لہذا اس کو کسی بھی فریق کی حتمی دلیل کے طور پر پیش نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ حنفیہ کی واضح دلیل سنن اربعہ میں حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے:

”اسفروا بالفجر فإنه أعظم للأجر“ یہ حدیث قوی بھی ہے، اور قاعدہ کلیہ بیان کر رہی ہے، لہذا جزوی فعلی اور محتمل روایتوں پر رائج ہے۔ ۵۱

حدیث باب کی تشریح

”و یقرأ فیہا ما بین السنین الی الماة“۔

ساٹھ سے سو آیتوں تک تلاوت فرماتے۔ ”وکان یصلی الظهر اذا زالت الشمس“ اور جب سورج زائل ہو جاتا تھا تو ظہر کی نماز پڑھتے تھے اور عصر پڑھتے تھے جبکہ ایک آدمی مدینہ منورہ کے انتہائی حصہ میں پہنچ جاتا، چلا جاتا تھا۔

”رجع“ کا معنی دوطرف سے آنا جانا نہیں۔ دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ”رجع الی اہله“ یعنی جب حضور اقدس ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ کر واپس مدینہ کے اقصی علاقے میں جاتا تھا، جہاں اس کا گھر تھا، تو جب وہ گھر کے اندر پہنچ جاتا تھا اس وقت سورج زندہ ہوتا۔

اس کو کسی مذہب کی حتمی دلیل قرار دینا مشکل ہے، اس لئے کہ معلوم نہیں اقصی المدینہ کتنے فاصلے پر تھا، اقصی المدینہ کدھر کا؟ دائیں کا، بائیں کا، شمال کا، جنوب کا، مشرق کا یا مغرب کا۔ کس چیز کا؟ کوئی یقینی حال معلوم نہیں۔ اس کو کسی بات کی یقینی دلیل نہیں کہہ سکتے۔

اور پھر ”رجع والشمس حیة“ کے کیا معنی ہیں؟ آیا اس سے مراد ”ما قبل الاصفار“ کی زندگی ہے یا ”ما بعد الاصفار“ کی زندگی ہے، یہ بھی پتہ نہیں۔ لہذا ان روایات سے کھینچ تان کر اپنے مذاہب پر استدلال کرنا، یہ انصاف کے خلاف ہے۔

”ونسیت ما قال فی المغرب“ کہتے ہیں کہ مغرب کے بارے میں جو کہا تھا وہ میں بھول گیا۔

۵۱ اختلاف اهل العلم فی الاسفار والتغلیس فرأى بعضهم أن الاسفار الفضل وبه قال أبو حنيفة واصحابه وسفيان الثوري واهل الكوفة أخذ بحديث رافع بن خديج اسفروا بالفجر فإنه أعظم للأجر ورأى بعضهم أن التغلیس الفضل وبه أخذ الشافعي ومالك وأحمد أخذ بحديث عائشة الخ (نصب الرأية، ج: ۱، ص: ۲۳۹، وذكره الزيلعي من عدة من الصحابة بطريق مختلفة أخرجه أصحاب السنن الأربعة وغيرهم، راجع: نصب الرأية، ج: ۱، ص: ۲۳۵، وإعلاء السنن، ج: ۲، ص: ۲۲۰۔

”ولا يبالي بتأخير العشاء الى ثلث الليل“.

اور عشاء میں ایک تہائی رات تک تاخیر کرنے میں آپ ﷺ کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ ایک روایت میں ہے ”شطر الليل“ تک اور ایک روایت میں ہے ”ثلث الليل“ تک۔

۵۳۲ - حدثنا محمد، قال: أخبرنا عبد الله قال: أخبرنا خالد ابن عبد الرحمن .

قال : حدثني غالب القطان عن بكر بن عبد الله المزني، عن أنس بن مالك قال: كنا اذا صلينا خلف رسول الله ﷺ با لظواهر سجدنا على ثيابنا اتقاء الحر. [راجع: ۳۸۵]

تجیل ظہر والوں کا استدلال

جب ہم ظہر کے وقت حضور ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے تو اپنے کپڑوں پر سجدہ کرتے تھے، گرمی اتنی ہوتی تھی کہ کچھ بچھانا پڑتا تھا۔ عمامہ کا پلو وغیرہ بچھایا اور سجدہ کیا۔ جو حضرات تجیل میں نماز پڑھنے کے قائل ہیں وہ اس سے استدلال کرتے ہیں یعنی ان کے نزدیک تجیل مستحب ہے۔

استدلال کا وجہ ضعف

یہ استدلال بھی تام نہیں ہے، اس لئے کہ مدینہ منورہ اور حجاز کے علاقے میں سخت گرمی کے موسم میں عصر تو درکنار، فجر میں بھی زمین گرم ہوتی ہے۔

میں آپ سے صحیح کہتا ہوں، آپ لوگوں نے شاید یہ منظر نہ دیکھا ہو، لیکن میں نے حرم شریف میں فجر کی نماز کا ایسا وقت دیکھا ہے کہ میں ایک پتھر پر چند منٹ کھڑا نہیں ہو سکا، تو جب فجر میں یہ حال ہوتا تھا تو عصر میں کیا ہوتا ہوگا، لیکن یہ گفتگو اس بات میں ہو رہی ہے کہ عین زوال کے وقت جو گرمی ہے اس سے بچانا منظور ہے، عصر کے وقت میں بھی بہت گرمی ہوتی ہے مغرب کے وقت میں بھی گرمی ہوتی ہے، عشاء میں بھی ہوتی ہے۔

لہذا اگر پتھر تپ رہا ہے اس حالت میں تو وہ عصر میں بھی تپ سکتا ہے، اس لئے اس سے کسی معین بات پر استدلال نہیں ہو سکتا۔

(۱۲) باب تاخیر الظہر إلى العصر

ظہر کی نماز کو عصر کے وقت تک مؤخر کرنے کا بیان

۵۳۳ - حدثنا أبو النعمان قال: حدثنا حماد بن زيد، عن عمرو بن دينار، عن

جابر بن زيد، عن ابن عباس أن النبي ﷺ صلى بالمدينة سبعا وثمانيا الظهر والعصر

والمغرب والعشاء فقال أيوب: لعله في ليلة مطيرة؟ قال عسى. [انظر: ۵۶۲، ۱۱۷۳] ۱۱
امام بخاری رحمہ اللہ نے باب قائم کیا ہے کہ ”باب تأخير الظهر الى العصر“ یعنی ”ظہر کی نماز کو عصر تک مؤخر کرنا“ اور اس میں حضرت عبد اللہ بن عباس ؓ کی روایت نقل کی ہے کہ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں سات اور آٹھ رکعتیں نماز پڑھیں یعنی ”سبعاً“ کا مطلب ہے کہ مغرب اور عشاء کو ایک ساتھ پڑھا اور ”ثمانياً“ کا مطلب ہے کہ ظہر اور عصر کو ایک ساتھ پڑھا۔

یہاں روایت میں ”سبعاً“ اور ”ثمانياً“ لف نشر غیر مرتب ہے، سبعاً کا تعلق مغرب وعشاء اور ”ثمانياً“ کا تعلق ظہر اور عصر سے ہے اور ارشاد نبوی کا مطلب یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے آٹھ رکعتیں ظہر اور عصر کی ملا کر پڑھیں اور سات رکعتیں مغرب وعشاء کی ملا کر پڑھیں۔

ترجمة الباب سے مقصود بخاری

بعض حضرات نے فرمایا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد اس باب کو قائم کرنے سے یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ ان لوگوں کا رد کرنا چاہتے ہیں جو ظہر وعصر کی نمازوں کے اوقات کو مشترک قرار دیتے ہیں۔
اس لئے کہ بعض فقہاء کا یہ مسلک ہے کہ ظہر اور عصر کی نماز کا وقت مشترک ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ سے بھی یہی منقول ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی بھی ایک روایت یہ ہے کہ مثل اول سے لے کر مثل ثانی تک کا جو وقت ہے وہ مشترک بین الظهر والعصر ہے۔ ۱۱

لہذا اس باب سے امام بخاری رحمہ اللہ ان حضرات پر رد کر رہے ہیں اور کہنا یہ چاہتے ہیں کہ وقت مشترک نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ظہر کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ”ظہر کو مؤخر کیا عصر تک“ تو معنی ہوئے کہ ظہر کا وقت الگ ہے اور عصر کا وقت الگ ہے جب ہی تو کہا جائے گا کہ ظہر کو عصر تک مؤخر کیا اور اگر دونوں کا وقت مشترک ہوتا تو پھر ”تأخير الظهر“ کہنے کے کوئی معنی نہیں بنتے۔

جبکہ بعض حضرات نے فرمایا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد ان حضرات پر رد کرنا ہے جو ظہر وعصر کے درمیان وقت مہمل کے قائل ہیں۔

یعنی ایک مذہب یہ ہے کہ مثل اول تک ظہر کا خالص وقت ہے اور مثل اول سے مثل ثانی تک کا وقت

۱۱۔ وفي صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب الجمع بين الصلاتين في الحضر، رقم: ۱۱۱۷،

وسنن الترمذی، كتاب الصلاة، باب ما جاء في الجمع بين الصلاتين في الحضر، رقم: ۱۷۲، ومسند أحمد، ومن

مسند بنی ہاشم، باب بداية مسند عبد الله بن العباس، رقم: ۲۳۲۶، ۳۰۶۵، ۳۱۵۲.

مہمل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس وقت میں کوئی فرض نماز نہیں جیسے طلوع آفتاب سے لے کر زوال تک لیکن اگر کوئی نظلیں پڑھنا چاہے تو جتنی چاہے پڑھ لے، اسی طرح بعض فقہاء نے فرمایا کہ ظہر اور عصر کے درمیان بھی ایک وقت مہمل ہے۔ تو امام بخاری رحمہ اللہ نے ان پر رد فرمایا اور حضور اقدس ﷺ کا ”جمع بین الصلوٰتین“ کا واقعہ ذکر فرمایا۔

جمع بین الصلوٰتین سے رد اس طرح ہے کہ جمع بین الصلوٰتین بالاجماع انہی دو اوقات میں ہوتی ہے جن کے درمیان کوئی وقت مہمل نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ جمع بین الصلوٰتین ہمیشہ ظہر اور عصر کے درمیان یا مغرب و عشاء کے درمیان ہوتی ہے اور جہاں کوئی وقت مہمل حائل ہو جائے یا وقت مکروہ حائل ہو جائے وہاں جمع بین الصلوٰتین نہیں ہوتی اسی وجہ سے فجر اور ظہر کے اندر جمع نہیں ہو سکتا کیونکہ فجر اور ظہر کے درمیان ایک طویل وقت مہمل حائل ہے اسی طرح عصر اور مغرب میں جمع نہیں ہو سکتا کیونکہ بیچ میں ایک وقت مکروہ حائل ہے، اسی طرح عشاء اور فجر میں جمع نہیں ہو سکتا کیونکہ درمیان میں ایک وقت مکروہ حائل ہے۔ لہذا اگر ظہر و عصر کے درمیان وقت مہمل ہوتا تو پھر جمع بین الصلوٰتین نہیں ہو سکتی تو اس سے امام بخاری رحمہ اللہ نے ان لوگوں پر رد کیا جو وقت مہمل کے قائل تھے۔

بعض مشائخ کی رائے

ہمارے مشائخ میں سے بعض حضرات اس طرف گئے ہیں اور مجھے بھی وہی بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ یہاں جمع بین الصلوٰتین حقیقی نہیں ہے، بلکہ صوری ہے۔

جمع صوری کا مطلب

جمع صوری کے معنی یہ ہیں کہ دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت پر پڑھی جائیں لیکن صورت وہ اکٹھی ہوں یعنی ظہر کے اخیر وقت میں ظہر کی نماز پڑھ لی جائے اور پھر جب عصر کا وقت داخل ہو تو عصر کی نماز پڑھ لی جائے تو صورت اگرچہ ایک ساتھ اکٹھی ادا ہوئی ہیں لیکن ان کو اپنے اپنے وقت میں ادا کیا گیا ہے۔

جمع صوری کی دلیل

اور اس بات کی دلیل کہ یہاں جمع صوری مراد ہے یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے جمع بین الصلوٰتین کا باب قائم نہیں فرمایا بلکہ ”تأخیر الظہر الی العصر“ کا باب قائم کیا کہ ظہر کو اتنا مؤخر کیا کہ عصر کے قریب پہنچ گیا تو وہاں ظہر کی نماز پڑھ لی اور پھر عصر کا وقت داخل ہونے کے بعد عصر کی نماز پڑھ لی، لہذا یہ جمع صوری ہو گئی اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ مذکورہ حدیث جمع صوری پر ہی محمول ہے اور فقہاء و محدثین کی ایک بڑی

جماعت نے بھی یہی قول اختیار کیا ہے کیونکہ اس کے بغیر یہ حدیث کسی بھی مذہب پر فٹ نہیں ہوتی، اس لئے کہ اس روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں جمع بین الصلوٰتین کیا یعنی سفر کی حالت نہیں تھی اس کے باوجود آپ ﷺ نے جمع بین الصلوٰتین کیا ہے۔

حدیث باب کی پہلی تاویل

اب جو حضرات جمع بین الصلوٰتین کے قائل ہیں وہ حالت سفر میں قائل ہیں نہ کہ حالت حضر میں، تو انہوں نے اس کی مختلف تاویلات کی ہیں۔ ایک تاویل تو خود روایت کے آخر میں ہے کہ ”فقال ایوب: لعلہ فی لیلۃ مطيرة؟“ یعنی آپ ﷺ نے یہ جمع بارش کی رات میں کیا ہوگا، انہوں نے ایک احتمال کے طور پر یہ کہہ دیا۔ چنانچہ بعض فقہاء کہتے ہیں کہ حالت مطر میں جمع بین الصلوٰتین جائز ہے اور یہ مذہب امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا ہے۔ تو یہ حضرات اس جمع کو حالت مطر پر محمول کرتے ہیں۔^{۱۸}

تردید تاویل اول

یہ دو وجہ سے درست نہیں ہے:

پہلی وجہ یہ ہے کہ بعض روایات میں آیا ہے:

”من غیر خوف ولا مطر جمع رسول اللہ ﷺ بین الصلوٰتین بالمدينة“۔

اور ترمذی میں بھی یہی ہے، لہذا جب یہاں پر صراحت موجود ہے کہ خوف اور مطر کی حالت نہیں تھی تو پھر

اس کو کیسے حالت مطر پر محمول کر سکتے ہیں؟

دوسری وجہ درست نہ ہونے کی یہ ہے کہ جو حضرات مطر کی حالت میں جمع کے قائل ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ حالت مطر میں جمع تقدیم ہو سکتی ہے جمع تاخیر نہیں ہو سکتی۔ مثلاً مغرب کے وقت بارش شروع ہوئی تو پتہ نہیں کہ کب تک رہے گی، لہذا مغرب کے وقت میں عشاء کی نماز پڑھ لی کہ کیا پتہ عشاء کے وقت تک بارش رہے اور ہم جانہ سکیں۔ اور جمع تاخیر کسی کے نزدیک بھی حالت مطر میں جائز نہیں ہے، جبکہ یہاں روایت میں جمع تقدیم بھی ہے اور جمع تاخیر بھی ہے یعنی ظہر و عصر میں جمع تاخیر ہے اور مغرب اور عشاء میں تقدیم بھی ہو سکتی ہے اور تاخیر بھی ہو سکتی ہے لیکن ظہر و عصر میں واضح طور پر تاخیر ہے اور مطر باعث تاخیر بنی ہے، لہذا اس کو حالت مطر پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔

حدیث باب کی دوسری تاویل

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ حالت مرض میں پیش آیا ہو کیونکہ بعض شافعیہ

وغیرہ کے ہاں جمع بین الصلوٰتین حالت مرض میں بھی جائز ہو جاتی ہے۔

تردید تاویل ثانی

لیکن یہ تاویل اس لئے درست نہیں ہے کہ یہ کہنا کی حضور اقدس ﷺ اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیمار تھے یہ انتہائی بعید بات ہے کیونکہ بیماری اگر ہوگی تو کچھ لوگوں کو ہوگی اور جمع بین الصلوٰتین صرف وہ ہی کر سکتے ہیں کہ جن کے لئے بیماری کا عذر ہے، لیکن جن کو بیماری نہیں وہ کیسے جمع کریں گے۔

حدیث باب کا صحیح محل

لہذا یہاں پر جمع صوری کے علاوہ کوئی اور تاویل درست نہیں بنتی، اسی وجہ سے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی ”فتح الباری“ میں اس کا اعتراف کیا ہے کہ یہاں پر اس کو جمع صوری پر محمول کرنا زیادہ اولیٰ ہے۔ ۱۹

جمع صوری پر محمول کرنے کی تائید

اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث ابو الشعثاء جابر بن زید کو سنائی تو صحیح مسلم میں روایت ہے کہ ابو الشعثاء نے کہا کہ:

”اظنہ اخر الظہر و عجل العصر و اخر المغرب و عجل العشاء“ ۲۰

یعنی میرا خیال ہے کہ آپ ﷺ نے شاید ایسا کیا ہوگا کہ ”ظہر کی نماز کو مؤخر کر دیا اور عصر کی نماز جلدی پڑھ لی اور مغرب کو مؤخر کر دیا اور عشاء کی نماز جلدی پڑھ لی“

تو راوی کا گمان بھی یہی ہے، لہذا اس سے تائید ہوتی ہے کہ یہاں پر مراد جمع صوری ہے اور اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ جمع صوری کوئی انہونی بات نہیں ہے، لہذا جن روایتوں میں جمع بین الصلوٰتین کا ذکر آیا ہے، چاہے وہ سفر کی حالت ہی کیوں نہ ہو، احتاف اس کو جمع صوری پر محمول کرتے ہیں اور یہ واقعات زیادہ تر غزوہ تبوک میں پیش آئے ہیں کہ آپ ﷺ صبح کے وقت میں زوال کے بعد روانہ ہوتے تو ظہر کو مؤخر کرتے تھے اور ظہر اور عصر کو ملا کر پھر ایک ساتھ پڑھتے تھے۔ احتاف کے نزدیک یہ جمع صوری پر محمول ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے آگے ایک باب ذکر کیا ہے کہ ”هل يؤذن او يقيم اذا جمع بين المغرب والعشاء“ اور اس میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آپ ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ ﷺ کو سفر کی حالت میں جلدی ہوتی تو آپ ﷺ مغرب کی نماز کو مؤخر فرماتے، یہاں تک کہ پھر مغرب اور عشاء کو جمع فرماتے۔

جمع صوری پر محمول کرنے کی پہلی وجہ

اور پھر اسی روایت میں آگے ”سالم“ کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما خود بھی ایسے ہی کرتے تھے یعنی جب تیزی سے جانا ہوتا تو مغرب کی نماز تین رکعت پڑھ کر سلام پھیر لیتے پھر تھوڑی دیر ٹھہر جاتے، پھر عشاء کی نماز پڑھتے۔ لہذا اگر یہ جمع حقیقی ہوتی تو درمیان میں ٹھہرنے کے کوئی معنی نہیں بنتے اور اس روایت کی تفصیل ابو داؤد میں آئی ہے اور وہاں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ ”انتظر غیاب الشفق“ یعنی شفق کے غائب ہونے کا انتظار کرتے اور جب شفق غائب ہو جاتی تو پھر عشاء کی نماز پڑھتے تھے اور ابو داؤد اور دارقطنی میں تو اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جو بین الصلوات کی نسبت کر رہے ہیں، اس کی تفسیر عملاً خود کر کے بھی دکھلا دی کہ آخر وقت میں نماز پڑھی۔ ابو داؤد کے الفاظ میں ”حتى اذا كان قبل غيوب الشفق نزل فصلی المغرب ثم انتظر حتى غاب الشفق فصلی العشاء“۔^۱

لہذا اس میں صراحت ہے کہ یہ جمع صوری تھی اس وجہ سے ان تمام روایات کو کہ جن میں جمع بین الصلوات کا ذکر ہے، احناف کہتے ہیں کہ یہ سب جمع صوری پر محمول ہیں۔

دوسری وجہ

اور اس جمع صوری پر محمول کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ قرآن مجید میں صاف صاف آیا ہے کہ ”ان الصلوة كانت على المؤمنين كتاباً موقوتاً“ یعنی نماز کا فریضہ موقت ہے۔ اور ایسی حدیثیں حد استفاضہ تک پہنچی ہوئی ہیں کہ جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کو اپنے وقت سے مؤخر کرنے پر شدید وعید بیان فرمائی ہیں۔ اسی واسطے صحیح بخاری و صحیح مسلم دونوں میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد مروی ہے کہ ”والذي لا اله الا هو ما صلى رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم صلاة لغير ميقاتها“ الخ یعنی قسم کھا کر کہہ رہے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے مزدلفہ کے کوئی نماز اپنے وقت علاوہ کسی اور وقت میں نہیں پڑھی۔

ان تمام دلائل سے یہ بات بخوبی معلوم ہو رہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نمازوں کو دوسرے وقت کی طرف مؤخر نہیں فرماتے تھے، لہذا جن احادیث میں جمع بین الصلوات وارد ہوا ہے ان کو ان آیات قرآنیہ اور روایات کے ساتھ تطبیق دینے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کو جمع صوری پر محمول کیا جائے۔

۱۔ سنن أبی داؤد، ج: ۲، ص: ۶۰، رقم: ۱۲۱۲ دار الفکر، ويشهد له رواية الدارقطني من أدرك ركعة من الصلاة

فقد أدركها قبل أن يقيم الإمام صلته انتهى وهذه الأحاديث أيضاً مشكلة عن مذهبنا في القول ببطان صلاة الصبح الخ،

نصب الراية، ج: ۱، ص: ۲۲۸.

قائلین جمع حقیقی کی دلیل

جمع بین الصلوٰتین کے سلسلے میں جو لوگ حقیقت جمع کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ جہاں درمیان میں کوئی وقت مہمل یا وقت مکروہ حائل ہو تو جمع صلوٰۃ نہیں ہو سکتی ہے۔

دلیل کا جواب

ہم یہ کہتے ہیں کہ جب مقصود رخصت دینا ہے تو پھر چاہے درمیان میں وقت مہمل حائل ہو یا وقت مکروہ حائل ہو، اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ جمع حقیقی ہو سکتی ہے لیکن جب جمع صوری مراد ہوگی تو پھر وقت مہمل اور وقت مکروہ کے درمیان میں حائل ہونے سے فرق پڑے گا کیونکہ جمع صوری اسی صورت میں ممکن نہیں کیونکہ جمع صوری کے معنی ہیں کہ ایک نماز آخری وقت میں پڑھ لی جائے اور دوسری نماز اول وقت میں پڑھ لی جائے، لہذا اب اگر درمیان میں وقت مہمل یا وقت مکروہ حائل ہونے کی وجہ سے آدمی آخر وقت میں نماز نہیں پڑھ سکتا لہذا جمع صوری کی صورت میں تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے، لیکن جب جمع حقیقی مراد لی جائے تو پھر درمیان میں وقت مکروہ یا وقت مہمل کے حائل ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

اس سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ اس سے مراد جمع صوری ہے اور حدیث باب سے بھی یہ تائید ہوتی ہے کہ حدیث باب میں اور کوئی توجیہ کسی کے نزدیک بھی ممکن نہیں ہے سوائے اس کے کہ اس سے جمع صوری مراد لی جائے۔^{۲۲}

(۱۳) باب وقت العصر

وقت عصر کا بیان

”و قال أبو أسامة عن هشام: من قعر حجرتها“

۵۴۴۔ حدثنا ابراهيم بن المنذر قال: حدثنا أنس بن عياض، عن هشام، عن أبيه أن عائشة قالت: كان رسول الله ﷺ يصلي العصر و الشمس لم تخرج من حجرتها. [راجع: ۵۴۴]

۵۴۵۔ حدثنا قتيبة قال: حدثنا الليث عن ابن شهاب، عن عروة، عن عائشة أن رسول الله ﷺ صلى العصر و الشمس في حجرتها، لم يظهر الفیء من حجرتها. [راجع: ۵۴۴]

۲۲ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: إعلاء السنن، ج: ۲، ص: ۹۳۔ ۱۰۰۔

۵۴۶۔ حدثنا أبو نعيم قال: أخبرنا ابن عيينة عن الزهري، عن عروة، عن عائشة قال: كان النبي ﷺ يصلي صلاة العصر والشمس طالعة في حجرتي، لم يظهر الفی بعد. وقال مالك ويحيى بن سعيد وشعيب وابن أبي حفصة: والشمس قبل أن تظهر. ۳

احناف کے نزدیک سوائے مغرب کے ہر نماز میں تاخیر افضل ہے اور شافعیہ کے نزدیک سوائے عشاء کے ہر نماز میں تعجیل افضل ہے لہذا مغرب اور عشاء میں دونوں متفق ہیں کہ مغرب میں تعجیل ہے اور عشاء میں تاخیر افضل ہے، اس پر تو اتفاق ہے لیکن بقیہ تین نمازوں یعنی فجر، ظہر اور عصر میں اختلاف ہے، شافعیہ تعجیل کی افضلیت کے قائل ہیں اور احناف تاخیر کی افضلیت کے قائل ہیں۔ ۴

مذکورہ روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ”لم يظهر الفی“ سایہ دیوار پر نہیں چڑھا تھا یعنی دھوپ ابھی گھر میں فرش پر ہی تھی ایسی وقت میں آپ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھی۔

تعجیل عصر پر شوافع کا استدلال

شوافع مذکورہ روایت سے استدلال اس طرح کرتے ہیں کہ دھوپ گھر کے اندر آ رہی تھی تو معنی یہ ہیں کہ آپ ﷺ نے بالکل اول وقت میں عصر کی نماز پڑھی، لہذا اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ تعجیل فرماتے تھے۔

جواب

احناف کہتے ہیں کہ اس بات پر غور کریں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارکہ کی دیواریں نیچی تھیں اور دھوپ اندر آنے کے دو ہی راستے تھے یا تو دھوپ چھت کے راستے سے آئے یعنی چھت اوپر سے کھلی ہو اور دھوپ اوپر سے آئے اور دیواریں چھوٹی تھیں، لہذا سورج مغرب کی طرف جتنا بھی ڈھل جائے اس کی دھوپ اندر آتی رہتی تھی۔

اور اگر بالفرض یہ تصور کیا جائے کہ وہ حجرہ مستقف تھا تو پھر دھوپ کے اندر آنے کا راستہ صرف دروازہ

۲۳۔ وفي صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، رقم: ۹۶۱، وسنن العرمذی، كتاب الصلاة، باب اوقات الصلوات الخمس، رقم: ۱۳۷، وسنن النسائی، كتاب المواقیث، باب تعجیل العصر، رقم: ۵۰۱، وسنن ابی داؤد، كتاب الصلاة، باب فی المواقیث، رقم: ۳۳۳، مسند أحمد، باقی مسند الأنصار، باب حدیث السیلة عائشة، رقم: ۲۲۹۶۶، ۲۳۳۱۵، ۲۴۳۵۵، ۲۴۵۰۳، ۲۵۱۷۴، وموطأ مالک، كتاب وقوت الصلاة، باب وقوت الصلاة، رقم: ۱، وسنن الدارمی، كتاب الصلاة، باب فی مواقیث الصلاة، رقم: ۱۱۶۲.

۳۴۔ قال بتعجیل العصر فی اول وقتها مالک والشافعی واحمد، وبتاخيرها ابو حنيفة واصحابه والثوری مالم تغیر الشمس كما فی شرح المذهب، معارف السنن، ج: ۲، ص: ۵۸، راجع: إعلاء السنن، ج: ۲، ص: ۴۲.

ہے اور یہ بات طے ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کا دروازہ مغرب کی سمت میں تھا اب دیواریں چھوٹی ہیں اور دروازہ بھی چھوٹا سا ہے تو اب دھوپ اندر اس وقت آئے گی جب سورج ڈھل کر مغرب کی سمت بہت نیچے چلا جائے گا لہذا جب سورج ڈھل کر نیچے چلا جائے گا پھر وہاں سے دھوپ دروازے میں داخل ہوگئی تو یہ تاخیر کی دلیل بنتی ہے نہ کہ تعجل کی۔

حنفیہ کی تائید

اس کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے جس میں عصر کی نماز کا ذکر ہے کہ فرمایا ”فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا“ یہاں قبل الغروب سے بالاتفاق عصر کی نماز مراد ہے، لہذا معلوم ہوا کہ نماز عصر کا مستحب اور متناسب وقت غروب سے پہلے کا ہے اور قبل الغروب گھنٹہ سوا گھنٹہ غروب سے پہلے کہلائے گا نہ یہ کہ تین گھنٹے قبل جیسے کسی آدمی سے کہا جائے کہ مغرب سے پہلے آ جانا اب شخص صبح پہنچ جائے اور نے کہا تھا کہ مغرب سے پہلے آ جانا تو یہ صبح وقت مغرب سے پہلے ہی تو ہے، تو سب اس کو احق ہی کہیں گے کیونکہ قبل الغروب کا اطلاق اس وقت ہوگا جبکہ آدمی غروب سے کچھ پہلے پہنچے، لہذا آپ کا بھی تین گھنٹے قبل عصر کی نماز پڑھ لینا قبل الغروب نہ ہوگا۔

احناف کہتے ہیں کہ اصفرار شمس سے اتنا پہلے پڑھ لے کہ اگر آدمی کو نماز لوٹانی پڑ جائے تو آسانی سے بمسنون طریقے سے لوٹا سکے، لہذا اگر قبل الغروب کا اطلاق پہلے کرو گے تو یہ بلاغت کی شان کے مطابق نہیں۔ لہذا اس وجہ سے تاخیر افضل ہے اور وہ بھی اتنی کی اصفرار شمس کے قریب تک بھی نہ پہنچے۔

مثل اول مثل ثانی درمیانی وقت کی بابت اقوال

ایک روایت یہ ہے کہ مثل اول سے مثل ثانی تک کا وقت مشترک ہے، ایک روایت یہ ہے کہ درمیان میں کچھ وقت مہمل ہے۔ عام طور سے مختلف روایتیں ہیں لیکن جو مشہور روایت ہے اور جس پر فتویٰ دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ مثلین تک ظہر کا وقت ہوتا ہے اور مثل ثانی سے عصر کا وقت شروع ہوتا ہے اس کو لوگوں نے ظاہر الروایۃ کہہ دیا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی ظاہر الروایۃ یہی ہے۔ اور ظاہر الروایۃ اس کو کہتے ہیں کہ امام محمدؒ کی چھ کتابوں میں سے کسی کتاب میں یہ روایت مذکور ہو۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کا قول

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”میں نے امام محمد رحمہ اللہ کی ساری کتابوں میں یہ بات تلاش کی لیکن کہیں یہ بات موجود نہیں“ لہذا اس کو ظاہر الروایۃ کہنا غلط ہے، وہاں ہم یہ کہہ سکتے

ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے مشہور یہ ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی صحیح روایت وہ ہے کہ جس میں یہ کہا گیا ہے کہ مثل اول سے مثل ثانی تک کا وقت مشترک بین الظہر والعصر ہے۔ اور اس مذہب کی تائید حدیث جبرائیل سے بھی ہوتی ہے کیونکہ آپ ﷺ نے پہلے دن مثل اول کے وقت عصر کی نماز پڑھی تھی اور پھر اگلے دن اسی وقت ظہر کی نماز پڑھی اور حدیث میں الفاظ یہ ہیں کہ ”لو قت العصر بالأمس“ یعنی کل جس وقت عصر کی نماز پڑھی تھی آج اسی وقت ظہر پڑھی، لہذا معلوم ہوا کہ وہ ظہر کا وقت بھی تھا اور عصر کا وقت بھی تھا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ وقت مشترک بین الظہر والعصر ہے لیکن دونوں وقتوں کے درمیان فاصلہ ہونا ضروری ہے، یعنی اگر ظہر مثل اول میں پڑھ لی ہے تو عصر مثل ثانی پر پڑھ لے اور اگر ظہر زوال کے متصل بعد پڑھ لی ہے تو عصر مثل اول پر پڑھ لے یعنی فاصلہ ضروری ہے۔ اس وجہ سے احناف تاخیر عصر کے قائل ہیں۔

احناف وشوافع میں اس مسئلہ میں اگر دیکھا جائے تو عملاً زیادہ فرق نہیں ہے، کیونکہ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے شافعیہ کی کتابوں میں دیکھا وہ یہ کہتے ہیں کہ عصر کی نماز کو اتنا مؤخر کرنا چاہئے کہ دن کا چوتھائی حصہ یا پانچواں حصہ باقی ہو۔ علامہ شامی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے نماز عصر کو اتنا مؤخر کر کے پڑھنا چاہئے کہ پانچواں حصہ یا چھٹا حصہ باقی ہو لہذا ایک چوتھا اور پانچواں حصہ کہہ رہے ہیں اور دوسرے پانچواں اور چھٹا حصہ کہہ رہے ہیں، تو یہ کوئی زیادہ فرق کی بات نہیں ہے۔^{۵۵}

۵۴۷ - حدثنا محمد بن مقاتل قال: أخبرنا عبد الله قال: أخبرنا عوف عن سيار

ابن سلامة قال: دخلت أنا و أبي على أبي برزة الأسلمي: فقال له أبي: كيف كان رسول الله ﷺ يصلي المكتوبة؟ فقال كان يصلي الهجير التي تدعونها الأولى حين تدحض الشمس، و يصلي العصر، ثم يرجع أحدا إلى رحله في أقصى المدينة والشمس حية، ونسيت ما قال في المغرب، وكان يستحب أن يؤخر من العشاء التي تدعونها العتمة، وكان يكره النوم قبلها والحديث بعدها، وكان ينفث من صلاة الغداة حين يعرف الرجل جلسه، و يقرأ بالسعين إلى المائة. [راجع: ۵۴۱]

روایت باب کی تشریح

یہاں مذکورہ روایت میں یہ کہا گیا ہے کہ ”عصر کی نماز ایسے وقت پڑھتے تھے کہ ہم میں سے ایک شخص مدینہ کے انتہائی حصہ میں اپنے گھر چلا جاتا تھا جبکہ سورج زندہ ہوتا تھا۔“

اب اس روایت میں جو علامتیں بیان ہو رہی ہیں وہ کسی مذہب پر بھی صراحۃً دلالت نہیں کر رہی ہیں، کیونکہ آخر مدینہ کتنا دور تھا، آدمی کس رفتار سے گیا اور سورج کے زندہ ہونے کے کیا معنی ہیں؟ یہ مبہم و مجمل باتیں ہیں، لہذا ان کو معین طور سے کسی ایک مذہب پر منطبق کرنا مشکل ہے۔

البتہ ظہر اور عصر کے سلسلے میں ایک بات سمجھنے کی ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے ظہر اور عصر کے وقت کے بارے میں متعدد روایات ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ ظہر مثل اول پر ختم ہو جاتی ہے اور مثل اول ہی سے عصر شروع ہو جاتی ہے۔

اور ایک روایت جس کو صاحبین رحمہما اللہ نے اختیار بھی کیا ہے کہ اگرچہ وقت مشترک بین الظہر والعصر ہے لیکن خمس صلوٰت کا تقاضا ہے کہ درمیان میں فاصلہ ہو، لیکن اس فاصلہ کا تقاضا عذر کی وجہ سے بعض اوقات ساقط ہو جاتا ہے، لہذا وہ کہتے ہیں کہ حالت سفر میں فاصلہ کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ جو مشترک وقت ہے اس میں دونوں اکٹھی پڑھ لو، یعنی جمع حقیقی کر لو، اور یہی بات معذور کے حق میں بھی ہے یعنی جس کو مسلسل کوئی ناقص وضو ہو رہا ہو یا خون بہہ رہا ہو جیسے مستحاضہ وغیرہ تو ان کے حق میں بھی فاصلے کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے، لہذا جو وقت مشترک بین الظہر والعصر ہے اس میں دونوں اکٹھی پڑھ لیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اصل میں وقت مشترک بین الظہر والعصر ہے لیکن عام حالات میں نمازوں کے درمیان فاصلہ ضروری ہے لیکن عذر کی بنا پر یعنی سفر اور مرض میں یہ فاصلہ ساقط ہو جاتا ہے اور دونوں نمازیں اکٹھی پڑھ سکتے ہیں اور یہی معاملہ مغرب و عشاء کا بھی ہے کہ شفق احمر کے غروب سے لے کر شفق ابیض کے غروب تک کا وقت یہ مشترک بین المغرب والعشاء ہے، لیکن مغرب اور عشاء میں فاصلہ کرنا ضروری ہے۔ مطلب یہ کہ اگر غروب کے وقت میں نماز فوراً پڑھ لی ہے اور پھر شفق احمر کے غروب ہونے کے فوراً بعد عشاء پڑھ سکتا ہے اور اگر نماز مغرب کو شفق احمر تک مؤخر کیا ہے تو پھر شفق ابیض کے غروب کے بعد عشاء پڑھنی چاہئے تاکہ فاصلہ ہو جائے لیکن جو آدمی حالت سفر میں ہے یا کسی اور حالت عذر میں ہے تو اس کے لئے یہ فاصلہ کرنے کا وجوب ساقط ہو جاتا ہے، لہذا وہ بین الاحر والابیض جمع بین الصلوٰتین کر سکتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کو اپنے اس قول پر بڑا جزم ہے اور یہی تحقیق حنفیہ کے مذہب کے عین

ابو امامہ کہتے ہیں کہ ہم نے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی، پھر ہم نکلے یہاں تک کہ ہم نے حضرت انس بن مالک ؓ کو دیکھا کہ وہ عصر کی نماز پڑھ رہے ہیں۔ تو ہم نے پوچھا کہ یہ کونسی نماز ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ عصر، اور یہ اس طرح کی نماز ہے جو ہم حضور ﷺ کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔

تجیل عصر میں شافعیہ کی دلیل

مذکورہ حدیث بلاشبہ تجیل عصر کی دلیل ہے اور شافعیہ کی دلیل و حجت ہے۔ جس کا حاصل صرف یہ ہے کہ حضرت انس بن مالک ؓ کا مذہب شافعیہ کے عین مطابق تھا اور ہمیں بھی اس سے انکار نہیں، باقی دوسرے صحابہ کرام ؓ سے دیگر باتیں بھی منقول ہیں جیسا کہ ترمذی میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ”تم عصر کی نماز حضور ﷺ کے مقابلے میں جلدی پڑھتے ہو، مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ دیر سے پڑھا کرتے تھے، تو یہ مختلف اوقات میں مختلف طریقے رہے ہیں تو کسی صحابی نے کسی طریقے کو اور کسی نے کسی اور طریقے کو اختیار کر لیا، لہذا وہ ایک دوسرے کے خلاف حجت نہیں۔

۵۵۰۔ حدثنا أبو الیمان قال: أخبرنا شعیب عن الزہری قال: حدثنی أنس بن مالک قال: کان رسول اللہ ﷺ یصلی العصر والشمس مرتفعة حیة فیذهب المذاهب إلى العوالی فیاتیہم والشمس مرتفعة، وبعض العوالی من المذینة علی أربعة امیال أو نحوہ . [راجع: ۵۴۸]

حضرت انس بن مالک ؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ عصر کی نماز پڑھتے تھے جبکہ سورج بلند ہوتا تھا تو جانے والا عوالی جاتا تھا اور ان کے پاس پہنچ جاتا تھا لاکہ سورج ابھی تک بلند ہی ہوتا تھا۔

یہ حتمی دلیل نہیں

اس حدیث کو تجیل عصر یا مثل اول پر محمول کیا جا رہا ہے اور سچی بات یہ ہے کہ یہ کسی بات کے اوپر حتمی طور پر دلیل نہیں، کیونکہ یہ کہنا کہ سورج کے بلند ہونے کی ہی حالت میں عوالی پہنچ جاتا تھا تو عوالی مدینہ کے پاس کچھ بستیاں تھیں اور ان کا حال یہ تھا کہ ایک میل سے بارہ میل تک پھیلی ہوئی تھیں اب یہ عوالی کے کون سے حصے میں جاتے تھے ایک میل والے یا چار میل والے یا بارہ میل والے؟ یہ کچھ پتا نہیں، لہذا اس سے کوئی حتمی نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا۔

۵۵۱۔ حدثنا عبد اللہ بن یوسف قال: أخبرنا مالک، عن ابن شہاب، عن أنس ابن مالک قال: کنا نصلی العصر ثم یذهب المذاهب منا إلى قباء فیاتیہم والشمس مرتفعة . [راجع: ۵۴۸]

(۱۴) باب اثم من فاتته العصر

اس شخص کو کتنا گناہ ہے جس کی نماز عصر جاتی رہے

۵۵۲۔ حدثنا عبد الله بن يوسف قال: أخبرنا مالك عن نافع، عن ابن عبد الله

عمر أن رسول الله ﷺ قال: الذي تفوته صلاة العصر فكانما وتر أهله وماله. ^{۱۹}

”فكانما وتر أهله وماله“: اس کو دو طرح سے پڑھ سکتے ہیں، پہلی صورت یہ ہے کہ ”اہلہ

ومالہ“ (مرفوع) پڑھا جائے اس صورت میں ”وتر“ ”لٹ جانے“ کے معنی میں ہوگا۔ یعنی اس کے مال اور

اس کے اہل کو لوٹ لیا گیا۔ اور اگر ”اہلہ ومالہ“ (منصوب) پڑھا جائے تو پھر ”وتر یتر“ ”کمی پیدا

کرنے“ کے معنی میں ہوگا۔ جیسے ”لن یترکم اعمالکم“ یعنی اللہ تمہارے اعمال میں کمی نہیں کریں گے، یہ

متعدی بدو مفعول ہوتا ہے لہذا یہاں ”وتر“ کی ضمیر نائب فاعل مفعول اول ہے اور ”اہلہ ومالہ“ اس کا

مفعول ثانی ہے، یعنی اس کے اہل و مال میں کمی واقع کر دی گئی۔

(۱۵) باب من ترک العصر

اس شخص کا گناہ جو نماز عصر کو چھوڑ دے

۵۵۳۔ حدثنا مسلم بن ابراهيم قال: حدثنا هشام قال: أخبرنا يحيى بن أبي كثير

عن أبي قلابة عن أبي المليح قال: كنا مع بريدة في غزوة في يوم ذي غيم فقال: بکروا

۲۹ وفي صحيح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب التغليظ في نفويت صلاة العصر، رقم:

۹۹۱، ۹۹۲، وسنن الترمذی، کتاب الصلاة، باب ما جاء في السهو عن وقت صلاة العصر، رقم: ۱۶۰، وسنن

النسائی، کتاب الصلاة، باب صلاة العصر في السفر، رقم: ۴۷۴، و کتاب المواقیت، باب التشديد في تأخير

العصر، رقم: ۵۰۸، وسنن أبي داود، کتاب الصلاة، باب في وقت صلاة العصر، رقم: ۳۵۱، وسنن ابن ماجه،

کتاب الصلاة، باب المحافظة على صلاة العصر، رقم: ۶۷۷، ومسند احمد، مسند المكثرين من الصحابة، باب

مسند عبد الله بن عمر بن الخطاب، رقم: ۴۳۱۷، ۴۳۹۳، ۴۵۷۳، ۳۸۳۰، ۳۹۱۳، ۵۰۶۱، ۵۱۹۸، ۵۵۱۹،

۵۷۹۲، ۵۹۰۱، ۶۰۳۸، ۶۰۷۳، وموطأ مالك، کتاب وقوت الصلاة، باب جامع الوقوت، رقم: ۱۸، وسنن

الدارمی، کتاب الصلاة، باب في الذي تفوته، صلاة العصر، رقم: ۱۲۰۲، ۱۲۰۳.

بصلاة العصر فإن النبي ﷺ قال: "من ترك صلاة العصر فقد حبط عمله"۔^{۳۰}

ترک نماز عصر پر وعید

مذکورہ حدیث میں "من ترک صلاة العصر فقد حبط عمله" یعنی جو نماز عصر ترک کر دے تو اس کا عمل حبط ہو گیا، یہ جملہ کس قدر سنگین ہے کہ ظاہر تو یہ ہے کہ جو کچھ کیا دھرا تھا سب پر پانی پھر گیا اور ایک دن کی عصر کی نماز چھوڑنے پر سارے اعمال بیکار ہو گئے۔

یہ ظاہری معنی جمہور اہلسنت کے نزدیک مراد نہیں ہو سکتے، کیونکہ جمہور اہلسنت کے نزدیک کبیرہ سے ایمان نہیں جاتا جیسا کہ "کتاب الایمان" میں گذر چکا ہے، لہذا وہ کہتے ہیں کہ حبط کی کچھ تاویل کرنی پڑے گی۔

حبط عملی کی تاویل

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ حبط کی تاویل نہیں ہو سکتی، البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ تغلیظ پر محمول ہے اور اس کا ظاہر مراد نہیں اور یہ تاویل بکثرت کی جاتی ہے کہ "قال النبی ﷺ تغلیظاً"۔

قاضی ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ کی توجیہ

لیکن اس تاویل پر اطمینان نہیں ہوتا، اس لئے کہ اس کے معنی یہ ہوئے کہ آپ ﷺ نے تغلیظاً ایک ایسی بات کہہ دی جو کہ واقعے کے مطابق نہیں تھی، العیاذ باللہ۔ یعنی جیسے بچوں کو جھوٹ بول کر اور غلط بات کہہ کر محض بچوں کو ڈرایا جاتا ہے، اسی طریقہ سے آپ ﷺ نے معاذ اللہ ڈرانے کے لئے ایک ایسی بات کہہ دی جو واقعے کے مطابق نہیں، لہذا یہ تاویل درست ہی نہیں ہے۔ میرے نزدیک اس کی سب سے بہتر توجیہ قاضی ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ نے کی ہے۔

حبط عمل کی قسمیں

ابن العربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حبط عمل کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم حبط عمل کی یہ ہے کہ جتنی حسنات تھیں سب پر پانی پھر گیا، کوئی بھی نیکی نامہ اعمال میں باقی نہ رہی اور یہ حبط عمل صرف کفر سے ہوتا ہے، العیاذ باللہ۔ اگر کوئی شخص مرتد ہو جائے تو اس کا عمل اسی طرح حبط ہو گا جیسا کہ سورہ "محمد" میں ہے:

۳۰۔ وفی سنن النسائی، کتاب الصلاة، باب من ترک صلاة العصر، رقم: ۴۷۰، و سنن ابن ماجہ، باب میقات

الصلاة فی الغیم، رقم: ۶۸۶، و مسند احمد، بالفی مسند الأنصار، باب حدیث بریدۃ الاسلامی، رقم: ۲۱۸۷۹۔

”الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ أَضَلُّ

أَعْمَا لَهُمْ ۝“ [محمد، الآية: ۱]

ترجمہ: جو لوگ کہ منکر ہوئے اور روکا اوروں کو اللہ کی راہ سے کھودئے اللہ نے اُن کے کام۔

دوسری قسم حیط عمل کی یہ ہے کہ تمام اعمال تو باطل نہیں ہوئے لیکن درمیان میں کوئی عمل ایسا آگیا کہ جس نے اس کو موقتاً عمل کرنے سے روک دیا مثلاً آدمی نے نماز پڑھی تھی، روزے رکھے تھے، صدقات بھی دیتا تھا لیکن ایک عمل درمیان میں ایسا آگیا کہ جو ان کے اعمال کے نتائج کے بیچ میں حائل ہو گیا اور ان اعمال کے بدلے میں جو ثواب ملنا تھا اس کو روک دیا لیکن یہ روکنا موقت ہے یعنی پہلے اس عمل کی سزا بھگتو، پھر اُن اعمال کا نتیجہ ظاہر ہوگا۔ لہذا حدیث میں جہاں مختلف گناہوں پر حیط عمل وارد ہوا ہے اس سے مراد حیط موقت ہے نہ کہ مؤبد، جو کفر کی وجہ سے ہوتا ہے۔ یہ بات دل کو بڑی لگتی بھی ہے، لہذا جہاں جہاں آپ دیکھیں کہ سوائے کفر کے کسی گناہ کے اوپر حیط عمل کو ذکر ہے تو وہاں حیط عمل موقت مراد ہوگا۔^{۳۲}

(۱۶) باب فضل صلاة العصر

نماز عصر کی فضیلت کا بیان

۵۵۲ - حدثنا الحمیدی قال: حدثنا مروان بن معاوية قال: حدثنا اسماعیل، عن

قیس عن جریر قال: کنا مع النبی ﷺ فنظر إلى القمر ليلة. یعنی البدر. فقال: ”إنکم سترون ربکم كما ترون هذا القمر، لا تضامون فی روعة فإن استطعتم أن لا تغلبوا علی صلاة قبل طلوع الشمس وقبل غروبها فافعلوا“۔ ثم قرأ: ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ﴾ [ق: ۳۹] قال اسماعیل: أفعلوا لا تفوتنکم۔ [أنظر: ۵۷۳، ۳۸۵۱، ۴۳۳۴، ۴۳۳۵، ۴۳۳۶، ۵۷۳، ۵۷۴]

۳۲ انظر: عمدة القارئ، ج: ۴، ص: ۵۷۔

۳۲ وفي صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب فضل صلاتي الصبح والعصر والمحافظة عليهما، رقم: ۱۰۰۲، ومسند الترمذی، كتاب صفة الجنة عن رسول الله، باب ماجاء فی رؤية الرب تبارک وتعالی، رقم: ۲۳۷۴، ومسند أبي داود، كتاب السنة، باب فی الرؤية، رقم: ۴۱۰۴، ومسند ابن ماجه، كتاب المقدمة، باب فیما انكرت الجهمية، رقم: ۱۷۳، ومسند احمد، اول مسند الكوفيين، باب ومن حديث جریر بن عبد الله عن النبي، رقم: ۱۸۳۹۳، ۱۸۳۹۹، ۱۸۳۵۳۔

۵۵۵۔ حدثنا عبد الله بن يوسف قال: حدثنا مالك عن أبي الزناد، عن الأعرج، عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ قال: "يتعاقبون فيكم ملائكة بالليل وملائكة بالنهار ويجتمعون في صلاة الفجر وصلاة العصر، ثم يعرج الذين باتوا فيكم فيسألهم. وهو أعلم بهم - كيف تركتم عبادي؟ فيقولون: تركناهم وهم يصلون، وأتيناهم وهم يصلون". [أنظر: ۳۲۲۳، ۴۲۲۹، ۷۴۸۶، ۷۳۳]

نماز عصر کی فضیلت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”کچھ ملائکہ تمہارے اوپر ایک دوسرے کے پیچھے آتے رہتے ہیں، کچھ رات کے وقت میں اور کچھ دن کے وقت میں۔ یہاں ”یتعاقبون“، ”اکلونی البراغیث“ کی قبیل سے ہے، قاعدہ کی رو سے ”یتعاقب“ واحد ہونا چاہئے تھا کیونکہ آگے فاعل اسم ظاہر آ رہا ہے اور جب فاعل اسم ظاہر ہو تو فعل ہمیشہ مفرد ہوتا ہے، لیکن یہاں ”یتعاقبون“ کہا گیا تو یہ بعض اہل عرب کی لغت ہے جس کی مثال نحویوں نے ”اکلونی البراغیث“ سے دی ہے۔ ”و يجتمعون في صلاة الفجر و صلاة العصر“ یعنی ان آنے جانے والے فرشتوں کا عصر اور فجر میں اجتماع ہوتا ہے پھر یہ فرشتے رات گزار کر اور اللہ ﷻ کے پاس چڑھ کر جاتے ہیں، پروردگار ان سے پوچھتے ہیں حالانکہ خود بھی جانتے ہیں۔ یہ پوچھنا کسی عدم علم کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ محض ایک اظہار فضل کی وجہ سے ہے کہ تم میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑ کر آئے ہو، تو وہ کہتے ہیں کہ فجر کی نماز پڑھتے ہوئے چھوڑ کر آئے ہیں اور جب گئے تھے تو وہ اس وقت بھی نماز پڑھ رہے تھے یعنی عصر کی نماز۔

(۱۷) باب من أدرك ركعة من العصر قبل الغروب

اس شخص کا بیان جو غروب آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت پائے

”حدثنا أبو نعيم قال: حدثنا شيبان، عن يحيى، عن أبي سلمة، عن أبي هريرة

۳۳ وفي صحيح مسلم، كتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب فضل صلاتي الصبح والعصر والمحافظة عليهما،

رقم: ۱۰۰۱، و مسند النسائي، كتاب الصلاة، باب فضل صلاة الجماعة، رقم: ۴۸۱، و مسند احمد، باقي مسند

المكبرين، باب مسند أبي هريرة، رقم: ۷۱۷۸، ۷۷۷۲، ۸۱۸۲، ۸۷۸۷، ۹۹۱۸، و موطا مالك، كتاب النداء

للصلاة، باب جامع الصلاة، رقم: ۳۷۳.

قال: قال رسول الله ﷺ: "إذا أدرك أحدكم سجدة من صلاة العصر قبل أن تغرب الشمس فليتم صلاته، وإذا أدرك سجدة من صلاة الصبح قبل أن تطلع الشمس فليتم صلاته". [أنظر: ۵۷۹، ۵۸۰] ۳۳

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو غروب سے پہلے ایک سجدہ بھی عصر کی نماز کا مل جائے تو وہ اپنی نماز پوری کر لے اور جب طلوع شمس سے پہلے ایک سجدہ نماز فجر کا مل جائے تو وہ اپنی نماز پوری کر لے۔

اور آگے زیادہ تر روایت میں اس طرح کے الفاظ ہیں کہ "من أدرك ركعة من الفجر قبل أن تطلع الشمس فقد أدرك الفجر و من أدرك ركعة من العصر قبل أن تغرب الشمس فقد أدرك العصر"۔

یہ وہ حدیث ہے جس کے ظاہر پر ائمہ ثلاثہ عمل کرتے ہیں اور حنفیہ کا مذہب چونکہ اس کے خلاف ہے لہذا حنفیہ کی طرف سے اس میں بڑی زبردست تاویلات کی گئی ہیں، جس کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے۔

حدیث باب پر ائمہ ثلاثہ کا عمل

آئمہ ثلاثہ اور جمہور اس کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ اگر طلوع سے پہلے فجر کی ایک رکعت بھی مل گئی، چاہے دوسری رکعت طلوع کے بعد ادا ہو تو نماز پھر بھی ہو جائے گی اور یہی حال عصر کی نماز کا بھی ہے۔ ۳۵

حنفیہ کا مسلک

حنفیہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ فجر کی نماز فاسد ہوگئی اور عصر کی نماز صحیح ہوگئی۔ ۳۶

۳۳ وفی صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب من أدرك ركعة من الصلاة فقد أدرك تلك الصلاة، رقم: ۹۵۳، و سنن العرمذی، کتاب الصلاة، باب ماجاء فی من أدرك ركعة من العصر قبل أن تغرب، رقم: ۱۷۱، و کتاب الجمعة عن رسول الله، باب ماجاء فیمن أدرك من الجمعة، رقم: ۴۸۲، و سنن النسائی، کتاب المواقیت، باب من أدرك ركعتین من العصر، رقم: ۵۱۲، و سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب فی وقت صلاة العصر، رقم: ۳۴۹، و سنن ابن ماجه، کتاب الصلاة، باب وقت الصلاة فی العذر والضرورة، رقم: ۶۹۱، و کتاب إقامة الصلاة والسنة فیها، باب ماجاء فیمن أدرك من الجمعة ركعة، رقم: ۱۱۱۲، و مسند احمد، باقی مسند المكبرین، باب مسند أبی هريرة، رقم: ۶۹۸۳، ۷۲۲۲، ۷۲۷۷، ۷۷۱۱، ۸۵۲۸، ۸۸۷۱، ۹۵۳۸، ۹۵۷۵، ۹۷۴۵، و موطا مالک، کتاب وفوت الصلاة، باب وقت الصلاة، رقم: ۴، و باب من أدرك ركعة من الصلاة، رقم: ۱۳، و سنن الدارمی، کتاب الصلاة، باب من أدرك ركعة من صلاة فقد أدرك، رقم: ۱۱۹۳، ۱۱۹۴۔

امام طحاوی رحمہ اللہ کا قول

امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں نمازیں فاسد ہو گئیں اس لئے کہ درمیان میں ایک مکروہ وقت حائل ہے یعنی طلوع اور غروب کا کہ جس نے دونوں نمازوں کو فاسد کر دیا۔ ۳۷

حدیث باب کی توجیہ

امام طحاوی رحمہ اللہ حدیث باب کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ ”اد رک“ سے مراد ”ادرک الفرضیۃ“ ہے یعنی اگر کوئی شخص جو پہلے نابالغ تھا وہ بالغ ہو گیا یا غیر مسلم تھا وہ اسلام لے آیا، ایسے وقت میں جبکہ ایک رکعت پڑھنے کا وقت باقی ہے تو اس نے فرضیت پالی، لہذا اس کے ذمہ فجر کی نماز فرض ہوگی، اب یہ بعد میں اس کو ادا کرے گا اور یہی حکم عصر کا بھی ہے۔ ۳۸

اشکال: احناف کے اس مشہور مذہب میں یہ مشکل پیش آتی ہے کہ دونوں نمازوں میں یہ فرق کیسے کیا گیا اور پھر حدیث باب کا مطلب کیا ہے؟

جواب: اس کے جواب میں حنفیہ کی طرف سے جو تاویل پیش کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ حدیث باب کا مطلب بیشک یہ نکل رہا ہے کہ دونوں نمازیں ہو گئیں لیکن یہ حدیث ان احادیث متواتر المعنی کے متعارض ہے، جن میں طلوع اور غروب کے وقت میں نماز پڑھنے کی ممانعت کی گئی ہے۔

اور یہ حدیثیں متواتر المعنی ہیں تو ان کا تقاضا یہ ہے کہ ان اوقات میں نماز نہ پڑھی جائے جبکہ حدیث باب کا تقاضا ہے کہ پڑھی جائے اور نماز ہو جائے گی اور تعارض کا حکم یہ ہے کہ ”اذا تعارضتا تساقطا“ لہذا اب نہ تو ان احادیث پر عمل ہو اور نہ اس حدیث باب پر عمل ہو بلکہ قیاس پر عمل ہونا چاہئے اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ فجر کی نماز صحیح فاسد ہو جائے، اور عصر کی نماز ہو جائے اس لئے کہ طلوع شمس سے ایک لمحہ پہلے تک بھی فجر کا وقت کامل ہے کوئی وقت مکروہ نہیں ہے۔ کیونکہ جب وقت داخل ہوتا ہے تو فریضہ، صلوة متوجہ ہوتا ہے اور وجوب

۳۷، ۳۶، ۳۵۔ قال النورى هذا دليل صريح فى أن من صلى ركعة من الصبح أو العصر ثم خرج الوقت قبل سلامه لا تبطل صلاته بل يتمها وهي صحيحة، وهذا مجمع عليه فى العصر وأما فى الصبح فقال به مالك والشافعي وأحمد رحمهم الله تعالى والعلماء كافة إلا أبا حنيفة رحمه الله تعالى فإنه قال تبطل صلاة الصبح بطلوع الشمس فيها لا أنه دخل وقت النهي عن الصلاة بخلاف غروب الشمس. والحديث حجة عليه الخ، فيض الباری ج: ۲، ص: ۱۱۸، وعمدة القارى، ج: ۲، ص: ۶۸.

اداء مختلف اجزا وقت میں ایک جز سے دوسرے جز کی طرف منتقل ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ جو جز ”مقارن للاداء“ ہوتا ہے وہ سب وجوب بنتا ہے، لہذا جب فجر کا وقت داخل ہوا تو وجوب ادا کے اجزاء منتقل ہوتے چلے گئے یہاں تک کہ آخری جز جو ”مقارن للاداء“ تھا اس میں فرضیت ادا ہوئی۔ اب وہ وقت جس میں وجوب ہوا، وہ کامل ہے اور اس نے ادائیگی وقت مکروہ میں کی جو اداء ناقص ہے، لہذا ”وجب کاملاً و ادی ناقصاً فلم يؤدّ کما وجب“۔

بخلاف نماز عصر کے کہ غروب شمس جو کہ متصل اصفرار کا وقت ہے اور اصفرار کا وقت وقت ناقص ہے تو جب آدمی نے نماز شروع کی تو وجوب اداء ناقص ہوا، لہذا جیسا ناقص واجب ہوا تھا ویسا ہی ادا بھی کر دیا، لہذا اس قیاس کی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ فجر میں فاسد اور عصر میں جائز ہے۔ احناف کی طرف سے یہ تاویل اس باب میں پیش کی گئی ہے۔

احناف کی تاویل

احناف کی اس تاویل پر دل مطمئن نہیں ہوتا کیونکہ یہاں پہلی بات یہ ہے کہ اس ساری بحث کا دار و مدار اس پر ہے کہ احادیث میں تعارض ہے یعنی یہ حدیث معارض ہے حدیث نبی سے، لہذا قیاس کی گنجائش نکلی اور اگر تطبیق پیدا ہو جائے تو پھر قیاس کی ضرورت ہی نہیں، لیکن اگر غور کیا جائے تو تعارض ہے ہی نہیں، اس لئے کہ نبی کے معنی ہیں کہ ایسا کام نہ کرو۔ کسی کام کا مکروہ ہونا اور بات ہے اور شریعت میں صحیح ہو جانا اور بات ہے، ہو سکتا ہے کہ ایک کام شرعاً ممنوع ہو لیکن ادا ہو جائے، مثلاً تین طلاقیں دینا منع ہیں لیکن اگر کوئی دے گا تو واقع ہو جائیں گی، اس طرح اذان جمعہ کے بعد بیچ جائز نہیں لیکن اگر کوئی بیچ کر لے گا تو صحیح ہو جائے گی، تو کسی فعل کا جواز اور بات ہے، صحت اور بات ہے۔

لہذا حدیث میں طلوع کے وقت نماز پڑھنے کی نہی آئی ہے، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اگر کوئی پڑھ لے گا تو اس کی نماز ادا نہیں ہوگی، تو نہی اور صحت میں کوئی تعارض نہیں، البتہ تعارض نفی اور صحت میں ہے۔ خاص طور پر حنفیہ کے اصول پر، اور اصول فقہ میں ہے کہ نہی من افعال شرعیہ اصل فعل کی مشروعیت کا تقاضا کرتی ہے، افعال شرعیہ سے جب نہی وارد ہو تو حنفیہ بڑی کچی بات کہتے ہیں کہ نہی اصل فعل کی مشروعیت کا تقاضا کرتی ہے کیونکہ اگر اصل فعل کی مشروعیت آپ نہیں مانیں گے تو وہ نہی، نہی نہیں رہے گی بلکہ نفی بن جائے گی، تو یہ نہی بھی افعال شرعیہ میں سے ہے کیونکہ صلوة افعال شرعیہ میں سے ہے، لہذا جب اس سے نہی وارد ہوئی ہے تو اس کے معنی یہ ہے کہ یہ فعل کی مشروعیت کا تقاضا کرے گی، لہذا اگر حدیث یہ کہہ رہی ہے کہ جس شخص نے اس طرح نماز پڑھ لی تو اس کی نماز ہوگئی تو اس کا تعارض نہی کی حدیث سے نہیں ہوا جب نہیں ہوا تو رجوع الی القیاس بھی نہیں ہوگا۔

مزے کی بات یہ ہے کہ اس کے جواب میں کوشش اس بات کی کی گئی ہے کہ تعارض ثابت کیا جائے حالانکہ عام حالات میں کوشش یہ ہوتی ہے کہ تعارض کو رفع کر کے کسی نہ کسی طرح تطبیق پیدا کی جائے۔ چنانچہ ایک روایت ایسی لائی گئی کہ جس میں ہے کہ ”لا صلوة بعد الفجر حتی تطلع الشمس ولا صلوة بعد العصر حتی تغرب الشمس“ تو کہتے ہیں کہ ”لا صلوة“ نہیں نہیں ہے بلکہ نفی ہے تو چونکہ نفی ہے تو اس کا صحت والی حدیث سے تعارض ہو گیا لہذا جب تعارض ہو گیا ہے تو ہمارا قیاس درست ہو گیا تو یہ باقاعدہ تعارض کر کے قیاس کے درست ہونے کی کوشش کی جا رہی ہے تاکہ تساقط ہو جائے اور قیاس کا کوئی مخرج نکل آئے۔

تو اوّل تو یہ بات ہے کہ ساری حدیثیں نہیں سے آرہی ہیں ایک روایت اگر نفی کے الفاظ سے آرہی ہے تو احتاف کہتے ہیں کہ یہ نفی بھی نہیں کے معنی پر محمول ہے یا ”لا“ نفی کمال کے لئے ہے، اور نفی کمال کا نسخہ تعارض کو رفع کرنے کے لئے ہر جگہ استعمال کیا جاتا ہے، لیکن یہ کیا ہے کہ زبردستی تعارض ثابت کیا جائے اور پھر اس کے نتیجے میں دونوں روایتیں ساقط ہوں، لہذا اس واسطے یہ بات کسی طرح بھی دل کو نہیں لگتی۔

پھر یہ قیاس جو پیش کیا گیا وہ بھی بڑا عجیب و غریب قسم کا قیاس ہے کہ وہاں وجوب کامل ہوا تھا، لہذا ادا بھی کامل اور یہاں وجوب ناقص، لہذا ادا بھی ناقص ہو گئی، یہ منقوض ہے۔ بہر حال اس تفصیل کی اب ضرورت نہیں، اس واسطے کہ خود حنفیہ میں بڑے بڑے محققین نے یہ کہا ہے کہ اس باب میں حنفیہ موقف کمزور ہے، حدیث باب صریح ہے اور صحیح ہے اس میں کسی تفصیل کی کوئی گنجائش نہیں، لہذا سیدھی سی بات ہے کہ حدیث اور امام کے قول میں تعارض ہو جائے تو حدیث بالا رہے گی۔

علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ نے ”البحر الرائق“ میں، حضرت گنگوہی اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہما اللہ نے ”فتح الملہم“ میں یہ کہا ہے کہ یہ تاویلات بڑی دور از کار ہیں، لہذا اس کی بنا پر حدیث صحیح کو ترک نہیں کرنا چاہئے اور یہی اس بارے میں سلیم موقف ہے۔ ۳۹

حضرت مفتی شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ کا قول زریں

میرے والد ماجد رحمہ اللہ ایک بڑی پیاری بات فرماتے تھے جو کہ یاد رکھنے کی ہے کہ ”خود حنفی بنتے ہو تو ہو، لیکن حدیث کو حنفی بنانے کی کوشش نہ کرو کہ گھڑمڑ کر کسی طرح کھینچ تان کر اس کو حنفی بناؤ“

الغرض سیدھی بات یہ ہے کہ حدیث باب صحیح اور صریح ہے اس کے خلاف کوئی بھی دلیل نہیں جو کہ وزنی ہو۔

۵۵۷۔ حدثنا عبد العزيز بن عبد الله قال : حدثني ابراهيم بن سعد عن ابن

شهاب، عن سالم بن عبد الله، عن أبيه أنه أخبره أنه سمع رسول الله ﷺ يقول: ”إنما

بقائکم فیما سلف قبلکم من الامم کما بین صلاة العصر إلى غروب الشمس؛ اوتی اهل التوراة التوراة، فعملوا بها حتی إذا انتصف النهار عجزوا فاعطوا قیراطا قیراطا. ثم اوتی اهل الإنجیل الإنجیل، فعملوا إلى صلاة العصر ثم عجزوا فاعطوا قیراطا قیراطا. ثم اوتینا القرآن فعملنا إلى غروب الشمس فاعطينا قیراطین قیراطین. فقال اهل الکتابین: ای ربنا، أعطیت هؤلاء قیراطین قیراطین وأعطیتنا قیراطا قیراطا، ونحن کنا اکثر عملا. قال الله: هل ظلمتکم من أجرکم من شیء؟ قالو: لا، قال: فهو فضلی اوتیه من أشاء. [أنظر: ۲۲۶۸، ۲۲۶۹، ۳۴۵۹، ۵۰۲۱، ۷۴۶۷، ۷۵۳۳، ۷۵۴۰]

تشریح

یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ”انما بقاءکم و فیما سلف قبلکم من الامم کما بین صلوٰۃ العصر الی غروب الشمس“۔ یہاں لفظ ”فسی“ مقابلہ کے معنی میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت مسلمہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ دنیا میں تمہاری بقاء تمہارا ٹھہرنا پچھلی جو امتیں گزر چکی ہیں ان کے مقابلہ میں ایسا ہے ”کما بین صلوٰۃ العصر الی غروب الشمس“ جیسا کہ نماز عصر سے غروب آفتاب تک کا وقت ہوتا ہے، یعنی پچھلی امتوں کا وقت ایسا ہے جیسا کہ طلوع آفتاب سے عصر تک کا وقت اور تمہارا دنیا کے اندر وقت ایسا ہے جیسا کہ عصر سے لے کر غروب آفتاب تک کا وقت۔

آگے اس کی تفصیل بیان فرمائی کہ ”اوتی اهل التوراة التوراة“ اہل توراة کو توراة دی گئی ”فعملوا بہا“ انہوں نے عمل کیا، یہاں تک کہ جب صبح سے نصف النہار تک کام کر چکے تو عاجز ہو گئے یعنی کام چھوڑ دیا۔ ”فاعطوا قیراطاً قیراطاً“ تو ان کو صبح سے دوپہر تک کام کرنے کی اجرت ایک ایک قیراط دیا گیا۔ ”ثم اوتی اهل الانجیل الانجیل“ پھر اہل انجیل کو انجیل دی گئی ”فعملوا“ انہوں نے عمل کیا، پھر وہ عاجز ہو گئے ان کو بھی ایک ایک قیراط دیا گیا۔

”ثم اوتینا القرآن“ ہم کو قرآن عطا کیا گیا ”فعملنا الی غروب الشمس فاعطينا قیراطین قیراطین“۔

۱۰۔ وفی سنن الترمذی، کتاب الأفعال عن رسول الله، باب ماجاء فی مثل ابن آدم و أجله و أمه، رقم: ۲۷۹۷، و مسند احمد، مسند المكشورین من الصحابة، باب مسند عبد الله بن عمر بن الخطاب، رقم: ۳۲۷۹، ۵۶۳۶،

”فقال اهل الكتابين“ توراۃ اور انجیل والوں نے اللہ ﷻ سے کہا ”ای ربنا اعطیت هؤلاء قیراطین قیراطین“ یعنی آپ نے مسلمانوں کو دو دو قیراط عطا فرمائے ”واعطینا قیراطا قیراطا و نحن کنا اکثر اعمالا“ جبکہ ہمارا عمل زیادہ تھا۔

اللہ ﷻ نے فرمایا ”هل ظلمتکم من اجرکم من شیء؟“ کیا میں نے تمہارے اجر میں کوئی کمی کی، تمہارا جو اجر تھا وہ تمہیں دے دیا ”قالوا لا“ انہوں نے کہا: نہیں کوئی کمی نہیں کی۔ ”قال: وهو فضلی اوتیہ من یشاء“ فرمایا جو زیادہ ہے وہ میرا فضل ہے میں جس کو چاہوں دوں، جو تمہارا حق تھا وہ تمہیں مل گیا، اگر میں کسی کو اپنے فضل سے زیادہ دیدوں تو مجھے اس کا اختیار ہے۔

امت محمدیہ کی فضیلت

اس حدیث میں اصل یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ اس امت کو اللہ ﷻ نے یہ فضیلت بخشی ہے کہ اگرچہ اس کے عمل کا وقت کم ہے لیکن اس کا اجر پچھلی امتوں کے مقابلہ میں زیادہ ہے۔
اب یہاں دو مسائل زیر بحث ہیں۔

پہلا مسئلہ

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ حدیث ”باب من ادرک رکعة من العصر قبل الغروب“ میں نکالی ہے، بظاہر اس حدیث شریف کی باب سے کوئی مناسبت نظر نہیں آ رہی ہے۔

پہلا جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ یہاں یہ بیان فرما رہے ہیں کہ جس طرح اللہ ﷻ نے امت محمدیہ کو یہ فضیلت عطا فرمائی ہے کہ ان کا وقت کم ہونے کے باوجود ان کو زیادہ اجر عطا فرمایا، اسی طرح اگر کوئی شخص عصر کی ایک رکعت بھی وقت کے اندر پالے اس کو اپنے فضل سے مدرک صلوٰۃ قرار دے دیا۔
تو دونوں جگہ فضل و کرم ہے یعنی کم وقت کے باوجود اجرت کا زیادہ دینا، یہ بھی فضل و کرم ہے اور ایک رکعت پانے والے کو پوری نماز کا مدرک قرار دینا، یہ بھی فضل و کرم ہے۔ لہذا اسی مناسبت سے امام بخاریؒ یہاں یہ حدیث لے کر آئے ہیں۔

لطیف نکتہ

اس میں ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ یہ جو فرمایا کہ امت محمدیہ عصر سے لے کر مغرب تک عمل

کر رہی ہے اور اس کو دو دو قیراط دیے گئے، اس میں امت کے تمام افراد شامل ہیں۔ یہاں تک کہ وہ لوگ بھی شامل ہیں جو قیامت کے قریب آنے والے ہیں کیونکہ وہ بھی امت محمدیہ کے افراد ہیں، حالانکہ ان کا عمل اس تمثیل کے مطابق قبیل غروب الشمس ہوگا، تو گویا ”من ادرك ركعة الخ“ یہ اس صورت حال پر قیاس ہے کہ ایک شخص قرب قیامت کے قریب آتا ہے گویا وہ قبیل غروب الشمس آیا ہے لیکن اس کے باوجود اس کو دو قیراط ملیں گے، اللہ جل جلالہ کا یہ فضل اس فضل کے مماثل ہے جو آپ ﷺ نے ایک ایک رکعت پانے والے کو چار رکعت پانے والے کے مماثل قرار دیا۔

دوسری بحث

اس حدیث میں دوسری بحث یہ ہے کہ حنفیہ کہتے ہیں یہ ہماری تائید کرتی ہے اور شافعیہ کہتے ہیں ہماری تائید کرتی ہے۔

اختلاف اس میں ہے کہ عصر کا وقت مثلیں کے بعد سے شروع ہوتا ہے یا مثل اول سے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ مثلیں کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور یہ حدیث ہماری تائید کرتی ہے اس لئے کہ اگر مثل اول سے عصر کا وقت شروع مانا جائے تو مابین المثل الاول وغروب الشمس کا وقت مابین الظہر والعصر سے زیادہ ہے، کم نہیں ہے، حالانکہ تمثیل میں مفروضہ یہ ہے کہ ظہر اور عصر کا درمیانی وقت زیادہ ہے اور عصر اور غروب کا درمیانی وقت اس کے مقابلہ میں کم ہے اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب عصر کو مثلیں پر مانا جائے، اگر مثل اول پر مانا جائے گا تو مابین العصر والمغرب کا وقت بڑھ جائے گا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا قول

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث شافعیہ کے مسلک کی تائید کرتی ہے اور کہتے ہیں کہ اگر عصر مثل اول پر مانی جائے تب بھی ”ما بین العصر والمغرب“ کا وقت ”ما بین الظہر والعصر“ سے کم ہوتا ہے۔

علامہ عینی رحمہ اللہ کا قول

علامہ عینی رحمہ اللہ کہتے ہیں اس طرح ”ما بین العصر والمغرب“ کا وقت زیادہ ہوتا ہے، لہذا دونوں میں بحث چلی۔^{۱۱}

توضیح

واقعہ یہ ہے کہ یہ بات کہ کون سا وقت لمبا ہوتا ہے اور کون سا مختصر ہوتا ہے یہ ازمنہ اور امکانہ پر موقوف ہے۔ بعض زمانوں میں بعض مقامات پر ”ما بین العصر و المغرب“ کا وقت مثل اول کی صورت میں زیادہ ہوتا ہے اور بعض مرتبہ اس کے برابر اور بعض مرتبہ کم ہوتا ہے، اس لئے اس کو شافعیہ یا حنفیہ کے حق میں ابدی دلیل کہنا تو مشکل ہے، البتہ رجحان اس طرف ہوتا ہے کہ یہ بات جزیرہ عرب کی ہو رہی ہے اور جزیرہ عرب میں خاص طور پر گرمی کے موسم میں عصر کا وقت اگر مثل اول سے مانا جائے تو ما بین الظہر والعصر کا وقت زیادہ ہو جاتا ہے اس واسطے اس حدیث سے حنفیہ کی تائید ہوتی ہے، لیکن یہ جزیرہ عرب اور گرمی کے موسم کے لحاظ سے ہے اس لئے ابدی طور پر کسی کے حق میں واضح دلیل نہیں بنتی۔

سوال: یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حدیث باب سے بظاہر یہ معلوم ہو رہا ہے کہ اہل انجیل کی مدت عمل اہل قرآن کی مدت عمل سے زیادہ ہے، کیونکہ ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ ظہر سے لیکر عصر تک کام کریں گے اور اہل قرآن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ عصر سے مغرب تک کام کریں گے اور پھر آخر میں ”نحن کنا اکثر عملاً“ بھی کہا گیا ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت کی مدت عمل امت محمدیہ علی صاحبہا السلام کی مدت عمل سے زیادہ ہو، حالانکہ واقعہ یوں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمان کے تقریباً ساڑھے چھ سو سال گزرے تھے کہ حضور اقدس ﷺ تشریف لے آئے لہذا اہل انجیل کی مدت عمل کل ساڑھے چھ سو سال ہوئی جبکہ امت محمدیہ کو اب تک چودہ سو سال ہو چکے ہیں جو ان کی مدت سے کم از کم دو گنی تو ہے ہی اور اللہ جل جلالہ نے اس سے آگے کتنی مدت ہوگی۔ اس لئے بظاہر اہل انجیل کی مدت عمل کو زیادہ اور اہل قرآن کی مدت عمل کو کم قرار دینا خلاف واقعہ لگ رہا ہے۔

جواب: اس سوال کا جواب کافی تلاش و جستجو کے باوجود مجھے کہیں نہیں ملا، کیونکہ اس سوال سے کسی نے تعرض نہیں کیا، سب اسی مفروضے پر بحث کرتے آئے ہیں کہ اہل انجیل کی مدت عمل زیادہ ہے، اس لئے اس کا کوئی واضح جواب تو نہیں ملا لیکن شاید اس کا یہ جواب ممکن ہو کہ یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لے کر حضرت نبی کریم ﷺ تک کا زمانہ مراد ہے۔ اہل انجیل اگرچہ بعد میں آئے ہیں لیکن اہل انجیل انہی کو کہا جائے گا جو تورات پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر بھی ایمان رکھتے ہیں، ورنہ جو لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ رکھیں تو وہ اہل انجیل کہلانے کے مستحق نہیں ہے جیسا کہ اہل قرآن اس وقت تک مسلمان کہلانے کے مستحق نہیں ہیں جب تک حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لائیں، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھی ایمان لانے والے تھے، لہذا ان کی مدت عمل اور اہل تورات کی مدت عمل

باہم مدغم ہو گئی ہے اور مدغم ہونے کی وجہ سے انہوں نے یہ کہا کہ ”اکننا اکثر عملاً“ یہ تو جیبہ میری سمجھ میں آتی ہے لیکن اس کی تصریح نہیں دیکھی، اور یہ تو جیبہ خالی از اشکال بھی نہیں ہے۔

(حاشیہ نمبر ۲ صفحہ ۷۹) میں لکھا ہے ”هذا على وجه التمثيل والتشبيه فلا يلزم منه السوية

من كل جهة“.

لیکن اصل میں بات یہ ہے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ تمثیل اور تشبیہ میں ”تسوية“۔ ”من كل الجهة“ نہیں ہوتا لیکن مثل فیہ میں تو تسویۃ ہونا چاہئے اور مثل فیہاں ”ما بین العصر الی غروب الشمس“ ہے۔ اس لئے یہ عبارت صحیح معنی میں اشکال کا جواب نہیں بنتی ہے۔

دوسرا جواب

دوسرا جواب یہ بھی ممکن ہے کہ یہ فضیلت صرف صحابہ کرام ؓ کو حاصل ہو کہ انہیں دو دو قیراط ملے، اور ظاہر ہے صحابہ کرام ؓ کا زمانہ اہل انجیل کے کل زمانہ سے کم تھا، واللہ اعلم۔ ۳۲

۵۵۸۔ حدثنا أبو کریب قال: حدثنا أبو أسامة، عن برید، عن أبي بردة، عن أبي موسى عن النبي ﷺ: ”مثل المسلمین والیہود والنصارى کمثل رجل أستاذجروما یعملون له عملاً إلى اللیل فعملوا إلى نصف النهار فقالو: لا حاجة لنا إلى اجرک، فاستاجر اخرین فقال: اکملوا بقية یومکم و لکم الذی شرطت، فعملوا حتی اذا کان حین صلاة العصر قالو: لک ما عملنا، فاستاجر قوما فعملوا بقية یومهم حتی غابت الشمس، واستكملوا اجر الفريقین“۔ [أنظر: ۲۲۷۱] ۳۳

یہ اسی جیسی تمثیل ہے جو پہلے بیان کی گئی ہے البتہ تھوڑا سا فرق ہے۔ وہاں یہ تھا کہ وہ زوال کے وقت عاجز ہو گئے اور یہاں یہ ہے کہ انہوں نے خود کام چھوڑ دیا اور کہا کہ ہمیں تمہاری اجرت کی ضرورت نہیں ہے، پھر کچھ لوگوں کو کام کے لئے لیا اور ان سے طے کیا کہ تم اس وقت تک کام کرنا لیکن جب عصر کی نماز کا وقت آیا تو انہوں نے کہا بس ہمیں جتنا کرنا تھا کر لیا اب اور نہیں کرتے، پھر ایک اور قوم کو لیا ”فعملوا بقية یومهم حتی غابت الشمس“، واستكملوا اجر الفريقین“ ہو سکتا ہے کہ وہی پہلی والی تشبیہ مراد ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دوسری ہو، دونوں قول ہیں، لیکن بہر حال حاصل اس کا بھی وہی ہے۔

یعنی عشاء کی نماز احیاناً و احیاناً مختلف اوقات میں پڑھتے۔ آگے اس کی تفصیل بیان فرمائی کہ دیکھتے کہ جب لوگ جمع ہو گئے ہیں تو جلدی پڑھ لیتے اور دیکھتے کہ لوگ دیر سے آئے ہیں تو ”اخرو“ تاخیر کر دیتے۔

(۱۸) باب وقت المغرب

مغرب کے وقت کا بیان

”وقال عطاء: يجمع المريض بين المغرب والعشاء“.

۵۵۹۔ حدثنا محمد بن مهران قال: حدثنا الوليد قال: حدثنا الأوزاعي قال: حدثنا أبو النجاشي مولى رافع بن خديج - هو عطاء بن صهيب - قال: سمعت رافع ابن خديج يقول: كنا نصلي المغرب مع النبي ﷺ، فینصرف أحدنا وإنه لیبصر مواقع نبله.

۵۶۰۔ حدثنا محمد بن بشار قال: حدثنا محمد بن جعفر قال: حدثنا شعبه، عن سعد، عن محمد بن عمرو بن الحسن بن علی قال: قدم الحجاج لفسألنا جابر بن عبد الله فقال: كان النبي ﷺ يصلي الظهر بالهاجرة، والعصر والشمس نقية، والمغرب اذا وجبت، والعشاء أحيانا وأحيانا، إذا رآهم إجتمعوا عجل، وإذا رآهم أبطؤا آخر. والصبح كانوا أو كان النبي ﷺ يصليها بغلس. [أنظر: ۵۶۵]

حدیث باب سے شافعیہ کا استدلال

یہ وہ حدیث ہے جس سے شافعیہ استدلال کرتے ہیں کہ نماز فجر کا غلس میں پڑھنا افضل ہے۔ حنفیہ کا کہنا ہے کہ اسفار میں پڑھنا افضل ہے۔

حنفیہ کا استدلال

حنفیہ کی دلیل سنن اربعہ میں حدیث ہے ”اسفروا بالفجر فانه اعظم للأجر“۔^{۴۳}
حنفیہ کہتے ہیں یہ قولی حدیث ہے اور غلس والی فعلی حدیث ہے اور جب تعارض ہو تو قولی کو ترجیح ہوتی ہے۔

توجیح

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو یہ فرما رہے ہیں کہ آنحضرت ﷺ غلس میں پڑھتے تھے، اصل میں غلس کہتے ہیں جھٹ پٹے کو اور جھٹ پٹہ ایسا لفظ ہے جس سے مختلف لوگ مختلف اوقات مراد لیتے ہیں۔ اب جس وقت ہم نماز فجر پڑھنے آتے ہیں تو اس وقت ہلکا ہلکا اندھیرا ہوتا ہے، اگر کوئی شخص اس کو غلس کہہ دے، جھٹ پٹہ سے تعبیر کر دے تو یہ کوئی بعید نہیں ہے اور دوسرا آدمی اسی کو اسفار سے تعبیر کر دے اس لئے کہ تھوڑی تھوڑی روشنی بھی ہوتی ہے تو یہ بھی

۴۳۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: اعلاء السنن، ج: ۲، ص: ۲۰۰-۲۰۱.

کوئی بعید نہیں ہے۔ جب حدیث میں یہ ہے کہ آپ ﷺ غلّس میں پڑھتے تھے جیسا کہ یہاں آیا ہے اور ساتھ ساتھ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ”اسفرو بالفجر“ تو دونوں میں تطبیق اس طرح دی جاسکتی ہے کہ وہ ایسا وقت ہوتا تھا کہ اگر کوئی کہنے والا غلّس کہے تو یہ بھی ممکن تھا اور اگر کوئی اسفار کہے تو یہ بھی ممکن تھا۔ لہذا یہ کہنا کہ حضور اقدس ﷺ غلّس میں نماز پڑھتے تھے اور اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ بالکل چوہٹ اندھیرا ہوتا تھا یہ نتیجہ نکالنا مشکل ہے، لہذا تطبیق دینی چاہئے کہ ایسے وقت میں پڑھے جس میں ہلکا سا اندھیرا بھی ہو اور کچھ روشنی بھی ہوگئی ہو، کم از کم شروع ایسے وقت میں کرے، اس طرح دونوں حدیثوں پر عمل ہو جاتا ہے اور یہی حنفیہ کا موقف ہے۔

”جمع بین الصلوٰتین“ سے متعلق بحث پیچھے گزر چکی ہے یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے جو ترجمہ قائم کیا ہے ”یجمع المریض بین المغرب والعشاء“ اس سے بظاہر اس طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کو حالت مرض پر محمول کیا ہے کہ آپ نے مدینہ میں جمع بین الصلوٰتین مرض کی وجہ سے فرمائی لیکن اس تاویل کا ضعف پہلے گزر چکا ہے کہ یہ تصور کرنا بڑا مشکل ہے کہ پورے مدینہ کے سارے مسلمان بیک وقت ایسے بیمار ہو گئے تھے جس کی وجہ سے سب کو جمع بین الصلوٰتین کی حاجت پیش آگئی۔

(۱۹) باب من کرہ أن یقال للمغرب: العشاء

اس شخص کا بیان جس نے اس کو مکروہ سمجھا ہے کہ مغرب کو عشاء کہا جائے

۵۶۳۔ حدثنا أبو معمر. هو عبد الله بن عمرو. قال: حدثنا عبد الوارث، عن

الحسين قال: عبد الله بن بريدة قال: حدثني عبد الله المزني أن النبي ﷺ قال: ”لا تغلبنكم الأعراب على إسم صلاتكم المغرب“ قال: و تقول الأعراب: هي العشاء. ۵۶۰، ۵۵

حضرت عبداللہ المزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”لا تغلبنکم الأعراب علی

إسم صلوٰتکم المغرب“ اعرابی لوگ مغرب کی نماز کے نام کے بارے میں تم پر غلبہ نہ پائیں۔ آگے راوی نے خود تفسیر کردی کہ قال: و تقول الأعراب: ”هي العشاء“ اعرابی لوگ مغرب کی نماز کو عشاء کہتے تھے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان اعرابی لوگوں سے مغلوب ہو کر تم بھی مغرب کی نماز کو عشاء سے تعبیر کرنے لگو، اس کو عشاء سے تعبیر نہ کرو بلکہ مغرب ہی کہو، بعض حضرات مغرب کو ”العشاء الأولى“ اور عشاء کو ”العشاء الآخرة“ کہنے لگے تھے، آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا کہ اس نام سے مغلوب نہ ہو

۵۵ لا یوجد للحديث مكررات.

۵۶ وفي مسند احمد، اول مسند البصريين، باب حديث عبد الله بن مفضل المزني، رقم: ۱۹۶۳۳.

بلکہ مغرب کو مغرب ہی کہو۔

صورت حال یہ تھی کہ اعرابی لوگ مغرب کو عشاء کہتے تھے اور عشاء کو عتمہ کہتے تھے۔ عتمہ اس لئے کہتے تھے کہ ”اعتم - يعتم“ کے لفظی معنی دودھ دوہنا، یہ عرب لوگ رات کے وقت اپنی بکریوں اور اونٹنیوں کا دودھ نکالا کرتے تھے، اس لئے انہوں نے اس کا نام عتمہ رکھا ہوا تھا۔ چونکہ عشاء کی نماز بھی اسی وقت پڑھی جاتی تھی اس لئے انہوں نے عشاء کی نماز کو بھی ”صلوة العتمہ“ کہنا شروع کر دیا اور مغرب کو عشاء کہنا شروع کر دیا۔ آنحضرت ﷺ نے اعراب کے اس نام پر اعتراض فرمایا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تاکید فرمائی کہ مغرب کو مغرب کہو اور عشاء کو عشاء کہو۔ مغرب کو عشاء اور عشاء کو ”صلوة العتمہ“ کہنے سے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے۔

عشاء اور عتمہ میں فرق

دونوں میں تھوڑا سا فرق ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ اسی فرق کو یہاں بیان فرما رہے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ اعرابی لوگ مغرب کو عشاء کہتے تھے آنحضرت ﷺ نے اس پر شدت سے نہی فرمائی ”لا یغلبکم الاعراب“ اس لئے کہ بعض جگہ ایسا ہوتا ہے کہ جہاں نام بدلنے سے حقیقت میں کوئی تبدیلی یا التباس پیش نہیں آتا، ایسی جگہ نام کی تبدیلی زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی کہلائے گی، خلاف اولیٰ کہیں گے لیکن جہاں نام کی تبدیلی سے التباس پیدا ہونے کا اندیشہ ہو ایسی جگہ نام کی تبدیلی بالکل جائز نہیں ہوگی۔ اعراب جو مغرب کو عشاء کہتے تھے اس میں التباس کا اندیشہ تھا اس لئے کہ عشاء دوسری نماز کا نام ہے لہذا اس سے سختی سے منع فرمایا۔ اور عشاء کو عتمہ کہنے سے التباس کا اندیشہ نہیں تھا لہذا اس کو ناپسند تو فرمایا لیکن اس پر اتنی سخت نہی نہیں فرمائی۔

عشاء کو عتمہ کہنا ناپسندیدہ ہے

آگے امام بخاری رحمہ اللہ اس کی وضاحت فرما رہے ہیں کہ اگر کوئی عتمہ کہے تو یہ ناجائز نہیں ہے لیکن ناپسندیدہ ہے اور ناپسند ہونے کی دو وجہ ہیں:

ایک وجہ تو یہ ہے کہ شریعت نے جس چیز کا جو نام مقرر فرمایا ہے مسلمان کو پابندی ہے کہ وہ اس نام کا احترام بھی کرے اور تحفظ بھی کرے۔ قرآن کریم میں ہے ”ومن بعد صلوة العشاء“ تو قرآن کریم نے صلوة العشاء نام لے کر فرمایا، اب بلا وجہ اس نام سے عدول کرنا اور اس کو تبدیل کرنا پسندیدہ نہیں ہے، پتہ چلا کہ نام کے اندر بھی حسن و قبح ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اعرابیوں نے عتمہ نام ایک ذبیوی مشغلہ کی وجہ سے رکھا تھا جو دودھ دوہنے سے

متعلق ہے اور جس کا پس منظر بھی اچھا نہیں ہے۔ بعض شراح نے فرمایا کہ اعراب لوگ رات کو اس لئے دودھ دوہتے تھے کہ دن کو لوگ جمع ہو جاتے اور کوئی مانگتا تو دینا پڑتا تھا لہذا رات کو دوہتے تاکہ کسی کو پتہ نہ چلے اور کوئی مانگنے نہ آئے۔

گویا اس وقت کو دودھ دوہنے کے لئے منتخب کرنا بخل پر مبنی تھا، لہذا ایک ایسا دنیوی عمل جو بخل پر مبنی ہے ایک افضل العبادات کو اس کے نام سے موسوم کرنا یہ پسندیدہ بات نہیں ہے، لیکن چونکہ کوئی تلخیص بھی نہیں ہے اس لئے بالکل ناجائز اور حرام بھی نہیں کہا۔

بخلاف مغرب کا نام عشاء رکھنے میں چونکہ اس میں تلخیص ہے، اس لئے بالکل سختی سے منع فرمایا۔

(۲۰) باب ذکر العشاء والعتمۃ و من راہ واسعا،

عشاء اور عتمہ کا ذکر اور جس نے عشاء اور عتمہ دونوں کہنا جائز خیال کیا ہے
وقال أبو هريرة عن النبي ﷺ: "أثقل الصلاة على المنافقين العشاء والفجر".
وقال: "لو يعلمون ما في العتمۃ والفجر"، قال أبو عبد الله: والإختيار أن يقول:
العشاء، لقوله تعالى: ﴿وَمِنْ بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ﴾ [النور: ۵۸] ويذكر عن أبي موسى قال:
كنا نتناوب النبي ﷺ عند صلاة العشاء فأعتم بها. وقال ابن عباس وعائشة: أعتم النبي ﷺ
بالعشاء. وقال بعضهم عن عائشة: أعتم النبي بالعتمۃ. وقال جابر: كان النبي ﷺ
يصلی العشاء. وقال أبو برزۃ: كان النبي ﷺ يؤخر العشاء. وقال أنس: "أخر النبي ﷺ
العشاء الأخيرة. وقال ابن عمر وأبو أيوب وابن عباس: صلى النبي ﷺ المغرب والعشاء.

ترجمۃ الباب سے مقصود بخاری

”باب ذکر العشاء والعتمۃ“ الخ عشاء کے ساتھ عتمہ کا لفظ بھی ذکر فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ بعض سلف نے عتمہ کے لفظ سے بھی عشاء کو تعبیر کیا ہے۔

”و من راہ واسعا“ اور یہ باب اس شخص کی دلیل میں ہے جو اس معاملے میں وسعت سمجھتا ہے یعنی اس کے نزدیک عشاء کو عتمہ سے تعبیر کرنے کی گنجائش موجود ہے۔

”وقال أبو هريرة عن النبي ﷺ: أثقل الصلاة على المنافقين العشاء والفجر“.

حضرت ابو ہریرہ ؓ نے نبی کریم ﷺ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ منافقوں پر سب سے زیادہ دو نمازیں گراں ہوتی ہیں ایک عشاء اور دوسری فجر۔

اب یہ اس بات کی دلیل پیش کر رہے ہیں کہ صحابہ کرام ؓ بکثرت عشاء کا لفظ استعمال کرتے تھے بعض نے کبھی کبھی عتمہ کا لفظ بھی استعمال کیا ہے۔

ایک جگہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ ”یعلمون ما فی العتمة و الفجر“ اگر لوگ عشاء اور فجر کی فضیلتوں کو جان لیں تو (بعض احادیث میں یہ الفاظ ہیں) وہ آئیں چاہے ان کو گھنٹوں کے بل چل کر آنا پڑے۔ یہاں خود حضور اقدس ﷺ نے عتمہ کا لفظ عشاء کے لئے استعمال فرمایا، معلوم ہوا کہ عتمہ کا لفظ استعمال کرنا جائز ہے۔

”قال أبو عبد الله: والإختیار أن يقول العشاء“.

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اولیٰ اور پسندیدہ یہ ہے کہ عشاء کا لفظ استعمال کریں۔

”لقوله تعالى: و من بعد صلوة العشاء“.

اللہ ﷻ نے قرآن کریم میں یہی لفظ استعمال فرمایا ہے اور جو لفظ قرآن میں استعمال کیا گیا ہے وہی اولیٰ اور پسندیدہ ہوگا۔

”یذکر عن ابی موسیٰ قال: کنا نتطاول النبی ﷺ صلوة العشاء فاعتم بها“ حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ سے یہ حدیث منقول ہے، خود امام بخاری رحمہ اللہ اس کو موصلاً ذکر کریں گے کہ جب یہ اپنے قبیلہ کے ساتھ حضور اقدس ﷺ کے پاس آئے تھے تو کہیں باہر پڑاؤ ڈال لیا تھا اور باری باری حضور اقدس ﷺ کے پاس عشاء کی نماز پڑھنے کے لئے آیا کرتے تھے، یہاں لفظ عشاء کا استعمال کیا لیکن فرمایا ”اعتم بها“ حضور اقدس ﷺ نے یہ نماز اندھیرے میں پڑھی۔ ”اعتم“ کے معنی ہے وقت العتمة میں داخل ہو جانا۔

”وقال ابن عباس و عائشة: اعتم النبی ﷺ بالعشاء“ انہوں نے نماز کے لئے عشاء کا لفظ استعمال کیا۔

”وقال بعضهم عن عائشة: اعتم النبی ﷺ بالعتمة“ یہاں نام بھی عتمہ ذکر کیا، معلوم ہوا سب جائز ہے۔

وقال جابر: كان النبی ﷺ يصلي العشاء.

وقال أبو هريرة: كان النبی ﷺ يؤخر العشاء. وقال انس: أخر النبی ﷺ العشاء الآخرة. وقال ابن عمر و أبو أيوب و ابن عباس: صلى النبی ﷺ المغرب و العشاء.

یہ سب حضرات زیادہ تر عشاء کا لفظ استعمال کر رہے ہیں۔

۵۶۳۔ حدثنا عبدان قال: أخبرنا عبد الله، قال: أخبرنا يونس عن الزهري قال سالم: أخبرني عبد الله قال صلى لنا رسول الله ﷺ ليلة صلاة العشاء. وهي التي يدعو

الناس العتمة. ثم انصرف عليه الصلاة والسلام فاقبل علينا فقال: "أرائتم ليلتكم هذه، فان راس مائة سنة منها لا يبقى ممن هو على ظهر الارض أحد" [راجع: ۱۱۶]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں "صلی لنا رسول اللہ ﷺ ليلة صلوة العشاء و هي التي يدعو الناس العتمة" حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے خود عشاء کا لفظ استعمال فرمایا لیکن ساتھ کہہ دیا کہ یہ وہ نماز ہے جس کو لوگ عتمة کے نام سے پکارتے ہیں۔

"ثم انصرف ﷺ فاقبل علينا فقال" عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد آپ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ تمہیں آج کی رات کے بارے میں بتاؤں "فان راس مائة سنة منها لا يبقى ممن هو على ظهر الارض أحد" اس رات کے بعد جو سو سال ہوں گے اس رات میں ان لوگوں میں سے جو اس وقت زمین کی پشت پر ہیں کوئی شخص باقی نہیں رہے گا، یعنی سو سال بعد جب یہی رات آئے گی تو آج جتنے لوگ زمین پر موجود ہیں ان میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اب صحیح تاریخ تو معلوم نہیں کہ آپ ﷺ نے کون سی رات میں یہ بات ارشاد فرمائی تھی لیکن وصال سے پہلے ہی کسی وقت فرمائی ہوگی، چنانچہ سب سے آخر میں جن صحابی کی وفات ہوئی وہ حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ ہیں اور اس وقت ان کی عمر سو سال کے قریب تھی اور یہ پہلی صدی ہجری کا بالکل آخری وقت تھا۔ سو سال کے بعد کسی کا زندہ رہنا ثابت نہیں۔

حدیث باب سے حضرت خضر علیہ السلام کی موت پر استدلال

اس حدیث سے بعض لوگوں نے حضرت خضر علیہ السلام کی موت پر بھی استدلال کیا ہے۔

یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں یا نہیں؟

بعض حضرات نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے سو سال بعد جو لوگ اس وقت زمین کی پشت پر موجود ہیں ان میں سے کوئی زندہ نہیں رہے گا، اگر حضرت خضر علیہ السلام اس وقت زندہ تھے تو یقیناً سو سال کے بعد مر گئے ہوں گے۔

جو لوگ حضرت خضر علیہ السلام کی حیات کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہاں ذکر "على ظهر الارض" کا ہے اور وہ "على الارض" ہیں ہی نہیں، کہاں ہیں؟ یہ اللہ ﷻ ہی جانیں۔ اس واسطے وہ حضرات کہتے ہیں کہ اس سے ان کی وفات کا کوئی استدلال نہیں بنتا اور حیات کا بھی نہیں بنتا، حیات اور وفات دونوں کی کوئی واضح دلیل نہیں ہے۔ ۷۷

صوفیائے کرام رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہماری حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوتی رہتی ہے، جب وہ یہ کہتے ہیں تو ”اذا لم تری الهلال فسلم..... الخ۔“
لہذا خواہ مخواہ اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے، نہ عقیدۂ ان کی حیات ماننا ضروری ہے اور نہ وفات ماننا ضروری ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی ملاقات ایک ایسے جن سے ہوئی جو صحابیؓ تھے، واقعہ کچھ اس طرح سے بیان کیا گیا ہے کہ ان کے بادشاہ کے ساتھ بڑے تعلقات تھے، ایک دن یہ اپنے کمرے میں بیٹھے تھے کہ بادشاہ کا قاصد آیا اور کہا کہ بادشاہ صاحب نے آپ کو بلایا ہے، یہ چل دیئے، ان کو ایک پاکی یعنی ڈولی میں بٹھا دیا۔ ڈولی کے اوپر پردے پڑے ہوتے ہیں جس کی وجہ سے آدمی کو یہ پتہ نہیں چلتا کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔

چنانچہ وہ پاکی لے کر چلے، تھوڑی دیر کے بعد انہیں محسوس ہوا کہ پاکی ہوا میں اڑ رہی ہے، چنانچہ انہوں نے باہر دیکھا تو واقعی وہ ہوا میں اڑ رہی ہے، سمجھ گئے کہ کچھ چکر ہے۔ وہ پاکی ایک پہاڑی پر لے جا کر اتاری گئی، انہوں نے وہاں دیکھا کہ سب لوگ سیاہ لباس پہنے کھڑے ہیں، پوچھا بھائی یہ کیا قصہ ہے۔ بتایا گیا کہ ہمارا شہزادہ مر گیا ہے اس کا ماتم ہو رہا ہے۔

اتنا تو سمجھ گئے کہ یہ جنات ہیں، پوچھا کہ مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟ کہا کہ ابھی آپ کو پتہ چل جائے گا، جب لے گئے تو دیکھا کہ بادشاہ کا دربار لگا ہوا ہے، اس میں ان کو پیش کیا گیا۔ بادشاہ نے کہا ہم نے آپ کو اس لئے بلایا ہے کہ آپ نے ہمارے بیٹے کو قتل کیا ہے، انہوں نے کہا میں نے آپ کے بیٹے کو قتل نہیں کیا۔ بادشاہ نے کہا کل رات آپ اپنے کمرے میں تھے وہاں ایک سانپ آیا تھا آپ نے اس سانپ کو مار دیا تھا، وہ اصل میں سانپ نہیں تھا بلکہ ہمارا بیٹا تھا جو اس شکل میں متشکل تھا۔

اب یہ بہت پشیمان ہوئے کہ میں نے تو سانپ سمجھ کر مارا تھا مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ سانپ ہے یا جن۔
بادشاہ نے کہا اچھا ہم پہلے اپنے ایک مفتی صاحب سے مسئلہ پوچھیں گے چنانچہ تھوڑی دیر بعد ایک نورانی صورت والے بزرگ آئے، ان کے سامنے مسئلہ پیش کیا گیا تو انہوں نے کہا ”سمعت رسول اللہ ﷺ باذنی ہاتین بقول من تزبا بغیر زیہ فدمہ ہدر“۔

جو شخص کسی دوسرے بھیس میں آجائے تو اس کا خون ہدر ہے، لہذا ان پر قصاص نہیں آتا، چنانچہ ان کو رہا کر دیا گیا اور واپس بھیج دیا گیا، چونکہ وہ صحابیؓ تھے اس لئے اس کے بعد یہ حدیث سناتے تو یوں کہتے ”حدثنی مفتی الجن قال سمعت رسول اللہ ﷺ من واللہ اعلم“۔

یہ واقعہ اپنے بزرگوں سے بھی بکثرت سنا ہے اور بہت سی کتابوں میں بھی لکھا ہے لیکن جسے سند متصل کہتے ہیں ایسی سند متصل نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مجھے اس واقعہ کی صحت میں ایک شبہ ہے اور وہ شبہ یہ ہے کہ اگر یہ واقعہ صحیح ہوتا تو ساری قوم حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ پر ٹوٹ پڑتی اور روایت حدیث حاصل کرتی کیونکہ اس سے سند عالی ہو جاتی لیکن ایسا کہیں منقول نہیں دیکھا کہ لوگ اہتمام کے ساتھ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے پاس جاتے ہوں اور روایت حاصل کرتے ہوں۔

اور ایک بات حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے وعظ میں دیکھی کہ حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جن کو دیکھنے سے تابعت حاصل نہیں ہوتی، کیونکہ اول تو تابعی ہونے کے لئے قرب زمانی شرط ہے، لقولہ علیہ السلام: ”ثم الذین یلونہم“ دوسرے یہ رویت جسمانی آنکھ سے نہیں ہوئی، باطنی آنکھ سے ہوئی، اس لئے یہ خواب کی رویت کے مشابہ تھی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سوال: بہت ساری جگہوں پر نمازوں کے دوسرے نام رکھے ہوئے ہیں مثلاً ظہر کو پیشین اور عصر کو دیگر وغیرہ اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: ان ناموں کو ناجائز اور حرام تو نہیں کہیں گے لیکن پسندیدہ نہیں ہیں، اس لئے کہ شریعت نے جو نام رکھے ہیں انہی ناموں سے موسوم کرنا چاہیے اور ان کا ترجمہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

سوال: ایک شخص قرب قیامت میں ”حدثنا رسول اللہ ﷺ“ کہتا ہوا غا ہر ہوگا، کیا اس کو صحابی کہیں گے؟

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ حضرت خضر علیہ السلام ہوں گے اگر موت خضر علیہ السلام تسلیم کر لی جائے تو پھر یہ شخص کون ہوگا؟

جواب: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی ایک کتاب ہے ”الاصابة فی معرفة الصحابة“ یہ وہ کتاب ہے جس میں صحابہ کرام علیہم السلام کے حالات لکھے ہیں۔ اس میں انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام کے حالات بھی لکھے ہیں اور ان کی حیات کے مسئلہ پر بھی بہت لمبی بحث کی ہے اور بہت سی روایات نقل کی ہیں لیکن آخر میں جو خلاصہ بنتا ہے وہ یہ ہے کہ کوئی ایک روایت بھی اتنی پکی نہیں ہے جس سے استدلال کیا جاسکے۔ سوال میں جو روایت پیش کی ہے یہ مجھے یاد نہیں ہے، لیکن حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں بہت سی روایات حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ذکر کی ہیں۔ ۳۸۔

نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ کوئی پکی روایت نہیں ہے جس سے حیات پر استدلال ہو سکے۔

(۲۲) باب فضل العشاء

نماز عشاء کی فضیلت کا بیان

۵۶۶۔ حدثنا يحيى بن بكير قال: حدثنا الليث، عن عقيل، عن ابن شهاب، عن عروة أن عائشة أخبرته قالت: أعتن رسول الله ﷺ ليلة بالعشاء. وذلك قبل أن يفشو الإسلام فلم يخرج حتى قال عمر: نام النساء والصبيان، فخرج فقال لأهل المسجد: ما ينتظروا أحد من أهل الأرض غيركم. [أنظر: ۵۶۹، ۸۶۲، ۸۶۳] ۵۹

نماز عشاء کی فضیلت

آپ ﷺ دیر سے نماز کے لئے تشریف لائے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”نام النساء والصبيان“ عورتیں اور بچے سو گئے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب لوگ سارا دن محنت کرتے اور آخر شب سے بھی پہلے اٹھتے، تہجد پڑھتے، اس وقت بجلی نہیں تھی، مغرب سے پہلے کھانا کھا لیتے، عام طور پر عرب مغرب کے بعد جلد سو جانے کے عادی تھے، اب یہ انتظار میں بیٹھے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”نام النساء والصبيان“ آپ تھوڑی دیر بعد تشریف لائے اور مسجد والوں سے فرمایا۔ ”ما ينتظروا أحد من أهل الأرض غيركم“ اس نماز کا تمہارے سوا اور کوئی روئے زمین پر انتظار نہیں کر رہا ہے۔ فضیلت بیان فرمائی کہ یہ وہ نماز ہے جس کے انتظار میں دنیا میں تمہارے سوا اور کوئی نہیں جاگتا، اللہ ﷻ نے تمہیں یہ فضیلت بخشی ہے کہ تم اس کے انتظار میں جا گتے ہو، یہ فضیلت متعدد احادیث میں آ رہی ہے۔

۵۶۷۔ حدثنا محمد بن العلاء قال: أخبرنا أبو أسامة، عن برید، عن أبي بردة، عن أبي موسى قال: كنت أنا وأصحابي الذين قدموا معي في السفينة نزولا في بقيع بطحان. والنبی ﷺ بالمدينة. فكان يتناوب النبي ﷺ عند صلاة العشاء كل ليلة نفر منهم فوافقنا النبي ﷺ أنا وأصحابي وله بعض الشغل في بعض أمره، فاعتم بالصلاة حتى أبهارا

۵۹۔ وفي صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب وقت العشاء وتأخيرها، رقم: ۱۰۰۸، وسنن النسائي، كتاب المواظبات، باب آخر وقت العشاء، رقم: ۵۳۲، ومسند احمد، باقي مسند الأنصار، باب حديث السيدة عائشة، رقم: ۲۲۹۳۰، ۲۲۴۴۹، ۲۳۶۲۳، ۲۵۱۳۲، وسنن الدارمي، كتاب الصلاة، باب ما يستحب من تأخير العشاء، رقم: ۱۱۸۷.

لیل، ثم خرج النبی ﷺ فصلی بهم، فلما قضی صلاته قال لمن حضره: ”علی رسلکم، ابشروا، أن من نعمة الله علیکم أنه لیس أحد من الناس یصلی هذه الساعة غیر کم. أو قال: ما صلی هذه الساعة أحد غیر کم“. لا یدری ای الکلمتین قال. قال أبو موسی: فرجعنا فرحی بما سمعنا من رسول الله ﷺ. ۵۰، ۵۱

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ میں اور میرے وہ ساتھی جو میرے ساتھ کشتی میں آئے تھے، یہ حبشہ چلے گئے تھے اور پھر تقریباً غزوہ خیبر کا زمانہ تھا جب یہ حبشہ سے آئے تھے تو فرماتے ہیں میں اور میرے ساتھی جو کشتی میں آئے تھے بقیع بطحان میں اتر گئے تھے، یہ مدینہ منورہ کے قریب ایک وادی ہے جس کو بطحان کہتے ہیں اور بقیع اصل میں ہر اس زمین کو کہا جاتا ہے جہاں جھاڑیاں وغیرہ اگی ہوئی ہوں جیسے بقیع الغرقہ مشہور ہے تو یہ بقیع بطحان میں اتر گئے تھے، ”والنبی ﷺ بالمدينة“ نبی کریم ﷺ مدینہ میں تھے۔ ”فکان یتناوب النبی ﷺ عند صلوة العشاء کل لیلة نفر منهم“ ہر رات ہمارے ساتھیوں میں سے کچھ لوگ باری باری عشاء کی نماز کے وقت حضور اقدس ﷺ کے پاس آیا کرتے تھے۔

”فوافقنا النبی ﷺ أنا و أصحابی وله بعض الشغل فی بعض أمره“۔ اتفاق سے ایسا ہوا کہ میں اور میرا ساتھی اس حالت میں نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچے کہ آپ ﷺ اپنے بعض معاملات میں مشغول تھے اور مشغول ہونے کی وجہ سے عشاء کی نماز کے لئے باہر تشریف نہیں لائے۔ ”فاعتم بالصلاة حتی ابھار اللیل“ آپ ﷺ دیر سے تشریف لائے اور نماز پڑھی یہاں تک کہ آدھی رات ہو گئی۔

”فلما قضی صلوتہ قال لمن حضره“۔ جب نماز پڑھ چکے تو حاضرین سے فرمایا: ”علی رسلکم“۔ لوگ جلدی جانے لگے تو فرمایا ٹھہرو، ”ابشروا، أن من نعمة الله علیکم أنه لیس أحد من الناس یصلی هذه الساعة غیر کم أو قال: ما صلی هذه الساعة أحد غیر کم“۔ یعنی یا تو یہ فرمایا کہ اس وقت تمہارے سوا کوئی نماز نہیں پڑھ رہا ہے یا یہ فرمایا کہ یہ نماز تمہارے سوا کسی نے ماضی میں نہیں پڑھی۔

”لا یدری ای الکلمتین قال“ راوی کو یہ یاد نہیں رہا کہ ان میں سے کون سی بات کہی۔

”قال ابو موسی: فرجعنا فرحاً حتی بما سمعنا من رسول الله ﷺ“۔

اس بات کی وجہ سے ہم خوش خوش لوٹ کر گئے۔

(۲۳) باب ما یکرہ من النوم قبل العشاء

عشاء کی نماز سے پہلے سونا مکروہ ہے

۵۶۸۔ حدثنا محمد بن سلام قال: أخبرنا عبد الوهاب الثقفي قال: حدثنا خالد الحذاء، عن أبي المنهال، عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ كان يكره النوم قبل العشاء والحديث بعدها. [راجع: ۵۴۱]

مقصود بخاری رحمہ اللہ

آنحضرت ﷺ عشاء سے پہلے سو جانے کو اور عشاء کے بعد باتیں کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔
عشاء کے بعد باتیں کرنے کا ذکر آگے آئے گا ان شاء اللہ۔ یہاں یہ بتلانا مقصود ہے کہ آپ ﷺ عشاء سے پہلے سونے کو ناپسند کرتے تھے۔

یہ اس شخص کے لئے ہے جس کو یہ اندیشہ ہو کہ اگر وہ سو گیا تو عشاء کے لئے بیدار نہیں ہوگا اور نماز فوت ہو جائے گی، لیکن اگر کسی کو یقین ہو کہ میں نے اٹھانے کا انتظام کر رکھا ہے اور ضرور اٹھ جاؤں گا، تو پھر سونے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے جیسا کہ اگلے باب میں اس کا بیان آ رہا ہے۔

(۲۴) باب النوم قبل العشاء لمن غلب

جس شخص پر نیند کا غلبہ ہو اس کے لئے عشاء سے پہلے سونے کا بیان

۵۶۹۔ حدثنا أيوب بن سليمان قال: حدثني أبو بكر، عن سليمان: قال صالح ابن كيسان: أخبرني ابن شهاب، عن عروة أن عائشة قالت: أعتن رسول الله ﷺ بالعشاء حتى ناداه عمر: الصلاة، نام النساء والصبيان، فخرج فقال: ”ما ينتظرها أحد من أهل الأرض غيركم“. قال ولا تصلى يومئذ الا بالمدينة؛ قال: و كانوا يصلون العشاء فيما بين أن يغيب الشفق إلى ثلث الليل الأول. [راجع: ۵۶۶]

یہ باب اس شخص کے لئے قائم کیا ہے جس کو عشاء سے پہلے غیر اختیاری طور پر نیند آگئی ہو۔
”غلب“ یعنی جس کے اوپر نیند کا غلبہ ہو گیا ہو، اس کا جواز حدیث کا یہ جملہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے

فرمایا عورتیں اور بچے سو گئے ہیں تو آپ ﷺ نے ان کے سونے پر کوئی نکیر نہیں فرمائی۔ وہ بے چارے وہیں مسجد میں انتظار کرتے کرتے سو گئے، تو اس پر نکیر نہیں فرمائی، معلوم ہوا کہ عشاء سے پہلے ایسا سونا جس میں اٹھ جانے کا یقین ہو جائز ہے۔

”و لا تصلى يومئذ الا بالمدينة“ یعنی عشاء کی نماز باجماعت اس وقت سوائے مدینہ کے اور کہیں نہیں ہوتی تھی۔ اس لئے کہ جو لوگ مکہ میں رہ گئے تھے، وہ تو رات کو گھروں میں چھپ کر نمازیں پڑھتے تھے، جماعت سے نہیں پڑھ سکتے تھے اور دوسرے علاقوں میں ابھی اسلام نہیں پھیلا تھا، لہذا صرف مدینہ میں عشاء کی نماز باجماعت ہوتی تھی۔

۵۷۰۔ حدثنا محمود قال: أخبرنا عبد الرزاق قال: أخبرني ابن جريج قال: أخبرني نافع قال: حدثنا عبد الله بن عمر أن رسول الله شغل عنها ليلة فآخرها حتى رقدنا في المسجد، ثم استيقظنا، ثم رقدنا، ثم استيقظنا، ثم خرج علينا النبي ﷺ ثم قال: ”ليس أحد من أهل الأرض ينتظر الصلاة غيركم“. وكان ابن عمر لا يبالي أقدمها أم آخرها إذا كان لا يخشى أن يغلبه النوم عن وقتها، وكان يرقد قبلها. ۵۲

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ ایک رات حضور اقدس ﷺ کسی کام میں مشغول ہو گئے اور عشاء کی نماز کو مؤخر فرمایا ”حتی رقدنا فی المسجد“ یہاں تک کہ ہم مسجد میں سو گئے، ”ثم استيقظنا، ثم رقدنا ثم استيقظنا“ یہی موضع ترجمہ ہے کہ عشاء سے پہلے سو گئے۔ ”ثم خرج علينا النبي ﷺ“۔ ”و كان ابن عمر لا يبالي أقدمها أم آخرها“ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نماز عشاء کو مقدم کرنے یا مؤخر کرنے میں کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے یعنی دونوں طریقوں کو جائز سمجھتے تھے۔

”إذا كان لا يخشى أن يغلبه النوم عن وقتها، وكان يرقد قبلها“ بعض اوقات اس سے پہلے سو بھی جاتے تھے، یہی موضع ترجمہ ہے کہ سونا جائز ہے۔

۵۷۱۔ قال ابن جريج: قلت لعطاء فقال: سمعت ابن عباس يقول: اعتم رسول الله ﷺ ليلة بالعشاء حتى رقد الناس واستيقظوا، و رقدوا واستيقظوا؛ فقام عمر ابن الخطاب فقال: الصلاة. قال عطاء: قال ابن عباس: فخرج نبي الله ﷺ كأنى أنظر إليه

۵۲ وفى صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب وقت العشاء وتأخيرها، رقم: ۱۰۱۱، وسنن النسائي، كتاب المواظبات، باب ما يستحب من تأخير العشاء، رقم: ۵۲۸، وسنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب فى وقت العشاء الآخرة، رقم: ۳۵۶، ومسند احمد، مسند المكثرين من الصحابة، باب باقى المسند السابق، رقم:

الآن یقطر رأسه ماء واضعاً يده على رأسه ، فقال : ((لو لا أن أشق على أمتي لأمرتهم أن يصلوها هكذا)) . فاستبث عطاء : كيف وضع النبي ﷺ يده على رأسه كما أنباه ابن عباس ؟ فبذد لي عطاء بين أصابعه شيئاً من تبديد ، ثم وضع أطراف أصابعه على قرن الرأس ، ثم ضمها يمرها كذلك على الرأس حتى مسّت أبهامه طرف الأذن ممّا يلي الوجه على الصدغ وناحية اللحية ، لا يقصر ولا يبطش إلا كذلك . وقال : ((لو لا أن أشق على أمتي لأمرتهم أن يصلوها هكذا)) . [أنظر : ۷۳۹]

”قال ابن جريج: قلت لعطاء: فقال: سمعت ابن عباس يقول أعظم رسول الله ﷺ ليلة بالعشاء“ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کی یہ روایت ”طرداً للباب“ ذکر فرمادی کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک رات عشاء کی نماز میں بہت تاخیر کی، ”حتی رقد الناس واستيقظوا، فقام عمر ابن الخطاب فقال: الصلاة“ حضرت عمر ؓ نے کھڑے ہو کر آواز لگائی الصلوٰۃ، ”قال عطاء: قال ابن عباس: فخرج نبی اللہ ﷺ کانتی أنظر إليه الآن یقطر رأسه ماءً واضعاً يده على رأسه“.

آپ ﷺ باہر تشریف لائے، گویا میں آپ ﷺ کو دیکھ رہا ہوں کہ آپ ﷺ کے سر اقدس سے پانی ٹپک رہا تھا اور آپ نے اپنا ہاتھ اپنے سر مبارک پر رکھا ہوا تھا، اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا ”أن لولا أشق على أمتي لأمرتهم أن يصلوها هكذا“.

فاستبث عطاء : كيف وضع النبي ﷺ يده على رأسه كما أنباه ابن عباس ؟ فبذد لي عطاء بين أصابعه شيئاً من تبديد ، ثم وضع أطراف أصابعه على قرن الرأس ، ثم ضمها يمرها كذلك على الرأس حتى مسّت أبهامه طرف الأذن ممّا يلي الوجه على الصدغ وناحية اللحية ، لا يقصر ولا يبطش إلا كذلك . وقال : ((لو لا أن أشق على أمتي لأمرتهم أن يصلوها هكذا)) . پوری کیفیت بیان فرمائی۔

حضرت عطاء ؓ نے کہا کہ میں جو سمجھا ہوں، وہ یہ ہے کہ انہوں نے بتلایا آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک اپنے سر مبارک کے کنارے پر رکھا ”فبذد لي عطاء“ الخ یعنی انگلیوں کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ کیا ہوا تھا، دست مبارک سر پر رکھا پھر اس کو نیچے لائے جیسے بالوں کو نچوڑنے کے لئے کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ آپ کا ابہام مبارک طرف اذن جو ممالي الوجہ ہے اس کے صدغین سے آ ملا۔ پھر آپ ﷺ نے انگلیوں کے کنارے ”على قرن الرأس“ رکھے ”ثم ضمها“ پھر ان کو ملا لیا۔

صحابہ کرام ؓ اور تابعین کا عشق دیکھیں کہ اس کیفیت سے بظاہر کوئی حکم شرعی متعلق نہیں ہے لیکن پھر بھی

سرکارِ دو عالم ﷺ کی اس کیفیت کو بھی محفوظ رکھا اور آگے اپنے شاگردوں تک پہنچایا۔

عام شراح کی تشریح

آگے جملہ ہے ”لا یقصر ولا یبطش إلا کذلک“۔

عام طور سے شراح نے اس کا یہ مطلب بیان فرمایا ہے کہ ”لا یقصر“ کا معنی ہے جلدی کرنا اور ”لا یبطش“ کے معنی ہیں تاخیر کرنا، یعنی آپ ﷺ عشاء کی نماز میں جلدی یا تاخیر نہیں فرماتے تھے مگر اس طرح یعنی کبھی جلدی پڑھ لی اور کبھی نصف اللیل تک تاخیر کر دی۔

ایک لطیف تشریح

مگر میری سمجھ میں یہ معنی نہیں آتے اس لئے کہ قصر کے معنی جلدی کرنا اور بطش کے معنی تاخیر کرنا لفظ بھی غریب ہے، اگر چہ لغت میں موجود ہے مگر غریب ہے، لہذا میرے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ شاید یہاں مراد ہے کہ قصر کے معنی نچوڑنا اور بطش کے معنی پکڑنا یعنی آپ اس طرح بالوں کو نہ نچوڑتے تھے جن کا ابھی ذکر ہوا اور نہ پکڑتے تھے مگر اس طرح۔ اس کا ماقبل سے تعلق بھی ہے، لیکن چونکہ یہ معنی کہیں منقول نہیں دیکھے، اس واسطے جب تک حدیث یا قرآن کی تفسیر میں نقل نہ ہو کسی کے لئے اپنی عقل چلانا اچھا نہیں ہے۔

بعد میں نظر سے گزرا کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ بھی ”لامع الدرادی“ میں یہی بات کہی ہے کہ یہ معنی ہیں، بہر حال ایک بزرگ کی تائید اس معنی کو حاصل ہے۔

(۲۵) باب وقتِ العشاءِ إلى نصف اللیل،

عشاء کا وقت آدھی رات تک ہے

”وقال أبو برزة: كان النبي ﷺ يستحب تأخيرها“۔

اختلاف ائمہ

اس ترجمہ الباب سے عشاء کا وقت بیان کرنا مقصود ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک عشاء کا وقت فجر تک رہتا ہے، البتہ نصف اللیل کے بعد مزید تاخیر کرنا

مکروہ ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وقت العشاء نصف اللیل تک باقی رہتا ہے، اس سے آگے عشاء کا وقت نہیں ہے۔ ۵۳

مقصود بخاری رحمہ اللہ

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد امام شافعی رحمہ اللہ کی تائید کرنا ہے، اس لئے فرمایا ”باب وقت العشاء إلى نصف اللیل“۔
بعض دوسرے حضرات کا کہنا ہے کہ اس سے حنفیہ کی تائید مقصود ہے، اس لئے کہ فرمایا ”وقت العشاء إلى نصف اللیل“ یہاں غایہ مغیہ میں داخل ہے، مطلب یہ ہے کہ نصف لیل تک نماز نہ پڑھنا، نصف لیل کے بعد پڑھنا۔

۵۷۲۔ حدثنا عبدالرحیم المحاربی قال: حدثنا زائدة، عن حمید الطویل، عن انس قال: آخر النبی ﷺ صلاة العشاء إلى نصف اللیل، ثم صلّ، ثم قال: ”قد صلی الناس وناموا. أما أنکم فی صلاة ما انتظروتموها“۔

وزاد ابن ابی مریم: أخبرنا یحیی بن ایوب قال: حدثنی حمید، أنه سمع انسا قال: کانی أنظر إلى وبيص خاتمه ليلتشد. [أنظر: ۶۰۰، ۶۶۱، ۸۴۷، ۵۸۶۹] ۵۴
چنانچہ اس کی تائید میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ ”آخر النبی ﷺ صلاة العشاء إلى نصف اللیل ثم صلی“ نصف رات تک مؤخر کی پھر پڑھی۔ یعنی نصف لیل گزر چکی تھی، نصف ثانی میں پڑھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ نصف لیل گزرنے سے عشاء کا وقت ختم نہیں ہوتا، اس کے بعد بھی باقی رہتا ہے، اگر باقی نہ رہتا تو نصف لیل گزرنے کے بعد آپ عشاء کی نماز نہ پڑھتے۔ جب مابعد النصف، صلوة العشاء کا وقت ثابت ہو گیا تو پھر فجر تک ثابت ہو گیا ”لعدم القائل بالفصل“ اس لئے کہ اس کا کوئی قائل نہیں ہے کہ نصف رات کے بعد باقی رہتا ہے مگر فجر تک باقی نہیں رہتا۔ بلکہ دو ہی مذہب ہیں، ایک یہ کہ نصف لیل پر وقت ختم ہو جاتا ہے اور دوسرا یہ کہ فجر پر ختم ہوتا ہے، درمیان میں ختم ہونے کا کوئی قائل نہیں ہے۔ لہذا جب مابعد النصف نماز

۵۳ المجموع، ج: ۳، ص: ۳۹۰۔

۵۴ ولی صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب وقت العشاء وتأخیرها، رقم: ۱۰۱۲، وسنن النسائی، کتاب المواقیب، باب آخر وقت العشاء، رقم: ۵۳۶، وسنن ابن ماجہ، کتاب الصلاة، باب وقت صلاة العشاء، رقم: ۶۸۳، ومسند احمد، باقی مسند المکثرین، باب مسند انس بن مالک، رقم: ۱۲۳۱۳، ۱۲۳۹۴،

پڑھنا ثابت ہے تو فجر تک نماز پڑھنے کا جواز بھی ثابت ہو گیا۔

مسلمک حنفیہ پر امام طحاوی رحمہ اللہ کا استدلال

امام طحاوی رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مسلک پر متعدد روایتوں سے استدلال کیا ہے، جن میں سے بعض میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عشاء کی نماز پڑھائی ”حتی مضی عامة اللیل“ یہاں تک کہ رات کا اکثر حصہ چلا گیا تھا، یہ مابعد النصف پر دلالت کرتا ہے اس لئے اس سے حنفیہ کی تائید ہوتی ہے۔ ۵۵

بعض حضرات کا خیال ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تائید کر رہے ہیں، اس لئے کہ جو اثر اور روایت ذکر کی ہے وہ بھی بظاہر اسی کی تائید میں ہے۔

چنانچہ فرمایا ”وقال أبو برزّة: كان النبي ﷺ يستحب تأخيرها“ آپ ﷺ عشاء کی تاخیر کو پسند فرماتے تھے اور شاید اس کو لانے کا مقصد یہ ہے واللہ اعلم کہ وہ تاخیر کو مستحب سمجھتے تھے، تاخیر کی کوئی غایت بیان نہیں کی کہ کب تک تاخیر پسند تھی، تو جب تک رات باقی رہتی ہے اس وقت تک تاخیر کا جواز ثابت ہوا۔

اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت انسؓ کی حدیث روایت کی ہے ”عن أنس قال.....

ثم قال: قد صلى الناس وناموا، أما إنكم في صلوة ما أنظروتموها“۔

یہاں ساتھ یہ تنبیہ بھی فرمادی کہ جب تک تم کسی نماز کا انتظار کر رہے ہو، اس وقت تک حکماً تم نماز میں ہو، لہذا جو تاخیر کی تکلیف ہوئی اس کی وجہ سے رنجیدہ نہیں ہونا چاہئے، بلکہ یہ تمہارے لئے اجر و فضیلت کا سبب و باعث ہے۔

وزاد ابن مريم: أخبرنا يحيى بن أيوب قال: حدثني حميد، أنه سمع أنسًا قال:

كانني أنظر إلي وبيص خاتمه ليلتند.

حضرت انسؓ فرماتے ہیں ایسا لگ رہا ہے جیسے میں نبی کریم ﷺ کی اس خاتم کی چمک دیکھ رہا ہوں جو آپ ﷺ نے اس رات کو پہنی ہوئی تھی۔

حنفیہ فرماتے ہیں حضور اقدس ﷺ بعض مرتبہ بیان جواز کے لئے ایسا عمل بھی کرتے تھے جو امت کے لئے مکروہ ہے۔ البتہ یہ بات درست ہے کہ حضرت ابو برزہؓ کے اثر سے استدلال ٹھیک نہیں بنتا، اس لئے کہ وہ اثر اتنی تاخیر پر دلالت کرتا ہے جتنی مستحب ہے۔

۵۵ عن عائشة أم المؤمنين رضي الله عنها أنها قالت اعتم النبي صلى الله عليه وسلم ذات ليلة حتى ذهب عامة الليل وحتى نام أهل المسجد ثم خرج فصلى وقال إنه لوقتها لو لا أن أشق على أمة وفي هذا أنه صلاها بعد مضى أكثر الليل

(۲۶) باب فضل صلوٰۃ الفجر والحديث

نماز فجر کی فضیلت کا بیان

یہ ان تراجم میں سے ایک ترجمہ ہے جن کی تشریح میں شراح حیران و پریشان و سرگرداں ہیں۔
 ”باب فضل صلوٰۃ الفجر“ یہاں تک تو بات ٹھیک ہے، آگے جو ”والحديث“ فرمایا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟

پہلی توجیہ

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہاں ”والحديث“ کا کوئی موقع نہیں تھا، امام بخاری رحمہ اللہ سے کچھ وہم ہو گیا ہے یا بعد میں کچھ لکھنا چاہتے تھے لیکن اس کی تکمیل کا موقع نہیں ملا، یا کاتب سے وہم ہو گیا۔ ۵۶

دوسری توجیہ

علامہ یعنی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ خواہ مخواہ وہم کی نسبت کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے ”باب فضل صلوٰۃ الفجر والحديث الوارد فيه“ یعنی یہ باب صلوٰۃ فجر کی فضیلت کے بیان کا ہے اور اس حدیث کے بیان کا ہے جو اس سلسلے میں وارد ہوئی ہے۔ ۵۷

توجیہ کا جواب

اس توجیہ پر یہ اعتراض ہوا کہ پھر یہ صرف اسی باب میں کیوں ہے، دوسرے ابواب میں بھی کوئی نہ کوئی حدیث نقل کرتے ہیں وہاں یہ کیوں نہیں کہا؟ اس واسطے یہ توجیہ سمجھ میں نہیں آتی۔ ۵۸

تیسری توجیہ

بعض حضرات نے فرمایا یہاں مراد ہے ”والحديث بعد صلوٰۃ الفجر“ یعنی فجر کی نماز کی فضیلت بیان کرنا مقصود ہے اور ساتھ یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ نماز فجر کے بعد باتیں کرنا پسندیدہ نہیں ہے، کیونکہ قرآن کریم کی آیت میں باری تعالیٰ نے فرمایا ہے ”و سبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس“ تو طلوع شمس سے

پہلے یعنی نماز فجر کے بعد کے وقت کو تسبیح و تحمید میں گزارنا چاہئے، باتیں کرنا پسندیدہ نہیں ہے، اس صورت میں عبارت اس طرح ہوگی ”باب فضل صلوٰۃ الفجر والحديث“۔ ”حديث“ کا عطف ”فضل“ پر ہے نہ کہ ”صلوٰۃ الفجر“ پر، نماز کی فضیلت بیان کرنا مقصود ہے اور ”حديث“ یعنی باتوں کا حکم بیان کرنا مقصود ہے۔

چوتھی توجیہ

ایک توجیہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے بیان فرمائی کہ میرا خیال ہے امام بخاری رحمہ اللہ یہاں سے حدیث بعد صلوٰۃ العشاء کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں یعنی سر بعد العشاء جس کے بارے میں آگے مستقل باب قائم کیا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ جب وہ کسی ترجمۃ الباب کے تحت کوئی حدیث لاتے ہیں تو مقصود بالترجمہ حصہ کے علاوہ اگر اس حدیث سے ضمناً اور متبعاً کوئی اور بات بھی نکل رہی ہو تو بعض اوقات ترجمۃ الباب میں اس کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں۔ ۵۹

یہاں جو حدیث بیان کی ہے اس کا اصل منشاء تو فجر کی نماز کی فضیلت بیان کرنا ہے لیکن حضور اقدس ﷺ کا جو ارشاد اس فضیلت کے سلسلے میں نقل کیا ہے وہ ایسا ارشاد ہے جو آپ ﷺ نے رات کے وقت میں فرمایا تھا اور ظاہر ہے عشاء کے بعد فرمایا تھا اس لئے کہ چودھویں کا چاند تھا اور چودھویں کا چاند پختہ اور زیادہ لامع عشاء کے بعد ہوتا ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ عشاء کے بعد باتیں کرنا مطلقاً ممنوع نہیں بلکہ جائز ہے۔ چونکہ اس حدیث سے یہ مسئلہ نکل رہا تھا اس لئے ترجمۃ الباب میں اس کی طرف اشارہ کر دیا اور فرمایا ”باب فضل صلوٰۃ الفجر والحديث“ یعنی ”والحدیث بعد العشاء“ اس ترجمۃ الباب کی یہ چار بنیادی توجیہات کی گئی ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

۵۷۳۔ حدثنا مسدد قال: حدثنا يحيى عن اسماعيل قال: حدثنا قيس: عن جرير ابن عبد الله؛ كنا عند النبي ﷺ إذ نظر إلى القمر ليلة البدر فقال: ”أما إنكم سترون ربكم كما ترون هذا لا تضامون. أولا تضاهون. في رؤيته، فان استطعتم أن لا تغلبوا على صلاة قبل طلوع الشمس و قبل غروبها فافعلوا“۔ ثم قال: ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا﴾ [طہ: ۱۳۰]۔ [راجع: ۵۵۴]

حضرت قیس بن حازم کہتے ہیں مجھ سے حضرت جریر بن عبد اللہ ﷺ نے فرمایا ہم چودھویں رات کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، آپ ﷺ نے چاند کی طرف دیکھ کر فرمایا ”أما إنكم سترون ربكم كما ترون هذا

لا تضامون فی رؤیہ“ تم اپنے پروردگار کو ایسے دیکھو گے جیسے اس چاند کو دیکھتے ہو، دھکا پیل کے بغیر یعنی ایسے دیکھو گے کہ آپس میں دھکا پیل نہیں کرو گے، یا یہ فرمایا ”لا تضامون“ کہ تمہارے اوپر کوئی اشتباہ نہ ہوگا۔
 ”فان استطعتم ان لا تغلبوا علی صلوٰۃ قبل طلوع الشمس و قبل غروبہا فافعلوا“ لہذا اگر تم یہ کر سکو کہ طلوع شمس اور غروب شمس سے پہلے نماز کے بارے میں اپنے نفس سے مغلوب نہ ہو تو ضرور کر لینا کہ اللہ ﷻ کی زیارت ممکن ہو۔

۵۷۴ - حدثنا ہدبة بن خالد قال: حدثنا ہمام قال: حدثنی ابو جمرۃ عن ابی بکر بن ابی موسیٰ عن ابیہ ان رسول اللہ ﷺ قال: ”من صلی البردین دخل الجنة“ و قال ابن رجاء: حدثنا ہمام عن ابی جمرۃ ان ابا بکر بن عبد اللہ بن قیس أخبرہ بهذا. حدثنا اسحاق عن حبان قال: حدثنا ہمام قال: حدثنا ابو جمرۃ عن ابی بکر ابن عبد اللہ عن ابیہ عن النبی ﷺ مثله.

”بردین“ سے فجر اور عصر کی نماز مراد ہے، برد کے اصل معنی ٹھنڈے کے ہوتے ہیں، چونکہ یہ دو نمازیں بھی ٹھنڈے وقت میں پڑھی جاتی ہیں اس لئے ان کو بردین کہا جاتا ہے، تو اس حدیث میں ان دونوں نمازوں کی خصوصی فضیلت بیان فرمائی۔

(۲۷) باب وقت الفجر

نماز فجر کے وقت کا بیان

۵۷۷ - حدثنا اسماعیل بن ابی اوس عن أخیه، عن سلیمان، عن ابی حازم أنه سمع سهل بن سعد یقول: کنت استعصر فی اہلی ثم یكون سرعة بی أن أدرك صلاة الفجر مع رسول اللہ ﷺ. [أنظر: ۱۹۲۰]

یعنی میں اپنے گھر والوں کے ساتھ سحری کرتا تھا ”ثم تكون سرعة بی“ پھر مجھے جلدی ہوتی تھی کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پالوں یعنی آپ ﷺ جلدی پڑھاتے تھے اس لئے جلدی جانے کی کوشش کرتا تھا۔

۵۷۸ - حدثنا یحییٰ بن بکیر قال: أخبرنا اللیث، عن عقیل، عن ابن شہاب قال: أخبرنی عروة بن الزبیر أن عائشة أخبرته قالت: کن نساء المؤمنات یشہدن مع رسول اللہ ﷺ صلاة الفجر متلفعات بمزوطهن ثم ینقلبن إلی بیوتهن حین یقضین الصلاة لا یعرفهن أحد من الغلس. [راجع: ۳۷۷۲]

فقد أدرك الصلاة“ [راجع: ۵۵۶]

(۳۰) باب الصلاة بعد الفجر حتى ترتفع الشمس

فجر کے بعد آفتاب بلند ہونے تک نماز پڑھنے کا بیان

۵۸۱۔ حدثنا حفص بن عمر قال: حدثنا عثام، عن قتادة، عن أبي العالية، عن ابن عباس قال: شهد عندی رجال مريضون وأرضاهم عندی عمر أن النبی ﷺ نہی عند الصلاة وبعد الصبح حتى تشرق الشمس، وبعد العصر حتى تغرب.

حدثنا مسدد قال: حدثنا يحيى، عن شعبة، عن قتاده قال: سمعت أبا العالية عن ابن عباس قال: حدثني ناس بهذا.

۵۸۲۔ حدثنا مسدد قال: حدثنا يحيى بن سعيد عن هشام قال: أخبرني أبي قال: أخبرني ابن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: "لا تحروا بصلاتكم طلوع الشمس ولا غروبها". [أنظر: ۵۸۵، ۵۸۹، ۱۱۹۲، ۲۶۲۹، ۳۲۷۳، ۳۲۷۴]

۵۸۳۔ وقال: حدثني ابن عمر قال: قال رسول الله ﷺ ((إذا طلع حاجب الشمس فآخروا الصلاة حتى ترتفع. وإذا غاب حاجب الشمس فآخروا الصلاة حتى تغيب)) تابعه عبدة. [أنظر: ۳۲۷۲]

۵۸۴۔ حدثنا عبيد بن اسماعيل، عن أبي أسامة عن عبيد الله، عن خبيب بن عبد الرحمن، عن حفص بن عاصم، عن أبي هريرة: أن رسول الله ﷺ نہی عن بيعتين وعن لبستين وعن صلاتين؟ نہی عن الصلاة بعد الفجر حتى تطلع الشمس، وبعد العصر حتى تغرب الشمس، وعن اشتغال السماء، وعن الاحتباء في ثوب واحد يقضى بفرجه إلى السماء، وعن المنابذة والملاسة. [راجع: ۳۶۸]

یہ کئی احادیث ہیں جن میں فجر کے بعد سے سورج نکلنے تک اور عصر کے بعد سے سورج غروب ہونے تک نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔

۱۔ وفي صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب الأوقات التي نهى عن الصلاة فيها، رقم: ۱۳۶۹، وسنن النسائي، كتاب المواقيت، باب النهي عن الصلاة عند طلوع الشمس، رقم: ۵۶۰، ومسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، باب مسند عبد الله بن عمر بن الخطاب، رقم: ۳۳۸۳، ۳۳۶۵، ۳۶۰۸، ۴۶۵۳، ۴۶۹۴، ۵۵۷۰، وموطأ مالك، كتاب النداء للصلاة، باب النهي عن الصلاة بعد الصبح وبعد العصر، رقم: ۴۶۰.

حنفیہ کا مسلک

حنفیہ کہتے ہیں کہ ان اوقات میں نوافل پڑھنے کی ممانعت ہے، فرائض اور قضا نماز پڑھ سکتے ہیں، اس

لئے کہ ان اوقات میں نماز کے ممانعت وقت کے مکروہ ہونے کی نہیں ہے، وقت تو کامل ہے، یہی وجہ ہے کہ اس دن کی فجر اور عصر جائز ہے لہذا حدیث میں نوافل کی ممانعت ہے فرض پڑھ سکتے ہیں اور اگر کوئی قضا نماز پڑھنا چاہے تو قضا بھی پڑھ سکتا ہے لیکن کسی قسم کے نوافل پڑھنا جائز نہیں ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ کا بھی یہی مسلک ہے۔^{۶۲}

امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ کا بھی آپس میں اختلاف ہے۔

شوافع کا مسلک

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس وقت میں فرائض کے ساتھ ساتھ نوافل ذوات الاسباب بھی جائز ہیں۔ نوافل ذوات الاسباب کے معنی یہ ہیں کہ جن کے پڑھنے کا سبب اختیار عبد کے سوا بھی موجود ہو یعنی وہ خاص خاص مواقع جن میں نبی کریم ﷺ نے نفل پڑھنے کی ترغیب دی ہے جیسے تحیۃ المسجد، تحیۃ الوضو۔^{۶۳} امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس قسم کے نوافل پڑھنا بھی جائز نہیں یہاں تک کہ طواف کی رکعتیں بھی جائز نہیں۔

حنفیہ کا استدلال

حنفیہ کا استدلال ان احادیث سے ہے جن میں آپ ﷺ نے ان اوقات میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔^{۶۴}

شوافع کا استدلال

شوافع کا استدلال اس حدیث سے ہے جس میں کہا گیا ہے: ”اذا دخل أحدكم المسجد

۶۲، ۶۳ انظر: فیض الباری، ج: ۲، ص: ۱۳۶-۱۳۹، ﴿قلت﴾ (شاہ محمد النور کشمیری:) وقد بسطه ابن

رشد فی ”بداية المجتهد“ أحسن بسط فراجعہ من، ج: ۱، ص: ۷۳-۷۶، دار الفکر، بیروت.

۶۴ والحاصل أن الحنفية قالوا بکراهة تلك الأوقات كلها لأجل قيام الدليل واعتراض غلبه الشيخ ابن الهمام أن النهی فی

هذين الوقتين أيضاً مطلقاً كما الثلاثة المذكورة و تخصيص النص بالرأى لا يجوز ابتداء، فیض الباری، ج: ۲، ص: ۱۳۷.

فلیرکع رکعتین قبل أن یجلس“ ۱۵۔

جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں آئے تو دو رکعتیں پڑھ لے۔ شوافع کہتے ہیں کہ ”اذا“ عام ہے، جس وقت بھی آئے، لہذا عصر کے بعد کا وقت ہو یا مغرب کے بعد کا ”اذا“ سب کے عموم پر دلالت کرتا ہے۔

دوسرا استدلال حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے، جو ابو داؤد اور ترمذی میں آئی ہے جس میں فرمایا کہ ”یا بنی عبد مناف لا تمنعوا أحداً طاف بهذا البيت و صلی ایة ساعة شاء من لیل أو نهار“ ۱۶۔

جو اس بیت اللہ کا طواف کرے یا یہاں آکر نماز پڑھے اس کو منع نہ کرو، چاہے دن ہو یا رات ہو، معلوم ہوا طواف کی رکعتیں ہر وقت پڑھی جاسکتی ہیں۔

حنفیہ کی طرف سے استدلال کا جواب

جہاں تک ”اذا دخل أحدکم المسجد الخ“ کا تعلق ہے اگر وہاں ”اذا“ کو عام مان لیا جائے یعنی جس وقت بھی کوئی مسجد میں آئے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ عین طلوع اور غروب کے وقت بھی تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں جائز ہوں، حالانکہ اس کے جواز کے آپ بھی قائل نہیں ہیں۔

معلوم ہوا کہ ”اذا دخل أحدکم“ الخ کے معنی یہ ہیں کہ جب ایسے وقت میں آئے جب نماز پڑھنا جائز ہو اور حدیث باب سے معلوم ہو رہا ہے کہ بعد الفجر و بعد العصر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، لہذا یہ ”اذا“ کے عموم میں بھی داخل نہیں ہے۔

دوسرے انداز میں اس کا جواب یوں ہو سکتا ہے کہ ”اذا دخل أحدکم“ الخ میں مقصود اصلی تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم دینا ہے جو عبارت النص ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ نے ”اذا“ سے استدلال کیا ہے جو ”سیق الکلام لأجلہ“ نہیں ہے، لہذا ان کا استدلال بآثار النص ہے، اور ”نهی رسول اللہ ﷺ“ الخ میں سق کلام اسی لئے ہے کہ عصر کے بعد نماز پڑھنا مکروہ ہے، اس لئے حنفیہ کا استدلال بآثار النص ہے اور اصول یہ ہے کہ جہاں عبارت النص اور اشارۃ النص میں تعارض ہو، وہاں ترجیح عبارت النص کو ہوتی ہے۔ ۱۷۔

۱۵۔ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : إذا دخل أحدكم المسجد فليركع ركعتين قبل أن يجلس ، موطأ مالک،

باب انتظار الصلاة والمشى إليها ، ج : ۱ ، ص : ۱۶۲ ، رقم : ۳۸۶۔

۱۶۔ سنن الترمذی ، باب ماجاء فی الصلاة بعد العصر و بعد الصبح لمن يطوف ، ج : ۳ ، ص : ۲۲۰ ، رقم : ۸۶۸ ،

بیروت ، و سنن أبی داؤد ، باب الطواف بعد العصر ، ج : ۲ ، ص : ۱۸۰ ، رقم : ۱۸۹۳ ، دار الفکر ۔

۱۷۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں : بدایۃ المجتہد ، ج : ۱ ، ص : ۱۵۱ ، ۱۵۲ ، دار الفکر ، بیروت ۔

دوسری دلیل کا جواب

جہاں تک حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی طواف والی حدیث کا تعلق ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دراصل عبد مناف کعبہ کے پاس بان تھے، انہیں یہ کہا جا رہا ہے کہ تم اسے تالہ لگا کر بند کر کے مت رکھو، بلکہ حرم میں ہر وقت لوگوں کا داخلہ کھلا رہنا چاہئے، اگر کوئی طواف کرنا چاہے تو تم بحیثیت دربان اسے مت روکو۔ اب یہ پڑھنے والے شخص کا فریضہ ہے کہ وہ ایسے وقت کا انتخاب کرے جو ناجائز نہ ہو۔ ۶۸

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے فجر کے بعد طواف کیا، پھر مدینہ منورہ جانا تھا تو طواف کی دو رکعتیں وہاں نہیں پڑھیں بلکہ روانہ ہو گئے، یہاں تک کہ ذوطواء کے مقام پر پہنچے اور وہاں دو رکعتیں پڑھیں۔ اگر فجر کے بعد طواف کی دو رکعتیں پڑھنا جائز ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ مقام ابراہیم پر نماز پڑھ کر روانہ ہوتے، معلوم ہوا کہ ایسا کرنا جائز نہیں۔ ۶۹

(۳۱) باب لا تتحرى الصلاة قبل غروب الشمس

غروب آفتاب سے پہلے نماز کا قصد نہ کرے

۵۸۷۔ حدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبَانَ قَالَ : حَدَّثَنَا عِنْدَرُ قَالَ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ قَالَ : سَمِعْتُ حِمْرَانَ بْنَ أَبَانَ يَحْدُثُ عَنْ مَعَاوِيَةَ قَالَ : إِنَّكُمْ لَتَصَلُّونَ صَلَاةَ لَقَدْ صَحَّبَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَمَارَيْنَاهُ يَصْلِيهَا وَلَقَدْ نَهَى عَنْهَا ، يَعْنِي الرُّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ . [أنظر: ۳۷۶]

۶۸۔ ویزید ہذا المعنى ماورد فى هذا الحديث عند ابن حبان من قوله ﷺ : يا بنى عبد المطلب إن كان لكم من الأمر شئى فلا اعرفن أحد منكم أن يمنع من يصلى عند البيت أى ساعة شاء من ليل أو نهار، صريح فيما قلنا إنما نهاهم عن أن يمنعوأ أحدا لأجل توليتهم بالبيت . أخرجه ابن حبان فى صحيحه ، ج: ۴، ص: ۴۲۰ ، دار النشر مؤسسة الرسالة ، بيروت ، ۵/۱۳۱۴ ، كذا فى ”سبل السلام“ ج: ۱، ص: ۱۱۳ ، واعلاء السنن ، ج: ۲، ص: ۶۶ .

۶۹۔ وعند الطحاوى باسانيد عديدة أن عمر كان يعز من كان يصلى بعد العصر وذلك بمحض من الصحابة رضى الله عنهم ولم ينكر عليه أحد ايضاً وعند الطحاوى عنه أنه طاف قبل طلوع الشمس ولم يصل ركعتى الطواف حتى بلغ ذوطوى أخرجه موصولاً والبخارى معلقاً وما ذلك إلا لخروج وقت الكراهة وقد صرح الترمذى بعبارة كاد أن ترمى إلى إجماعهم على ذلك وهذا نصه : والذي إجتمع عليه أكثر أهل العلم على كراهية الصلاة بعد العصر الخ ، فيض البارى ، ج: ۲، ص: ۱۳۲ .

حضرت معاویہ ؓ نے لوگوں سے فرمایا کہ تم ایسی نمازیں پڑھتے ہو کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہے لیکن کبھی آپ ﷺ کو پڑھتے نہیں دیکھا، بلکہ ان سے منع فرمایا، ان کی مراد عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھنا تھیں جو کہ بعض صحابہ ؓ پڑھنے لگے تھے اور شاید پڑھنے کی وجہ یہ ہوگی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جب بھی میرے گھر تشریف لاتے تو دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے کہ یہ حضور اقدس ﷺ کی خصوصیت تھی۔

اوقات ممنوعہ میں ائمہ کا اختلاف

اب تک بعد الفجر اور بعد العصر کی نماز کی ممانعت کا بیان تھا اور یہ ممانعت وقت کی کراہت کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ وقت کے مشغول بالفرائض ہونے کی وجہ سے تھی، لیکن تین اوقات ایسے ہیں جن میں نماز کی ممانعت وقت کی کراہت کی وجہ سے ہے، اور وہ تین اوقات یہ ہیں:

(۱) طلوع آفتاب کا وقت

(۲) غروب آفتاب کا وقت

اور

(۳) استواء کا وقت۔ ۷۰

۷۰، ۷۱، ۷۲۔ المسألة الأولى اتفق العلماء على أن ثلاثة من الأوقات منهي عن الصلاة فيها وهي وقت طلوع الشمس ووقت غروبها ومن لدن تصلي صلاة الصبح حتى تطلع الشمس .

واعتلوا في وقتين في وقت الزوال وفي الصلاة بعد العصر .

فذهب مالك وأصحابه إلى أن الأوقات المنهي عنها هي أربعة الطلوع والغروب وبعد الصبح وبعد العصر وأجاز الصلاة عند الزوال مطلقاً وذهب الجمهور إلى أنه مكروه مطلقاً .

المسألة الثانية اختلف العلماء في الصلاة التي لا تجوز في هذه الأوقات وذهب أبو حنيفة وأصحابه إلى أنها لا تجوز في هذه الأوقات صلاة باطلاق لا فريضة مقضية ولا سنة ولا نافلة إلا عصر يومه قالوا فإنه يجوز أن يقضيه عند غروب الشمس إذا نسبه ، واتفق مالك والشافعي أنه يقضى الصلوات المفروضة في هذه الأوقات .

وذهب الشافعي إلى أن الصلوات التي لا تجوز في هذه الأوقات هي النوازل فقط التي تفعل لغير سبب وأن السنن مثل صلاة الجنازة تجوز في هذه الأوقات الخ ، راجع: بداية المجتهد ، ج: ۱، ص: ۷۴، دار الفكر ، بيروت، واعلاء السنن ، ج: ۲، ص: ۵۹، وعمدة القاري ، ج: ۴، ص: ۱۱۷ .

جمہور کا مسلک

امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ یہ تینوں حضرات فرماتے ہیں کہ ان تینوں اوقات میں نماز پڑھنا منع ہے یہاں تک کہ سجدہ تلاوت بھی منع ہے۔ ۱۷

امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ طلوع وغروب کے وقت تو نماز پڑھنا منع ہے لیکن استواء شمس کے وقت نماز کی ممانعت نہیں ہے، یعنی ان کے نزدیک دو وقت مکروہ ہیں طلوع وغروب، تیسرا وقت مکروہ نہیں ہے۔ ۱۸

امام مالک رحمہ اللہ کا استدلال

اس سلسلے میں ان کا استدلال ان کے اصولوں کے مطابق تعامل اہل مدینہ سے ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اہل مدینہ کو پایا وہ دو پہر کو نماز پڑھتے تھے، اس واسطے میں اسے مکروہ نہیں قرار دیتا۔ ۱۹

جمہور کا استدلال

جمہور کا استدلال احادیث مرفوعہ سے ہے، صحیح مسلم میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔
”ثلاث ساعات كان رسول الله ﷺ ينهانا أن نصلی فیہن أو نقبر فیہن موتانا.. الخ۔“ ۲۰
ان میں ایک ”عند الطلوع“ دوسرا ”عند الغروب“ اور تیسرا ”عندما يقوم قائم الظہیرة“۔

ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے وہ بھی استواء شمس کے وقت نماز کی ممانعت پر دلالت کرتی ہے۔ ۲۱

۳۔ اما مالک فلان العمل عنده المدينة لما وجدته على الوقفين فقط ولم يجده على الوقت الثالث أعنى الزوال أباح الصلاة فيه واعتقد أن ذلك النهي منسوخ بالعمل، بداية المجتهد، ج: ۱، ص: ۷۴، وإعلاء السنن، ج: ۲، ص: ۵۹۔

۴۔ سمعت عقبه بن عامر الجهني يقول ثلاث ساعات كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهانا أن نصلی فیہن أو أن نقبر فیہن موتانا حين تطلع الشمس بازغة حتى ترتفع وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل الشمس وحين تضع الشمس للغروب حتى تغرب، صحيح مسلم، ج: ۱، ص: ۵۶۸، رقم: ۸۳۱، بيروت۔

۵۔ سنن ابن ماجه، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ماجاء في الساعات التي تكره فيها الصلاة، رقم: ۱۲۴۲۔

حضرت ضاحی سے ایک روایت مروی ہے۔ ۷۶

اور خود امام مالک رحمہ اللہ نے اپنی موطا میں روایت کی ہے اس میں بھی استواء شمس کے وقت نماز کی ممانعت کا ذکر ہے۔ ۷۷

لہذا جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ کو استواء والی حدیث نہیں پہنچی تھی، یہ بات درست نہیں ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کا ایک اہم اصول

امام مالک رحمہ اللہ کو استواء والی حدیث تو پہنچی تھی لیکن امام مالک رحمہ اللہ کا اصول یہ ہے کہ وہ مدینہ کے علماء کو دیکھتے ہیں جو فقہاء سبعہ ہیں اگر ان کا کسی عمل پر اجماع ہے اور بظاہر وہ حدیث کے خلاف ہے تو یہ کہتے ہیں کہ ضرور یہ حدیث منسوخ ہوگی ورنہ یہ سب حضرات اس کے خلاف کے قائل نہ ہوتے، گویا ان کے نزدیک اہل مدینہ کا تعامل حدیث کے خلاف ایک علت ہے، جب سارے اہل مدینہ اس کی مخالفت کر رہے ہیں تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ حدیث میں کوئی علت ہے، اگر علت نہ ہوتی تو سب لوگ اس کی مخالفت نہ کرتے۔ ۷۸

جمہور فقہاء کے نزدیک تعامل اہل مدینہ اس طرح حجت نہیں ہے جس کی وجہ سے حدیث مرفوع کو بھی رد کیا جاسکے۔

امام بخاری نے امام مالک رحمہما اللہ کے مذہب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ باب قائم کیا ہے ”باب من لم یکرہ الصلوة الا بعد الفجر والعصر“ یہ باب اس شخص کی حجت کے بیان میں ہے جو نماز کو مکروہ نہیں سمجھتا مگر دو اوقات میں یعنی فجر اور عصر کے بعد۔

استواء کے بارے میں کوئی حدیث امام بخاری رحمہ اللہ کی شرط پر نہ تھی اس لئے اس سلسلے میں انہوں نے کوئی حدیث روایت نہیں کی۔

(۳۳) باب ما یصلی بعد العصر من الفوائت و نحوھا

عصر کی نماز کے بعد قضا نمازیں اور اس کی مثل دوسری نمازوں کے پڑھنے کا بیان

وقال کریب عن أم سلمة: صلی النبی ﷺ بعد العصر رکعتین. وقال: شغلنی ناس

۷۶ مختصر اختلاف العلماء، فی الصلاة نصف النهار، ج: ۱، ص: ۲۳۶.

۷۷ موطا مالک، کتاب النداء للصلاة، باب النهی عن الصلاة بعد الصبح وبعد العصر، ج: ۱، ص: ۲۱۹، رقم: ۵۱۲.

۷۸ وقال مالک: وما أدركت أهل الفضل والمعاد الا وهم يهجرون ويصلون نصف النهار في تلك الساعة، المدونة الكبرى

ج: ۱، ص: ۱۰۷، فتح الباری، ج: ۲، ص: ۶۳، وعمدة القاری، ج: ۴، ص: ۱۱۷، والتمهید لابن عبد البر، ج: ۴، ص: ۱۸.

من عبد القیس عن الرکعتین بعد الظهر.

بعد العصر فوائت کا حکم

یہ دوسرا باب قائم کیا کہ عصر کے بعد قضا نمازیں پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ پڑھ سکتا ہے۔ یہاں اس واقعہ سے استدلال کیا جس میں نبی کریم ﷺ کا عصر کے بعد ظہر کی دو رکعتوں کی قضا کرنا منقول ہے۔

وفد عبد القیس کی آمد کی وجہ سے ظہر کی دو رکعتیں چھوٹ گئیں تھیں، آپ ﷺ نے وہ عصر کے بعد قضا فرمائیں جس کا واقعہ تفصیل سے پیچھے گزر چکا ہے۔

استدلال اس طرح ہے کہ اگرچہ آپ ﷺ نے سنتوں کی قضا فرمائی لیکن یہ آپ کی خصوصیت تھی، امت کے لئے سنتوں کی قضا نہیں ہے، جب آپ نے سنتوں کی قضا کو عصر کے بعد گوارا فرمایا تو فرض کی قضا اس وقت میں بطریق اولیٰ جائز ہوگی، یہ ہے وجہ ”مطابقة الحديث بالترجمة“۔

امت کے لئے ان دو رکعتوں کی قضا نہیں ہے کیونکہ جب حضرت ام سلمہؓ نے پوچھا کہ ”انفصلیہا اذ افاتنا“ اگر ہم سے کبھی فوت ہو جائیں تو ہم بھی ان کی قضا کریں تو آپ ﷺ نے صاف صاف فرمادیا ”لا“ تم نہیں، معلوم ہوا کہ یہ حضور اقدس ﷺ کی خصوصیت تھی۔

۵۹۲۔ حدثنا مرسى بن اسماعيل قال: حدثنا عبد الواحد قال: حدثنا الشيباني

قال: حدثنا عبد الرحمن بن الأسود، عن أبيه عن عائشة قالت: ركعتان لم يكن رسول الله

ﷺ يدعهما سرا ولا علانية: ركعتان، قبل الصبح وركعتان بعد العصر. [راجع: ۵۹۰]

”ركعتان لم يكن رسول الله ﷺ يدعهما سرا وعلانية“ یہ لفظ بعض اوقات اشکال پیدا کرتا

ہے کہ آپ ﷺ یہ دو رکعتیں نہ سرا چھوڑتے تھے نہ علانیہ، یعنی عصر کے بعد کی دو رکعتیں، حالانکہ ہم نے جو تحقیق عرض کی ہے وہ یہ ہے کہ ان کی ابتدا حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ہوئی تھی لیکن بعد میں آپ ہمیشہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں پڑھتے رہے جس کا حضرت عائشہؓ اور ام سلمہؓ کے سوا کسی اور کو علم نہیں ہوا، پھر یہ کیسے فرمایا کہ ”سرا وعلانية“ اگر علانیہ ہوتیں تو پھر صحابہ کرامؓ کو بھی پتہ ہوتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ سرا وعلانیہ کا تعلق خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے کہ کبھی مجھ سے چھپ

کر اور کبھی میرے سامنے پڑھتے تھے۔

(۳۴) باب التبکیر بالصلاة فی یوم غیم

بادل کے دنوں میں نماز سویرے پڑھنے کا بیان

یہ باب قائم کیا ہے کہ بادل والے دن نماز جلدی پڑھنا۔

۵۹۴ - حدثنا معاذ بن فضالة قال: حدثنا هشام عن يحيى هو ابن أبي كثير، عن أبي قلابة أن أبا المليح حدثه قال: كنا مع بريدة في يوم ذي غيم فقال: بكمروا بالصلاة فإن النبي ﷺ قال: "من ترك صلاة العصر حبط عمله". [راجع: ۵۵۳]

اس میں حدیث نقل کی ہے کہ ہم بادل والے دن حضرت بريدةؓ کے ساتھ تھے، انہوں نے فرمایا: "بکروا بالصلاة فإن النبي ﷺ قال: من ترك صلاة العصر حبط عمله" عصر کی نماز جلدی پڑھو کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص عصر کی نماز کو چھوڑ دے اس کا عمل حبط ہو جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اصرار شمس ہو جائے، وقت نکر وہ شروع ہو جائے اور ہمیں بادلوں کی وجہ سے پتہ نہ چلے، اس لئے جلدی پڑھو۔

اس کا منشا یہ ہے کہ جب بادل ہوں اس وقت احتیاط پر عمل کرنا چاہئے جہاں تعیل میں احتیاط ہو وہاں تعیل کرنی چاہئے اور جہاں تاخیر میں احتیاط ہو وہاں تاخیر کرنی چاہئے، جیسے مغرب میں احتیاط یہ ہے کہ تاخیر کی جائے کیونکہ اس میں اندیشہ ہے کہ شاید سورج غروب نہ ہوا ہو، اور بادلوں کی وجہ سے غروب معلوم ہو رہا ہو، لہذا تاخیر کی جائے۔

(۳۵) باب الأذان بعد ذهاب الوقت

وقت گزر جانے کے بعد نماز کے لئے اذان کہنے کا بیان

۵۹۵ - حدثنا عمران بن ميسرة قال: حدثنا محمد بن فضيل قال: حدثنا حصين، عن عبد الله بن أبي قتادة، عن أبيه قال: سرنا مع النبي ﷺ ليلة، فقال بعض القوم: لو عرست بنا يا رسول الله، قال: "أخاف أن تناموا عن الصلاة". قال بلال: أنا أوقظكم. فاضطجعوا وأسند بلال ظهره إلى راحلته فغلبته عيناه فنام، فاستيقظ النبي ﷺ وقد طلع حاجب الشمس فقال: "يا بلال، أين ما قلت لا" قال: ما القيت على نومة مثلها قط. قال: "إن الله قبض أرواحكم حين شاء، وردّها عليكم حين شاء، يا بلال قم فإذن بالناس"

بِالصَّلَاةِ“ فتوضاً، فلما ارتفعت الشمس وابتاضت قام فصلی. [أنظر: ۷۴۷۱] ۷۹

قضا شدہ نمازوں کے لئے اذان کا حکم

یہاں حضور ﷺ نے قضا فرمائی اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کا حکم دیا، معلوم ہوا کہ اگر قضا نماز جماعت سے ادا کی جا رہی ہو تو اس وقت اذان دینا مسنون ہے۔

البتہ فقہاء کرامؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حکم جماعت سے قضا کرنے کی صورت میں ہے اگر کسی تنہا آدمی کی نماز قضا ہو جائے تو اسے اذان نہیں کہنا چاہئے بلکہ چپکے سے کسی جگہ پڑھ لینی چاہئے اپنی نماز کے قضا ہونے کا عام اعلان نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ جب کسی سے کوئی گناہ ہو جائے تو حتی الامکان اس کو چھپانا چاہئے نہ یہ کہ اس کا اعلان کرتا پھرے۔

حدیث کا آخری جملہ ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا اذان کہو۔ ”فتوضاً“ پس وضو کیا۔

”فلما ارتفعت الشمس وابتاضت قام فصلی“۔

جب سورج بلند ہو گیا اور سفید ہو گیا یعنی اس کی زردی زائل ہو گئی تو اس وقت نماز پڑھی۔

یہ اس بارے میں حنفیہ کی دلیل ہے کہ اگر کوئی شخص نیند سے بیدار ہو تو اس کو نماز کے لئے سورج کے قدرے بلند ہونے کا انتظار کرنا چاہئے، اس سے پہلے نماز پڑھنا مکروہ ہے، کیونکہ حضور اقدس ﷺ نے طلوع شمس کے وقت نماز پڑھنے سے منع فرمایا جب تک ارتفاع شمس نہ ہو جائے۔

اور یہاں آپ ﷺ نے اس پر عمل بھی فرمایا کہ فوراً نماز نہیں پڑھی بلکہ انتظار فرمایا یہاں تک کہ سورج بلند ہو گیا پھر نماز پڑھی۔ ۵۰

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب نیند سے بیدار ہو اسی وقت نماز پڑھے، چاہے ابھی ارتفاع شمس نہ ہوا ہو۔ اور وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو آگے آنے والی ہے، ”من نسی صلوة فليصلها اذا ذكرها“ اس میں ”اذا“ عام ہے، لہذا جس وقت بھی یاد آجائے نماز پڑھو، چاہے وہ وقت مکروہ ہی کیوں نہ ہو۔

۷۹ وفی صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب قضا الصلاة الفاعلة واستصحاب تعجيل قضائها، رقم: ۱۰۹۹، وسنن النسائی، کتاب الإمامة، باب الجماعة للفائت من الصلاة، رقم: ۸۳۷، وسنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، باب فی من نام عن الصلاة أو نسيها، رقم: ۳۷۲، ومسند احمد، باقی مسند الأنصار، باب حدیث ابی قتادة الأنصاری، رقم: ۲۱۵۰۶، ۲۱۵۳۰۔

۸۰۔ فیہ أن الفوائت لا تقضى فی الأوقات المنهى عن الصلاة فیہا، واختلف أصحابنا فی قدر الوقت الذی تباه فیہ الصلاة بعد الطلوع. قال فی الاصل: حتی ترتفع الشمس قدر رمح أو رمحين الخ، عمدة القاری، ج: ۴، ص: ۱۲۵، والبحر الرائق، ج: ۱، ص: ۲۶۳۔

یہاں بھی حنفیہ کا استدلال عبارت النص سے ہے اور شافعیہ کا استدلال اشارۃ النص ہے اور عبارت النص کو اشارۃ النص پر ترجیح ہوتی ہے۔^{۵۱}

(۳۶) باب من صلی بالناس جماعة بعد ذهاب الوقت

اس شخص کا بیان جو وقت گزرنے کے بعد لوگوں کو جماعت سے نماز پڑھائے

۵۹۶۔ حدثنا معاذ بن فضالة قال: حدثنا هشام، عن يحيى، عن أبي سلمة، عن جابر بن عبد الله: ان عمر بن الخطاب جاء يوم الخندق بعد ما غربت الشمس فجعل يسب كفار قريش، قال: يا رسول الله ما كدت أصلي العصر حتى كادت الشمس تغرب. قال النبي ﷺ: "والله ما صليتها"، فقمنا إلى بطحان فتوضأ للصلاة و توضأنا لها، فصلی العصر بعد ما غربت الشمس، ثم صلی بعدها المغرب: [أنظر: ۵۹۸] ^{۵۲}

قضا نماز با جماعت پڑھنے کی مشروعیت

یہ باب وقت گزرنے کے بعد با جماعت نماز پڑھنے کے بیان میں ہے یعنی قضا نماز کی جماعت کے بیان میں۔

اس میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خندق کے دن غروب شمس کے بعد آئے اور کفار قریش کو برا بھلا کہنے لگے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں نماز نہ پڑھ سکا یہاں تک کہ سورج غروب ہونے کے قریب ہو گیا، یعنی اس بنا پر برا بھلا کہنے لگے کہ ان کم بختوں نے ہماری نماز قضا کر دی۔

”قال النبي ﷺ: “والله ما صليتها“ حضور ﷺ نے فرمایا کہ نماز تو میں نے بھی نہیں پڑھی ہے، خندق کھودنے میں اتنا مشغول رہا کہ نماز پڑھنے کا موقع نہ ملا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔

”فقمنا إلى بطحان“ ہم اٹھ کر گئے ”فتوضأ للصلاة و توضأنا لها“ فصلی العصر بعد

ماغربت الشمس ثم صلی بعدها المغرب“۔

۵۱۔ لما عباره النص فهو ما سبق الكلام لأجله وأريد به قصدا واما اشارة النص فهي ما ثبت بنظم النص، أصول

الشاشي، ص: ۹۹.

۵۲۔ وفي صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب الدليل لمن قال الصلاة الوسطى هي صلاة العصر،

رقم: ۱۰۰۰. وسنن الترمذی، كتاب الصلاة، باب ما جاء في الرجل تفوته الصلوات بأبتهن يبدأ، رقم: ۱۶۵، وسنن

النسائي، كتاب السهو، باب إذا قيل للرجل صليت هل يقول لا، رقم: ۱۳۳۹.

یعنی غروب کے بعد پہلے ہم نے جماعت کے ساتھ عصر پڑھی، پھر مغرب کی نماز پڑھی، مراد یہ ہے کہ قضا نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا ثابت ہے۔

(۳۷) باب من نسی صلاة فليصل إذا ذكر،

ولا يعيد إلا تلك الصلاة

اس شخص کا بیان جو کسی نماز کو بھول جائے تو جس وقت یاد آئے پڑھ لے

اور صرف اسی نماز کا اعادہ کرے

”وقال ابراهيم : من ترك صلاة واحدة عشرين سنة لم يعد إلا تلك الصلاة الواحدة“.

یہ باب اس شخص کے بارے میں ہے جو نماز پڑھنا بھول گیا ہو تو جب یاد آ جائے اسی وقت پڑھ لے۔
پھر آگے فرمایا ”ولا يعيد إلا تلك الصلاة“ اور نہیں لوٹائے گا مگر صرف وہی نماز۔
حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص بیس سال تک ایک نماز چھوڑے رہے وہ صرف اسی ایک نماز کا اعادہ کرے گا۔

”لا يعيد إلا تلك الصلاة“ کا مطلب اور اقوال شراح

”لا يعيد إلا تلك الصلاة“ کا کیا مطلب ہے؟ اس میں شراح کے مختلف اقوال ہیں:

پہلا قول

ایک مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اس سے ان لوگوں کا رد کرنا مقصود ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص کی کوئی نماز قضا ہو جائے تو اس کو چاہئے کہ اگلے وقت میں اس کی قضا کرے اور صرف اگلے وقت میں قضا کر لینا کافی نہیں ہے بلکہ اگلے دن جب دوبارہ اس قضا شدہ نماز کا وقت آئے گا تو اس وقت دوبارہ قضا کرے گا، مثلاً ایک شخص کی ظہر کی نماز قضا ہو گئی، اس نے عصر کے وقت اس کی قضا کر لی اور پھر عصر کی نماز پڑھ لی، ایک کام تو یہ ہو گیا، اب اگلے دن جب ظہر کا وقت آئے گا تو پچھلے دن جو ظہر کی نماز قضا ہوئی تھی اس کو دوبارہ پڑھے گا۔
اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ اس نے عصر کے وقت قضا کر لی تھی لیکن چونکہ وہ اس کے فطری وقت میں نہ تھی

اس لئے اگلے دن اس کے وقت میں دوبارہ قضا کرے۔

اس سلسلے میں بعض روایات بھی ہیں، مثلاً ابو داؤد میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ ”من

أدرک منکم صلوة الغداة من غد صالحا فلیقض معها مثلها“۔ ۵۳

یہ روایت اس معاملے میں صریح ہے، مگر سلف میں سے اور فقہاء مشہورین میں سے کوئی بھی اس طرف

نہیں گیا۔ ”کما ذکرہ الخطابی“۔

نیز صحیح مسلم میں حضرت ابوقادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے ”فبأذا کان الغد فلیصلها عند وقتها“ مگر یہ

حدیث اس مفہوم پر صریح نہیں ہے کیونکہ اس کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ اگلے دن وہی نماز اپنے وقت پر پڑھے۔ ۵۴

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابو داؤد کے حوالے سے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی جس حدیث کا ذکر کیا

ہے اس میں ان سے وہم ہوا ہے، درحقیقت وہ ابوقادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، مگر خالد بن سمیر نے ان سے بالعمی

روایت کیا ہے اس میں ان سے غلطی ہو گئی ہے۔ ۵۵

لیکن اول تو یہ روایات سنداً ضعیف ہیں اور اگر ان میں سے کوئی قابل استدلال ہو تب بھی زیادہ سے

زیادہ استحباب ثابت ہوتا ہے، تو بعض لوگوں نے کہا کہ اگلے دن بھی پڑھ لینا مستحب ہے۔

اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ مستحب بھی نہیں ہے، شروع میں کسی وقت یہ حکم دیا گیا ہو گا بعد میں جو مشہور

قاعدہ ہے اس پر عمل کیا گیا۔ چنانچہ خندق اور ”لیلة التعریس“ کے واقعہ میں جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازیں

قضا ہوئیں تو صرف ان نمازوں کو قضا فرمایا اور اگلے دن ان کا اعادہ نہیں فرمایا۔ ۵۶

امام بخاری رحمہ اللہ ”لا یعید إلا تلك الصلوة“ سے ان روایات کی تردید کر رہے ہیں کہ صرف

اُسی نماز کا اعادہ کرے گا جو قضا ہوئی۔

وقال ابراہیم: ”من ترک صلوة واحدة“ الخ اگر بیس سال تک بھی ایک نماز چھوٹی رہی تو

اسی ایک نماز کی قضا کرے گا، یہ نہیں کہ اگلے دن پھر دوبارہ اس کی قضا کرے۔

دوسرا قول

بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا منشاء دراصل ان حضرات پر رد کرنا ہے جو یہ کہتے تھے

۵۳ سنن أبی داؤد، باب فی من نام عن الصلاة أو نسيها، ج: ۱، ص: ۱۲۰، رقم: ۴۳۸۔

۵۴ فتح الباری، ج: ۲، ص: ۷۱۔

۵۵ لامع الدراری، جلد: ۱، ص: ۲۳۲، طبع قدیم۔

۵۶ عمدة القاری، ج: ۴، ص: ۱۳۰۔

کہ اگر کسی کی بہت ساری نمازیں قضا ہو گئیں تو ان میں ترتیب واجب ہے، کثرتِ فوائت سے بھی ترتیب ساقط نہیں ہوگی۔

فرض کریں ایک آدمی کی ظہر کی نماز قضا ہو گئی، اب اس کے ذمہ فرض تھا کہ پہلے ظہر پڑھے پھر عصر پڑھے لیکن اس نے ظہر نہیں پڑھی صرف عصر پڑھ لی، پھر مغرب کا وقت آیا تو اس کے ذمہ فرض تھا کہ پہلے ظہر پڑھے پھر عصر اور پھر مغرب پڑھے لیکن اس نے صرف مغرب پڑھی، پھر جب عشاء کا وقت آیا تو اس کے ذمہ فرض تھا کہ پہلے ظہر پڑھے پھر عصر، پھر مغرب اور پھر عشاء پڑھے، لیکن اس نے صرف عشاء پڑھ لی اور کئی روز تک کرتا چلا گیا اور ظہر نہیں پڑھی۔

اب جو لوگ کثرتِ فوائت سے بھی ترتیب کو ساقط نہیں مانتے، وہ کہتے ہیں کہ یہ آدمی اگر ایک ہفتہ بعد بھی ظہر کی قضا کرے گا تو صرف ایک نماز کی قضا نہیں کرے گا بلکہ پہلے قضا شدہ نماز اور پھر ہفتہ بھر کی نمازیں لوٹائے گا، اس کے بعد وقتی نماز پڑھے گا۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرما رہے ہیں ”لا یعید إلا تلك الصلوة“ کہ کثرتِ فوائت کی صورت میں صرف فوت شدہ نماز کا اعادہ کرے گا، اسی کو ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کہتے ہیں جس نے بیس سال تک ایک قضا نماز نہیں پڑھی وہ اعادہ نہیں کرے گا مگر اس ایک نماز کا۔

تیسرا قول

بعض حضرات کہتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ رحمہم اللہ پر رد کرنا ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کا قول اختیار کرنا ہے۔

حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ رحمہم اللہ قضا فوائت میں ترتیب کے وجوب کے قائل ہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ وجوب کے قائل نہیں۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بھی کثرتِ فوائت کی صورت میں ترتیب ساقط ہو جاتی ہے لیکن جہاں کثرت نہ ہوئی ہو مثلاً پانچ نمازیں ہی ہیں تو وہاں ترتیب واجب ہے، لہذا اگر کسی کی فجر کی نماز قضا ہو گئی اس نے ظہر میں قضا نہیں کی، عصر میں نہیں کی، مغرب میں نہیں کی، عشاء میں نہیں کی تو ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں اگلے دن فجر میں پہلے گزشتہ روز کی فجر کی قضا کرے گا، پھر ظہر کی، پھر عصر کی، پھر مغرب کی، پھر عشاء کی اور اس کے بعد آج کی فجر کی نماز پڑھے گا، کیونکہ ترتیب واجب تھی اس لئے اس نے جو نمازیں بغیر ترتیب کے پڑھیں وہ نہیں ہوئیں، لہذا اب چھ کی چھ نمازوں کا اعادہ کرے گا۔

امام بخاری رحمہ اللہ اس کی تردید کر رہے ہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ کا قول اختیار کرتے ہوئے فرما

رہے ہیں ”لا یعید إلا تلك الصلوة“۔

یہ تین تشریحیں امام بخاری رحمہ اللہ کے اس قول کی کی گئی ہیں لیکن یہ تیسری تشریح بظاہر اس لئے صحیح نہیں ہے کہ آگے خود امام بخاری رحمہ اللہ نے وجوب ترتیب پر باب قائم کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جمہور کی طرح وہ بھی وجوب ترتیب کے قائل ہیں، لہذا وجوب ترتیب کے خلاف وہ کیوں باب قائم کریں گے؟ اس لئے پہلی دو تشریحیں راجح ہیں۔

۵۹۷۔ حدثنا أبو نعيم و موسى بن اسماعيل قالا: حدثنا همام، عن قتادة، عن أنس بن مالك عن النبي ﷺ قال: ”من نسي صلاة فليصل إذا ذكر، لا كفارة لها إلا ذلك ﴿وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي﴾ [طه: ۱۴] قال موسى: قال همام: سمعته يقول بعد: ﴿وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي﴾ وقال حبان: حدثنا همام قال: حدثنا قتادة قال: حدثنا أنس عن النبي ﷺ نحوه.

یہاں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال فرمایا کہ ”من نسی صلاة فليصل إذا ذكر لا كفارة لها إلا ذلك“ جب یاد آجائے پڑھ لے اس کے سوا کوئی کفارہ نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ قضا کرنے سے اس کا کفارہ ہو جائے گا، اس کو اگلے دن دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۳۸) باب قضاء الصلاة الأولى فالأولى

قضا نمازوں کو ترتیب کے ساتھ پڑھنے کا بیان

۵۹۸۔ حدثنا مسدد قال: حدثنا يحيى عن هشام قال: حدثنا يحيى . هو ابن أبي كثير. عن أبي سلمة، عن جابر قال: جعل عمر يوم الخندق يسب كفارهم و قال: يا رسول الله! ما كدت أصلي العصر حتى غربت الشمس، قال: فنزلنا بطحان فصرى بعد ما غربت الشمس ثم صلى المغرب. [راجع: ۵۹۶]

اختلاف ائمہ

یہ باب ترتیب کے بیان میں ہے یعنی نمازوں کو ترتیب کے ساتھ قضا کیا جائے، یہی جمہور کا مسلک ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ اس میں اختلاف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ترتیب واجب نہیں ہے۔

جمہور کا استدلال

جمہور کا استدلال اول تو خندق کے واقعہ سے ہے، جہاں آپ ﷺ نے ترتیب کے ساتھ نمازیں

پڑھائیں۔ روایات اس بات پر متفق ہیں کہ آپ ﷺ نے ان چاروں نمازوں کی ادائیگی میں ترتیب کو ملحوظ رکھا۔

دوسرا استدلال

جمہور کا دوسرا استدلال اس حدیث سے ہے جو امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت ابو جمعہ حبیب بن سباع سے روایت کی ہے کہ غزوہ خندق میں ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ مغرب کی نماز میں کچھ دیر ہو گئی آپ ﷺ نے مغرب کی نماز جماعت سے پڑھی بعد میں صحابہ ﷺ سے پوچھا کہ میں نے عصر کی نماز پڑھ لی تھی یا نہیں؟ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے عصر کی نماز بھی نہیں پڑھی تھی۔ آپ ﷺ نے اقامت کہہ کر پہلے عصر کی نماز پڑھی اور پھر مغرب کی نماز دوبارہ پڑھی۔ ۵۷

یہ وجوب ترتیب پر بالکل صریح دلیل ہے، اگر ترتیب واجب نہیں تھی تو آپ ﷺ نے مغرب کی نماز کیوں دہرائی۔

تیسری دلیل

جمہور کی تیسری دلیل حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر ہے جو مؤطا امام محمد رحمہ اللہ میں نقل ہے، اس میں وجوب ترتیب کا خاص طور پر ذکر ہے۔ ف: ۱

نیز علامہ عینی رحمہ اللہ نے ابو حفص سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً یہ روایت نقل کی ہے کہ ”من نسی صلوة فلم يذكرها إلا وهو مع الإمام فليتم صلاته، فإذا فرغ من الصلاة فليعد التي نسي ثم ليعد التي صلاها مع الإمام“۔ ۵۸

۵۷۔ أن أبا جمعة حبیب بن سباع وكان قد أدرك النبي صلى الله عليه وسلم أن النبي صلى الله عليه وسلم عام الأحزاب صلى المغرب فلما فرغ قال هل علم أحد منكم إنني صليت العصر قالوا يا رسول الله ما صليتها فأمر المؤذن بإقام الصلاة فصلى العصر ثم أعاد المغرب، مسند أحمد، مسند الشاميين، حديث أبي جمعة حبیب بن سباع رضي الله عنه، ج: ۴، ص: ۱۰۶، رقم: ۱۷۰۶۱، وعمدة القاری، ج: ۴، ص: ۱۲۸۔

(ف: ۱) من قوله فإذا سلم الإمام فليصل الصلاة التي نسي باتفاق ثم ليصل بعدها الأخرى التي صلاها مع الإمام وبهذا قال الأئمة الثلاثة، شرح الزرقاني، ج: ۱، ص: ۲۸۴۔

۵۸۔ رواه البيهقي في سننه، ج: ۲، ص: ۲۲۱، رقم: ۳۰۱۰، وقال العيني ”وأخرجه أبو حفص بن شاهين مرفوعاً كذا في العمدة، ج: ۴، ص: ۱۲۹، نصب الراية، ج: ۲، ص: ۶۳، ولامع الدراري، ج: ۱، ص: ۲۳۳۔

(۳۹) باب ما یکرہ من السمر بعد العشاء

عشاء کی نماز کے بعد باتیں کرنا مکروہ ہے

السامر من السمر والجمع السمار والسامر ها هنا فی موضع الجمع واصل السمر ضوء لون القمر وكانو يتحدثون فيه.

یہاں ”سمر“ بعد العشاء کا بیان ہے ”سمر“ لغت چاندنی کو کہتے ہیں اور اہل عرب کا طریقہ تھا کہ جب چاندنی رات ہوتی تو سب لوگ گھروں سے نکل آتے اور میدان میں جمع ہو کر گپ شپ کیا کرتے، اس گپ شپ کا نام بھی انہوں نے ”سمر“ رکھ دیا۔

۵۹۹۔ حدثنا مسدد قال: حدثنا يحيى قال: حدثنا عوف قال: حدثنا أبو المنهال قال: أنطلقت مع أبي إلى أبي برزة الأسلمي، فقال له أبي: حدثنا كيف كان رسول الله ﷺ يصلي المكتوبة؟ قال: كان يصلي الهجير. وهي التي تدعوها الأولى. حين تدحض الشمس، ويصلي العصر ثم يرجع أحدنا إلى أهله في أقصى المدينة والشمس حية، ونسيت ما قال في المغرب. قال: وكان يستحب أن يواخر العشاء. قال: وكان يكره النوم قبلها والحديث بعدها، وكان يفتل من صلاة الغداة حين يعرف أحدنا جليسه وبقرا من الستين إلى المائة. [راجع: ۵۴۱]

تو اصل میں ”سمر“ چاندنی کو کہتے تھے پھر چاندنی رات میں قصہ گوئی پر اس کا اطلاق کیا گیا، پھر مطلق قصہ گوئی (چاہے چاندنی رات ہو یا نہ ہو) پر بھی ”سمر“ کا اطلاق ہونے لگا، پھر رات کے وقت مطلق باتیں کرنے (چاہے قصے ہوں یا نہ ہوں) کو بھی ”سمر“ کہا جانے لگا، اسی سے ”سامر“ اور ”سمیر“ نکلا ہے۔ یہ اس شخص کو کہتے ہیں جس کے ساتھ بیٹھ کر قصہ گوئی کی جائے۔

كان لم يكن بين الجحون الى الصفا

انيس و لم يسمر بمكة سامر

یہ مفاض بن اسماعیل کا شعر ہے۔

بعد العشاء قصہ گوئی کی ممانعت کی وجہ

بعض روایات میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ”سمر بعد العشاء“ سے منع فرمایا ہے۔ امام بخاری

رحمہ اللہ نے نبی کی روایت ذکر نہیں کی، شاید ان کی شرط پر نہیں ہیں، لیکن ذہن میں تو ہے کہ ایک ایسی حدیث ہے جس میں آپ ﷺ نے ”سمر بعد العشاء“ سے منع فرمایا ہے، تو اس کی توجیہ کر رہے ہیں کہ یہ اس وقت منع ہے جب اس کے نتیجے میں نماز پھر فوت ہونے کا اندیشہ ہو۔

اگر یہ اندیشہ نہ ہو اور دنیوی یا اخروی کوئی حاجت ہو جو اس سر کی داعی ہو تو پھر عشاء کے بعد گفتگو کرنے میں کوئی ممانعت نہیں ہے۔ البتہ اگر بے فائدہ گفتگو ہو جس کا کوئی منشأ نہ ہو یا صبح کی نماز فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں کراہت ہے۔ چنانچہ شروع میں حدیث ذکر کی ہے۔ ”کان یکرہ النوم قبل العشاء والحديث بعدها“ لیکن اس کے بعد ساری وہ روایات نقل کی ہیں جن میں حضور اقدس ﷺ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عشاء کے بعد باتیں کرنا منقول ہے، جس سے جواز معلوم ہوتا ہے۔

(۴۰) باب السمر فی الفقه والخیر بعد العشاء

دین کے مسائل اور نیک بات کے متعلق عشاء کے بعد گفتگو کرنے کا بیان

۶۰۰۔ حدثنا عبد الله بن الصباح قال: حدثنا أبو علي الحنفی قال: حدثنا قرۃ ابن خالد قال: أنظرنا الحسن، وراث علينا حتى قربنا من وقت قیامة فجاء وقال: دعانا جیراننا هؤلاء. ثم قال: قال أنس: نظرنا النبی ﷺ ذات ليلة حتى کان شطر اللیل یبلغه، فجاء فصلی لنا ثم خطبنا فقال: ”إلا أن الناس قد صلوا ثم رقدوا وإنکم لم تزالوا فی الصلاة ما أنظرتم الصلاة“. ”وإن القوم لا یزالون بخیر ما انتظرو الخیر من حدیث أنس عن النبی ﷺ. [راجع: ۵۷۲]

قرۃ ابن خالد کہتے ہیں ”انظرنا الحسن“ ہم نے حضرت حسن کا انتظار کیا ”وراث علینا“ اور ان کو ہم سے دیر ہوگئی، رات کے معنی ہیں ”تاخیر“ یعنی ہم رات کے وقت ان کا انتظار کر رہے تھے کہ وہ آئیں اور عشاء کی نماز پڑھائیں لیکن ان کو دیر ہوگئی ”حتى قربنا من وقت قیامة“ یہاں تک کہ وقت قریب آگیا جس وقت میں عام طور پر وہ مسجد سے اٹھ کر چلے جایا کرتے تھے مگر وہ عشاء کی نماز کے لئے مسجد میں نہیں آئے۔ ”فجاء وقال: دعانا جیراننا هؤلاء“ جب آئے تو کہنے لگے ہمارے برابر کے پڑوسیوں نے بلا لیا تھا جس کی وجہ سے دیر لگ گئی، پھر آگے کا واقعہ سنایا جو کئی دفعہ گزر چکا ہے۔

موضع استدلال یہ ہے ”فصلی لنا ثم خطبنا“ عشاء کی نماز پڑھی پھر خطبہ دیا، معلوم ہوا عشاء کے بعد خطبہ دینا جائز ہے اور حدیث میں جو ”سمر بعد العشاء“ سے منع کیا تھا وہ کراہت تنزیہی ہے یا خاص حالات کے ساتھ مشروط ہے، اگر علم یا دین کی بات رات کے وقت کی جائے تو وہ جائز ہے۔

۶۰۱۔ حدثنا أبو الیمان قال: أخبرنا شعیب، عن الزہری قال: حدثنی سالم بن

عبداللہ بن عمر، و ابو بکر بن ابی حثمہ أن عبد اللہ بن عمر قال: صلى النبي ﷺ صلاة العشاء في آخر، حياته، فلما سلم قام النبي ﷺ فقال: "أرايتكم ليلتكم هذه، فإن رأس مائة سنة لا يبقی ممن هو اليوم على ظهر الأرض أحد" فوہل الناس فی مقالة النبي ﷺ إلى ما يتحدثون فی هذه الأحادیث عن مائة سنة، وإنما قال النبي ﷺ: لا يبقی ممن هو اليوم على ظهر الأرض" يريد بذلك إنها تخرم ذلك القرن. [راجع: ۱۱۶]

یہاں حضور اقدس ﷺ نے عشاء کی نماز پڑھی اور جب سلام پھیرا تو فرمایا۔ "اُرایتکم لیلتمکم ہذہ" یہ گفتگو عشاء کے بعد فرمائی، معلوم ہوا کہ عشاء کے بعد بات کرنا جائز ہے۔

یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے آگے فرمایا "فوہل الناس فی مقالة النبي ﷺ" حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں لوگ حضور اقدس ﷺ کے ارشاد کے بارے میں غلطی میں پڑ گئے ہیں اور ان باتوں کی طرف چلے گئے ہیں جو وہ اکثر نبی کے بارے میں بتاتے ہیں۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ بعض لوگوں نے اس حدیث کا مطلب یہ لیا کہ گویا حضور اقدس ﷺ نے اس بات کی پیشین گوئی فرمادی کہ سوسال بعد قیامت آجائے گی، ساری دنیا ختم ہو جائے گی۔

حالانکہ "وإنما قال النبي ﷺ: لا يبقی ممن هو اليوم على ظهر الأرض يريد بذلك إنها تخرم ذلك القرن" مقصد اس کا یہ تھا کہ اس وقت جو لوگ زندہ ہیں سوسال کے بعد سب ختم ہو جائیں گے اور یہ قرن ختم ہو جائے گا۔

(۴۱) باب السمر مع الأهل والضيف

گھر والوں اور مہمانوں کے ساتھ عشاء کے بعد گفتگو کرنے کا بیان

گھر والوں اور مہمانوں کے ساتھ سمر کرنا، جواز بیان کرنا مقصود ہے۔ اس جواز کے سلسلے میں حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ کی ایک حدیث نقل کی ہے اور یہ حدیث بخاری شریف میں کئی جگہ آئی ہے۔

۶۰۲۔ حدثنا أبو النعمان قال: حدثنا معتمر بن سليمان قال: حدثنا أبي قال:

حدثنا أبو عثمان عن عبد الرحمن بن أبي بكر: أن أصحاب الصفة كانوا أناسا فقراء. وأن النبي ﷺ قال: "من كان عنده طعام إثنين فليذهب ثالث. وإن أربع فخامس أو سادس". وأن أبا بكر جاء بثلاثة وانطلق النبي ﷺ بعشرة. قال: فهو أنا وأبي، فلا أدرى قال. وامرأتى وخدام، بين بيتنا وبين بيت أبي بكر. وأن أبا بكر تعشى عند النبي ﷺ ثم لبث

حيث صليت العشاء ثم رجع فلبث حتى تعشى النبي ﷺ ، فجاء بعد ما مضى من الليل ما شاء الله . قالت له امراته : وما حبسك عن أضيافك ، أو قالت : ضيفك؟ قال : أو ما عشيتهم؟ قالت : أبو احتى تجيء ، قد عرضوا فابوا . قال : فذهبت أنا فاختبأت ، فقال : يا غنثر ، فجذع وسب . وقال : كلوا لا هنيئا ، فقال : والله لا أطعمه أبدا ، وأيم الله ما كنا نأخذ من لقمة إلا ربا من أسفلها أكثر منها . قال : . وشبعوا . وصارت أكثر مما كانت قبل ذلك ، فنظر إليها أبو بكر فاذا هي كما هي أو أكثر منها . فقال لإمراته : يا أخت بني فرأس ، ما هذا؟ قالت : لا وقرة عيني ، لهي الآن أكثر منها قبل ذلك ثلاث مرات . فأكل منها أبو بكر وقال : إنما كان ذلك من الشيطان . يعني يمينه . ثم أكل منها لقمة ثم حملها إلى النبي ﷺ فاصبحت عنده ، وكان بيننا وبين قوم عقد فمضى الأجل ففرقنا اثني عشر رجلا مع كل رجل منهم أناس ، الله أعلم كم مع كل رجل ، فأكلوا منها أجمعون ، أو كما قال . [أنظر : ۳۵۸۱ ، ۶۱۴۰ ، ۶۱۴۱] ۵۹

”عن عبدالرحمن بن أبي بكر أن أصحاب الصفة كانوا أنا سا فقراء ، وأن النبي ﷺ قال : من كان عنده طعام اثنین فليذهب بثالث“ جس آدمی کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ اصحاب صفہ میں سے تیسرا آدمی اپنے ساتھ کھانا کھلانے کے لئے لے جائے ، ”وإن اربع فخماس أو سادس“ جس آدمی کے پاس چار آدمیوں کا کھانا ہے وہ اپنے ساتھ پانچویں یا چھٹے آدمی کو لے جائے۔ یعنی حضور اقدس ﷺ نے صحابہ کرام ﷺ سے یہ کہہ رکھا تھا کہ جب تم کھانا کھانے لگو تو اصحاب صفہ میں سے کسی کو اپنے ساتھ لے جاؤ اور ان کی مہمانی کرو۔ ”وأن أبا بكر جاء بثلاثة“ اور صدیق اکبر ﷺ اصحاب صفہ میں سے تین کو کھانا کھلانے کے لئے لائے ”وانطلق النبي ﷺ بعشرة“ آنحضرت ﷺ دس کو لے کر آئے قال : ”فهو أنا وأبي“ . ”فهو“ میں ”هو“ ضمیر شان ہے ، مطلب یہ ہے کہ اب آگے قصہ یہ ہے کہ میں اور میرے والد اور والدہ گھر پر تھے ”فلا أدري قال : وامراتي وخادم ، بين بيتنا وبين بيت أبي بكر“ راوی کو شک ہے کہ عبدالرحمن بن ابی بکر نے ”فهو أنا وأبي“ کہا تھا یا ”امراتي وخادم“ کہا تھا۔

”بين بيتنا وبين أبي بكر“ کا تعلق خادم سے ہے یعنی ایسی خادمہ جو میرے والد صدیق اکبر ﷺ کے گھر میں مشترک تھی ایک ہی خادمہ تھی ، جو ہمارے گھر بھی کام کرتی تھی اور میرے والد صدیق اکبر ﷺ کے گھر

۵۹۔ وفی صحیح مسلم ، کتاب الأشربة ، باب إكرام الضيف وفضل إيثاره ، رقم : ۳۸۳۳ ، وسنن أبی داؤد ، کتاب الايمان والنذور ، باب فيمن حلف على طعام لا يأكله ، رقم : ۲۸۴۶ ، ومسند احمد ، مسند الصحابة بعد العشرة ، باب حديث عبد الرحمن بن أبي بكر ، رقم : ۱۶۰۹ .

بھی کام کرتی تھی۔ ”وَأَن أَبَا بَكْرٍ تَعَشَىٰ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ“ صدیق اکبرؓ مہمانوں کو گھرالائے اور خود رات کا کھانا حضور اقدس ﷺ کے گھر جا کر کھالیا، اس زمانہ میں رات کا کھانا مغرب سے پہلے یا متصل بعد از مغرب کھایا جاتا تھا۔

”ثُمَّ لَبِثَ“ پھر وہیں ٹھہرے رہے، ”حَيْثُ صَلَّيْتُ الْعِشَاءَ“ یہاں تک کہ عشاء کی نماز ہو گئی ”ثُمَّ رَجَعَ“ پھر دوبارہ صدیق اکبرؓ حضور اقدس ﷺ کے پاس آئے ”فَلَبِثَ“ پھر کچھ دیر وہاں ٹھہرے ”حَتَّىٰ تَعَشَىٰ النَّبِيُّ ﷺ“ یہاں تک کہ حضور اقدس ﷺ نے بھی شام کا کھانا کھالیا، یعنی صدیق اکبرؓ عشاء کی نماز کے بعد حضور اقدس ﷺ کے گھر گئے یہاں تک کہ جب حضور اقدس ﷺ نے کھانا کھالیا تو صدیق اکبرؓ واپس اپنے گھر آ گئے۔

”فَجَاءَ بَعْدَ مَا مَضَىٰ مِنَ اللَّيْلِ مَا شَاءَ اللَّهُ“ وہ اپنے گھر آئے جبکہ رات کا اتنا حصہ گزر چکا تھا جتنا اللہ ﷻ نے چاہا یعنی کافی حصہ گزر چکا تھا۔

”قَالَتْ لَهُ امْرَأَتُهُ“ صدیق اکبرؓ کی اہلیہ نے ان سے کہا، ”وَمَا حَسْبُكَ عَنْ أَضْيَافِكَ أَوْ قَالَتْ ضَيْفُكَ؟“ آپ کو اپنے مہمانوں سے کس چیز نے روک لیا تھا، چاہئے تو یہ تھا کہ جلدی گھر واپس آتے اور مہمانوں کے ساتھ کھانا کھاتے۔ ”قَالَ: أَوْ مَا عَشِيْتِهِمْ؟“ صدیق اکبرؓ نے فرمایا کیا تم نے ابھی تک مہمانوں کو کھانا نہیں کھلایا، گھر میں مہمان تھے تو کھانا کیوں نہیں کھلایا؟ اتنی دیر کیوں لگا دی؟

”قَالَتْ: أَبَوَا حَتَّىٰ تَجِئَی“ انہوں نے کہا کہ مہمانوں نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا کہ ہم آپ کے آنے تک نہیں کھائیں گے، ”قَدْ عَرَضُوا فَا بَوَا“ اصل میں تھا ”قَدْ عَرَضْتَ الطَّعَامَ عَلَيْهِمْ“ بعض اوقات قلب ہو جاتا ہے یہاں بھی ہوا کہ ان کو کھانا پیش کیا گیا تھا کہ آپ کھالیں لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔

”قَالَ: فَلَذَهَبْتُ أَنَا فَاخْتَبَاتُ“ عبدالرحمن بن ابی بکرؓ فرماتے ہیں کہ جب میں نے دیکھا کہ صدیق اکبرؓ کو اس بات پر غصہ آرہا ہے کہ مہمانوں کو کھانا کیوں نہیں کھلایا گیا تو میں جا کر چھپ گیا کہ اگر اس وقت سامنے آیا تو پٹائی ہو جائے گی کہ تم نے کیوں نہیں کھلایا۔ فقال: ”يَا غَشْرُ“ انہوں نے آواز دی کہ اے کینے بعض حضرات نے ”غشْر“ کا ترجمہ کینہ کیا ہے ”لَعِيمُ“ اور بعض نے کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں نا اہل، احمق۔

”فَجَدَّعَ وَسَبَّ“ اور صدیق اکبرؓ نے مجھے ناک کان کٹا کر دیا اور برا بھلا کہا۔ ”جَدَّعَ“ (بغیر تشدید) کے معنی ہیں کاٹنا اور ”جَدَّعَ“ کے معنی ہیں ”جَدَّعَ النَّفْسَ“ کہنا کہ اللہ تیری ناک کاٹے۔ یہ الفاظ بظاہر بددعا کے ہوتے ہیں لیکن بددعا مقصود نہیں ہوتی بلکہ محض اپنی ناراضگی کا اظہار کرنا ہوتا ہے ”فَسَبَّ“ اور برا بھلا کہا، یعنی تمہیں چاہئے تھا کہ کسی طرح مہمانوں کو راضی کر کے کھانا کھلاتے اور اتنی دیر تک بھوکا نہ رکھتے، اس لئے ڈانٹ پلائی۔ وقال: ”كُلُوا، لَا هَيْئًا“ گھر والوں سے کہا اچھا تم کھاؤ۔ تمہارے لئے

یہ کوئی خوش گوار کھانا نہیں ہے کہ مہمانوں کو اتنی دیر بھوکا رکھا۔

فقال: "واللہ لا اطمعہ ابدًا" اللہ کی قسم! اب میں کبھی یہ کھانا نہیں کھاؤں گا جب میرے مہمانوں کو نہیں کھلایا گیا۔ عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پہلے مہمانوں کو کھانا کھلایا گیا۔ ظاہر ہے واقعہ ایسا ہی ہوا ہو گا، مہمانوں کے بعد گھر میں کھانا شروع کیا، ہم لوگ کھا رہے تھے، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نہ کھانے کی قسم کھائی تھی۔ **"وایم اللہ ما کنا نأخذ من لقمة إلا ربا من أسفلها أكثر منها"** ہم نے کھانا شروع کیا اور ہم جوں جوں کھانا کھاتے جا رہے تھے نیچے اور زیادہ کھانا نکل آتا تھا۔ **قال: "وشبعوا"** اس کے نتیجے میں ہم سب گھر والے اور مہمان سیر ہو گئے **"وصارت أكثر مما كانت قبل ذلك"** ہم سب نے سیر ہو کر کھلایا، پھر بھی وہ کھانا پہلے سے زیادہ باقی رہ گیا، **"فنظر إليها أبو بکر"** ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کو دیکھا، **"فإذا هي كما هي أو أكثر منها"** جتنا وہ تھا اتنا ہی باقی تھا یا اس سے زیادہ تھا۔

"فقال لامراته: انہوں نے اپنی اہلیہ سے کہا "یا اخت بنی فراس، ما هذا؟" یہ کیا قصہ ہے کہ مہمانوں نے بھی کھالیا مگر پھر بھی پہلے سے زیادہ باقی ہے۔ **قالت: "لا وقرّة عینی"** قسم میری آنکھوں کی ٹھنڈک کی، **"لہی الآن أكثر منها قبل ذلك بثلاث مرّات. لا وقرّة عینی"** میں جو "لا" ہے اس کا کوئی معنی نہیں ہے۔ میری آنکھوں کی ٹھنڈک کی قسم، اس سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مراد ہے۔ **"لہی الآن"** الخ یہ کھانا پہلے سے تین گنا زیادہ ہے، **"فاکل منها أبو بکر"** اس موقع پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی اس کھانے میں سے کھایا اور کہا **"إنما كان ذلك من الشيطان، یعنی یمینہ"** میں نے جو قسم کھائی تھی کہ میں یہ کھانا نہیں کھاؤں گا یہ شیطان کا عمل تھا۔

آپ ﷺ نے دیکھا کہ اس کھانے میں اللہ ﷻ نے برکت دی ہے تو آپ ﷺ نے قسم توڑ کر کھانا کھالیا اور فرمایا وہ قسم ایک شیطانی عمل تھا۔

"ثم أكل منها لقمة ثم حملها إلى النبي ﷺ" چونکہ یہ غیر معمولی واقعہ تھا اس لئے کھانا نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لے گئے **"فاصبحت عنده"** صبح تک کھانا آپ ﷺ کے پاس رہا۔

آگے اسی سلسلے کا دوسرا واقعہ نقل کرتے ہیں **"وكان بيننا وبين قوم عقد فمضى الأجل ففرقنا اثني عشر رجلا مع كل رجل منهم أناس"** اس کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں:

پہلا مطلب یہ ہے کہ ایک قوم کے ساتھ ہمارا جنگ بندی کا معاہدہ تھا اور قریبی زمانہ میں وہ جنگ بندی کا معاہدہ ختم ہو چکا تھا اور مدت پوری ہو چکی تھی۔ ہمارا اس قوم پر چڑھائی کرنے کا ارادہ تھا، اس کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بارہ دستے بنائے اور ہر دستے کا ایک امیر تھا اور ہر امیر کے ساتھ بہت سے آدمی تھے۔ ان کے کھانے کا انتظام بھی کرنا تھا، تو جو کھانا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاں سے حضور ﷺ کے پاس پہنچا تھا، حضور ﷺ نے وہ

بارہ دستوں میں تقسیم فرمادیا اور سب لوگوں نے وہ کھالیا۔

دوسرا مطلب بعض لوگوں نے اس کا یہ بیان کیا ہے کہ ایک قوم کے ساتھ جنگ بندی کا معاہدہ تھا، مدت ختم ہو گئی تھی، اب اس قوم کے ساتھ معاہدہ کی تجدید کرنا مقصود تھا، تجدید کے لئے بارہ نقیب مقرر کئے گئے اور ہر نقیب کے ساتھ کچھ لوگ تھے، تو ان سب کو وہ کھانا کھلایا گیا۔ بعض شراح کے نزدیک یہ دوسرا قول راجح ہے۔

”اللہ أعلم کم مع کل رجل“ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ ہر آدمی کے ساتھ کتنے آدمی تھے۔

”فأكلوا منها أجمعون“ بہر حال سب نے کھانا کھالیا۔

اس واقعہ میں مقصود یہ ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء کے بعد بھی بیٹھے رہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کے بعد کھانا تناول فرمایا، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بیٹھے رہے، ظاہر ہے کچھ باتیں بھی کی ہوں گی، وہاں سے اپنے گھر آئے، گھر والوں سے بات چیت کی، ڈانٹ ڈپٹ کی، پھر مہمانوں کو کھانا کھلایا، اس دوران بھی کچھ بات چیت کی ہوگی۔

اس ساری تفصیل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ عشاء کے بعد گفتگو کی ممانعت مطلق نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

كتاب الصلاة

٦٥٠ - ٦٠٣

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۱۰۔ کتاب الأذان

(۱) باب بدء الأذان

اذان کی ابتدا کا بیان

وقوله عز وجل :

﴿وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ اتَّخَذُوهَا هُزُوءًا
وَلَعِبًا ط ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ﴾

[المائدة : ۵۸]

وقوله :

﴿إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ﴾

[الجمعة : ۹]

اذان کی مشروعیت

یہ پہلا باب ہے ”باب بدء الاذان“ کہ اذان کب شروع ہوئی۔

اس میں روایات نقل کر کے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اذان کی ابتدا مدینہ منورہ میں ہوئی ہے، کیونکہ یہ

دونوں آیتیں مدنی ہیں۔

پہلی آیت:

”وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ اتَّخَذُوهَا هُزُوًا وَلَعِبًا ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ“
میں فرمایا ہے کہ جب تم اذان کی نداء دیتے ہو تو یہ کافر لوگ اس کو مزاق اور کھیل بناتے ہیں کیونکہ ان کو عقل نہیں ہے۔
جب اذان شروع ہوئی تو یہودیوں نے کہا کہ یہ کیا بدعت شروع کی ہے اس پر آیت کریمہ نازل ہوئی
اور چونکہ آیت کریمہ مدنی ہے، لہذا اس طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ اذان کا آغاز مدینہ منورہ میں ہوا ہے۔
اور دوسری آیت:

”إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ“ میں فرمایا ہے کہ اذان بھی جمعہ کی فرضیت کے ساتھ
فرض ہوئی ہے۔ چنانچہ جمہور محدثین و مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ اذان کی مشروعیت مدینہ منورہ میں شروع ہوئی۔
حضرت عبداللہ بن زید ؓ کو خواب میں اذان سکھائی گئی، اس کی کوئی حدیث امام بخاری رحمہ اللہ کی
شرط کے مطابق نہیں تھی لہذا وہ روایت نہیں کی بلکہ بدء الاذان کے مدینہ منورہ میں ہونے پر ان دو آیات سے
استدلال کیا۔

اذان کا آغاز کس سن میں ہوا؟

پھر اس بارے میں روایات مختلف ہیں کہ اذان کا آغاز کس سن میں ہوا؟
حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس کو ترجیح دی ہے کہ ۱ھ میں ہی اذان شروع ہو چکی تھی۔ کچھ
احادیث ایسی بھی آئی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اذان مکہ مکرمہ ہی میں شروع ہو چکی تھی، چنانچہ معجم طبرانی میں
حضرت ابن عمر ؓ سے مروی ہے کہ اسراء کے وقت اللہ ﷻ نے آپ ﷺ پر اذان کی وحی فرمائی مگر اس کی سند
میں طلحہ بن زید متروک ہیں۔
دارقطنی کی ایک روایت میں حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس وقت اذان کا حکم
دیدیا تھا جب نماز فرض ہوئی، مگر اس کی سند بھی ضعیف ہے۔
حافظ نے اس طرح کی اور روایات بھی نقل کی ہیں مگر تصریح فرمائی ہے کہ وہ سب ضعیف ہیں۔^۱

۶۰۳ھ - حدثنا عمران بن ميسرة قال : حدثنا عبد الوارث قال : حدثنا خالد عن

أبي قلابة ، عن أنس قال : ذكروا النار والناقوس ، فذكروا اليهود والنصارى ، فأمر بلال

۱، ۲، ۳ والروایات التي تدل على أن التأذين شرع ليلة المعراج فقد حكم عليها المحدثون بالضعف ، كما بسط

في السعاية نقلا عن المبسوط ، وكذا ما روى في شرعيته بمكة قبل الهجرة الخ ، فيض الباری ، ج: ۲، ص: ۱۵۶،

وفتح الباری ، ج: ۲، ص: ۷۸، وشرح الزرقانی ، ج: ۱، ص: ۱۹۸۔

أن يشفع الأذان وأن يوتر الإقامة. [انظر: ۶۰۵، ۳۳۵۷]

یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ لوگوں نے آگ اور ناقوس کا ذکر کیا یعنی جس طرح مجوس لوگوں کو جمع کرنے کے لئے آگ جلاتے ہیں اس طرح ہم بھی آگ جلائیں یا جس طرح نصرانی ناقوس بجاتے ہیں ہم بھی ناقوس بجائیں۔

”فذكروا اليهود والنصارى“

ابو الشیخ کی روایت میں ہے کہ جب نار اور ناقوس کی تجویز پیش کی گئی تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا یہ مجوس اور یہود و نصاریٰ کا شعار ہے اور پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا کہ وہ اذان کو شفعا شفعا کہیں اور اقامت کو وتر اوتر ا کہیں۔

روایت کے ظاہری الفاظ سے ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ اسی مشورے کی مجلس میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان شفعا شفعا اور اقامت وتر اوتر ا کہنے کا حکم دیا گیا، لیکن درحقیقت یہاں اختصار ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو یہ حکم بعد میں دیا گیا، اس وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو محض اعلان کا حکم دیا گیا تھا، بعد میں جب حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے خواب میں اذان دیکھی تو پھر باقاعدہ اذان کا آغاز ہوا۔ چنانچہ اگلی حدیث میں اس کی وضاحت آنے والی ہے۔

۶۰۴۔ حدثنا محمود بن غیلان قال: حدثنا عبد الرزاق قال: أخبرنا جریج قال:

أخبرني نافع أن ابن عمر كان يقول: كان المسلمون حين فذموا المدينة يجتمعون فتحيون الصلاة ليس ينادى لها، فتكلموا يومافى ذلك فقال بعضهم: اتخذوا ناقوسا مثل ناقوس النصارى، وقال بعضهم: بل بوقا مثل قرن اليهود. فقال عمر: أولا تبعثون رجلا ينادى بالصلاة؟ فقال رسول الله ﷺ: يا بلال قم فناد بالصلاة. ۵، ۶

۵۔ وفی صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب الأمر بشفع الأذان وإيتار الإقامة، رقم: ۵۶۹، وسنن الترمذی، کتاب الصلاة، باب ماجاء فی إفراد الإقامة، رقم: ۱۷۸، وسنن النسائی، کتاب الأذان، باب تنبيه الأذان، رقم: ۶۲۳، وسنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب فی الإقامة، رقم: ۳۲۸، وسنن ابن ماجه، کتاب الأذان والسنة فيه، باب إفراد الإقامة، رقم: ۷۲۱، ومسند أحمد، باقی مسند المکثرین، باب مسند أنس بن مالک، رقم: ۱۱۵۶۳، ۱۲۵۰۳، وسنن الدارمی، کتاب الصلاة، باب ومن مسند علی بن أبی طالب، رقم: ۱۱۶۸.

۵۔ لا يوجد للحديث مكررات.

۶۔ وفی صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب بدء الأذان، رقم: ۵۶۸، وسنن الترمذی، کتاب الصلاة، باب ماجاء فی بدء الأذان، رقم: ۱۷۵، وسنن النسائی، کتاب الأذان، باب بدء الأذان، رقم: ۶۲۳، ومسند أحمد، مسند المکثرین من الصحابة، باب باقی المسند السابق، رقم: ۶۰۷۲.

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب مسلمان مدینہ منورہ آئے تو نماز کے لئے جمع ہو جایا کرتے اور نماز کا انتظار کرتے تھے یعنی نماز کے وقت کا اندازہ لگایا کرتے تھے کہ کس وقت جماعت کھڑی ہوگی ((لیس یونادی لها))، نماز کے لئے کوئی اعلان نہیں کیا جاتا تھا۔ ”فتکلموا یوما فی ذالک فقال بعضهم : اتخذوا ناقوسا مثل ناقوس النصارى ، وقال بعضهم : بل بوقا مثل قرن الیهود“۔ بعض نے کہا ناقوس بناؤ اور بعض نے کہا بوق بناؤ۔ بیل کے سینگ سے بنا کر اس میں پھونکتے تھے تو اس سے آواز نکلتی تھی، تو کہا کہ بوق بناؤ، اس سے پتہ چل جائے گا کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے، ”فقال عمر“ حضرت عمرؓ نے کہا ”اولا تبعثون رجلا ینادی بالصلاة؟“ یہ سب طریقے تو دوسروں کے ہیں، ایسا کیوں نہ کریں کہ ایک آدمی کو بھیج دیا کریں جو نماز کا اعلان کرے ”فقال رسول اللہ ﷺ یا بلال، قم فناد بالصلاة“۔ اب یہاں ”بالصلاة“ کہا، اس کا زیادہ ظاہری مفہوم تو یہ ہے کہ اس سے اذان معروف مراد نہیں ہے بلکہ ”الصلوة جامعة“ کا اعلان ہے، کیونکہ اس وقت تک اذان مشروع نہیں ہوئی تھی، لیکن اگر یہ کہا جائے جیسا کہ بعض حضرات نے کہا ہے اور محشی نے بھی یہ لکھا ہے کہ ”بالصلاة“ سے اذان معہود مراد ہے تو اس صورت میں ”فقال رسول اللہ ﷺ“ میں ”ف“ تراخی کثیر کے لئے ہے، یعنی حضرت عمرؓ نے تجویز دی تھی بات ختم ہوگئی، اس کے بعد جب حضرت عبد اللہ بن زیدؓ کو خواب میں اذان دکھائی گئی تو اس وقت حضرت بلالؓ کو حکم دیا گیا کہ نماز کے لئے اذان دیں، لیکن میرے خیال میں پہلی توجیہ زیادہ مناسب ہے اور کسی تاویل کی ضرورت نہیں ہے۔

(۳) باب : الإقامة واحدة، إلا قوله : قد قامت الصلاة.

”قد قامت الصلاة“ کے علاوہ اقامت کے الفاظ ایک ایک بار کہنے کا بیان

۶۰۷۔ حدثنا علی بن عبد اللہ قال : حدثنا إسماعیل بن ابراہیم قال : حدثنا خالد

عن أبی قلابہ، عن أنس قال : أمر بلال أن یشفع الأذان وأن یوتر الإقامة . قال إسماعیل

فذكرت لایوب فقال : إلا الإقامة [راجع : ۶۰۳]

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت بلالؓ کو حکم دیا گیا کہ اذان کو شفعاً شفعاً کہیں اور اقامت کو

وتراً کہیں سوائے اقامت یعنی ”قد قامت الصلاة“ کے کہ ”قد قامت الصلاة“ کو بھی شفعاً شفعاً کہیں۔

یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے پیچھے کئی جگہ روایت کی ہے، یہاں اس پر باب قائم کیا ہے کہ

”الإقامة واحدة“.

اذان اور اقامت کے شفعاً اور وتر اُہونے میں اختلاف ائمہ

جہاں تک اذان کے شفعاً شفعاً ہونے کا تعلق ہے، وہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ اذان میں شہادتین اور حیعتین شفعاً ادا ہوں گے لیکن اقامت جس کے لئے یہاں باب قائم کیا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث کی بنیاد پر یہ فرما رہے ہیں کہ اقامت میں شہادتیں اور حیعتیں ایک ایک مرتبہ کہے جائیں گے البتہ ”قد قامت الصلاة“ دو مرتبہ کہا جائے گا۔ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

البتہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک پوری اقامت وتر ہے، یہاں تک کہ ”قد قامت الصلاة“ بھی ایک ہی مرتبہ کہا جائے گا، اور حدیث میں جو ”الا اقامة“ کا استثناء آیا ہے، مالکیہ کہتے ہیں کہ وہ ایوب سختیانی کا تفرد ہے اور اہل مدینہ کا عمل اس کے خلاف ہے، اس لئے حجت نہیں ہے۔^۷

امام ابو حنیفہ اور سفیان ثوری رحمہما اللہ کے نزدیک اقامت بھی اذان کی طرح شفعاً شفعاً ہے یعنی شہادتین اور حیعتین بھی دو دو مرتبہ کہے جائیں گے۔

حنفیہ کی دلیل

حنفیہ اور سفیان ثوری رحمہما اللہ کی دلیل وہ حدیث ہے جو ترمذی میں حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ”کان اذان رسول اللہ ﷺ شفعاً شفعاً فی الأذان والاقامة“۔^۸ اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کا حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے اور حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت ان کی عمر محل روایت کے لئے کافی تھی، لہذا معاشرت ثابت ہے اور امام مسلم رحمہ اللہ کی شرط کے مطابق عنعنہ کے لئے صرف معاشرت کافی ہے اس میں ثبوت سماع و لقاء ضروری نہیں ہے، لہذا یہ روایت قابل استدلال ہے۔

حنفیہ کی دوسری دلیل حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی اذان ہے جو ترمذی میں ہے ”عن ابی معذورة أن النبی ﷺ علمه الأذان تسع عشرة كلمة والاقامة سبع عشرة كلمة“ اذان سترہ کلمات پر مشتمل تھی اور اقامت انیس کلمات پر مشتمل تھی اور یہ اس وقت بنتی ہے جب شفعاً شفعاً کہی جائے۔^۹

۷۔ شرح ابن بطلال، ج: ۲، ص: ۳۳۳۔

۸۔ سنن العرمذی، باب ماجاء أن الاقامة مثنی مثنی، رقم: ۱۹۳۔

۹۔ سنن العرمذی، باب ماجاء فی العرجیع فی الأذان، رقم: ۱۹۲، ج: ۱، ص: ۳۶۷۔

میرے نزدیک سب سے قوی دلیل حضرت سید بن غفلہ ؓ کی روایت ہے جو طحاوی میں ہے۔^{۱۱} وہ کہتے ہیں ”سمعت بلالاً يؤذن منى ويقيم منى“ میں نے حضرت بلال ؓ کو سنا وہ اذان بھی دودو مرتبہ کہتے تھے اور اقامت بھی دودو مرتبہ کہتے تھے اور سید بن غفلہ ؓ ان حضرات میں ہیں جو ”مخضرمین“ ہیں، یعنی حضور ﷺ کا زمانہ پایا اور زیارت نہ ہوئی، یہ اس وقت آئے جب حضور ﷺ کی وفات ہو چکی تھی یعنی یہ اس دن مدینہ طیبہ پہنچے ہیں جس دن حضور اکرم ﷺ کا جسد مبارک دفن کیا گیا، لہذا ظاہر یہ ہے کہ انہوں نے حضرت بلال ؓ کی اذان آپ ﷺ کی وفات کے بعد سنی، لہذا جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ حضرت بلال ؓ کی اذان میں حضرت ابو محذورہ ؓ کے واقعہ کے بعد تغیر پیدا ہو گیا تھا، اس روایت سے ان کی تردید ہو جاتی ہے۔^{۱۲}

لہذا انہوں نے حضرت بلال ؓ کو صدیق اکبر ؓ کے ابتدائی عہد خلافت میں اذان دیتے ہوئے سنا، معلوم ہوا حضرت بلال ؓ کا آخری عمل مثنیٰ پر مشتمل تھا۔ مجموعہ روایت پر غور کرنے کے بعد تمام توجیہات میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی توجیہ و تحقیق زیادہ بہتر اور رائج معلوم ہوتی ہے؛ وہ فرماتے ہیں: ”ان الاختلاف في كلمات الاذان كاختلاف في أحرف القرآن كلها شاف“۔

یعنی درحقیقت اذان کے یہ تمام صیغے شروع ہی سے منزل من اللہ تھے۔ حضرت بلال ؓ کی اذان میں ترجیع نہ تھی، البتہ حضرت ابو محذورہ ؓ کی اذان میں ترجیع تھی، اس بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت سعد القرظ ؓ مؤذن قبا کی اذان ترجیع پر مشتمل تھی۔^{۱۳}

”فدل على انه لم يكن مخصوصا بأبي محذورة“ جبکہ حضرت سعد القرظ ؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ کے عہد خلافت میں بغیر ترجیع کے اذان دیا کرتے تھے۔^{۱۴}

مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ شہادتین کو تین مرتبہ کہتے تھے، اس مجموعے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ سب طریقے آنحضرت ﷺ سے ثابت اور جائز ہے، البتہ

۱۱۔ عن سويد بن غفله قال سمعت بلالاً يؤذن منى ويقيم منى فهذا بلال قد روى عنه في الأقامة ما يخالف ما ذكر

انس وفي حديث أبي محذورة أن رسول الله ﷺ علمه الأقامة منى منى، شرح معاني الآثار، ج: ۱، ص: ۱۳۳۔

۱۲۔ سويد بن غفلة بفتح المعجمة والفاء أبو أمية الجمعي مخضرم من كبار التابعين قدم المدينة يوم دفن النبي صلى الله عليه وسلم وكان مسلماً في حياته ثم نزل الكوفة ومات سنة ثمانين وله مائة وثلاثون سنة ع، تقريب التهذيب،

ج: ۱، ص: ۳۰۹، رقم: ۲۶۹۵، دار ابن حزم، ۱۴۲۰ھ۔

۱۳۔ سنن الباقطی، باب ذکر سعد القرظ، رقم: ۱، ج: ۱، ص: ۲۳۶۔

۱۴۔ أنه سمع ابن سعد القرظ في أمانة ابن الزبير يؤذن الأولى الخ، مصنف عبد الرزاق، رقم: ۱۷۸۰،

ج: ۱، ص: ۴۵۹۔

حنفیہ نے عدم ترجیع کو اس وجہ سے رائج قرار دیا ہے کہ حضرت بلال ؓ جو حضر و سفر میں حضور ﷺ کے ساتھ رہے ہیں ان کا عام معمول بغیر ترجیع کے اذان دینے کا رہا ہے۔^{۱۴}

اور عبد اللہ بن زید ؓ کے روایت جو باب اذان میں اثر کی حیثیت رکھتی ہے وہ بغیر ترجیع کے ہے لہذا عدم ترجیع رائج ہے، البتہ ترجیع کے جواز میں کوئی کلام نہیں ہے۔

(۵) باب رفع الصوت بالنداء ،

اذان میں آواز بلند کرنے کا بیان

”وقال عمر بن عبد العزيز : أذن أذانا سمحا ، والا فاعتزلنا“.

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کا مقولہ ذکر کیا ہے جو انہوں نے اپنے مؤذن سے کہا ”ہلکی پھلکی اذان دیا کرو“ سمحا کے معنی ہیں ہلکی۔

ہلکی اذان کا کیا مطلب ہے؟ اس بارے میں مختلف اقوال:

بعض حضرات نے اس کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ ان کے مؤذن بہت محنت اور مشقت اٹھا کر اذان دیا کرتے تھے جیسا کہ بعض لوگ اس طرح اذان دیتے ہیں جیسے کشتی لڑ رہے ہوں، ہر حرف کو تکلف اور قسطن سے ادا کرتے تھے تو حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا یہ سب تشدد اور تکلف چھوڑ دو، ہلکی پھلکی سیدھی سادھی اذان دیا کرو، تشدد اختیار کرنا درست نہیں۔

بعض حضرات نے اس کی یہ تفسیر بیان کی ہے کہ وہ گا گا کر اذان دیا کرتے تھے جیسا کہ بعض گانے کا انداز اختیار کرتے ہیں، آپ نے فرمایا یہ انداز ٹھیک نہیں ہے سیدھی طرح اذان دو۔

اس تفسیر کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ یہ واقعہ ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے اور اس میں یہ لفظ ہیں

” أن مؤذنا أذن فطرب في أذانه ، فقال له عمر بن عبد العزيز أذن أذانا سمحا و
الا فاعتزلنا“۔^{۱۵}

چنانچہ حکم یہی ہے کہ اس طرح اذان دینا جو قسطنی کے مشابہ ہو اور جس میں آواز کو غیر معمولی طور پر گھمایا پھرایا جائے اور طریب کی صورت اختیار کر لے، یہ خلاف سنت ہے۔

^{۱۴} مصنف ابن ابی شیبہ ، کتاب الاذان والاقامة ، باب ماجاء فی الاذان والاقامة کیف ہو ، رقم : ۲۱۲۰ ، کان اذان

ابن عمر فلالا للہ اکبر احسبه ، ج : ۱ ، ص : ۱۸۵ ، مکتبة الرشد ، الرياض ، ۱۴۰۹ھ .

^{۱۵} مصنف ابن ابی شیبہ رقم : ۲۳۷۵ ، ج : ۱ ، ص : ۲۰۷ ، وفتح الباری ، ج : ۲ ، ص : ۸۸ .

لیکن یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ ایسی خشک اذان ہو جس کے اندر لجن ہی نہ ہو، جس طرح کالحن قرآن کے اندر جائز ہے اس طرح اذان کے اندر بھی جائز ہے، قرآن کی تغنی بھی جائز نہیں اور اذان کی تغنی بھی جائز نہیں۔

(۶) باب ما يحقن بالأذان من الدماء

اذان سن کر قتال و خون ریزی بند کرنا چاہیے

۶۱۰۔ حدثني قتيبة بن سعيد قال : حدثنا اسمعيل بن جعفر ، عن حميد ، عن انس : عن النبي ﷺ أنه كان إذا غزا بنا قوماً لم يكن يغزو بنا حتى يصبح و ينظر ، فان سمع أذاناً كف عنهم ، وإن لم يسمع أذاناً أغار عليهم . قال : فخرجنا إلى خيبر فانتبهنا إليهم ليلاً ، فلما أصبح ولم يسمع أذاناً ركب و ركب خلف أبي طلحة و أن قدمي لتمس قدم النبي ﷺ . قال : فخرجوا إلينا بمكاتلهم و مساحيهم فلما رأوا النبي ﷺ قالوا : محمد و الله ، محمد و الخميس ، قال : فلما رأهم رسول الله ﷺ قال : ”الله اكبر ، الله اكبر خربت خيبر ، إنا إذا نزلنا بساحة قوم فساء صباح المنذرين“ . [راجع: ۳۷۱]

شعائر اسلام

اذان شعائر اسلام میں سے ہے، اسی وجہ سے حضور اقدس ﷺ نے اس کو لوگوں کے خون اور جانوں کی حفاظت کی علامت کے طور پر استعمال کیا کہ جب آپ ﷺ کسی بستی سے اذان سن لیتے تو حملہ نہ کرتے اور اذان نہ سنتے تو حملہ کرتے۔

معلوم ہوا کہ یہ شعائر اسلام میں سے ہے اور ان چیزوں میں سے ہے جو اگرچہ فرض تو نہیں ہے، لیکن اگر کوئی جماعت اس کی تارک ہو جائے تو اس کے خلاف قتال واجب ہے۔^۱

(۷) باب ما يقول اذا سمع المنادى

اذان سنتے وقت کیا کہنا چاہیے

۶۱۱۔ حدثنا عبد الله بن يوسف قال : أخبرنا مالك ، عن ابن شهاب ، عن عطاء

۱۔ رواه أحمد والطبرانی ولأنهما من شعائر الاسلام الظاهرة فكانا واجباً كالجهاد قال هذا تجب على جماعة الرجال ان اتفق أهل بلد على تركهما قاتلهم الإمام لأنها من أعلام الدين الظاهرة فقتلوا على الترك كصلاة العيد والمراد بالإمام الخليفة الخ ، المبدع ، ج: ۱، ص: ۳۱۲، وشرح فتح القدير ، ج: ۱، ص: ۲۴۰، وفتح الباری ، ج: ۲، ص: ۹۰، وعمدة القاری ، ج: ۴، ص: ۱۶۳.

بن یزید اللیثی ، عن أبی سعید الخدری، أن رسول الله ﷺ قال: إذا سمعتم النداء فقولوا مثل ما يقول المؤذن .
یہ تعلیماً فرمایا ہے ورنہ جعلتین کا جواب حوقلہ ہے۔

(۹) باب الاستہام فی الأذان

اذان دینے والے کے لئے قرعہ ڈالنے کا بیان

”ویذکر أن أقواما اختلفوا فی الأذان فاقرع بینهم سعد“.

۶۱۵۔ حدثنا عبد الله بن يوسف قال: أخبرنا مالك، عن سمي مولى أبي بكر، عن أبي صالح، عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ قال: لو يعلم الناس ما في النداء والصف الأول ثم لم يجدوا إلا أن يستهموا عليه لاستهموا، ولو يعلمون ما في التهجير لاستبقوا إليه. ولو يعلمون ما في العتمة والصبح لأتوهما ولو حبواً [أنظر: ۶۵۳، ۷۲۱، ۷۶۸۹] ۷۷

اذان کے بارے میں قرعہ اندازی کرنا کہ کون اذان کہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث روایت کی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا اگر لوگوں کو پتہ چل جائے کہ اذان دینے کی اور صف اول کی کیا فضیلت ہے تو قرعہ اندازی کرنی پڑے۔

یعنی لوگ فضیلت حاصل کرنے میں ایک دوسرے سے سبق حاصل کرنے کی کوشش کریں اور ہر ایک یہ چاہے کہ فضیلت میرے حصے میں آئے، جس کی وجہ سے قرعہ اندازی کرنا پڑے، اور یہ واقعہ عملاً پیش بھی آیا جس کی طرف ترجمۃ الباب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے اشارہ کیا ”ویذکر أن أقواما اختلفوا فی الأذان فاقرع بینهم سعد“ کہ ایک قوم کے درمیان اذان کے بارے میں اختلاف ہو گیا تھا تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ان کے درمیان قرعہ اندازی کی تھی۔

۷۷۔ وفي صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف والامتها وفضل الاول فالاول منها، رقم: ۶۶۱، وسنن النسائي، كتاب المواقيت، باب الرخصة في أن يقال للعشاء العتمة، رقم: ۵۳۷، وكتاب الأذان، باب الاستهماء على التأذين، رقم: ۶۶۵، وسنن ابن ماجه، كتاب المساجد والجماعات، باب صلاة العشاء والفجر في جماعة، رقم: ۷۸۹، ومسند أحمد، باقي مسند المكثرين، باب مسند أبي هريرة، رقم: ۶۹۲۸، ۷۴۱۲، ۷۶۷۹، ۸۵۱۷، ۹۷۳۵، ۹۷۴۱، وموطأ مالك، كتاب النداء للصلاة، باب ماجاء في النداء للصلاة، رقم: ۱۳۶، باب ماجاء في العتمة والصبح، رقم: ۲۸۹.

یہ روایت امام طبری اور سیف بن عمرو نے روایت کی ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قادسیہ سے ایران پر حملہ کرنے کے لئے امیر بنایا تھا تو وہاں انہوں نے ایک مؤذن مقرر کیا، وہ مؤذن شہید ہو گئے یا بیمار ہو گئے جس کی وجہ سے اذان دینے والا باقی نہ رہا، اب اذان دینے کے لئے اتنے افراد اکٹھے ہو گئے کہ یہ فیصلہ کرنے کے لئے کہ کون اذان دے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو قرعہ اندازی کرنی پڑی۔ ۱۸

”استہم“ کے معنی قرعہ ڈالنے کے ہیں، اصل میں تیر ڈال کر نکالتے تھے اس کو بھی استہام کہتے ہیں۔
 ”ولو يعلمون مافی التہجیر“ اگر لوگوں کو پتہ چل جائے کہ جلدی نماز کو جانے میں کیا فضیلت ہے، ”تہجیر ک“ کے معنی ہیں تبکیر، یعنی جلدی نماز کے لئے جانا، اور اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ عشاء اور فجر کی نماز میں جانے کی کیا فضیلت ہے تو وہ آئیں ”ولو حبوا“ چاہے گھٹنوں کے بل آنا پڑے۔

(۱۰) باب الکلام فی الأذان

اذان میں کلام کرنے کا بیان

”وتکلم سلیمان بن صرد فی أذانه، وقال الحسن: لا بأس أن يضحك و هو يؤذن أو يقيم“.

۶۱۶۔ حدثنا مسدد قال: حدثنا حماد عن أيوب وعبد الحميد صاحب الزياتي وعاصم الأحول عن عبد الله بن الحارث قال: خطبنا بن عباس في يوم رزع فلما بلغ المؤذن: حي على الصلاة؛ فأمره أن ينادي: الصلاة في الرحال، فنظر القوم بعضهم إلى بعض، فعل هذا من هو خبر منه وإنها عزمة [أنظر: ۶۲۸، ۹۰۱] ۱۹

یہ باب قائم کیا ہے کہ اذان کے اندربات کرنے کا کیا حکم ہے؟ یعنی مؤذن نے ابھی اذان کے ایک دو کلمے کہے اس کے بعد وہ بات کرنا چاہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا ”وتکلم سلیمان بن صرد فی اذانه“ سلیمان بن صرد نے اپنی اذان کے دوران بات کی۔

یہ روایت امام بخاری رحمہ اللہ کے شیخ ابو نعیم نے ”کتاب الصلاة“ میں نکالی ہے۔

۱۸۔ شرح الزرقانی، ج: ۱، ص: ۲۰۲، وفتح الباری، ج: ۲، ص: ۹۶، والمغنی، ج: ۱، ص: ۵۶، وعمدة القاری، ج: ۴، ص: ۱۷۳.

۱۹۔ وفی صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب الصلاة فی الرحال فی المطر، رقم: ۱۱۲۸، وسنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب التخلف عن الجماعة فی الليلة الباردة أو ليلة المطرة، رقم: ۹۰۰، وسنن ابن ماجه، کتاب اقام الصلاة والسنة فیها، باب الجماعة فی الليلة المطيرة، رقم: ۹۲۹.

”وقال الحسن“ اور حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ”لابأس ان يضحك وهو يؤذن أويقیم“ اذان اور اقامت کے دوران اگر آدمی ہنس دے تو کوئی حرج نہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کو حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا یہ اثر کہیں نہیں ملا، البتہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ان کا یہ مذہب متعدد طرق سے مروی ہے کہ وہ اذان کے دوران بات کرنے کو جائز سمجھتے تھے یعنی دوران اذان بات کرنے کو جائز سمجھتے ہیں۔ ۱۰

دوران اذان کلام کرنا اور مذاہب ائمہ

حضرت عروہ، عطاء اور قتادہ رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ابن المنذر نے نقل کیا ہے اور امام احمد رحمہ اللہ کا بھی یہی مسلک ہے، البتہ ابراہیم خنقی، محمد بن سیرین اور امام اوزاعی رحمہم اللہ سے کراہت منقول ہے۔ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ اسے ممنوع کہتے ہیں۔

حضرت امام ابو حنیفہ اور صاحبین رحمہما اللہ اسے خلاف اولیٰ قرار دیتے ہیں۔

امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کا مذہب بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔

اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ اسے مکروہ کہتے ہیں، الا یہ کہ کوئی بات نماز ہی سے متعلق ہو۔ حنفیہ کی کتابوں میں بھی کراہت منقول ہے، البتہ اگر تھوڑا سا کلام ہو تو اعادہ کی ضرورت نہیں اور اگر کلام کثیر ہو تو استیناف کرنا ہوگا، جیسا کہ علامہ شامی رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے۔ ۱۱

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کا مذہب ترجمۃ الباب سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اذان کے دوران کچھ گفتگو کرے تو کوئی مضائقہ نہیں، اذان میں کوئی کراہت بھی نہیں اور اس عمل کا کوئی گناہ بھی نہیں، اذان ہو جائے گی۔

انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں ہے کہ ابراہیم لودون تھا، بارش کا امکان تھا، مؤذن اذان دے رہا تھا جب ”حی علی الصلاة“ پر پہنچا تو حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے فرمایا کہ یہ اعلان کر دو ”الصلاة فی الرحال“ لوگ اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھیں، یعنی بارش کی وجہ سے فرمایا ”الصلاة فی الرحال“ اب یہ جملہ اذان کا حصہ نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ دوران اذان کلام جائز ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ معمولی سا ایک آدھ کلمہ ضرورت کے تحت جائز ہے مثلاً اللہ اکبر اللہ اکبر کہا تھا کہ اسپیکر

۱۰۔ مصنف ابن ابی شیبہ، من رخص للمؤذن أن يتكلم فی اذانه، رقم: ۲۱۹۸، ج: ۲، ۲۲۰۳، ج: ۱، ص: ۱۹۲، ۱۹۳،

والتاریخ الكبير، رقم: ۳۵۸، ج: ۱، ص: ۱۲۲، وتغلیق التعليق، باب الکلام فی الاذان، ج: ۲، ص: ۲۶۶.

۱۱۔ فتح الباری ج ۲: ص ۹۷، ولامع الدراری ج ۱: ص ۲۳۹، ۲۴۰، وعمدة القاری، ج: ۳، ص: ۱۷۹، فیض

الباری، ج: ۲، ص: ۱۶۹، أنظر حاشیہ: ۱.

خراب ہو گیا، کسی قریب شخص سے کہا کہ بھائی اسے ٹھیک کر دیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن لمبی بات بلا ضرورت چھوٹا ہی کلمہ کیوں نہ ہو، یہ جائز نہیں البتہ جائز نہ ہونے کے باوجود اذان ہو جائے گی، اس کا اعادہ واجب نہیں۔ ۲۲

امام بخاری رحمہ اللہ نے جو حدیث باب سے استدلال کیا ہے وہ استدلال تام نہیں ہے، کیونکہ ”الصلوة فی الرحال“ کا اعلان ایسے موقع پر ایک تو امر مشروع ہے، لہذا کلام کی تعریف میں داخل نہیں۔ دوسرا یہ کہ اس کا عام طریقہ یہ ہے کہ پہلے اذان پوری کر دی جائے، پھر اعلان کیا جائے ”الصلوة فی الرحال“ چنانچہ آگے ”باب اذان المسافر“ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث آرہی ہے، اس سے یہی معلوم ہوتا ہے اور بہت سے علماء مثلاً امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ نے اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے جو ”حی علی الصلوة“ پر پہنچ کر اعلان کروایا تو یہ ان کا اپنا اجتہاد ہے اور اسی کو ابن خزیمہ، ابن حبان اور محبت طبری رحمہم اللہ نے اختیار فرمایا ہے۔ ۲۳

اصل طریقہ یہی ہے کہ اذان پوری ہو جائے تو اس کے بعد اعلان کرے ”الصلوة فی الرحال“۔ ۲۴ اس میں حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا ”فی یوم رزق“ ایک کچھڑ والے دن میں۔ ”رزق“ [یسکون الزاویل بفتحها] اصل میں کچھڑ کو کہتے ہیں اور مراد یہ ہے کہ اس دن بارش کی وجہ سے جب مؤذن ”حی علی الصلوة“ تک پہنچا تو ۲۲ قوله ولورد سلام أو تسمیت عاطس، أو نحوهما لافی نفسه بعد الفراغ علی الصحیح سراج وغیرہ، قال فی النهر ومنه التخیخ الا لتحسین صوته قوله استأنفه الا اذا کان الکلام بسیرا خانیة (حاشیہ ابن عابدین، ج: ۱، ص: ۳۸۹، وبدائع الصنائع، ج: ۱، ص: ۱۴۹، وفیض الباری، ج: ۲، ص: ۱۶۹)۔

۲۳ ان بن عباس قال لمؤذنه فی یوم مطیر اذا قلت أشهد أن محمداً رسول الله فلا تقل حی علی الصلاة قل صلوا فی بیوتکم لکان الناس استکبروا ذالک فقال أتعجبون من ذا فقد فعله من هو خیر منی ان الجمعة عزمة وانی کرهت أن اخرجکم فتمتنوا فی الطین والدحض، صحیح ابن خزیمہ، باب أمر الإمام المؤذن بحذف حی علی الصلاة والأمر بالصلاة فی البیوت بدله، رقم: ۱۸۶۵، ج: ۳، ص: ۱۸۰، وصحیح ابن حبان، رقم: ۲۰۸۰، ج: ۵، ص: ۳۳۶۔

۲۴ ذکرہ الحافظ فی الفتح: فلما بلغ المؤذن حی علی الصلاة فأمره — کذا فیہ، وكان هذا حذفاً تقدیره أراد أن یقولها فأمره، ویؤبدہ رواية ابن علیة ”اذا قلت أشهد أن محمد رسول الله فلا تقل حی علی الصلاة فی یوم المطر“ وكأنه نظر الی المعنی لأن حی علی الصلاة والصلاة فی الرحال وصلوا فی بیوتکم یناقض ذلک، وعند الشافعی وجه أنه یقول ذلک بعد الأذان، وآخر أنه یقله بعد الحیملتین، والذي یقتضیه الحدیث ماتقدم الک، ج: ۲، ص: ۹۸۔

انہوں نے اس کو حکم دیا کہ یہ اعلان کر دو ”الصلوة فی الحال“ لوگ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے کہ یہ کیا چکر ہو گیا، ابھی اذان ہو رہی تھی اور ابھی ”الصلوة فی الحال“ کہنا شروع کر دیا۔
حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے فرمایا ”فعل هذا من هو خير منه“ یہ عمل اس شخص نے کیا جو اس مؤذن سے بہتر تھا یعنی حضور اقدس ؐ نے یا حضرت بلال ؓ نے ایسا عمل کیا ”وانها عزمة“ اور ایسا کرنا عزیمت ہے یعنی یہ بھی دین کا ایک مستحکم حصہ ہے، یہ نہ سمجھنا کہ میں نے دین میں کوئی تحریف کی ہے۔

(۱۱) باب أذان الأعمى إذا كان له من يخبره

جب کہ نابینا کے پاس کوئی ایسا شخص ہو جو اسے بتلائے کہ اس کا اذان دینا درست ہے
۶۱۷۔ حدثنا عبد الله بن مسلمة، عن مالك، عن ابن شهاب، عن سالم بن عبد الله عن أبيه أن رسول الله ﷺ قال: أن بلا لا يؤذن بليل، فكلوا واشربوا حتى ينادى ابن أم مكتوم قال: وكان رجلا أعمى لا ينادى حتى يقال له، أصبحت أصبحت [انظر: ۶۲۰، ۶۲۳، ۱۹۱۸، ۲۶۵۶، ۲۳۸، ۷۵]

اعمی کا اذان دینا جائز ہے

حضرت عبداللہ بن ام مکتوم ؓ نابینا تھے، وہ صبح کی اذان اس وقت تک نہ دیتے تھے جب تک لوگ یہ نہ کہہ دیں کہ صبح ہو رہی ہے۔ یہ بات اس لئے کہی کہ شروع میں معاملہ الٹ تھا حضرت عبداللہ بن ام مکتوم ؓ رات کو سحری کی اذان دیتے تھے اور حضرت بلال ؓ فجر کی اذان دیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ انہوں نے غلط اذان دے دی، شاید وہ صبح کا زب کو دیکھ کر یہ سمجھے ہوں گے کہ صبح طلوع ہو گئی ہے جبکہ حقیقت میں طلوع نہیں ہوئی تھی، آنکھوں میں بھی کچھ کمزوری آگئی تھی۔ اس کی تلافی کے لئے ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان سے اعلان

۵۵۔ وفي صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب بيان أن الدخول في الصوم يحصل بطلوع الفجر وأن له، رقم: ۱۸۲۸، و سنن العرمذی، كتاب الصلاة، باب ما جاء في الأذان بالليل، رقم: ۱۸۷، و سنن النسائي، كتاب الأذان، باب المؤذن للمسجد الواحد، رقم: ۶۳۳، و مسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، باب مسند عبد الله بن عمر بن الخطاب، رقم: ۳۳۲۳، ۳۹۳۸، ۵۰۶۳، ۵۱۶۷، ۵۲۳۱، ۵۵۸۸، ۵۷۷۷، و موطأ مالك، كتاب النداء للصلاة، باب لدر السحور من النداء، رقم: ۱۳۷، ۱۳۸، و سنن الدارمی، كتاب الصلاة، باب في وقت أذان الفجر، رقم: ۱۱۶۳.

کروایا ”اف العبد قد نام“ کہ بندہ سو گیا تھا۔ ۲۶

اور پھر اسی اثنا میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”لا یغرنکم اذان بلال فان فی بصرہ شیئاً“ بلال رضی اللہ عنہ کی اذان سے دھوکہ نہ کھایا کرو، اس کی آنکھوں میں گڑ بڑ ہے، جس کی وجہ سے یہ بعض اوقات وقت سے پہلے اذان دیتے ہیں۔ ۲۷

جب یہ واقعات زیادہ پیش آئے تو آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو بدل دیا کہ آپ فجر کی اذان دیا کریں اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ سحری کی اذان دیا کریں۔

اس سے یہ سوال پیدا ہوا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی تو معمولی بینائی کم تھی اور یہ تو پورے ہی نابینا تھے، ان کو کیسے مقرر کر دیا تو اس شبہ کا ازالہ کر دیا کہ ”وکان رجلاً اعمی لا ینادی حتی یقال له : اصبحت اصبحت“ یہ نابینا تھے، اپنی آنکھ پر بھروسہ نہیں کرتے تھے، جب تک لوگ آکر یہ نہیں کہتے تھے کہ صبح ہو گئی اس وقت تک اذان نہیں دیتے تھے۔

بہر کیف امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے استدلال فرمایا ہے کہ اعمیٰ کا اذان دینا جائز ہے۔ حنفیہ کا بھی یہی مسلک ہے اور علامہ نووی رحمہ اللہ نے جو حنفیہ کی طرف منسوب کیا ہے کہ وہ اذان ”اعمیٰ“ کو جائز نہیں کہتے، وہ درست نہیں۔ ۲۸

البتہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے محیط سے کراہت نقل کی ہے اگر یہ نقل صحیح ہو تو اس صورت پر محمول ہوگی کہ جب اعمیٰ سے وقت میں اشتباہ کا اندیشہ ہو، چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ نے عدم کراہت کی تصریح فرمائی ہے۔ ۲۹

۲۶ عن ابن عمر : ان بلالاً اذن بلیل فامرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان ینادی ان العبد قد نام (ای سہا عن وقت صلاة الصبح) ، عن ابن عمر رضی اللہ عنہما ان بلالاً اذن قبل طلوع الفجر فامرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یرجع فنادی الا ان العبد قد نام فرجع الا ان العبد قد نام فهذا ابن عمر رضی اللہ عنہما یروی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما ذکرنا الخ ، شرح معانی الآثار ، باب التاذین للفجر ای وقت ہو بعد طلوع الفجر او قبل ذلك ، ج : ۱ ، ص : ۱۳۹ .

۲۷ عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یغرنکم اذان بلال فان فی بصرہ شیئاً فذلک علی ان بلالاً کان یرید الفجر فیخطیہ لضعف بصرہ الخ ، شرح معانی الآثار ، ج : ۱ ، ص : ۱۴۰ .

۲۸ ونقل النووی عن أبی حنیفة وداؤد ان اذان الاعمی لا یصح وتعبہ السروجی بانه غلط علی أبی حنیفة نعم فی المحيط للحنیفة کراہة ، کذا فی شرح الزرقانی ، ج : ۱ ، ص : ۲۲۶ ، وفتح الباری ج : ۲ ، ص : ۹۹ .

۲۹ قال العینی فی العمدة : قلت : هذا غلط لم یقل به ابو حنیفة ، وانما ذکر اصحابنا أنه ینکرہ ، ذکرہ فی ”المحیط“ وفی ”الذخیرة“ و”البدائع“ : غیرہ أحب ، فکان وجه الکراہة لأجل عدم قدرته علی مشاہدة دخول الوقت ، وهو فی الأصول مبنی علی المشاہدة ، ج : ۲ ، ص : ۱۸۰ .

(۱۲) باب الأذان بعد الفجر

فجر کے طلوع ہونے کے بعد اذان کہنے کا بیان

۶۱۸۔ حدثنا عبد الله بن يوسف: أخبرنا مالك، عن نافع، عن عبد الله بن عمر قال: أخبرني حفصة أن رسول الله ﷺ كان إذا اعتكف المؤذن للصبح وبدأ الصبح صلى ركعتين خفيفتين قبل أن تقام الصلاة. [أنظر: ۱۱۷۳، ۱۱۸۱] ۵

بعد از فجر اذان کا حکم

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے پہلے ”باب الأذان بعد الفجر“ قائم کیا ہے اس لئے کہ اذان میں اصل یہی ہے کہ دخول وقت کے بعد ہو، لہذا اس کو مقدم رکھا، اور دخول وقت سے پہلے جو اذان ہے وہ اصل کے خلاف ہے اگرچہ بعض حضرات ائمہ اس کو فجر کے سلسلے میں جائز کہتے ہیں جیسا کہ آگے اس کی تفصیل آئے گی ان شاء اللہ، اس واسطے فجر سے پہلے اذان دینے کا بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا لیکن یہ خلاف اصل ہے، لہذا یہاں اصل کو مقدم کیا۔

اس باب میں وہ روایت ہیں جس میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ”ان رسول اللہ ﷺ كان إذا اعتكف المؤذن للصبح“ جب مؤذن صبح کے لئے کھڑا ہو جاتا۔ ”اعتكف“ سے یہاں لغوی معنی ”کھڑا ہونا“ مراد ہے، اعتكاف مراد نہیں ہے یعنی جب مؤذن اذان دینے کے لئے آجاتا اور اس انتظار میں ٹھہر رہتا کہ صبح ہو تو میں اذان دوں، ”وبد الصبح“ اور صبح ظاہر ہو جاتی۔ یہاں موضع استدلال یہ ہے کہ مؤذن اتنی دیر ٹھہرا کرتا تھا کہ صبح صادق طلوع ہو جائے۔ معلوم ہوا کہ اذان صبح صادق کے بعد ہوا کرتی تھی اور یہی مقصود بالترجمہ ہے۔

۵۔ وفی صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرين وقصرها باب استحباب ركعتي سنة الفجر والحث عليهما وتحفيهما، رقم: ۱۱۸۳، وسنن النسائي، کتاب المواقيت، باب الصلاة بعد طلوع الفجر، رقم: ۵۷۹، وکتاب لیام اللیل وطلوع النهار، باب وقت ركعتي الفجر، رقم: ۱۷۳۹، ۱۷۵۲، ۱۷۵۶، وسنن ابن ماجه، کتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ماجاء فی الركعتين قبل الفجر، رقم: ۱۱۳۵، ومسند أحمد، باقی مسند الانصار، باب حديث حفصة أم المؤمنين بنت عمر بن الخطاب، رقم: ۲۵۲۱۹، ۲۵۲۲۲، وموطأ مالك، کتاب النداء للصلاة، باب ماجاء فی ركعتي الفجر، رقم: ۲۶۰، وسنن الدارمی، کتاب الصلاة، باب القراءة فی ركعتي الفجر، رقم: ۱۴۰۸.

جب صبح ظاہر ہو جاتی تو ”صلیٰ رکعتین خفیفین قبل أن تقام الصلوة“ آپ ﷺ ہلکی ہلکی دو رکعتیں نماز قائم ہونے سے پہلے پڑھا کرتے تھے، وہ سنت فجر ہیں۔

(۱۳) باب الأذان قبل الفجر

فجر کی اذان صبح ہونے سے پہلے کہنے کا بیان

۲۲۱۔ حدثنا أحمد بن يونس قال: حدثنا زهير قال: حدثنا سليمان التيمي، عن أبي عثمان النهدي، عن عبد الله بن مسعود عن النبي ﷺ قال: لا يمتنع أحدكم - أو أحدًا منكم - أذان بلال من سحوره فإنه يؤذن أو ينادي بليل ليرجع قائمكم، ولينبه نائمكم، وليس أن يقول: الفجر أو الصبح وقال بأصابعه ورفعها إلى فوق، وطأاً إلى أسفل - حتى يقول هكذا، وقال زهير بسبأتيه أحدهما فوق الأخرى ثم مد هما عن يمينه وشماله. [أنظر: ۵۲۹۸، ۷۲۳۷] ۱

طلوع فجر سے قبل اذان کا حکم

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا، ”لا يمتنع أحدكم أو أحدًا منكم أذان بلال ﷺ من سحوره“ الخ تم میں سے کسی شخص کو بلال کی اذان سحری کھانے سے منع نہ کرے، کیونکہ وہ رات کے وقت اذان دیتے ہیں تاکہ تم میں سے کھڑے ہوئے لوگ لوٹ آئیں، ”ليرجع قائمكم، يا ليرجع قائمكم“ اس کے معروف معنی جو اکثر حضرات نے بیان فرمائے ہیں وہ یہ ہیں کہ جو شخص تہجد پڑھ رہا ہے یا تہجد میں کھڑا ہے وہ ان کی اذان سن کر لوٹ آئے کہ بھائی اب صبح قریب ہے، لہذا اب تہجد ختم کر کے سحری کھالیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی توجیہ

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میری سمجھ میں اس کے یہ معنی آئے ہیں کہ ”قائمكم“ سے

۱۔ وفی صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب بیان أن الدخول فی الصوم یحصل بطلوع الفجر وان له الأکل، رقم:

۱۸۳۰، وسنن أبی داؤد، کتاب الصوم، باب وقت السحور، رقم: ۲۰۰۰، وسنن ابن ماجہ، کتاب الصیام، باب

ما جاء فی تأخیر السحور، رقم: ۱۶۸۶، ومسند أحمد، مسند المکثرین من الصحابة، باب مسند عبد اللہ بن

مراد وہ لوگ ہیں جو قضاء حاجت کے لئے باہر گئے ہوئے ہیں۔ اب وہ ان کی آواز سن کر لوٹ آئیں، کیونکہ صبح طلوع ہونے والی ہے، لہذا آکر جلدی سے تہجد پڑھ لیں تاکہ صبح ہونے سے پہلے تہجد کی نماز پڑھ سکیں۔

”ولینبہ نائمکم“ اور اس لئے اذان دیتے ہیں تاکہ تم میں سے جو لوگ سونے والے ہیں ان کو بیدار کر دیں، یا تو تہجد پڑھنے کے لئے یا سحری کھانے کے لئے ”ولیس ان یقول الفجر والصبح“ الخ، اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ فجر یہ نہیں ہے کہ یوں ہو جائے اور اوپر سے آپ ﷺ نے اشارہ فرمایا یعنی وہ روشنی جو سیدھی لمبی ظاہر ہو جاتی ہے کہ یوں ہو جائے یعنی عرضاً پھیل جائے۔

تو اشارہ فرمادیا کہ مستطیل ہوتی ہے وہ حقیقت میں صبح نہیں ہوتی لہذا اس پر صبح کے احکام جاری نہیں ہوتے۔ حقیقت میں صبح وہ ہے جو دائیں بائیں، عرضاً پھیل جائے۔ چنانچہ فرمایا ”ولیس ان یقول الفجر والصبح“ زبان سے تو اتنا لفظ بیان فرمایا ”وقال باصابعه ورفعها الى فوق وطأ طأ الى اسفل“ او پراٹھایا پھر نیچے کی طرف کیا، ”حتی یقول هكذا“ جب تک کہ ایسا نہ کر دیں۔

”وقال زهير: بسبأ بتيه“ اپنے ساتھین سے اشارہ فرمایا ”أحداهما فوق الأخرى“ ایک سبایہ کو دوسری کے اوپر رکھا ”ثم مدھما عن يمينه وشماله“۔ یہ بتلانا مقصود ہے کہ جو سبایہ نیچے سے اوپر کو جاتی ہے وہ ہے اور وہ رات کا شبی اور دن کا مبداء نہیں ہے۔ اس حدیث میں چند مسائل قابل ذکر ہیں:

طلوع فجر سے قبل اذان فجر اور اختلاف ائمہ

ائمہ ثلاثہ کا مسلک

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ یعنی امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے اس حدیث سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ فجر کی اذان طلوع فجر سے پہلے بھی جائز ہے اگر فجر سے پہلے اذان دے دی جائے تو وہ اذان کافی ہو جائے گی، اعادہ کی حاجت نہیں ہے۔ ۲۲

حدیث باب سے استدلال کیا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ طلوع فجر سے پہلے اذان دیا کرتے تھے۔

حنفیہ کا مسلک

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ طلوع فجر سے پہلے اذان جائز نہیں ہے کیونکہ اذان دخول وقت کا

۲۲ احتج به الأوزاعي وعبد الله بن المبارك ومالك والشافعي وأحمد وإسحاق وداؤد وابن جرير الطبري فقالوا:

يجوز أن يؤذن للفجر قبل دخول وقته، ومن ذهب إليه: أبو يوسف، واحتج أيضاً بما رواه البخاري أن عائشة عن

النبي انه قال: ان بلالاً يؤذن بليل فكلوا واشربوا حتى يؤذن ابن أم مكتوم. عمدة القاري، ج: ۲، ص: ۱۸۲.

اعلان ہے، لہذا دخول وقت کے بعد ہی ہونی چاہئے اگر وقت سے پہلے دی جائے تو وہ اعلان نہیں بلکہ اضلال ہوا۔ اس لئے جائز نہیں، یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل ہے۔

علاوہ اس قیاس کے کہ یہ اعلام نہیں اضلال ہو جائے گا، طحاوی اور ابوداؤد کی حدیث ہے کہ ایک مرتبہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے وقت سے پہلے اذان دے دی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جاؤ اور اعلان کرو کہ ”اِنَّ الْعَبْدَ قَدْ نَامَ“ تو باقاعدہ اعلان کروایا اور اس کے بعد حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا جو اس وقت تک اذان نہ دیتے تھے جب تک لوگ ”أصبحت أصبحت“ نہ کہہ دیتے۔ ۳۳

اس لئے جہاں تک حدیث باب سے استدلال کا تعلق ہے تو میری عقل حیران ہے کہ ائمہ ثلاثہ اس سے کیسے استدلال کرتے ہیں جبکہ اس حدیث میں صراحۃً موجود ہے کہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ صبح کے وقت میں اذان دیتے تھے۔ ان کا استدلال اس وقت تام ہوتا کہ جب رات کی اذان پر اکتفا کیا گیا ہوتا اور طلوع صبح صادق کے بعد دوبارہ اذان نہ دی گئی ہوتی، لیکن وہ خود بھی مانتے ہیں اور روایت میں بھی صراحت ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ طلوع فجر کے بعد حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اذان دیتے تھے، لہذا اس سے کیسے استدلال درست ہو سکتا ہے؟

البتہ اگر کوئی ایسا واقعہ بیان کیا جائے جس میں رات ہی میں اذان دی گئی ہو طلوع فجر سے پہلے پہلے اور پھر طلوع فجر کے بعد دوبارہ اذان نہ دی گئی ہو تو پھر ائمہ ثلاثہ کی دلیل بن سکتا ہے۔

دوسرا مسئلہ اس حدیث میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ طلوع فجر سے پہلے اذان کیوں دی جاتی تھی؟

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ ایسا صرف رمضان میں سحری کے لئے اٹھانے کے واسطے کیا جاتا تھا، جیسا کہ روایت کے الفاظ ”كلوا واشربوا“ اس پر دلالت کر رہے ہیں ”لا يمنعن أحدكم أو أحدكم منكم أذان بلال من سحوره“ معلوم ہوا یہ رمضان کا زمانہ ہے۔ اس اذان سے مقصود لوگوں کو سحری کے لئے بیدار کرنا تھا، فجر کی اذان مرا نہیں تھی، خود حضور اقدس ﷺ نے وجہ بھی بیان کر دی کہ ”ليرجع قائمكم ولينبه نائمكم“۔

۳۳ وقال الثوري وأبى حنيفة ومحمد وزفر بن الهذيل : لا يجوز أن يؤذن للفجر أيضا إلا بعد دخول وقتها ، كما لا يجوز لسائر الصلوات إلا بعد دخول وقتها ، لانه للإعلام به ، وقبل دخوله تجهيل وليس بإعلام ، فلا يجوز —

ومن أقوى الدلائل على أن أذان بلال لم يكن لاجل الصلاة مارواه الطحاوي من حديث حماد بن سلمة

عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهم ، أن بلالا أن ، شرح معاني الآثار ، باب التأذين للفجر أي وقت هو بعد طلوع الفجر أو قبل ذلك . ج : ۱ ، ص : ۱۳۹ ، وسنن أبي داؤد ، باب في الأذان قبل دخول الوقت ، رقم : ۵۳۲ ، ج : ۱ ،

ص : ۱۲۶ ، وعمدة القاری ، ج : ۲ ، ص : ۸۳ ، وفتح الباری ، ج : ۲ ، ص : ۱۰۴ .

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا آج بھی ایسا کیا جاسکتا ہے کہ سحری کے وقت اذان دے دی جائے؟
اس میں خود فقہاء حنفیہ کے دو قول ہیں:

بعض کہتے ہیں کہ جائز ہے اور بعض کہتے ہیں ایسا نہ کریں کیونکہ اس میں اشتباہ کا اندیشہ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ بعد میں اس کو معمول بنایا ہو۔

بعض حضرات نے اس کی توجیہ یوں کی ہے کہ یہ مستقل اذان تھی اور سحری کے لئے جگانے کے لئے نہیں تھی بلکہ اذان تہجد تھی۔ حنفیہ اذان تہجد کی مشروعیت کے قائل نہیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اذان صرف فرائض کے لئے ہے، یہاں تک کہ واجبات کے لئے بھی نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ عیدین اور کسوف کے لئے اذان نہیں، تہجد چونکہ نوافل میں سے ہے، لہذا تہجد کے لئے بھی اذان نہیں ہے۔

رہی یہ بات کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان تہجد کے لئے ہوتی تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ شروع میں ایسا ہوا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اس کا حکم دیا تھا لیکن پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل اس پر جاری نہیں رہا۔^{۳۳} چنانچہ طحاوی رحمہ اللہ نے علقمہ کی روایت ذکر کی ہے کہ ایک مرتبہ وہ کسی جگہ گئے جہاں انہوں نے دیکھا کہ مؤذن نے تہجد کے وقت اذان دی، انہوں نے کہا ”انہ مخالف سنتہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ اگر یہ شخص سوتا رہتا تو بہتر تھا کیونکہ اس نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی مخالفت کی ہے۔

اب یہ علقمہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ”حدیث باب ان بلالا یؤذن بلیل“ کے بھی راوی ہیں۔ یہاں اگرچہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے لیکن دوسری جگہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے تو باوجود اس حدیث کے راوی ہونے کے انہوں نے تہجد کی اذان پر نکیر فرمائی، اور وجہ یہ بتلائی کہ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت کے خلاف ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اذان تہجد کو بند کر دیا تھا۔ اس لئے اذان تہجد کے بارے میں حنفیہ کا موقف یہ ہے کہ وہ مشروع نہیں، چنانچہ بعد میں کہیں نہیں آیا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ اور خلفاء راشدین کے زمانہ میں تہجد کی اذان ہوا کرتی ہو، اس لئے حنفیہ کہتے

۳۳۔ قلت: قال البيهقي: ان صح هذا يحمل عند الجمهور على انه عليه السلام قال حين كان المنادي ينادي قبل طلوع الفجر بحيث يقع شربه قبل طلوع الفجر ۵۱۔ قلت ويستفاد منه ان الاذان قبل الفجر كان في زمان ثم انقطع فيما بعده ولذا حمل على زمان تعدد الاذان فلو كان الاذان قبل الفجر امرا مستمرا لم تكن في قوله ”حين كان المنادي الخ“ فائدة. ثم اذا علمت جواز الأكل بعد الصبح من رواية الطحاوي صراحة فلا فائدة من هذا التأويل والله تعالى أعلم،

ہیں کہ تہجد کی اذان نہیں ہے۔ ۳۵

(۱۴) باب کم بین الأذان والإقامة ومن ينتظر إقامة الصلاة؟

اذان اور اقامت کے درمیان کتنا فصل ہونا چاہیئے اور اس شخص کا بیان جو اقامت کا انتظار کرے

۶۲۴۔ حدثنا اسحاق الواسطي قال: حدثنا خالد عن الجريزي عن ابن

بريدة، عن عبد الله بن مغفل المزني أن رسول الله ﷺ قال: بين كل أذانين صلاة ثلاثاً لمن شاء. [أنظر: ۶۲۷] ۳۶

آپ ﷺ نے تین مرتبہ یہ بات ارشاد فرمائی کہ ”بین کل اذانین صلوٰۃ“ پھر فرمایا ”لمن شاء“ یعنی واجب نہیں ہے، لیکن جو پڑھنا چاہے۔ تو اذان اور اقامت کے دوران کوئی نہ کوئی نماز پڑھ سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ پانچوں وقتوں میں اذان اور اقامت کے دوران کوئی نہ کوئی نماز مشروع ہے اسی سے عشاء کی نماز سے پہلے کی رکعتوں کی دلیل ملتی ہے، باقی نمازوں کی رکعتیں تو صراحۃً ثابت ہیں۔

۳۵ وأخرج الطحاوي عن سفيان بن سعيد أنه قال له رجل إني أؤذن قبل طلوع الفجر لأكون أول من يقرع باب السماء بالنداء فقال سفيان لا حتى ينفجر الفجر وقد روى عن علقمة عن هذا الشيء.

وعن علقمة عنده قال إبراهيم: قال شيعنا علقمة إلى مكة فخرج بليل فسمع مؤذناً يؤذن بليل فقال أما هذا لقد خالف سنة أصحاب رسول الله ﷺ لو كان نائماً كان غيراً له فإذا طلع الفجر أذن فأخبر علقمة أن التأذين قبل طلوع الفجر خلاف لسنة أصحاب رسول الله ﷺ، شرح معاني الآثار، ج: ۱، ص: ۱۴۱ ومصنف ابن أبي شيبة، ج: ۱، ص: ۱۹۳، رقم: ۲۲۲۳.

وفى مصنف عبد الرزاق عن إبراهيم: قال كانوا إذا أذن المؤذن بليل فقالوا اتق الله وأعد اذانك، رقم: ۱۸۸۹، ج: ۱، ص: ۴۹۱، وفى التمهيد، ج: ۱، ص: ۶۰، وراجع: لتفاصيله نصب الراية للزيلعي، ج: ۱، ص: ۲۸۵، وفيض الباری، ج: ۲، ص: ۱۷۱.

۳۶ وفى صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب بين كل أذانين صلاة، رقم: ۱۳۸۳، وسنن الترمذی، كتاب الصلاة، باب ماجاء فى الصلاة قبل المغرب، رقم: ۱۷۰، وسنن النسائی، كتاب الأذان، باب الصلاة بين الأذان والإقامة، رقم: ۶۷۴، وسنن أبی داؤد، كتاب الصلاة، باب الصلاة قبل المغرب، رقم: ۱۰۹۱، وسنن ابن ماجه، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ماجاء فى الركعتين قبل المغرب، رقم: ۱۱۵۲، ومسند أحمد، أول مسند المدنیین أجمعین، ۱/۱۸۸، أول مسند البصريين، رقم: ۱۹۶۳۶، ۱۹۶۵، ۱۹۶۶، وسنن الدارمی، كتاب الصلاة، باب حديث عبد الله بن مغفل المزني عن النبي، رقم: ۱۴۰۴.

فجر سے پہلے دو رکعت، ظہر سے پہلے چار، عصر سے پہلے چار، مغرب سے پہلے کا بھی پیچھے گزر چکا ہے اور یہاں بھی آ رہا ہے لیکن عشاء سے پہلے نماز پڑھنے کا کہیں ذکر نہیں ہے۔

اس لئے بعض خشک قسم کے غیر مقلدین نے کہہ دیا کہ یہ بدعت ہے، کیونکہ روایات میں کہیں اس کا تذکرہ نہیں ہے، لیکن حدیث باب کہہ رہی ہے کہ ”بین کل اذانین صلوٰۃ“ اس کے عموم میں عشاء بھی داخل ہے۔

عشاء سے پہلے چار رکعت کی تخصیص کیسے ہوئی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تخصیص قیاس کے ذریعہ ہوئی، کیونکہ ہر نماز سے پہلے جو رکعتیں مشروع ہیں، وہ اس نماز کی تعداد کے مطابق ہیں۔ فجر کی دو رکعتیں فرض ہیں تو اس سے پہلے سنتیں بھی دو ہیں۔ ظہر کی چار رکعتیں فرض ہیں تو اس سے پہلے سنتیں بھی چار ہیں۔ عصر کے چار فرض ہیں تو اس سے پہلے سنتیں بھی چار ہیں۔ مغرب میں تین رکعتیں چونکہ خلاف عادت ہیں اس کے مقابل دو رکعتیں ہو گئیں۔ اور عشاء کے چار فرض ہیں، لہذا اس سے پہلے بھی چار رکعتیں ہونی چاہئیں۔ اس قیاس کی بنا پر علماء نے یہ ذکر کیا ہے۔

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے ”بدائع الصنائع“ میں اربعہ قبل العشاء کی ایک روایت ذکر کی ہے۔ ۳۸

لیکن مجھے باوجود تلاش کے وہ کتب حدیث میں نہیں ملی ہے کہ اس کا حوالہ دیتا۔ ۳۹

۳۷۔ لأن العشاء نظير الظهر في أنه يجوز التطوع قبلها وبعدها. بدائع الصنائع، ج: ۱، ص: ۲۸۵.

وامّا الاربع قبلها (ای قبل صلاة العشاء) فلم يذكر في خصوصها حديث لكن يستدل له بعموم ما رواه الجماعة من حديث عبد الله بن مغفل رضي الله عنه الخ فهذا مع عدم المانع من التنفل قبلها يفيد الاستحباب، لكن كونها اربعاً يتمشى على قول أبي حنيفة رحمه الله، لأنها الأفضل عنده، فيحمل عليها أحكاماً للمطلق على الكامل ذاتاً ووصفاً، الخ، اعلاء السنن، ج: ۷، ص: ۲۰۰.

۳۸۔ وإنما قال في الأصل أن التطوع بالاربع قبل العشاء حسن لأن التطوع بها لم يثبت أنه من السنن الراتبة ولو فعل ذلك فحسن، بدائع الصنائع، ج: ۱، ص: ۲۸۵.

۳۹۔ ففى سنن سعيد بن منصور من حديث البراء رفعه من صلى قبل العشاء اربعاً كان كما نما تهجد من ليلته الخ، الدراية، ج: ۱، ص: ۱۹۸، وقال انها مفسرة فى الحديث على نحو ما ذكر وهى ركعتان قبل الفجر واربع قبل الظهر وبعدها ركعتان واربع قبل العصر وان شاء ركعتين وركعتان بعد المغرب واربع قبل العشاء واربع بعدها وان شاء ركعتين ثم قال غير انه لم يذكر الاربع قبل العصر فى الحديث فلماذا سماه فى الاصل حسناً وخير لاختلاف الآثار والأفضل هو الاربع ولم يذكر الاربع قبل العشاء ولهذا كان مستحباً لعدم المواظبة وذكر فيه ركعتين بعد العشاء وفى غير ذكر الاربع فلماذا غير الا أن الاربع أفضل خصوصاً عند أبى حنيفة، نصب الرأية، باب النوافل، ج: ۲، ص: ۱۳۷.

۶۲۵ - حدثنا محمد بن بشار قال: حدثنا غندر قال: حدثنا شعبة قال: سمعت عمرو بن عامر الأنصاري عن أنس بن مالك قال: كان المؤذن إذا أذن قام ناس من أصحاب النبي ﷺ يتحدرون السوراري حتى يخرج النبي ﷺ وهم كذلك يصلون الر كعتين قبل المغرب ولم يكن بينهما شيء قال: وقال عثمان بن جبلة وأبو داود عن شعبة: لم يكن بينهما إلا قليل [راجع: ۵۰۳]

”ر كعتين قبل المغرب“ کا ثبوت

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب مؤذن اذان دیتا تو اصحاب محمد ﷺ میں سے چند لوگ جلدی سے ستونوں کی طرف دوڑتے تھے، یہاں تک کہ حضور اقدس ﷺ نکل آتے ”وہم کذا لک يصلون“ اور وہ مغرب سے پہلے کی دو رکعتیں پڑھ رہے ہوتے تھے۔ یہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ کی ”ر کعتین قبل المغرب“ پر دلیل ہے۔ (مسئلہ پہلے گزر چکا ہے)

حنفیہ کی طرف منسوب ہے کہ وہ اس کو مکروہ تنزیہی کہتے ہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ تعجیل مغرب کی احادیث بہت قوی ہیں، آنحضرت ﷺ نے تعجیل مغرب کا حکم دیا اور یہ دو رکعتیں تعجیل مغرب کے منافی ہیں، اگر سب سے کہیں گے کہ پڑھو تو کوئی پہلے شروع کرے گا، کوئی بعد میں، اس لئے اس میں بہت وقت نکل جانے کا اندیشہ ہے۔ لیکن صحیح اور انصاف کی بات یہ ہے کہ ”ر کعتین قبل المغرب“ کی کراہیت پر کوئی دلیل نہیں ہے اور جواز کے دلائل بہت سارے ہیں مثلاً ”بین کل اذا بین صلوٰۃ“ اور حدیث باب جس میں صحابہ کرامؓ سے پڑھنا ثابت ہے وغیرہ۔

حنفیہ کے دلائل

جہاں تک تاخیر کی بات ہے تو دو رکعت میں کتنی تاخیر ہوگی، مشکل سے دو منٹ لگیں گے، جب تک اشتباہ کا نجوم نہ ہو جائے اس وقت تک مکروہ نہیں ہے، اس واسطے وجہ کراہیت کوئی نہیں۔

حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ بھی فرماتے ہیں کہ اس کو مکروہ سمجھنا صحیح نہیں ہے اور شاہ صاحب رحمہ اللہ نے بھی ترمذی کی تقریر میں یہی فرمایا ہے کہ اس کو مکروہ سمجھنا صحیح نہیں ہے، اگرچہ بخاری کی تقریر میں اس کے برعکس بات نظر آرہی ہے لیکن پتہ نہیں کون سا مقدم اور کون سا قول مؤخر ہے۔ بہر حال حضرت گنگوہی رحمہ اللہ جو سید الطائفہ ہیں اور ابو حنیفہ آخر کے لقب سے مشہور ہیں۔ ان کا کہنا یہی ہے کہ اس کو مکروہ کہنا غلط ہے، لہذا جہاں کہیں تاخیر مغرب کا اندیشہ نہ ہو وہاں پڑھ لینی چاہئے۔

احناف اس کے جواب میں دلیل کے طور پر سنن دارقطنی، بیہقی اور مسند بزار کی اس روایت سے استدلال کرتے ہیں جس میں مغرب کا استثناء موجود ہے، چنانچہ دارقطنی اور بیہقی میں روایت ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے: ”ان عند کل اذانین رکعتین ما خلا صلاة المغرب“۔^{۴۱}

اس پر بعض حضرات یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ استثناء ضعیف ہے حتیٰ کہ علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے اسے موضوعات میں شمار کیا ہے، کیونکہ اس روایت کا مدار حیان پر ہے، جنہیں فلاس نے کذاب قرار دیا ہے۔^{۴۲} اس کے جواب میں حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے ”اللالی المصنوعة فی الاحادیث الموضوعه“ میں فرماتے ہیں کہ درحقیقت حیان نام کے ذراوی ہیں: حیان بن عبد اللہ الدارمی^{۴۳} اور دوسرے حیان بن عبد اللہ البصری، حیان دارمی کو بلاشبہ فلاس نے کذاب قرار دیا ہے، لیکن حیان بصری صدوق ہیں اور یہ روایت انہی سے مروی ہے۔^{۴۴}

پھر امام بیہقی نے امام ابن خزیمہ رحمہما اللہ کا بھی قول نقل کیا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:

”وزاد علماً بأن هذه الرواية خطأ أن ابن المبارك قال في حديثه كهمس فكان بن بريدة يصلي قبل المغرب ركعتين فلو كان بن بريدة قد سمع من أبيه عن النبي ﷺ هذا الإستثناء الذي زاد حيان بن عبيد الله في الخبر ما خلا صلاة المغرب لم يكن يخالف خبر النبي ﷺ“۔^{۴۵}

اگر امام بیہقی رحمہ اللہ اور ابن خزیمہ رحمہ اللہ کا یہ خیال درست ہو تو اس روایت سے حنفیہ کا استدلال کمزور ہو جاتا ہے۔

البتہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس پر اعتراض کیا ہے: ”ورواه حيان بن عبيد الله عن عبد الله بن بريدة وأخطأ في إسناده وأتى بزيادة لم يتابع عليها“۔

۴۱۔ سنن الدارقطنی، باب الحث علی الركوع بین الاذانین فی کل صلاة والركعتین قبل المغرب والاختلاف فیہ، رقم: ۱، ص: ۲۶۳، و سنن البیہقی الکبری، رقم: ۴۲۷۱، ج: ۲، ص: ۴۷۴۔

۴۲۔ عمدة القاری، ج: ۴، ص: ۱۹۴۔

۴۳۔ حیان بن عبد اللہ ابو جبلة الدارمی، قال الفلاس کذاب وكان صائغاً الخ، میزان الاعتدال فی نقد الرجال، رقم: ۲۳۸۹، ج: ۲، ص: ۴۰۰، و لسان المیزان، رقم: ۱۵۲۳، ۱۵۲۵، ج: ۲، ص: ۳۸۹۔

۴۴۔ وقال أبو حاتم صدوق وقال اسحاق بن راهوية حدثنا روح بن عباد حدثنا حيان بن عبيد الله وكان رجل صدق وذكره بن حيان في الثقات، ج: ۱، ص: ۲۳۰، وقال ابن حزم مجهول فلم يصب، لسان المیزان، رقم: ۱۵۲۶، ج: ۲، ص: ۳۷۰۔

۴۵۔ سنن البیہقی الکبری، باب من جعل قبل صلاة المغرب ركعتين، رقم: ۴۲۷۲، ج: ۲، ص: ۴۷۴۔

البتہ یہ سمجھ لینا چاہئے کہ جہاں جماعت میں وقت ہو تو وہاں پڑھ لینی چاہئے، جیسے حرمین شریف میں ہوتا ہے، تو خواہ مخواہ اس ضد میں بیٹھے رہنا کہ میں خفی ہوں، چاہے کچھ بھی ہو جائے میں بیٹھا رہوں گا، یہ درست نہیں۔ اس صورت میں پڑھ لینی چاہئے۔

یہ خروج عن التقليد نہیں ہے

پہلے بھی بتایا ہے کہ جہاں حدیث آجائے اور اس کے معارض کوئی چیز موجود ہو اور کوئی متبحر عالم اس حدیث صحیح کی وجہ سے امام کے قول کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کرے، تو اس کو خروج عن التقليد نہیں کہتے، کیونکہ خود امام کا کہنا ہے ”اذا صح الحديث فهو مذهبي“ اسی واسطے خود متاخرین حنفیہ نے ایک جگہ نہیں، دسیوں جگہ امام کے قول کے خلاف فتویٰ دیا ہے۔ ۳۵

ایک بات ایسی ہے جس سے ہمیشہ پرہیز کرنا چاہئے اور وہ ہے فتنہ پیدا کرنا۔ اب یہ دور کھٹ پڑھنا جائز ہے اور جہاں وقت ہو وہاں پڑھ لینا چاہئے لیکن کوئی ایسی جگہ ہے جہاں رکعتیں قبل المغرب کی ہوا بھی نہیں لگی، اگر وہاں جا کر شروع کر دیں تو فتنہ پیدا ہو جائے گا اور چہ میگوئیاں شروع ہو جائیں گی، تو ایسی جگہ نہ پڑھیں، البتہ جب موقع ملے مسئلہ بتا دیں کہ یہ بھی جائز ہے۔

(۱۷) باب من قال: ليؤذن في السفر مؤذن واحد

کیا سفر میں ایک ہی مؤذن کو اذان دینا چاہیے

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس پر جواب قائم کیا ہے ”باب من قال: ليؤذن في السفر مؤذن واحد“ اس سے ایک مسئلہ کی طرف اشارہ ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ بنو امیہ کے دور سے اذان کا یہ طریقہ معروف ہوا تھا کہ جس کو ”اذان الجوق“ کہتے ہیں کہ حرم میں جتنے منارے ہیں ہر منارے پر ایک مؤذن چڑھ جاتا تھا، ایک منارہ سے مؤذن کہتا اللہ اکبر اللہ اکبر اور خاموش ہو جاتا، پھر دوسرے منارہ والا کہتا اللہ اکبر اللہ اکبر اور خاموش ہو جاتا، پھر تیسرے منارہ والا، چوتھے پانچویں والا حرم مکہ میں پانچ منارے تھے، جب پانچوں اللہ اکبر کہہ دیتے تو پھر اللہ اکبر اللہ اکبر پہلے منارے والا کہتا پھر چاروں کہتے، اس کے بعد اسی طرح ”اشهد ان لا اله الا الله“ کہتے، تو پانچوں آدمی مل

۳۵ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: عقد الجمد، ج: ۱، ص: ۲۷، ۳۲، والعارف الشعرائی عن کل من الائمة الأربعة انه

کر اذان دیتے تھے اس کو اذان الجوق کہتے ہیں۔ ۳۶

یہ طریقہ بنو امیہ کے دور سے شروع ہوا تھا اور ابھی تقریباً دس سال پہلے تک جاری رہا، اسی طرح ہوتا تھا۔ پہلی دفعہ جب میں حج کے لئے گیا تو اس وقت میں بچہ تھا، وہاں جا کر دیکھا کہ اذان میں آدھا گھنٹہ لگتا ہے اس لئے کہ حرم کے جتنے منارے ہیں ہر ایک میں ایک مؤذن کھڑا ہے اور اذان دے رہا ہے بعد میں ایسا بھی ہوا کہ سب اکٹھے اذان دینے لگے اور اب جب سے لاؤڈ اسپیکر کا شیوع ہوا ہے یہ قصہ ختم ہو گیا۔ اب ایک ہی مؤذن اذان دیتا ہے، اب آٹھ چند سالوں سے ایک ہی مؤذن اذان دے رہا ہے۔

تو یہ جو مختلف مناروں پر مختلف مؤذن کھڑے ہو کر اذان دیا کرتے تھے اس کو اذان الجوق کہتے تھے۔ بعض حضرات اس اذان الجوق کو بدعت کہتے ہیں لیکن دراصل یہ حضرت فاروق اعظم ؓ کے عمل سے نکلتی ہے۔ بخاری میں جہاں حدیث رجم کا ذکر آتا ہے وہاں یہ ہے کہ حضرت فاروق اعظم ؓ خطبہ دینے کے لئے تشریف لائے اور خطبہ کے لئے ممبر پر بیٹھے، ”فلما سکت المؤذنون“ جب مؤذن خاموش ہو گئے تو حضرت فاروق اعظم ؓ کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمر ؓ کے زمانہ میں بھی مؤذن ایک سے زائد تھے۔ دوسری طرف اذان الجوق کا رواج بکثرت ہو گیا تھا اس لئے بعض لوگ یہ سمجھنے لگے تھے کہ اذان کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ متعدد مؤذن اذان دیں، اگر اکیلا آدمی اذان دے تو وہ خلاف سنت یا کم از کم خلاف اولیٰ ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں یہ باب قائم کر کے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ ایک مؤذن کی اذان خلاف اولیٰ نہیں ہے، کیونکہ حدیث باب میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ”فلیؤذن لکم احدکم“ ایک کو اذان دینے کا حکم دیا، معلوم ہوا ایک کا اذان دینا سنت کے عین مطابق ہے، اگرچہ یہ حکم سفر میں ہے لیکن اس باب میں سفر اور حضر میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ سفر میں ایک اذان زیادہ بہتر ہے اس واسطے کہ حضر میں متعدد مؤذنین کی ضرورت پیش آتی ہے، بڑے شہروں میں اگر مؤذن ایک مینار پر کھڑے ہو کر اذان دے گا تو ضروری نہیں کہ اس کی آواز چاروں طرف پہنچ جائے، لہذا مختلف جگہوں پر کھڑے ہو کر اذان دینے میں دوسری تمام جگہوں پر آواز پہنچنے کا یقین ہو جاتا ہے، بخلاف سفر کے کہ وہاں لوگ مجتمع ہوتے ہیں، لہذا ایک سے زیادہ مؤذن کی ضرورت نہیں، اس لئے اس طرف اشارہ کیا ہے۔ اسی طرح اگر مسجد ہی بڑی ہو تو پھر لاؤڈ اسپیکر نے ہمیں بہت ساری چیزوں سے بے نیاز کر دیا ہے۔

۶۲۸۔ حدثنا معلى بن أسد قال: حدثنا وهيب، عن أيوب عن أبي قلابة عن

مالک بن الحویرث : أتیت النبی ﷺ فی نفر من قومی ، فأقمنّا عنده عشرين ليلة . وكان رحیماً رقیقاً . فلما رأى شوقنا إلى أهالینا قال : أرجعوا فکونوا فیهم وعلّموهم وصلّوا ، فإذا حضرت الصلاة فلیؤذن لکم أحدکم ، ولیؤمکم اکبرکم [أنظر : ۶۳۰ ، ۶۳۱ ، ۶۵۸ ، ۶۸۵ ، ۸۱۹ ، ۲۸۳۸ ، ۶۰۰۸ ، ۷۲۳۶]

اتباع دین کی تعلیم

حضرت مالک بن حویرث ؓ فرماتے ہیں کہ میں اپنی قوم کے کچھ لوگوں کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور بیس راتوں تک آپ ﷺ کے پاس قیام اختیار کیا اور مقیم ہو گیا ، ”وكان رحیماً رقیقاً“ آپ ﷺ بڑے رحم والے اور نرم دل تھے۔ ”فلما رأى شوقنا إلى أهالینا“ جب آپ ﷺ نے دیکھا کہ ہمارے دل میں اپنے گھر والوں کا اشتیاق پیدا ہو رہا ہے ، بیس دن سے آئے ہوئے ہیں اور نہ جانے سفر میں کتنا وقت لگا ہو ، اس لئے دیکھا کہ گھر والوں کا اشتیاق پیدا ہو رہا تو آپ ﷺ نے فرمایا ”إرجعوا فکونوا فیهم“ جاؤ واپس لوٹ جاؤ اور انہی کے پاس رہو۔ ”وعلّموهم وصلّوا“ اور جو کچھ یہاں پر سیکھا ہے جا کر ان کو اس کی تعلیم دو اور نماز پڑھو۔

”فإذا حضرت الصلاة“ جب نماز کا وقت آجائے تو ”فلیؤذن لکم أحدکم“ تم میں سے ایک اذان دے ”ولیؤمکم اکبرکم“ اور تم میں سے جو عمر میں بڑا ہو وہ امامت کرے۔ چونکہ علم میں یہ سب برابر تھے اس لئے کہ اکٹھے ہی آکر حضور ﷺ سے علم حاصل کیا تھا ، لہذا عمر میں بڑا ہونے کو ترجیح دی کہ جو زیادہ عمر والا ہو وہ تمہاری امامت کرے۔

جتنی مقدار علم کی حاصل کرنا فرض عین ہے وہ تو ہر حال میں حاصل کرنی ہے یہاں تک کہ اس میں

۴۔ وفی صحیح مسلم ، کتاب المساجد ومواضع الصلاة ، باب وجوب صوم رمضان لرؤية هلال والفطر لرؤية الهلال ، رقم : ۱۰۸۰ ، وسنن الترمذی ، کتاب الصلاة ، باب ماجاء فی بدء الأذان . رقم : ۱۸۹ ، وسنن النسائی ، کتاب الأذان ، باب أذان المنفردین فی السفر ، رقم : ۶۳۰ ، والکتاب الإمامة ، باب تقدیم ذوی السن ، رقم : ۷۷۳ ، وسنن أبی داؤد ، کتاب الصلاة ، باب من أحق بالإمامة ، رقم : ۴۹۸ ، وسنن ابن ماجہ ، کتاب إقامة الصلاة والسنة فیها ، باب من أحق بالإمامة رقم : ۹۶۹ ، ومسند أحمد ، مسند المکیین ، باب حدیث مالک بن الحویرث ، رقم : ۱۵۰۳۵ ، أول مسند البصریین ، باب بقية حدیث مالک بن الحویرث ، رقم : ۱۹۶۲۳ ، وسنن الدارمی ، کتاب الصلاة ، باب من أحق بالإمامة ، رقم : ۱۲۲۵ .

والدین کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے، لیکن فرض عین کی مقدار حاصل ہونے کے بعد مزید علم کے حصول کی صورت میں گھر والوں کے حالات کو مد نظر رکھنا چاہئے۔ اگر اس کی وجہ سے گھر والوں کو پریشانی لاحق ہوتی ہو یا حقوق واجبہ فوت ہوتے ہوں تب تو بالکل ہی ناجائز ہے، مثلاً والدین بیمار ہوں اور گھر میں کوئی اور دیکھ بھال کرنے والا نہیں ہے، ایسی صورت میں بیٹا کہے میں مولوی بننے جا رہا ہوں، تو یہ ناجائز ہے۔ اور اگر ان کی دیکھ بھال کے لئے کوئی اور موجود ہو تو پھر اگر یہ اندیشہ ہو کہ میرے جانے سے ان کو شدید صدمہ پہنچے گا، اس وقت بھی اولیٰ یہ ہے کہ ان کے پاس رہے، ”والناس عنه غافلون“۔

البتہ اگر ان کو راضی کر کے آئیں تو پھر ٹھیک ہے، ورنہ ”ففیہما فجاہد“ یہ نہیں ہے کہ ایک طرف رخ ہو گیا تو دین کے دوسرے شعبوں کو خیر باد کہہ دیں۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک کے احکام کو پس پشت ڈال دیں، یہ صحیح نہیں۔ سب کام اسی طرح کریں جیسے شریعت نے بتائے ہیں۔ دین اتباع کا نام ہے نہ کہ شوق پورا کرنے کا۔ کاش کہ یہ حقیقت ہمارے دل میں اتر جائے کہ دین کس چیز کا نام ہے۔

ہمیں مولوی و مفتی بننے، تبلیغی جماعت اور جہاد میں جانے کا شوق ہے، لیکن ہم شوق کو نہ دیکھیں، یہ دیکھیں کہ اس مرحلہ پر دین کا کیا تقاضا ہے، جو دین کا تقاضا ہے اس پر عمل کریں، چاہے شوق اور جذبات کچھ بھی ہوں۔ یہ حضرات تشریف لائے تھے، کل بیس دن گزرے تھے، ابھی چلہ بھی نہیں ہوا تھا لیکن گھر والوں کی طرف شوق پیدا ہونے لگا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جاؤ، اس لئے کہ فرض عین کی مقدار حاصل ہوگئی، اب اپنے گھر والوں کا خیال کرو اور دعوت و تبلیغ کے نقطہ نظر سے بھی وہ مقدم ہیں اس لئے جو کچھ سیکھا ہے ان کو جا کر سکھاؤ اور ان کو دعوت دو تا کہ وہ اپنی عبادات درست طریقہ پر انجام دیں۔

اس لئے دیکھنا یہ ہے کہ کس موقع پر دین کا کیا تقاضا ہے، یہ کانٹے کی بات ہے۔ اللہ ﷻ دل میں بٹھا دیں اور یہ ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے کہ وہ اس کا فیصلہ کرے، بلکہ یہ شیخ کا کام ہوتا ہے کہ وہ راہنمائی کرے، انسان کا اپنا فیصلہ بسا اوقات اس کی اپنی ذاتی خواہشات اور جذبات کے تابع ہوتا ہے، جیسی خواہشات دل میں پیدا ہوتی ہیں ایسی دلیلیں سمجھ میں آ جاتی ہیں، خاص طور پر مولوی لوگ۔

میرے والد صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ مولوی کا شیطان بھی مولوی ہوتا ہے، وہ اس کو بہکانے کے لئے صریح گناہ کی طرف نہیں لے کر جائے گا بلکہ وہ اس کو تاویل اور دلیل سکھائے گا۔

جیسی خواہشات ہوتی ہیں ایسی دلیلیں بھی بن جاتی ہیں اس لئے اپنے فیصلے پر بھروسہ نہیں ہوتا تو کسی شیخ کی طرف رجوع کر کے اس سے فیصلہ کرایا جائے کہ اس وقت دین کا کیا تقاضہ ہے۔

(۱۸) باب الأذان للمسافرين إذا كانوا جماعة والإقامة،

وكذلك بعرفة وجمع

مسافر کے لئے اگر جماعت ہو تو اذان و اقامت کہنے کا بیان اور اسی طرح مقام عرفات اور مزدلفہ میں بھی
 ”وقول المؤذن: الصلوة في الرحال؛ في الليلة الباردة أو المطيرة“.

سفر میں اذان کا حکم

سفر کی حالت میں اگر جماعت ہو تو اذان اور اقامت دونوں مستحب ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب میں یہی مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ منفرد کے لئے بھی اذان مشروع ہے۔
 چنانچہ پیچھے ”باب رفع الصوت بالنداء“ میں حضرت ابوسعید خدری ؓ نے منفرد کو ہی فرمایا تھا کہ
 ”فإذا كنت في غنمك أو باديته فاذن للصلوة فارفع صوتك بالنداء“.

جمہور کے نزدیک سفر کی حالت میں اذان و اقامت مستحب ہے مگر حضرت عطاء رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ
 وہ اس کو واجب کہتے تھے، چنانچہ اگر کسی نے بغیر اذان اور اقامت کے نماز پڑھ لی تو انہوں نے اعادے کا حکم دیا۔
 حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ اگر اقامت بھول گیا تو اعادہ کرے۔ ۴۸

البتہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہ احتمال بھی ظاہر کیا ہے کہ شاید ان کے نزدیک اعادہ مستحب ہو۔
 حنفیہ کی کتابوں میں اذان کو ہر حالت میں مسنون کہا گیا ہے خواہ حضر ہو یا سفر، جماعت ہو یا افراد
 کی حالت ہو، لیکن اگر شہر میں گھر کے اندر جماعت کی جائے تو اذان کا ترک مکروہ نہیں، کیونکہ ”اذان الحسنی“
 کافی ہے۔ ۴۹

لیکن علامہ شامی رحمہ اللہ کی ایک عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسافر کے لئے بھی ترک اذان مکروہ
 نہیں، ترک اقامت مکروہ ہے، ”ان ترك الإقامة يكره للمسافر دون الأذان“۔ ۵۰

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک مسافر کے لئے اذان مسنون ہونے کا مطلب استحباب ہے،
 اس کی تائید مصنف عبدالرزاق میں حضرت ابن عمر ؓ کے ایک اثر سے ہوتی ہے، جس میں انہوں نے فرمایا کہ
 ”انما التأذين لجيش أو ركب عليهم أمير فينادي بالصلوة ليجتمعوا لها، فاما غير

۴۸ عمدة القاری، ج: ۵، ص: ۱۳۳.

۴۹ حاشیہ ابن عابدین، ج: ۱، ص: ۳۸۳، ۳۹۵.

۵۰ حاشیہ ابن عابدین، ج: ۱، ص: ۳۸۸، والبحر الرائق، ج: ۱، ص: ۲۷۱.

ہم فاماہی الإقامة“ ۱۵

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس اثر کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ ۱۶

”مطيرة“ کے معنی پرزبر ہے اور یہ ”فعيلة“ کے وزن پر ہے، جو ”ماطرة“ کے معنی میں ہے یعنی وہ رات جس میں بارش ہو۔

۶۳۱۔ حدثنا محمد بن المثنی قال: حدثنا عبد الوهاب قال: حدثنا أيوب عن أبي قلابة قال: حدثنا مالك قال: أتينا إلى النبي ﷺ ونحن شعبة معقاربون فأقمنا عنده عشرين يوما وليلة، وكان رسول الله ﷺ رحيمًا رفيقًا فلما ظن أنا قد اشتبهنا أهلنا أو قد اشتقنا سألنا عمن تركنا بعدنا فأخبرنا. قال: إرجعوا إلى أهليكم فأقيموا فيهم وعلموهم ومروهم، وذكر أشياء أحفظها أو لا أحفظها. وصلوا كما رأيتموني أصلي فإذا حضرت الصلاة فيؤذن لكم أحدكم وليؤمكم أكبركم. [راجع: ۶۲۸]

یعنی حضور اقدس ﷺ نے کچھ چیزوں کا ذکر کیا، اب راوی کہتے ہیں کہ انہوں نے یہ کہا تھا کہ مجھے وہ یاد ہیں لیکن میں بیان نہیں کر رہا ہوں یا یہ کہا تھا کہ مجھے وہ یاد نہیں ہیں، اس میں مجھے شک ہے یعنی راوی کو شک ہے کہ ”حفظها أو لا أحفظها“۔

۶۳۲۔ حدثنا مسدد قال: حدثنا يحيى، عن عبيد الله بن عمر قال: حدثني نافع قال: أذن ابن عمر في ليلة باردة بضجنان، ثم قال: صلوا في رحالكم، وأخبرنا أن رسول الله ﷺ كان يأمر مؤذن ثم يقول على إثره: ألا صلوا في الرحال في الليلة الباردة أو المطيرة في السفر. [أنظر: ۶۶۶] ۱۷

۱۸۔ قال قلت لنافع كم كان ابن عمر يؤذن في السفر قال أذانين إذا طلع الفجر أذن بالأولى فاما سائر الصلوات فإقامة إقامة لكل صلاة كان يقول انما التاذين لجيش أو ركب سفر عليهم أمير فينادى بالصلاة ليجمعوا لها فاما ركب هكذا فإنما هي الإقامة، مصنف عبد الرزاق، باب الأذان في السفر والصلاة في الرحال، ج: ۱، ص: ۴۹۲، رقم: ۱۸۹۷، المكتب الإسلامي، بيروت، ۱۴۰۳ھ۔

۱۹۔ فتح الباری، ج: ۲، ص: ۱۱۱۔

۲۰۔ وفي صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها باب الصلاة في الرحال في المطر، رقم: ۱۱۲۶، ومنه النسائي، كتاب الأذان، باب الأذان في التغلف عن شهود الجماعة في الليلة، رقم: ۲۳۸، ومنه أبي داود كتاب الصلاة، رقم: ۸۹۶، ومنه ابن ماجه، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب التغلف عن الجماعة في الليلة الباردة أو الليلة المطيرة، رقم: ۹۲۷، ومنه أحمد، مسند المكثرين، من الصحابة، باب مسند عبد الله بن عمر بن الخطاب، رقم: ۳۸۴۲، ۵۲۳۳، ۴۹۰۴، ۵۰۵۰، ۵۵۳۸، وموطأ مالك، كتاب النداء للصلاة، باب النداء في السفر وعلى غير وضوء، رقم: ۱۴۳۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک سخت سردرات میں صبحان کے مقام پر اذان دی اور پھر یہ اعلان کیا ”صلوٰفی رحالکم“ تم اپنے گھروں میں نماز پڑھو، جماعت کے لئے آنے کی ضرورت نہیں ہے، ”واخبرنا“ اور ہمیں بتایا کہ ”ان رسول اللہ ﷺ کان یامر مؤذنا یؤذن ثم یقول علی اثرہ“ بعض اوقات آپ ﷺ مؤذن سے اذان کہلاتے، پھر بعد میں اعلان کرواتے۔ ”الاصلوٰفی الرحال“ کہ گھروں میں نماز پڑھ لو ”فی اللیلۃ الباردة“ جب بہت سردی ہوتی ”أوالمطيرة فی السفر“ یا سفر میں اس رات میں بارش ہو رہی ہوتی تو کہہ دیتے کہ اپنی جگہ نماز پڑھ لو۔ معلوم ہوا کہ شدید بارش جس میں لوگوں کے مسجد تک آنے میں شدید مشقت کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں ترک جماعت کا عذر ہے۔

اس روایت میں صراحت ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے یہ اعلان اذان پوری کرنے کے بعد کیا۔ پیچھے حضرت ابن عباسؓ کے بارے میں گزرا ہے کہ جب جیعلتین پر پہنچے تو اعلان کروایا۔ علامہ یعنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں طریقے جائز ہیں لیکن اولیٰ یہ ہے کہ اذان کے بعد اعلان کیا جائے۔ ۵۳۔

غالباً وجہ یہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کی حدیث باب صریح ہے کہ اعلان اذان کے بعد کیا گیا اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں احتمال ہے کہ انہوں نے جیعلتین پر پہنچنے کے بعد مؤذن سے کہا ہو اور مقصد یہ ہو کہ اذان کی تکمیل کے بعد یہ اعلان کر دے۔ واللہ اعلم

(۱۹) باب: هل يتبع المؤذن فاه وهاهنا؟ وهل يلتفت في الأذان؟

کیا مؤذن اپنا منہ اِدھر اُدھر پھیرے؟ اور کیا وہ اذان میں اِدھر اُدھر دیکھ سکتا ہے؟

”ويذكر عن بلال أنه جعل إصبعه في أذنيه، وكان ابن عمر لا يجعل إصبعه في أذنيه. وقال ابراهيم: لا بأس أن يؤذن على غير وضوء. وقال عطاء: الوضوء حق وسنة. وقالت عائشة: كان النبي ﷺ يذكر الله على كل أحيانه“.

۶۳۴۔ حدثنا محمد بن يوسف قال: حدثنا سفيان، عن عون بن أبي جحيفة عن أبيه: أنه رأى بلالاً يؤذن فجعلت اتبع فاه ها هنا بالآذان.

اس ترجمہ الباب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے کئی باتیں جمع کی ہیں:

ایک یہ کہ کیا مؤذن اپنے منہ کو ادھر ادھر لی جائے یعنی عام طور پر منارہ وغیرہ میں جو اذان دی جاتی تھی وہ بند ہوتا تھا اور اس میں ادھر ادھر روشن دان ہوتے تھے، تو کیا مؤذن کو چاہئے کہ وہ کبھی اس روشن دان سے منہ

نکال کر کہے ”حی علی الصلوٰۃ“ اور کبھی اس روشندان سے کہے ”حی علی الصلوٰۃ۔ یتبع المؤذن فاه ما هنا و هنا“ کیا ایسا کرے؟

آگے حدیث میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایسا کرتے تھے۔ معلوم ہوا کہ ایسا کرنا چاہئے، جہاں دونوں طرف آواز پہنچانا منظور ہو۔

”وہل یلتفت فی الأذان ؟“ کیا اذان میں التفات کرے یعنی دائیں بائیں مڑے جیسے ”حی علی الصلوٰۃ“ کہتے ہوئے دائیں طرف اور ”حی علی الفلاح“ کہتے ہوئے بائیں طرف مڑتے ہیں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے یہ التفات ثابت ہے بلکہ اقامت میں بھی ثابت ہے ”والناس عنہ غافلون“۔

حنفیہ کے نزدیک اقامت میں بھی ”حی علی الصلوٰۃ“ کہتے ہوئے دائیں طرف اور ”حی علی الفلاح“ کہتے ہوئے بائیں طرف منہ موڑنا چاہئے، علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ نے اس کی تصریح کی ہے، بلکہ کہتے ہیں کہ بچے کے کان میں اذان دیتے وقت بھی دائیں بائیں التفات کرے، تو یہ التفات بھی مسنون ہے۔

اور حدیث سے ثابت ہے کہ: ”ویذکر عن بلال أنه جعل إصبعیه فی أذنیہ“ کانوں میں انگلیاں دیتے تھے، اس سے آواز بلند ہوتی ہے اور دور تک جاتی ہے، یہ بھی ثابت ہے۔ ۵۵

”وکان ابن عمر لا یجعل إصبعیه فی أذنیہ“ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کانوں میں انگلیاں نہیں دیتے تھے بلکہ ویسے ہی اذان دیتے تھے۔ پتہ چلا کہ کانوں میں انگلیاں دینا ضروری نہیں ہے، اگر دیدے تب بھی ٹھیک ہے، نہ دیں تب بھی کوئی گناہ نہیں۔

”وقال ابراہیم“: ابراہیم ابن حنی فرماتے ہیں کہ ”لابأس ان یؤذن علی غیر وضو“ بغیر وضو کے بھی اذان دینا جائز ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگرچہ افضل یہی ہے کہ وضو کر کے اذان دے لیکن اگر بغیر وضو کے دیدی تب بھی اذان ہو جائے گی۔

ایسا لگتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مسلک بھی یہی ہے، چنانچہ اس پر کئی استدلال کئے ہیں۔ فرمایا ”وقال عطاء: الوضو حق وسنة“ عطاء نے کہا کہ وضو سنت ہے فرض نہیں ہے انہوں نے وضو کو صحت اذان کی شرط قرار نہیں دیا۔

۵۵ ضم أصابعه الأربع ووضعها علی أذنیہ وكذا أحدی یدیه علی ماروی عن الإمام .

وقال الترمذی: علیه العمل عند أهل العلم فی الأذان ... وقال بعض أهل العلم ”وفی الإقامة أيضاً، وهو قول الأوزاعی. وقال ابن بطال: وهو باح عند العلماء، وروی أبو یوسف عن أبي حنیفة: أن جعل أحدی یدیه علی أذنیہ لحسن، وبه قال أحمد، كذا ذكره العینی فی المعتمد، ج: ۴، ص: ۲۰۷، وحاشیة ابن عابدین، ج: ۱، ص: ۳۸۸.

”وقالت عائشة: كان النبي ﷺ يذكر الله على كل أحيانه“ حضور ﷺ ہر وقت اللہ کا ذکر کیا کرتے تھے۔ اس سے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ اذان بھی ایک ذکر ہے، لہذا حالت حدیث میں بھی جائز ہے۔ البتہ امام محمد رحمہ اللہ نے الجامع الصغیر میں یہ فرمایا ہے کہ جنابت کی حالت میں اذان دے دی تو اعادہ کرنا مجھے زیادہ پسند ہے، تاہم اگر اعادہ نہ کیا تب بھی اذان ہو جائے گی۔ دوسری بات یہ ہے کہ بغیر وضو کے اذان دینا خلاف اولیٰ ہے، مکروہ نہیں مگر اقامت بغیر وضو کے کہنا مکروہ ہے کیونکہ ایسی حالت میں اقامت کہنے والے کو نماز کے لئے وضو کرنا پڑے گا اور طویل فصل لازم آئے گا۔ ۵۶

(۲۰) باب قول الرجل: فاتتنا الصلوة

آدمی کا یہ کہنا کہ ہماری نماز جاتی رہے

”وكره ابن سيرين أن يقول: فاتتنا الصلاة، ولكن ليقول: لم ندرک، و قول النبي ﷺ أصح“۔

اگر کسی شخص سے نماز چھوٹ جائے یعنی وہ وقت پر نہ پڑھ سکے یا جماعت نڈل سکے تو کیا وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ ”فاتتنا الصلوة“ اس پر باب قائم کیا ہے۔ یہ باب قائم کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی جیسا کہ خود امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب میں نقل کیا ہے کہ محمد ابن سیرین رحمہ اللہ اس بات کو نا پسند کرتے تھے کہ صلوٰۃ کی طرف فوت کی نسبت کی جائے۔

”فاتتنا الصلاة“ میں ”فات“ فعل ہے اور ”صلوة“ اس کا قاعل ہے۔ امام ابن سیرین رحمہ اللہ اس کو اس لئے نا پسند کرتے تھے کہ نماز جیسی عبادت کے لئے فوت کا لفظ استعمال کرنا ادب کے خلاف ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس کے بجائے یوں کہیں ”لم ندرک الصلوة“ ہم نے نماز نہیں پائی جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہر چیز کی نسبت اللہ ﷻ کی طرف فرمائی۔ ”هو يطعمني ويسقني“ وغیرہ، لیکن مرض کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کی حالانکہ وہ بھی اللہ ﷻ کی تخلیق ہے فرمایا ”واذا مرضت فهو يشفين“ تو ادب اور تہذیب کا تقاضہ ہے کہ مقدس چیز کی طرف کسی غلط یا نا پسندیدہ فعل کی نسبت نہ کی جائے۔

امام بخاری رحمہ اللہ یہاں اس بات کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ محمد ابن سیرین رحمہ اللہ کا یہ قول شرعی حکم نہیں ہے، ”فاتتنا الصلاة“ کہنا بھی جائز ہے اور حضور اقدس ﷺ سے ثابت ہے۔ جو حدیث مرفوع

۵۶ و ذكر محمد بن أبي (الجامع الصغير): اذا أذن الجنب أحب إلى أن يعيد الأذان وإن لم يعد أجزاءه، عمدة القاری

روایت کی ہے اس میں خود حضور ﷺ نے فوت کا لفظ استعمال کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ جائز ہے، البتہ اگر کوئی شخص بطور احتیاط دوسرا لفظ استعمال کرے تو یہ بھی درست ہے لیکن اس پر تکلیف نہیں کرنی چاہئے، اس لئے کہ اگر تکلیف کی بات ہوتی تو خود حضور ﷺ یہ لفظ استعمال نہ فرماتے۔

آگے فرمایا ”وہو قول النبی ﷺ اصح“ یہاں ”اصح“ کے معنی ”أحق بالأخذ“ کے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی مراد یہ ہے کہ محمد ابن سیرین رحمہ اللہ کے قول پر عمل کے بجائے نبی کریم ﷺ کے طریقہ پر عمل کرنا زیادہ مناسب ہے۔

۶۳۵۔ حدثنا أبو نعیم قال : حدثنا شیبان عن یحییٰ ، عن عبد اللہ بن أبی قتادة ، عن أبیہ قال : بینما نحن نصلی مع النبی ﷺ اذ سمع جلبة الرجال فلما صلی قال : ”ما شاء نکم ؟“ قالوا : استعجلنا إلى الصلاة ، قال : ” فلا تفعلوا ، اذا أنیتم الصلاة فعلیکم بالسکينة ، فما أدرکتہم فصلوا ، وما فاتکم فأنتموا“ ۵۔

فرماتے ہیں ہم نبی کریم ﷺ کے پاس تھے اتنے میں آپ ﷺ نے کچھ لوگوں کا شور سنا، ”جلبة“ کے معنی شور کے ہیں۔

”فلما صلی“ جب نماز پڑھ چکے تو آپ ﷺ نے فرمایا ”ما شأنکم ؟“ تمہارا کیا حال ہے؟ ”قالوا : استعجلنا إلى الصلاة“ انہوں نے کہا کہ ہم دوڑ دوڑ کر نماز کے لئے آرہے تھے، ”قال : فلا تفعلوا“ آئندہ اس طرح دوڑ دوڑ کر مت آنا، ”اذا أنیتم الصلاة فعلیکم بالسکينة“ جب نماز کے لئے آؤ تو تم پرسکینت ہونی چاہئے بھاگ دوڑ کر مت آؤ ”فما أدرکتہم فصلوا“ نماز کا جو حصہ پاؤ وہ پڑھ لو، ”وما فاتکم فأنتموا“ اور جو حصہ نماز کا فوت ہو جائے اس کو بعد میں پورا کر لو۔

امام بخاری رحمہ اللہ اشارۃ النص سے استدلال فرما رہے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے نماز کے بعض حصے کے لئے ”فات“ کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ معلوم ہوا کہ ”فات“ کا لفظ استعمال کرنا جائز ہے، اور محمد ابن سیرین رحمہ اللہ کا قول شرعی حکم نہیں ہے بلکہ ان کا ذوق ہے۔

یاد رکھیں ایک شرعی حکم ہوتا ہے وہ فرض، واجب، سنت، مستحب یا افضل ہے، یہ سب احکام شرعیہ ہیں اور ان کے مختلف مراتب ہیں اور یہ سب شارع سے ثابت ہیں۔

ایک ہوتی ہے ذوق کی بات، یعنی وہ کوئی حکم شرعی تو نہیں ہوتا لیکن کسی بزرگ کا مذاق ہوتا ہے، اس

۵۔ وفی صحیح مسلم ، کتاب المساجد ومواضع الصلاة ، باب استحباب اتیان الصلاة بوقار و مسکينة والنهی عنه

رقم : ۹۳۸ ، ومسند أحمد ، ہافی مسند الانصار ، باب حدیث أبی قتادة الانصاری ، رقم : ۲۱۵۶۰ ، ومسند الدارمی ،

کتاب الصلاة ، باب کیف یحشی إلى الصلاة ، رقم : ۱۲۵۲ ۔

مذاق کی پیروی بھی فی الجملہ اچھی بات ہے لیکن وہ حکم شرعی نہیں ہوتا۔ کسی آدمی کا ذہن کسی ایسے نکتے کی طرف چلا جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ کسی لفظ کے استعمال سے پرہیز کرتا ہے تو کچھ بعید نہیں کہ اللہ ﷻ اس تا د ب کی وجہ سے اس کو ثواب بھی دیدیں، اگرچہ ہم اس کو مستحب اور اس کے خلاف کو مکروہ بھی نہیں کہیں گے۔

تو علامہ ابن سیرین رحمہ اللہ کے ذوق کی بات ہے کہ ان پر یہ گراں گزرتا تھا کہ وہ نماز کے لئے فوت کا لفظ استعمال فرمائیں، اب یا تو ان تک حضور ﷺ کی حدیث نہیں پہنچی ہوگی یا حدیث تو پہنچی ہوگی لیکن وہ سمجھتے ہوں گے کہ حضور ﷺ کا مقام بہت اعلیٰ ہے، جب اس کے متبادل الفاظ موجود ہیں تو ہمیں یہ لفظ استعمال نہیں کرنا چاہئے۔

ایسی ہی ایک ذوق کی بات یہ بھی ہے کہ ہم اکثر و بیشتر یہ جملہ استعمال کرتے ہیں کہ نماز سے فارغ ہو جائیں پھر کھانا کھالیں۔ حضرت والد صاحب رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ فرمایا کھانا کھا لو، ہم بھائیوں میں سے کسی نے کہہ دیا کہ نماز سے فارغ ہو جائیں پھر کھاتے ہیں۔ حضرت والد صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا بھائی یہ کیا کہہ دیا، کیا نماز فارغ ہونے کی چیز ہے؟

اگر اس جملہ کا تجزیہ کریں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ نماز ایک بوجھ ہے وہ سر سے اتر جائے تو پھر اصل مقصود کی طرف جائیں جو کہ کھانا کھانا ہے، یعنی کھانا ایسی حالت میں کھائیں کہ سر پر کوئی بوجھ نہ ہو، تو گویا نماز کو بوجھ قرار دیا، یہ کتنی بے ادبی کی بات ہے، الحمد للہ اس وقت سے لے کر آج تک پھر کبھی بھی نماز کے لئے فارغ ہونے کا لفظ استعمال نہیں کیا۔

تو حضرت والد صاحب رحمہ اللہ اس کو برا سمجھتے تھے کہ یہ کہیں پہلے نماز سے فارغ ہو جائیں، کیونکہ نماز فارغ ہونے کی چیز نہیں ہے بلکہ دوسری چیزیں ایسی ہیں کہ ان سے فارغ ہو کر نماز کی طرف جائیں، تو قرآن کریم میں ہے ”فاذا فرغت فانصب“ جب اور کاموں سے فارغ ہو جاؤ تو پھر نماز کے اندر اپنے آپ کو تھکاؤ۔ یہ ذوق کی بات ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ فارغ ہونے کا لفظ استعمال کرنا حرام یا ناجائز ہے یا حکم شرعی کے طور پر مکروہ ہے بلکہ اس مذاق کے تحت یہ ادب کا تقاضا ہے۔

اسی طرح اگر گاڑی میں جارہے ہیں راستے میں کوئی آدمی مل گیا پوچھا کہ بھائی کہاں جا رہے ہیں؟ اس نے کہا فلاں جگہ، کہتے ہیں چلیں میں آپ کو وہاں پر چھوڑ دیتا ہوں، یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔

ہمارے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی صاحب رحمہ اللہ ایک مرتبہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے، میں گاڑی میں تھا، میں نے کہا حضرت میں آپ کو گاڑی میں چھوڑ دیتا ہوں، حضرت نے فرمایا بھی! ہمیں چھوڑنا مت پہنچا دو۔

مطلب یہ ہے کہ لفظ ”چھوڑنا“ مناسب نہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ خراب چیز ہے، بوجھ ہے جس سے

جان چھڑانی ہے، بلکہ صحیح لفظ یہ ہے کہ آئیں میں آپ کو پہنچا دیتا ہوں۔

انگریزی میں جو لفظ استعمال ہوتا ہے وہ اس سے بھی برا ہے وہ ہے ”ڈراپ کرنا“ کہ آئیں میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں، ڈراپ کرنے کے لفظی معنی ہیں ”اوپر سے پھینکنا“ یہ اور زیادہ بدتمیزی کا لفظ ہے۔

اب یہ کہنا حرام یا ناجائز تو نہیں لیکن مذاق سلیم کے خلاف ہے، تو یہ تعبیرات ادب اور ادبی مذاق کے نتیجے میں اختیار کی جاتی ہیں، جن کو اللہ ﷻ ذوق رفیع عطا فرماتے ہیں ان کی نگاہیں ان تعبیرات کے دقائق کی طرف جاتی ہیں اور اس کی وجہ سے اللہ ﷻ ان کے دل میں یہ بات ڈال دیتے ہیں۔

محمد ابن سیرین رحمہ اللہ نے جو بات فرمائی، خشک لوگ کہتے ہیں کہ یہ حدیث مرفوع کے خلاف ہے، تو یہ حدیث مرفوع کے خلاف نہیں ہے کیونکہ وہ کوئی حکم شرعی نہیں فرما رہے ہیں بلکہ اپنے ذوق کی بات کر رہے ہیں کہ مجھے نماز کے لئے فوت کا لفظ استعمال کرنا اچھا نہیں لگتا، لہذا نہ ان پر کوئی ملامت ہے اور نہ ان کی اتباع کرنے والے پر، البتہ اگر کوئی اس کو حکم شرعی قرار دے تو اس پر ملامت ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فوت کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔

میں نے اپنے والد صاحب رحمہ اللہ سے سنا کہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے سبق کے دوران اگر کوئی ایسی بات آجاتی تو کثرت سے یہ فرمایا کرتے تھے کہ ”میاں یہ ذوق کی باتیں ہیں اور ذوق مرگیا دلی میں“ استاذ ذوق دلی کا مشہور شاعر تھا، تو فرماتے یہ ذوق کی باتیں ہیں اور ذوق مرگیا دلی میں، لہذا لوگ حقیقت نہیں سمجھتے۔

(۲۲) باب : يقوم الناس اذا راوا الإمام عند الإقامة ؟

تکبیر کے وقت جب لوگ امام کو دیکھ لیں تو کس وقت کھڑے ہوں؟

۶۳۷۔ حدثنا مسلم بن ابراهيم قال: حدثنا هشام قال: كتب إلي يحيى بن أبي

كثير عن عبد الله بن أبي قتادة، عن أبيه قال: رسول الله ﷺ اذا أقيمت الصلاة فلا تقوموا حتى تروني. [أنظر: ۶۳۸، ۹۰۹، ۵۸]

۵۸۔ وفي صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب متى يقوم الناس للصلاة، رقم: ۹۳۹، وسنن الترمذی،

كتاب الجمعة عن رسول الله، باب كراهية أن ينتظر الناس الإمام وهم قيام عند افتتاح، رقم: ۵۳۰، وسنن النسائی، كتاب

الأذان، باب إقامة المؤذن عند خروج الإمام، رقم: ۶۸۰، وسنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب تخفيف الآخرين، رقم:

۳۵۳، ومسند أحمد، باقي مسند الأنصار، باب حديث أبي قتادة الأنصاري، رقم: ۲۱۵۳۶، ۲۱۵۳۱، ۲۱۵۶۵،

۲۱۵۸۳، وسنن الدارمی، كتاب الصلاة، باب متى يقوم الناس اذا أقيمت الصلاة، رقم: ۱۲۳۳.

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب نماز کھڑی ہو جائے یعنی اقامت ہو جائے تو جب تک مجھے نکلتے ہوئے نہ دیکھ لو مت کھڑے ہو۔

امام اور مقتدی اقامت کے وقت کب کھڑے ہوں

حضور ﷺ اور صحابہ کرام کا تعامل

اس معاملہ میں رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام ﷺ کا تعامل کیا اور کس طرح رہا ہے اس پر حضرت ابو ہریرہ ؓ کی روایت کردہ احادیث سے سمجھ لینا چاہئے، اس مسئلہ کے متعلق چھ احادیث ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ کا اپنا عمل بیان فرمایا ہے۔

۱۔ ”کان بلال یؤذن اذا دحضت فلا یقیم حتی یخرج النبی ﷺ فاذا خرج اقام الصلاة حين يراه“۔ ۵۹

حضرت بلال ؓ اذان ظہر اس وقت دیتے تھے جب آفتاب کا زوال ہو جاتا، پھر اقامت اس وقت تک نہ کہتے تھے جب تک نبی کریم ﷺ مکان سے باہر نہ آ جاتے، جب باہر تشریف لاتے تو نماز کی اقامت کہتے تھے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ:

۲۔ ”عن ابي هريرة أن الصلاة كانت تقام لرسول الله ﷺ فيأخذ الناس مصافهم قبل أن يقوم النبي ﷺ مقامه“۔ ۶۰

رسول اللہ ﷺ کی امامت کے لئے نماز کھڑی کی جاتی تھی اور لوگ آپ کے کھڑے ہونے سے پہلے اپنی اپنی جگہ صفوں میں لے لیتے تھے۔

۳۔ ”سمع ابا هريرة يقول أقيمت الصلاة ، فقمنا فعدلنا الصفوف قبل أن يخرج إلينا رسول الله ﷺ“۔ ۶۱

حضرت ابو ہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ ایک بار نماز کھڑی کی گئی تھی، ہم کھڑے ہوئے اور حضور اکرم ﷺ کے ہماری طرف نکلنے سے پہلے ہی ہم نے صفیں درست کر لیں۔

۴۔ ”عن أبي قتادة قال قال رسول الله ﷺ اذا أقيمت الصلاة فلا تقوموا حتى تروني“۔ ۶۲

۵۹۔ صحیح مسلم، باب متى يقوم الناس للصلاة، ج: ۱، ص: ۴۲۳، رقم: ۶۰۶، بیروت۔

۶۰۔ صحیح مسلم، باب متى يقوم الناس للصلاة، ج: ۱، ص: ۴۲۳، رقم: ۶۰۵، بیروت۔

۶۱۔ صحیح مسلم، باب متى يقوم الناس للصلاة، ج: ۱، ص: ۴۲۳، رقم: ۶۰۳، بیروت، وصحیح البخاری،

باب متى يقوم الناس اذا راوا الإمام عند الإقامة، رقم: ۶۱۱۔

حضرت ابو قتادہ ؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب نماز کھڑی ہو جائے تو تم کھڑے نہ ہو جب تک مجھے اپنی طرف آنا ہو ورنہ دیکھ لو۔

۵۔ ”قال الحافظ ويشهد له ما رواه عبد الرزاق عن ابن جريج عن ابن شهاب أن الناس كانوا ساعة يقول المؤذن الله أكبر يقومون إلى الصلاة فلا يأتي النبي ﷺ حتى تعدل الصفوف“ ۲۳۔

ابن شہاب سے مروی ہے جس وقت مؤذن اللہ اکبر کہتا تھا لوگ نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے اور حضور ﷺ کے تشریف لانے تک صفیں درست ہو جاتی تھیں۔

۶۔ ”عن عبد الله بن أبي أوفى قال كان بلال إذا قال قد قامت الصلاة نهض رسول الله ﷺ بالتكبير“ ۲۴۔

حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی ؓ نے فرمایا کہ حضرت بلال ؓ جب ”قد قامت الصلاة“ کہتے تھے تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوتے تھے۔

یہ چھ احادیث ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ کا اپنا عمل اس مسئلہ کے متعلق بیان فرمایا ہے: پہلی حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ حضرت بلال ؓ کی عام عادت یہ تھی کہ حجرہ شریفہ کی طرف نظر رکھتے تھے جب رسول اللہ ﷺ کو دیکھتے کہ آپ ﷺ باہر تشریف لے آئے تو اقامت شروع کرتے تھے۔

دوسری اور تیسری حدیث سے بھی یہ ثابت ہوا کہ صحابہ کرام ؓ کی عام عادت یہ تھی کہ جب مؤذن تکبیر شروع کرے تو سب لوگ کھڑے ہو کر صفوف کی درستی کر لیتے تھے، امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں تیسری حدیث کے جملہ ”فعدلنا الصفوف“ پر فرمایا کہ:

”إشارة إلى أنه هذه سنة معهودة عندهم وقد أجمع العلماء عمل استحباب تعديل الصفوف“۔

اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ یہ ان کے نزدیک سنت ہے اور علماء کا اجماع ہے کہ صفیں سیدھی کرنا مستحب ہے۔ چوتھی حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ حضرت بلال ؓ نے حضور اکرم ﷺ کے گھر سے باہر تشریف لانے سے پہلے ہی اقامت شروع کر دی اور حسب دستور سب صحابہ اقامت شروع ہوتے ہی کھڑے ہو گئے، پھر نبی کریم ﷺ کو کچھ دیر لگی تو آپ ﷺ نے یہ ہدایت فرمائی کہ میرے نکلنے سے پہلے کھڑے نہ ہو، مقصد اس کا ظاہر ہے کہ لوگوں کو مشقت سے بچانے کے لئے فرمایا اور اس حدیث کے الفاظ

۲۳۔ شرح الزرقانی، ج: ۱، ص: ۲۱۴۔

۲۴۔ کذا ذكره في مجمع الزوائد، ج: ۲، ص: ۱۰۳۔

”لا تقوموا حتی ترونی“ یعنی اس وقت تک کھڑے نہ ہو جب تک یہ نہ دیکھ لو کہ میں گھر سے باہر آ گیا ہوں، اس لفظ سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ میرے باہر آ جانے کے بعد کھڑے ہونے میں کوئی حرج نہیں۔

پانچویں حدیث میں اصل عادت اور عام تعامل یہ معلوم ہوا کہ حضرت بلال ؓ اقامت اُس وقت شروع کرتے جب دیکھ لیتے کہ آپ ﷺ حجرہ شریفہ سے باہر تشریف لے آئے، اور اقامت شروع ہوتے ہی حسب دستور صحابہ کرام ؓ کھڑے ہو کر صفوف کی درستی کر لیتے تھے۔

چھٹی حدیث سے ایک خاص صورت یہ بھی معلوم ہوئی کہ بعض اوقات رسول اللہ ﷺ نماز سے پہلے ہی مسجد میں تشریف فرما ہوتے تھے، تو آپ ﷺ اس وقت کھڑے ہوتے تھے جب مؤذن ”قد قامت الصلوٰۃ“ پر پہنچتا تھا، اس سے ظاہر یہ ہے کہ عام صحابہ کرام ؓ بھی آپ ﷺ کے ساتھ اسی وقت کھڑے ہوتے ہوں گے۔

ان مجموعہ روایات حدیث سے ایک بات قدرے مشترک کے طور پر یہ ثابت ہوئی کہ جب نبی کریم ﷺ پہلے سے مسجد میں تشریف فرما نہ ہوتے بلکہ گھر میں سے تشریف لاتے تھے تو آپ ﷺ کو دیکھتے ہی حضرت بلال ؓ اقامت شروع کرتے اور سب صحابہ کرام ؓ شروع اقامت سے کھڑے ہو کر تعدیل صفوف کرتے تھے، آپ ﷺ نے اس کو کبھی منع نہیں فرمایا، البتہ گھر میں سے باہر تشریف لانے سے پہلے اقامت کہنے اور لوگوں کے کھڑے ہونے سے منع فرمایا ہے وہ بھی از روئے شفقت ممانعت بھی جس کو فقہاء کرام کی زبان میں مکروہ تنزیہی کہا جاسکتا ہے۔

تعامل خلفائے راشدین ؓ

حضرت عمر ؓ صفیں درست کرنے کے لئے لوگ متعین کر دیتے تھے اور صفیں درست ہونے کی خبر جب تک نہ دی جاتی اس وقت تک تکبیر تحریر نہ کہتے تھے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے روایت کی ہے کہ حضرت علی ؓ اور حضرت عثمان ؓ بھی اس امر کا اہتمام فرماتے تھے۔

حضور ﷺ کا عمل اور خلفائے راشدین میں سے حضرت عمر بن خطاب، حضرت عثمان اور حضرت علی ؓ کا تعامل اور عام عادت یہ معلوم ہوئی کہ وہ صفوں کی درستی کی خود بھی نگرانی کرتے تھے اور جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ صفیں سب درست ہو گئیں یعنی نہ صف کے درمیان میں کوئی جگہ چھوڑی گئی اور نہ آگے پیچھے رہے اُس وقت تکبیر نماز کی شروع فرماتے تھے۔

اور ظاہر ہے کہ یہ جب ہی ہو سکتا ہے جب لوگ شروع اقامت سے کھڑے ہو جائیں جیسا کہ احادیث مرفوعہ سے صحابہ کرام ؓ کی عام عادت بھی ثابت ہو چکی ہے ورنہ اگر جی علی الصلوٰۃ یا جی علی الفلاح یا قد قامت

الصلوٰۃ پر لوگ کھڑے ہوں تو اس کے بعد یہ تسویہ صفوف کا انتظام کیا جائے تو یہ اس کے بغیر نہیں ہو سکتا کہ اقامت ختم ہو جانے کے کافی دیر بعد نماز شروع ہو، حالانکہ یہ باتفاق علماء مذموم ہے۔

ائمہ اربعہ کا مذہب

ائمہ اربعہ کے مذاہب کا خلاصہ یہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اقامت ختم ہونے کے بعد کھڑا ہونا مستحب ہے، امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک حسب روایت قاضی عیاض رحمہ اللہ شروع اقامت ہی سے کھڑا ہونا مستحب ہے، البتہ کسی خاص حد تک قیام واجب نہیں، بلکہ لوگوں کو ان کی سہولت پر چھوڑا جائے۔ ۶۵
امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مذہب یہ معلوم ہوا کہ جب مؤذن ”قد قامت الصلوٰۃ“ کہے اس وقت کھڑا ہونا چاہئے۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب میں تفصیل ہے کہ امام اور مقتدی اگر اقامت سے پہلے ہی مسجد میں موجود تھے تو صحیح روایت کے مطابق حی علی الفلاح پراٹھ جانا چاہئے، اور اگر امام باہر سے آ رہا ہو تو اگر وہ محراب کے کسی دروازے سے یا اگلی صف کے سامنے سے آئے تو جس وقت مقتدی امام کو دیکھیں اس وقت کھڑے ہو جائیں، اور اگر وہ پچھلی صفوف کی طرف سے آ رہا ہے تو جس صف سے گزرے وہ صف کھڑی ہوتی چلی جائے۔
حنفیہ کے مذہب کی تفصیل میں جہاں یہ بیان کیا ہے کہ جب امام اقامت سے پہلے ہی مسجد میں موجود ہو تو حی علی الفلاح پراٹھ جانا چاہئے اس کی علت یہ بیان فرمائی ہے کہ: ”لانه امر يستجب المسارعة اليه“ حی علی الفلاح پراٹھ جانا اس لئے افضل ہے کہ لفظ حی علی الفلاح کھڑا ہونے کا امر ہے، اس لئے کھڑا ہونے کی طرف مسارعت کرنا چاہئے۔ ۶۶

مذاہب ائمہ اربعہ میں دو باتیں متفق علیہ ہیں:

ایک یہ ہے کہ یہ سب اختلاف محض افضلیت و اولویت کا ہے؛ اس میں کوئی جانب ناجائز یا مکروہ نہیں اور کسی کو کسی پر تکبر و اعتراض کرنے کا حق نہیں، اسی لئے مذاہب اربعہ کے متبعین میں کبھی اس پر جھگڑا نہیں سنا گیا۔
دوسرے یہ ہے کہ باجماع صحابہ و تابعین و اتفاق ائمہ اربعہ صفوف کی تعدیل و درستی واجب ہے جو نماز شروع ہونے سے پہلے مکمل ہو جانا چاہئے اور یہ اس صورت میں ہو سکتی ہے جبکہ عام آدمی شروع اقامت سے کھڑے ہو جائیں، بقول امام مالک رحمہ اللہ کوئی کمزور ضعیف بعد میں بھی کھڑا ہو تو مضائقہ نہیں۔ ۶۷

خلاصہ یہ ہے کہ جس وقت امام اور مقتدی سب اقامت سے پہلے مسجد میں موجود ہوں تو امام اعظم ابو حنیفہ، امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ کے نزدیک حی علی الفلاح اور قد قامت الصلوٰۃ پراٹھ جانا اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک آخر اقامت پراٹھ جانا افضل ہے اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک شروع ہی سے کھڑا ہونا افضل ہے، اور خلفائے راشدین اور عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تعامل بھی اسی پر شاہد ہے۔ ۶۸

اور اسی تعامل کی بناء پر حضرت سعید بن مسیب ؓ کا مذہب یہ ہے کہ شروع اقامت ہی سے سب کو کھڑا ہو جانا صرف مستحب نہیں بلکہ واجب ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس سے پہلے کھڑا ہونا حرام ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ فعل عبث ہے اور اس کا کوئی فائدہ نہیں، لہذا جب میں نکل آؤں تب کھڑے ہوا کرو۔ ۱۹۔

ہماری بعض کتب حنفیہ میں لکھا ہوا ہے ”ویقوم عند حی علی الفلاح“ کہ مقتدی کو چاہئے جب اقامت کہنے والا ”حی علی الفلاح“ کہے اس وقت کھڑا ہو۔ ۲۰۔

بعض لوگوں نے اس کا انتہائی مبالغہ آمیز مطلب لیا ہے، خاص طور سے ہمارے بریلوی دوستوں نے اس کے یہ معنی لئے ہیں کہ ”حی علی الفلاح“ سے پہلے کھڑا ہونا جائز نہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جب اقامت شروع ہوتی ہے تو جو لوگ پہلے کھڑے ہوتے ہیں وہ بھی بیٹھ جاتے ہیں، بیٹھنے کا خاص اہتمام کرتے ہیں اور جب مکبر ”حی علی الفلاح“ کہتا ہے تو فوراً کھڑے ہو جاتے ہیں۔ فقہاء حنفیہ کا یہ مقصود نہیں تھا، بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ ”حی علی الفلاح“ پر کوئی شخص بیٹھا نہ رہے، زیادہ سے زیادہ ”حی علی الفلاح“ پر کھڑے ہو جائیں، نہ یہ کہ ”حی علی الفلاح“ سے پہلے کھڑے ہوں تو ”یقوم عند حی علی الفلاح“

۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹۔ قال القاضی رحمہ اللہ تعالیٰ یجمع بین مختلف هذه الاحادیث بان بلا لا ؓ کان یراقب خروج النبی ؐ من حیث لا یراہ غیرہ أو الا القلیل لعند اول خروجہ یقیم ولا یقوم الناس حتی یروہ ثم لا یقوم مقامہ حتی یعدلوا الصفوف وقولہ فی رواية أبی ہریرة ؓ فیأخذ الناس مصالہم قبل خروجہ لعلہ کان مرة أو مرتین ونحوہما لبیان الجواز أو لعذر وقولہ ؓ فلا تقوم حتی ترونی کان بعد ذلک قال العلماء والنہی عن القيام قبل ان یروہ لتلا بطول علیہم القيام ولأنہ قد عرض لہ عارض فیتاخر بسببہ .

واختلف العلماء من السلف لمن بعدهم متى یقوم الناس للصلاة ومتى یکبر الإمام فمذہب الشافعی رحمہ اللہ وطائفة أنه یستحب أن لا یقوم أحد حتی یفرغ المؤذن من الإقامة .

ونقل القاضی عیاض عن مالک رحمہ اللہ وعامة العلماء أنه یستحب أن یقوموا إذا أخذ المؤذن فی الإقامة وكان انس یقوم إذا قال المؤذن قد قامت الصلوة وبہ قال أحمد رحمہ اللہ وقال أبو حنیفة ؓ والکوفیون یقومون فی الصف إذا قال حی علی الصلاة وإذا قال قد قامت الصلاة کبر الإمام وقال جمهور العلماء من السلف والخلف لا یکبر الإمام حتی یفرغ المؤذن من الإقامة الخ، شرح النووی علی صحیح مسلم ج: ۵، ص: ۱۰۳، بیروت، وفتح الباری، ج: ۲، ص: ۱۲۰، ولبعض القدیر، ج: ۱، ص: ۲۹۴، وعمدة القاری، ج: ۴، ص: ۲۱۵ .

۲۰۔ عمدة القاری، ج: ۴، ص: ۲۱۵، وفتح الباری، ج: ۲، ص: ۱۲۰، ومختصر اختلاف العلماء، ج: ۱، ص: ۱۹۶ .

کے معنی یہ ہیں کہ ”حَتَّى عَلَى الْفَلَاحِ“ تک سب کھڑے ہو جائیں، حضور اقدس ﷺ اور صحابہ کرام کے طرز عمل سے یہ بات بالکل واضح ہے۔

لہذا صحیح بات یہ ہے کہ کوئی ”حَتَّى عَلَى الْفَلَاحِ“ تک بیٹھنا چاہے تو اس کی گنجائش ہے، لیکن اس کا اہتمام کرنا کہ اگر کھڑے بھی ہیں تو بیٹھ جائیں اور ”حَتَّى عَلَى الْفَلَاحِ“ پر سب ایک دم کھڑے ہو جائیں، یہ بے اصل بات ہے۔

اس موضوع پر حضرت والد صاحب قدس اللہ تعالیٰ سرہ کا ایک مستقل رسالہ ہے ”رفع الملامۃ عن القيام عند اول القيامة“ جو جواہر الفقہ میں چھپا ہوا ہے۔ اے

(۲۴) باب : هل يخرج من المسجد لعله ؟

کیا مسجد سے کسی عذر کی بنا پر نکل سکتا ہے؟

۶۳۹۔ حدثنا عبد العزيز بن عبد الله قال : حدثنا ابراهيم بن سعيد ، عن صالح بن كيسان ، عن ابن شهاب ، عن أبي سلمة عن أبي هريرة : أن رسول الله ﷺ خرج وقد أقيمت الصلاة وعدلت الصفوف حتى إذا قام في مصلاه انتظرنا أن يكبر انصرف ، قال : على مكانكم فمكثنا على هيتنا حتى خرج إلينا ينطف رأسه ماء وقد اغتسل . [راجع : ۲۷۵]

یہ حدیث پہلے بھی گزر چکی ہے کہ تکبیر ہو چکی تھی اس کے باوجود آپ ﷺ دوبارہ گھر تشریف لے گئے اور پھر وہاں سے غسل کر کے آئے، کیونکہ یاد آیا کہ آپ ﷺ پر غسل واجب ہے۔

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب قائم کیا ہے کہ ”هل يخرج من المسجد لعله ؟“ اس سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ حدیث میں جو آیا ہے کہ جب مسجد میں اذان ہو جائے تو پھر وہاں سے نہ نکلویں یعنی ایک شخص مسجد میں ہے اور اذان ہو گئی تو اب اسے مسجد سے نہیں نکلنا چاہئے۔

امام بخاری رحمہ اللہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ اذان کے بعد بھی آدمی کسی ضرورت اور حاجت کی وجہ سے مسجد سے جاسکتا ہے، خاص طور پر جب مسجد واپس آنے کا ارادہ بھی ہو۔

”لعلہ“ کسی سبب سے یہاں سبب یہ تھا کہ آپ ﷺ کو جنابت یاد آگئی تھی۔ معلوم ہوا کہ اذان کے بعد ہی نہیں اگر اقامت کے بعد بھی کسی علت کی وجہ سے کوئی شخص باہر جانا چاہے تو اس کی گنجائش ہے۔

فقہاء کرامؒ نے جو یہ فرمایا کہ اذان کے بعد نہ نکلوا اور حضرت ابو ہریرہؓ نے ایک شخص کو دیکھا جو اذان کے بعد نکل رہا تھا تو فرمایا ”امامہذا فقد عصی ابا القاسم“۔ رواہ مسلم والأربع۔ ۲۷
یہ اس صورت میں ہے جب کوئی حاجت نہ ہو، بلا وجہ جائے، اگر کوئی حاجت ہے اور واپس آنا چاہتا ہے تو پھر جائز ہے۔

اور اگر کسی دوسری مسجد میں کسی حاجت کی وجہ سے جانا ہے اور متیقن ہے کہ وہاں جماعت مل جائے گی تو جائز ہے، اس پر تقریباً سارے فقہاء متفق ہیں۔ یہیں سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ حدیث کے عموم میں رائے سے بھی تخصیص پیدا کی جاتی ہے۔

یہ ذرا نازک بات کہہ رہا ہوں، خفی لوگ بڑے بدنام ہیں کہ یہ رائے سے حدیث کے خلاف عمل کرتے ہیں، یہ ان مواقع میں سے ہے جہاں رائے کے ذریعہ حدیث میں تخصیص پیدا کی گئی ہے۔ جب حدیث کی علت بالکل واضح ہو تو پھر تخصیص کے لئے نص کی ضرورت نہیں ہوتی۔

چنانچہ دیکھیں حضور ﷺ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے فرمایا یہ جوتے لے کر جاؤ اور جو بھی ملے اس کو جنت کی خوشخبری سناؤ۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے سنا تو روک دیا۔ اب بظاہر یہ حضور ﷺ کے خلاف کیا، لیکن یہ وہ جگہ ہے جہاں نص کے حکم میں رائے سے تخصیص کی اور علت واضح ہے کہ تھا ”لا الہ الا اللہ“ کہنا نجات ابدی اور نجات کامل کے لئے کافی نہیں، لہذا ایسا نہ ہو کہ لوگ گڑ بڑ میں مبتلا ہو جائیں، اس لئے فاروق اعظمؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو جو فرستادہ رسول تھے۔ روک دیا۔ حضور ﷺ کو اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے بھی ان پر کوئی نکیر نہیں فرمائی۔

اسی طرح خروج من المسجد کی علت بھی بالکل واضح ہے اگر اذان کے بعد نکلنا بطور اعراض ہو یا ایسے وقت نکلے کہ جماعت کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو، یا اس سے لوگوں کو جماعت میں شامل نہ ہونے کی ترغیب ہو، تو پھر منع ہے، لیکن جہاں کوئی عذر یا علت ہو تو وہاں جائز ہے۔

تو نص کے عموم میں بعض اوقات رائے سے تخصیص کی جاتی ہے جبکہ علت بالکل واضح ہو اور غیر مختلف فیہ

۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹

ہو۔ اب یہ بھی نہیں ہے کہ ہر ایک کے ہاتھ میں ہتھیرا دیدو کہ اپنی رائے سے نص میں تخصیص کرو بلکہ یہ اس وقت ہے جب علت اتنی بدیہی ہو کہ ہر آدمی سمجھ سکتا ہو اور اس میں کسی اختلاف کی گنجائش نہ ہو۔

یہاں دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اقامت اور نماز کے دوران اتنا فصل ہوا کہ آنحضرت ﷺ غسل کر کے واپس تشریف لائے، لیکن اقامت کے اعادہ کا ذکر نہیں ہے، جبکہ فقہاء یہ فرماتے ہیں کہ طویل فصل کی صورت میں اقامت کا اعادہ کرنا چاہئے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو عدم ذکر عدم شیء کو مستلزم نہیں ہوتا۔ دوسرے علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب فصل کسی دینی ضرورت سے ہو تو اعادہ کی ضرورت نہیں۔ ۳۷

(۲۶) باب الرجل للنبي ﷺ : ماصلينا

آدمی کا یہ کہنا کہ ہم نے نماز نہیں پڑھی

علامہ ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے قول کی تردید ہے۔ ان کی طرف منسوب ہے کہ انہوں نے ”ماصلیت“ کہنے کو منع فرمایا ہے۔

لیکن حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ان کا قول اس شخص کے بارے میں ہے جو نماز کے انتظار میں بیٹھا ہو، اور کوئی شخص آکر پوچھے کہ کیا تم نے نماز پڑھ لی ہے؟ اس کے جواب میں اسے ”ماصلینا“ نہیں کہنا چاہئے، بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ ابھی نماز نہیں شروع ہوئی۔ البتہ جو شخص منتظر صلوٰۃ نہ ہو اور وہ بیان واقعہ کے طور پر یہ کہے کہ میں نے نماز نہیں پڑھی تو اس میں ابراہیم نخعی رحمہ اللہ بھی کراہت نہیں سمجھتے۔ حدیث باب سے بھی اس کا جواز ثابت ہے۔ ۳۸

(۲۷) باب الإمام تعرض له الحاجة بعد الإقامة

اقامت کے بعد اگر امام کو کوئی ضرورت پیش آجائے

۶۴۲۔ حدثنا أبو معمر عبد الله بن عمرو قال : حدثنا عبد الوارث قال : حدثنا

۳۷ وقال ابن بطال : فيه رد لقول ابراهيم النخعي : بكرة أن يقول الرجل : لم نصل ، وكراهة النهي ليست على إطلاقها ، بل الناهي في حق منتظر الصلاة ، ومنتظر الصلاة في الصلاة ، فقول المنتظر : ماصلينا يقتضي نفى ما ألبته الشارح ، فلذلك كرهه ، والدليل على ذلك وأن البيهقي لو أراد الرد عليه مطلقا لصرح بذلك كما صرح بالرد

عبد العزیز بن صہیب ، عن أنس قال : أقيمت الصلاة و النبي ﷺ يناجي رجلا في

جانب المسجد فما قام الى الصلاة حتى نام القوم . [أنظر : ۶۳۳ ، ۶۲۹۲]

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ نماز کی اقامت ہوگئی اس کے بعد نبی کریم ﷺ مسجد کے ایک گوشہ میں ایک شخص کے ساتھ سرگوشی کرتے رہے ، یعنی اقامت ہوگئی لیکن آپ ﷺ کسی شخص کے ساتھ چپکے چپکے کوئی بات کرتے رہے۔

”فما قام الى الصلوة حتى نام القوم“ پھر آپ ﷺ نماز کے لئے نہیں کھڑے ہوئے یہاں تک کہ لوگ سونے لگے یعنی اتنی دیر ہوگئی کہ لوگوں کو نیند آنے لگی۔

اس پر امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب قائم کیا ہے کہ اگر امام کو اقامت کے بعد کوئی حاجت پیش آجائے اور وہ نماز شروع کرنے میں دیر کر دے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔

یہاں اس روایت میں یہ تفصیل تو نہیں ہے کہ وہ صاحب کون تھے؟ جن سے اتنی دیر تک باتیں کرتے رہے اور نماز کو ان کی وجہ سے روک رکھا، اس کی کیا وجہ تھی؟ اس روایت میں اس کی صراحت نہیں ہے، یہاں تک کہ حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہما اللہ بھی یہ کہہ گئے کہ ہمیں اس کی تشریح میں کوئی روایت نہیں ملی۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب حافظ اور عینی رحمہما اللہ جیسے لوگوں کو روایت کی تشریح نہیں ملی تو مجھے جستجو پیدا ہوئی اور میں نے کتابوں میں تلاش کرنا شروع کیا۔ بہت محنت کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ کی کتاب ”الأدب المفرد“ میں ان صاحب کا نام بھی مل گیا اور یہ بات بھی مل گئی ہے کہ انہوں نے آکر کہا یا رسول اللہ! مجھے اتنی ضروری کرنی ہے کہ اگر درمیان میں جماعت کی وجہ سے تاخیر ہوگئی تو فلاں نقصان ہو جائے گا۔ ۵۷

اس سے پتہ چلا کہ آپ ﷺ نے جو تاخیر فرمائی تھی وہ اس شخص کو نقصان سے بچانے کے لئے فرمائی تھی۔

یاد رکھیں! علم بہت محنت چاہتا ہے۔ اس ایک حدیث کی تلاش میں کتنی محنت کی گئی ”الأدب

المفرد“ میں اس حدیث کا ملنا کوئی آسان بات نہیں، اس لئے کہ ”الأدب المفرد“ میں ”کتاب الصلوة، کتاب الصوم“ وغیرہ نہیں ہیں، بلکہ اس میں آداب ہیں جن کی وجہ سے یقیناً خوب مطالعہ اور مشقت کے بعد یہ حدیث ملی ہوگی، تو درحقیقت طلب علم نام ہے نہ مٹنے والی پیاس کا۔

میرے والد ماجد رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ میرے نزدیک طالب علم وہ ہے جس کے دماغ میں ہر وقت کوئی نہ کوئی علمی مسئلہ چکر کاٹ رہا ہو، یہ نہیں کہ سبق پڑھ لیا، اب چلو کھانا کھاؤ، چھٹی ہوگئی، بلکہ جب تک کوئی خلش دل میں کھٹکتی ہو اور حل نہ ہو جائے اس وقت تک چین نہیں آتا۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کو اللہ جل جلالہ نے طلب علم کا وہ مقام بخشا تھا کہ سوائے اپنے حوائج ضروریہ کے ہر وقت علم کے ساتھ مشغول تھے۔ علماء دیوبند

کیا تھے۔ علماء دیوبند کا نام تو بہت سنا ہے اور مسلک دیوبند نام رکھ دیا ہے رد بریلویت کا، لیکن علماء دیوبند کیا ہوتے ہیں۔

اس پر حضرت والد صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں دیوبند میں ملا حسن پڑھا کرتا تھا، مطالعہ کر رہا تھا، مطالعہ کے دوران کوئی اشکال پیدا ہو گیا اگر اشکال پیدا ہوتا تو اس کے حل کرنے کا آسان طریقہ یہ تھا کہ جا کر حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ سے پوچھ لیں۔ میں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے پاس جانے کیلئے نکلا تو معلوم ہوا کہ وہ اپنی جگہ پر نہیں ہیں، جب اپنی جگہ پر نہ ہوں تو اس کا مطلب یہ تھا کہ کتب خانہ میں ہوں گے، کوئی تیسری جگہ نہیں تھی، چنانچہ میں کتب خانہ پہنچ گیا۔

دارالعلوم دیوبند میں کتب خانہ اس طرح تھا جس طرح ہمارے ہاں دارالعلوم میں ہے کہ نیچے دارالافتاء اور اوپر گیلری۔ والد صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں دروازہ سے داخل ہوا تو دیکھا کہ حضرت اوپر بیٹھے ہیں، میرے ہاتھ میں ملا حسن کتاب تھی۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ والد صاحب رحمہ اللہ سے بہت محبت فرمایا کرتے تھے۔ والد صاحب رحمہ اللہ کا قد و قامت، جثہ ذرا چھوٹا تھا اس لئے وہ انھیں ”ملا مختصر“ کہتے تھے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اوپر سے دیکھا اور کہا ہاں بھائی ملا مختصر! کیسے آنا ہوا؟

حضرت! ایک مسئلہ حل نہیں ہوا، وہ پوچھنے آیا ہوں، پوچھا کون سی کتاب ہے؟ کہا حضرت ملا حسن۔ فرمایا پڑھو کہاں شبہ پیدا ہوا۔ حضرت والد صاحب رحمہ اللہ نے نیچے کھڑے عبارت پڑھی، ابھی صرف وہ عبارت پڑھی تھی جہاں شبہ پیدا ہوا تھا، شبہ کو بیان نہیں فرمایا تھا۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا اچھا تو تمہیں یہاں شبہ ہوا ہوگا اور پھر شبہ کی تقریر فرمائی، خود ہی شبہ کی تقریر فرمانے کے بعد فرمایا اس کا ایک جواب یہ ہے، دوسرا یہ ہے اور تیسرا یہ ہے۔

اللہ جلّٰلہ نے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کو ایسا حافظہ بخشا تھا کہ ایک زمانہ میں بھوپال گئے اور وہاں رمضان المبارک گزرا، وہاں کوئی کتاب نہیں تھی، ان لوگوں سے کہا بھائی! مجھے کوئی کتاب پڑھنے کے لئے لا دو، فتح القدیر شرح ہدایہ وہاں تھی، بس سارے رمضان میں ”فتح القدیر“ ختم کر ڈالی، مطالعہ کر لی۔

چنانچہ وہ ساری فتح القدیر یاد تھی، بعض اوقات فتح القدیر کے حوالے اس طرح سناتے جیسے قرآن کریم سنار ہے ہوں۔ والد صاحب فرماتے ہیں ایک مرتبہ فتح القدیر کی دو تین منٹ تک لمبی چوڑی عبارت پڑھی۔ طالب علم حیرانگی سے دیکھنے لگے، جب پڑھ چکے تو فرمایا جاہلین! یہ سمجھتے ہو کہ رات دیکھ کر آیا ہوں، دس سال پہلے ”بھوپال“ میں ”فتح القدیر“ مطالعہ کی تھی اس وقت کی یاد ہے، اللہ جلّٰلہ نے ایسی قوت حافظہ عطا فرمائی تھی۔

حضرت والد صاحب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ حضرت شاہ صاحب بیمار تھے، رات میں یہ افواہ پھیل گئی کہ حضرت شاہ صاحب کا انتقال ہو گیا ہے۔ ہم بڑے پریشان ہوئے کہ رات کے وقت جائیں اور خبر

غلط ہو تو گھر والوں کو تکلیف ہوگی، بڑی مشکل سے فجر تک انتظار کیا، نماز فجر پڑھتے ہی ہم گئے۔

والد صاحب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں اور علامہ عثمانی اور ایک دو اور بزرگ تھے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے مکان پر پہنچے، معلوم ہوا کہ حضرت باحیات ہیں، سوچا آئے ہیں تو عیادت بھی کر لیں، معلوم ہوا کہ گھر میں ایک حجرہ تھا جس میں ایک تخت بچھا ہوا تھا حضرت وہاں ہیں۔

وہاں جا کر دیکھا کہ حضرت تخت پر دو زانو بیٹھے ہوئے ہیں اور سامنے چوکی پر ایک کتاب رکھی ہے اور جہک کر اس کے مطالعہ میں مصروف ہیں، ابھی پوری روشنی بھی نہیں ہوئی تھی۔ فجر کے متصل بعد ہم لوگ گئے تھے اس لئے جھک کر کتاب کے نزدیک ہو کر مطالعہ کر رہے ہیں۔ خیر ہم پہنچے، سلام دعا ہوئی، صاحب ”فتح الملہم“ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے شاگرد تو نہیں تھے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے شاگرد تھے، اس لحاظ سے استاذ بھائی تھے لیکن چونکہ قرن میں متاخر تھے، اس لئے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ سے استاذوں جیسا معاملہ تھا اور ساتھ ساتھ بے تکلفی بھی تھی۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ سے کہنے لگے کہ حضرت! آپ نے ہمارے بہت سے مسائل حل کئے ہیں اب ایک مسئلہ اور حل کر دیں؟

حضرت نے فرمایا کہ کیا مسئلہ ہے؟ کہا حضرت! پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ کو اس وقت کون سا ایسا مسئلہ درپیش ہو گیا ہے جس کی آپ نے تحقیق نہیں کر رکھی؟ کیونکہ سب مسائل تحقیق شدہ آپ کے ذہن میں پہلے سے موجود ہیں، اگر کوئی ایسا مسئلہ ہے جس کی ابھی تک تحقیق نہیں ہوئی ہے تو کیا کوئی فوری ضرورت کا مسئلہ ہے کہ باہر خبر وفات مشہور ہو رہی ہے اور آپ مطالعہ میں مصروف ہیں، اور اگر ایسی فوری نوعیت کا مسئلہ ہے تو ہم کہاں مر گئے ہیں، آپ ہم میں سے کسی کو حکم دیدیتے کہ اس مسئلے کی تحقیق کر کے بتا دو، یہ جو آپ اپنی جان پر ظلم کر رہے ہیں کہ بیماری کی حالت میں صبح فجر کے بعد جبکہ روشنی بھی پوری طرح نہیں ہوئی، مشکل سے کتاب دیکھ رہے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ یہ مسئلہ حل نہیں ہو رہا ہے آپ حل کر دیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے منہ اٹھایا اور کہا، ہاں بھائی ٹھیک ہے ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہئے، لیکن کیا کروں یہ بھی ایک ”روگ“ ہے، یہ بھی ایک بیماری ہے، اس کے بغیر چین نہیں آتا۔ یہ ہے ”طلب العلم من المہد الی اللحد“ جب یہ پیدا ہو جاتی ہے تو پھر اللہ ﷻ علم کا کچھ حصہ عطا فرماتے ہیں اور جب یہ نہ ہو تو علم بڑی بے نیاز چیز ہے۔

وہ ”انلزمکموها وانتم لها کارہون“ کا قائل نہیں ہے، اگر آدمی اس سے بے نیاز ہو تو وہ اس کو اپنا ذرہ بھی نہیں دیتا ”تلك امانیہم فان العلم لا يعطیک بعضہ حتی تعطیہ کلک“۔

حافظ رحمہ اللہ نے لکھ دیا کہ مجھے اس آدمی کا پتہ نہیں چلا۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چین نہیں آیا، دل چاہا کہ تلاش کروں، پتہ نہیں کتنی محنت اٹھائی، تب جا کر ”الأدب المفرد“ میں حدیث ملی۔

اللہ ﷻ طلب علم کا یہ ذوق پیدا فرمادیں، (آمین) جب یہ ذوق پیدا ہو جائے گا تو یقین کریں کہ اس کائنات میں اس سے زیادہ لذیذ کوئی چیز نہیں ہے۔
اگر میں قسم اٹھاؤں تو حائث نہیں ہوں گا کہ اس کائنات میں طلب علم سب سے زیادہ لذیذ چیز ہے بشرطیکہ طلب علم کی حقیقت حاصل ہو جائے۔

(۲۸) باب الکلام اذا اقيمت الصلاة

اقامت ہو جانے کے بعد کلام کرنے کا بیان

۶۳۳۔ حدثنا عياش بن الوليد قال: حدثنا عبد الاعلى قال: حدثنا حميد قال: سألت ثابتاً البناني عن الرجل يتكلم بعد ما تقام الصلاة، فحدثني عن أنس بن مالك قال: أقيمت الصلاة فعرض للنبي ﷺ رجل فحبسه بعد ما أقيمت الصلاة. [راجع: ۶۳۲]
یہ بظاہر وہی واقعہ ہے جو پہلے بیان ہوا ہے کہ آپ کو ایک آدمی نے اقامت کے بعد روک لیا تھا۔

(۲۹) باب وجوب صلاة الجماعة

نماز باجماعت کے واجب ہونے کا بیان

”وقال الحسن: إن منعه أمه عن العشاء في الجماعة شفقة عليه لم يطعها“.
۶۳۴۔ حدثنا عبد الله بن يوسف قال: أخبرنا مالك عن أبي الزناد عن الأعرج، عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ قال: ”والذي نفسي بيده، لقد هممت أن آمر بحطب ليحطب ثم آمر بالصلاة فيؤذن لها، ثم آمر رجلاً فيؤم الناس، ثم أخالف إلى رجال فأحرق عليهم بيوتهم: والذي نفسي بيده لو يعلم أحدكم أنه يجد عرقاً سمينا أو مرماتين حسنتين لشهد العشاء“ . [أنظر: ۶۵۷، ۲۳۲۰، ۲۲۲۳] ۷

۷۔ وفي صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب فضل صلاة الجماعة وبيان التشديد في التخلف عنها، رقم: ۱۰۳۰، وسنن الترمذی، كتاب الصلاة، باب ماجاء في من يسمع النداء فلا يجيب، رقم: ۲۰۱، وسنن النسائی، كتاب الامامة، باب التشديد في التخلف عن الجماعة، رقم: ۸۳۹، وسنن أبي داود، كتاب الصلاة باب في التشديد في ترك الجماعة، رقم: ۴۶۱، وسنن ابن ماجه، كتاب المساجد والجماعات، باب التغليظ في التخلف عن الجماعة، رقم: ۷۸۳، ومسند أحمد، بابي مسند المكثرين، باب مسند أبي هريرة، رقم: ۷۵۷۵، ۷۸۰۲، ۷۹۰۸، ۸۳۴۱، ۸۵۳۵، ۹۸۲۶، وموطأ مالك، كتاب النداء للصلاة، باب فضل صلاة الجماعة على صلاة الفرد، رقم: ۲۶۶، وسنن الدارمی، كتاب الصلاة، باب فيمن تخلف عن الصلاة، رقم: ۱۲۳۳.

ترک جماعت پر وعید

یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، مجھے خیال ہوا تھا کہ میں حکم دوں کہ لکڑیاں جمع کی جائیں، پھر حکم دوں کہ نماز کے لئے اذان دی جائے پھر ایک شخص کو حکم دوں کہ اقامت کرے، پھر میں ایسے لوگوں کے پاس جاؤں جو جماعت میں حاضر نہیں ہوتے، ان کے گھروں کو آگ لگا دوں۔

پھر فرمایا ”والذی نفسی بیدہ لو يعلم احدہم انه یجد عرفاً سمیناً الخ“ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر ان میں سے کسی کو پتہ ہو کہ اس کو ایک موٹی ہڈی یا بکریوں کے اچھے کھل جائیں گے تو وہ عشاء کی نماز میں ضرور حاضر ہو۔

یہ منافقین کی بات ہو رہی ہے جو عشاء کی نماز میں نہیں آتے تھے لیکن ذرا سے دنیاوی نفع کے لئے آجائیں اور میں جو کہہ رہا ہوں کہ آخرت کے اعتبار سے اس کی اتنی فضیلت ہے اس کی وجہ سے نہیں آتے، تو یہ منافقین کا شیوہ فرمایا۔

”میرماتین“ مرعاء کے معنی بعض نے بکری کے کھر سے کئے ہیں، بعض نے کہا کہ اس کی کروٹ میں ایک بوٹی ہوتی ہے اور بعض نے کہا کہ یہ وہ تیر ہے جس کی دھار نہیں ہوتی اور تیر اندازی کی مشق کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ تو یہ منافقین ذرا سے دنیا کے فائدے کے لئے آنے کو تیار ہیں اور آخرت کے لئے تیار نہیں ہیں۔

اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ نے ”صلاة الجماعة“ کے وجوب پر استدلال کیا ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا واجب ہے، کیونکہ اس میں سخت وعید ہے کہ ان کے گھروں کو آگ لگا دوں۔

فقہاء کرام کی ایک جماعت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک واجب ہے بلکہ وہ اسے صحتِ صلاۃ کی شرط کہتے ہیں یعنی اگر اکیلے نماز پڑھی اور جماعت چھوڑ دی تو نماز ہی نہیں ہوگی، یہ ان کی ایک روایت ہے۔ ان کی دوسری روایت جو مفتی بہ ہے وہ یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا واجب ہے، اگرچہ صحتِ صلاۃ کے لئے شرط نہیں ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ اس کو فرض کفایہ اور سنت علی العین قرار دیتے ہیں۔
حنفیہ کے ہاں بعض واجب کہتے ہیں بعض سنت مؤکدہ کہتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں سنت مؤکدہ کا اعلیٰ درجہ اور واجب کا ادنیٰ درجہ برابر ہوتے ہیں، اس لئے کوئی اختلاف نہیں۔ حضرت نے یہ تحقیق فرمائی ہے کہ جن لوگوں نے واجب کہا ہے انہوں نے اس بات پر نظر رکھی کہ اتنی وعیدیں آئی ہیں اور جنہوں نے واجب کہنے سے انکار کیا اور سنت مؤکدہ کہا انہوں نے اس

پر نظر رکھی کہ بہت سے اعذار ہیں جس کی وجہ سے ترک جماعت جائز ہے جن میں بعض معمولی معمولی عذر ہیں جیسے کھانا سامنے آ گیا تو ترک جماعت جائز ہے، تو انہوں نے کہا کہ واجبات کی یہ شان نہیں ہوتی کہ معمولی معمولی اعذار کی بنا پر ان کا وجوب ساقط ہو جائے، لہذا انہوں نے اس کو سنت مؤکدہ قرار دیا، لیکن یہ کہتے ہیں کہ اس کا ترک بالاتفاق بہت ہی شدید اور موجب اثم ہے، اگر بغیر عذر کے ہو، البتہ اعذار کی لمبی چوڑی فہرست ہے اگر ان اعذار کی بنا پر ترک جماعت ہو جائے تو ان شاء اللہ معاف ہے۔

اس لئے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اختلاف درحقیقت تعبیر کا اختلاف ہے، مآل کار کے اعتبار سے زیادہ فرق نہیں۔ اسی بنیاد پر روایات سے ایک طرف جماعت کے معاملہ میں تغلیظ اور تشدید معلوم ہوتی ہے اور دوسری طرف معمولی اعذار کی وجہ سے ترک جماعت کی اجازت بھی مفہوم ہوتی ہے۔

(۳۰) باب فضل صلاة الجماعة،

نماز باجماعت کی فضیلت کا بیان

”وكان الأسود اذا فاتته الجماعة ذهب إلى مسجد آخر . وجاء انس إلى مسجد

قد صلى فيه فاذن واقام وصلى جماعة“.

یہ باب جماعت کی فضیلت کے بارے میں ہے آگے فرمایا کہ اسود بن یزید جو تابعی ہیں اگر ان کی نماز ایک مسجد میں نکل جاتی تو وہ دوسری مسجد میں جماعت کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے چلے جاتے تھے۔ آگے ایک اور بات ذکر کی کہ حضرت انس ؓ ایک ایسی مسجد کے پاس آئے جس میں نماز ہو چکی تھی، آپ ؓ نے وہاں اذان کہی، اقامت کہی اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھی۔

جماعت ثانیہ کا حکم

اس اثر سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے جماعت ثانیہ کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ دوسرا استدلال ترمذی کی حدیث سے ہے کہ آپ ؓ نے نماز پڑھی بعد میں ایک شخص اندر داخل ہوا جس سے جماعت چھوٹ گئی تھی، آپ ؓ نے فرمایا ہے کہ: ”ایکم یتجر علی هذا“ کوئی جو ان کے ساتھ نماز پڑھے اور اجر حاصل کرے؟ ۷۷

حضرت ابو بکر صدیق ؓ نفل کی نیت سے ان کے ساتھ کھڑے ہو گئے اور جماعت کرائی، تو یہ مسجد میں

جماعت ثانیہ ہوئی۔ یہ دو دلیلیں ہیں جن سے حضرات حنابلہ جماعت ثانیہ کے جواز پر استدلال کرتے ہیں۔
 امام مالک، امام شافعی اور امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ تینوں اس پر متفق ہیں کہ عام حالات میں جس مسجد میں جماعت ہو چکی ہو اس میں جماعت ثانیہ جائز نہیں، مکروہ ہے، لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ اس مسجد کی بات ہے جس میں امام اور مؤذن مقرر رہوں، البتہ جو مسجدیں راستہ پر بنی ہوئی ہیں جن میں امام اور مؤذن مقرر نہیں ہوتے، وہاں یہی ہوتا ہے کہ جماعتیں آتی رہتی ہیں اور جماعت سے نمازیں پڑھتی رہتی ہیں، تو ایسی جگہ پڑھ سکتے ہیں۔^۸
 دوسری بات یہ ہے کہ تداعی کے بغیر ہو، جس کی حد یہ ہے کہ مقتدی اور امام مل کر چار سے زائد نہ ہوں اور مسجد کے محراب سے ہٹ کر ایسی جگہ جماعت کریں جو ایک کنارہ سا ہو، اور اذان و اقامت نہ کہے تو بھی جائز ہے لیکن جہاں اندیشہ ہو کہ پوری جماعت کھڑی ہو جائے گی وہاں نہیں کرنا چاہئے۔

عدم جواز پر جمہور کی دلیل یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے عہد مبارک میں اس ایک واقعہ کے سوا جس میں آپ ﷺ نے فرمایا ”ایکم یتجر علی ہذا“ کہیں اور تکرار جماعت کا ذکر نہیں ہے، بلکہ خود حضور اقدس ﷺ کا عمل یہ منقول ہے۔

معجم طبرانی کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ باہر قباء وغیرہ تشریف لے گئے تھے، واپس تشریف لائے تو جماعت ہو چکی تھی، روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ”فمال علی منزله مجمع اہلہ وصلی بہ“۔ گھر تشریف لے گئے، گھر والوں کو جمع کیا اور ان کو نماز پڑھائی تو مسجد نبوی کی فضیلت کو ترک کر کے گھر میں جماعت کرائی۔^۹

مصنف ابن ابی شیبہ میں ایک روایت آتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جب جماعت رہ جاتی تھی تو وہ اپنے گھروں کے زوایا میں جا کر پڑھتے تھے، کہیں یہ منقول نہیں ہے کہ باقاعدہ جماعت ہوتی تھی، اگر یہ عمل درست ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہوتا۔

پیچھے جو حدیث گزری ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا میرا دل چاہتا کہ امام کو کھڑا کروں اور جا کر ان کے گھروں کو لوگ لگا دوں جو جماعت میں نہیں آتے۔ اگر جماعت ثانیہ جائز ہوتی تو ان کے پاس عذر ہوتا کہ ہم

۸۔ وقال مالک والشافعی: اذا كان المسجد علی طریق الإمام له أن یجمع فیہ قوم بعد قوم، وحاصل مذهب الشافعی أنه: لا یکرہ فی المسجد المطروق، وکذا غیرہ إن بعد مکان الإمام ولم یخف فیہ۔ عمدة القاری، ج: ۴، ص: ۲۳۱۔

۹۔ عن عبد الرحمن بن ابی بکرۃ عن ابیہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقبل من بعض نواحی المدینة یرید الصلاة فوجد الناس قد صلوا فذهب الی منزله فجمع اہلہ ثم صلی بہم، المعجم الأوسط للطبرانی، ج: ۷، ص: ۵۱، رقم: ۶۸۲۰۔

دوسری جماعت کر لیں گے، تو یہ سب جمہور کے دلائل ہیں اور جہاں تک حضرت انس رضی اللہ عنہ کے واقعہ کا تعلق ہے، تو اس میں غالب یہ ہے کہ وہ مسجد طریق تھی، جس کی دو دلیلیں ہیں۔

ایک دلیل یہ ہے کہ انہوں نے اذان بھی کہی اور اقامت بھی کہی اور جو جماعت ثانیہ کو جائز کہتے ہیں وہ بھی بغیر اذان اور اقامت کے جائز کہتے ہیں۔ اذان اور اقامت کے ساتھ جماعت ثانیہ کا دنیا میں کوئی بھی قائل نہیں ہے، لہذا انہوں نے جو اذان اور اقامت کہی تو لازماً یہ مسجد طریق ہوگی اور ایک روایت سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے، مسند ابویعلیٰ میں ہے کہ انہوں نے جس مسجد میں نماز پڑھی تھی اس کا نام مسجد بنو ذریق تھا اور یہ مدینہ منورہ کی مشہور مساجد میں شامل نہیں۔

جہاں تک حضرت انس رضی اللہ عنہ کے واقعہ کا تعلق ہے تو عین ممکن ہے کہ یہ مسجد مسجد طریق ہی ہو، اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ مسند ابویعلیٰ میں تصریح ہے کہ یہ مسجد بنی ثعلبہ تھی، اور اس نام سے مدینہ طیبہ میں کوئی معروف مسجد نہیں، اس سے ظاہر یہی ہوتا ہے کہ یہ مسجد طریق تھی، نیز اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ خود حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ”إن اصحاب رسول الله ﷺ كانوا إذا فاتتهم الجماعة صلّوا في المسجد فرادی“ یہ جماعت ثانیہ کی نفی پر بالکل صریح ہے۔

تو ایسا لگتا ہے کہ یہ راستہ کی مسجد تھی اور اس میں امام اور مؤذن مقرر نہیں تھے، اس لئے اذان اور اقامت بھی کہی اور جماعت بھی کی، تو اس سے جماعت ثانیہ کے جواز پر استدلال درست نہیں۔

نیز مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ صراحت بھی ہے کہ اس وقت جب جماعت کی تو آگے کھڑے ہونے کے بجائے وسط میں کھڑے ہوئے، جس کے معنی یہ ہیں کہ انہوں نے ہیئت تبدیل کردی اور حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر ہیئت تبدیل کردی جائے، جماعت محراب سے ہٹ کر ہو اور اذان و اقامت بھی نہ ہو تو پھر جائز ہے۔ ۵۰

خلاصہ یہ ہے کہ یہ مسجد طریق تھی یا یہ کہہ لیا جائے کہ یہ واقعہ ”حال یسْطرق علیہا احتمالات کثیرہ“ لہذا محض اس کی بنیاد پر جماعت ثانیہ کا جواز نہیں ہوگا۔

اور مصلحت کی بات بھی یہ ہے کہ جب جماعت ثانیہ کا رواج ہو جاتا ہے تو لوگوں کے دل سے جماعت

۵۰۔ وعن أبي يوسف رحمه الله في الكبير: أنها تجوز بدون الأذان والإقامة إذا لم تكن في موضع الإمام، ولعل ترك الأذان والإقامة مع ترك موضع الإمام لتغييرها عن هيئة الجماعة الأولى، وفي ظاهر الرواية أنها مكروهة. لم ان رواية أبي يوسف رحمه الله محلها فيمن فاتتهم الجماعة لأنهم تعمّدوا ذلك أو تعودوا، أما الراس من فلا دليل فيه لما في مصنف ابن أبي شيبه أنه جمع بهم وقام وسطهم ولم يتقدم عليهم فدل أنه قصد تغيير الشكلة كما فعله أبو يوسف رحمه الله، غير أن أبا يوسف رحمه الله غيرها بترك الأذانين وموضع الإمام، فيض الباری، ج: ۲، ص: ۹۳.

اولیٰ کی اہمیت کا احساس مٹ جاتا ہے کہ چلیں دوسری جماعت میں شریک ہو جائیں گے وہ نہ ملی تو تیسری میں شریک ہو جائیں گے۔ جہاں جماعت ثانیہ کا رواج ہے وہاں لوگ جماعت میں شریک ہونے میں سستی کرتے ہیں، اس لئے بھی جماعت ثانیہ جماعت اولیٰ کے وقار کے خلاف ہے۔^{۵۱}

(۳۱) باب فضل صلوٰۃ الفجر فی جماعة

فجر کی نماز جماعت سے پڑھنے کی فضیلت کا بیان

۶۵۰۔ حدثنا عمر بن حفص قال: حدثنا أبي قال: الأعمش قال: سمعت سالما

قال: سمعت أم الدرداء تقول: دخل علي أبو الدرداء وهو مغضب فقلت: ما أغضبك؟ فقال: والله ما أعرف من أمة محمد ﷺ شيئاً إلا أنهم يصلّون جميعاً.^{۵۲}

حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ آپ کو کس چیز نے غضبناک کیا ہے؟ فرمایا اللہ کی قسم میں نبی کریم ﷺ کے معاملات میں سے آج کل کچھ بھی نہیں پہچانتا سوائے اس کے کہ لوگ جماعت سے نماز پڑھ لیتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جماعت سے نماز تو پڑھ لیتے ہیں اور یہ اچھی بات ہے لیکن دین کے بقیہ احکام میں اب نبی کریم ﷺ کی اتباع نظر نہیں آرہی ہے، اس لئے غصہ آرہا ہے۔

۶۵۱۔ حدثنا محمد بن العلاء قال: حدثنا أبو أسامة عن بريد بن عبد الله،

عن أبي بردة عن موسى قال: قال النبي ﷺ: أعظم الناس أجراً في الصلاة أبعدهم فأبعدهم ممشي، والذي ينتظر الصلاة حتى يصلّيها مع الإمام أعظم أجراً من الذي يصلّي ثم ينام.^{۵۳}

فرماتے ہیں کہ نماز میں سب سے زیادہ اجر حاصل کرنے والا وہ ہے جو چلنے کے اعتبار سے دور رہتا ہو، جتنا دور سے چل کر آئے گا اتنا ہی زیادہ ثواب ملے گا۔

۵۱۔ ومالك وأبو حنيفة والأوزاعي لاتعاد الجماعة في مسجد له امام راتب في غير ممر الناس فمن فاتته الجماعة صلى منفرداً لئلا يفرض الى اختلاف القلوب والعداوة والتهاون في الصلاة مع الامام ولانه مسجد له امام راتب ففكره فيه اعادة الجماعة كمسجد النبي ﷺ، المغني، ج: ۲، ص: ۵۰.

۵۲۔ وفي مسند أحمد، مسند الأنصار، باب باقي حديث أبي الدرداء، رقم: ۲۰۷۱۱، ومسند القبائل، باب من حديث أبي الدرداء عويمر، رقم: ۲۶۲۲۸.

۵۳۔ وفي صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب فضل كثرة الخطا الى المساجد، رقم: ۱۰۶۴.

اور وہ شخص جو نماز کا انتظار کرے یہاں تک کہ امام کے ساتھ دوسری نماز پڑھے اور اس شخص کے مقابلہ میں زیادہ عظیم اجر والا ہے جو نماز پڑھ کر سو جاتا ہے، مثلاً ایک شخص نے مغرب کی نماز پڑھی اور اس کے بعد عشاء کی نماز کے انتظار میں جاگ رہا ہے یہ زیادہ ثواب والا ہے بہ نسبت اس شخص کے جو نماز پڑھ کر سو جائے اور پھر اٹھ کر عشاء کی نماز پڑھے۔

دور سے چل کر آنے کی جو فضیلت بیان کی گئی ہے اس کی بنیاد پر بعض لوگوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ چھوٹے چھوٹے قدم لینے چاہئیں اس لئے کہ جتنے زیادہ قدم ہوں گے اتنے ہی درجات بلند ہوں گے اور گناہ معاف ہوں گے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ کہیں ثابت نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ جو جتنی دور سے آئے گا اتنی ہی مشقت ہوگی اور مشقت کے بقدر اجر ملے گا۔

(۳۲) باب فضل التہجیر الی الظہر

ظہر کی نماز اول وقت پڑھنے کی فضیلت کا بیان

۶۵۲۔ حدثنا قتیبہ عن مالک، عن سمي مولى أبي بكر، عن أبي صالح السمان، عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ قال: بينما رجل يمشي بطريق وجد غصن شوك على الطريق فأخذه فشكر الله له فغفر له [راجع: ۶۱۵ و أنظر: ۲۴۷۲]

جب کسی ”منون“ لفظ کے ساتھ صفت معرف بالام آرہی ہو تو وہاں تنوین کے نون کو ظاہر کر کے پڑھنا چاہئے، یہاں ”عن أبي صالح السمان“ نہیں پڑھے گے بلکہ ”عن أبي صالح السمان“ پڑھیں گے۔

(۳۳) باب احتساب الآثار

نیک کام میں ہر قدم پر ثواب ملنے کا بیان

۶۵۵۔ حدثنا محمد بن عبد الله بن حوشب قال: عبد الوهاب قال: حدثنا حميد عن أنس قال: قال النبي ﷺ يا بني سلمة، ألا تحثيمون آثاركم؟ وقال: مجاهد في قوله: ﴿وَنُكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ﴾ [يس: ۱۲] قال: خطاهم. [أنظر: ۶۵۶، ۷۱۸۷] ۵۴

۵۴۔ وفي سنن ابن ماجه، كتاب المساجد والجماعات، باب الأبعد فالأبعد من المسجد أعظم أجراً، رقم: ۷۷۶۔
ومسند أحمد، باقي مسند المكثرين، باب مسند أنس بن مالك، رقم: ۱۱۵۹۲، ۱۲۳۱۱، ۱۳۲۷۔

بنو سلمہ مدینہ منورہ سے کچھ فاصلہ پر رہتے تھے، تقریباً ایک ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر ان کا گھر تھا۔ ان کو مسجد نبوی میں آنے میں دیر لگتی تھی اس لئے انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ ہم اپنے گھر وہاں سے ختم کر کے مسجد کے قریب بنالیں تاکہ آنے جانے میں آسانی ہو۔ اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”یابنی سلمہ، ألا تحبون آثارکم؟“ کیا تم اپنے آثار کے اجر کا حساب نہیں کرتے ہو؟ چنانچہ آگے روایت میں اس کی صراحت ہے۔

۶۵۶۔ وحدثنا ابن أبي مریم: أخبرنا يحيى بن أيوب حدثني حميد عن انس ان بني سلمة أرادوا أن يتحولوا عن منازلهم فينزلوا قريباً من النبي ﷺ قال: ففكره النبي ﷺ أن يعبروا المدينة فقال: ألا تحسبون آثارکم؟ قال مجاهد: خطاهم آثارهم والمشي في الأرض بأرجلهم. [راجع: ۶۵۵]

”ان بنی سلمہ“ بکسر اللام ہے۔ ”آرادوا أن يتحولوا عن منازلهم“ انہوں نے اپنے گھروں سے منتقل ہونے کا ارادہ کیا ”فينزلوا من النبي ﷺ“ قال: ففكره النبي ﷺ ان يعبروا المدينة“ حضور نبی کریم ﷺ نے اس بات کو ناپسند فرمایا کہ وہ لوگ مدینہ منورہ کو خالی چھوڑ دیں۔

”اعریٰ — یعریٰ“ کا معنی ہے بے لباس چھوڑ دینا، خالی چھوڑ دینا۔ مراد یہ ہے کہ جس جگہ یہ رہتے تھے اگر یہ وہاں سے اپنی بستی ختم کر کے قریب آکر آباد ہوں گے تو اس کے نتیجے میں مدینہ منورہ کا آباد رقبہ کم ہو جائے گا اور نبی کریم ﷺ یہ نہیں چاہتے تھے کہ مدینہ منورہ کی آبادی اس طرح سمٹ جائے کہ وہ چھوٹا سا قصبہ ہو کر رہ جائے اس واسطے آنحضرت ﷺ نے اس کو ناپسند فرمایا لیکن جیسا کہ پہلے ذکر کیا یہ ایک ثانوی وجہ تھی۔

اس سے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ مسجد سے گھر دور بنانا اس لئے افضل ہے تاکہ آنے میں زیادہ مسافت قطع کرے اور اس سے اجر میں اضافہ ہو لیکن یہ استدلال اس لئے درست نہیں کہ:

دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر

ہر آدمی کے حالات مختلف ہوتے ہیں، حضور اقدس ﷺ کو پتہ تھا کہ یہ اگر چہ دور رہیں گے لیکن پھر بھی مسجد نبوی ”علی صاحبه الصلاة والتسليمات“ میں حاضر ہوتے رہیں گے اور پابندی کریں گے، پابندی تو ہر حال میں کرنی ہے۔ اگر یہ قریب آگئے تو یہ اس مسافت والے ثواب سے محروم ہو جائیں گے، اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں وہیں رہو تاکہ تمہارا ثواب جاری رہے۔ اگر ہم لوگ اس خیال سے دور چلے جائیں تو یہ شیطان کا دھوکہ ہوگا کیونکہ دور جا کر مسجد کی حاضری میں یقیناً فرق آئے گا۔

(۳۵) باب: اثنان فما فوقهما جماعة

دو یا دو سے زیادہ آدمی جماعت کے حکم میں داخل ہیں

۶۵۸۔ حدثنا مسدد قال: حدثنا يزيد بن زريع قال: حدثنا خالد، عن أبي قلابة، عن مالك بن الحويرث عن النبي ﷺ قال: إذا حضرت الصلاة فأذنا وأقيما ثم ليؤمكما أكبركما. [راجع: ۶۲۸]

آپ ﷺ نے فرمایا ”لیؤمكما أكبركما“ معنی یہ ہیں کہ دو آدمی بھی مل کر جماعت کر سکتے ہیں۔

(۳۸) باب إذا أقيمت الصلاة فلا صلاة إلا المكتوبة

جب نماز کی تکبیر ہو جائے تو سوائے نماز کے اور کوئی نماز نہیں

یہ باب قائم کیا ہے کہ جب فرض نماز کی اقامت ہو جائے تو پھر سوائے فرض نماز کے کوئی نماز مشروع نہیں یہ خود ایک حدیث کا جملہ ہے لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے وہ حدیث روایت نہیں کی، شاید اس وجہ سے کہ وہ ان کی شرط پر نہیں تھی، اس وجہ سے اس کو ترجمۃ الباب بتادیا۔

۶۶۳۔ حدثنا عبد العزيز بن عبد الله قال: حدثنا ابراهيم بن سعد، عن أبيه، عن حفص بن عاصم، عن عبد الله بن مالك بن بحينة قال: مر النبي ﷺ برجل قال: وحدثني عبد الرحمن قال: حدثنا بهز بن اسد قال: حدثنا شعبة قال أخبرني سعد ابن ابراهيم قال: سمعت حفص بن عاصم قال: سمعت رجلا من الأزد يقال له: مالك بن بحينة، أن رسول الله ﷺ لا ث به الناس فقال له رسول الله ﷺ رأى رجلا وقد أقيمت الصلاة يصلي ركعتين، فلما انصرف رسول الله ﷺ لا ث به الناس فقال له رسول الله ﷺ الصبح أربعاً؟ الصبح أربعاً؟ تابعه عندر ومعاد عن شعبة عن مالك وقال: ابن اسحاق عن سعد عن حفص عن عبد الله بن بحينة. وقال حماد: أخبرنا سعد عن حفص عن مالك. ۵۵، ۵۶

۵۵ لا يوجد للحديث مكررات.

۵۶ وفي صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب كراهة الشروع في نافلة بعد شروع المؤذن، رقم:

۱۱۶۲، وفي سنن ابن ماجه، كتاب اقامة الصلاة والسنة فيها، باب ماجاء في اذا أقيمت الصلاة فلا صلاة الا المكتوبة،

رقم: ۱۱۳۳، ومسنند أحمد، باقي مسند الأنصار، باب حديث عبد الله بن مالك ابن بحينة، رقم: ۲۱۸۳۳، وسنن

الدارمي، كتاب الصلاة، باب اذا أقيمت الصلاة فلا صلاة الا المكتوبة، رقم: ۱۳۱۳.

”عن عبد اللہ عن مالک بن بحینہ قال: مرّ النبی ﷺ برجل“ ابھی متن پورا نہیں ہوا۔ درمیان میں امام بخاری رحمہ اللہ نے تحویل کردی ”قال وحدثنی عبد الرحمن قال“، حفص کہتے ہیں کہ میں نے ایک ایسے صاحب کو حدیث سناتے ہوئے سنا جس کا نام مالک بن نحسینہ تھا۔

اب یہ صراحۃً غلط ہے، اس میں کسی راوی سے شدید وہم ہوا ہے، اس کے مطابق حدیث کے راوی مالک بن نحسینہ ہیں حالانکہ اصل راوی مالک بن نحسینہ کے بیٹے عبد اللہ بن مالک بن نحسینہ ہیں جیسا کہ روایت میں ہے حفص بن عاصم کے بعد ”عن عبد اللہ بن مالک بن بحینہ“ تو یہاں راوی حدیث عبد اللہ بن مالک بن نحسینہ ہیں، مالک بن نحسینہ تو مسلمان ہی نہیں ہوئے، یہ کسی راوی کا وہم ہے۔

یہاں یہ بھی یاد رکھیں کہ نحسینہ ان کے دادا کا نام نہیں ہے بلکہ ان کی والدہ کا نام ہے اور یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ بعض اوقات کسی شخص کو ماں باپ دونوں کی طرف منسوب کیا جاتا ہے تاکہ دوسروں سے ممتاز کیا جائے۔ جیسے ”محمد بن علی ابن حنفیہ“ حضرت علی رضی اللہ عنہ والد اور حنفیہ والدہ ہیں، ایسی صورت میں دونوں مرفوع ہوتے ہیں۔ ”محمد بن علی بن حنفیہ“ یہاں بھی اسی طرح ہے ”عبد اللہ بن مالک بن بحینہ“۔

اگر ”عبد اللہ بن مالک بن بحینہ“ پڑھیں گے تو غلط ہو جائے گا، کیونکہ اس صورت میں ابن نحسینہ مالک کی صفت بن جائے گی اور معنی ہوگا مالک بیٹے ہیں نحسینہ کے، حالانکہ وہ شوہر ہیں، اس لئے مرفوع پڑھنا چاہئے۔

فرماتے ہیں کہ ”ان رسول اللہ ﷺ رأى رجلا وقد اقمیت الصلاة یصلی رکعتین“ جماعت کھڑی ہو چکی تھی یعنی اقامت ہو چکی تھی، آپ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ دو رکعتیں پڑھ رہا ہے۔

”فلما انصرف رسول اللہ ﷺ“ جب آپ ﷺ فارغ ہوئے، ”لا تبه الناس“ تو لوگ اس کے ارد گرد اکٹھے ہو گئے، ”فقال له رسول اللہ ﷺ الصبح اربعاً؟“ کیا صبح کی چار رکعت پڑھ رہے ہو؟

اس باب سے جو مسئلہ متعلق ہے وہ یہ ہے کہ ظہر، عصر، عشاء اور تبعاً مغرب، ان کے بارے میں تمام ائمہ کرام کا اتفاق ہے کہ جب اقامت ہو جائے تو کسی بھی شخص کو سنت میں مشغول نہ ہونا چاہئے بلکہ آکر جماعت میں شامل ہونا چاہئے لیکن فجر کی نماز کے بارے میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔

اقامت صلوٰۃ کے بعد فجر کی سنتیں اور اختلاف فقہاء

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ بھی اصح القولین میں اس بات کے قائل ہیں کہ اگر فجر کی جماعت کھڑی ہو گئی تو کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ سنتوں میں مشغول ہو بلکہ سیدھا آکر جماعت میں شامل

ہونا چاہئے۔

امام مالک رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک رکعت ملنے کی توقع ہو تو خارج مسجد جا کر سنتوں میں مشغول ہونا چاہئے یعنی دو شرطیں ہیں: ایک خارج مسجد ہونا اور ایک رکعت کی توقع۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا صحیح قول بھی یہی ہے اور ظاہر الروایۃ بھی یہی ہے کہ دو شرطوں کے ساتھ سنتوں میں مشغول ہونا جائز ہے: ایک یہ کہ پوری رکعت ملنے کی توقع ہو اور دوسری یہ کہ خارج مسجد ادا کی جائیں، مسجد میں نہیں۔

امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر ایک پوری رکعت ملنے کی توقع نہیں ہے لیکن قعدہ اخیرہ میں شامل ہو جانے کی توقع ہو، تب بھی سنت فجر میں مشغول ہو جانا جائز ہے یعنی یہ اندازہ ہے کہ رکعت تو نہیں ملے گی لیکن سلام سے پہلے پہلے جا کر قعدہ میں شامل ہو جاؤں گا تب بھی مشغول ہو جائے تو جائز ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ نے پہلی شرط میں تو توسع کیا ہے لیکن دوسری شرط خارج مسجد میں توسع نہیں کیا، یعنی مسجد سے باہر ہی پڑھے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ نے دوسری شرط میں توسع کر دیا، انہوں نے کہا کہ خارج مسجد تو جائز ہے ہی، لیکن داخل مسجد بھی جائز ہے بشرطیکہ صفوف جماعت سے دور کسی گوشہ میں ہو۔ ۵۷

اس سے پتہ چلا کہ آج کل جو طریقہ ہے کہ عین جماعت کی پچھلی صف میں یا دو تین صفوں کے فاصلے پر

۵۷ وقال الامام أبو حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ علی ما تقرر عندی من مذہبہ انہ یرکعہما خارجہ بشرط ادراک رکعة ، ولعل التخصیص بالرکعتین والاجتہاد ناظر الی مثل حدیث من ادراک رکعة فقد ادراک الصلاة ولا رواية عنه فی داخل المسجد وهذا هو المذهب عندی كما فی الجامع الصغیر والبدائع ، واختاره صاحب الهدایة وصرحوا به فی باب ادراک الفریضة وصرح به علماء المذاهب الأخری ایضا كالقسطانی من الشافعية وابن الرشد والباہجی من المالکية، ثم وسع محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فی ادراک رکعة وأجاز بهما عند ادراک القعدة ایضا ، ثم مشایخنا رحمہم اللہ تعالیٰ وسعوا بهما فی المسجد ایضا وأظن ان اول وسع بهما فی المسجد هو الطحاوی لمذهب الی جوازهما فی ناحية المسجد بشرط الفصل بينهما وبين المكتوبة حتی لا یعدوا أصلا بينهما وبين المكتوبة وهو مثار النهی عنده ، ولعلک علمت أن القیدین الذین کان صاحب المذهب ذکرهما ارتفع أحدهما بتوسیع محمد رحمہ اللہ تعالیٰ والآخر بتوسیع الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ ، أما أنا فاعمل بمذهب الامام أبی حنیفة وقد أفتی به الناس غیر انی لا انا ذع من صلاحهما فی المسجد . والول لعله أخذ بقول محمد رحمہ اللہ تعالیٰ والطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فقد علمته ، وتمسکه من حدیث الباب فانه يدل علی النهی عن الصلاة بعد الإقامة مطلقا سواء کان فی المسجد أو خارجه ، فیض الباری ، ج: ۲، ص: ۱۹۸، وعمدة القاری ، ج: ۳، ص: ۲۵۷.

سنتیں پڑھی جاتی ہیں یہ کسی بھی مذہب میں جائز نہیں ہے۔ راجح تو یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اصل مذہب پر عمل کیا جائے۔ محققین حنفیہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کو ترجیح دی ہے، اگرچہ علامہ شامی رحمہ اللہ نے ضعفاء کا خیال کرتے ہوئے امام طحاوی رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ دیا ہے، لیکن ہمارے محققین حنفیہ جن میں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ بھی داخل ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں نہیں مانتا، وہ امام حنفیہ رحمہ اللہ کے اصل مذہب کے قائل ہیں کہ ایک رکعت ملنے کی توقع ہو اور خارج مسجد ہو۔

دوسری بات یہاں یہ بھی سمجھ لیں کہ امام طحاوی رحمہ اللہ نے جوازِ اویہ مسجد میں پڑھنے کی اجازت دی ہے وہ اس زمانہ میں دی ہے جب لاؤڈ اسپیکر نہیں ہوتا تھا اور اویہ میں پڑھنے سے امام کی آواز کے ساتھ تعارض نہیں ہوتا تھا، لیکن اب جبکہ لاؤڈ اسپیکر میں نماز ہو رہی ہے ایسی صورت میں مجھے مسجد میں پڑھنے کے جواز میں شک ہے، کیونکہ اس میں آوازوں کا تعارض ہوتا ہے اس لئے بہتر یہی ہے کہ مسجد سے باہر پڑھی جائیں، تو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تو بالکل اس کے جواز کے قائل ہی نہیں وہ کہتے ہیں کہ جب فرض کی تکبیر شروع ہوگئی ”فلا صلوة الا المکتوبة“ اب گھر میں پڑھنا بھی جائز نہیں، ان کے نزدیک یہ ایک آسانی ہے کہ سنتیں طلوع آفتاب سے پہلے پڑھی جاسکتی ہیں، اس لئے وہ کہتے ہیں فرض میں شامل ہو جائے اور سنتیں بعد میں پڑھے۔

حنابلہ کا استدلال ہے ”أقيمت الصلاة فلا صلوة الا المکتوبة“ یہ عام ہے کہ جب بھی اقامت ہو اس میں فجر وغیرہ کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ حنفیہ اور مالکیہ نے بیہقی کی ایک روایت سے استدلال کیا ہے جس میں ”الا لفجر“ کا استثنیٰ آیا ہے لیکن وہ انتہائی ضعیف ہے، قابل استدلال نہیں قرار دی گئی۔ اکثر محدثین نے اس کو ضعیف کہا ہے، اگرچہ علامہ عینی رحمہ اللہ نے اس کو قابل استدلال بنانے کے لئے زور لگایا ہے، لیکن وہ ضعیف ہے۔

حنفیہ اور مالکیہ کا استدلال بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار پر مبنی ہے، نیز ابوداؤد کی ایک حدیث جس میں نبی کریم ﷺ نے فجر کی تاکید فرمائی ہے۔ ”لا تدعوهم اولا ولو طردتكم الخيل“ اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے حضرت عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ عمر رضی اللہ عنہم ان تینوں سے منقول ہے کہ یہ نماز فجر قائم ہونے کے بعد سنت پڑھ لیا کرتے تھے اور اس پر امام طحاوی اور ابن ابی شیبہ رحمہما اللہ نے یہ آثار روایت کئے ہیں کہ:

عن ابن مسعود: انه دخل المسجد وقد أقيمت صلاة الصبح فركع ركعتي الفجر الى اسطوانة بمحضر حذيفة وأبي موسى: قال ابن بطلال: و روى مثله عن عمر بن الخطاب وأبي الدرداء وابن عباس، وعن ابن عمر انه أتى المسجد لصلاة الصبح فوجد الامام يصلي فدخل بيت حفصة فصلى ركعتين ثم دخل في صلوة الامام. وعن

ابن ابی شیبہ عن ابراہیم کان یقول : ان بقی من صلاتک شئی

فأتئمہ ، و عنہ اذا افتتحت الصلاة تطوعا و أقيمت الصلاة فاتم . ۵۸

مگر اکثر سے یہ منقول ہے کہ یہ خارج مسجد پڑھتے تھے، صرف ایک حضرت مسروق رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ وہ کسی زاویہ مسجد میں بھی پڑھ لیتے تھے، حضرت سعید ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ابن عمر شیبہ نے نقل کیا کہ وہ مسجد کے دروازے کے آس پاس پڑھ لیتے تھے۔ امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس کو اختیار کرتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ زاویہ مسجد میں پڑھ لے۔ فرماتے ہیں کہ فقہاء صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل مستقل دلیل ہے اور حدیث کے ایک راوی خود حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہیں جب وہ خود یہ عمل کر رہے ہیں تو معلوم ہوا کہ فجر میں فی الجملہ گنجائش ہے مگر گنجائش اتنی ہی ہے جتنی عرض کی۔

یہاں حدیث نقل کی ہے کہ حضور ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا جو اقامت کے بعد دو رکعتیں پڑھ رہا تھا یہ فجر کا واقعہ ہے۔ آپ ﷺ نے اس پر نکیر فرمائی۔ مالکیہ اور حنفیہ کہتے ہیں کہ نکیر کی وجہ یہ تھی کہ وہ صف کے بالکل پاس کھڑا تھا، اگر باہر زاویہ میں پڑھتے تو آپ ﷺ نکیر نہ فرماتے کیونکہ بعد میں دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر عمل کیا ہے۔

یہ تو جیہ کی گئی ہے اگرچہ حدیث باب میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے لیکن اگر اس تو جیہ کو مان لیا جائے تو صف کے قریب کی ممانعت معلوم ہوگئی، لہذا اس سے احتراز ضروری ہے۔

(۳۹) باب حد المريض أن يشهد الجماعة

مريض کسی حد تک کی بیماری میں حاضر باجماعت ہو

۶۶۳۔ حدثنا عمر بن حفص قال : حدثني أبي قال : حدثنا الأعمش عن ابراهيم :

قال الأسود : كنا عند عائشة رضي الله عنها فذكرنا المواظبة على الصلاة والتعظيم لها، قالت لما مرض رسول الله ﷺ مرضه الذي مات فيه فحضرت الصلاة فأذن فقال : مروا أبا بكر فليصل بالناس، فقليل له : أن أبا بكر رجل أسيف إذا قام في مقامك لم يستطع أن يصلي بالناس. واعد فاعدوا له ، فاعد الثالثة فقال : إنكن صواحب يوسف، مروا أبا بكر فليصل بالناس فخرج أبو بكر يصلي فوجد النبي ﷺ من نفسه خفة فخرج يهادى بين رجلين كاني أنظر رجله يخطان الأرض من الرجوع ، فاراد أبو بكر أن يتأخر فإوما إليه

النبي ﷺ أن مكانك ثم أتى به حتى جلس إلى جنبه. فقیل للأعمش: وكان النبي ﷺ يصلي وأبو بكر يصلي بصلابه والناس يصلون بصلاة أبي بكر، فقال: برأسه: نعم رواه أبو داود عن شعبة عن الأعمش بعضه وزاد أبو معاوية عن الأعمش: جلس عن يسار أبي بكر فكان أبو بكر يصلي قائما [راجع: ۱۹۸]

۲۶۵- حدثنا ابراهيم بن موسى قال: أخبرنا هشام بن يوسف، عن معمر، عن الزهري، قال: أخبرني عبيد الله بن عبد الله قال: قالت عائشة: لما ثقل النبي ﷺ واشتد وجعه استأذن أزواجه أن يمرض في بيتي فأذن له، فخرج بين رجلين تخط رجلاه الأرض. وكان بين العباس ورجل آخر. قال عبيد الله بن عبد الله: فذكرت ذلك لابن عباس ما قالت عائشة. فقال لي: وهل تدري من الرجل الذي لم تسم عائشة؟ قلت: لا قال: هو علي بن أبي طالب [راجع: ۱۹۸]

اس ترجمۃ الباب میں بعض نسخوں میں ”حد“ کا لفظ ہے اور ”حد“ کے معنی ہیں جس میں مریض کے لئے گنجائش ہے کہ وہ جماعت میں نہ آئے۔ بعض لوگوں نے اس حد کی تشریح اس طرح کی ہے کہ مرض کی وہ کوئی حد ہے کہ جس کے بعد ترک جماعت جائز ہو جاتا ہے اور اس میں حضور اکرم ﷺ کی مرض الوفا کا واقعہ نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ دو آدمیوں کے سہارے مسجد میں تشریف لائے۔

بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ یہ ”حد“ نہیں ہے بلکہ ”جد“ ہے ”باب جد المریض ان يشهد الجماعة“ مریض کا کوشش کرنا کہ وہ کسی طرح جا کر جماعت میں شامل ہو جائے، گویا ایسا کرنا مستحب ہے، باعث اجر ہے کہ اگرچہ بیماری کی وجہ سے رخصت تھی لیکن عزیمت پر عمل کرتے ہوئے مسجد میں چلا آتا ہے اور حدیث اس کے بھی مناسب ہے کہ حضور اکرم ﷺ دو آدمیوں کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر تشریف لائے۔

لیکن زیادہ تر نسخوں میں ”حد“ کا لفظ ہے اس لئے ”حد“ کو مد نظر رکھتے ہوئے ترجمۃ الباب کی یہ توجیہ مجھے زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے کہ مرض کی وہ کوئی حد ہے کہ اس تک پہنچنے کے باوجود آدمی کے لئے جماعت میں حاضر ہونا افضل اور ترک جماعت جائز ہو جاتا ہے، ہر اس وقت کہ جب آدمی کو شدید مشقت ہو اور مرض کے ازدیاد کا اندیشہ ہو لیکن ایک حد ایسی آتی ہے کہ پھر اس کے لئے مسجد جانا جائز نہیں رہتا۔ اگر مرض اتنا شدید ہو گیا کہ اندیشہ ہے کہ اگر مسجد چل کر جائے گا چاہے دوسرے اٹھا کر لے جائیں تو وہ مرجائے گا تو ایسی حالت میں مسجد جانا جائز نہیں۔

تو کہنا یہ چاہ رہے ہیں کہ وہ حد کہ جس حد تک آدمی مسجد میں جا کر نماز پڑھ سکتا ہے کہ دوسروں کے سہارے چلا جائے اور دوسروں کے سہارے جانے سے اس کے ازدیاد مرض کا کوئی اندیشہ نہ ہو۔

اگر پہلی توجیہ لیں کہ وہ کون سی حد ہے جس میں ترک جماعت جائز ہوتا ہے اور اس میں یہ حدیث لے کر آئے تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا چاہئے کہ جب تک آدمی دو آدمیوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر آنے پر قادر ہو، تب بھی آئے اس کے لئے ترک جماعت جائز نہیں، حالانکہ یہ کسی کا مسلک نہیں ہے اس لئے مجھے دوسری توجیہ جو ابھی ذکر کی وہ زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

”اسیف“ اس کے معنی ہیں رقیق القلب۔

اس بات کو سمجھ لیجئے کہ جب حضور اکرم ﷺ تشریف لائے تو صدیق اکبر ﷺ نے پیچھے ہٹنا چاہا، مقصد یہ تھا کہ اب آپ ﷺ اگر نماز پڑھائیں تو حضور اکرم ﷺ نے ان کو اشارہ کیا کہ اپنی جگہ پر رہو ”ثم اتی بہ“ پھر آپ ﷺ کو لایا گیا ”حتی جلس الی جنبہ“ یہاں تک کہ آپ ﷺ ان کے برابر میں بیٹھ گئے۔ حضرت اعمش سے ان کے شاگرد نے پوچھا کہ کیا مطلب ہے کہ ”وکان النبی ﷺ یصلی وأبو بکر یصلی بصلوتہ“ کہ نبی اکرم ﷺ نماز پڑھا رہے تھے اور حضرت ابو بکر ﷺ آپ ﷺ کی نماز کی اقتداء کر رہے تھے ”والناس یصلون بصلوت ابی بکر“ اور لوگ حضرت ابو بکر صدیق ﷺ کی نماز کی اقتداء کر رہے تھے۔ ”فقال برا سہ۔ نعم“ تو حضرت اعمش نے اشارہ سے کہا کہ ہاں یہی بات تھی۔

اس میں روایات مختلف ہیں کہ اس موقع پر جب حضور اکرم ﷺ تشریف لائے تو آیا آپ نے نماز پڑھائی یا صدیق اکبر ﷺ نے نماز پڑھانا جاری رکھا اور آپ ﷺ نے ان کی اقتداء کی۔ زیادہ تر روایتوں میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے نماز پڑھائی، صدیق اکبر ﷺ نے جہاں سے قرأت چھوڑی تھی اس کے بعد سے حضور ﷺ نے شروع کی اور صدیق اکبر ﷺ نے دوسرے صحابہ کرام ﷺ تک تکبیرات کو منتقل کیا، لیکن بعض روایتوں میں یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے منع کر دیا تھا کہ تم اپنی جگہ پر رہو اور خود قریب جا کر بیٹھ گئے اور صدیق اکبر ﷺ نے اپنی امامت جاری رکھی۔ ۵۹

بعض حضرات نے ان روایات میں تطبیق کا طریقہ اختیار کیا ہے اور کہا ہے کہ اصل میں یہ دونوں الگ الگ واقعات ہیں:

ایک واقعہ میں صدیق اکبر ﷺ کے بجائے حضور اکرم ﷺ امام بن گئے تھے۔

دوسرے واقعہ میں حضرت صدیق اکبر ﷺ نے نماز جاری رکھی تھی۔

تو دونوں الگ الگ واقعات ہیں اور الگ الگ نمازوں کے ہیں، لہذا کوئی تعارض نہیں علامہ یعنی رحمہ اللہ کا رجحان اسی طرف ہے، کیونکہ جن روایات میں حضرت صدیق اکبر ﷺ کی امامت کا ذکر ہے سند اقویٰ ہیں، مثلاً ترمذی کی روایت ”صلی خلف ابی بکر فی مرضہ الذی مات فیہ قاعدا“ نیز وہ فرماتے ہیں کہ

ایک واقعے میں آپ ﷺ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سہارے سے آئے تھے اور دوسرے واقعے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور نوبہ رضی اللہ عنہ کے سہارے سے، جیسا کہ ابو حاتم نے روایت کیا ہے۔ ۵۰ اور بعض حضرات نے اس کو ترجیح دی ہے کہ جس روایت میں آیا ہے کہ اس کے بعد حضور اقدس ﷺ نے نماز شروع کر دی اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بطور مقتدی کھڑے رہے، اس کو دو وجہوں سے ترجیح دی۔

ایک تو یہ کہ ایسی روایات کی کثرت ہے، دوسری یہ ہے کہ ایسی روایات کرنے والے زیادہ ثقہ ہیں اور تیسرے یہ کہ آپ آگے دیکھیں گے ”باب هل يأخذ الامام الشك“ اور ”فجاء النبی ﷺ جلس عن يسار ابي بكر“ جب آپ ﷺ تشریف لائے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بائیں جانب بیٹھے، تو اگر مقتدی ہوتے تو دائیں جانب بیٹھے تو اس کی وجہ سے بھی اس کو ترجیح دی ہے کہ آپ ﷺ امام بن گئے تھے، اس کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اقتدا کی۔

جب یہ بات طے ہو گئی کہ حضور اقدس ﷺ نے امامت شروع کر دی تھی تو یہاں یہ سوال پیدا ہوا کہ امام جب نماز پڑھا رہا ہو اور اس کو کوئی حدیث وغیرہ لاحق ہو جائے تب تو بالا جماع جائز ہے کہ وہ استخلاف کرے یعنی اپنے میں سے کسی شخص کو آگے کھڑا کر دے کہ تم میری جگہ امامت کرو، لیکن اگر امام کو کوئی عذر نہ ہو، نہ حدیث لاحق ہو، نہ کوئی اور عذر لاحق ہو، تو اس صورت میں بلا وجہ استخلاف جائز نہیں۔

حنفیہ کے نزدیک جب بلا وجہ کسی کو کہا جائے کہ تم نماز پڑھاؤ، تو اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اگرچہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوتی۔

امام شافعی رحمہ اللہ اسی واقعہ سے استدلال کرتے ہیں کہ اس صورت میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو کوئی عذر نہیں تھا لیکن انہوں نے حضور ﷺ کو استخلاف کیا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں نماز ہی نہیں ہونگی اور وہ اس واقعہ کو نبی ﷺ کی خصوصیت پر محمول کرتے ہیں اور خصوصیت یہ ہے کہ جب سرکارِ دو عالم ﷺ تشریف فرما ہوں تو اس وقت میں آپ ﷺ کا نماز پڑھنا ہی افضل ہے اور امت کے لوگوں کو چاہئے کہ حتی الامکان آپ ﷺ کی اقتدا کریں۔ اس وجہ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹے اور حضور ﷺ نے آگے بڑھ کر نماز پڑھائی۔ تو یہ آپ ﷺ کی خصوصیت تھی، آپ ﷺ کے لئے درست تھا، دوسروں کے لئے جائز نہیں۔

(۴۰) باب الرخصة في المطر والعلة أن يصلي في رحله

بارش اور عذر کی بناء پر گھر میں نماز پڑھ لینے کی اجازت کا بیان

۶۶۶۔ حدثنا عبد الله بن يوسف قال : أخبرنا مالك ، عن نافع : أن ابن

عمر اذن بالصلاة في ليلة ذات برد وريح ، ثم قال : الا صلوا في الرحال .
قال : ان رسول الله ﷺ كان يامر المؤذن إذا كانت ليلة ذات برد ومطر يقول : الا
صلوا في الرحال . [راجع : ۶۳۲]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے رات کے وقت میں اذان دی، سردی تھی اور ہوا تیز چل رہی تھی اذان پوری دینے کے بعد اعلان کرایا ”الا صلوا فی الرحال“ اور ساتھ کہا حضور ﷺ ایسا ہی کرتے تھے۔ عبداللہ بن عباسؓ کی روایت پیچھے گزری ہے اور آگے بھی آرہی ہے کہ مؤذن ابھی ”حی علی الصلاة“ تک ہی پہنچا تھا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بس ابھی اعلان کر دو۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اذان پوری نہیں ہوئی تھی کہ اس سے پہلے ہی ”صلوا فی الرحال“ کا اعلان کر دیا۔ یہ عبداللہ بن عباسؓ کا عمل ہے۔

دونوں میں بظاہر راجح عبداللہ بن عمرؓ کا عمل ہے جس کا قرینہ یہ ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ انتہائی شدید التمسک مشہور ہیں۔ جو بات انہوں نے نبی کریم ﷺ سے سن لی یاد دیکھ لی تو اس کو مضبوطی سے پکڑ لیتے، اجتہاد اور قیاس زیادہ نہیں کرتے تھے اور عبداللہ بن عباسؓ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ اصحاب اجتہاد ورائے میں سے تھے یعنی ان کے اپنے استنباطات اور قیاسات بھی بہت ہیں، اسی لئے عبداللہ بن عمرؓ کے عزائم مشہور ہیں اور عبداللہ بن عباسؓ کے رخص مشہور ہیں۔

عبداللہ بن عمرؓ صاحب العزائم ہیں اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ صاحب الرخص ہیں۔ تو جب دونوں میں تعارض ہو جاتا ہے تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی بات روایت زیادہ صحیح سمجھی جاتی ہے کیونکہ وہ اپنے قیاس سے کچھ نہیں کرتے تھے، لہذا جب انہوں نے پوری اذان دینے کے بعد ”الا صلوا فی الرحال“ کا اعلان فرمایا، تو معلوم ہوا کہ یہ حدیث کے زیادہ مطابق ہے۔

بخلاف حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے کہ ہو سکتا ہے انہوں نے اپنی رائے سے یہ زیادہ کر دیا کہ ”حی علی الصلاة“ پر پہنچے تو کہیں لوگ یہ نہ سمجھیں کہ اب آنا واجب ہو گیا، لہذا ابھی فوراً اعلان کرو ”الا صلوا فی الرحال“۔

۶۶۷۔ حدثنا اسما عیل قال : حدثني مالك ، عن ابن شهاب عن محمود بن الربيع الأنصاري : أن عتبان بن مالك كان يؤم قومه وهو أعمى ، وأنه قال لرسول الله ﷺ يا رسول الله إنها تكون الظلمة والسيول وأنا رجل ضريب البصر ، فصل يا رسول الله في بيتي مكانا اتخذهُ مصلى ، فجاءه رسول الله ﷺ فقال : أين تحب أن أصلي فأشار إلي مكان من البيت فصلى فيه رسول الله ﷺ [راجع : ۴۲۴]

(۳۱) باب هل یصلی الإمام بمن حضر وهل یخطب یوم

الجمعة فی المطر؟

کیا امام جس قدر لوگ موجود ہیں ان ہی کے ساتھ نماز پڑھے اور

کیا جمعہ کے دن بارش میں بھی خطبہ پڑھے یا نہیں؟

۶۲۸ - حدثنا عبد اللہ بن عبد الوہاب قال : حدثنا حماد بن زید قال : حدثنا

عبد الحمید صاحب الزیادی قال : سمعت عبد اللہ بن الحارث قال : خطبنا ابن عباس فی یوم ذی ردغ فأمر المؤذن لما بلغ حی علی الصلاة قال : قل : الصلاة فی الرحال فنظر بعضهم الی بعض كأنهم انکروا فقال : كأنکم أنکرتم هذا أن هذا فعله من هو خیر منی . یعنی النبی ﷺ إنها عزمة وإنی کرهت أن أخرجکم . وعن حماد ، عن عاصم ، عن عبد اللہ بن الحارث ، عن عباس نحوه غیر أنه قال : کرهت أن أؤثمکم فتجیئون تدوسون الطین الی رکبکم . [راجع : ۶۱۶]

”کرهت أن أؤثمکم“ میں نے اس بات کو ناپسند کیا کہ میں تمہیں گنہگار کروں ، اس طرح کہ تم اس حالت میں آؤ کہ کچڑ کو اپنے گھٹنوں تک روند رہے ہو۔

اس میں گنہگار ہونے کی کیا بات ہے ”کرهت أن أؤثمکم؟“ جواب یہ ہے اس طرح کہ جب مشقت اٹھا کر آؤ گے کہ گھٹنے تک کچڑ میں لت پت ہوں گے ، تو دل میں یہ خیال پیدا ہوگا کہ ہم اگر نماز کو نہ آتے تو اس میں نہ مبتلا ہوتے ، یہ بات باعث اثم ہو جائے گی۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس پر ترجمۃ الباب قائم کیا ہے کہ ”هل یصلی الإمام بمن حضر؟ وهل

یخطب یوم الجمعة فی المطر؟“

دوسری روایات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ واقعہ یوم الجمعہ کا تھا۔ پہلے معلوم ہوا کہ جہاں مطر کی حالت میں بیچ وقتہ نماز میں جائز ہے کہ آدمی گھر میں پڑھے لے تو جمعہ کے اندر بھی اگر شدید بارش ہو رہی ہو تو ترک جمعہ کا عذر ہے یعنی گھر میں ظہر پڑھے۔

دوسرا یہ کہ اگر جمعہ ہے اور اعلان کر دیا ”الأصلوا فی الرحال“ کہ گھر میں رہو لیکن کچھ لوگ اگر مسجد

میں آگئے تو جو لوگ مسجد میں موجود ہیں ان کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے اور جب جمعہ ہے تو خطبہ دینا بھی جائز ہے، حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے ایسا ہی کیا کہ اوروں کو تو منع کر دیا لیکن جو لوگ موجود تھے، ان کے ساتھ نماز بھی پڑھی اور خطبہ بھی دیا۔

۶۶۹۔ حدثنا مسلم قال: حدثنا هشام، عن يحيى، عن أبي سلمة، قال: سألت أبا سعيد الخدري فقال: جاءت سحابة فمطرت حتى سأل السقف وكان من جرید النخل فاقسمت الصلاة فرأيت رسول الله ﷺ يسجد في الماء والطين حتى رأيت أثر الطين في جبهته. [أنظر: ۸۱۳، ۸۳۶، ۲۰۱۶، ۲۰۱۸، ۲۰۲۷، ۲۰۳۶، ۲۰۴۰، ۹]

یہ رمضان کی اکیسویں شب تھی، جس میں یہ واقعہ پیش آیا اور وہاں لیلۃ القدر میں بھی آئے گی۔

سوال: اس روایت میں حضور ﷺ کی امامت کا ذکر ہے اور ابو بکر ؓ کو پیچھے کیا، جبکہ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف ؓ نے امامت کی۔

جواب: حضرت عبدالرحمن بن عوف ؓ کی امامت کا واقعہ الگ ہے، اس کا اس واقعہ سے کوئی تعلق نہیں۔

۶۷۰۔ حدثنا آدم قال: حدثنا شعبة قال: حدثنا أنس بن سيرين قال: سمعت أنسا يقول: قال رجل من الأنصار: إني لا أستطيع الصلاة معك، وكان رجلا ضخما، فصنع للنبي ﷺ طعاما فدعاء إلى منزله فبسط له حصيرا، ونضح طرف الحصر فصلى عليه ركعتين فقال: رجل من آل الجارود لأنس أكان النبي ﷺ يصلي الضحي؟ قال: ما رأيته صلاحا إلا يومئذ. [أنظر: ۱۱۷۹، ۶۰۸۰، ۹]

یہ بھی وہی عثمان بن مالک ؓ کا واقعہ ہے کہ انہوں نے کہا کہ وہ ذرا موٹے آدمی ہیں، دور سے آنا مشکل ہوتا ہے تو آپ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی، البتہ ابن ماجہ کی روایت میں یہاں ”بعض عمومة أنس“ وارد ہے اور حضرت عثمان ؓ حضرت انس ؓ کے چچا نہیں تھے، البتہ چونکہ دونوں کا تعلق قبیلہ خزرج سے ہے، اس لئے مجاز اُس کو چچا کہنے کا احتمال ہے۔ ۹۳

۹۱۔ وفي صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب فضل ليلة القدر والحث على طلبها وبیان محلها وأرجى، رقم: ۱۰۹۹۳، ومسند أبي داود، كتاب الصلاة، باب السجود على الألف، رقم: ۷۷۷، ومسند أحمد، باقي مسند المكثرين، باب مسند أبي سعيد الخدري، رقم: ۱۰۶۱۰، ۱۰۷۵۷، ۱۱۱۵۱، ۱۱۲۷۹.

۹۲۔ وفي سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب الصلاة الحصر، رقم: ۵۶۱، ومسند أحمد، باقي مسند المكثرين، باب مسند أنس بن مالك، رقم: ۱۱۸۸۰، ۱۳۵۸۷.

۹۳۔ فتح الباری، ج: ۲، ص: ۱۵۸.

بہر کیف آپ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اجازت دی مگر عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اجازت نہیں دی، انہوں نے کہا کہ میں دور رہتا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اذان کی آواز سنتے ہو، انہوں نے کہا جی ہاں، تو آپ ﷺ نے فرمایا، نہیں پھر آؤ، حالانکہ وہ بھی اعمیٰ تھے۔ تو وجہ یہ ہے کہ عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اذان کی آواز سنتے تھے وہ اور بھی دور ہوں گے، جہاں آواز نہیں سنتے ہوں گے۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہاں کہا ”رجلا ضخما“ ان کا بدن بھاری تھا، تو ایک تو نابینا تھے، دوسرا ان کا بدن بھاری تھا، تو آنے میں دشواری تھی، تیسرے دور بھی زیادہ، جبکہ عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اعمیٰ تو ضرور تھے لیکن ان کے بارے میں روایات میں یہ نہیں ہے کہ ان کا بدن بھاری تھا یا ان کا فاصلہ ان سے زیادہ تھا۔ ۹۴

(۴۲) باب اذا حضر الطعام وأقيمت الصلاة،

اگر کھانا آجائے اور نماز کی اقامت ہو جائے

”وكان ابن عمر يبدأ بالعشاء وقال: ابو الدرداء من فقه المرء اقباله على حاجته حتى يقبل على صلاته وقلبه فارغ“.

۶۷۱۔ حدثنا مسدد قال: حدثنا يحيى، عن هشام، قال: حدثني أبي قال: سمعت عائشة عن النبي ﷺ أنه قال: ”اذا وضع العشاء وأقيمت الصلاة فأبدؤا بالعشاء“۔ [انظر: ۵۴۶۵] ۹۵

۶۷۲۔ حدثنا يحيى بن بكير قال: حدثنا الليث عن عقيل عن ابن شهاب، عن أنس بن مالك أن رسول الله ﷺ قال: ”اذا قدم العشاء فأبدؤا به قبل أن تصلوا صلاة المغرب ولا تعجلوا عن عشاءكم“۔ [انظر: ۵۴۶۳]

۶۷۳۔ حدثنا عبيد بن اسماعيل، عن أبي أسامة، عن عبيد الله، عن نافع، عن ابن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: ”اذا وضع عشاء أحدكم وأقيمت الصلاة فأبدؤا بالعشاء ولا يعجل حتى يفرغ منه“۔ وكان ابن عمر يوضع له الطعام وتقام الصلاة

۹۴ وراجع فیض الباری ج: ۲، ص: ۲۶۰.

۹۵ وفي صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب كراهة الصلاة بحضرة الطعام الذي يريد أكله في الحال، رقم: ۸۶۷، وسنن ابن ماجه، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب إذا حضرت الصلاة ووضع العشاء، رقم: ۹۲۵، ومسند احمد، باقی مسند الأنصار، باب حديث السيدة عائشة، رقم: ۲۲۹۹۰، ۲۳۱۱۲، ۲۳۳۳۲، وسنن الدارمی، كتاب الصلاة، باب إذا حضر العشاء وأقيمت الصلاة، رقم: ۱۲۳۹.

فلا يأتيها حتى يفرغ وإنه يسمع قراءة الإمام . [أنظر : ٦٤٣ ، ٥٣٦٢]

٦٤٣۔ وقال زهير و وهب بن عثمان عن موسى بن عقبة ، عن نافع ، عن ابن عمر قال : قال النبي ﷺ : ” اذا كان أحدكم على الطعام فلا يعجل حتى يقضى حاجته منه وان أقيمت الصلاة “ . رواه ابراهيم بن المنذر عن وهب بن عثمان ، و وهب مدني .

یہ حدیث ہے جس میں آیا ہے کہ جب عشاء اور عشاء دونوں ایک ساتھ آجائیں تو عشاء کو مقدم کرو۔ اس کی وجہ بعض نے یہ بیان کی ہے کہ یہ اس صورت میں ہے کہ جب کھانے کے خراب ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ جب بھوک زیادہ لگ رہی ہو۔ تو تمام اقوال میں قول فیصل یہ ہے کہ اصل مدار اس پر ہے کہ آیا نماز میں مشغول ہونے سے ذہن کھانے کی طرف لگا رہے گا یا نہیں، اگر کھانے کی طرف ذہن لگا رہے گا تو پہلے کھانا کھالے اور ایسی صورت میں یہ ترک جماعت کا بھی عذر ہے، لیکن اگر خیال یہ ہے کہ نہیں، تو پھر اس صورت میں نماز کو مقدم کرنا جائز ہے۔

بعض اہل ظاہر یہ کہتے ہیں کہ اگر کھانا آجانے کی صورت میں کوئی نماز پڑھے گا تو نماز ہی نہیں ہوگی۔ یہ ابن حزم کا قول ہے، اوروں میں سے کسی نے یہ قول نہیں کیا۔

اصل بات وہی ہے جو میں نے عرض کی کہ بنیاد اشتغال ذہن ہے، یا یہ کہ مہمان ہے اس کے لئے کھانے کا انتظام کیا اور وہ ایک دم اس کو چھوڑ کر جماعت کے لئے چلا گیا، اب اس بیچارے کے لئے زبردست زحمت ہے، کھانا ٹھنڈا ہو گیا، اب آگ جلانے، دوبارہ گرم کرے تو ایسی صورت میں یہ جائز ہے۔ پھر ایک بات یہ بھی مد نظر رکھنی چاہئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد مبارک میں اور ہمارے زمانے میں فرق ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں کھانا کوئی ایسا لمبا چوڑا کام نہ تھا کہ گھنٹے لگ رہے ہوتے، انواع و اقسام کی چیزیں ہیں، دسترخوان چنا جارہا ہے، یہ پلیٹ آرہی ہے اور ڈشیں اٹھائی جا رہی ہے، یہ دھند نہیں تھا۔ مختصر سا کام تھا، تھوڑا سا کھانا ہے۔ لیکن ہمارے ہاں تو ایک طومار ہے، لہذا اس میں اتنی دیر لگتی ہے کہ جماعت کے فوت ہونے کا احتمال ہوتا ہے تو اس صورت میں اور اس صورت میں فرق ہے۔ بس جلدی جلدی کھا کر نماز میں شریک ہو جاؤ، لیکن زیادہ بہتر یہ ہے کہ اگر ذہن بہت زیادہ مشغول ہونے کا اندیشہ نہیں ہے تو پہلے نماز پڑھ لو۔ اصل وجہ وہی ہے جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمائی ہے کہ میں کھانے کو نماز بنا لوں یہ اس سے بہتر ہے کہ نماز کو کھانا بنا لوں۔ ۹۶

تو یہ اصل بات ہے، جہاں اس کا اندیشہ ہو وہاں پر یہ حکم ہے۔

۹۶ وما اطرف ما روى عن امامنا رحمه الله تعالى لان يكون اكله كله صلاة احب الى من ان تكون صلاتي كلها اكلا ،

(۴۳) باب اذا دعى الإمام إلى الصلاة وبيده ما يأكل.

جب نماز کے لئے امام بلایا جائے اور اس کے ہاتھ میں وہ چیز ہو وکھا رہا ہو

۶۷۵۔ حدثنا عبد العزيز بن عبد الله قال : حدثنا ابراهيم ، عن صالح ، عن ابن

شهاب قال : أخبرني جعفر بن عمرو بن أمية أن أباه قال : رایت رسول الله ﷺ يأكل ذراعاً

يحتز منها فدعى إلى الصلاة فقام فطرح السكين فصلى ولم يتوضأ . [راجع : ۲۰۸]

اب یہاں آپ ذراع تناول فرما رہے تھے لیکن نماز کے لئے بلایا گیا تو آپ ﷺ چھوڑ کر چلے گئے، تو پتہ چلا کہ کھانا چھوڑ کر جانا بھی جائز ہے۔ اب یہ بھی ممکن ہے کہ بیان جواز مقصود ہو کہ یہ جو میں نے کہا تھا کہ پہلے کھانا کھایا کرو، یہ کوئی ابدی بات نہیں ہے بلکہ ایسا کرنا بھی جائز ہے اور اس سے اس کی بھی تائید ہوتی ہے جو عرض کیا گیا کہ کھانے کا حکم اس وقت ہے جب کھانے کی طرف ذہن مشغول ہو، جب نہ ہو تو جائز ہے۔

(۴۴) باب من كان في حاجة أهله فأقيمت الصلاة فخرج

جو شخص گھر کے کام کاج میں ہو اور نماز کی تکبیر کہی جائے تو نماز کے لئے کھڑا ہو جائے

۶۷۶۔ حدثنا آدم قال : حدثنا شعبة قال : حدثنا الحكم ، عن ابراهيم ، عن

الأسود قال : سألت عائشة رضي الله عنها : ما كان النبي ﷺ يصنع في بيته ؟ قالت : كان

يكون في مهنة أهله . تعنى : في خدمة أهله . فإذا حضرت الصلاة خرج إلى الصلاة .

[أنظر : ۵۳۶۳ ، ۶۰۳۹]

(۴۵) باب من صلى بالناس وهو لا يريد إلا أن يعلمهم صلاة

النبي ﷺ وسنته

اس شخص کا بیان جو لوگوں کو صرف اس لئے نماز پڑھائے کہ انہیں رسول اللہ کی

نماز اور ان کی سنت سکھائے

۶۷۷۔ حدثنا موسى بن اسماعيل قال : حدثنا وهيب قال : حدثنا أيوب عن أبي

قلاۃ قال : جاءنا مالک بن الحویرث فی مسجدنا هذا فقال : إني لأصلي بكم وما أريد الصلاة ؛ أصلي كيف رأيت النبي ﷺ يصلي ، فقلت لأبي قلاۃ : كيف كان يصلي ؟ قال : مثل شيخنا هذا . قال : وكان شيخنا يجلس اذا رفع رأسه من السجود قبل أن ينهض فی الركعة الأولى . [أنظر : ۸۰۲ ، ۸۱۸ ، ۸۲۴] . ۹۷

کہتے ہیں کہ مالک بن حویرث رحمہ اللہ ہماری اس مسجد میں آئے اور کہا کہ آؤ میں تمہیں نماز پڑھاتا ہوں اور کہتے ہیں ”وما أريد الصلاة“ کہ میرا مقصد صرف نماز پڑھنا نہیں ہے بلکہ ”أصلي كيف رأيت رأي النبي ﷺ يصلي“ میں آپ کو سکھانا چاہتا ہوں اور سکھانے کے لئے اس طرح نماز پڑھتا ہوں جس طرح حضور ﷺ نے نماز پڑھی تھی۔

اس پر امام بخاری رحمہ اللہ نے باب باندھا کہ اگر کوئی شخص نماز پڑھائے اور مقصود دوسرے کو تعلیم دینا ہو تو بعض لوگوں کو شبہ ہو سکتا تھا کہ یہ نماز تو نہ ہوئی ، اس لئے کہ نماز تو وہ ہے جو اللہ ﷻ کے لئے پڑھی جائے اور جب مقصود تعلیم ہو تو یہ اللہ ﷻ کے لئے نہ ہوئی یعنی نیت صحیح نہ ہوئی ، جب نیت صحیح نہ ہوئی تو نماز صحیح نہیں ہونی چاہئے۔

لیکن امام بخاری رحمہ اللہ اس واقعے سے استدلال کر رہے ہیں کہ ایسا کرنا جائز ہے اور جائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تعلیم دین کا ایک شعبہ ہے اور وہ ارضاً الہی کی نیت ہوئی ، لہذا وہ نیت صلوٰۃ کے منافی نہیں ہے ، اس لئے نماز صحیح ہو جائے گی۔

آگے کہتے ہیں کہ ”فقلت لأبي قلاۃ“ ایوب سختیانی کہتے ہیں کہ میں نے ابو قلاۃ سے پوچھا ”كيف كان يصلي“ مالک بن حویرث کیسے نماز پڑھا کرتے تھے ”قال : مثل شيخنا هذا“ ایک بزرگ عمرو بن سلمہ بیٹھے تھے ، ان کی طرف اشارہ کر کے کہا ، جس طرح یہ شیخ نماز پڑھتے ہیں ، مالک بن حویرث نے اس طرح نماز پڑھائی۔ ”كما سأتی فی باب اللبث بین السجدين“۔

”وكان شيخنا يجلس اذا رفع رأسه من السجود قبل أن ينهض فی الركعة الأولى“۔

۹۷۔ وفی صحیح مسلم ، کتاب المساجد و مواضع الصلاة ، باب من أحق بالإمامة ، رقم : ۱۰۸۰ ، و سنن الترمذی ، کتاب الصلاة ، باب ماجاء كيف النهوض من السجود ، رقم : ۲۶۲ ، و سنن النسائی ، کتاب الأذان ، باب اجتزاء المرء بأذان غيره فی الحضر ، رقم : ۶۳۱ ، و کتاب التطبيق ، باب الإسواء للجلوس عند الرفع من السجدين ، رقم : ۱۱۳۹ ، و سنن أبی داؤد ، کتاب الصلاة ، باب النهوض فی الفرد ، رقم : ۷۱۶ ، و مسند احمد ، أول مسند البصريين ، باب بقية حديث مالک بن الحویرث ، رقم : ۱۹۶۲۳ ، و سنن الدارمی ، کتاب الصلاة ، باب من أحق بالإمامة ، رقم : ۱۲۲۵ ۔

اور شیخ جب نماز پڑھتے تھے تو پہلی رکعت میں جب سجدے سے اٹھتے تو تھوڑی دیر بیٹھا کرتے تھے یعنی جلسہ استراحت کرتے تھے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے اس سے جلسہ استراحت کی مسنونیت پر استدلال کیا۔
جمہور کے نزدیک یہ مسنون نہیں ہے اور مالک بن حویرث کی روایت میں جو حضور ﷺ سے منقول ہے اس کو حالت بدن پر محمول کیا ہے کہ آپ ﷺ کا بدن مبارک جب آخر عمر میں بھاری ہو گیا تھا تو اس وقت ایسا کر لیا کرتے تھے۔

لیکن حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ میں اس تاویل کو قبول نہیں کرتا، میرے خیال میں یہ بیان جواز پر محمول ہے کہ کبھی کبھی آپ ﷺ نے بیان جواز کے لئے ایسا کیا ہے، لیکن عام معمول ایسا نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آگے یہ حدیث اس موضوع پر مستقلاً آجائے گی۔ وہاں یہ ہے کہ سائل نے سوال کیا کہ مالک بن حویرث نے کیا لیکن میں نے کسی اور صحابی ﷺ کو کرتے نہیں دیکھا تو معلوم ہوا کہ صحابہ کرام ﷺ کا عام معمول ایسا نہیں تھا۔

(۳۶) باب : أهل العلم و الفضل أحق بالإمامة

علم و فضل والا امامت کا زیادہ مستحق ہے

۶۷۸۔ حدثنا اسحاق بن نصر قال : حدثنا حسين ، عن زائدة ، عن عبد الملك بن عمير ، قال : حدثني أبو بردة ، عن أبي موسى قال : مرض النبي ﷺ فاشتد مرضه فقال : ” مروا أبا بكر فليصل بالناس “ . قالت عائشة : إنه رجل رقيق ، إذا قام مقامك لم يستطع أن يصل بالناس . قال : ” مروا أبا بكر فليصل بالناس “ فعاذت . فقال : مری أبا بكر فليصل بالناس فانكن صواحب يوسف “ فأتاه الرسول فصلی بالناس فی حياة النبی ﷺ . [أنظر : ۳۳۸۵] ۹۸

۶۷۹۔ حدثنا عبد الله بن يوسف قال : أخبرنا مالك ، عن هشام بن عروة ، عن أبيه ، عن عائشة أم المؤمنين أنها قالت : إن رسول الله ﷺ قال في مرضه : ” مروا أبا بكر يصل بالناس “ قالت عائشة : قلت : إن أبا بكر إذا قام في مقامك لم يسمع الناس من

۹۸ وفي صحيح مسلم ، كتاب الصلاة ، باب استخلاف الإمام إذا عرض له عند من مرض وسفر ، رقم : ۶۳۸ ،

ومسند أحمد أول مسند الكوفيين ، باب حديث أبي موسى الأشعري ، رقم : ۱۸۸۶۹ .

البكاء ، فمر عمر فليصل بالناس . فقالت عائشة : فقلت لحفصة : قولي له : إن أبا بكر إذا قام في مقامك لم يسمع الناس من البكاء فمر عمر فليصل بالناس . ففعلت حفصة ، فقال رسول الله ﷺ : ”مه إنكن لأنتن صواحب يوسف ، مروا أبا بكر فليصل بالناس“ . فقالت حفصة لعائشة : ما كنت لأصيب منك خيراً . [راجع : ۱۹۸]

۶۸۰۔ حدثنا أبو الیمان قال : أخبرنا شعيب عن الزهري قال : أخبرني انس بن مالك الأنصاري وكان تبع النبي ﷺ وخدمه وصحبه : أن أبا بكر كان يصلي بهم في وجع النبي ﷺ الذي توفي فيه حتى إذا كان يوم الاثنين وهم صفوف في الصلاة فكشف النبي ﷺ ستر الحجر ينظر إلينا وهو قائم كأن وجهه ورقة مصحف ، ثم تبسم يضحك فهممنا أن نفتتن من الفرح برؤية النبي ﷺ فنكص أبو بكر ﷺ على عقبه ليصل الصف ، وظن أن النبي ﷺ خارج إلى الصلاة ، فأشار إلينا النبي ﷺ أن أتموا صلاتكم وأرخى الستر ، فتوفي من يومه . [أنظر : ۶۸۱ ، ۷۵۳ ، ۱۲۰۵ ، ۳۴۴۸]

۶۸۱۔ حدثنا أبو معمر قال : حدثنا عبد الوارث قال : حدثنا عبد العزيز عن أنس قال : لم يخرج النبي ﷺ ثلاثاً ، فأقيمت الصلاة فذهب أبو بكر يتقدم فقال نبي الله ﷺ بالحجاب ، فرفعه ، فلما وضع وجهه النبي ﷺ ما رأينا منظراً كان أعجب إلينا من وجه النبي ﷺ حين وضع لنا ، فأمأ النبي ﷺ بيده إلى أبي بكر أن يتقدم ، وأرخى النبي ﷺ الحجاب فلم يقدر عليه حتى مات . [راجع : ۶۸۰]

”فلم يقدر عليه“ یعنی اس کے بعد کسی کو آپ کی زیارت کی قدرت نہیں ہوئی۔

۶۸۲۔ حدثنا يحيى بن سلمان قال : حدثنا ابن وهب قال : حدثني يونس ، عن ابن شهاب عن حمزة بن عبد الله أنه أخبره عن أبيه قال : لما اشتد برسول الله ﷺ وجعه ، قيل له في الصلاة فقال : مروا بأب بكر فليصل بالناس . قالت عائشة إن أبا بكر رجل رقيق إذا قرأ عليه البكاء قال : مروه فليصل . فعاودته قال : مروه فليصل ، إنكن صواحب يوسف . تابعه الزبيدي ، وابن أخي الزهري ، وإسحاق بن يحيى الكلبي عن الزهري . وقال عقيل ومعمّر عن الزهري ، عن حمزة عن النبي ﷺ .

اہل علم اور اہل فضل امامت کے زیادہ احق ہیں ، حنفیہ کا یہی مسلک ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ”أقرأ أحق بالإمامة“ ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ ترمذی کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں یہ آیا ہے کہ ”أحق الناس بالإمامة أقرنهم فإذا كانوا في القراءة سواء فاعلمهم بالسنة“ تو حنفیہ کے نزدیک ”أعلم“ افضل ہے اور شافعیہ کے نزدیک ”أقرأ“ افضل ہے۔

عام طور سے جن روایتوں میں ”أقرأ“ کی فضیلت کا ذکر آیا ہے تو صاحب ہدایہ اور دوسرے علماء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس زمانے میں جو ”أقرأ“ ہوتا تھا وہی ”أعلم“ بھی ہوتا تھا، لہذا جب ”أقرأ“ کہا تو اس سے مراد ”أعلم“ ہی ہے، لیکن یہ جواب اس لئے درست نہیں معلوم ہوتا کہ ترمذی کی روایت میں صراحت ہے کہ ”فان كانوا في القراءة سواء فاعلمهم بالسنة“۔

لہذا صحیح توجیہ یہ ہے کہ شروع میں قرآن کی فضیلت بیان کرنے کے لئے ”أقرأ“ کی امامت کو افضل قرار دیا گیا تھا، لیکن آپ ﷺ کا آخری عمل جس کا ذکر یہاں آ رہا ہے کہ آپ ﷺ نے صدیق اکبر ﷺ کو امام بنایا، حالانکہ ”أقرأ“ ابی بن کعب ﷺ تھے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب اسی مقصد کے لئے قائم کیا ہے، گویا ان کا مذہب حنفیہ کے مذہب کے مطابق ہے کہ اہل علم افضل ہے اور اس میں مرض وفات کا واقعہ دوبارہ نقل کیا ہے کہ اس میں حضرت ابو بکر صدیق ﷺ کو امام بنایا گیا۔

”لَقَالَتْ حَفْصَةُ لِعَائِشَةَ : مَا كُنْتُ لِأَصِيبَ مِنْكَ خَيْرًا“۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ مجھے تم سے کبھی کوئی بھلائی نہیں پہنچی۔ جیسے بے تکلفی کے عالم میں کہتے ہیں، کیونکہ حضرت عائشہؓ نے حضرت حفصہؓ سے کہا تھا کہ آپ تجویز پیش کیجئے کہ حضرت عمرؓ کو امام بنائیں۔ حضور ﷺ نے اس پر تھوڑا سا ناگواری کا اظہار فرمایا، تو اس ناگواری کا سبب حضرت عائشہؓ نبی، تو اس لئے انہوں نے کہا کہ مجھے تم سے کبھی کوئی خیر نہیں پہنچی۔ وہ جو مغایر والا قصہ تھا اس میں بھی حضرت حفصہؓ کو حضرت عائشہؓ کی وجہ سے پریشانی لاحق ہوئی تھی۔

(۴۷) باب من قام إلى جنب الإمام لعله

کسی عذر کی بنا پر مقتدی کا امام کے پہلو میں کھڑے ہونے کا بیان

۶۸۳۔ حدثنا زكريا بن يحيى قال : حدثنا ابن نمير قال : أخبرنا هشام بن عروة

عن أبيه عن عائشة رضي الله عنها قالت : أمر رسول الله ﷺ أبا بكر أن يصلي بالناس في مرضه فكان يصلي بهم ، قال عروة : فوجد رسول الله ﷺ في نفسه خفة فخرج ، فإذا أبو

بکریوم الناس ، فلما رآه أبو بكر استأخر فأشار إليه أن كما أنت ، فجلس رسول الله ﷺ
 حذاء أبي بكر إلى جنبه ، فكان أبو بكر يصلي بصلاة رسول الله ﷺ والناس يصلون
 بصلاة أبي بكر . [راجع : ۱۹۸] ۹۹

(۴۸) باب من دخل ليؤم الناس فجاء الإمام الأول

فتأخر الأول أولم يتأخر جازت صلاته :

اگر کوئی آدمی لوگوں کی امامت کے لئے جائے پھر امام اول آجائے تو پہلا
 شخص پیچھے ہٹے یا نہ ہٹے اس کی نماز ہو جائے گی

۶۸۴ - حدثنا عبد الله بن يوسف قال : أخبرنا مالك ، عن أبي حازم بن دينار ، عن
 سهل بن سعد الساعدي : أن رسول الله ﷺ ذهب إلى بني عمرو بن عوف ليصلح بينهم ،
 فحانت الصلاة فجاء المؤذن إلى أبي بكر فقال : أتصلي للناس فأقيم ؟ قال : نعم ، فصلى
 أبو بكر ، فجاء رسول الله ﷺ والناس في الصلاة فتخلص حتى وقف في الصف فصفق
 الناس . وكان أبو بكر لا يلتفت في صلاته . فلما أكثر الناس التصفيق التفت فرأى
 رسول الله ﷺ فأشار إليه رسول الله ﷺ أن امكث مكانك ، فرفع أبو بكر ﷺ يديه فحمد
 الله على ما أمره به رسول الله ﷺ من ذلك ثم استأخر أبو بكر حتى استوى في الصف
 وتقدم رسول الله ﷺ فصلى ، فلما انصرف قال : « يا أبا بكر مامعك أن تبت إذ
 أمرتك ؟ » فقال أبو بكر : ما كان لابن أبي قحافة أن يصلي بين يدي رسول الله ﷺ .
 فقال رسول الله ﷺ : « مالي رأيكم أكثرتم التصفيق ؟ من رآه شيء في صلاته فليسبح ،
 فإنه إذا سبح التفت إليه ، وإنما التصفيق للنساء » . [أنظر : ۱۲۰۱ ، ۱۲۰۳ ، ۱۲۱۸ ،
 ۱۲۳۳ ، ۲۶۹۰ ، ۲۶۹۳ ، ۲۶۹۰ ، ۲۶۹۳]

مقصود بخاری رحمہ اللہ

امام بخاری رحمہ اللہ کا منشا یہ ہے کہ دونوں صورتیں جائز ہیں ، چاہے پیچھے ہٹے یا نہ ہٹے اور پھر اس

میں اسی مرض الوفات والی حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ”فیہ عائشة عن النبی ﷺ“ کہ جس میں آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور آپ نے امامت فرمائی، لیکن یہاں جو حدیث موصولاً ذکر کی ہے، یہ مرض الوفات کی نہیں بلکہ مرض الوفات سے پہلے کی حالت کی ہے۔ یہ حدیث حالت صحت والی پہلے نہیں گزری، اس لئے اس کا ترجمہ یہ ہے ”عن سهل بن سعد الساعدي أن رسول الله ﷺ ذهب إلى بني عمرو ابن عوف ليصلح بينهم“۔

حضرت سهل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بنو عمرو ابن عوف میں ان کے درمیان صلح کرانے کے لئے گئے، ان کا آپس میں کوئی جھگڑا ہو گیا ہوگا، جس کی وجہ سے ان کی مصالحت کے لئے تشریف لے گئے۔ ”فحانت الصلاة“ اب آپ تو ان لوگوں کے ساتھ مشغول تھے، اتنے میں نماز کا وقت ہو گیا۔ دوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عصر کا وقت آ گیا، تو مؤذن حضرت بلال رضی اللہ عنہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ ”اتصلی للناس فاقیم“؟ کہ حضور اقدس ﷺ تو تشریف فرما نہیں ہیں، کیا آپ نماز پڑھا دیں گے؟ ”فاقیم“ تاکہ میں اقامت کہوں، ”قال نعم“ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا ٹھیک ہے۔ حضور ﷺ ابھی تک تشریف نہیں لائے، چلو نماز پڑھ لیتے ہیں۔ ”فصلی ابوبکر“ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھانی شروع کر دی۔ ”فجاء الرسول والناس فی الصلاة“ آپ ﷺ تشریف لائے اس حالت میں کہ لوگ نماز میں مشغول تھے ”فتخلص حتى وقف فی الصف“ تخلص کے معنی آپ ﷺ نے راہ پائی، راستہ بنایا، یعنی صفوں کو چیرتے ہوئے راستہ بنا کر آپ ﷺ اگلی صف کی طرف تشریف لے گئے۔ ”حتى وقف فی الصف“ یہاں تک کہ صف میں جا کر کھڑے ہو گئے یعنی آپ ﷺ کا منشاء یہ تھا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اقتداء کریں اور نماز میں شامل ہو جائیں، تو آپ ﷺ صفوں کو چیرتے ہوئے تشریف لے گئے اور وہاں جا کر کھڑے ہو گئے۔ ”فصفق الناس“ لوگوں نے تالیاں بجائیں۔ مطلب یہ تھا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو پتہ چل جائے کہ حضور ﷺ تشریف لے آئے۔ ”وكان ابوبکر لا يلتفت فی الصلاة“ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نماز پڑھتے ہوئے کسی کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے۔ ”فلما اكثرت الناس التصفيق“ جب لوگوں نے تصفيق زیادہ شروع کر دی تو ”التفت“ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ متوجہ ہوئے ”فرأى رسول الله“ دیکھا تو رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہیں، ”فاشار إليه رسول الله ﷺ خذ مكانك“ آپ ﷺ نے اشارے سے فرمایا! اپنی جگہ کھڑے رہو، پیچھے آنے کی ضرورت نہیں۔ ”فرفع ابوبکر يديه وحمد الله على ما امره به رسول الله ﷺ“ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ہاتھ اٹھائے، اللہ ﷻ کا شکر یہ ادا فرمایا، اس بات پر کہ آپ نے انہیں حکم دیا، یعنی سرکارِ دو عالم ﷺ کا یہ فرمانا کہ اپنی جگہ کھڑے رہو اور آپ کی امامت کی توثیق فرمانا بلکہ آپ کی امامت ہی میں نماز ادا کرنے کا ارادہ فرمانا یہ بات صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لئے اتنی باعث سعادت تھی کہ اس پر بے ساختہ اللہ ﷻ کا شکر یہ ادا فرمایا۔ اب شکر زبان سے ادا کیا یا دل

میں، یہ روایت میں موجود نہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ دلِ دل میں ادا کیا یعنی بے ساختہ ہاتھ تو اٹھ گئے اللہ ﷻ کے شکر کے لئے مگر شکر زبان سے نہیں بلکہ دل سے ادا کیا۔ چنانچہ حنفیہ کا کہنا ہے کہ کوئی ایسا موقع آئے جو اللہ ﷻ کی حمد کا ہے تو آدمی کو الحمد للہ زبان سے نہیں کہنا چاہئے بلکہ دل میں کہنا چاہئے لیکن اگر کہہ دیا تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ چنانچہ حکم یہی ہے کہ فرض کرو اگر نماز کے اندر چھینک آجائے تو ”الحمد للہ“ زبان سے نہیں کہنا چاہئے دلِ دل میں کہنا چاہئے۔ پھر بھی اگر کوئی کہہ دے تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

اور ”الحمد للہ“ کا جواب ”یرحمک اللہ“ اگر کہہ دیا، یعنی دوسرے کو چھینک آئی، تم نے کہہ دیا ”یرحمک اللہ“ تو نماز فاسد ہو جائے گی، کیونکہ یہ ایک انسان سے خطاب ہے۔

سوال: یہاں دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر ﷺ نے نماز کے دوران ہاتھ اٹھائے اور حدیث میں اس پر نکیر نہیں ہے، جبکہ فقہاء فرماتے ہیں کہ نماز کے دوران حمد یا دعا کے لئے ہاتھ نہیں اٹھانے چاہئیں۔

جواب: حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے مسند احمد کے حوالے سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ حضرت صدیق اکبر ﷺ سے آنحضرت ﷺ نے پوچھا ”لم رفعت یدیک؟“ اس سے پتہ چلا کہ آپ کو یہ عمل نامانوس معلوم ہوا، البتہ آپ نے اس پر شدت سے نکیر اس لئے نہیں فرمائی کہ یہ امر حضرت صدیق اکبر ﷺ سے بے اختیار اور اچھی نیت سے ہوا تھا اور بعض اوقات تقریر عمل پر نہیں، بلکہ نیت پر ہوتی ہے۔ اس کی متعدد مثالیں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے بیان فرمائی ہیں۔

”ثم استأخرو أبو بكر“ شکر تو ادا کر دیا لیکن پھر پیچھے ہٹنا شروع کر دیا ”حتى استوى في الصف“ یہاں تک کہ صف کے برابر آگئے ”وتقدم رسول الله ﷺ“ اور آپ آگے بڑھے۔ ”فصلتی“ آپ ﷺ نے نماز پڑھائی۔ ”فلما انصرف“ جب قارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا ”یا ابا بکر مامنعك ان تثبت ان امرتك“ جب میں نے کہہ دیا تھا کہ بھائی کھڑے رہو، پھر کیوں کھڑے نہیں رہے؟ کس چیز نے کھڑے رہنے سے روکا، تو صدیق اکبر ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ ”ما كان لابن ابي قحافة ان يصلي بين يدي رسول الله ﷺ“ ابو قحافہ کے بیٹے کی مجال تھی کہ وہ رسول اکرم ﷺ کے سامنے کھڑے ہو کر نماز پڑھائے۔ تو آپ نے پھر اس کے اوپر بھی کوئی انکار نہیں فرمایا۔

فقال رسول الله ﷺ ”مالي رأيكم اكثرتم التصفيق؟“

پھر صحابہؓ سے فرمایا کہ تم نے نماز کے دوران بہت تالیاں بجائیں؟ ”من رابه شي في صلاته فليسبح“ کسی کو نماز کے اندر کوئی ضرورت پیش آئے تو ”فليسبح“ تسبیح کہے یعنی ”سبحانہ اللہ“ کہے۔ ”فانه اذا سبح التفت اليه“ اس لئے کہ جب وہ تسبیح کہے گا تو لوگ اس کی طرف متوجہ ہو جائیں گے۔

”وانما التصفیق للنساء“ تالیاں بجانا تو عورتوں کا کام ہے، تو تعلیم دیدی کہ امام کو کسی بات پر متنبہ کرنا ہو تو ایسے موقع پر تسبیح کرنی چاہئے۔

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ یہاں لائے تو ساتھ میں ترجمۃ الباب میں یہ فرمایا کہ اگر امام اول آجائے تو امام راتب جس شخص نے پہلے نماز پڑھانی شروع کر دی ”فتاخر الاول اولم یتاخر جازات صلاته“ وہ چاہے تو پیچھے ہٹ جائے اور چاہے نہ ہٹے، دونوں صورتوں میں نماز ہو جائے گی۔ اس حدیث سے دونوں باتیں ثابت کرنی مقصود ہیں۔ اس واسطے کہ شروع میں نبی کریم ﷺ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ تم اپنی جگہ پر کھڑے رہو، جب سے پتہ چلا کہ ان کے لئے پیچھے ہٹنا ضروری نہیں تھا۔ اگر وہ پیچھے نہ ہٹتے تو جائز ہوتا، لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹ گئے اور پھر آپ نے انکے پیچھے ہٹنے پر خود آگے جا کر نماز پڑھائی۔ تو یہ امر اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ ایسا کرنا بھی جائز ہے۔ تو اس لئے کہا ”فتاخر اولم یتاخر جازات صلاته“۔

پھر اس میں اختلاف ہے کہ ایک امام نماز پڑھا رہا ہے اس کو کوئی عذر لاحق ہو جاتا ہے استمرار سے جیسے حدث لاحق ہو گیا تو بالاتفاق استخلاف مشروع ہے لیکن اس قسم کا کوئی عذر پیش نہیں آیا بلکہ امام کے علم میں یہ بات آگئی کہ میرا کوئی بڑا پیچھے آ کر کھڑا ہو گیا ہے اور وہ اس کی خاطر استخلاف کرے کہ خود پیچھے ہٹے اور بڑے کو آگے کر دے ایسا کرنا جائز ہے کہ نہیں۔

بعض فقہائے کرام اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے اس کو جائز قرار دیتے ہیں، شاید امام بخاری رحمہ اللہ کا مذہب بھی یہی ہے، اسی لئے ترجمۃ الباب میں انہوں نے دونوں باتیں قائم کی ہیں، لیکن حنفیہ کے نزدیک یہ جائز نہیں اور حدیث باب ہو یا حدیث مرض وفات۔ دونوں کے بارے میں حنفیہ کا کہنا یہ ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ کی خصوصیت تھی کہ جب آپ تشریف فرما ہیں تو آپ کا آگے بڑھنا ہی ہر حالت میں احق اور اولیٰ ہے، لہذا اس کو حاصل کرنے کے لئے اس پہلے والے امام کے لئے جائز ہے کہ پیچھے ہٹ جائے اور حضور ﷺ کو آگے بڑھائے لیکن کسی دوسرے کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں۔

(۴۹) باب اذا ستوا فی القراءة فلیؤمہم اکبرہم

اگر کچھ لوگ قرأت میں مساوی ہوں تو جو ان میں زیادہ عمر والا وہ امامت کرے

۲۸۵۔ حدثنا سلیمان بن حرب قال: حدثنا حماد بن زید..... فلیؤذن

لکم احدکم ولیؤمکم اکبرکم۔

اس میں یہ ثابت کر دیا کہ جہاں لوگ قرأت اور علم میں برابر ہوں، تو پھر ”اکبرہم سنا“ ترجیح ہوگی۔

(۵۰) باب إذا زار الإمام قوما فأمهم

اگر امام کچھ لوگوں سے ملنے جائے تو ان کا امام ہو سکتا ہے

۶۸۶۔ حدثنا معاذ بن أسد قال: أخبرنا عبد الله قال: أخبرنا معمر عن الزهري قال: أخبرني محمود بن الربيع قال: سمعت عثمان بن مالك الأنصاري قال: استأذن النبي ﷺ فأذنت له، فقال: ((أين تحب أن أصلي من بيتك؟)) فأشرت له إلى المكان الذي أحب فقام وصفقنا خلفه ثم سلم وسلمنا. [راجع: ۴۲۳]

یہاں یہ بتلانا مقصود ہے کہ بعض روایتوں میں جو آتا ہے کہ ”لایؤم الرجل فی سلطانه“ یا ”صاحب المنزل أحق بالامامة“ تو یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے کہ ہمیشہ صاحب منزل ہی امام بنے بلکہ صاحب منزل اگر خود اجازت دے یا کسی دوسرے سے درخواست کرے تو دوسرے کا امام بننا بھی جائز ہے جبکہ وہ بڑا ہو جیسا کہ حضرت عثمان بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر میں رسول اللہ ﷺ نے امامت فرمائی۔

(۵۱) باب إنما جعل الإمام ليؤتم به

امام اسی لئے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے

”وصلی النبی ﷺ فی مرضه الذی توفی فیہ بالناس وهو جالس. وقال ابن مسعود: إذا رفع قبل الإمام يعود فيمكث بقدر ما رفع ثم يتبع الإمام. وقال الحسن فيمن يركع مع الإمام ركعتين ولا يقدر على السجود: يسجد للركعة الأخيرة سجدة ثم يقضى الركعة الأولى لسجودها، وفيمن نسي سجدة حتى قام: يسجد.“

”باب إنما جعل الامام ليؤتم به“

یہ حدیث کا حصہ ہے ”إنما جعل الإمام ليؤتم به“ اور آگے وہ حدیث ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ نے موصولاً کئی طریقوں سے روایت بھی کی ہے لیکن اس کو ترجمۃ الباب بنایا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث گویا ایک اصل کلی بیان کر رہی ہے کہ امام کو اللہ ﷻ نے امام اس لئے بنایا تا کہ لوگ اس کی اقتداء کریں۔ اب اس اصول پر بہت سے جزوی مسائل متفرع ہوتے ہیں، ان میں سے بعض کی طرف امام بخاری رحمہ اللہ نے اس ترجمۃ الباب میں اشارہ کیا ہے اور بعض ان شاء اللہ متعلقہ احادیث کے اندر آئیں گے۔

پہلی بات جو امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمائی کہ:

وصلی النبی ﷺ فی مرضہ الذی توفی فیہ بالناس وهو جالس —

آپ نے نماز پڑھی بلکہ صحیح روایت کے مطابق پڑھائی، اس مرض میں جس میں آپ کی وفات ہوئی یعنی مرض وفات میں، ”وہو جالس“ بیٹھ کر پڑھائی اور باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کھڑے ہو کر آپ کی اقتداء کر رہے تھے۔ اس سے امام بخاری رحمہ اللہ اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ آپ کا آخری عمل یہ تھا کہ امام بیٹھ کر امامت کر رہا ہے اور مقتدی کھڑے ہو کر اقتداء کر رہے ہیں۔ تو اس صورت کا جواز اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے اور اس کی طرف اشارہ اس لئے کر دیا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدیوں کو بھی بیٹھ کر پڑھنی چاہئے جیسا کہ آگے ایک حدیث میں آرہا ہے، مزید تفصیل اس حدیث کے اگلے حصے میں آئے گی، امام بخاری رحمہ اللہ نے اس طرف اشارہ کیا ہے۔

آگے فرمایا:

”وقال ابن مسعود اذا رفع قبل الإمام يعود فیمکث بقدر ما رفع ثم

یتبع الإمام“۔

یہ جزئیہ بھی حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ”إنما جعل الإمام لیؤتم بہ“ کے قاعدہ کلیہ سے مستنبط فرمایا ہے، تو چونکہ امام کو اللہ جل جلالہ نے یہ مقام بخشا ہے کہ مقتدی اس کی اقتداء کریں لہذا مقتدیوں کو چاہئے کہ وہ جو کام کریں امام کے بعد کریں، امام سے آگے نکلنے کی کوشش نہ کریں، لہذا امام اگر رکوع میں ہے تو جب تک رلوع میں ہے تو مقتدی کو بھی رکوع ہی میں رہنا ہے۔ جب تک امام سجدے میں ہے تو مقتدی کو بھی سجدے ہی میں رہنا چاہئے اس سے پہلے سر نہ اٹھانا چاہئے، مثلاً اگر کسی نے امام سے پہلے غلطی سے سر اٹھا لیا تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں وہ دوبارہ سجدے میں جائے اور جتنی دیر اس نے سر اٹھائے رکھا ہے اتنی دیر امام کے سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد یہ سجدے میں ہی رہے پھر اٹھے، مثلاً سر اتنی دیر اٹھایا تھا کہ دو مرتبہ سبحان اللہ کہا جاسکے اب جب امام اٹھائے گا تو امام کے اٹھنے کے بعد دو تسبیح کی بقدر سجدے میں ہی رہے پھر اٹھے، لیکن یہاں حنفیہ کے نزدیک حکم یہ ہے کہ جب تک امام سجدے میں ہے مقتدی کو دوبارہ سجدے میں چلے جانا چاہئے، لیکن حنفیہ نے یہ شرط نہیں لگائی کہ جتنی دیر پہلے اٹھا تھا امام کے اٹھنے کے بعد اتنی دیر ضرور سجدے میں رہے۔

”وفی الطحطاوی علی المراقی فلورفع المقعدی رأسه من الركوع أو السجود قبل الإمام یسعی له أن يعود لتزول المخالفة بالموافقة“۔

”وقال ابن مسعود اذا رفع قبل الإمام“ اگر کسی شخص نے امام سے پہلے سر اٹھا لیا۔

”يعود“ دوبارہ سجدے میں لوٹ جائے **”فیمکث بقدر ما رفع“** اور سجدے میں اتنی مقدار رہے جتنی دیر اس

نے سر اٹھایا تھا ”ثم يتبع الإمام“ پھر امام کی اتباع کرے۔

وقال الحسن فيمن يركع مع الإمام ركعتين ولا يقدر على السجود —

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے امام کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں اور سجدے پر قادر نہیں ہے تو آخری رکعت کے لئے دو سجدے کرے گا، پھر پہلی رکعت دو سجدوں کے ساتھ قضاء کرے گا۔

کہنے کا منشا یہ ہے کہ ایک شخص اگر امام کے ساتھ شامل ہوا اور دو رکعتوں کی نماز تھی اور وہ سجدے پر قادر نہ ہو سکا۔ فرض کرو کہ بہت شدید ہجوم تھا بعض اوقات عیدین کے موقع پر حرمین میں اتنی جگہ بھی نہیں ہوتی کہ وہ سجدہ کر سکے، تو ایسی صورت میں حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آخری رکعت کے بعد دو سجدے کر لے گا، پھر پہلی رکعت سجدے کے ساتھ قضاء کرے گا یعنی پہلی رکعت میں اس کو سجدے کا موقع نہیں ملا، دوسری رکعت میں مل گیا، تو دوسری رکعت تو سجدے کے ساتھ ہو گئی بعد میں پہلی رکعت جو بغیر سجدے کے ہوئی تھی اس کو قضاء کر لے۔ حنفیہ کے نزدیک حکم یہ ہے کہ اگر سامنے والے کی پشت پر سجدہ کر سکتا ہے تو سجدہ کر لے لیکن اگر سجدہ نہیں کر سکتا تو دوسری رکعت کے دو سجدے تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد فوراً کر لے اور پہلی رکعت کے دو سجدے چھوٹے ہیں، ان کے بارے میں حنفیہ سے دو قول مروی ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ پہلی رکعت کے سجدے بھی اسی وقت کر لے، اور اس طرح امام کے سلام پھیرنے کے بعد چار سجدے کرے گا جن میں سے دو دوسری رکعت کے ہوں گے اور دو پہلی رکعت کے، اس کے بعد سلام پھیر دے گا تو نماز ہو جائی گی۔

دوسرا قول حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے مطابق ہے یعنی پہلی رکعت کے صرف دو سجدے کر لینا کافی نہیں بلکہ پوری رکعت قضا کرنا ضروری ہے۔

یہ اختلاف اسی اصول پر مبنی ہے کہ ارکان میں ترتیب کا لحاظ صلوٰۃ کے لئے شرط ہے یا نہیں۔ اصح یہ ہے کہ مراعات ترتیب ضروری ہے، لہذا فتویٰ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے قول پر ہی دینا چاہئے۔^{۱۱}

”وفي من نسي سجدة حتى قام : يسجد“۔

اور جو شخص ایک سجدہ بھول گیا یہاں تک کہ وہ کھڑا ہو گیا تو سجدے کی طرف واپس آئے یعنی فرض کرو کہ ایک شخص نے دو سجدے کی بجائے ایک سجدہ کیا اور ایک سجدہ کر کے بھول گیا اور اگلی رکعت کے لئے کھڑا ہوا تو سجدے کے لئے واپس آنا چاہئے اور یہی اصول حنفیہ کے ہاں فرائض صلوٰۃ کا ہے۔ چنانچہ ”والناس عنه غافلون“ یعنی اگر کوئی فرض ترک ہو جائے اور اگلے رکن میں یاد آجائے تو چاہئے کہ واپس آئے یہاں تک کہ فقہاء نے فرمایا ہے کہ، ایک شخص نے سورہ فاتحہ پڑھی اور ضم سورت بھول گیا اور ضم سورت کی بجائے رکوع میں

چلا گیا اور اگر رکوع ہی میں یاد آجائے کہ میں نے ضم سورت نہیں کیا ہے تو کیا حکم ہے؟ حکم یہ ہے کہ قیام کی طرف واپس آجائے اور ضم سورت کرے اور ضم سورت کرنے کے بعد دوبارہ رکوع کرے اور پھر آخر میں جا کر سجدہ سہو کرے۔ لوگوں کو عام طور پر یہ مسئلہ معلوم نہیں ہوتا یا غفلت میں ہوتے ہیں۔ ضم سورت رکوع میں یاد آگیا تو لوگ سمجھتے ہیں کہ آخر میں جا کر سجدہ سہو کر لیں گے کیونکہ واجب ترک ہو گیا واپس لوٹتے نہیں، یہ بڑی سخت غلطی ہے واپس آ کر پھر دوبارہ رکن کا اعادہ کرے اور آخر میں سجدہ سہو کر لے۔ ”و فیمن نسی سجدة حتی قام : یسجد“ تو یہی بات یہاں پر کہہ رہے ہیں کہ سجدہ بھول گیا اور سیدھا کھڑا ہو گیا تو کیا کرے گا؟ سجدے کا اعادہ کرے گا۔ آگے حدیث وہی نقل کی ہے جو حضور ﷺ کے مرض وفات کی ہے۔

۶۸۷۔ حدثنا احمد بن یونس قال : حدثنا زائدة ، عن موسى بن أبي عائشة ، عن عبيد الله بن عبد الله بن عتبة قال : دخلت على عائشة فقلت : ألا تحدثيني عن مرض رسول الله ﷺ ؟ قالت : بلى ، ثقل النبي ﷺ فقال : ((أصلى الناس ؟)) فقلنا : لا يا رسول الله وهم ينتظرونك . قال : ((ضعوا لي ماء في المخبض)) . قالت : ففعلنا ، فاغتسل فذهب لينوء فأغمى عليه ثم أفاق . فقال رسول الله ﷺ : ((أصلى الناس ؟)) قلنا : لا ، هم ينتظرونك يا رسول الله . قال : ((ضعوا لي ماء في المخبض)) . قالت : فقعد فاغتسل ثم ذهب لينوء فأغمى عليه ثم أفاق . فقال : ((أصلى الناس ؟)) قلنا : لا ، هم ينتظرونك يا رسول الله . فقال : ((ضعوا لي ماء في المخبض)) . فقعد فاغتسل ثم ذهب لينوء فأغمى عليه ثم أفاق . فقال : ((أصلى الناس ؟)) قلنا : لا ، هم ينتظرونك يا رسول الله . — والناس عكوف في المسجد ينتظرون رسول الله ﷺ لصلاة العشاء الآخرة — فأرسل النبي ﷺ ، إلى أبي بكر بأن يصلي بالناس فاتاه الرسول فقال : إن رسول الله ﷺ يأمر أن تصلي بالناس . فقال أبو بكر ، وكان رجلاً رقيقاً : يا عمر صل بالناس . فقال له عمر : أنت أحق بذلك . فصلی أبو بكر تلك الأيام . ثم إن النبي ﷺ وجد من نفسه خفة فخرج بين رجلين أحدهما العباس لصلاة الظهر وأبو بكر يصلي بالناس ، فلما رآه أبو بكر ذهب ليتأخر فأوماً إليه النبي ﷺ بأن لا يتأخر . قال : ((أجلساني إلى جنبه)) ، فأجلساه إلى جنب أبي بكر قال : فجعل أبو بكر يصلي وهو قائم بصلاة النبي ﷺ والناس بصلاة أبي بكر ، والنبي ﷺ قاعد . قال عبيد الله : فدخلت على عبد الله بن عباس فقلت له : ألا أعرض عليك ما حدثتني عائشة عن مرض النبي ﷺ ؟ قال : هات . فعرضت عليه حديثها

فما أنكر منه شيئا غير أنه قال : أسمت لك الرجل الذي كان مع العباس ؟ قلت : لا ، قال : هو علي ابن أبي طالب ﷺ . [راجع : ۱۹۸]

۲۸۸ — حدثنا عبد الله بن يوسف قال : أخبر مالك ، عن هشام بن عروة ، عن أبيه ، عن عائشة أم المؤمنين أنها قالت : صلى رسول الله ﷺ في بيته وهو شاك ، فصلى جالسا وصلى وراءه قوم قياما ، فأشار إليهم أن اجلسوا ، فلما انصرف قال : « إنما جعل الإمام ليؤتم به ، فإذا ركع فاركعوا ، وإذا رفع فاركعوا ، وإذا قال : سمع الله لمن حمده ؛ فقولوا : ربنا ولك الحمد ، وإذا صلى جالسا فصلوا جلوسا » . [أنظر : ۱۱۱۳ ، ۵۲۵۸ ، ۱۲۳۶]

۲۸۹ — حدثنا عبد الله بن يوسف قال : أخبرنا مالك عن ابن شهاب عن انس بن مالك : أن رسول الله ﷺ ركب فرسا فصرع عنه فجحش شقه الايمن ، فصلى صلاة من الصلوات وهو قاعد ، فصلينا وراءه قعودا ، فلما انصرف قال : « إنما جعل الإمام ليؤتم به ، فإذا صلى قائما فصلوا قياما ، فإذا ركع فاركعوا ، وإذا رفع فاركعوا ، وإذا قال : سمع الله لمن حمده ، فقولوا : ربنا ولك الحمد . وإذا صلى قائما فصلوا قياما وإذا صلى جالسا فصلوا جلوسا أجمعون » . قال أبو عبد الله : قال الحميدى : قوله : « إذا صلى جالسا فصلوا جلوسا » هو في مرضه القديم ثم صلى بعد ذلك النبي ﷺ جالسا . والناس خلفه قيام لم يأمرهم باللقعود وإنما يؤخذ بالآخر فالآخر من فعل النبي ﷺ . [راجع : ۳۷۸ ، ۵۲]

(۵۴) باب إمامة العبد والمولى

غلام اور آزاد کردہ غلام کی امامت کا بیان

وكانت عائشة يؤتمها عبدها ذكوان من المصحف ، وولد البغى والأعرابي والغلام الذى لم يحتلم لقول النبى ﷺ : « يؤتمهم أقرؤهم لكتاب الله » ، ولا يمنع العبر من الجماعة بغير علة .

اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے امامت کے متعدد مسائل بیان فرمائے ہیں ، جو درج ذیل ہیں :

إمامة العبد والمولى

۵۲۔ تخریج ملاحظہ فرمائیں : انعام الباری ، ج : ۲ ، ص : ۳۲۵ ، رقم الحديث : ۱۹۸ ، کتاب الوضوء .

جمہور کے نزدیک عبد اور مولیٰ کی امامت درست ہے اور سلف میں امامت عبد کے بہت سے واقعات ملتے ہیں اور حنفیہ سے جو کراہت منقول ہے وہ اس کے ”مشغول بخدمۃ السید“ ہونے کی وجہ سے ہے، لہذا جہاں ایسا نہ ہو تو کراہت بھی نہیں اور بعض حضرات نے وجہ یہ بتائی کہ امامت ایک جلیل القدر منصب ہے، لہذا ایسے شخص کو امام بنانا چاہئے جس کی وقعت دلوں میں ہو، اس کے باوجود یہ کراہت تنزیہی ہے۔ اور جہاں کوئی دوسری وجہ ترجیح ہو وہاں یہ بھی نہیں۔ ۱۰۳

و كانت عائشة يؤمها عبدها. ذکوان من المصحف

ظاہر یہ ہے کہ اسی جماعت میں دوسرے لوگ بھی ہوتے ہوں گے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر دے کے پیچھے اقتداء کرتی ہوں گی۔

یہ اثر مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں مروی ہے اور اس سے امام احمد رحمہ اللہ نے نماز کے دوران مصحف کو دیکھ کر قرأت کے جواز پر استدلال کیا ہے اور یہ مذہب بہت سے تابعین مثلاً محمد بن سیرین، حسن بصری، حکم، عطاء رحمہم اللہ سے مروی ہے۔ ۱۰۴

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے کہ ان کا غلام پیچھے مصحف لے کر کھڑا ہو جاتا اور جہاں آپ اٹکتے، وہ مصحف آگے کر دیتا۔

امام مالک رحمہ اللہ نے تراویح میں اس کو جائز کہا ہے، ابراہیم نخعی، سعید ابن المسیب، شعبی، ابو عبد الرحمن سلی مجاہد، حماد اور قتادہ رحمہم اللہ سے مروی ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ ابن حزم کا بھی یہی مسلک ہے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوتی، مگر ”تشیبہ باہل الكتاب“ کی وجہ سے ایسا کرنا مکروہ ہے۔ ۱۰۵

۱۰۳ فیض الباری، ج: ۲، ص: ۲۱۷۔

۱۰۴ حدثنا ابن علیہ عن ایوب قال سمعت القاسم يقول كان يوم عائشة عبد ذكر في المصحف، مصنف ابن شیبہ،

باب فی الرجل یؤم القوم وهو یقرأ فی المصحف، رقم: ۷۲۱۶، ج: ۲، ص: ۱۲۳۔

۱۰۵ عن سلیمان بن حنظلہ البکری أنه مر علی رجل یؤم قوماً فی المصحف فضر به برجله .

وعن أبی عبد الرحمن أنه کره أن یؤم فی المصحف .

وعن ابراهیم أنه کره أن یؤم الرجل فی المصحف کراهة أن یتشبهوا بأهل الكتاب، مصنف ابن ابی شیبہ، باب

من کرهه، رقم: ۷۲۲۳، ۷۲۲۵، ۷۲۲۶، ج: ۲، ص: ۱۲۳۔

امام شافعی رحمہ اللہ سے بھی اسی قسم کا قول مروی ہے۔ ۶۷
حنفیہ کی دلیل ابن ابی داؤد رحمہ اللہ کی کتاب ”المصاحف“ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اثر ہے:
”لہانا امیر المؤمنین أن نؤم الناس فی المصاحف“۔ ۶۸

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی ممانعت فرمائی تھی۔ اس کے علاوہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ نے ”مسئ فی الصلوٰۃ“ کی حدیث سے بھی حنفیہ کے مسلک پر استدلال کیا ہے، جس میں ہے ”إن کان معک قرآن فاقرا وإلا فاحمد اللہ عز وجل“ اس میں قرآن یاد نہ ہونے کی صورت میں حمد و تکبیر کا حکم دیا گیا ہے اگر ”قراءة من المصحف“ جائز ہوتی تو کہا جاتا کہ دیکھ کر قرآن پڑھ لو۔ ۶۸

بعض حنفیہ نے فساد کی علت عمل کثیر بتائی ہے اور بعض نے ”تلقن من الخارج“ دوسری علت حنفیہ کے نزدیک رائج ہے، چنانچہ اگر عمل کثیر لازم نہ آئے تب بھی ”قراءة من المصحف“ موجب فسادِ صلوٰۃ ہوگی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس اثر کا جواب حنفیہ نے یہ دیا ہے کہ یہ محتمل ہے اور یہ ممکن ہے کہ مصحف سے امامت کرنے کا مطلب یہ ہو کہ وہ نماز سے پہلے یا ترویج کے دوران مصحف دیکھ کر یاد کر لیتے ہوں۔

۶۹۔ من المصحف - ظاہرہ يدل على جواز القراءة من المصحف في الصلوة، وبه قال ابن سيرين والحسن والحكم وعطاء، وكان انس يصلی و غلام خلفه يمسك له المصحف، و اذا تعابا في آية فتح له المصحف، و اجازہ مالک فی قیام رمضان، و كرهه النعمی و سعید بن المسیب و الشعبي، و هو رواية عن الحسن. وقال: هكذا يفعل النصاری، و فی مصنف ابن ابی شیبہ و سلیمان بن حنظلہ و مجاهد بن جبير و حماد و قتادة، و قال ابن حزم: لا تجوز القراءة من المصحف و لا من غيره لمصل اماما كان أو غيره، فان تعمد ذلك بطلت صلاته وبه قال ابن المسیب و الحسن و الشعبي و أبو عبد الرحمن السلمي و هو مذهب أبی حنيفة و الشافعی، قال صاحب ((التوضيح)): و هو غریب لم آره عنه.

قلت: القراءة من مصحف في الصلاة مفسدة عند أبی حنيفة لأنه عمل كثير، و عند أبی يوسف و محمد يجوز، لأن النظر في المصحف عبادة، ولكنه يكره لما فيه من التشبه بأهل الكتاب في هذه الحالة، وبه قال الشافعی و أحمد، و عند مالک و أحمد في رواية. لا تفسد في النفل فقط، غمدة القاری، ج: ۴، ص: ۳۱۴، و فیض الباری، ج: ۲، ص: ۲۱۷، و مصنف ابن ابی شیبہ، ج: ۲، ص: ۱۲۳.

۷۰۔ لامع الدراری، ص: ۲۶۵، ج: ۳. أن عمر رضي الله تعالى عنه كان ينهى عنه، فيض الباری، ج: ۲، ص: ۲۱۷، و المغنی، ج: ۱، ص: ۳۳۵.
۷۱۔ لامع الدراری، ج: ۱، ص: ۲۶۵.

”و ولد البغی و الأعرابی“

امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کی امامت کے جواز پر ”یؤمہم اقراہم لکتاب اللہ“ کے عموم سے استدلال کیا ہے۔

حنفیہ کی کتابوں میں ان کی امامت کو مکروہ قرار دیا گیا ہے۔

موطاً امام مالک رحمہ اللہ میں روایت ہے کہ: ”ان رجلا کان یوم الناس بالعقیق فارسل إلیہ عمر بن عبد العزیز فنہاہ قال مالک وإنما نہاہ لأنہ کان لا یعرف أبوہ“۔^{۱۰۹}
نیز ابن ماجہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خطبہ مروی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں
”..... الا لا تؤمن امرأة رجلا ولا یؤم أعرابی مهاجرا ولا یؤم فاجر مؤمناً الا أن یقہرہ
بسلطان یخاف سیفہ وسوطہ“۔^{۱۱۰}

حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ نے ”اعلاء السنن“ میں فرمایا ہے کہ اگرچہ یہ حدیث سنداً
ضعیف ہے، مگر ان امور کی صحت پر دوسرے قرائن موجود ہیں۔^{۱۱۱}
علامہ عینی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔ ”لا یتقدم الصف الاول
أعرابی ولا عجمی ولا غلام لم یحتلم“۔^{۱۱۲}

البتہ بچے کے علاوہ دوسرے لوگوں میں کراہت کی وجہ لوگوں کے دلوں میں وقعت کا نہ ہونا ہے،
لہذا اگر یہ لوگ علم و قرأت وغیرہ میں ممتاز ہوں تو کراہت نہیں اور بچے میں علت اس کا غیر مکلف ہونا ہے۔
”والغلام الذی لم یحتلم“۔

نابالغ کی امامت کا مسئلہ

یہ اختلافی مسئلہ ہے، بظاہر امام بخاری رحمہ اللہ صبی ممیز کی امامت جائز سمجھتے ہیں اور یہی امام شافعی رحمہ
اللہ کا مذہب ہے۔

حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ فرائض میں عدم جواز پر متفق ہیں، البتہ حنابلہ نوافل میں جائز کہتے ہیں اور مالکیہ
کہتے ہیں کہ جائز تو نہیں مگر نوافل میں نماز صحیح ہو جائے گی۔

۱۰۹۔ موطاً مالک، باب العمل فی صلاة الجماعة، رقم: ۳۰۳، ج: ۱، ص: ۱۳۳۔

۱۱۰۔ سنن ابن ماجہ، باب فی فرض الجمعة، رقم: ۱۰۸۱۔

۱۱۱۔ اعلاء السنن، ج: ۳، ص: ۲۳۰۔

۱۱۲۔ أخرجه الدارقطني، باب من يصلح أن يقوم خلف الامام، رقم: ۱، ج: ۱، ص: ۱۸۱۔

حقیقہ کے نزدیک فی اصح القولین نوافل میں بھی جائز نہیں، مجوزین حضرت عمرو بن سلمہ ؓ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو پیچھے گزر گئی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ ابتداء اسلام کا واقعہ ہے، ورنہ کشف عورت کے باوجود نماز کو جائز کہنا پڑے گا اور ”رفع القلم عن ثلاث“ سے معلوم ہوتا ہے کہ نابالغ کے اعمال غیر معتبر ہیں۔ پھر وہ امامت کیسے کر سکتا ہے؟ نیز حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ اور حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے نابالغ کی امامت کو ناجائز قرار دیا۔

حضرت ابن عباس ؓ کا قول ہے ”لا یوم الغلام حتی یحتلم“ اور ابن مسعود ؓ کا ارشاد ہے ”لا یوم الغلام حتی یجب علیہ الحدود“۔ ۱۱۳

(۵۵) باب : إذا لم يتم الامام واتم من خلفه

اگر امام اپنی نماز کو پورا نہ کرے اور مقتدی پورا کریں

۶۹۴۔ حدثنا الفضل بن سهل قال : حدثنا الحسن بن موسى الأشيب قال : حدثنا عبد الرحمن بن عبد الله بن دينار ، عن زيد بن أسلم ، عن عطاء بن يسار ، عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ قال : ((يصلون لكم فإن أصابوا فلكم ولهم وإن أخطوا فلكم وعليهم))۔ ۱۱۴

”فان اخطعوا فلكم وعليهم“ یعنی انہوں نے غلطی کی تو تمہیں ثواب ہوگا، ان کو گناہ ہوگا۔ اس سے امام بخاری نے امام شافعی رحمہما اللہ کے اس مسلک کی تائید کی ہے کہ امام اگر نماز میں کسی عمل مفسد کا ارتکاب کرے تو اس کی نماز فاسد ہوتی ہے، مقتدی کی نماز فاسد نہیں ہوتی۔ مگر یہ استدلال بہت ضعیف ہے۔

ایک تو اس لئے کہ یہ حدیث درحقیقت ائمہ کے نماز کو وقت سے مؤخر کرنے کے سلسلے میں وارد ہوئی ہے جیسا کہ ظالم حکمران نماز کو تاخیر سے پڑھتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اس غلطی کا گناہ ان پر ہوگا تم پر نہیں، لہذا یہ حدیث نماز میں عمل مفسد کے ارتکاب سے متعلق نہیں ہے۔

دوسرے اس حدیث میں گناہ اور ثواب کا ذکر ہے، فساد یا عدم فساد کا نہیں۔

نیز حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حدیث میں ”اتمام“ کا لفظ دلالت کر رہا ہے کہ یہ حدیث امور

زائدہ سے متعلق ہے، یعنی سنن و مستحبات وغیرہ سے کہ اگر امام ان میں کوتاہی کرے تو مقتدی پر اس کا اثر نہیں پڑتا یہ ارکان و شرائط سے متعلق نہیں۔

خفیہ کی دلیل معروف حدیث ہے ”الإمام ضامن“ اور ”انما جعل الإمام ليؤتم به“ اگر امام کی نماز فاسد ہے تو اس کے افعال صلوٰۃ معتبر ہی نہیں، پھر اقتدا کیسے ہوگی؟

یہاں یہ واضح رہے کہ بعض حضرات نے امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ کے بارے میں بھی یہ نقل کیا ہے کہ وہ امام شافعی رحمہ اللہ کے ہم نوا ہیں، لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ صرف اس مسئلے میں ان کے ہم خیال ہیں، کہ اگر امام نے نادانستگی میں بحالت حدیث نماز پڑھا دی، بعد میں حدیث کا پتہ چلا تو یہ حضرات فرماتے ہیں کہ صرف امام کی نماز فاسد ہوئی، مقتدیوں کی نہیں۔ باقی مفسدات میں وہ بھی یہ کہتے ہیں کہ امام کی نماز کا فساد مقتدی کی نماز کے فساد کو متلزم ہے۔ ۱۵

(۵۶) باب امامة المفتون والمبتدع

بتلائے فتنہ اور بدعتی کی امامت کا بیان

”مفتون“ سے مراد باغی ہیں جو امام برحق کے خلاف خروج کر کے فتنے میں مبتلا ہوں اور ”مبتدع“ سے مراد وہ لوگ ہیں جو اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد کے خلاف عقائد رکھتے ہوں، بشرطیکہ ان کا عقیدہ کفر کی حد تک نہ پہنچا ہو۔ ان کا حکم یہ ہے کہ انہیں باختیار خود امام بنانا جائز نہیں لیکن اگر کہیں اور جماعت ملنے کی امید نہ ہو تو ان کے پیچھے پڑھنا انفرادے افضل ہے اور نماز ہر صورت میں ہو جاتی ہے، اعادہ واجب نہیں۔

۶۹۵۔ قال أبو عبد الله : وقال لنا محمد بن يوسف : حدثنا الأوزاعي قال :

حدثنا الزهري ، عن حميد بن عبد الرحمن ، عن عبيد الله بن عدي بن خيار : أنه دخل على عثمان بن عفان ؓ وهو محصور فقال : إنك إمام عامة ونزل بك مانري ويصلي لنا إمام فتنه وتخرج. فقال : الصلاة أحسن ما يعمل الناس فإذا أحسن الناس فأحسن معهم . وإذا أسأوا فاجتنب إساءتهم. وقال الزبيدي : قال الزهري : لا نرى أن يصلى خلف المخنث إلا من ضرورة لابد منها.

”فإذا أحسن الناس فأحسن معهم“ یہ جملہ ایک خلیفہ راشد ہی کہہ سکتا ہے۔ جو لوگ ناحق خلیفہ

راشد کی جان کے درپے ہیں اور جنہوں نے خلیفہ راشد کو ظلماً قید کر کے مسجد پر قبضہ کیا ہوا ہے، ان کے بارے میں

بھی حکم شرعی بیان کرنے میں ذاتی جذبات کی کوئی پرچھائیں پڑنے نہیں دیں بلکہ ان کے پیچھے نماز پڑھنے کی اجازت دی۔

اسلام کی تعلیم درحقیقت یہی ہے کہ ہر معاملے میں اعتدال اور توازن برقرار رکھا جائے اور کسی اختلاف کو اپنی حد سے آگے بڑھنے نہ دیا جائے۔

”ان یصلی خلف المخنث“ یہ لفظ نون کے کسرہ اور فتح دونوں کے ساتھ پڑھا جاسکتا ہے۔ یہاں یہ واضح رہے کہ مخنث کے لفظ سے تین قسم کے اشخاص مراد لے لئے جاتے ہیں، مگر ہر ایک کا حکم الگ ہے: پہلی قسم خنثی ہے، یعنی جس کے بارے میں یہ تعین نہ ہو سکے کہ وہ مرد ہے یا عورت، کیونکہ اس کے اعضاء مخصوصہ دونوں طرح کے ہوتے ہیں۔ اس کے پیچھے مردوں کی کا نماز کسی حال میں جائز نہیں، کیونکہ اس کے عورت ہونے کا احتمال ہے اور وہ اپنے جیسے خنثی کی امامت بھی نہیں کر سکتا، کیونکہ اس بات کا احتمال ہے کہ امام عورت اور مقتدی مرد ہو۔

دوسری قسم میں وہ اشخاص داخل ہیں جو مرد ہوتے ہیں، مگر ان کے اعضاء اور لب و لہجہ میں خلقی طور پر نسوانیت ہوتی ہے، وہ بحکلف عورت بننے کی کوشش نہیں کرتے۔ ایسے لوگ کسی گناہ کے مرتکب نہیں اس لئے ان کی امامت جائز ہے۔

تیسری قسم وہ ہے جو مرد ہوتے ہیں مگر بحکلف عورتوں جیسی ادائیں اور ان کا سالب و لہجہ بناتے ہیں، ان کا یہ عمل چونکہ ناجائز ہے اس لئے ان کے پیچھے نماز اسی طرح ناجائز ہے جیسے کسی فاسق کے پیچھے۔ یہاں بظاہر امام زہریؒ کی مراد یہی تیسری قسم ہے۔

”الامن ضرورة لابد منها“ مثلاً یہ کہ کوئی مخنث حاکم بن جائے اور اس کی امامت سے نجات کا کوئی

راستہ نہ ہو۔

(۵۷) باب : يقوم عن يمين الإمام بحذائه سواء إذا كانا اثنين

جب دو نمازی ہوں تو مقتدی امام کے دائیں طرف اس کے برابر میں کھڑا ہو

۶۹۷۔ حدثنا سليمان بن حرب قال : حدثنا شعبة ، عن الحكم قال : سمعت

سعيد بن جبیر ، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال : بت فی بیت خالتی میمونة فصلى رسول اللہ ﷺ العشاء ، ثم جاء فصلی أربع ركعات ثم نام ، ثم قام فاجت فقامت عن يساره فجعلنى عن يمينه فصلی خمس ركعات ، ثم صلى ركعتين ثم نام حتى سمعت غطيظه أو

قال : خطيظه ، ثم خرج إلى الصلاة . [راجع : ۱۱۷]

(۵۸) باب : إذا قام الرجل عن يسار الإمام فحولہ الإمام

إلى يمينه لم تفسد صلاتهما

اگر کوئی شخص امام کے بائیں جانب کھڑا ہو اور امام اس کو اپنے دائیں طرف پھیر دے تو کسی کی نماز فاسد نہ ہوگی

۶۹۸ - حدثنا أحمد قال : حدثنا ابن وهب قال : حدثنا عمرو عن عبد ربه بن سعيد ، عن مخمرة بن سليمان ، عن كريب مولى ابن عباس عن ابن عباس رضي الله عنهما قال : نمت عند ميمونة والنبي ﷺ عندها تلك الليلة فتوضأ ثم قام يصلي فقامت عن يساره فأخذني فجعلني عن يمينه فصلى ثلاث عشرة ركعة ، ثم نام حتى نفخ وكان إذا نام نفخ ثم أتاه المؤذن فخرج فصلى ولم يتوضأ . قال عمرو : فحدثت به بكيرا فقال : حدثني كريب بذلك . [راجع : ۱۷۷] ۱۱۶

(۵۹) باب : إذا لم ينو الإمام أن يؤم ثم جاء قوم فأمرهم

اگر امام نے امامت کی نیت نہ کی ہو پھر کچھ لوگ آجائیں اور وہ ان کی امامت کرے

۶۹۹ - حدثنا مسدد قال : إسماعيل بن إبراهيم عن أيوب ، عن عبد الله بن سعيد بن جبير ، عن أبيه ، عن ابن عباس قال : بت عند خالتي ميمونة فقام النبي ﷺ يصلي من الليل فقامت أصلي معه ، فقامت عن يساره ، فأخذ برأسني فأقامني عن يمينه . [راجع : ۱۱۷]

یہ واقعہ کئی جگہ ابواب قائم کر کے لار ہے ہیں۔ یہاں اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے نماز شروع کی اور پھر کسی نے پیچھے سے آکر اس کی اقتدا کی تو یہ جائز ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ مسئلہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگرچہ جس وقت اس نے تکبیر تحریمہ کہی اس وقت اس کا مقصود امامت کرنا نہیں تھا، لیکن بعد میں کچھ لوگ پیچھے کھڑے ہو گئے اور اقتدا کر لی تو اس کی اقتدا اور امام کی امامت درست ہو جائے گی اور نماز صحیح ہو جائے گی۔

یہاں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما پیچھے آکر کھڑے ہو گئے آپ ﷺ انہیں بائیں سے ہٹا کر دائیں طرف لے آئے اور نماز پڑھادی، اس سے پتہ چلا کہ اگر کوئی دوران نماز آکر شامل ہو جائے تب بھی امامت کی نیت معتبر ہے۔

(۶۰) باب إذا طول الإمام وكان للرجل حاجة فخرج وصلى اگر امام نماز کو طول دے اور کوئی شخص اپنی کسی ضرورت کی وجہ سے

نماز توڑ کر چلا جائے اور نماز پڑھ لے

۷۰۰۔ حدیثنا مسلم قال: حدثنا شعبه، عن عمرو، عن جابر بن عبد الله: أن معاذ بن جبل كان يصلي مع النبي ﷺ ثم يرجع فيؤم قومه. [أنظر: ۷۰۱، ۷۰۵، ۷۱۱، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲]

۷۰۱۔ قال حدثني محمد بن بشار قال: حدثنا غندر قال: حدثنا شعبه عن عمرو قال: سمعت جابر بن عبد الله قال: كان معاذ بن جبل يصلي مع النبي ﷺ ثم يرجع فيؤم قومه، فصلى العشاء فقرأ بالبقرة، فانصرف الرجل فكان معاذ يناول منه، فبلغ النبي ﷺ فقال: (فتان، فتان، فتان) ثلاث مرار أو قال: (فاتناً، فاتناً، فاتناً) وأمره بسورتين من أوسط المفصل. قال عمرو: لا أحفظهما. [راجع: ۷۰۰]

یہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے، امام بخاری رحمہ اللہ یہاں اس کو کئی طریقوں سے لے کر آئے ہیں کہ یہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے، پھر جا کر اپنی قوم کو نماز پڑھایا کرتے تھے۔
حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ فرمایا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے اور پھر جا کر اپنی قوم میں نماز پڑھاتے تھے۔

۷۱۱۔ وفي صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب القراءة في العشاء، رقم: ۷۰۹، وسنن العرمذی، كتاب الجمعة عن رسول الله، باب ماجاء في الذي يصلي الفريضة ثم يؤم الناس بعد ما صلى، رقم: ۵۳۲، وسنن النسائي، كتاب الإمامة، باب اختلاف نية الإمام والمأموم، رقم: ۸۲۶، وسنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب في تخفيف الصلاة، رقم: ۶۷۱، ومسند أحمد، باقي مسند المكثرين، باب مسند جابر بن عبد الله، رقم: ۱۳۷۲۳، ۱۳۷۸۷، ۱۳۳۳۲، وسنن الدارمی، كتاب الصلاة، باب قدر القراءة في العشاء، رقم: ۱۲۶۳.

ایک مرتبہ اپنی قوم میں عشاء کی نماز پڑھائی اور اس میں سورۃ البقرۃ پڑھنی شروع کردی ”فانصرف الرجل“ ایک شخص بیچ میں سے اٹھ کر چلا گیا، اس نے دیکھا کہ لمبی چوڑی نماز ہو رہی ہے تو چلا گیا۔
دو باب کے بعد روایت میں اس کی تفصیل آرہی ہے کہ وہ شخص مشقت سے دو اونٹ چلا کر آ رہا تھا، اس نے دیکھا نماز ہو رہی ہے تو وہ اونٹ باندھ کر نماز میں شامل ہو گیا۔ اس نے دیکھا سورت چل رہی ہے اور نماز ختم ہی نہیں ہو رہی ہے تو اس نے سوچا کہ جماعت کے ساتھ شامل رہنا میرے لئے مشکل ہے، اس لئے وہ جماعت چھوڑ کر اپنی نماز پڑھ کر چلا گیا۔

”فکان معاذینا ول منه“ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ان کو برا بھلا کہتے تھے کہ نماز توڑ کر چلا گیا۔
”بلغ النبى“ آپ ﷺ کو اطلاع ملی، دوسری روایت میں آتا ہے کہ اسی نے جا کر حضور اقدس ﷺ کو شکایت کی کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اس طرح کر رہے ہیں۔
”فقال: فتان فتان او قال فاتناً فاتناً“ یعنی یہ کسی مقدہ رکی وجہ سے منصوب ہوگا۔
”یکون فاتناً“ کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فتنہ پیدا کر رہے ہیں، آپ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو بلا کر ڈانٹا اور ”امرو بسورتین من اوسط المفصل“۔
”اوسط مفصل“ کی دو سورتیں بتائیں کہ اس طرح کی سورتیں پڑھا کرو، یہ نہیں کہ سورۃ بقرہ پڑھنی شروع کر دو۔

”قال عمرو: لا احفظهما“ عمرو بن دینار جو راوی ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں وہ دونوں بھول گیا لیکن اگلی روایت میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”سبح اسم ربک الاعلی“ اور ”والشمس وضحاها“ اس قسم کی سورتیں پڑھا کرو۔ سورۃ بقرہ تمہارے لئے نماز میں پڑھنا صحیح نہیں۔
حدیث کا اصل مفہوم تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو تنبیہ فرمانا ہے کہ لوگوں کی حالت کی رعایت کئے بغیر نماز کو لمبا کر دینا فتنہ پیدا کرتا ہے، اس لئے تخفیف سے کام لینا چاہئے۔ فرض کریں لوگ تو دھوپ میں کھڑے ہوئے تپ رہے ہوں اور آپ نے لمبی سورۃ پڑھنی شروع کر دی اور وہ بھی تجوید کے سارے قواعد اور ساری قرآنۃ عشرہ جمع کر کے، تو اس سے فتنہ پیدا ہوگا، اسی لئے فرمایا ”من امّ قوماً فلیخفف“۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب قائم کیا ہے ”اذا طول الامام وکان للرجل حاجة فخرج وصلی“ کہ اگر امام نماز لمبی کر دے اور آدمی کو کوئی حاجت ہو اور وہ نکل کر چلا جائے۔ ظاہر یوں لگتا ہے کہ ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو تنبیہ فرمائی، اس آدمی کو تنبیہ نہیں فرمائی کہ تم کیوں گئے؟

اسی سے ایک دوسرے مسئلہ کی طرف بھی اشارہ فرمایا کہ بعض فقہاء مثلاً شافعیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کسی

شخص کی رائے جماعت سے نماز شروع کرنے کے بعد تبدیل ہو جائے اور وہ کسی بھی وجہ سے اس امام کے پیچھے نماز نہ پڑھنا چاہے تو اس کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ وہیں سے رکوع کر دے اور اپنی نماز کو منفرد کی نماز کی طرف محول کر دے اس کیلئے اس کو سلام پھیر کر نماز توڑنے کی ضرورت نہیں ہے، یعنی پہلے تو نیت کی تھی کہ میں اس امام کے پیچھے پڑھ رہا ہوں لیکن جب دیکھا کہ بہت لمبی پڑھا رہا ہے تو وہیں سے رکوع میں چلا جائے اور منفرد کے طریقے سے اپنی نماز پوری کر دے۔

حضرات شافعیہ کہتے ہیں کہ ایسا کرنا جائز ہے اور اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ اس آدمی نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی نماز کو ترک کر کے اسی سابق نماز پر بنا کر کے اپنی نماز پڑھ لی۔

جمہور فقہاء فرماتے ہیں کہ ایسا کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ فرض کریں اگر انتہائی ناگزیر صورت پیش آگئی تو اس نماز کو قطع کرے، سلام پھیر دے اور از سر نو اپنی نماز منفرداً شروع کرے، سابق پر بنا نہیں ہوگی۔ مثلاً امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھ چکے تھے، دوسری رکعت میں تھے کہ معاملہ قابو سے باہر ہو گیا تو سلام پھیر دے اور پہلی رکعت سے انفراداً شروع کرے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے شافعیہ کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ صحیح مسلم میں اس واقعہ میں صراحت ہے کہ ان صاحب نے سلام پھیرا اور پھر مسجد کے ایک گوشے میں اپنی نماز ادا کی۔^{۱۸}

(۶۱) باب تخفیف الإمام فی القيام وإتمام الركوع والسجود

قیام میں امام کے تخفیف کرنے اور رکوع و سجد کے پورا کرنے کا بیان

۷۰۲۔ حدثنا أحمد بن يونس قال: حدثنا زهير قال: حدثنا إسماعيل قال: سمعت قيساً قال: أخبرني أبو مسعود: أن رجلاً قال: والله يا رسول الله إني لأتأخر عن صلاة الغداة من أجل فلان مما يطيل بنا، فما رأيت رسول الله ﷺ في موعظة أشد غضباً منه يومئذ قال: (إن منكم منفرين، فأياكم ماصلي بالناس فليخفف فإن فيهم الضعيف والكبير وإذا الحاجة). [راجع: ۹۰]

مسلمان کا کوئی عمل حتی الامکان تنفیر کا سبب نہ بنے

یہ دوسرا واقعہ ہے، حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! قسم ہے میں صبح

۱۸۔... فانحرف رجل فسلم ثم صلى وحده وانصرف الخ، صحيح مسلم، رقم: ۳۶۵، باب القراءة في العشاء، ج: ۱،

ص: ۳۳۹، ولبعض الباری، ج: ۲، ص: ۲۲۳، وعمدة القاری، ج: ۴، ص: ۳۳۰، وفتح الباری، ج: ۲، ص: ۱۹۳.

کی نماز سے فلاں شخص کی وجہ سے پیچھے رہ جاتا ہوں، یعنی اپنے امام صاحب کی وجہ سے ”مما یطیل بنا“ کیونکہ وہ بہت لمبی نماز پڑھاتے ہیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ یہ لمبی نماز پڑھانے والے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ تھے۔ ۱۱۹

”فما رأیت رسول اللہ ﷺ الخ“ میں نے حضور اقدس ﷺ کو کسی موعظہ میں اتنا غضب ناک نہیں دیکھا جتنا اس دن دیکھا۔

معلوم ہوا کہ جہاں کوئی شخص دین کی ایسی تصویر پیش کرے جو لوگوں کو بہکانے والی یا نفرت دلانے والی ہو تو یہ بدترین منکر ہے اور نکیر کا مستحق ہے۔ دعوت میں اس کا لحاظ رکھنے کی بہت ضرورت ہے تمام داعیوں کو اس کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ وہ تنفیر کا سبب نہ بنیں، لوگوں کو گھیر گھیر کر بٹھائے، کسی کو ضرورت ہے، کسی کو حاجت ہے اور آپ نے زبردستی بٹھا دیا تو یہ تنفیر کا سبب بنے گا۔

وہاں تو حال یہ ہے کہ آنے والا کہہ رہا ہے ”عظنی یا رسول اللہ و اوجز“ کہ مجھے نصیحت فرمائیے، اور مختصر نصیحت فرمائیے۔ خود مختصر ہونے کی قید لگا رہا ہے۔

حضور ﷺ نے یہ نہیں فرمایا، او خدا کے بندے! نصیحت بھی مانگتے ہو اور میرے اوپر قیدیں اور شرطیں بھی عائد کرتے ہو کہ مختصر نصیحت کرو۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ مختصر چاہتے ہو تو مختصر ہی سنو، فرمایا ”لا تعصب“ بس یہ نصیحت ہے۔ تو جیسا موقع اور محل ہے ایسی بات کرو، اس کے مطابق کام کرو۔ دعوت کا بھی محل دیکھو کہ یہ موقع ہے یا نہیں۔

بعض مرتبہ کسی جگہ سکوت اختیار کر لینا، تسامح کر جانا بھی مفید ہوتا ہے، بات کرنے کے لئے بعد میں کسی مناسب موقع کو تلاش کیا جاتا ہے۔ حضرت مولانا الیاس رحمہ اللہ؛ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائیں، ان کا واقعہ ہے کہ ایک صاحب تھے حضرت کے پاس آتے تھے، کافی مانوس بھی ہو گئے تھے، وہ آتے نماز وغیرہ پڑھ لیتے، ان کے چہرہ پر دراڑھی نہیں تھی۔ حضرت نے دیکھا بے چارہ کافی دنوں سے آتا ہے ایک دن کہا، بھائی! تمہارے چہرہ پر حضور ﷺ کی سنت کے آثار نہیں ہیں، وہ خاموش ہو گیا اور اس کے بعد دوبارہ نہیں آیا۔

حضرت نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ میں نے کچھ تو بے پروائی ڈال دی، مطلب یہ ہے کہ ابھی اس بات کا موقع نہیں آیا تھا، ابھی اس کے اندر ایمان کی گرمی مزید پیدا کرنا مقصود تھی، تب وہ اس مرحلہ پر آتا۔ میں نے پہلے ہی یہ بات کہہ دی۔

۱۱۹ قبل ہو معاذ رضی اللہ عنہ، و قبل هو ابی رضی اللہ عنہ لأنها واقعة الفجر، و تطویل معاذ رضی اللہ عنہ فی کان العشاء ومن یراهما متحداً یلتزم ان معاذ رضی اللہ عنہ طول فیہما، ومن جعلها قصة ابی رضی اللہ عنہ ثم رأى جملة فان منكم منفرین الخ فی حدیث معاذ رضی اللہ عنہ حکم بكونها وهما فی حدیثه، وصنیع البخاری يدل علی أنها ثابتة عنده وخالفه الحافظ رحمه الله تعالى وقال انها وهم فی قصة معاذ رضی اللہ عنہ. فیض الباری، ج: ۲، ۲۳۲.

تو داعی کو یہ سب باتیں پیش نظر رکھنی پڑتی ہیں، اس کا نام ہے ”ادع الی سبیل ربک بال حکمة والموعظة الحسنه“ اس لئے کوئی بھی ایسا اقدام جو لوگوں کی تنفیر کا سبب بنے، اس سے بچنا چاہئے۔
یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ لوگوں کو تنفیر سے بچانے کے لئے خود کسی گناہ کا ارتکاب کرنا درست نہیں ہے، اپنے آپ کو گناہ سے بچانا واجب ہے، خواہ اس سے لوگ بھاگیں، برگشتہ ہوں یا خوش ہوں اس کی پرواہ نہیں ہے۔
یہ بڑا نازک کام ہے یہ پل صراط ہے جو بال سے زیادہ باریک اور تلواریں سے زیادہ تیز ہے کہ کس وقت انسان کیا طرز عمل اختیار کرے اور یہ صرف کتاب پڑھنے سے نہیں آتا یہ صحبت سے آتا ہے۔ اللہ ﷻ نے جن کو اللہ فی الدین کا ملکہ عطا فرمایا ہے ان کی صحبت سے یہ بات حاصل ہوتی ہے کہ کس مرحلہ پر کیا کام کروں؟ کہاں چلک پیدا کروں؟ کہاں ڈٹ جاؤں؟ اس کا فیصلہ بہت مشکل ہے۔ اللہ ﷻ کی خاص توفیق ہی ہوتی ہے، جس سے انسان اس بارے میں صحیح فیصلہ کرتا ہے ورنہ کبھی ڈگمگا جاتا ہے، کبھی ایسی چلک دے دیتا ہے جو مدہمت میں شامل ہوگئی، کبھی ایسا ڈٹ گیا اور اڑ گیا کہ تنفیر میں شامل ہو گیا، اس واسطے یہ باتیں صحبت میں رہ کر سیکھنے سے آتی ہیں۔

(۶۲) باب : اذا صلی لنفسه فليطوّل ما شاء

جب کوئی شخص تنہا نماز پڑھے تو جس قدر چاہے طول دے

۷۰۳۔ حدثنا عبد اللہ بن یوسف قال: أخبرنا مالک، عن أبي الزناد، عن الأعرج، عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ قال: «إذا صلی أحدکم للناس فليخفف فإن منہم الضعیف والسمیم والكبیر . وإذا صلی أحدکم لنفسه فليطوّل ما شاء» .
اذا صلی أحدکم للناس فليخفف

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تخفیف صلاۃ کا تعلق صرف قراءت سے ہے، دوسرے ارکان کی ادائیگی سے نہیں، لہذا رکوع و سجود میں تین سے زائد تسبیحات پڑھنا بلا کراہت جائز ہے، کیونکہ حضور اکرم ﷺ سے دس تسبیحات کی مقدار رکوع و سجود میں ثابت ہے، نیز قرأت میں تخفیف کا مطلب یہ ہے کہ ہر نماز میں قدر مسنون سے آگے نہ بڑھے، لہذا فجر میں طوالت مفصل پڑھنا تخفیف کے خلاف نہیں، لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ قراءت میں تقنی کی خاطر زیادہ دیر لگانا تخفیف کے خلاف ہے۔ ۷۰۴

۷۰۴۔ أراد أن ينه على محل التخفيف وهو القيام فطوّل فيه ويقصر بحسب التارات والحالات، أما الركوع والسجود فليتمهما في كل حال قلت: ويعلم من سنة النبي ﷺ وهديه أنه كان لركوعه وسجوده مقداراً محدوداً بخلاف القيام فإنه كان يختلف باختلاف الأحوال، ثم إن هذا في الفرائض بقيت صلاة الليل فكان ركوعها وسجودها وقيامها كلها غير منتظمة لأنها كانت صلاته لنفسه والرجل مخير فيها، فيض الباری، ج: ۲، ص: ۳۳۲.

(۶۳) باب من شکا إمامه إذا طَوَّلَ،

جو شخص اپنے امام کی جب وہ نماز میں طوالت کرتا ہو شکایت کرے
وقال أبو أسيد: طَوَّلْتُ بنا يا بني۔

اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتا رہے ہیں کہ ایسے موقع پر امام کی شکایت کرنا بھی جائز ہے، یہ نہ ہو کہ مقتدی یہ سوچیں کہ اگر میں اپنے امام کی شکایت کروں گا تو آخرت میں پکڑا جاؤں گا۔
ایک مرتبہ ابو اسید کے بیٹے نے امامت کروائی تو انہوں نے کہا ”طَوَّلْتُ بنا يا بني“ اے بیٹے! تو نے بہت لمبی نماز پڑھی۔

مجھے یاد ہے ایک مرتبہ سفر کر رہے تھے، ٹرین جنگل میں رُک گئی، مغرب کا وقت تھا، بہت سارے لوگ موجود تھے، جماعت والے، مدرسوں والے اور دیگر لوگ بھی، سوچا ٹرین ٹھہر گئی ہے، نیچے اتر کر نماز پڑھ لیں جماعت ہو جائے گی کیونکہ ٹرین میں جماعت کرنا مشکل کام تھا۔

چنانچہ ایک آدمی کو آگے کر دیا اس نے ”لَمْ يَكُنْ الدِّينَ“ بڑی تجوید کے ساتھ شروع کر دی، ابھی ”لَمْ يَكُنْ“ الخ ختم نہیں ہوئی تھی کہ گاڑی چل پڑی۔ اب سب نماز توڑ توڑ کر بھاگنے لگے، تو یہ اس نے بے موقع کام کیا۔ ایسے میں ”وَالْعَصْرُ“ اور ”إِنَّا اعْطَيْنَاكَ الْكُوْثَرَ“ پڑھ کر نماز پوری کرنی چاہئے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا واقعہ ہے کہ فجر کی نماز میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کو کھڑا کیا اور سورج نکلنے کے قریب تھا، انہوں نے معوذتین پڑھ کر نماز ختم کر دی۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا ”صَارَ يَعْقُوْبُنَا فَقِيْهَا“ کہ ہمارے یعقوب فقیہ ہو گئے۔

۷۰۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ : حَدَّثَنَا سَفِيَّانُ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ ،

عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ ، عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ قَالَ : قَالَ رَجُلٌ : يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي لَا تَأْخُرُ عَنِ الصَّلَاةِ فِي الْفَجْرِ مِمَّا يَطِيلُ بِنَا فَلَانُ فِيهَا ، فَغَضِبَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ، مَا رَأَيْتُهُ غَضِبَ فِي مَوْضِعٍ كَانَ أَشَدَّ غَضَبًا مِنْهُ يُؤْمِنُ . ثُمَّ قَالَ : « يَا أَيُّهَا النَّاسُ ، إِنْ مِنْكُمْ مَنْفَرِينَ . فَمَنْ أَمَّ النَّاسَ فَلْيَتَجَوَّزْ ، فَإِنْ خَلْفَهُ الضَّعِيفُ وَالْكَبِيرُ وَذَا الْحَاجَةِ » . [راجع : ۹۰]

ما رَأَيْتُهُ غَضِبَ فِي مَوْضِعٍ كَانَ أَشَدَّ غَضَبًا مِنْهُ يُؤْمِنُ۔

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کسی نصیحت کے وقت اتنا غصہ میں نہیں دیکھا جتنا اس دن دیکھا، آپ ﷺ اس بات سے بڑے ناراض ہوئے اور فرمایا ”يَا أَيُّهَا النَّاسُ“ اے لوگو! تم

لوگوں کو نمازوں اور احکام شرعیہ سے نفرت دلانے والے ہو، ”فمن أم الناس فليتجوز“ جو امام لوگوں کو نماز پڑھائے تو وہ ہلکی اور اختصار کے ساتھ نماز پڑھائے۔

فإن خلفه الضعيف والكبير وذا الحاجة —

کیونکہ مقتدیوں میں کچھ بیمار بھی ہوتے ہیں، کمزور بھی ہوتے ہیں، حاجت مند بھی ہوتے ہیں جن کو جلدی سے اپنے کام سے جانا ہے، اس لئے اتنی لمبی قراءت کرنا جس سے لوگوں کو دشواری ہو، یہ تمہارے لئے جائز نہیں، اگر کرو گے تو تنفییر یعنی لوگوں کو شریعت سے نفرت دلانے کا گناہ ہوگا۔ حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جتنا غصہ اس دن آپ ﷺ نے فرمایا اتنا غصہ کرتے ہوئے میں نے آپ ﷺ کو کبھی نہیں دیکھا۔

معلوم ہوا کہ شریعت کا کوئی کام ایسے بے تکے انداز میں انجام دینا جس سے لوگوں کو ترغیب کے بجائے تنفییر ہو وہ حضور ﷺ کو اتنا ناپسند تھا کہ آپ ﷺ نے اتنا غصہ کسی بات پر نہیں فرمایا جتنا اس پر فرمایا، کیونکہ آدمی جو کر رہا ہے وہ سمجھ رہا ہے کہ میں شریعت کے مطابق کر رہا ہوں اور اللہ ﷻ کو راضی کرنے کے لئے کر رہا ہوں، لیکن حقیقت میں وہ لوگوں کو شریعت سے بھگا رہا ہے، اس واسطے ایک مسلمان کو شریعت پر اس طرح عمل کرنا چاہئے کہ جس سے لوگوں کو تنفییر نہ ہو بلکہ ترغیب ہو۔ ۱۲۱

(۶۴) باب الإيجاز في الصلاة وإكمالها

نماز کو مختصر اور پورے طور پر پڑھنے کا بیان

۷۰۶۔ حدثنا أبو معمر قال: حدثنا عبد الوارث قال: حدثنا عبد العزيز عن أنس

قال: كان النبي ﷺ يوجز الصلاة ويكملها. ۱۲۲

”يُوجز“ اختصار بھی ہے، لیکن ساتھ ساتھ کمال بھی ہے کہ کوئی کوتاہی نہیں ہے۔ جتنی قرأت مسنون ہے، وہ بھی لیکن ساتھ ساتھ ایجاز بھی ہے۔

۱۲۱۔ حریض تشریح ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری، ج: ۲، ص: ۱۲۲، رقم: ۹۰، کتاب العلم.

۱۲۲۔ وفی صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب أمر الأئمة بتخفيف الصلاة في تمام، رقم: ۷۱۹، وسنن الترمذی، کتاب الصلاة، باب ما جاء إذا أم أحدكم الناس فليخفف، رقم: ۲۲۰، وسنن أبي داؤد، کتاب الصلاة، باب طول القيام من الركوع بين السجدين، رقم: ۷۲۷، وسنن ابن ماجه، کتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب من أم قوما فليخفف، رقم: ۹۷۵، ومسند أحمد، باقی مسند المکثرین، باب مسند أنس بن مالک، رقم: ۱۱۵۲۹، ۱۱۵۵۲، ۱۲۳۷۳، ۱۲۳۷۷، ۱۲۳۸۸، ۱۳۰۸۸، ۱۳۳۱۸، وسنن الدارمی، کتاب الصلاة، باب ما أمر الإمام من التخفيف في الصلاة، رقم: ۱۲۳۲.

حضور اقدس ﷺ لمبی لمبی سورتیں بھی پڑھتے تھے لیکن رواں پڑھتے تھے تا کہ زیادہ دیر نہ لگے۔ حرمین شریفین کے ائمہ اس کا بہترین نمونہ پیش کرتے ہیں کہ لمبی سورتیں بھی پڑھتے ہیں لیکن رواں پڑھتے ہیں کہ اس میں زیادہ دیر نہیں لگتی۔

۷۰۸۔ حدثنا خالد بن مخلد قال: حدثنا سليمان بن بلال قال: حدثني شريك بن عبد الله قال: سمعت أنس بن مالك يقول: ماصليت وراء إمام قط أخف صلاة ولا أتم من النبي ﷺ وإن كان ليسمع بكاء الصبي فيخفف مخافة أن تفتن أمه.

خالد بن مخلد قوطانی کے بارے میں کتب رجال بھری ہوئی ہیں کہ یہ ضعیف راوی ہیں، ائمہ جرح و تعدیل اور اکثر لوگوں نے ان کو ضعیف کہا ہے۔

اس بنیاد پر دو قسم کی غلطیاں پیدا ہوئی ہیں:

بعض لوگوں نے اس وجہ سے یہ اعتراض کیا کہ بخاری شریف کے بارے میں جو یہ کہا جاتا ہے کہ اس کی ساری حدیثیں صحیح ہیں، یہ کہنا صحیح نہیں اس لئے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ایسے ضعیف راویوں کی احادیث بھی لی ہیں۔

دوسری طرف جن لوگوں نے امام بخاری رحمہ اللہ پر بھروسہ کیا تو ان سے یہ غلطی ہوئی کہ خالد بن مخلد سے امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت لی ہے اس لئے انہوں نے کہا ہم بھی لیتے ہیں، چنانچہ امام حاکم رحمہ اللہ سے مستدرک میں یہی غلطی ہوئی ہے انہوں نے یہ دیکھ کر کہ خالد بن مخلد کی تمام روایات کو صحیح سمجھ لیا اور چونکہ یہ رجال بخاری میں سے ہیں اس لئے ان کی ساری روایات کو صحیح علی شرط البخاری سمجھ لیا۔

لیکن واقعہ یوں ہے کہ خالد بن مخلد مختلف فیہ راوی ہیں اور امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کی صرف وہ روایات لی ہیں جن کے بارے میں ان کو انفرادی طور پر اطمینان ہو گیا تھا کہ صحیح ہیں اور سلیمان بن بلال سے روایات نقل کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرے راویوں سے بھی ان کی روایتیں صحیح ہوں۔

امام حاکم رحمہ اللہ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ متساہل ہیں اور تساہل کے اسباب میں سے ایک سبب یہ ہے کہ وہ صرف یہ دیکھتے ہیں کہ یہ آدمی بخاری کا راوی ہے، لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے ان سے کن حالات میں روایت لی تھی اور وہ کن حالات میں لے رہے ہیں اس طرف نظر نہیں کرتے۔

۷۰۹۔ حدثنا علي بن عبد الله قال: حدثنا يزيد بن زريع قال: حدثنا سعيد قال: حدثنا قتادة أنس بن مالك حدثه: أن نبي الله ﷺ قال: (إني لأدخل في الصلاة وأنا أريد إطالتها فأسمع بكاء الصبي فأتجوز في صلاتي مما أعلم من شدة وجد أمه من بكائه). [أنظر: ۷۱۰]

دوسروں کو تکلیف سے بچانا، تکلیف سے جسمانی ہی نہیں بلکہ ذہنی تشویش بھی مراد ہے، کسی ذہنی تشویش میں مبتلا کرنا، اس سے بچنے کا اہتمام آپ کو ایک ایک سنت میں نظر آئے گا، پھر رو رہا ہے تو آپ ﷺ نے نماز مختصر کر دی کہ ماں کو تشویش ہوگی۔ جب نماز جیسے فریضہ میں آپ ﷺ نے اس بات کا اتنا اہتمام فرمایا تو عام زندگی میں اس کی کتنی اہمیت ہوگی؟

مگر ہمارے دماغ سے یہ پہلو بالکل ہی مٹ گیا ہے، اپنی ذات میں سوچ رہے ہیں کہ دوسرے کو تکلیف میں مبتلا کریں گے، اس کا خیال نہیں ہوتا کہ ہم کتنے بڑے گناہ کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

(۶۶) باب : إذا صلی ثم أم قوما

جب خود فرض پڑھ چکا ہو اس کے بعد لوگوں کی امامت کرے

۱۱۷۔ حدثنا سلیمان بن حرب وأبو النعمان قالا : حدثنا حماد بن زید، عن
ایوب، عن عمرو بن دينار. عن جابر قال : کان معاذ یصلی مع النبی ﷺ ثم یأتی قومه
فیصلی بهم. [راجع ۷۰۰]
یہ حدیث پہلے بھی گزر چکی ہے، مختلف مقاصد کے لئے اس پر مختلف تراجم قائم کئے ہیں۔

”اقتداء المفترض خلف المتنفل“ کا حکم

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے جو ترجمہ الباب قائم کیا ہے وہ ”اقتداء المفترض بالمتنفل“ سے متعلق ہے یعنی اس حدیث سے استدلال فرمایا ہے کہ اگر ایک شخص نے فرض نماز ادا کر لی اور پھر دوسری جگہ جا کر امامت کی، خود نفل کی نیت کی جبکہ مقتدی فرض کی نیت سے پڑھ رہے ہوں تو یہ اقتداء درست ہو جائے گی، اس کو ”اقتداء المفترض بالمتنفل“ کہتے ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ اس کے قائل ہیں اور بظاہر امام بخاری رحمہ اللہ بھی اس کے قائل معلوم ہو رہے ہیں۔
حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

شافعیہ کا استدلال اس سے ہے ”انما جعل الإمام لیؤتم بہ“ کہ امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ اقتداء صرف افعال ظاہرہ میں ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ جب افعال ظاہرہ میں اقتداء ہے تو نیت جو اصل چیز ہے ”انما الأعمال بالنیات“ اگر اس میں اقتداء نہیں ہے، ایک مشرق کو جا رہا ہے دوسرا مغرب کو جا رہا ہے، تو پھر وہ اقتداء کیسی ہوگی؟

تو اصل چیز نیت ہے اس میں اقتدا ہونی چاہئے ”انما جعل الامام لیؤتم بہ“ ہر چیز میں اقتداء ہو گی بشمول نیت اقتداء۔

دوسری بات یہ ہے کہ ”الامام ضامن“ امام ضامن ہے اور اصول یہ ہے ”ان الشیء لا یتضمن ما فوقہ“ کہ شئی اپنے مافوق کی ضامن نہیں ہوتی، اس سے بھی پتہ چلا کہ ”اقتداء المفترض بالمتفعل“ درست نہیں ہے۔

جہاں تک حضرت معاذ رضی اللہ عنہ والے واقعہ کا تعلق ہے تو حنفیہ کی طرف سے اس کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں۔

اصولی طور پر اتنا سمجھ لیجئے کہ حنفیہ جن اصول سے استدلال کر رہے ہیں وہ قواعد کلیہ ہے ”انما جعل الامام لیؤتم بہ“ اور ”الامام ضامن“ وغیرہ۔

اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا واقعہ واقعہ جزئیہ ہے جس میں بہت سے احتمالات ہیں:
مثلاً حضرت معاذ رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کے ساتھ جو نماز پڑھتے تھے وہ نفل کی نیت سے پڑھتے ہوں اور اپنی قوم کو جا کر فرض پڑھاتے ہوں۔

اس کے جواب میں بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ ایک روایت میں یہ الفاظ موجود ہیں کہ ”ہی لہم فربضة وله تطوع“ کہ جب جا کر قوم کو نماز پڑھاتے تھے تو وہ قوم کے لئے فربضہ ہوتا تھا اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے لئے نفل ہوتا تھا۔ لیکن یہ جملہ اصل حدیث میں موجود نہیں ہے، راوی کا ادراج ہے۔ راوی عمر بن دینار یا ابن جریج میں سے کسی نے یہ لفظ بڑھادیا۔ اب ان کو کہاں سے پتہ چلا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی نیت کیا تھی؟

لہذا یہ محض ان کا گمان ہے، اندر کی نیت کا کسی کو پتہ نہیں اس لئے اس وجہ سے یہ کہنا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ وہاں قوم کے ساتھ نفل پڑھتے تھے اور یہاں فرض پڑھتے تھے، اس کا کوئی جواز نہیں، تو عین ممکن ہے کہ وہ وہاں نفل پڑھتے ہوں اور قوم کو فرض پڑھاتے ہوں، یہ احتمال موجود ہے۔ ۳۳

قوی احتمال یہ ہے کہ حضور ﷺ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھتے تھے اور قوم کو عشاء کی نماز پڑھاتے تھے یہاں کسی روایت میں یہ نہیں ہے ”یصلی مع النبی ﷺ العشاء“ اس کے برخلاف ترمذی میں اس کی صراحت موجود ہے ”یصلی مع النبی ﷺ المغرب“ بعض روایات میں آیا ہے ”یصلی بہم تلک الصلوۃ“

”یصلی بہم تلک الصلوۃ“ سے لوگوں نے یہ بات نکالی کہ جو نماز عشاء کی حضور ﷺ کے ساتھ پڑھتے تھے وہی آکر اپنی قوم کو بھی پڑھاتے تھے لیکن ”تلک الصلوۃ“ کے یہ معنی بھی ہوتے ہیں کہ جیسی نماز وہاں پڑھی دیکھی ہی پڑھائی، یعنی صفت صلوۃ وہ ویسی ہی تھی، یہ مطلب نہیں کہ بعینہ وہی نماز تھی۔

جواب ”علی سبیل التسلیم“

اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ کسی ایک واقعہ میں ایسا بھی ثابت ہے کہ عشاء کی نماز حضور اقدس ﷺ کے ساتھ پڑھی اور عشاء ہی کی نماز آ کر اپنی قوم کو پڑھائی اور وہاں فرض کی نیت کی یہاں قوم کو پڑھاتے وقت نفل کی نیت کی، تو اس پر حضور اقدس ﷺ کی تقریر ثابت نہیں بلکہ نکیر ثابت ہے۔

ابھی پیچھے روایت گزری ہے جس میں ہے کہ قرأت کیوں لمبی کی؟ لیکن مسند احمد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے پہلے ان کی لمبی قرأت پر نکیر فرمائی پھر فرمایا ”إِذَا أَنْ تَصَلِّيَ مَعِيَ وَإِذَا أَنْ تَخْفِضَ عَلَيَّ قَوْمَكَ“ یا تو میرے ساتھ نماز پڑھو یا پھر اپنی قوم کے ساتھ تخفیف سے کام لو۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ یا تو میرے ساتھ نماز پڑھو یا ان کو پڑھا کر تخفیف سے کام لو تو پھر میرے ساتھ نہ پڑھو۔ تو اس میں آپ ﷺ نے ان کے اس عمل پر نکیر فرمائی کہ میرے ساتھ بھی پڑھو اور وہاں جا کر بھی پڑھاؤ۔ اس پر تقریر نہیں نکیر ثابت ہے۔

اس واسطے اس واقعہ سے ”صلوة المفترض خلف المتنفل“ ثابت نہیں اور اس کے مقابلہ میں اصول کلیہ رائج ہیں۔ علامہ ابن بطال رحمہ اللہ نے اس کا ایک جواب یہ بھی دیا ہے کہ یہ ابتداء اسلام کا واقعہ ہو سکتا ہے جب قراء کی کمی تھی، پھر امام طحاوی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ یہ اس دور کا واقعہ ہو سکتا ہے جب فرض دو مرتبہ پڑھنا جائز تھا، امام طحاوی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث روایت کی ہے کہ:

”ان رسول الله ﷺ نهى ان نصلی لربضة فی يوم مرتین“۔

امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ”النهی لا یكون الا بعد الا باحة“۔ ۱۲۳

(۶۷) باب من أسمع الناس تكبير الإمام

اس شخص کا بیان جو مقتدیوں کو امام کی تکبیر سنائے

۷۱۲۔ حدثنا مسدد قال: حدثنا عبد الله بن داود قال: حدثنا الأعمش، عن

إبراهيم، عن الأسود، عن عائشة رضي الله عنها قالت: لما مرض النبي ﷺ مرضه الذي مات فيه أتاه بلال يؤذنه بالصلاة، فقال: ((مرو أبا بكر فليصل بالناس)) قلت: أبا بكر رجل أسيف، إن يقيم مقامك يبك فلا يقدر على القراءة. قال: ((مرو أبا بكر فليصل))،

فقلت مثله ، فقال في الثالثة أو الرابعة : ((إنكن صواحب يوسف ، مروا أبابكر فليصل)) فصرى وخرج النبي ﷺ يهادئ بين رجلين كأنى أنظر إليه يخط برجليه الأرض ، فلما رآه أبو بكر ذهب يتأخر فأشار إليه أن صل ، فتأخر أبو بكر ﷺ وقعد النبي ﷺ إلى جنبه وأبو بكر يسمع الناس التكبير . تابعه محاضر عن الأعمش . [راجع: ۱۹۸]

یہاں صرف یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ اگر بیچ میں مکبر کھڑے ہو جائیں جیسا کہ طریقہ ہوتا ہے اور وہ امام کی تکبیرات کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے زور سے تکبیریں کہیں تو یہ جائز ہے ، حضرت صدیق اکبر ﷺ زور سے تکبیریں کہتے تھے تاکہ دوسرے لوگ سُنیں۔

(۶۸) باب الرجل يأتُم بالإمام . ويأتُم الناس بالمأموم ،

اگر ایک شخص امام کی اقتدا کرے اور باقی لوگ اس مقتدی کی اقتدا کریں

”وَيَذْكُرُ عَنْ النَّبِيِّ ﷺ : ((ائْتُمُوا بِي وَلِيَأْتُم بِكُمْ مِنْ بَعْدِكُمْ))“ .

۷۱۳ - حَدَّثَنِي قَتِيبَةُ قَالَ : حَدَّثَنَا أَبُو معاوية ، عَنْ الْأَعْمَشِ ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ ، عَنْ الْأَسود ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ : لَمَّا ثَقُلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ جَاءَ بِلَالٌ يُؤَذِّنُ بِالصَّلَاةِ . فَقَالَ : (مَرَوْا أَبَا بَكْرٍ يَصْلِي بِالنَّاسِ) فَقُلْتُ : يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ أَسِيفٌ ، وَإِنَّهُ مَتَى مَا يَقُمُ مَقَامَكَ لَا يَسْمَعُ النَّاسُ ، فَلَوْ أَمَرْتُ عُمَرَ . فَقَالَ : مَرَوْا أَبَا بَكْرٍ أَنْ يَصْلِي بِالنَّاسِ) ، ثَقُلْتُ لِحَفْصَةَ : قَوْلِي لَهُ : إِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ أَسِيفٌ . وَإِنَّهُ مَتَى يَقُمُ مَقَامَكَ لَمْ يَسْمَعْ النَّاسُ فَلَوْ أَمَرْتُ عُمَرَ . فَقَالَ : ((إِنِّكَ لَأَتْنِ صَوَاحِبَ يَوْسُفَ ، مَرَوْا أَبَا بَكْرٍ أَنْ يَصْلِي بِالنَّاسِ) . فَلَمَّا دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ وَجَدَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ حَتَّى جَلَسَ عَنْ يَسَارِ أَبِي بَكْرٍ ، فَكَانَ أَبُو بَكْرٍ يَصْلِي قَائِمًا . وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَصْلِي قَاعِدًا ، يَقْتَدِي أَبُو بَكْرٍ بِصَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَالنَّاسُ يَقْتَدُونَ بِصَلَاةِ أَبِي بَكْرٍ ﷺ . [راجع: ۱۹۸]

یہاں پھر مرض وفات والی حدیث لائے ہیں جو پہلے بھی کئی بار لائے گئے ہیں۔

اقتداء ”بالتسلسل“ کا حکم اور منشأ بخاریؒ

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہما اللہ کا یہاں اس حدیث کو لانے کا منشأ حضرت امام شعیب رحمہ اللہ کے مذہب کی طرف اپنا میلان ظاہر کرنا ہے۔

حضرت امام شعی رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر مجمع لمبا ہو اور بیچ میں مکبر موجود ہوں تو یہ اقتداء بالتسلسل ہوگی کہ پہلی صف کے لوگ امام کی اقتداء کریں گے اور دوسری صف کے لوگ پہلی صف کی اور تیسری صف کے لوگ دوسری صف کی ”وہلم جزاً“۔

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ کوئی شخص آخری صف میں شامل ہوا اس حال میں کہ امام تو رکوع سے اٹھ چکا ہے لیکن آخری صف سے اگلی صف ابھی رکوع میں ہی ہے، آنے والا شخص اس صف کو دیکھ کر رکوع کے لئے جھک گیا، اب امام اگرچہ کھڑا ہو چکا ہے لیکن پھر بھی اس شخص کو مدرک رکوع اور مدرک رکعت کہیں گے کیونکہ اقتداء بالتسلسل ہوتی ہے آخری صف اگلی صف کی اقتداء کر رہی ہے اور وہ ابھی رکوع کی حالت میں ہے۔ اس لئے وہ مدرک رکوع ہے۔

علامہ عینی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ اس باب سے امام شعی رحمہ اللہ کے مذہب کی طرف میلان ظاہر کر رہے ہیں۔

علامہ عینی رحمہ اللہ نے امام شعی رحمہ اللہ کا یہ مسلک نقل کیا ہے اور ”فیض الباری“ میں ابن جریر طبری رحمہ اللہ کا مسلک بھی یہی بیان کیا ہے۔ ۱۲۵

فرمایا ”باب الرجل یاتم بالإمام ویاتم الناس بالمأموم“ ایک آدمی تو امام کی اقتداء کر رہا ہے اور باقی لوگ اس مقتدی کی اقتداء کر رہے ہیں ”و یذکر عن النبی ﷺ : ائتموا بی و لیا تم بکم من بعدکم“ اور نبی کریم ﷺ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: تم میری اقتداء کرو اور مجھ سے پیچھے تمہاری اقتداء کریں گے۔ اس کے بعد حدیث لے کر آئے ہیں جس کے آخر میں ہے ”یقعدی أبو بکر بصلاة رسول الله ﷺ و الناس یقعدون بصلاة أبي بکر ﷺ“۔

علامہ عینی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام بخاری کا مقصود شعی اور ابن جریر رحمہم اللہ کے مذہب کی تائید کرنا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ منشا نہیں ہے، شعی رحمہ اللہ اور ابن جریر کا اپنا تفرد ہے۔

جمہور کا قول یہ ہے کہ سب امام کے مقتدی ہیں، لہذا آخری صف والوں سمیت سب امام کی حرکات کا اعتبار کریں گے، اس پر اتفاق ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ سے اس کی توقع نہیں ہے کہ انہوں نے اس مسئلہ میں شعی رحمہ اللہ اور ابن جریر کا ساتھ دیا ہوگا۔ ۱۲۶

حدیث ”و لیا تم بکم من بعدکم“ کے معنی یہ ہیں کہ تم میری نماز دیکھ کر اپنی نمازوں میں اس کی

۱۲۵ عمدة القاری، ج: ۳، ص: ۳۲۷، و فیض الباری، ج: ۲، ص: ۲۳۳۔

۱۲۶ فتح الباری، ج: ۲، ص: ۲۰۴۔

اقتدا کرو یعنی اس جیسی نماز پڑھو اور تمہیں دیکھ کر تمہارے بعد آنے والے اقتدا کریں یعنی تمہاری جیسی نماز پڑھیں۔ تو اس میں مقصود نماز کے طریقے میں اتباع ہے نہ کہ ”اقتداء الصلوٰۃ“۔

(۶۹) باب: هل يأخذ الإمام - إذا شك - بقول الناس؟

امام کو جب شک ہو جائے تو کیا وہ مقتدیوں کے کہنے پر عمل کرے

۷۱۴ - حدثنا عبد الله بن مسلمة، عن مالك بن أنس، عن أبيوب بن أبي تميمة السخيتاني، عن محمد بن سيرين، عن أبي هريرة: أن رسول الله ﷺ انصرف من التتين، فقال له ذواليدین: أقصرت الصلاة أم نسيت يا رسول الله؟ فقال رسول الله ﷺ ((أصدق ذواليدین)) فقال الناس: نعم، فقال رسول الله ﷺ فصلی التتين أخرين ثم سلم ثم كبر فسجد مثل سجوده أو أطول. [راجع: ۴۸۲]

یہ ذوالیدین کے واقعہ کی حدیث ہے، اس میں اصل مسئلہ فقہیہ کلام فی الصلوٰۃ کا ہے جو ان شاء اللہ اپنے موقع پر آئے گا۔

واقعہ ذوالیدین سے مقصود بخاریؒ

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ اس کو ایک اور مسئلہ بیان کرنے کے لئے لائے ہیں کہ اگر امام کو نماز کی رکعات کی تعداد میں شک ہو جائے تو آیا وہ لوگوں کے قول پر عمل کرے یا نہیں؟ اور استفہام کے ساتھ ترجمہ الباب اس لئے قائم کیا ہے کہ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ ایسی صورت میں امام مقتدی کے کہنے کا پابند نہیں، جب تک اس کو خود یقین نہ ہو جائے کہ مجھ سے غلطی ہوئی ہے اس وقت تک وہ غلطی کی تلافی کا پابند نہیں، چاہے ساری جماعت مل کر کہہ رہی ہو کہ آپ سے غلطی ہو گئی ہے۔

مثال کے طور پر ساری جماعت کہہ رہی ہے کہ آپ نے تین رکعات پڑھی ہیں اگر اس کو یقین نہیں آیا اور وہ سمجھتا ہے کہ میں نے چار رکعات پڑھی ہیں تو اس کو چار رکعات ہی سمجھ کر اپنی نماز ختم کر دینے کا اختیار ہے، جب تک اس کو خود یقین نہ آجائے چاہے ایک کہے، دو کہیں یا دس کہیں یا پوری جماعت کہے، اس کا اعتبار نہیں، یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک ہے اور علامہ عینی رحمہ اللہ نے امام مالک رحمہ اللہ کا صحیح مذہب بھی یہی نقل کیا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ ایک روایت میں یہ فرماتے ہیں کہ اگر اس کے سامنے ایک یا دو آدمیوں نے کہا تو ان کے قول کا اعتبار کرنا اس کے اوپر واجب نہیں ہے لیکن اگر پوری جماعت کہہ رہی ہے تو پھر ان کے قول کا اعتبار کرنا

چاہئے، چاہے اس کو خود کچھ یاد نہ آیا ہو۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ یہ کہتے ہیں کہ اگر دو عادل آدمی یہ کہہ دیں تو امام کو چاہئے کہ وہ اس کو مانے، چاہے یاد آیا ہو یا نہ آیا ہو۔ ۱۷۷

اور علامہ ابن بطل رحمہ اللہ کے کلام سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ ۱۷۸

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام کی حالت دو حال سے خالی نہیں، ایک حال یہ ہے کہ امام کو سو فیصد یقین ہو، جب تو لوگوں کے کہنے کا کوئی اعتبار نہیں۔ لیکن اگر امام کو شک ہو دو مقتدی کہیں کہ نماز میں نقص رہ گیا ہے تو اعادہ واجب ہوگا۔ ۱۷۹

مقصد بخاری رحمہ اللہ

یہاں جب حضرت ذوالیدین رحمہ اللہ نے کہا تو آپ ﷺ نے پوچھا، معلوم ہوا کہ دوسرے لوگوں کی رائے معلوم کرنا اور پوچھنا مشروع ہے، یہی بیان کرنے کے لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب قائم فرمایا۔

(۷۰) باب : إذا بکی الإمام فی الصلاة

جب امام نماز میں روئے

”وقال عبد الله بن شداد: سمعت نشيج عمر و أنا في آخر الصفوف فقرا
﴿إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ﴾ [يوسف: ۱۸]

”بکاء فی الصلاة“ کا حکم

رونا اگر کسی تکلیف یا مصیبت کی وجہ سے ہو تو مفسدِ صلوٰۃ ہے لیکن اگر خوف اور خشیت کی وجہ سے ہو تو نہ صرف یہ کہ مفسدِ صلوٰۃ نہیں ہے، بلکہ مطلوب ہے۔

اس میں حضرت عبد اللہ بن شداد رحمہ اللہ کا اثر نقل کیا ہے کہ میں حضرت عمر رحمہ اللہ کی ”نشيج“ یعنی سسکیوں کی آواز سنتا تھا جبکہ میں آخری صف میں ہوتا تھا۔ آپ نماز پڑھا رہے ہوتے تھے اور اس کے اندر پڑھ رہے ہوتے تھے ”إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ“ یعنی قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے رورہے

۱۷۷ المقفی ج: ۱، ص: ۳۸۰، دار الفکر، بیروت، سنة النشر ۱۴۰۵ھ.

۱۷۸ شرح ابن بطل ج: ۲، ص: ۳۲۲، ۳۲۳.

۱۷۹ لامع الدراوی، ص: ۲۷۸، ج: ۱.

ہوتے تھے اور میں ان کی سسکیوں کی آواز صف کے آخر میں سن رہا ہوتا تھا۔

(۷۳) باب الصف الاول

پہلی صف کا بیان

۷۲۰۔ حدثنا أبو عاصم ولو حبوا، ولو يعلمون ما في الصف المقدم

لاستهموا [راجع: ۶۱۵]

”استهم“ کے معنی قرعہ ڈالنے کے ہیں، اصل میں تیر ڈال کر نکالتے تھے اس کو بھی استہام کہتے ہیں۔ اگر لوگوں کو پتہ چل جائے کہ جلدی نماز کو جانے میں کیا فضیلت ہے، یعنی جلدی نماز کے لئے جانا، اور اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ عشاء اور فجر کی نماز میں جانے کی کیا فضیلت ہے تو وہ آئیں ”ولو حبوا“ چاہے گھٹنوں کے بل آنا پڑے۔

(۷۵) باب إثم من لم يتم الصفوف

اس شخص کا گناہ جو صفیں پوری نہ کرے

۷۲۲۔ حدثنا معاذ بن أسد قال: أخبرنا الفضل بن موسى قال: أخبرنا سعيد بن

عبید الطائی عن بشیر بن یسار الأنصاری، عن أنس بن مالک: أنه قدم المدينة فقبل

له: ما أنكرت منذ يوم عهدت رسول الله ﷺ؟ قال: ما أنكرت شيئاً إلا أنكم لا تقيمون

الصفوف. وقال عقبه بن عبید عن بشیر بن یسار: قدم علينا أنس المدينة؛ بهذا.

آپ نے کیا چیز بری سمجھی ہے اس دن سے کہ جس دن آپ نے حضور اقدس ﷺ کو پایا تھا یعنی حضور

اقدس ﷺ کے زمانہ میں اور ہمارے زمانہ میں آپ نے کیا فرق پایا اور ہمارے طرز عمل میں ایسی کیا بات محسوس کی

جو قابلِ نکیر ہو ”ما أنكرت شيئاً إلا أنكم لا تقيمون الصفوف“.

(۷۶) باب إلزاق المنكب، والقدم بالقدم في الصف،

صف کے اندر شانہ کا شانہ سے اور قدم کا قدم سے ملانے کا بیان

وقال النعمان بن بشير: رأيت الرجل منا يلزق كعبه بكعب صاحبه.

۷۲۵۔ حدثنا عمرو بن خالد قال: حدثنا زهير، عن حميد، عن أنس عن النبي ﷺ قال: «أقيموا صفوفكم لأني أراكم من وراء ظهري» وكان أحدنا يلزق منكبه بمنكب صاحبه وقدمه بقدمه. [راجع: ۷۱۸]

”وكان أحدنا يلزق منكبه بمنكب صاحبه وقدمه بقدمه“.

”يلزق“ کے لفظی معنی چپکانا مراد نہیں ہے، بلکہ محاذات مراد ہے کہ آدمیوں کے درمیان ”فُرجہ“ نہ ہو۔ غیر مقلدین نے یہاں سے لے لیا اور وہ قدموں کو پھیلا پھیلا کر ایک دوسرے سے چپکاتے ہیں، حالانکہ جس طرح قدم کا قدم کے ساتھ الزاق مذکور ہے اسی طرح منکب کا منکب کے ساتھ بھی منقول ہے اور دونوں کا الزاق ایک ساتھ نہیں ہو سکتا، جب قدم کو قدم کے ساتھ ملائیں گے تو منکب منکب کے ساتھ نہیں مل سکتے۔ معلوم ہوا کہ حقیقت میں محاذات مراد ہے نہ یہ کہ بالکل چپکا دیئے جائیں۔

(۷۸) باب: المرأة وحدها تكون صفا

تنہا عورت بھی ایک صف کی طرح ہے

۷۲۷۔ حدثنا عبد الله بن محمد قال: حدثنا سفيان، عن إسحاق، عن أنس بن مالك قال: صليت أنا ویتیم فی بیتنا خلف النبي ﷺ وأمي أم سليم خلفنا. [راجع: ۳۸۰]

اس سے امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ تنہا ام سلیم رضی اللہ عنہا جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں، وہ پیچھے کھڑی ہوئی تھیں، تو صف میں صرف ایک عورت تھی، ایسا کرنا جائز ہے اور یہ متفق علیہ مسئلہ ہے۔

(۸۰) باب إذا كان بين الإمام وبين القوم حائط أو سترة

اگر امام اور لوگوں کے درمیان کوئی دیوار یا سترو ہو

”وقال الحسن: لا بأس أن تصلي وبينك وبينه نهر. وقال أبو مجلز: يأتى بالإمام وإن اكان بينهما طريق أو جدار إذا سمع تكبير الإمام“.

اختلاف مکان مانع اقتداء ہے

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب قائم کیا ہے کہ اگر امام اور مصلیوں کے درمیان کوئی دیوار حائل ہو یا کوئی اور سترو حائل ہو، تب بھی اقتداء درست ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے بذات خود کوئی حکم نہیں بتایا، اس لئے کہ یہ مسئلہ فقہائے کرام کے درمیان مختلف فیہ ہے لیکن ان کا رجحان یہی معلوم ہوتا ہے کہ جب بیچ میں کوئی حائل موجود ہو تو نماز جائز ہے۔

اختلاف فقہاء

حضرت شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حنفیہ کے نزدیک اختلاف مکان مانع اقتدا ہے، دوسرے ائمہ کے نزدیک نہیں اور دوسرے ائمہ کے نزدیک حائل مانع اقتداء ہے، حنفیہ کے نزدیک نہیں۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک نہ اختلاف مکان مانع ہے نہ حائل۔

علامہ شعرانی رحمہ اللہ نے دوسرے ائمہ کی طرح حائل کے مانع ہونے کا جو مذہب نقل کیا ہے وہ اس وقت ہے جب وہ حائل مشاہدہ اور سماع صوت سے مانع ہو، جیسا کہ مغنی ابن قدامہ وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے، اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک بھی نماز نہ ہوگی، لہذا اس مسئلہ میں اختلاف نہ رہا۔ البتہ اختلاف مکان کی صورت میں اختلاف ہے کہ اس میں پہیوں والی گاڑی چل سکے تو وہ مانع اقتدا ہے۔

حنفیہ کا استدلال

حنفیہ کا استدلال حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اثر سے ہے جو علامہ عینی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ”اذا كان بينه وبين الامام طريق أو حائط أو نهر فليس هو معه“ کہ اگر مقتدی اور امام کے درمیان کوئی راستہ ہو یا دیوار ہو یا نہر ہو تو پھر مقتدی کو امام کے ساتھ نہیں سمجھا جائے گا۔^{۱۳۰} اصل اصول وہی ہے جو پہلے گزرا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ”إنما جعل الإمام ليؤتم به“ اور ”الإمام ضامن“ ان دو حدیثوں کو مضبوطی سے تھام رکھا ہے، اس کے نتیجے میں کہتے ہیں کہ امام اور مقتدی کے درمیان قوی رابطہ ہونا چاہئے، لہذا ہر وہ چیز جو اس رابطہ کو کاٹنے والی ہو وہ اس کو مفسدِ صلوٰۃ قرار دیتے ہیں، چاہے اس کا تعلق نیت سے ہو چاہے اس کا تعلق جسمانی بعد سے ہو یا اختلاف افعال و حرکات سے ہو، تو ان صورتوں میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فسادِ صلوٰۃ کے قائل ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ اجازت اتنی غیر محدود نہیں ہے کہ جہاں بھی آواز پہنچ رہی ہو وہاں اقتداء درست ہے، ورنہ اب تو لاؤ ڈسٹیکر کا زمانہ ہے بعض اوقات ایک کلومیٹر دور بھی آواز پہنچ جائے گی، ریڈیو، ٹیلیوژن کا زمانہ ہے ہزاروں کلومیٹر دور بھی آواز پہنچ جائے گی۔ آپ یہ کہیں کہ آواز آرہی ہے اور اللہ اکبر کہہ کر

امام کی اقتداء شروع کر دیں تو یہ اقتداء نہ عرفاً ہے نہ شرعاً، لہذا اس کی کوئی معقول حد ہونی چاہئے اور وہ حد یہی ہے کہ بیچ میں گاڑی چل سکے۔

حنابلہ کے مذہب میں اس مسئلہ میں خاصاً توسع ہے، اس لئے حرمین شریفین میں یہ منظر خوب نظر آتا ہے کہ حرم سے تقریباً ایک فرلانگ، دو فرلانگ کے فاصلے پر بھی لوگ اپنی دکانوں میں نیت باندھ کر نماز شروع کر دیتے ہیں، کیونکہ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ امام کی آواز آرہی ہے۔ اس سے امام اور مقتدی کے درمیان ”إنما جعل الإمام ليؤتم به“ اور ”الإمام ضامن“ کے تحت جو رابطہ ہونا چاہئے، وہ منقطع ہو جاتا ہے۔

آگے امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا ”لابأس أن تصلي وبينك وبينه نهر“ کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ تم اس حالت میں نماز پڑھو کہ تمہارے اور تمہارے امام کے درمیان ایک نہر آئے، شراح نے فرمایا اس سے نہر صغیر مراد ہے، یعنی چھوٹی سی نہر حائل ہو جیسے نالیاں ہوتی ہیں، اگر بڑا دریا ہو تو پھر ٹھیک نہیں ہے۔ وقال ابو مجلز: اور ابو مجلز (جو کہ تابعین میں سے ہیں) فرماتے ہیں ”يأتهم بالإمام وان كان بينهما طريق أو جدار إذا سمع تكبير الإمام“ کہ امام کی اقتداء کر سکتا ہے اگرچہ ان کے درمیان کوئی راستہ یا دیوار ہو جبکہ وہ امام کی تکبیر سنتا ہو۔

یہ سب باتیں تابعین کے آثار ہیں اور حضرت فاروق اعظم ؓ کا جواثر ذکر کیا ”إذا كان بينهما طريق أو جدار ونهر فليس هو معه“ ظاہر ہے یہ تابعین کے اثر پر مقدم ہے۔

۷۲۹ - حدثني محمد قال: أخبرنا عبدة عن يحيى بن سعيد الأنصاري، عن عمرة، عن عائشة قالت: كان رسول الله ﷺ يصلي من الليل في حجرته وجدار الحجرة قصير، فرأى الناس شخص النبي ﷺ فقام ناس يصلون بصلاته، فأصبحوا فتحدثوا بذلك، فقال ليلة الثانية فقام معه ناس يصلون بصلاته، صنعوا ذلك ليلتين أو ثلاثاً حتى إذا كان بعد ذلك. جلس رسول الله ﷺ فلم يخرج، فلما أصبح ذكر ذلك الناس فقال: (إني خشيت أن تكتب عليكم صلاة الليل). [أنظر: ۷۳۰، ۹۲۳، ۱۱۲۹، ۲۰۱۲، ۲۰۱۳، ۵۸۶۱، ۱۳]

۱۳۱ - وفي صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب الترغيب في قيام رمضان وهو التراويح، رقم: ۱۲۷۱، وسنن النسائي، كتاب قيام الليل وتطوع النهار، باب قيام شهر رمضان، رقم: ۱۵۸۶، وسنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب في قيام شهر رمضان، رقم: ۱۱۶۶، ومسند أحمد، باقي مسند الأنصار، باب باقي المسند السابق، رقم: ۲۳۱۹۳، ۲۵۱۰۳، وموطأ مالك، كتاب النداء للصلاة، باب الترغيب في الصلاة في رمضان، رقم: ۲۲۹.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ رات کی نماز اپنے حجرہ میں پڑھا کرتے تھے ”وَجَدَارُ الْحَجْرَةِ قَصِيرٌ“ اور حجرہ کی دیوار چھوٹی تھی۔ ”فَرَأَى النَّاسَ شَخْصَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَامَ نَاسٌ يَصْلُونَ بِصَلَاتِهِ“ دیواریں چھوٹی ہونے کی وجہ سے صحابہ کرام ﷺ نے حضور اقدس ﷺ کی ذات مبارک کو دیکھ لیا کہ آپ نماز پڑھ رہے ہیں تو انہوں نے وہیں اپنی نماز کی نیت باندھ لی جبکہ بیچ میں دیوار حائل تھی ”فَاصْبَحُوا الْفَتْحَ دُورًا بِذَلِكَ“ صبح اٹھ کر آپس میں باتیں کیں کہ آج تو ہمیں یہ سعادت نصیب ہوئی کہ حضور اقدس ﷺ نماز پڑھ رہے تھے ہم نے جا کر پیچھے نیت باندھ لی ”فَقَامَ لَيْلَةَ الْفَاتِيَةِ“ آپ ﷺ دوسری رات بھی اسی طرح جاگ کر کھڑے ہوئے ”فَقَامَ مَعَهُ نَاسٌ يَصْلُونَ بِصَلَاتِهِ“ کچھ لوگ پھر نیت باندھ کر کھڑے ہو گئے ”صَنَعُوا ذَلِكَ لَيْلَتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا“ دو یا تین راتیں انہوں نے اس طرح کیا ”حَتَّى إِذَا كَانَ بَعْدَ ذَلِكَ“ یہاں تک کہ جب معاملہ آگے بڑھنے لگا تو ”جَلَسَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَلَمْ يَخْرُجْ“ آپ ﷺ بیٹھ گئے اور باہر نہیں نکلے تاکہ لوگوں کو پتہ نہ چلے کہ آپ ﷺ نماز پڑھ رہے ہیں گویا اس بات کی ہمت شکنی فرمائی کہ لوگ آکر آپ ﷺ کی اقتدا کر لیں۔ ”فَلَمَّا أَصْبَحَ ذَكَرَ ذَلِكَ النَّاسُ“ لوگوں نے ذکر کیا یا رسول اللہ! تین دن سے تو ایسا ہو رہا تھا آج آپ ﷺ نے موقع نہیں دیا ”فَقَالَ: إِنِّي خَشِيتُ أَنْ تَكْتَبَ عَلَيْكُمْ صَلَاةَ اللَّيْلِ“ مجھے اندیشہ ہوا کہ تمہارے اوپر رات کی نماز فرض نہ کر دی جائے، شفقت میں نے اس سلسلہ کو ترک کر دیا۔

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود یہ ہے کہ آپ ﷺ حجرہ میں نماز پڑھ رہے تھے، صحابہ کرام ﷺ نے دیکھا کہ آپ ﷺ نماز پڑھ رہے ہیں جا کر آپ ﷺ کے پیچھے اقتدا کر لی حالانکہ ان کے درمیان اور نبی کریم ﷺ کے درمیان حجرہ کی دیوار حائل تھی۔ معلوم ہوا کہ اگر دیوار حائل ہو تو اس کے باوجود مقتدی کا امام کی اقتدا کرنا جائز ہے اور اس حد تک مسئلہ متفق علیہ ہے کہ محض دیوار کے حائل ہونے سے اقتدا فاسد نہیں ہوتی، فاصلہ سے ہوتی ہے۔

دوسری یہ بات بھی اس حدیث سے معلوم ہوتی ہے کہ اگر ایک شخص نے منفرداً نماز شروع کی، اس وقت اس کی نیت امامت کی نہیں تھی، پیچھے سے کوئی آدمی آجائے اور آکر نیت باندھ لے تو اس میں کوئی حرج نہیں چاہے امام نے ابتدا سے امامت کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو، بعد میں جب دوسرا آدمی آکر شامل ہوگا تو اس کو پتہ لگ جائے گا، ظاہر ہے خود بخود نیت ہو جائے گی، شروع سے نیت کرنا ضروری نہیں۔

یہاں حجرہ کا ذکر ہے، ظاہری الفاظ سے یوں لگ رہا ہے کہ یہ حضور اقدس ﷺ کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والا معروف حجرہ تھا جس میں آپ ﷺ قیام فرمایا کرتے تھے، لیکن آگے احادیث میں آئے گا جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے وہ حجرہ مراد نہیں ہے بلکہ ہوتا یہ تھا کہ رمضان المبارک میں جب نبی کریم ﷺ اعتکاف فرماتے تھے تو اعتکاف کے لئے ایک چٹائی مبارک ہوتی تھی جو دن کے وقت زمین پر بچھا دی جاتی اور اس پر آپ

تشریف فرماتے ہوتے اور رات کے وقت اس کو کھڑا کر کے ایک کمرے کی شکل دیدیتے اور اس میں آپ ﷺ رات کے وقت نماز پڑھا کرتے تھے۔ تو ہجرہ سے مراد چٹائی والا حجرہ ہے اور یہ نماز رمضان المبارک کی نماز ہے یعنی تراویح اور لوگوں کا آکر اقتدا کرنا بھی اسی نماز تراویح میں ہے، جیسا کہ اگلی روایتوں میں آ رہا ہے، لہذا اس سے جن لوگوں نے تہجد کی نماز پر استدلال کیا ہے وہ استدلال درست نہیں اس لئے کہ یہ نماز تراویح کی تھی۔

(۸۱) باب صلاة الليل

نماز شب کا بیان

۷۳۰۔ حدثنا إبراهيم بن المنذر قال: حدثنا ابن أبي الفديك قال: حدثنا

ابن أبي ذئب، عن المقبري، عن أبي سلمة بن عبد الرحمن، عن عائشة رضي الله عنها: أن النبي ﷺ كان له حصير يبسطه بالنهار ويحتجره بالليل، فثاب إليه ناس فصلوا وراءه. [راجع: ۷۲۹]

اس حدیث میں صاف آگیا کہ آپ ﷺ کی چٹائی تھی جس کو آپ ﷺ دن کے وقت بچھالیا کرتے تھے اور رات کے وقت اس کا حجرہ بنالیا کرتے تھے۔ ”ثاب إليه ناس فصلوا وراءه“ آپ ﷺ کو وہاں نماز پڑھتے دیکھ کر بعض لوگ آئے اور پیچھے صف بنالی۔

۷۳۱۔ حدثنا عبد الأعلى بن حماد قال: حدثنا وهيب قال: حدثنا موسى بن عقبة عن سالم أبي النضر، عن بسر بن سعيد، عن زيد بن ثابت: أن رسول الله ﷺ اتخذ حجرة قال: حسبت أنه قال: من حصير. في رمضان فصلى فيها ليالي، فصلى بصلاته ناس من أصحابه، فلما علم بهم جعل يقعد، فخرج إليهم فقال: ((قد عرفت الذي رأيت من صنعكم، فصلوا أيها الناس في بيوتكم، فإن أفضل الصلاة المرء في بيته، إلا المكتوبة)) قال عفان: حدثنا وهيب: حدثنا موسى: سمعت أبا النضر، عن بسر، عن زيد، عن النبي ﷺ. [أنظر: ۷۱۱، ۷۲۹۰]

یہاں صراحت آگیا کہ یہ حصیر کا حجرہ تھا اور جو نماز پڑھ رہے تھے یہ رمضان المبارک کا واقعہ ہے۔

(۸۲) باب إيجاب التكبير وافتتاح الصلاة

تکبیر تحریمہ کے واجب ہونے اور نماز شروع کرنے کا بیان

۷۳۲۔ حدثنا أبو اليمان قال: أخبرنا شعيب، عن الزهري، قال: أخبرني أنس

ابن مالک الأنصاري: أن رسول الله ﷺ ركب فرسا فجحش شقه الأيمن. قال أنس رضي الله عنه: فصلی لنا یومئذ صلاة من الصلوات وهو قاعد، فصلینا وراءه قعوداً. ثم قال لما سلم: «إنما جعل الإمام لیؤتم به فیذاصلی قائماً فصلوا قیاماً وإذا رکع فارکعوا، وإذا رفع فارفعوا، وإذا سجد فاسجدوا. وإذا قال: سمع الله لمن حمده، فقولوا: ربنا ولك الحمد».

[راجع: ۳۷۸]

افعال صلوٰۃ

یہاں سے امام بخاری رحمہ اللہ افعال صلوٰۃ کا ذکر فرما رہے ہیں، تکبیر سے لے کر سلام تک جتنے افعال ہیں ان کا یکے بعد دیگرے بیان ہوگا اور جو مشہور مختلف فیہ مسائل ہیں وہ آئیں گے۔

ان مباحث کا اصل مقام ترمذی اور ابو داؤد ہے اور درس ترمذی میں ان مسائل پر مفصل مباحث موجود ہیں، اس لئے جو بخاری شریف کے خصائص ہیں میں انشاء اللہ صرف انہی پر کلام کروں گا، اور باقی مباحث کا ممکن ہوا تو بہت مختصر خلاصہ بیان ہوگا۔

روایت ذکر کی ہے ”حدثنا أبو الیمان الخ“ اس روایت میں اگرچہ تکبیر کا ذکر نہیں ہے لیکن اگلی روایت میں آرہا ہے اور وہی مقصود بالترجمہ ہے۔

”إذا کبر فکبروا“ اس میں آپ ﷺ نے امر کا صیغہ استعمال فرمایا ہے جو ایجاب پر دلالت کرتا ہے۔ حنفیہ بھی صیغہ تکبیر کے وجوب کے قائل ہیں، اختلاف صرف فرضیت میں ہے کہ حنفیہ کے نزدیک فرض نہیں ہے واجب ہے اور حنفیہ فرض اور واجب میں تفریق کرتے ہیں۔

ائمہ ثلاثہ کا کہنا یہ ہے کہ یہ فرض ہے ان کے نزدیک فرض اور واجب میں عملاً کوئی زیادہ فرق نہیں ہے، اگر کوئی صیغہ تکبیر چھوڑ دے اور کوئی اور لفظ استعمال کر دے اللہ اجل، اللہ اعظم، تو حنفیہ کے نزدیک واجب کے ترک ہونے کی وجہ سے نماز واجب الاعادہ رہے گی، اس لئے عملاً کوئی خاص فرق نہ ہوا۔ ۳۳

(۸۳) باب رفع الیدین فی التکبیرۃ الأولى مع الإفتاح سواء

پہلی تکبیر میں نماز شروع کرنے کے ساتھ دونوں ہاتھوں کے اٹھانے کا بیان اس ترجمہ الباب کا مقصد یہ ہے کہ جب تکبیر اولیٰ میں رفع یدین کیا جائے گا تو تکبیر کے ساتھ ساتھ کیا جائے گا۔ سواء کا مطلب یہ ہے کہ دونوں ساتھ ساتھ ہوں یعنی ادھر اللہ اکبر کہہ رہا ہے ادھر ساتھ ساتھ ہاتھ

اٹھا رہا ہے، دونوں کام ساتھ ساتھ ہو رہے ہیں۔

۷۳۵۔ حدثنا عبد الله بن مسلمة، عن مالك، عن ابن شهاب، عن سالم بن عبد الله، عن أبيه: أن رسول الله ﷺ كان يرفع يديه حذو منكبيه إذا افتتح الصلاة، وإذا كبر للركوع، وإذا رفع رأسه من الركوع رفعهما كذلك أيضاً، وقال: «سمع الله لمن حمده، ربنا ولك الحمد» وكان لا يفعل ذلك في السجود. [انظر: ۷۳۶، ۷۳۸، ۷۳۹] ۷۳۳

(۸۴) باب رفع اليدين إذا و إذا ركع إذا رفع

دونوں ہاتھوں کے اٹھانے کا بیان جب تکبیر تحریمہ کہے اور جب رکوع

کرے اور جب رکوع سے سر اٹھائے

۷۳۶۔ حدثنا محمد بن مقاتل قال: أخبرنا عبد الله قال: أخبرنا يونس عن الزهري قال: أخبرني سالم بن عبد الله، عن أبيه أنه قال: رأيت رسول الله ﷺ إذا قام في الصلاة رفع يديه حتى تكونا حذو منكبيه، وكان يفعل ذلك حين يكبر للركوع، ويفعل ذلك إذا رفع رأسه من الركوع، ويقول: «سمع الله لمن حمده» ولا يفعل ذلك في السجود. [راجع: ۷۳۵]

۷۳۷۔ حدثنا إسحاق الواسطي قال: حدثنا خالد بن عبد الله، عن خالد، عن أبي قلابة: أنه رأى مالك بن الحويرث إذا صلى كبر ورفع يديه، وإذا أراد أن يركع رفع يديه وإذا رفع رأسه من الركوع رفع يديه، وحدث أن رسول الله ﷺ صنع هكذا.

۷۳۳۔ وفي صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب استحباب رفع اليدين حذو المنكبين مع تكبيرة: رقم: ۵۸۷، وسنن الترمذی، كتاب الصلاة، باب ماجاء في رفع اليدين عند الركوع، رقم: ۲۳۷، وسنن النسائی، كتاب الافتتاح، باب رفع اليدين قبل التكبير، رقم: ۸۶۷، وسنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب رفع اليدين في الصلاة، رقم: ۶۱۹، وسنن ابن ماجه، كتاب اقامة الصلاة والسنة فيها، باب رفع اليدين إذا رفع رأسه من الركوع، ۸۳۸، ومسند أحمد، مسند المكبرين من الصحابة، باب مسند عبد الله بن عمر الخطاب، رقم: ۳۳۱۲، ۳۳۳۵، ۳۷۹۱، ۴۸۳۷، وموطأ مالك، كتاب النداء للصلاة، باب افتتاح الصلاة، رقم: ۱۴۹، وسنن الدارمی، كتاب الصلاة، باب القول بعد رفع الرأس من الركوع، رقم: ۱۲۷۵.

مسئلہ رفع یدین

یہ واضح رہے کہ ائمہ اربعہ کے درمیان رفع یدین کا اختلاف محض افضلیت اور عدم افضلیت کا ہے نہ کہ جواز اور عدم جواز کا، چنانچہ دونوں طریقے فریقین کے نزدیک بلا کراہت جائز ہیں۔

جہاں تک روایات کا تعلق ہے حقیقت یہ ہے کہ حضور ﷺ سے رفع یدین اور ترک رفع دونوں ثابت ہیں:

اور یہاں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی یہ دونوں حدیثیں ”رفع یدین عند

الركوع وعند الرفع من الركوع“ پر دلالت کرتی ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ”جزء رفع الیدین“ میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ ترک رفع پر کوئی حدیث سنداً ثابت نہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ امام بخاری رحمہ اللہ کا تسامح ہے، چنانچہ بہت سے کبار محدثین نے ان کی تردید فرمائی ہے، واقعہ یہ ہے کہ ترک رفع کے ثبوت پر متعدد صحیح روایات موجود ہیں۔

حنفیہ کے نزدیک رفع یدین حضور اقدس ﷺ سے ثابت ہے، لہذا ان حدیثوں کے بارے میں کوئی توجیہ، تاویل یا جواب کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ حنفیہ کا دعویٰ یہ ہے کہ رفع یدین بھی ثابت ہے اور ترک رفع یدین بھی ثابت ہے اور آخر الامرین ترک رفع ہے۔ ۱۳۳

جس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد فرماتے ہیں: ”الا

أصلي بكم صلاة رسول الله ﷺ فصلتي فلم يرفع يديه إلا في أول مرة، أخرجه أصحاب السنن الأربعة“۔

یہ حدیث حنفیہ کے مسلک پر صریح بھی ہے اور صحیح بھی۔ ۱۳۵

۱۳۴ وقد اتفقا الكلام فيه في ((شرحنا للهداية)) والذي يحتج به الخصم من الرفع محمول على أنه كان في ابتداء الاسلام، ثم نسخ. والدليل عليه أن عبد الله بن الزبير رأى رجلا يرفع يديه في الصلاة عند الركوع وعند رفع رأسه من الركوع، فقال له: لا تفعل، فإن هذا شئ فعله رسول الله ﷺ ثم تركه، ويؤيد النسخ ما رواه الطحاوي باسناد صحيح: حدثنا ابن أبي داود..... قال: صليت خلف ابن عمر فلم يكن يرفع يديه إلا في التكبير الأولى من الصلاة. قال الطحاوي: فهذا ابن عمر قد رأى النبي ﷺ، يرفع ثم ترك هو الرفع بعد النبي صلى الله عليه وسلم، فلا يكون ذلك إلا وقد ثبت عنده نسخ ما قد كان رأى النبي ﷺ فعله. عمدة القاري، ج: ۴، ص: ۳۸۰.

۱۳۵..... عن علقمة قال قال عبد الله بن مسعود ألا أصلي بكم صلاة رسول الله ﷺ فصلتي فلم يرفع يديه إلا في أول مرة،..... قال أبو عيسى حديث بن مسعود حديث حسن، سنن الترمذی، باب ماجاء أن النبي ﷺ لم يرفع إلا في أول مرة، ج: ۲، ص: ۴۱، وسنن الدارمی، رقم: ۱۳۰۳، ج: ۱، ص: ۳۲۰، وسنن أبي داود، باب من لم يذكر الرفع عند الركوع، رقم: ۴۸، ج: ۱، ص: ۱۹۹، وسنن النسائی، باب الرخصة في ترك ذلك، رقم: ۱۰۵۸، ونصب الرأية، ج: ۱، ص: ۳۹۳.

تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو افقہ الصحابہ رضی اللہ عنہم ہیں وہ بعد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ بتاتے ہوئے صرف پہلی مرتبہ رفع یدین کرتے ہیں بعد میں نہیں کرتے۔
 معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل ترک رفع کا تھا، البتہ آج بھی رفع یدین جائز ہے حنفیہ اس کا انکار نہیں کرتے، اختلاف صرف افضلیت میں ہے۔ ۱۳۶
 حنفیہ کے نزدیک افضل ترک رفع ہے اس لئے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے افقہ الصحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل یہ بتا رہے ہیں۔ ۱۳۷

۱۳۶۔ فان احتج الخصم بحديث وائل بن حجر قال: ((رأيت رسول الله ﷺ يرفع يديه حين يكبر للصلاة وحين يركع وحين يرفع رأسه من الركوع يرفع يديه حيال أذنيه)) أخرجه أبو داود والنسائي، فجوابه أنه ضاده مارواه ابراهيم النخعي عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه، أنه لم يكن رأى النبي ﷺ فعل ما ذكر من رفع اليدين في غير تكبيرة الإحرام، فعبد الله أقدم صحبة لرسول الله ﷺ، وأهلهم بأفعاله من وائل، وقد كان رسول الله ﷺ يحب أن يليه المهاجرون ليحفظوا عنه، وكان عبد الله كثير اللؤلؤ على رسول الله ﷺ ووائل بن حجر أسلم في المدينة في سنة تسع من الهجرة، وبين إسلاميهما اثنتان وعشرون سنة، ولهذا قال ابراهيم للمغيرة، حين قال إن وائلاً حدث أنه رأى ((رسول الله ﷺ يرفع يديه إذا افتتح الصلاة وإذا رفع رأسه من الركوع)): إن كان وائل رآه مرة يفعل ذلك، فقد رآه عبد الله خمسين مرة لا يفعل ذلك. عمدة القارى، ج: ۳، ص: ۳۸۱.

۱۳۷۔ وأعلم أن الأحاديث الصحاح في الرفع تبلغ إلى خمسة عشر وان سلكتا مسلك الأغمال فلإلى ثلاثة وعشرين ولنا حديث ابن مسعود رضي الله عنه مرفوعاً ومرسل آخر في التخرج للزبلي فقد ثبت الأمران عندي ثبوتاً لأمر دله ولا خلاف إلا في الإختیار وليس في الجواز. فما في الكبير شرح المعنى والبدائع أنه مكروه تحريراً متروك عندي نعم إن كان عندهما نقل من صاحب المذهب فهما معذوران فالقول بالكراهة في مسألة متواترة بين الصحابة رضي الله عنهم شديد عندي، ثم تبعت الكتب للتصريح بالجواز فوجدت أبا بكر الجصاص قد صرح في أحكام القرآن تحت قوله تعالى "كتب عليكم الصيام" أن المسألة إذا وردت فيها الأحاديث الصحاح من الجانبين فالخلاف فيها لا يكون إلا في الإختیار سيما إذا كانت كثيرة الوقوع منها الترجيع في الأذان وإفراد الإقامة والجهر بالتسمية ورفع اليدين وحينئذ فاسترحت حيث تخلصت رقبتي من الأحاديث الثابتة في الرفع، والجصاص من القرن الرابع حتى أن الكرخي الذي هو من معاصري الطحاوي من تلامذته، فرتبه أعلى من الكبيرى والبدائع وصاحب البدائع أرفع رتبة من الكبيرى وقد اشتهر في متأخرى الحنفية القول بالنسخ وإنما تعلموه من الشيخ ابن الهمام، والشيخ اختاره تبعاً للطحاوي، وقد علمت أن نسخ الطحاوي أهم مما في الكتب فإن المفضل بالنسبة إلى الفاضل والأضعف دليلاً بالنسبة إلى أقوى كله منسوخ عنده كما يتضح ذلك لمن يطالع كتابه، وكيف ما كان إذا ثبت عندي القول بالجواز ممن هو أقدم في الحنفية وساعدته الأحاديث أيضاً فلا محيد إلا بالقول به وخلافه لا يسمع فمن شاء فليسمع. فيض الباری: ۲/ ۲۵۵.

خلاصہ کیدانی میں جو یہ لکھا ہے کہ ”رفع یدین“ مسند صلوٰۃ ہے، یہ بالکل بے اصل ہے حنیفہ کا یہ مذہب نہیں ہے۔

(۸۵) باب : إلیٰ أين یرفع یدیه ؟

تکبیر تحریمہ میں ہاتھوں کو کہاں تک اٹھائے

”وقال أبو حمید فی أصحابه : رفع النبی ﷺ حذو منكبيه“.

۷۳۸۔ حدثنا أبو الیمان قال : أخبرنا شعيب ، عن الزهري قال : أخبرنا سالم ابن عبد الله أن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما قال : رأيت النبی ﷺ افتتح التكبير في الصلاة يرفع يديه حين يكبر حتى يجعلهما حذو منكبيه ، وإذا كبر للركوع فعل مثله ، وإذا قال : (سمع الله لمن حمده) ، فعل مثله ، وقال : «ربنا ولك الحمد» ولا يفعل ذلك حين يسجد ولا حين يرفع رأسه من السجود [راجع: ۷۳۵]

رفع یدین کہاں تک ہو

رفع یدین کہاں تک ہو، اس میں مشہور اختلاف ہے۔

امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ ”حذو منكبيه“ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ”حذاء اذنین“ تک ہوگا۔

در اصل روایات میں اختلاف ہے: بعض روایات میں ”حذو المنکبین“ آیا ہے، بعض میں آیا ہے ”إلیٰ شحمتی اذنیہ“ اور بعض میں سر کے کناروں تک۔ یہ تینوں روایات موجود ہیں۔ ۷۳۸

۷۳۸۔ وإنما لم یصرح بحده لكون الخلاف فيه ، لكن الظاهر الذى يذهب إليه ما هو مصرح فى حديث الباب ، كما هو الشافعية .

وأما الحنفية فإنهم أخذوا بحديث مالك بن الحويرث الذى رواه مسلم ولفظه : ((كان النبی ﷺ إذا كبر رفع يديه حتى يحاذى بهما أذنيه)) . وعن أنس مظه بسند صحيح من عند الدار قطنی ، وعن البراء من عند الطحاوى : ((يرفع يديه حتى يكون إبهاماه قريبا من شحمتی أذنيه)) . وعن وائل بن حجر : ((حتى حاذتا أذنيه)) عند أبي داود . وقال بعضهم ، ورجح الأول يعنى : ماذهب إليه الشافعي لكون إسناده أصح . قلت : هذا تحكم لكون الإسنادين فى الأصحية سواء ، فمن أين الترجيح ؟ ، عمدة القارى ، ج : ۲ ، ص : ۳۸۳ .

حنفیہ نے تینوں میں یہ تطبیق دی ہے کہ ہتھیلیوں کا نچلا حصہ ”حدو المنکبین“ ہے اور انگوٹھا ”حدو الاذنین“ ہے اور جو اوپر کا حصہ وہ ”حدو جانب الراس“ ہے، البتہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ ہاتھوں کی ہتھیلیوں کا رخ قبلہ کی طرف ہونا چاہئے۔ اس میں اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ اور طلبہ بھی غلطی کرتے ہیں۔ انگوٹھے کانوں کی لو سے مل جائیں یا کم از کم اس کے محاذی ہو جائیں اور ہتھیلیاں قبلہ رخ ہوں، بعض لوگ کانوں کو پکڑ لیتے ہیں، یہ بھی فضول اور بے اصل ہے۔

(۸۶) باب رفع الیدین إذا قام من الرکعتین

دونوں ہاتھوں کے اٹھانے کا بیان جب دو رکعتیں پڑھ کر اٹھے

۷۳۹۔ حدثنا عیاش قال: حدثنا عبد الأعلى قال: حدثنا عید اللہ، عن نافع، أن ابن عمر رضي الله عنهما كان إذا دخل في الصلاة كبر ورفع يديه، وإذا ركع رفع يديه، وإذا قال: سمع الله لمن حمده، رفع يديه، وإذا قام من الركعتين رفع يديه، ورفع ذلك ابن عمر إلى النبي ﷺ. ورواه حماد بن سلمة، عن أيوب عن نافع عن ابن عمر عن النبي ﷺ. ورواه ابن طهمان عن أيوب وموسى بن عقبة مختصرا. [راجع: ۷۳۵]

اس حدیث میں ہے کہ رکوع میں جاتے اور اٹھتے وقت کے علاوہ جب قعدہ اولیٰ سے تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہوتے تب بھی رفع یدین کرتے۔ ”ورفع ذلك ابن عمر إلى النبي ﷺ“ عبد اللہ بن عمر ؓ نے اس کو بھی نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب فرمایا۔

جبکہ شافعیہ، حنابلہ جو رفع یدین کے قائل ہیں وہ بھی ”قیام من الركعتين“ کے وقت رفع یدین کے قائل نہیں ہیں حالانکہ یہ حدیث صحیح ہے اور بخاری میں موجود ہے، تو ظاہر ہے کہ وہ اس کی کوئی توجیہ کریں گے کہ پہلے تھا بعد میں منسوخ ہو گیا۔

حنفیہ کا کہنا یہ ہے کہ نماز کے اندر یہ صورتحال رہی ہے کہ حرکات کثرت سے قلت کی طرف منتقل ہوتی رہی ہیں۔ ۷۳۹

چنانچہ ابن ماجہ میں ایک حدیث عمیر بن حبیب سے مروی ہے کہ آپ ﷺ ہر تکبیر پر رفع یدین فرماتے

۷۳۹۔ عن أبي هريرة قال ثلاث كان رسول الله ﷺ يفعلهن تركهن الناس كان إذا قام إلى الصلاة رفع يديه مدا وكان ينفذ قبل القراءة هنيئة..... وكان يكبر كلما خفض ورفع..... ثلاث كان يعمل بهن تركهن الناس الخ، صحيح

تھے، اگرچہ اس حدیث کو ضعیف قرار دیا گیا ہے۔ ۱۴۰
 نیز امام طحاوی رحمہ اللہ نے ”مشکل الآثار“ میں ایک اسی مضمون کی حدیث نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر انتقال کے وقت رفع یدین ہوتا تھا، پھر کمی ہوتی گئی۔ ۱۴۱
 یہاں تک کہ آخر میں صرف تکبیر افتتاح کے وقت رہ گیا۔ خود حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے امام مالک رحمہ اللہ نے مدونہ میں روایت نقل کی ہے کہ آپ ﷺ نے رفع صرف افتتاح کے وقت کیا تھا۔ معلوم ہوا کہ خود حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ترک رفع کی روایات منقول ہیں۔ ۱۴۲
 اس لئے حنفیہ نے اس کو ترجیح دی ہے۔ ۱۴۳

(۸۸) باب الخشوع في الصلاة

نماز میں خشوع کا بیان

۷۴۱۔ حدثنا إسماعيل قال: حدثني مالك، عن أبي الزناد، عن الأعرج، عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ قال: «هل ترون قبلتي ها هنا؟ والله لا يخفى علي ركوعكم ولا خشوعكم، وإني لأراكم من وراء ظهري» [راجع ۴۱۸]
 حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”هل ترون قبلتي ها هنا؟“ کیا تم دیکھتے ہو کہ میرا قبلہ ادھر ہے؟ جس کا مطلب یہ ہے کہ میں پیچھے نہیں دیکھتا ”والله لا يخفى علي ركوعكم ولا خشوعكم، وإني لأراكم من وراء ظهري“ اس حدیث کو لانے کا منشا یہ ہے کہ نماز میں خشوع بھی

۱۴۰ عمدة القاری، ج: ۴، ص: ۳۷۹۔

۱۴۱ انوار الباری، ج: ۱۵، ص: ۲۲۷۔

۱۴۲ ورواه عن مالك جماعة منهم: القعنبي ويحيى بن يحيى الأندلسي فلم يذكر فيه الرفع عند الانحطاط إلى الركوع، وتابعه على ذلك جماعة، ورواه عشرون نفساً بإسناده، كما ذكره الدارقطني في (جمعه لفرائب مالك التي ليست في الموطأ). وقال جماعة: إن الاسقاط إنما أتى من مالك، وهو الذي كان أو هم فيه، ونقله ابن عبد البر، قال: وهذا الحديث أحد الأحاديث الأربعة التي رفعها سالم بن عبد الله إلى ابن عمر وفعله، ومنها ما جعله ابن عمر عن عمر، والقول فيها قول سالم، ولم يلتفت الناس فيها إلى نافع، فهذا أحدها، كذا ذكره العيني في العمدة، ج: ۴، ص: ۳۸۳۔

۱۴۳ أنظر للتفصيل: فيض الباری، ج: ۲، ص: ۲۵۳۔

ضروری ہے۔ قرآن کریم میں جا بجا خشوع کی اہمیت بیان فرمائی ہے۔ اس حدیث میں بھی نبی کریم ﷺ نے باقاعدہ تنبیہ فرمائی ہے کہ نماز کے اندر خشوع کا اہتمام کرو۔

”هل ترون قبلتي ههنا“ یعنی کیا تم دیکھتے ہو میرا قبلہ اس طرف ہے، مقصود یہ ہے کہ شاید تم یہ سمجھتے ہو کہ میں چونکہ قبلہ کے رخ منہ کر کے نماز پڑھ رہا ہوں، لہذا بس مجھے قبلہ کی جانب ہی کی خبر ہے اور چیزوں کا پتہ نہیں۔

”والله ما يخفى علي خشوعكم ولا ركوعكم“ یعنی اللہ کی قسم! مجھ پر تمہارا خشوع اور رکوع مخفی نہیں ہے، اگرچہ میرا رخ قبلہ ہی کی جانب کیوں نہ ہو اور میری نظریں سامنے ہی کی طرف کیوں نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ”انی لأراكم من وراء ظهري“ یعنی میں تم کو اپنی پشت کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔

”وراء ظہری“ کا مطلب

بعض حضرات نے اس پر بحث کے دروازے کھول دیئے ہیں کہ نبی کریم ﷺ پشت کے پیچھے سے کس طرح دیکھتے تھے؟

اس سلسلے میں لوگوں نے اپنے اپنے تخیلات بیان فرمائے ہیں اور بعض لوگوں نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی ایک آنکھ پیچھے بھی تھی یعنی باقاعدہ آنکھ کا اثبات کیا کہ جس طرح دو آنکھیں آگے تھیں تو ایک آنکھ پیچھے بھی تھی، حالانکہ دیکھنے کے لئے آنکھ کا ہونا کوئی ضروری نہیں کیونکہ جس خالق نے آنکھ میں دیکھنے کی قوت عطا فرمائی ہے وہ جب چاہے کسی اور شی میں قوت بینائی عطا فرمادے اس کی قدرت سے کیا بعید ہے۔ لہذا اعضاء کا بولنا عقلاً ممکن ہے اور نقلاً من خبر صادق نے خبر دی ہے۔

خشوع کے درجات

یہاں یہ سمجھ لو کہ خشوع مطلوب کے کئی درجات ہیں۔ ایک درجہ تو فرض ہے اور وہ یہ ہے کہ کم از کم تکبیر تحریمہ کے وقت آدمی اپنا ذہن حاضر رکھے کہ میں نماز پڑھ رہا ہوں، اس کے بغیر نماز نہ ہوگی۔ ایک درجہ ایسا ہے جو اعلیٰ ترین درجہ ہے کہ پوری نماز میں اللہ ﷻ کے سوا کسی کا خیال نہ آئے ”ان تعبد الله كانك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك“۔

ایک متوسط درجہ ہے جس کو حاصل کرنے کی ہر انسان کو کوشش کرنی چاہئے اور وہ یہ ہے کہ نماز کے وقت زبان سے جو الفاظ ادا کر رہا ہے وہ توجہ اور دھیان سے ادا کرے، اس کو پتہ ہو کہ میں کیا پڑھ رہا ہوں ”الحمد لله رب العالمين“ کہا تو پتہ ہو ”الحمد لله رب العالمين“ کہا ”الرحمن الرحيم“ کہا تو پتہ ہو کہ

”الرحمن الرحیم“ کہا۔ خشوع کا یہ درجہ حاصل کرنے کی فکر کرنی چاہئے، یہ نہ ہو کہ ٹن دبا دیا اور مشین چل پڑی یہاں تک کہ نماز ختم ہوگئی۔

ہاں اگر غیر اختیاری طور پر کچھ خیالات آجائیں تو ان شاء اللہ وہ معاف ہیں بشرطیکہ جب تنبیہ ہو تو دوبارہ نماز کے الفاظ کی طرف لوٹ جائیں۔

شروع میں توجہ الفاظ کی طرف، پھر رفتہ رفتہ ذومعنی (اللہ جل جلالہ) کی طرف بھی ہو جائے گی لیکن ابتدائی سیڑھی یہ ہے کہ جو الفاظ پڑھ رہا ہے اس کی طرف توجہ کرے، غیر اختیاری خیالات کی وجہ سے جو الفاظ پڑھے ہیں ان کو لوٹائے، اگر یہ کرتا رہے تو ان شاء اللہ خشوع کا درجہ حاصل ہو جائے گا۔ اپنے اختیار سے غیر طاعت کا خیال لانا منع ہے، یہ اس لئے کہا کہ اگر طاعت کا خیال چاہے اپنے اختیار سے ہی لائے بالخصوص ضرورت کے وقت تب بھی جائز ہے جیسا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ”اجتہز جیسی وانا فی الصلوۃ“ کہ میں اپنے لشکر کو نماز کے اندر ترتیب دیتا ہوں، نماز بھی پڑھ رہے ہیں اور لشکر جہاد کو ترتیب بھی دے رہے ہیں لیکن چونکہ طاعت ہے اس لئے منافی صلوۃ بھی نہیں اور محظور بھی نہیں، لہذا اگر کوئی فقہی مسئلہ نماز میں سوچنے لگے تو یہ بھی جائز ہے، البتہ بلا ضرورت اس کا ترک اولیٰ ہے۔

مشہور ہے امام غزالی رحمہ اللہ (احمد الغزالی اور بھائی کا نام محمد الغزالی) محمد الغزالی صوفی منش آدمی تھے اور یہ صوفی بھائی عالم بھائی کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے تھے۔ والدہ نے پوچھا کہ کیوں نہیں پڑھتے؟ تو کہنے لگے کہ میں ان کے پیچھے نماز پڑھتا ہوں تو یہ حیض ونفاس میں الجھے رہتے ہیں۔

والدہ بھی امام غزالی کی والدہ تھیں کہنے لگیں، بے وقوف اس کا ذہن تو فقہی مسئلہ میں الجھا ہوتا ہے چاہے وہ حیض ونفاس کا مسئلہ ہو لیکن تو تو تجسس اور عیب جوئی میں لگا ہوا ہے جو گناہ کبیرہ ہے۔

جس کے بارے میں صریح نص ہے ”ولا تجسسوا“ اس واسطے وہ تو گناہ نہیں کر رہا ہے، تم گناہ کر رہے ہو۔ خلاصہ یہ کہ اگر کوئی طاعت کا خیال با اختیار بھی لائے تو بھی جائز ہے لیکن غیر طاعت کا خیال با اختیار لانا جائز نہیں، بے اختیار آئے تو وہ معاف ہے ان شاء اللہ بشرطیکہ جب بھی تنبیہ ہو فوراً وہ خیال لوٹا دے۔

بعض مرتبہ واعظین مایوس کر دیتے ہیں، جب خشوع کا بیان کریں گے تو اتنا اعلیٰ درجہ بیان کریں گے کہ لوگ سمجھتے ہیں یہ ہمارے بس میں ہی نہیں ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واقعات ذکر کریں گے کہ جنگ کے دوران تیر لگ رہے ہیں، بیشک یہ اعلیٰ ترین مقام ہے اس کے حصول کی کوشش کرنی چاہئے لیکن اس درجہ کا استغراق واجب نہیں، شریعت نے جو کام کرنے کا کہا ہے وہ پہلی سیڑھی ذکر کردی کہ الفاظ صلوۃ کی طرف توجہ کرے، جب خیال غیر اختیاری طور پر آئے تو دوبارہ لوٹ آئے اور اپنے اختیار سے خیالات نہ لائے بس یہی مطلوب ہے۔

(۸۹) باب ما یقول بعد التکبیر

تکبیر تحریمہ کے بعد کیا پڑھے؟

۷۴۳۔ حدثنا حفص بن عمر قال: حدثنا شعبة، عن قتادة، عن أنس: أن النبي ﷺ

وأبا بكر وعمر كانوا يفتتحون الصلاة ب: ﴿الحمد لله رب العالمين﴾ ۷۴۴

یہ امام مالک رحمہ اللہ کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کے بعد ”سبحانک اللہم“ اور ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ وغیرہ کچھ بھی پڑھا نہیں جائے گا، بس ”اللہ اکبر“ اور اس کے بعد ”الحمد لله رب العالمین“ نہ پڑھے، نہ توجیہ ”انی وجہت وجهی“ الخ نہ اور کچھ ہے، اس لئے کہ حدیث میں ہے ”یفتتحون الصلاة ب الحمد لله رب العالمین“۔

جمہور حنفیہ کا کہنا یہ ہے کہ ”یفتتحون الصلاة“ سے مراد ”یفتتحون الجهر“ ہے۔ یعنی جہر یہاں سے شروع کرے، اس سے پہلے ثناء، تسمیہ وغیرہ ستر آہوں گے۔

۷۴۴۔ حدثنا موسى بن إسماعيل قال: حدثنا عبد الواحد بن زياد قال حدثنا

عمارة بن القعقاع قال: حدثنا أبو زرعة قال: حدثنا أبو هريرة قال: كان رسول الله ﷺ يكسب بين التكبير وبين القراءة إسكاته، قال: أحسبه قال: هنية. فقلت: بأبي وأمي يا رسول الله، إسكاتك بين التكبير وبين القراءة ما تقول؟ قال: ((أقول: اللهم باعد بيني وبين خطاياي كما باعدت بين المشرق والمغرب، اللهم نقني من الخطايا كما ينقى الثوب الأبيض من الدنس، اللهم اغسل خطاياي بالماء والثلج والبرد)) ۷۴۵

۷۴۴۔ وفي صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب حجة من قال لا يجهر بالبسملة، رقم: ۶۰۶، وسنن الترمذی، كتاب الصلاة، باب ماجاء في افتتاح القراءة ب الحمد لله رب العالمين، رقم: ۲۲۹، وسنن النسائی، كتاب الافتتاح، باب البداءة بفتح الكتاب قبل السورة، رقم: ۸۹۲، وسنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب من لم ير الجهر ب بسم الله الرحمن الرحيم رقم: ۸۰۵، ومسند أحمد، باقي مسند المكثرين، باب مسند أنس بن مالك، رقم: ۱۱۵۵۲، ۱۱۶۹۲، ۱۲۲۵۳، ۱۲۴۲۱، ۱۲۶۳۰، ۱۲۸۵۸، ۱۳۱۸۵، ۱۳۲۸۳، ۱۳۳۸۵، ۱۳۵۶۳، وسنن الدارمی، كتاب الصلاة، باب كراهية الجهر ب بسم الله الرحمن الرحيم، رقم: ۱۴۱۲۔

۷۴۵۔ وفي صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب ما يقال بين تكبيرة الاحرام والقراءة، رقم: ۹۳۰، وسنن النسائی، كتاب الافتتاح، باب الدعاء بين التكبيرة والقراءة، رقم: ۸۸۵، وسنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب السكعة عند الافتتاح، رقم: ۶۶۳، وسنن ابن ماجه، كتاب اقامة الصلاة والسنة فيها، باب افتتاح الصلاة، رقم: ۷۹۷، ومسند أحمد، باقي مسند المكثرين، باب مسند أبي هريرة، رقم: ۶۸۶۷، باقي المسند السابق، ۱۰۰۰۵، وسنن الدارمی، كتاب الصلاة، باب في السكتين، رقم: ۱۴۱۶۔

الأرض» [أنظر: ۲۳۶۳] ۱۳۶

یہاں بعض نسخوں میں باب بلا ترجمہ ہے اور بعض میں نہیں ہے، اور دونوں صورتوں میں ”باب ما یقرأ بعد التكبير“ سے حدیث کی مناسبت ”أطال القيام“ کے لفظ میں ہے، کیونکہ طول قیام میں دعا اور قراءت سب کچھ شامل ہو جاتی ہے۔ ۱۳۷

یہ صلوٰۃ کسوف کا واقعہ ہے، جو ان شاء اللہ تفصیل سے صلوٰۃ کسوف کے باب میں آئے گا۔ اس کے آخر میں فرمایا کہ جنت مجھ سے اس قدر قریب آگئی ہے کہ ”حتى لو اجترأت علیہا لجنتکم بقطاف من قطافہا“ اگر میں جرأت کرتا تو اس کے پھلوں میں سے کوئی پھل تمہارے لئے توڑ کر لے آتا ”ودنت منی النار“ اور جہنم بھی میرے قریب لائی گئی ”حتى قلت: ای رب اوانا معهم“ اتنی قریب آگئی کہ میں نے کہا یا اللہ ”اتعذبہا وانا معهم“ یعنی اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کے بارے میں فرمایا ہے ”ماکان اللہ لیعذبہم وانت فیہم“ (الایۃ) اور ابھی میں ان کے درمیان موجود ہوں تو کیا پھر بھی عذاب دیں گے۔ ”فیذا امرأة حسبت أنه قال: تخدشها هرة“ اچانک ایک عورت نظر آئی۔

راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے شاید آپ ﷺ نے فرمایا تھا ”تخدشها هرة“ یعنی ایک عورت نظر آئی جس کو بلی کھوٹ رہی تھی۔ ”قلت: ماشان هذه؟“ میں نے پوچھا کہ یہ کیا قصہ ہے؟ ”قالوا: حبستها حتى ماتت جوعاً“ کہا اس نے بلی کو بند کر دیا تھا یہاں تک کہ وہ بھوک کی وجہ سے مر گئی۔ ”لا ہی أطعمتها ولا أرسلتها تاكل“ نہ اس نے اس کو کھلایا اور نہ چھوڑا کہ وہ خود کھالے۔ ”قال نافع: حسبت أنه قال“ نافع کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ آگے یہ بھی فرمایا تھا کہ ”تاكل من خشيش أو خشاش الأرض“ زمین کے کیڑے مکوڑے کھالے، اس کے لئے بھی نہیں چھوڑا اور خود بھی نہیں کھلایا اور باندھ کر رکھا۔ اب اس کو اس کا عذاب دیا جا رہا تھا کہ وہ بلی اس کو جہنم میں کھوٹ رہی تھی۔

(۹۱) باب رفع البصر إلى الإمام في الصلاة،

نماز میں امام کی طرف نظر اٹھانے کا بیان

وقالت عائشة: قال النبي ﷺ في صلاة الكسوف: «رأيت جہنم يحطم بعضها

۱۳۶ وفي سنن النسائي، كتاب الكسوف، باب العهد والتسليم في صلاة الكسوف، رقم: ۱۳۸۱، وسنن ابن

ماجه، كتاب القامة الصلاة والسنة فيها، باب ماجاء في صلاة الكسوف، رقم: ۱۲۵۵، ومسند أحمد، باقي مسند

الأنصار، باب حديث اسماء بنت أبي بكر الصديق، رقم: ۲۵۷۱۶.

۱۳۷ عمدة القاری، ج: ۳، ص: ۳۱۵.

بعضا حین رایتمونى تاخرت»۔

آنکھ اٹھا کر امام کو دیکھنا

اس میں یہ مسئلہ بیان کر رہے ہیں کہ نماز کے اندر آنکھ اٹھا کر دیکھنا کہ امام کیا کر رہا ہے یہ جائز ہے۔ اس کے لئے امام بخاری رحمہ اللہ مختلف حدیثیں لائے ہیں کہ صحابہ کرام ؓ نے منہ اٹھا کر نبی کریم ﷺ کی طرف دیکھا۔ اس میں مسلک مختار یہی ہے کہ اگر آدمی گردن کو موڑے بغیر امام کو دیکھ لے یا دائیں بائیں تھوڑا بہت دیکھ لے تو یہ جائز ہے۔ اگرچہ مسنون یہی ہے کہ نگاہ موضع سجود پر رہے لیکن اتنا دیکھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، یہی امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث یہاں لائے ہیں جو صلوٰۃ الکسوف کے بارے میں ہے کہ فرمایا ”رأيت جہنم يحطم بعضها بعضا حین رایتمونى تاخرت“ میں نے جہنم کو دیکھا کہ اس کا کچھ حصہ دوسرے حصے کو توڑ رہا ہے، ”حطم يحطم“ کے معنی ہیں توڑ رہا ہے پیچھے گزرا ہے۔ کہ ”اکل بعضها بعضا حین رایتمونى تاخرت“ جب تم نے دیکھا کہ میں پیچھے ہٹا تھا۔ پتہ چلا کہ جب حضور ﷺ پیچھے ہٹے تھے تو صحابہ کرام ؓ نے حضور ﷺ کو دیکھا تھا، معلوم ہوا کہ امام کو دیکھنا جائز ہے۔

۷۴۶۔ حدثنا موسى قال : حدثنا عبد الواحد قال : حدثنا الأعمش ، عن عمارۃ ابن عمير ، عن أبی معمر قال : قلنا لخباب : أكان رسول الله ﷺ يقرأ في الظهر والعصر ؟ قال : نعم ، فقلنا : بم كنتم تعرفون ذاك ؟ قال : باضطراب لحيته . [أنظر : ۷۶۰ ، ۷۶۱ ، ۷۷۷] ۱۳۸

قال: قلنا لخباب: أكان رسول الله ﷺ يقرأ في الظهر والعصر؟

پوچھا کہ کیا حضور اقدس ﷺ ظہر اور عصر میں قرأت کرتے تھے؟

”قال: نعم، فقلنا: بم كنتم تعرفون ذاك؟ قال: باضطراب لحيته“۔

تو فرمایا ”نعم“ ہاں، پوچھا آپ کو کیسے پتہ چلتا تھا؟ حضرت خباب ؓ نے فرمایا ”باضطراب لحيته“ آپ ﷺ کی داڑھی مبارک میں پڑھنے کی وجہ سے حرکت ہوتی تھی جو پیچھے سے نظر آ رہی ہوتی تھی کہ آپ ﷺ کی لحيہ مبارکہ حرکت کر رہی ہے۔

۱۳۸ وفی سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب ماجاء فی القراءة فی الظهر، رقم: ۲۷۸، وسنن ابن ماجہ، کتاب

اقامة الصلاة، والسنة فیها، باب القراءة فی الظهر والعصر، رقم: ۸۱۸، ومسند أحمد، اول مسند البصریین، باب

حدیث خباب بن الارت عن النبی ﷺ، رقم: ۲۰۱۳۷، ۲۰۱۶۶، ۲۵۹۵۷

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور اقدس ﷺ کی لمحیہ مبارکہ کے اضطراب کو دیکھتے تھے، پتا چلا کہ یہ جائز ہے۔

۷۴۹۔ حدثنا محمد بن سنان قال : حدثنا فليح قال : حدثنا هلال بن علي ، عن أنس بن مالك قال : صلى لنا النبي ﷺ ثم رقى المنبر فأشار بيديه قبل قبلة المسجد . ثم قال : «لقد رأيت الآن منذ صليت لكم الجنة والنار ممثلتين في قبلة هذا الجدار ، فلم أر كالיום في الخير والشر» ، ثلاثا . [راجع : ۹۳]

”لقد رأيت الآن منذ صليت لكم الجنة والنار ممثلتين في قبلة هذا الجدار ، فلم أر كالיום في الخير والشر“

آپ ﷺ نے فرمایا: کہ میرے اوپر ابھی جنت اور نار اس دیوار کے کنارے میں پیش کی گئی ”فلم أر الخير والشر“ تو جنت جیسی خیر اور نار جیسا شر میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ یعنی جنت اتنی بہترین چیز تھی کہ اس سے پہلے اتنی بہترین چیز نہیں دیکھی اور جہنم ایسی شر تھی کہ اس سے پہلے العیاذ باللہ اس جیسا شر نہیں دیکھا۔ اب اگر اس کو سائنٹفک طریقے سے منطبق کریں کہ جنت اور نار دیوار کے کونے میں آگئی، تو نہیں کر سکتے۔ جبکہ جنت کا ادنیٰ ترین حصہ جو دیا جائے گا وہ دنیا سے ستر گنا زیادہ ہوگا، اب وہ دیوار کے کونے میں جنت اور نار کیسے آگئی، تو اس کا تعلق عالم غیب سے ہے، اس کو اپنے ظاہری احوال اور مشاہدے کے قواعد پر منطبق کرنے کی کوشش ہی فضول ہے۔

(۹۲) باب رفع البصر إلى السماء في الصلاة

نماز میں آسمان کی طرف نظر اٹھانے کا بیان

۷۵۰۔ حدثنا علي بن عبد الله قال : أخبرنا يحيى بن سعيد قال : حدثنا ابن أبي عروبة قال : حدثنا قتادة أن أنس بن مالك حدثه قال : قال رسول الله ﷺ : «ما بال أقوام يرفعون أبصارهم إلى السماء في صلاتهم؟» فاشتد قوله في ذلك حتى قال : «لينتهين عن ذلك أو لتخطفن أبصارهم» .

”لينتهين عن ذلك أو لتخطفن أبصارهم“ یعنی یا تو نگاہیں آسمان کی طرف اٹھانے سے باز آجائیں، ورنہ ان کی آنکھیں اچک لی جائیں گی۔

(۹۳) باب الالتفات فی الصلاة

نماز میں ادھر ادھر دیکھنے کا بیان

۷۵۱۔ حدثنا مسدد قال: حدثنا أبو الأحوص قال: حدثنا أشعث بن سليم، عن أبيه، عن مسروق، عن عائشة قالت: سألت رسول الله ﷺ عن الالتفات في الصلاة. فقال: ((هو اختلاس يختلسه الشيطان من صلاة العبد)). [أنظر: ۳۲۹۱] ۷۵۹

التفات فی الصلاة کا حکم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے ”التفات فی الصلوٰۃ“ کے بارے میں پوچھا یعنی نماز کے اندر کسی چیز کی طرف متوجہ ہونا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ اختلاس ہے جس کو شیطان بندہ کی نماز میں چھین کر لے جاتا ہے۔

اختلاس کہتے ہیں کسی سے زبردستی کوئی چیز چھین جھپٹ کر لے جانا، یعنی انسان اللہ جلّ جلالہ کے لئے نماز پڑھ رہا ہوتا ہے اور اس کو اس پر اجبر مل رہا ہوتا ہے، شیطان آکر نماز کا اجر اس سے چھین کر لے جاتا ہے۔

اس روایت میں ”التفات فی الصلوٰۃ“ کی مذمت فرمائی۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تھوڑا بہت ”التفات فی الصلوٰۃ“ کو گوارا کیا گیا ہے، جیسا کہ آگے امام بخاری رحمہ اللہ مستقل باب قائم فرما رہے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے دیکھا کہ قبلہ کی جانب تھوک پڑا ہوا ہے، آپ ﷺ نے اس کو نماز کے اندر ہی مسل دیا، اس طرح کی کئی روایات ہیں۔

عند الحفیفہ وعند الجمہور دونوں روایات میں تطبیق یہ ہے کہ اگر یہ التفات گردن موڑے بغیر ہو صرف کنکھوں یعنی گوشہ چشم سے نگاہ ڈالی ہو تو یہ جائز ہے اور اگر گردن موڑنے کے ساتھ ہو اور قلیل ہو یعنی ایک آدھ مرتبہ ذرا سی گردن موڑ لی تو یہ مکروہ ہے اور اگر کثیر ہے یعنی بار بار گردن موڑ کر ادھر ادھر دیکھ رہا ہے تو یہ کثیر ہے اور مفسد صلوٰۃ ہے، یہ تطبیق ہے اور یہی حکم شرعی ہے۔

پھر جمہور کے نزدیک سنت یہ ہے کہ نگاہ موضع سجود پر ہے، البتہ مالکیہ کے نزدیک امام کی طرف دیکھنا مسنون ہے، جمہور کی تائید بیہقی میں حضرت محمد بن سیرین کی مرسل روایت ہوتی ہے۔

۷۵۹۔ وفي سنن الترمذی، کتاب الجمعة عن رسول الله ﷺ، باب ما ذكر في الالتفات، رقم: ۵۳۸، و سنن النسائي، کتاب

السهو، باب التشديد في الالتفات في الصلاة، رقم: ۷۷۶، و مسند أحمد، باقي مسند الأنصار، باب حديث السيدة

عائشة، رقم: ۲۳۲۷۶، ۲۳۶۰۳.

نیز حضرت انس سے ایک روایت ہے ”قلت: یا رسول اللہ! ین یضع بصری فی الصلاة، قال: عند موضع سجودک یا انس! قال قلت: یا رسول اللہ! هذا شدید لا أستطیع هذا، قال: ففسی المكتوبة اذا“ لیکن امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس کو روایت کر کے اسے ربیع بن بدر کی وجہ سے ضعیف کہا ہے، البتہ اس سے پہلے جو روایات ذکر کی ہیں، ان کے مجموع سے اس پر استدلال کیا ہے۔ ۱۵۰

(۹۴) باب: هل يلتفت لأمر ينزل به؟ أو يرى شيئاً أو بصاقاً في القبلة؟

”نماز میں کوئی خاص واقعہ پیش آجائے یا سامنے تھوک یا کوئی چیز دیکھے تو کیا یہ جائز ہے
”وقال سهل: التفت أبو بكر ﷺ فرأى النبي ﷺ“.

۷۵۳۔ حدثنا قتيبة بن سعيد قال: حدثنا ليث، عن نافع، عن ابن عمر أنه قال: ((رأى النبي ﷺ نخامة في قبلة المسجد وهو يصلي بين يدي الناس فحتها)). ثم قال حين انصرف: ((إن أحدكم إذا كان في الصلاة فإن الله قبل وجهه فلا يتنخم أحد قبل وجهه في الصلاة)). رواه موسى بن عقبة وابن أبي رواد عن نافع. [راجع: ۴۰۶]

یہ باب قائم کیا ہے کہ ”هل يلتفت لأمر ينزل به؟ أو يرى شيئاً أو بصاقاً في القبلة؟“ کوئی واقعہ پیش آجائے تو اس کی وجہ سے التفات کر لے یا قبلہ کی جانب کوئی ایسی چیز پڑی ہوئی دیکھی جس کو نکالنا ضروری ہے اس کی وجہ سے التفات کرے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کسی حاجت کی وجہ سے التفات کا جواز ثابت ہے۔ حضرت سهل بن سعدی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ نبی کریم رضی اللہ عنہ تشریف لائے ہیں تو التفات کیا۔

۷۵۴۔ حدثنا يحيى بن بكير: حدثنا الليث بن سعد، عن عقيل، عن ابن شهاب قال: أخبرني أنس بن مالك قال: بينما المسلمون في صلاة الفجر لم يفجأهم إلا رسول الله ﷺ قد كشف ستر حجرة عائشة، فنظر إليهم وهم صفوف فتبسم يضحك، ونكص أبو بكر ﷺ على عقبيه ليصل له الصف، فظن أنه يريد الخروج وهم المسلمون أن يفتنوا في صلاتهم، فأشار إليهم: أن اتموا صلاتكم، وأرخى الستر وتوفي من آخر ذلك اليوم. [راجع: ۶۸۰]
”وهم المسلمون أن يفتنوا في صلاتهم“.

مسلمانوں کو خیال ہوا کہ وہ اپنی نمازوں کے بارے میں فتنہ میں مبتلا ہو جائیں گے، حضور اقدس رضی اللہ عنہ کے چہرہ انور کا دیدار کر کے خوشی ہوئی، اس خوشی اور مسرت کی وجہ سے اندیشہ ہوا کہ کہیں نماز نہ ٹوٹ جائے۔

یہاں مقصود یہ ہے کہ صدیق اکبر ؓ اور صحابہ کرام ؓ نے دیکھا کہ حضور اقدس ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کی طرف سے تشریف لارہے تھے، ادھر صفیں بنی ہوئی تھیں، اب نظر اُسی وقت آسکتے تھے جب تھوڑا سا التفات کیا ہو، معلوم ہوا کسی حاجت کی وجہ سے التفات قلیل جائز ہے۔

اسفار فی الفجر میں حنفیہ کا استدلال

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نماز فجر اسفار میں ہو رہی تھی ورنہ حضور اقدس ﷺ کو صحابہ ؓ اور صحابہ ؓ کو حضور اقدس ﷺ نظر نہ آتے، یہ بھی حنفیہ کی دلیل ہے۔

(۹۵) باب وجوب القراءة للإمام والمأموم فی الصلوات

كلها، فی الحضر و السفر، وما یجهر فیها وما یتخافت.

تمام نمازوں میں خواہ وہ سفر میں ہوں یا حضر میں ہوں سری ہوں یا جہری،

امام اور مقتدی کے لئے قرأت کے واجب ہونے کا بیان

۷۵۵۔ حدثنا موسیٰ قال: حدثنا أبو عوانة قال: حدثنا عبد الملك بن عمير عن

جابر بن سمرة قال: شكا أهل الكوفة سعدا إلى عمر ؓ، فعزله واستعمل، عليهم عمارا، فشكوا حتى ذكروا أنه لا يحسن صلى، فأرسل إليه فقال: يا أبا إسحاق، إن هؤلاء يزعمون أنك لا تحسن صلى. قال: أما أنا والله لإني كنت أصلي بهم صلاة رسول الله ﷺ، ما أخرج منها، أصلي صلاة العشاء فأركد في الأوليين، وأخف في الآخرين. قال: ذاك الظن بك يا أبا إسحاق. فأرسل معه رجلا أو رجلا إلى الكوفة، فسأل عنه أهل الكوفة، ولم يدع مسجدا إلا سأل عنه ويشنون عليه معروفا حتى دخل مسجدا لبنى عيس، فقام رجل منهم يقال له: أسامة بن قتادة. يكنى أبا سعدة. قال: أما إذ نشدتنا فإن سعدا كان لا يسير بالسرية، ولا يقسم بالسوية، ولا يعدل في القضية: قال سعد: أما والله لا دعون بثلاث: اللهم إن كان عبدك هذا كاذبا، قام رياء وسمعة، فأطل عمره، وأطل فقره، وعرضه بالفتن قال: فكان بعد إذا سئل يقول: شيخ كبير مفتون أصابتنى دعوة سعد. قال عبد الملك: فانا رأيته بعد قد سقط حاجباه على عينيه من

الکبر، وإنه لیتعرض للجواری فی الطرق یغمزهن. [انظر: ۷۵۸، ۷۷۰] ۱۵۱

حضرت سعدؓ کی معزولی

یہ حدیث ذکر کی ہے کہ حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ ”شکا اهل الکوفۃ سعدًا إلى عمرؓ“ اہل کوفہ نے حضرت سعدؓ کی شکایت حضرت عمرؓ سے کی۔

حضرت سعدؓ کو عراق کا گورنر بنایا تھا اور کوفہ عراق کا دار الحکومت تھا۔ کوفہ والے بڑے فتنہ پرداز قسم لے لگتے تھے، مقولہ مشہور ہے ”الکوفی لا یوفی“ وہاں کے لوگ کسی بھی امیر کو نکلنے نہیں دیتے تھے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ نے ان کے لئے یہ فرمایا ”ارم یا سعد فداک ابی و امی“ ایسے صحابی وہاں امیر بنے تو ان کے خلاف بھی شکایتیں شروع کر دیں۔

جب انہوں نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی تو ”فعزله“ حضرت عمرؓ نے ان کو معزول کر دیا۔

معزول کرنے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ آپ نے اہل کوفہ کی شکایت کو درست تسلیم کر لیا کیونکہ خود آگے حضرت عمرؓ نے فرمایا ”ذاک الظن بک یا اسحاق“ میرا گمان یہی تھا کہ شکایتیں غلط ہیں اور آپ صحیح ہیں۔ نیز شہادت سے پہلے آپ نے جو وصیت فرمائی اس میں اپنے بعد خلیفہ کو حضرت سعدؓ سے مشورہ کرتے رہنے کی تاکید کی، اور فرمایا کہ ”فانی لم اعزله عن عجز ولا خیانة“ جیسا کہ آپ انشاء اللہ ”کتاب المناقب“ باب بیعة عثمان میں پڑھیں گے۔

معزول کرنے کی مختلف وجوہات

ایک یہ کہ ان کا اصول تھا کہ ایک گورنر کو ایک ہی جگہ پر زیادہ عرصہ نہیں رکھتے تھے، تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہاں کے لوگوں سے مل ملا کر سست پڑ جائیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ حتی الامکان یہی چاہتے تھے کہ گورنر غیر مختلف فیہ آدمی ہو وغیرہ وغیرہ۔

بہر حال ان کو معزول کر دیا ”واستعمل علیہم عماراً“ اور حضرت عمار بن یاسرؓ کو عامل بنایا اور خاص طور پر ان کو نماز کے لئے مقرر کیا۔

۱۵۱ وفی صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب القراءة فی الظهر والعصر، رقم: ۷۸۹، وسنن النسائی، کتاب

الافتتاح، باب البرکود فی الرکعتین الاولین، رقم: ۹۹۲، وسنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، باب تخفیف الاخرین،

رقم: ۷۸۰، ومسند أحمد، مسند العشرة المبشرين بالجنة، باب مسند ابی اسحاق سعد بن ابی وقاص، رقم:

”فشکو“ یہاں سمجھ لیں کہ یہ ”شکوا“ پہلے ”شکوا“ کی تفسیر ہے۔ یہاں جس طرح عبارت مذکور ہے اس میں ظاہر اور متبادر یہ ہوتا ہے کہ انہوں نے حضرت عمارؓ کو عامل بنایا تو پھر حضرت عمارؓ کی بھی شکایت کرنی شروع کر دی، لیکن یہ مراد نہیں ہے، بات یہاں ختم ہو گئی ”واستعمل علیہم عماراً“۔ اب آگے ”فشکو“ سے حضرت سعدؓ کی جو شکایت کی تھی اس کی تفصیل آرہی ہے۔

”فشکو“ اہل کوفہ نے حضرت سعدؓ کی شکایت کی کہ ”حتیٰ ذکرُوا اَنَّهُ لَا یَحْسَن یصلی“ ان اللہ کے بندوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ یہ نماز صحیح نہیں پڑھتے۔

دیگر شکایات میں سے ایک شکایت یہ تھی کہ حضرت سعدؓ نے اپنے گھر کا دروازہ ذرا موٹا لگایا تھا، وجہ اس کی یہ تھی کہ ان کا گھر بازار کے قریب تھا اور شور و شغب زیادہ تھا اس سے بچنے کے لئے موٹا دروازہ لگالیا، اگرچہ حضرت عمرؓ کی طرف سے عمال کو یہ حکم تھا کہ وہ اپنے گھروں پر دربان نہ رکھیں۔

اب اہل کوفہ نے شکایت کی کہ انہوں نے موٹا دروازہ اس لئے لگایا ہے کہ ہم ان کے پاس شکایت لے کر نہ جاسکیں۔

حضرت سعدؓ بعض اوقات تیر اندازی کے لئے جایا کرتے تھے تو اس کی شکایت کر دی کہ یہ شکار کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہاں تک کہہ دیا کہ یہ نماز اچھی نہیں پڑھتے، یعنی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور حضور ﷺ نے جن کے بارے میں فرمایا ”فداک ابی و اُمی“ وہ تو نماز اچھی نہیں پڑھتے اور اہل کوفہ اچھی پڑھتے ہیں، تو اس قسم کی شکایتیں تھیں۔

”فقال: یا ابا إسحاق، إن هؤلاء یزعمون أنك لا تحسن تصلی“۔

حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ کو کربلا کر کہا کہ اے ابواسحاق! یہ لوگ دعویٰ کر رہے ہیں کہ آپ اچھی طرح نماز نہیں پڑھتے۔

”قال: أما أنى واللہ فإنى كنت أصلى بهم صلوة رسول اللہ ﷺ“ میں تو ان کو ایسی نماز پڑھاتا تھا جیسی میں نے رسول ﷺ کو پڑھاتے دیکھا تھا ”ما احرم عنها“ اس میں کوئی کمی نہیں کرتا تھا۔ ”بحرم۔ بخرم“ کے معنی ہیں کمی کرنا۔

”أصلی صلوة العشاء فارکد فی الاولین وأحف فی الآخرین“ میں عشاء کی نماز پڑھاتا تھا تو پہلی دو رکعتوں میں ”رکود“ کرتا تھا۔ ”رکود“ کے معنی ہے ٹھہرنا، مراد طویل قیام یعنی پہلی دو رکعتوں میں طویل قرأت کرتا تھا اور دوسری دو رکعتوں میں ہلکی قرأت کرتا تھا۔

”قال: ذاک الظنّ بک یا ابا إسحاق“ حضرت عمرؓ نے فرمایا اے ابواسحاق آپ سے یہ گمان تھا کہ آپ اچھی نماز ہی پڑھائیں گے، بے شک یہ لوگ فضول باتیں کر رہے ہیں۔

چونکہ متعدد شکایات تھیں اس لیے ان کی تحقیق کے لئے ”فارسل معہ رجلا“ اور رجلا الی الکوفہ“ ایک یا زیادہ لوگوں کو کوفہ بھیجا، بھیجنے کا مقصد حضرت سعدؓ پر کوئی شک نہیں تھا، بلکہ یہ دکھانا تھا کہ ہر حاکم کے حالات کی تحقیق ہو سکتی ہے۔ ”فسال عنہ اهل الکوفہ“ ان کے بارے میں اہل کوفہ کے تاثرات معلوم کئے ”ولم يدع مسجداً الا سال عنه“ جو لوگ ساتھ گئے تھے انہوں نے کوئی مسجد نہیں چھوڑی، ہر جگہ لوگوں سے حضرت سعدؓ کے بارے میں سوال کیا کہ یہ کیسے ہیں ”ویشنون علیہ معروفاً“ سب لوگ حضرت سعدؓ کی تعریف کرتے تھے ”حتی دخل مسجداً لبنی عبس“ یہاں تک کہ بنو عبس کی ایک مسجد میں گئے اور وہاں کے لوگوں سے پوچھا کہ حضرت سعدؓ کیسے شخص ہیں؟ ”فقام رجل منهم، یقال له: أسامة بن قنادة“ ایک شخص کھڑا ہوا جس کا نام اسامہ بن قناده اور کنیت ابو سعدہ تھی۔ اس نے کہا ”اما اذ نشدتنا“ جب آپ نے ہم سے قسم دے کر پوچھا ہے کہ صحیح بتائیں۔

”نشد — ینشد“ بہت سارے معنی میں استعمال ہوتا ہے ان میں ایک معنی ”قسم دے کر پوچھنا“ بھی ہے۔

”فإن سعداً كان لا يسير بالسرية، ولا يقسم بالسوية ولا يعدل في القضية“.

اس نے تین باتیں بیان کیں کہ حضرت سعدؓ سریہ میں نہیں جاتے، سریہ کے معنی لشکر کے ہیں یعنی جہاد نہیں کرتے۔

ذرا غور فرمائیں جو فاتح ایران ہے؛ جس نے پورا ایران فتح کیا۔ جس نے سب سے پہلے اللہ ﷻ کے راستے میں تیر چلایا، جس نے بدر و احد میں فداکاری کا مظاہرہ کیا۔ ان کے بارے میں یہ تین اعتراضات کئے کہ: پہلا اعتراض یہ کہ جہاد میں نہیں جاتے۔

دوسرا اعتراض یہ کہ جب مال غنیمت آتا ہے تو لوگوں میں برابر تقسیم نہیں کرتے۔

تیسرا اعتراض یہ کیا کہ فیصلوں میں انصاف نہیں کرتے۔ العیاذ باللہ العظیم۔

”قال سعد: أما والله لأدعون بثلاث“ دوسری روایت میں اس طرح کے الفاظ ہیں کہ حضرت

سعدؓ کو پتا چلا تو فرمایا: ”أما والله لأدعون بثلاث: اللهم إن كان عبدك هذا كاذباً، قام رياءً وسمعة، فأطل عمره، وأطل فقره، وعرضه بالفتن“ یہ سارا سچ، قافیہ تجھے میرے ہی بارے میں سوچھا یعنی ”سریة، سوية وقضية“ فرمایا میں تیرے حق میں تین دعائیں کروں گا اور پھر یہ دعا فرمائی۔

”اللهم إن كان عبدك هذا كاذباً، قام رياءً وسمعة“ اے اللہ! اگر یہ بندہ جھوٹا ہے جو

صرف دکھاوے اور شہرت کی وجہ سے کھڑے ہو کر یہ باتیں کر رہا ہے، تاکہ کہا جائے کہ بڑا بہادر ہے جس نے اپنے گورنر کے خلاف منہ پرایسی باتیں کہدی ہیں، ”فأطل عمره وأطل فقره وعرضه بالفتن“ تو اے

اللہ! اس کی عمر بڑھا دیجئے اور اس کا فقر طویل کر دیجئے اور اس کو فتنوں کا نشانہ بنا دیجئے۔

ذرا غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے کہ حضرت سعدؓ جیسے صحابی کے لئے کوئی شخص کھڑے ہو کر یہ کہہ دے کہ یہ جہاد نہیں کرتے، مال غنیمت برابر تقسیم نہیں کرتے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ عدل و انصاف سے فیصلہ نہیں کرتے۔ اس پر غصہ آنا طبعی بات ہے لیکن غصہ کے باوجود حضرت سعدؓ کی احتیاط کا عالم یہ ہے کہ بددعا سے پہلے دو شرطیں لگائیں ایک یہ کہ اگر یہ جھوٹا، ہو دوسری یہ کہ ریاء و سمعۃ یہ بات کہہ رہا ہو کہ، یعنی اگر اخلاص سے غلط بات کہہ رہا ہو تب بھی میں اس کے خلاف بددعا نہیں کرتا۔

معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص غلط فہمی کی وجہ سے اخلاص سے کوئی بات کہہ رہا ہو تو اس کے بارے میں بھی بددعا نہیں کرنی چاہئے۔

حضرت سعدؓ کی بددعا

اس شخص نے تین جملے کہے تھے، حضرت سعدؓ نے بھی تین بددعائیں دیں:

پہلی بددعا یہ دی کہ یا اللہ! اس کی عمر طویل کر۔ بظاہر طویل عمر ہونا خود کوئی بددعا نہیں ہے لیکن ساتھ فرمایا ”واطل فقرہ“ کہ اس کا فقر بھی لمبا ہو اور ساتھ یہ فتنوں کا نشانہ بن جائے۔

اس نے جو تین جملے کہے تھے ان میں پہلی دو باتوں کا تعلق دنیوی امور سے تھا ”لا یسیر بالسریۃ ولا یقسم بالسویۃ“ اور تیسری چیز جو دین سے متعلق تھی اور سب سے خطرناک تھی اس کے مقابلے میں بددعا بھی دین کے بارے میں دی کہ یہ فتنہ میں مبتلا ہو جائے، العیاذ باللہ العظیم۔

”قال: فکان بعد اذا سئل“ حضرت سعدؓ کی بددعا اس کے حق میں قبول ہوئی اور ایسا ہی ہوا کہ اس کی عمر لمبی ہو گئی، جب اس سے پوچھا جاتا تو کہتا ”شیخ کبیر مفتون“ میں ایک بڑا عمر رسیدہ بڑھا ہوں جو فتنے کا نشانہ بن گیا ”أصابتنی دعوة سعد“ مجھے سعدؓ کی بددعا لگ گئی۔

”قال عبد الملک: فاننا رأیته بعد قد سقط حاجباه علی عینیہ من الکبر“۔

میں نے دیکھا اس کی ابروئیں آنکھوں پر گر گئی تھیں یعنی عمر لمبی ہوئی اور اتنا بڑھا ہوا کہ ابروؤں کی کھال ٹپک کر آنکھوں پر گر گئی تھی لیکن اس کے باوجود ”انہ لیترض للجوارى فی الطرق یغمزهن“ راستہ میں کھڑا ہوتا اور جو لڑکیاں گزرتیں ان کا پیچھا کرتا اور ان کی چٹکی لینے کی کوشش کرتا۔ جہاں موقع ملتا ہاتھ پکڑ کے یا جسم پر جہاں بھی ہاتھ پڑتا اس کو دبانے کی کوشش کرتا۔ اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھیں۔ آمین۔

یہ حضرت سعدؓ کی بددعا کا نتیجہ تھا کہ ایسے فتنے میں مبتلا ہوا کہ بڑھاپے میں بھی لڑکیوں کے پیچھے بھاگتا پھرتا تھا، العیاذ باللہ العظیم۔

جب اس نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ جیسی عظیم شخصیت کے بارے میں ایسی بری بات کہی تو اللہ ﷻ نے اس کو دنیا میں ہی اس کی عبرت ناک سزا دے دی۔

احکام: بعض اوقات یہ اشکال کیا جاتا ہے کہ اگر حضرت سعد رضی اللہ عنہ بددعا نہ دیتے تو کیا ہوتا؟
جواب: علماء نے فرمایا ہے کہ بددعا دینا بھی ان کی طرف سے شفقت ہی تھی کہ اس کو اس گناہ کا بدلہ آخرت کے بجائے دنیا میں ہی مل جائے اور یہاں سے پاک صاف ہو کر اللہ ﷻ کے پاس جائے، ورنہ: ”من عادى لي وليا فقد اذنى بالحرب“۔ ۱۵۲

اللہ ﷻ آخرت میں کیا عذاب دیتا اس سے یہ دنیا کا عذاب بہتر ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس پر جو ترجمہ الباب قائم فرمایا ہے ”باب وجوب القراءة للإمام والمأموم في الصلوات كلها، في الحضر والسفر، وما يجهر فيها وما يخافت“۔

ترجمہ الباب کا مقصد

اس باب کے اندر یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ امام اور مقتدی دونوں کے لئے قرأت واجب ہے۔

لامع الذراری میں اس ترجمہ کے بہت سارے اجزاء ہیں کہ امام کے لئے قرأت واجب ہے۔ یہ بات تو اس حدیث باب سے سمجھ آگئی۔ اگرچہ اس سے آنحضرت ﷺ کا عمل ثابت ہوتا ہے اور عمل وجوب کی دلیل نہیں ہوتی، اسی لئے حنفیہ کے نزدیک قراءت صرف دو رکعتوں میں فرض ہے، باقی دو رکعتوں میں فرض نہیں، شافعیہ، حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک چاروں رکعتوں میں قراءت فرض ہے، مالکیہ کے نزدیک چاروں میں واجب ہے، مگر ایک رکعت میں قراءت چھوڑنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

”فی الصلوات كلها“ اس لئے کہہ دیا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں ابوداؤد میں ایک روایت مروی ہے، کہ وہ اس بات کے قائل تھے کہ ظہر اور عصر میں قرأت ہے ہی نہیں، نہ سرتی ہے اور نہ جہری اور پیچھے حضرت خباب بن انس رضی اللہ عنہ کی جو حدیث گزری ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ کیا حضور ﷺ ظہر اور عصر میں قرأت کیا کرتے تھے؟ انہوں نے کہا ہاں، پوچھا، آپ کو کیسے پتہ چلا؟ کہا داڑھی کی حرکت سے، تو یہ سوال بھی اسی پس منظر میں کیا گیا تھا کیونکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول مشہور ہو گیا تھا کہ ظہر اور عصر میں قرأت نہیں ہے۔

چونکہ بعض لوگوں کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ ظہر اور عصر میں قرأت نہیں ہے، اس لئے فرمایا ”وجوب القراءة في الصلوات كلها“ اس سے اس مسلک کی تردید کی طرف اشارہ ہے اور حدیث باب میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا

یہ فرمانا کہ میں تو ویسے ہی نماز پڑھاتا تھا جیسے حضور ﷺ کو پڑھتے دیکھا تھا، اس سے پتہ چلا کہ وہ تمام نمازوں میں قرأت کرتے تھے۔

ترجمۃ الباب کے اجزاء کی تشریح

آگے فرمایا ”باب وجوب القراءة للإمام والمأموم“ کہ مأموم کے لئے بھی نمازوں میں قرأت واجب ہے۔

اس حدیث میں تو مقتدی کی قرأت کا کوئی ذکر نہیں ہے، البتہ اس کو حضرت عبادہ بن صامتؓ کی حدیث سے ثابت ہے جو آگے آرہی ہے ”إن رسول الله ﷺ قال: لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب“ جو فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں۔ کہتے ہیں اس میں حکم عام ہے امام اور مقتدی دونوں کے لئے ہے، تو مأموم کا لفظ یہاں سے نکالا۔

آگے فرمایا ”فی الحضر والسفر“ کہ یہ قرأت حضر میں بھی واجب ہے اور سفر میں بھی واجب ہے۔

حضر کے متعلق تو ساری روایات ہیں لیکن سفر کا ذکر نہ بظاہر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی روایت میں ہے، نہ عبادہ بن صامتؓ کی روایت میں ہے ورنہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے جو آگے آرہی ہے، تو سفر کا لفظ کیسے بڑھا دیا؟

اس کا منشا یہ ہے کہ قرأت کے بارے میں سفر اور حضر کے احکام مختلف نہیں ہیں، جس طرح تعداد رکعت میں فرق ہے اس طرح قرأت میں فرق نہیں، جب حضر میں ثابت ہو گیا تو سفر میں بھی وہی حکم ثابت ہو گیا۔ آگے فرمایا ”وما يجهر فيها وما يخافت“ اور کس نماز میں قرأت جہراً پڑھی جائے اور کس میں آہستہ پڑھی جائے۔

یہاں روایت میں حضرت سعدؓ نے عشاء کی نماز کے بارے میں فرمایا ”أركد في الأوليين وأخف في الأخيرين“۔ ”رکود“ کے معنی ٹھہرنے کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ میں پہلی دو رکعتوں میں قیام نسبتاً لمبا کرتا ہوں اور آخری دو رکعتوں میں مختصر کرتا ہوں۔

تو پہلی دو رکعتوں میں جہر سے پڑھتے تھے اور نسبتاً طویل قرأت کرتے تھے اور دوسری دو رکعتوں میں سر سے پڑھتے تھے، اس سے ”جہر فیہا وما يخافت“ کا بھی ذکر مناسب ہو گیا۔

۷۵۷۔ حدثنا محمد بن بشار قال: حدثنا يحيى عن عبيد الله قال: حدثني سعيد

ابن أبي سعيد عن أبيه عن أبي هريرة: أن رسول الله ﷺ دخل المسجد فدخل رجل

فصلی وسلم علی النبی ﷺ فرد، فقال: «ارجع فصل فإنک لم تصل»، فرجع فصلی کما صلی، ثم جاء وسلم علی النبی ﷺ فقال: «ارجع فصلی فإنک لم تصل»، ثلاثاً فقال: والذي بعثک بالحق ما أحسن غیره، فعلمنی. فقال: «إذا قمت إلى الصلاة فكبر، ثم أقرأ ما تيسر معک من القرآن، ثم أركع حتى تطمئن راكعاً، ثم أرفع حتى تعتدل قائماً، ثم أسجد حتى تطمئن ساجداً، ثم أرفع حتى تطمئن جالساً، وافعل ذلك في صلاتک کلها». [أنظر: ۶۲۵۱، ۶۲۵۲، ۶۲۶۷]

اس میں مقصود بالترجمہ ہے ”ثم أقرأ ما تيسر معک من القرآن“ اس میں قرأت کو واجب قرار دیا۔

(۹۶) باب القراءة في الظهر

نمازِ ظہر میں قرأت کا بیان

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا جو قول تھا کہ ظہر اور عصر میں قرأت نہیں ہے اب اس کی تردید میں ابواب قائم کئے ہیں جن میں ظہر اور عصر میں قرأت ثابت کی ہے، بعد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اس سے رجوع فرمایا تھا۔

۷۵۹۔ حدثنا أبو نعيم قال: حدثنا شيبان، عن يحيى، عن عبد الله بن أبي قتادة، عن أبيه، قال: كان رسول الله ﷺ يقرأ في الركعتين الأولىين من صلاة الظهر بفاتحة الكتاب وسورتين يطول في الأولى ويقصر في الثانية، ويسمع الآية أحياناً وكان يقرأ في العصر بفاتحة الكتاب وسورتين، وكان يطول في الأولى وكان يطول في الأولى من صلاة الصبح، ويقصر في الثانية. [أنظر: ۷۶۲، ۷۷۶، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۳]

۷۵۳۔ وفي صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب القراءة في الظهر والعصر، رقم: ۶۸۵، وسنن النسائي، كتاب الافتتاح، باب تطويل القيام في الركعة الأولى من صلاة الظهر، رقم: ۹۶۳، ۹۶۶، وسنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب ما جاء في القراءة في الظهر، رقم: ۶۷۷، وسنن ابن ماجه، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب الجهر بالآية أحياناً في صلاة الظهر والعصر، رقم: ۸۲۱، ومسند أحمد، باقي مسند الأنصار، باب حديث أبي قتادة الأنصاري، رقم: ۲۱۳۸۲، ۲۱۵۲۰، ۲۱۵۶۹، ۲۱۵۹۶، وسنن الدارمي، كتاب الصلاة، باب كيف العمل بالقراءة في الظهر والعصر، رقم: ۱۲۶۰.

یہاں یہ فرمایا ہے کہ آپ ﷺ پہلی رکعت میں طویل قرأت فرماتے تھے اور دوسری رکعت میں اس سے کم، اس سے امام محمد رحمہ اللہ نے اس بات پر استدلال فرمایا ہے کہ ہر نماز میں پہلی رکعت طویل کرنا اور دوسری اس سے کم کرنا سنت ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا فرمانا یہ ہے کہ اور تمام نمازوں میں تو دونوں رکعتیں برابر ہوں، البتہ فجر میں پہلی رکعت طویل اور دوسری اس سے کم ہو۔

یہاں پہلی رکعت طویل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ثناء ہے، تعوذ اور تقسیمہ ہے، اس کی وجہ سے وہ طویل ہو جاتی ہے، ورنہ مقدار قرأت دونوں میں برابر ہے۔ ۱۵۳

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل صحیح مسلم میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ”عنه عليه الصلاة والسلام كان يقرأ في صلاة الظهر في كل ركعة قدر ثلثين آية“۔ ۱۵۵

ترجمۃ الباب سے مناسبت؟

یہاں ظہر کا ذکر نہیں ہے، جبکہ ترجمۃ الباب ”باب القراءة في الظهر“ ہے۔

جواب یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو اس طرح قرار دیا کہ ”كنت أركد في الأوليين و أخف في الأخيرين“ کا تعلق صرف عشاء سے نہیں ہے بلکہ ہر رباعی نماز سے ہے کہ ہر رباعی نماز میں پہلی دو رکعت میں رکود کرتا ہوں اور دوسری رکعت میں کم کرتا ہوں، چونکہ ظہر بھی رباعی نماز ہے تو گویا امام بخاری رحمہ اللہ کا فرمانا یہ ہوا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دو باتیں فرمائیں۔

ایک یہ کہ میں صلاۃ العشاء اور مغرب میں کوئی کمی نہیں کرتا اور آگے دوسرا جملہ ہر رباعی نماز کے بارے میں فرمایا کہ میں ہر پہلی دو رکعتوں میں رکود کرتا ہوں یعنی قرأت لمبی کرتا ہوں اور ”اخیرین“ میں کم کرتا ہوں، بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے۔

(۹۸) باب القراءة في المغرب

مغرب کی نماز میں قرآن پڑھنے کا بیان

۷۲۴۔ حدثني أبو عاصم عن ابن جريج، عن ابن أبي مليكة، عن عروة بن الزبير،

عن مروان بن الحكم قال: قال لي زيد بن ثابت: ما لك تقرأ في المغرب بقصار، وقد

۱۵۳ عمدة القاری، ج: ۳، ص: ۲۶۱۔

۱۵۵ صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب القراءة في الظهر و المغرب، رقم: ۲۸۸۔

سمعت النبی ﷺ یقرأ بطولی الطولین؟ ۱۵۶

مروان بن الحکم کہتے ہیں کہ مجھ سے زید بن ثابت ؓ نے فرمایا ”مالک تقرأ فی المغرب بقصار“ مغرب میں آپ بہت چھوٹی سورتیں پڑھتے ہیں۔

”وقد سمعت النبی ﷺ یقرأ بطولی الطولین؟“ جبکہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دو طویل تر سورتوں میں سے جو زیادہ طویل سورت تھی وہ پڑھتے ہوئے سنا ہے۔

دوسری جگہ اس کی وضاحت آئی ہے کہ اس سے سورۃ اعراف مراد ہے۔ تو طویلین سے سورۃ انعام اور اعراف مراد ہیں۔

بعض نے کہا کہ سورۃ آل عمران اور اعراف مراد ہیں اور چونکہ دونوں میں اعراف زیادہ طویل ہے، اس لئے اس کو طولی الطولین کہا ہے۔

مروان بن حکم کی روایت کا حکم

سوال: مروان بن حکم کے بارے میں قول فیصل کیا ہے؟

جواب: قول فیصل یہ ہے کہ ان کے امیر بننے سے پہلے کی روایات قابل قبول ہیں اور امیر بننے کے بعد کی روایات میں کلام ہوا ہے لیکن ان کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ جان بوجھ کر جھوٹ بول دیں بلکہ جس طرح بہت سے لوگوں کا قاضی بن کر حافظہ ضعیف ہو جاتا ہے اسی طرح ان کا امیر بن کر حافظہ ضعیف ہو گیا۔ ان کی روایت میں ضعف حافظہ کی وجہ سے کلام کیا ہے اور بعض ایسے اعمال کی وجہ سے جو مختلف فیہ ہیں، بہر حال ان کی حدیث قابل قبول ہے۔

سوال: کیا ان کو صحابی کہہ سکتے ہیں؟

جواب: اگرچہ یہ پیدا تو حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں ہوئے تھے لیکن ان کا والد ان کو لے کر کہیں چلا گیا تھا اور وہیں انہوں نے ساری عمر گزاری۔ صحیح روایات سے حضور ﷺ کی زیارت ثابت نہیں اس لئے صحابی کہنا درست نہیں۔

سوال: بعض کتابوں میں آیا ہے کہ باپ اور بیٹا دونوں کو جلا وطن کرنے کا حکم دیا تو یہ اتنے شعور میں ہوں گے کہ ان کو بھی جلا وطن کرنے کا حکم دیا، لہذا نظر ثابت ہوگئی۔

۱۵۶۔ وفی مسند النسائی، کتاب الافتتاح، باب القراءة فی المغرب ب المص، رقم: ۹۸۰، ومسند ابی داؤد، کتاب

الصلاة، باب قدر القراءة فی المغرب، رقم: ۶۸۹، ومسند أحمد، مسند الأنصار، باب حدیث زید بن ثابت عن

النبی، رقم: ۲۰۶۴۶، ۲۰۶۵۴۔

جواب: اس سے یہ لازم نہیں آتا، اس لئے کہ ان کی عمر بہت کم تھی اور کوئی بعید نہیں کہ یہ نہ آئے ہوں اور نہ دیکھا ہو۔ بہر حال جتنے بھی قضایا ہیں ان پر اعتقاد رکھتا ہوں، ”تلك امة قد خلت لها ما كسبت ولكم ما كسبتم ولا تسئلون عما كانوا يعملون“۔

حدیث میں ہے کہ مغرب میں سورۃ اعراف پڑھتے تھے بظاہر پوری سورۃ پڑھنا مراد نہیں ہے اور اگر پوری پڑھنا مراد ہو تب بھی استدلال اس لئے تام ہوگا کہ پوری سورۃ اعراف سوا پارہ ہے، تقریباً ۲۵ منٹ میں پڑھ سکتے ہیں۔ اس وقت تک تو شفق احمر بھی غروب نہیں ہوتا، شفق احمر بھی تقریباً ایک گھنٹہ بعد غروب ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ قراءت کی مقدار مسنون سے متعلق تقریباً تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ فجر اور ظہر میں طوال مفصل، عصر اور عشاء میں اوساط مفصل اور مغرب میں قصار مفصل پڑھنا مسنون ہے، اس میں اصل حضور عمرؓ کا مکتوب ہے، جو انہوں نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا تھا۔

آنحضرت ﷺ کا عام معمول بھی مجموعہ روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے، البتہ کبھی اس کے خلاف بھی ثابت ہے، مثلاً مغرب کی نماز میں ”سورۃ الطور، سورۃ المزملات“ اور ”سورۃ حم الدخان“ کا پڑھنا، لیکن اس قسم کے واقعات بیان جواز پر محمول ہیں، تاکہ لوگ کسی خاص صورت کو واجب نہ سمجھ لیں۔ اور حضرت زید بن ثابت کے ارشاد کا مطلب بھی یہی ہے کہ قضاء کا ایسا التزام کرنا کہ اس کو لوگ واجب سمجھنے لگیں، مناسب نہیں ہے۔

خلاصہ یہ معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے مغرب میں سورۃ اعراف پڑھی۔

۷۷۲۔ حدثنا مسدد : حدثنا إسماعيل بن إبراهيم قال : أخبرنا ابن جريج قال :

أخبرني عطاء أنه سمع أبا هريرة ؓ يقول : ((في كل صلاة يقرأ ، فما أسمعنا رسول الله ﷺ أسمعناكم ، وما أخفى عنا أخفينا عنكم ، وإن لم تزد على أم القرآن اجزات وإن زدت فهو خير))۔ ۱۵۷

ضم سورۃ کا حکم

حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا ”فی کل صلوٰۃ یقرأ“ ہر نماز میں قرأت کی جائے گی ”فما أسمعنا

۱۵۷۔ وفی صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة فی کل رکعة وانه اذا لم يحسن الفاتحة، رقم:

۶۰۱، ومسنن النسائي، کتاب الافتتاح، باب قراءة النهار، رقم: ۹۶۰، ومسنن أبي داود، کتاب الصلاة، باب ماجاء

فی القراءة فی الظهر، رقم: ۶۷۶، ومسنند أحمد، باقی مسند المکثرین، باب مسند أبي هريرة، رقم: ۷۱۹۰،

رسول اللہ ﷺ "اسمعنا کم" جو ہم کو رسول اللہ ﷺ نے سنوایا ہم بھی تم کو سنوائیں گے، یعنی جس نماز میں حضور ﷺ نے جہراً قرأت کی ہم بھی جہراً کریں گے "وما اخفی عنا اخفینا عنکم" اور جو قرأت آپ ﷺ نے ہم سے مخفی رکھی یعنی سرّاً فرمائی، ہم بھی سرّاً کریں گے۔

آگے فرمایا "وان لم نزد علی أم القرآن اجزات" نماز ہوگئی۔ "وان زدت فهو خیر" اور اگر اضافہ کرو تو یہ بہتر ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کا یہ ارشاد امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل ہے جو ضم سورۃ کو مستحب کہتے ہیں، واجب نہیں کہتے، یعنی ان کے نزدیک سورۃ فاتحہ واجب اور ضم سورۃ مستحب ہے۔ ۱۵۸

حنفیہ کے نزدیک فاتحہ بھی واجب ہے اور ضم سورۃ بھی واجب ہے۔ ۱۵۹

حنفیہ کی دلیل وہ روایت ہے جو ابو داؤد اور دوسری سنن وغیرہ میں حضرت عبادہ بن صامتؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ سے مروی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

"لا صلوة الا بفاتحة الكتاب وما تيسر يا وما زاد يا فصاعداً" اور بعض روایات میں

"لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب فصاعداً"۔

ابن عدی نے الکامل میں ابن عمرؓ کی ایک روایت نقل کی ہے:

"لا تجزى المكتوبة إلا بفاتحة الكتاب و ثلاث آيات فصاعداً"۔ ۱۶۰

۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰ ما استدلل به الشافعية على استحباب ضم السورة إلى الفاتحة، وهو ظاهر الحديث، وعند أصحابنا يجب ذلك — وعندنا ضم السورة أو ثلاث من آيات من أى سورة شاء من واجبات الصلاة، وقد ورد فيه أحاديث كثيرة:

منها: ما رواه عمر بن الخطاب يقول: لا صلاة إلا بفاتحة الكتاب وسورة ماها، سنن البيهقي الكبير، باب من قال يقرأ خلف الإمام فيما يجهر الخ، ج: ۲، ص: ۱۶۷، رقم: ۲۷۵۸.

ورواه الترمذی وابن ماجہ من حدیث ابی سعید، قال قال رسول اللہ ﷺ: مفتاح الصلاة الطهور، وتحريمها التكبير، وتحليلها التسليم، ولا صلاة لمن لم يقرأ بالحمد وسورة فريضة أو في غيرها، سنن الترمذی، باب ماجاء في تحريم الصلاة وتحليلها، رقم: ۲۳۸، وابن ماجہ، ج: ۱، ص: ۲۷۴، رقم: ۸۳۹.

وروى أبو داؤد من حديث أبي نضرة عنه قال: أمرنا أن نقرأ بفاتحة الكتاب وما تيسر. سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب من ترك القراءة في صلاته بفاتحة الكتاب، رقم: ۲۹۵.

ورواه ابن حبان في ((صحيحه)) ولفظه: أمرنا رسول الله ﷺ أن نقرأ الفاتحة وما تيسر، صحيح ابن حبان، ج: ۵، ص: ۹۲، رقم: ۱۷۹۰.

ونصب الرأية، ج: ۱، ص: ۳۶۵. وروى ابن عدی من حدیث ابن عمر قال: قال رسول اللہ ﷺ: لا تجزى المكتوبة إلا بفاتحة الكتاب و ثلاث آيات فصاعداً، وعمدة القاری، ج: ۴، ص: ۴۷۸.

اس میں تین آیات کی بھی صراحت ہے اگرچہ اس کی سند کمزور ہے۔^{۱۱۱}
البتہ دوسری روایات میں کہیں ”ما تیسر“ آیا ہے، کہیں ”ما زاد“ آیا ہے، کہیں ”فصا عدا“ آیا ہے، یہ تمام روایات اس پر دلالت کر رہی ہیں کہ جو حکم فاتحہ کا ہے وہی حکم ضم سورہ کا ہے۔

(۱۰۵) باب الجهر بقراءة صلاة الصبح

نماز فجر کی قرأت میں بلند آواز سے پڑھنے کا بیان

”وقالت أم سلمة: طفت وراء الناس والنبی ﷺ يصلى ويقرأ بالطور“.

۷۷۳۔ حدثنا مسدد قال: حدثنا أبو عوانة، عن أبي بشر. هو جعفر بن أبي وحشية، عن سعيد بن جبیر، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: انطلق النبی ﷺ فی طائفة من اصحابه عامدين إلى سوق عكاظ، وقد حيل بين الشياطين وبين خبر السماء، وأرسلت عليهم الشهب فرجعت الشياطين إلى قومهم فقالوا: ما لكم؟ فقالوا: حيل بيننا وبين خبر السماء، وأرسلت علينا الشهب. قالوا: ما حال بينكم وبين خبر السماء إلا شئ حدث، فاضربوا مشارق الأرض ومغاربها فانظروا ما هذا الذي حال بينكم وبين خبر السماء. فأنصرف أولئك الذين توجهوا نحو تهامة إلى النبی ﷺ وهو بنخلة عامدين إلى سوق عكاظ وهو يصلى بأصحابه صلاة الفجر، فلما سمعوا القرآن إستمعوا له، فقالوا: هذا والله الذي حال بينكم وبين خبر السماء. فهناك حين رجعوا إلى قومهم فقالوا: يا قومنا ﴿إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ وَلَنْ نُشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا﴾ [الجن: ۱] فأنزل الله على نبيه ﷺ ﴿قُلْ أَوْحَى إِلَيَّ وَإِنَّمَا أُوْحَى إِلَيْهِ قَوْلَ الْجَنِّ.﴾ [أنظر: ۴۹۲] ۷۷۴

۱۱۱۔ وثلاث آیات فصاعدا انتهى. وضعف عمر بن یزید وقال إنه منكر الحديث الخ، نصب الراية،

ج: ۱، ص: ۳۶۵.

۱۱۲۔ وفي صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب الجهر بالقراءة في الصبح والقراءة على الجن، رقم: ۶۸۱، وسنن الترمذی، كتاب تفسير القرآن عن رسول الله، باب ومن سورة الجن، رقم: ۳۲۳۵، ومسند أحمد، ومن مسند بنی هاشم، باب بداية مسند مسند عبد الله بن العباس، رقم: ۲۱۵۸.

حدیث کی تشریح

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کرام ﷺ کے ایک گروہ کے ساتھ سوق عکاظ کی طرف تشریف لے گئے۔

پہلے گزر چکا ہے کہ عکاظ کا میلہ لگا کرتا تھا اور حضور اقدس ﷺ اس میلہ میں دعوت و تبلیغ کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔

”وقد حیل بین الشیاطین و بین خبر السماء“ اور یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب اللہ جلّ جلالہ نے شیاطین اور آسمان کی خبروں کے درمیان ایک آڑ پیدا کر لی تھی۔ شروع میں شیاطین آسمان تک پہنچ جاتے تھے اور ملا اعلیٰ میں فرشتوں کی آنے والے واقعات کے بارے میں جو باتیں ہوتی تھیں ان میں سے کوئی اثر قی نہیں لیتے اور آکر کاہنوں کو بتا دیتے، کاہن وہ آدمی، تہائی بات لوگوں کو بتا دیتے جو کبھی کبھی سچی نکل جاتی۔ لیکن حضور ﷺ کی بعثت کے بعد شیاطین کا آسمان تک جانا بند کر دیا گیا، اس کے نتیجے میں یہ ہوا کہ جب کوئی آسمان کی طرف جانا چاہتا تو اس کے پیچھے ایک شہاب ثاقب ڈال دیا جاتا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے ”إِلا من خطف الخطفة فاتبه شهاب ثاقب“۔

تو فرمایا:

”وقد حیل بین الشیاطین و بین خبر السماء و ارسلت علیہم الشہب“۔ شیاطین اور آسمانی خبروں کے درمیان جیلوہ ہو گئی تھی اور ان پر ستارے شہاب ثاقب چھوڑ دیئے گئے تھے جو ان کو مارتے تھے ”فرجعت النیاطین الی قومہم فقالوا: مالکم؟“ یہ اپنے قبیلہ والوں کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا کیا ہوا؟ واپس کیوں آ گئے؟

”فقالوا: حیل بیننا و بین خبر السماء و ارسلت علینا الشہب۔ قالو: ما حال بینکم و بین خبر السماء شئی حدث“۔

جنات نے آپس میں کہا کہ ہمارے اور آسمان کے درمیان جو چیز حائل ہوئی وہ یقیناً کوئی نیا واقعہ پیش آیا ہے جس کے نتیجے میں وہاں ہمارا داخلہ بند ہو گیا ہے ”فاضرربوا مشارق الأرض و مغاربها الخ“ آپ مشرق و مغرب میں سفر کر کے دیکھیں کہ کیا نیا واقعہ پیش آیا ہے جس کی وجہ سے ہمیں آسمان سے روکا گیا ہے۔

”فأنصرف أولئك الذین توجهوا نحو تهامة الی النبی ﷺ“ مکہ مکرمہ کے پہاڑوں اور سمندر کے درمیان جو وادی ہے اس کو تهامة کہتے ہیں۔

یہ جنات مختلف ٹکڑیوں میں بٹ گئے، ان میں سے بعض مشرق میں گئے، بعض مغرب میں، بعض شمال و

جنوب میں۔ وہ جنات جنہوں نے تہامہ کا رخ کیا تھا وہ نبی کریم ﷺ کے پاس سے گزرے ”وہو بنخلہ“ آپ ﷺ مقام نخلہ میں تشریف فرما تھے ”عامدین الی سوق عکاظ“ سوق عکاظ کی طرف جارہے تھے۔
 ”وہو یصلی باصحابہ صلوٰۃ الفجر“ اور آپ ﷺ صحابہ کرام ﷺ کے ساتھ فجر کی نماز پڑھ رہے تھے۔

”فلما سمعوا القرآن استمعوا له“ جب قرآن پاک کی آواز آئی تو انہوں نے کان لگا کر سنا
 ”فقالو: هذا واللہ الذی حال بینکم و بین خبر السماء“ یہ وہ چیز ہے جس نے تمہارے اور آسمان
 کے درمیان رکاوٹ پیدا کر دی ہے۔
 ”فہنا لک“ یہیں پر بس، اب آگے جانے کی ضرورت نہیں ہے جس معاملہ کے لئے نکلے تھے وہ
 پورا ہو گیا۔

مقصود بخاری رحمہ اللہ

امام بخاری رحمہ اللہ کا یہاں اس روایت کو لانے کا مقصد یہ ہے کہ آپ ﷺ فجر جہرا پڑھا رہے تھے، اتنی
 جہر سے قرأت کر رہے تھے کہ جنات نے اوپر سے جاتے ہوئے سن لیا، لہذا فجر میں جہری قرأت ثابت ہوگئی۔
 ۷۷۴۔ حدثنا مسدد قال: حدثنا إسماعیل قال: حدثنا یوب، عن عکرمۃ عن ابن
 عباس قال: قرأ النبی ﷺ فیما أمر و سکت فیما أمر ﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِياً﴾ [مریم: ۶۳] و
 ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِی رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [الاحزاب: ۲۱]۔
 جس میں آپ ﷺ کو جہری قرأت کا حکم ہوا وہاں جہر فرمایا اور جہاں سر کا حکم ہوا وہاں سرفرمایا۔ اس لئے
 خواخواہ اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے کہ جہر کیوں ہے اور سر کیوں ہے؟ بس امر کی اتباع ہے۔

(۱۰۶) باب الجمع بین السورتین فی رکعة ،

والقراءة بالخواتم ، و بسورة قبل سورة ، و باول سورة .

ایک رکعت میں دو سورتوں کے ایک ساتھ پڑھنے اور سورتوں کی آخری آیتوں اور ایک

سورت کا قبل ایک سورت کے اور سورت کی ابتدائی آیتوں کے پڑھنے کا بیان

”و یذکر عن عبد اللہ بن السائب : قرأ النبی ﷺ المؤمنون فی الصبح حتی إذا جاء

ذکر موسیٰ و ہارون أو ذکر عیسیٰ أخذته سعدة فر کع. وقرأ عمر فی الركعة الأولى بمائة وعشرين آية من البقرة، وفي الثانية بسورة من المثنائي، وقرأ الأحنف بالكهف فی الأولى، وفي الثانية بیوسف، أو یونس، و ذکر أنه صلى مع عمر ؓ الصبح بهما. وقرأ ابن مسعود بأربعین آية من الأنفال، وفي الثانية بسورة من المفصل. وقال قتادة فیمن یقرأ بسورة واحدة یفرقها فی رکعتین، أو یردد سورة واحدة فی رکعتین: کل کتاب الله. اس ترجمہ الباب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے قرأت سے متعلق کئی مسائل بیان فرمائے ہیں۔

ایک رکعت میں ایک سے زائد سورتیں پڑھنا

پہلا مسئلہ یہ ہے ایک ہی رکعت میں ایک سے زائد سورتیں پڑھنا جائز ہے۔ بعض صحابہؓ و تابعینؓ سے مروی ہے کہ وہ اس کو ناپسند فرماتے تھے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ مسلک ابو بکر بن عبد الرحمن بن الحارث، ابو عبد الرحمن سلمیٰ، حضرت زید بن خالد جہنیؓ، ابو العالیہ وغیرہ سے مروی ہے۔ ابو العالیہ رحمہ اللہ ایک صحابیؓ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں ”یقول أعط کل سورة حظها من الركوع والسجود“۔ ۱۶۳

لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے اس مسلک کے خلاف حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث باب سے استدلال کیا ہے جس میں صراحت ہے کہ آنحضرتؐ دوسورتوں کو جمع فرمایا کرتے تھے۔ یہی مذہب سعید بن جبیرؓ، متعدد تابعینؓ اور ائمہ اربعہ کا ہے اور متعدد صحابہ کرامؓ مثلاً حضرت عثمانؓ، حضرت حذیفہؓ، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت تمیم داریؓ سے بھی منقول ہے۔ ۱۶۴ البتہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے حسن بن زیاد رحمہ اللہ کی روایت یہ ہے کہ دوسورتوں کو فرض میں جمع کرنا پسندیدہ نہیں، اگرچہ مکروہ بھی نہیں ہے اور نوائل میں تو بالکل ہی کوئی مضائقہ نہیں۔ ۱۶۵

۱۶۳۔ مصنف ابن ابی شیبہ، باب لقرأ حتی یختمها من کان لا یجمع بین السورتین فما رکعة، ج: ۱، ص: ۳۲۳، رقم: ۳۷۱۰ مکتبة الرشد، الرياض، ۱۴۰۹ھ۔

۱۶۴۔ جواز الجمع بین السورتین فی رکعة واحدة، وعليه جزء من التوب، والیہ ذہب سعید بن جبیر..... والسجود، مصنف عبد الرزاق، ج: ۲، ص: ۱۴۹، رقم: ۲۸۵۵، باب القراءة فی الركوع والسجود، وعمدة القاری، ج: ۳، ص: ۴۹۱۔

۱۶۵۔ وکره فی الکبیری فی بعض الصور۔ ثم استدل صاحب البحر علی الفرق بین التطوع والفريضة حيث لا یکره اختلال الترتیب فی النافلة بأن کل رکعة من النفل صلاة برأسها، فیض الباری، ج: ۲، ص: ۲۸۷۔

سورة کا آخری حصہ پڑھنا

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کسی سورت کا صرف آخری یا بیچ کا حصہ نماز میں پڑھنا جائز ہے۔
اس پر تنبیہ کی اس لئے ضرورت پیش آئی کہ امام احمد رحمہ اللہ سے مروی رحمہ اللہ کی روایت یہ ہے کہ وہ کسی سورت کے صرف آخری حصے کی قرأت کو ناپسند کرتے تھے۔
ان کا فرمانا یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ یا تو آپ ﷺ پوری سورت پڑھتے یا سورت کا اوّل حصہ، لہذا آپ ﷺ کی موافقت کا تقاضہ یہ ہے کہ آخر سے نہ پڑھا جائے۔
امام بخاری رحمہ اللہ نے اس مذہب کے خلاف حضرت قتادہ ؓ کے اس قول سے استدلال کیا ہے کہ ”کل کتاب اللہ“ جمہور کا مذہب بھی یہی ہے اور امام احمد رحمہ اللہ کی ایک روایت بھی اسی کے مطابق ہے۔

قراءة میں ترتیب مصحف عثمانی کی رعایت کا حکم

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک سورتوں کی قرأت میں مصحف عثمانی کی ترتیب کی رعایت نہ کرنا بلا کراہت جائز ہے، لہذا اگر پہلی رکعت میں ”قل هو اللہ“ اور دوسری رکعت میں ”قل یا ایہا الکفرون“ پڑھیں تو ان کے نزدیک کوئی کراہت نہیں۔
حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ رحمہم اللہ اس کو خلاف اولیٰ یا مکروہ تنزیہی قرار دیتے ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ کی بھی ایک روایت یہی ہے۔ ۲۶۱

امام احمد اور امام مالک کی ایک ایک روایت امام بخاری رحمہم اللہ کے مطابق بھی ہے۔
امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کے جواز پر احنف بن قیس ؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے، جو انہوں نے تعلیقاً نقل کی ہے کہ انہوں نے پہلی رکعت میں سورہ کہف اور دوسری میں سورہ یوسف یا سورہ یونس پڑھی۔
حنفیہ کا کہنا یہ ہے کہ مصحف عثمانی کی ترتیب پر اجماع ہے اور یہ ترتیب اگرچہ اجتہادی ہے مگر صحابہ کرام ؓ نے اس کو آنحضرت ﷺ کے عمل پر ہی مبنی فرمایا ہے، لہذا اس کا اعتبار مستحب ہے، اور اس کے خلاف کرنا خلاف اولیٰ ہے۔

سورة کے ابتدائی حصہ کی قراءۃ کا حکم

چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ کسی سورت کا صرف ابتدائی حصہ پڑھنا، یہ بھی جائز ہے، اور عبد اللہ بن السائب ؓ کی جو حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے تعلیقاً نقل کی ہے، اس میں سورہ مؤمنون کا ابتدائی حصہ پڑھنا ثابت ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ سے ایک روایت یہ ہے کہ سورت پوری پڑھنی چاہئے، اور کچھ حصے پر اکتفا مکروہ ہے۔ ۱۶۷

۷۷۔ حدثنا آدم قال: حدثنا شعبة عن عمرو بن مرة قال: سمعت أبا وائل قال: جاء رجل إلى ابن مسعود فقال: قرأت المفصل الليلة في ركعة. فقال: هذا كهذ الشعر، لقد عرفت النظائر التي كان رسول الله ﷺ يقرن بينهما، فذكر عشرين سورة من المفصل، سورتين من آل حم في كل ركعة. [أنظر: ۴۹۹۶، ۴۰۴۳، ۵۰۴۸]

حضرت ابو وائل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن مسعود رحمہ اللہ کے پاس آیا اور اس نے آکر کہا ”قرأت المفصل الليلة في ركعة“ آج رات میں نے مفصل کی تمام سورتیں ایک رکعت میں پڑھیں۔ یہاں روایت مختصر ہے، ترمذی وغیرہ میں اس کا پس منظر بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے آکر حضرت عبداللہ بن مسعود رحمہ اللہ سے پوچھا کہ قرآن کریم میں ہے ”وانهار من ماء غير آسن“ یہ ”آسن“ ہے یا ”باسن“ ہے اور سوال اس انداز سے کیا کہ جیسے اور تو مجھے سارے قرآن کا پتہ ہے بس صرف یہ بتادیں تو میں علامہ قرآن بن جاؤں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رحمہ اللہ نے جواب میں فرمایا ”أكل القرآن قرأت غير هذا؟“ کیا اس کے سوا آپ نے سارا قرآن پڑھ لیا ہے؟ اس نے جواب میں فخر سے کہا کہ میں نے آج رات ایک رکعت میں مفصل کی ساری سورتیں پڑھ لی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رحمہ اللہ نے فرمایا ”هَذَا كَهَذَا الشعر“ کیا تم نے اس طرح روانی میں پڑھ لیا جس طرح شعر پڑھا جاتا ہے۔ ”هذ يهذ“ کے معنی ہوتے ہیں اشعار کو تیزی سے پڑھنا۔

مطلب یہ ہے کہ یہ طریقہ صحیح نہیں ہے، قرآن کریم کو اطمینان سے ترتیل کے ساتھ پڑھنا چاہئے۔ پھر فرمایا ”لقد عرفت النظائر التي كان رسول الله ﷺ يقرن بينهما“ وہ ایک جیسی سورتیں میرے علم میں ہے جن کو نبی کریم ﷺ نمازوں میں ملا کر پڑھتے تھے کہ ایک رکعت میں ایک جیسی دو یا تین سورتیں

۱۶۷۔ هذا ملخص من لامع الدراري، ج: ۱، ص: ۳۰۳.

۱۶۸۔ وفي صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب ترتيل القراءة واجتناب الهذ وهو الإفراط في السرعة، رقم: ۱۳۵۸، وسنن الصرمذی، كتاب الجمعة عن رسول الله، باب ما ذكر في قراءة سورتين في ركعة، رقم: ۵۴۷، وسنن النسائي، كتاب الافتتاح، باب قراءة سورتين في ركعة، رقم: ۹۹۵، وسنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب تغريب القرآن، رقم: ۱۱۸۸، ومسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، باب مسند عبد الله بن مسعود، رقم: ۳۴۲۵، ۳۷۶۲، ۳۹۳۹.

پڑھ لیتے۔ ”فذكر عشرين سورة من المفصل“ مفصل کی بیس سورتوں کا ذکر کیا کہ آپ ﷺ ان میں سے دو سورتوں کو ملا کر پڑھا کرتے تھے، یہاں تفصیل نہیں ہے، دوسری روایات میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان بیس سورتوں کی تفصیل بھی بیان فرمائی ہے۔

(۱۰۷) باب: یقرأ فی الاخرین بفاتحة الكتاب

آخری دونوں رکعتوں میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھی جائے

۷۷۶۔ حدثنا موسى بن إسماعيل قال: حدثنا همام، عن يحيى، عن عبد الله بن أبي قتادة، عن أبيه: أن النبي ﷺ كان يقرأ في الظهر في الأوليين بأم الكتاب و سورتين، وفي الركعتين الآخرين بأم الكتاب، ويسمعا الآية. ويطول في الركعة الأولى ما لا يطيل في الركعة الثانية، وهكذا في العصر، وهكذا في الصبح. [راجع: ۷۵۹]

آخری رکعتیں میں سورۃ فاتحہ کا حکم

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ چار رکعت والی نماز کی آخری دو رکعت میں بھی فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔ یہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مسلک ہے اور یہی امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی مسلک ہے۔ ان حضرات نے اس روایت کے جملہ ”و في الركعتين الاخيرين بأم الكتاب ويسمعا الآية“ سے استدلال کیا ہے کہ آپ ﷺ پہلی دو رکعتوں میں بھی ام الكتاب یعنی سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے اور کوئی سورت پڑھتے تھے اور دوسری دو رکعتوں میں ام الكتاب پڑھتے تھے اور ہمیں آیات سناتے تھے۔ تو آنحضرت ﷺ کا مداومت کے ساتھ آخری دو رکعتوں میں ام الكتاب پڑھنے سے استدلال کیا ہے کہ قرأت فاتحہ آخری دو رکعتوں میں بھی واجب ہے۔

تو اس سے امام شافعی رحمہ اللہ نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ قراءت چاروں رکعات میں فرض ہے، جبکہ حنفیہ کے نزدیک اولین میں قراءت فرض ہے اور آخرین میں مسنون یا مستحب فقط۔ لہذا حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ آخری دو رکعتوں میں قرأت واجب نہیں بلکہ سنت ہے، اس لئے اگر کوئی شخص قرأت نہ کرے بلکہ سبحان اللہ، الحمد للہ کہہ کر رکعتیں پوری کر دے تو بھی نماز ہو جائے گی۔

حنفیہ کی دلیل مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت علی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا اثر ہے کہ ”اقرأ في

الأولين و سبح في الآخرين“۔

اس سے پتا چلا کہ تنہا تسبیح سے بھی کام چل سکتا ہے، قرأت واجب نہیں ہے۔ البتہ سنت ہے اور حدیث میں جو آیا ہے کہ آپ ﷺ پڑھا کرتے تھے، تو آپ ﷺ کے عمل سے سنت ہی ثابت ہوگی۔ ۱۶۹

(۱۱۱) باب جہر الإمام بالتأمين،

امام کا بلند آواز سے آمین کہنے کا بیان

”وقال عطاء: آمين دعاء، امن ابن الزبير ومن وراءه حتى ان للمسجد للجة، و كان ابو هريرة ينادي الإمام: لا تفتني بآمين، وقال نافع: كان ابن عمر لا يدعه ويحضهم، و سمعت منه في ذلك خيرا“۔

آمین کا رواج

یہ باب قائم کیا ہے کہ امام کا تائین میں جہر کرنا اور عطاء رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ آمین بھی ایک دعا ہے، کیونکہ آمین کے معنی ہیں اے اللہ! ہماری دعا قبول فرما اور یہ سریانی کلمہ ہے، چنانچہ توراۃ و انجیل میں بھی یہی کلمہ استعمال ہوا ہے اور آج تک یہود و نصاریٰ بھی آمین ہی کہتے ہیں، یہاں تک کہ انگریزی میں بھی آمین ہی کہتے ہیں، جب ان کا پادری دعا کراتا ہے تو اس کے جواب میں انگریز بھی آمین ہی کہتے ہیں۔

فرمایا ”امن ابن الزبير ومن وراءه حتى ان للمسجد للجة“۔

عبداللہ بن زبیر رحمہ اللہ اور ان کے مقتدیوں نے آمین کہی یہاں تک کہ مسجد کے اندر گونج پیدا ہو گئی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رحمہ اللہ تائین بالجہر کے قائل تھے، خود بھی جہر پڑھتے تھے اور ان کے مقتدی بھی۔

”وكان ابو هريرة ينادي الإمام: لا تفتني بآمين“ حضرت ابو ہریرہ رحمہ اللہ امام کو آواز دیا کرتے

تھے کہ میری آمین نہ چھڑو دینا۔

۱۶۹ وقال الكرمانی: فيه حجة على من قال: ان الركعتين الأخيرين، ان شاء لم يقرأ الفاتحة فيهما؟ قلت: قوله: ((وفي الأخيرين بأم الكتاب)) لا يدل على الوجوب، والدليل على ذلك ما رواه ابن المنذر عن علي رضي الله تعالى عنه، انه قال: اقرأ في الأولين وسبح في الأخيرين، وكفى به قذوة. وروى الطبرانی في ((معجمه الأوسط)): عن جابر قال: ((سنة القراءة في الصلاة أن يقرأ في الأولين بأم القرآن وسورة، وفي الأخيرين بأم القرآن. وهذا حجة على من جعل قراءة الفاتحة من الفروس، والله تعالى أعلم، عمدة القاری، ج: ۳، ص: ۳۹۵، ومصنف ابن أبي شيبة، باب من كان يقرأ في الأولين بفاتحة الكتاب وسورة في الأخيرين بفاتحة الكتاب، رقم: ۳۷۳۲، ج: ۱، ص: ۳۲۵، والمعجم الأوسط، ج: ۹، ص: ۱۰۰، رقم: ۹۲۳۸۔

یہ اس زمانے کا واقعہ ہے جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو مروان بن حکم نے مؤذن مقرر کر دیا تھا، یہ اذان دینے چلے جاتے، بعض اوقات اذان کے بعد کچھ لوگ مل جاتے، بات چیت ہوتی، کوئی مسئلہ وغیرہ پوچھتے۔ اس میں کچھ دیر ہو جاتی تھی۔ جب واپس آتے تو امام نماز شروع کر چکا ہوتا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وہیں سے آواز دیتے کہ میری آمین مت چھڑوا دینا۔ ”لا تفتنی بآمین“ مجھ سے مت چھوٹ جانا آمین کے ساتھ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم قرأت کر کے سورہ فاتحہ پوری کر لو اور میں تمہارے پیچھے مقتدی ہو کر آمین نہ کہہ سکوں۔ یعنی اتنا ٹھہر ٹھہر کر آہستہ آہستہ سورہ فاتحہ پڑھو کہ میں بھی آکر مل جاؤں یہاں تک کہ جب تم آمین پر پہنچو تو میں بھی آمین کہہ سکوں، وہ امام کے پیچھے آمین کہنے کا اتنا اہتمام کرتے تھے۔

امام بخاری رحمہ اللہ شاید اس سے تائین بالجہر پر اس طرح استدلال کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہہ رہے ہیں تمہارے آمین تک پہنچنے سے پہلے پہلے نماز میں شامل ہو جاؤں کیونکہ جس وقت تم آمین کہو گے اسی وقت میں بھی کہوں گا اور تمہارے آمین کہنے کا پتا اس وقت چلے گا جب جہراً کہو گے، لہذا یہ واسطہ در واسطہ ہو کر آمین بالجہر کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

”وقال نافع: كان ابن عمر لا يدعه و يحضهم“.

حضرت نافع فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی تائین کہنا نہ چھوڑتے تھے اور لوگوں کو بھی براہیختہ کیا کرتے تھے کہ آمین کہا کرو ”و سمعت منه في ذلك خيراً“ اور میں نے ان سے اس بارے میں حدیث بھی سنی ہے، نافع کہتے ہیں کہ آمین کے بارے میں انہوں نے حدیث بھی سنائی ہے۔

۷۸۰۔ حدثنا عبد الله بن يوسف قال: أخبرنا مالك عن ابن شهاب، عن سعيد ابن المسيب و أبي سلمة بن عبد الرحمن أنهما أخبراه عن أبي هريرة أن النبي ﷺ قال: ((إذا أمن الإمام فأمنوا فإنه من وافق تأمينه تأمين الملائكة غفر له ما تقدم من ذنبه)). قال ابن شهاب: و كان رسول الله ﷺ يقول: ((آمين)). [أنظر: ۶۳۰۲]. ۷۸۰

اس حدیث کو آمین بالجہر کے باب میں لا کر امام بخاری رحمہ اللہ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ:

۷۸۰۔ وفي صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب التسميع والتحميد والتأمين، رقم: ۶۱۸، وسنن الترمذی، كتاب الصلاة، باب ما جاء في فضل التأمين، رقم: ۲۳۲، وسنن النسائي، كتاب الافتتاح، باب جهر الإمام بآمين، رقم: ۹۱۸، وسنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب التأمين وراء الإمام، رقم: ۸۰۱، وسنن ابن ماجه، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب الجهر بآمين، رقم: ۸۴۱، ومسند احمد، باقي مسند المكثرين، باب مسند أبي هريرة، رقم: ۶۸۹۰، ۶۹۳۶، ۷۳۳۷، ۷۷۷۷، ۹۴۲۸، ۹۵۴۱، وموطأ مالك، كتاب النداء الصلاة، باب ما جاء في التأمين خلف الإمام، رقم: ۱۸۰، وسنن الدارمي، كتاب الصلاة، باب في فضل التأمين، رقم: ۱۲۸۱.

”إذا أمّن الإمام فأمّنوا“ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو، اور امام کے آمین کہنے کا پتا اس وقت چلے گا جب وہ جہراً کہے، لہذا اس سے اشارۃ النص کے ذریعہ اس بات پر استدلال کر رہے ہیں کہ امام جو آمین کہے گا وہ جہراً ہوگی۔

حنفیہ اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ آگے جو حدیث آرہی ہے ”إن رسول اللہ ﷺ قال: إذا قال الإمام غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقولوا: آمين“ جب امام ”غير المغضوب عليهم ولا الضالين“ کہے تو تم آمین کہو۔

معلوم ہوا کہ ”إذا أمّن الإمام، الإمام“ سے مراد ہے کہ جب امام ”غير المغضوب عليهم ولا الضالين“ کہہ کر فارغ ہو تو تم آمین کہہ دو تا کہ تمہاری آمین اس کی آمین کے ساتھ موافق ہو جائے۔ اگر ”أمّن الإمام“ سے یہ مراد لیں کہ جب تم امام کی آمین سن لو پھر آمین کہو تو اس صورت میں موافقت نہ ہوئی بلکہ امام کا پہلے کہنا لازم آئے گا اور مقتدی کا بعد میں، لہذا مراد یہ ہے کہ جب امام ”ولا الضالين“ کہے تو تم آمین کہو، اس طرح موافقت ہو جائے گی۔ الح

(۱۱۴) باب إذا ركع دون الصف

صف میں پہنچنے سے پہلے رکوع کر لینے کا بیان

۷۸۳۔ حدثنا موسى بن إسماعيل قال: حدثنا همام، عن الأعمش وهو زياد، عن الحسن، عن أبي بكر: أنه انتهى إلى النبي ﷺ وهو راكع فركع قبل أن يصل إلى الصف، فذكر ذلك للنبي ﷺ فقال: ((زَادَكَ اللَّهُ حِرْصًا وَلَا تَعُدَّ)).

خلف صفوف اکیلے نماز پڑھنے کا حکم

حضرت ابو بکرہ ؓ نماز کے لئے آرہے تھے جب مسجد میں نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچے، آپ ﷺ رکوع میں تھے ”فركع ان يصل إلى الصف“ یہ ابھی صف تک نہیں پہنچے تھے کہ وہیں پیچھے رکوع کر لیا۔ ”فذكر ذلك“ نبی کریم ﷺ سے ان کی یہ بات ذکر کی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا ”زادك الله حرصاً ولا تعد“ اللہ ﷻ تمہاری حرص میں اضافہ کرے یعنی یہ جو کچھ کیا اس میں نیت صحیح تھی یعنی جلدی نماز میں شریک ہو جاؤں، یہ تمہاری حرص الی الخیر پر دلالت ہے، اللہ ﷻ اس میں اور اضافہ فرمائیں لیکن

الحی دلائل ملاحظہ فرمائیں: عمدة القاری، ج: ۴، ص: ۵۰۱، ترمذی، ج: ۱، ص: ۵۱۲۔

آئندہ ایسا نہ کرنا یعنی پیچھے کھڑے کھڑے رکوع نہ کرنا بلکہ اگلی صف میں آکر باقاعدہ صف میں شامل ہونا۔
اس حدیث سے جمہور نے یہ دلیل پکڑی ہے کہ سب سے پیچھے تنہا کھڑے ہو کر نماز پڑھنا جس کو فقہاء
”صلوۃ خلف صف وحدہ“ کہتے ہیں اگرچہ یہ عام حالات میں ناجائز ہے لیکن اگر کوئی اس طرح کرے تو
اس کی نماز ہو جائے گی، کیونکہ آپ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا کہ آئندہ نہ کرنا، آئندہ کرنے سے منع کیا
کہ ایسا کرنا درست نہیں لیکن نماز کے اعادہ کا حکم نہیں دیا کہ نماز دہراؤ، معلوم ہوا کہ نماز ہو گئی۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں نماز ہوتی ہی نہیں ہے اور وہ استدلال کرتے
ہیں اس حدیث سے جو حضرت وابصہ بن معبدؓ سے مروی ہے ”أن النبی ﷺ رأى رجلا يصلى
خلف الصف وحده فأمره أن يعيد الصلاة، أخرجه أصحاب السنن و صححه أحمد
وابن خزيمة. ۲۷۱“

علامہ عینی رحمہ اللہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اس کی سند میں اختلاف ہے، کیونکہ بعض روایات میں
”عن هلال بن يسار عن عمرو بن راشد عن وابصة“ ہے اور بعض میں ”عن هلال عن وابصة“
ہے۔ اسی لئے امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ”لو ثبت الحديث لقلت به“ اور حاکم رحمہ اللہ کہتے ہیں:
”لم يخرج الشيخان لفساد الطريق إليه“ اور امام بزار رحمہ اللہ نے فرمایا ”عن عمرو بن راشد
ليس معروفا بالعدالة“۔

”فلا يحتج بحديثه و هلال لم يسمع من وابصة“۔

اس کے علاوہ حنابلہ ابن ماجہ میں حضرت علی بن شیبانؓ کی روایت سے بھی استدلال کرتے ہیں جس
میں یہ الفاظ ہیں:

”ثم صليت وراء ه صلاة أخرى ففوضى الصلاة فرأى رجلا فرداً يصلى خلف الصف
قال: فوقف عليه نبي الله ﷺ حين انصرف، قال: استقبل صلاتك، لا صلاة للذي
خلف الصف“۔ ۲۷۳

ابن حبان رحمہ اللہ نے بھی یہ روایت اپنی صحیح میں ذکر کی ہے، مگر علامہ عینی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث
علی بن شیبانؓ سے ان کے بیٹے نے روایت کی ہے اور وہ مجہول ہیں، نیز اس کی سند میں ملازم بن عمرو اور

۲۷۲ وفی مسند احمد، حدیث وابصہ بن معبد الاسدی نزل الرقة رضى الله عنه، ج: ۴، ص: ۲۲۷، رقم:

۱۸۰۲۹، ۱۸۰۳۱، وابن خزيمة، ج: ۳، ص: ۳۰، رقم: ۱۵۷۰، وعمدة القاری، ج: ۴، ص: ۵۰۸، وفتح الباری،

ج: ۲، ص: ۲۶۸۔

۲۷۳ سنن ابن ماجہ، باب صلاة الرجل خلف الصف وحده، رقم: ۱۰۰۳، ج: ۱، ص: ۳۲۰۔

عبداللہ بن بدر بھی متکلم فیہ ہیں۔ اور امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس کے معنی میں تاویل کی ہے کہ ”لانی کمال“ کے لئے ہے اور اعادے کا حکم استحباب کے لئے ہے۔

ظاہر ہے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث اصح ہے، لہذا جمہور نے اسی کو اختیار کیا ہے۔^{۳۷}

(۱۱۵) باب إتمام التكبير في الركوع،

رکوع میں تکبیر کو پورا کرنے کا بیان

رکوع میں تکبیر کا اہتمام کرنا

امام بخاری رحمہ اللہ بطور نکتہ یہاں باب قائم کیا ”باب إتمام التكبير في الركوع“ آگے باب آرہا ہے ”باب إتمام التكبير في السجود“ آگے پھر باب ہے ”باب التكبير إذا قام من السجود“۔

جس طرح یہ کہا ہے ”باب التكبير إذا قام من السجود“ اسی طرح یہاں بھی کہہ دیتے ”باب التكبير في الركوع“ اتمام کہنے کی کیا ضرورت تھی۔
اب شراح حیران و پریشان ہیں کسی نے کچھ کہا، کسی نے کچھ کہا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی توجیہ

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اصل میں امام بخاری رحمہ اللہ کا منشاء یہ ہے کہ آدمی جب قیام سے رکوع کی طرف منتقل ہو تو تکبیر اس طرح کہنی چاہئے کہ جا کر رکوع میں پوری ہو، یعنی اکبر کی راء کا تلفظ حالت رکوع میں ہو اس کو اتمام کہتے ہیں، اسی طرح جب سجدہ میں جائے تو اللہ اکبر کی راء کا تلفظ حالت سجدہ میں ہو۔
پہلی بات یہ ہے کہ اگر امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ مقصود ہو تو حدیث میں کہیں بھی اس پر دلالت نہیں ہو رہی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ رکوع و سجود کی کیا خصوصیت؟ جب قیام کی طرف منتقل ہو تب بھی اتمام حالت قیام میں ہونا چاہئے اس لئے اس کے لئے بھی یہ لفظ استعمال کرتے، اس لئے بظاہر یہ لگتا ہے شاید امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ منشاء نہ ہو۔^{۳۸}

^{۳۷} صحيح ابن حبان ، ذكر الموضع الذي يقف فيه المأمون إذا كان وحده من الإمام في صلاته ، رقم : ۲۲۰۲ ،

ج : ۵ ، ص : ۵۷۹ ، وعمدة القاری ، ج : ۳ ، ص : ۵۰۹ .

^{۳۸} فتح الباری ، ج : ۲ ، ص : ۲۶۹ .

علامہ عینی رحمہ اللہ کی توجیہ

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”اتمام“ سے امام بخاری رحمہ اللہ کی مراد یہ ہے کہ تکبیر کے الفاظ بالکل واضح اور صاف ہونے چاہئیں، تاکہ کوئی حرف بھی نہ چھوٹے۔

پھر اس پر خود ہی علامہ عینی رحمہ اللہ نے اعتراض کیا کہ اگر کوئی یہ کہے کہ اس میں رکوع اور سجود کی کیا خصوصیت ہے اور تکبیرات میں بھی یہی الفاظ استعمال ہونے چاہئیں، تو اس کا جواب دیا کہ رکوع و سجود چونکہ اعظم ارکان میں سے ہیں، لہذا اس لئے خاص طور سے رکوع و سجود کا ذکر کیا۔^{۵۷۶}

تیسری توجیہ

مجھے ان توجیہات میں سے کسی پر بھی اطمینان نہیں ہوتا، البتہ مجھے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ کی توجیہ کی بنیاد پر جسے حافظ بن حجر رحمہ اللہ نے بھی احتمالاً ذکر کیا ہے، یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں جو ”اتمام“ کا لفظ ذکر فرمایا ہے، یہ ایک اصطلاح کے طور پر ذکر فرمایا ہے اور صورت حال یہ تھی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جب اپنے عہد خلافت میں نماز پڑھاتے تھے تو جس طرح ہر آدمی کے نماز پڑھنے کا طریقہ ہوتا ہے، ان کا ایک طریقہ یہ تھا کہ جب وہ قومہ سے سجدے کی طرف جاتے تو اللہ اکبر اتنا آہستہ کہتے کہ پچھلے لوگوں کو آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ چنانچہ بعض لوگ یہ سمجھ کر عثمان رضی اللہ عنہ سجدہ میں جاتے وقت اللہ اکبر کہتے ہی نہیں ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو حضرات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متبعین اور مقلدین تھے انہوں نے سجدے میں جاتے وقت تکبیر کہنا بالکل ترک کر دیا۔

چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بالکل ترک کر دیا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے بھی ترک کر دیا اور پھر بنو امیہ کے خلفاء کثرت سے ایسا ہی کرتے رہے، بلکہ یہ معاملہ تکبیر رکوع تک بھی پہنچ گیا اور کہنے والوں نے یہ کہہ دیا کہ تکبیر خفض میں نہیں ہے رفع میں ہے یعنی جب آدمی قیام سے رکوع میں جائے تو تکبیر نہیں ہے اور قومہ سے سجدے میں جائے تو یہ بھی خفض ہے اس میں بھی تکبیر نہیں ہے۔^{۵۷۷}

اس پر ایک آدھ روایت سے استدلال بھی کیا کہ حضور ﷺ نے تکبیر نہیں فرمایا، چنانچہ ابوداؤد میں حضرت عبدالرحمن بن ابزی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ ”صلیت خلف النبی ﷺ فلم یتم التکبیر“۔^{۵۷۸}

تو بنی امیہ کا جو عمل تھا اس کو اصطلاح میں ”عدم الاتمام“ سے تعبیر کرتے ہیں اور جو جمہور کا عمل تھا کہ

۵۷۶۔ عمدۃ القاری، ج: ۳، ص: ۵۰۹۔

۵۷۷۔ فیض الباری، ج: ۲، ص: ۲۹۶۔

۵۷۸۔ سنن ابی داؤد، باب تمام التکبیر، رقم: ۸۳۷، ج: ۱، ص: ۲۲۱۔

”تکبیر عند کل خفض ورفع“ کہ رکوع اور سجدے میں جاتے اور اٹھتے وقت تکبیر کہنا جو مشروع اور مسنون ہے اس کو اتمام سے تعبیر کرتے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی لئے رکوع اور سجدہ کے لئے تو ”اتمام“ کا لفظ استعمال کیا اور آگے ”باب التکبیر إذا قام من السجود“ میں نہیں استعمال کیا کہ وہ مختلف فیہ مسئلہ نہیں تھا۔

حقیقت حال یوں ہے کہ حضرت عثمان ؓ سے یہ بات چلی، لیکن جمہور کا کہنا یہ ہے کہ حضرت عثمان ؓ نے ترک نہیں کیا تھا، آہستہ کہتے تھے جس کی وجہ سے بعض سن نہیں سکتے تھے۔

جس روایت میں آیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے رکوع اور سجدے میں تکبیر کا ”اتمام“ نہیں فرمایا، تو اوّل تو ابوداؤد طیالسی رحمہ اللہ نے اسے باطل قرار دیا ہے۔

اور امام طبری اور بزار رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ حسن بن عمران کا تفرد ہے اور وہ مجہول ہیں۔ اور اگر حدیث کو صحیح مان لیا جائے تو ہو سکتا ہے آپ ﷺ نے بیان جواز کے لئے ایسا کیا ہو، کیونکہ تکبیر تحریمہ کے سوا دیگر تکبیرات میں سے کوئی بھی واجب نہیں ہے اس لئے احیاناً کبھی ترک کر کے جواز کی طرف اشارہ کر دیا ہو، لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اس کو معمول بنا لیا جائے۔ آپ ﷺ کا معمول یہی تھا کہ آپ ﷺ رکوع اور سجدہ میں جاتے ہوئے تکبیر کا اہتمام فرماتے تھے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ”عدم اتمام“ سے مدّہ کرنا مراد ہو۔ ۱۸۹

”قالہ ابن عباس عن النبی ﷺ، وفيه مالک بن الحويرث“۔

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ اور مالک بن الحویرث ؓ دونوں کی حدیثیں آگے آرہی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ رکوع کے اندر تکبیر کا ”اتمام“ فرماتے تھے۔

۷۸۴۔ حدثنا إسحاق الواسطي قال: أخبرنا خالد، عن الجريري، عن أبي العلاء، عن مطرف، عن عمران بن حصين قال: صلى مع علي ؓ بالبصرة فقال: ذكرنا هذا الرجل صلاة كنا نصليها مع رسول الله ﷺ، فذكر أنه كان يكبر كلما رفع وكلمما وضع. [أنظر: ۷۸۶، ۸۲۶]. ۱۸۰

۱۸۸۔ فان قلت: روى أبو داود من حديث عبد الرحمن بن ابزي، قال: صليت.... وهو مجهول، مسند الطيالسي، عبد الرحمن بن ابزي رضي الله عنه، رقم: ۱۲۸۷، ج: ۱، ص: ۱۸۱، والتاريخ الكبير، ج: ۲، ص: ۳۰۰، رقم: ۲۵۴۰، وعمدة القاري، ج: ۴، ص: ۵۱۰، ولامع الدراري، ج: ۱، ص: ۳۱۳.

۱۸۰۔ وفي صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب البات التكبير في كل خفض ورفع في الصلاة إلا رفعه من الركوع، رقم: ۵۹۳، وسنن النسائي، كتاب الطهريق، باب التكبير للسجود، رقم: ۱۰۷۲، وسنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب تمام التكبير، رقم: ۷۱۰، ومسند أحمد، أول مسند المصريين، باب حديث عمران بن حصين، رقم: ۱۸۹۹۸، ۱۹۰۳۵، ۱۹۱۰۵، ۱۹۱۳۳.

حضرت عمران بن حصین ؓ نے بصرہ میں حضرت علی ؓ کے ساتھ نماز پڑھی، نماز پڑھ کر حضرت عمران ؓ نے حضرت علی ؓ کے بارے میں فرمایا کہ اس شخص نے ہمیں وہ نماز یاد دلا دی ہے جو ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پڑھا کرتے تھے یعنی حضرت علی ؓ نے ہر خفض و رفع میں تکبیر کہی تھی۔

حضرت علی ؓ سے پہلے حضرت عثمان ؓ کے بعض تابعین حضرت معاویہ ؓ وغیرہ تکبیر نہیں کہتے تھے، جب حضرت علی ؓ کو دیکھا کہ انہوں نے تکبیر کہی ہے تو فرمایا ہمیں رسول اللہ ﷺ کے نماز یاد دلا دی ہے۔ معلوم ہوا حضور اقدس ﷺ کا عام معمول تکبیر کہنے کا تھا۔

۷۸۷۔ حدثنا عمرو بن عون قال: حدثنا هشيم عن أبي بشر، عن عكرمة قال:

رأيت رجلا عند المقام يكبر في كل خفض و رفع، وإذا قام و إذا وضع؛ فأخبرت ابن عباس رضي الله عنهما فقال: أوليس تلك صلاة النبي ﷺ لا أم لك. ۱۸۱

حضرت عکرمہ ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھتے دیکھا جو ہر خفض و رفع میں تکبیر کہہ رہا تھا۔ دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص حضرت ابو ہریرہ ؓ تھے۔

میں نے حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کو بتایا بلکہ آگے آ رہا ہے کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ ؓ کے لئے گستاخانہ جملہ استعمال کیا کہ اس احمق کی نماز کو دیکھا ہے؟ ۱۸۲

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کو ان کی اس بات پر غصہ آ گیا اور فرمایا ”تکلتک أمک“ تمہاری ماں تمہیں کھوئے ”سنۃ ابی القاسم ؓ“۔

(۱۱۷) باب التکبیر إذا قام من السجود

سجدوں سے جب فارغ ہو کر کھڑا ہو تو اس وقت تکبیر کہنے کا بیان

۷۸۸۔ حدثنا موسى بن إسماعيل قال: حدثنا همام، عن قتادة، عن عكرمة قال:

صليت خلف شيخ بمكة فكبر ثنتين و عشرين تكبيرة، فقلت لابن عباس: إنه أحمق، فقال: تكلتك أمك، سنة أبي القاسم ؓ. [راجع: ۷۸۷]

”وقال موسى: حدثنا أبان قال: حدثنا قتادة قال: حدثنا عكرمة“

۱۸۱ وفی مسند احمد، ومن مسند بنی هاشم، باب بداية مسند عبد الله بن العباس، رقم: ۲۱۳۵، ۲۵۲۳، ۲۸۵۹،

۲۹۳۶، ۲۹۷۳، ۳۱۲۴.

۱۸۲ مسند احمد، ومن مسند بنی هاشم، باب باقی المسند السابق، رقم: ۲۹۷۳.

”ثنتین و عشرين تكبيرة“ معجم اسماعیلی کی روایت میں ہے کہ یہ ظہر کی نماز تھی، ہر رکعت میں پانچ پانچ تکبیریں تھیں، تو مجموعہ بیس ہوا۔ پھر ایک تکبیر افتتاح کی اور ایک قعدہ اولیٰ سے اٹھتے وقت۔ تو مجموعہ بائیس ہو گیا۔ ۱۸۳

(۱۱۸) باب وضع الأكف على الركب في الركوع

رکوع میں ہتھیلیوں کا گھٹنوں پر رکھنے کا بیان

”وقال أبو حميد في أصحابه: أمكن النبي ﷺ يديه من ركبتيه“.

۷۹۰۔ حدثنا أبو الوليد قال: حدثنا شعبة، عن أبي يعفور قال: سمعت مصعب

ابن سعد يقول: صليت إلى جنب أبي فطقت بين كفي ثم وضعتهما بين فخذي، فنهاني

أبي وقال: كنا نفعله فنهينا عنه و أمرنا أن نضع أيدينا على الركب. ۱۸۳

”فطقت بين كفي“ تطبیق کے معنی یہ ہیں کہ دونوں ہاتھ ملا کر رانوں کے درمیان رکھے جائیں۔

حضرت مصعب بن سعد رحمہ اللہ نے یہ عمل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی تقلید میں کیا تھا، کیونکہ ان سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے شاگردوں کو تطبیق کی تلقین فرمائی۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حدیث باب میں اس کو منسوخ قرار دیا ہے، اس کی وجہ سے بعض حضرات نے فرمایا

کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو حدیث نبوی نہیں پہنچی تھی، مگر یہ بات بہت بعید ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے ائمہ الصحابہ کو ”نسخ“ کا علم نہ ہوا ہو، اس لئے ظاہر یہ ہے کہ وہ دونوں طریقوں میں تخییر کے قائل تھے۔

اس کی تائید مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول سے ہوتی ہے کہ ”إذا ركعت فإن

شئت قلت هكذا يعني وضعت يديك على ركبتيك وعين شئت طبقت“ علامہ عینی

۱۸۳ فتح الباری، ج: ۲، ص: ۲۷۲.

۱۸۳ وفي صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب النذب الى وضع الايدي على الركب في الركوع

ونسخ التطبيقي، رقم: ۸۴۳، وسنن الترمذی، كتاب الصلاة، باب ماجاء في وضع اليدين على الركبتين في الركوع،

رقم: ۲۴۰، وسنن النسائي، كتاب التطبيقي، باب التطبيقي، رقم: ۱۰۲۲، وسنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب وضع

اليدين على الركبتين، ۷۳۴، وسنن ابن ماجه، كتاب اقامة الصلاة والسنة فيها، باب وضع اليدين على الركبتين،

رقم: ۸۶۳، ومسنند أحمد، مسند العشرة المبشرين بالجنة، باب مسند أبي اسحاق سعد بن أبي وقاص، رقم: ۱۲۸۷،

وسنن الدارمي، كتاب الصلاة، باب العمل في الركوع، رقم: ۱۲۷۰.

رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”اسنادہ حسن، فہذا ظاہر فی اَنہ ﷺ کان یری التخییر“ اور حضرت سعدؓ کے ارشاد کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ اس طریقے کی ترجیح منسوخ ہو گئی۔ ۱۸۵

(۱۲۰) باب استواء الظهر فی الركوع

رکوع میں پیٹھ کے برابر کرنے کا بیان

”وقال أبو حمید فی أصحابہ: رکع النبی ﷺ ثم مصر ظهرہ، (مصر ظهرہ، بفتح الہاء والصاد أعلمہ ای أمالہ“۔

گذشتہ باب میں تعدیل ارکان نہ کرنے کا بیان تھا، اس میں کرنے کا بیان ہے۔
جمہور کے نزدیک تعدیل کے بغیر نماز بالکل نہیں ہوتی۔ حنفیہ کے نزدیک فرض ادا ہو جاتا ہے، مگر ترک واجب کی وجہ سے نماز واجب الاعداد رہتی ہے۔

حنفیہ کی دلیل ترمذی شریف میں ”مسنی فی الصلاة“ کی حدیث کے آخر میں یہ الفاظ ہیں ”اذا انتقصت من ذالک شیئاً انتقصت من صلاتک“ اس سے صحابہ کرامؓ نے بھی یہی سمجھا۔ چنانچہ ترمذی میں ہے کہ ”وکان ذالک اھون علیہم من الاولیٰ ان من انتقص منها شیئاً انتقص من صلاتہ ولم تذهب کلہا“۔

(۱۲۲) باب ما یقول الامام ومن خلفه اذا رفع رأسه من الركوع

امام اور جو لوگ اس کے پیچھے نماز پڑ رہے ہیں جب رکوع سے سر اٹھائیں تو کیا کہیں؟

۷۹۵۔ حدثنا آدم قال: حدثنا ابن ابی ذئب، عن سعید المقبری، عن ابی ہریرۃ قال: کان النبی ﷺ اذا قال: ((سمع اللہ لمن حمدہ))، قال: ((اللھم ربنا ولك الحمد)) وکان النبی ﷺ اذا رکع واذا رفع رأسه یکبر، واذا قام من السجدة قال: ((اللہ اکبر))۔ [راجع: ۷۸۵]

اس سے شافعیہ وغیرہ نے استدلال کیا ہے کہ امام بھی ”اللھم ربنا ولك الحمد“ کہے گا۔
حنفیہ اس کو حالت انفراد پر محمول کرتے ہیں اور اگلے باب کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں ”اذا قال

۱۸۵ مصنف ابن ابی شیبہ، من الانصار یوم القادسیۃ فقال اذا رکع فلیضع یدہ علی ركبتيہ ولیمکن حتی یعلو عجب

الامام سمع الله لمن حمده فقولوا: اللهم ربنا ولك الحمد“ اس میں وظائف کی تقسیم کردی گئی ہے، ”والقسمة تنا في الشراكة“.

یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی وہ روایت ہے جو ”متون“ میں مذکور ہے، لیکن امام صاحب ہی سے دوسری روایت یہ ہے کہ امام بھی تحمید سرا کریگا، اور اسی کو امام فضلی، امام طحاوی اور متاخرین کی ایک جماعت نے اختیار کیا ہے، اور حدیث باب سے مؤید ہونے کی بنا پر یہی روایت قابل ترجیح معلوم ہوتی ہے۔

یہ دوسری روایت علامہ شامی رحمہ اللہ نے ”رد المحتار“ میں نقل کی ہے۔ ۱۸۶

(۱۲۷) باب الاطمأنينة حين يرفع رأسه من الركوع

جب رکوع سے اپنا سر اٹھائے اس وقت اطمینان سے کھڑا ہونے کا بیان

۸۰۲۔ حدثنا سليمان بن حرب فانصت هينة.....

”فانصت هينة“ یعنی اعضاء کو اصلی حالت تک لے آئے، اس کو انصواب سے تعبیر کیا۔ بعض نسخوں میں ”فانصت“ ہے، اس کے معنی واضح ہیں۔

(۱۲۸) باب : يهوى بالتكبير حين يسجد

جب سجدہ کرے تو تکبیر کہتا ہوا جھکے

”وقال نافع: كان ابن عمر يضع يديه قبل ركعته“.

”كان ابن عمر يضع يديه قبل ركعته“ یہ اثر ابن خزیمہ رحمہ اللہ اور طحاوی رحمہ اللہ وغیرہ نے موصولاً روایت کیا ہے، اس کے آخر میں یہ بھی ہے کہ ”كان النبي ﷺ يفعلها“.

مگر امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ عبدالعزیز الدردار و دی کا وہم ہے اور محفوظ یہی ہے کہ یہ اثر حضرت ابن عمر رحمہ اللہ پر موقوف ہے۔

اس سے مالکیہ استدلال کرتے ہیں کہ سجدہ میں جاتے وقت پہلے ہاتھ رکھنے چاہئیں۔ امام محمد رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔

حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک پہلے گھٹنے رکھنا افضل ہے۔ ۱۸۷

ان کی دلیل حضرت ابن مسعودؓ کا اثر ہے کہ وہ پہلے گھٹنے رکھتے تھے۔ ۱۸۸

امام اثرم رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک حدیث روایت کی ہے ”إذا سجد أحدكم فليبدأ بركبتيه قبل يديه ولا يبرك بروك الفجل“ مگر حافظ رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ضعیف بتایا ہے۔ ۱۸۹

تاہم ترمذی کی حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے، ”يُعمد أحدكم في صلواته فيبرك في صلواته برك الجمل“۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے عمل کے بارے میں حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے بتایا کہ ان کا جسم بھاری ہو گیا تھا اور ان کے پاؤں میں عذرتھا، اس لئے ایسا کرتے ہوں گے۔

ان کے پاؤں میں عذر ہونے کی دلیل آگے ”باب سنة الجلوس إذا تشهد“ میں آرہی ہے کہ وہ تشہد میں چارزانوں بیٹھا کرتے تھے اور فرماتے کہ ”إن رجلي لا تحملاني....“ روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ خیر کے یہود نے ان کو گرا دیا تھا، جس سے ان کے ہاتھ پاؤں میں ٹیڑھ پیدا ہو گئی تھی۔

۸۰۵۔ حدثنا علي بن عبد الله قال: حدثنا سفيان غير مرة عن الزهري قال: سمعت أنس بن مالك يقول: سقط رسول الله ﷺ عن فرس. وربما قال سفيان: من فرس. فجحش شقه الأيمن، فدخلنا عليه نعوذ فحضرت الصلاة فصلی بنا قاعداً وقعدنا. وقال سفيان مرة: صلينا قعوداً. فلما قضى الصلاة قال: ((إنما جعل الإمام ليؤتم به فإذا كبر فكبروا وإذا ركع فاركعوا، وإذا رفع فارفعوا وإذا قال: سمع الله لمن حمده، فقولوا: ربنا ولك الحمد. وإذا سجد فاسجدوا)). كذا جاء به معمر؟ قلت: نعم، قال: لقد حفظ كذا. قال الزهري: ولك الحمد، حفظت من شقه الأيمن. فلما خرجنا من عند الزهري قال ابن جريج وأنا عنده: فجحش ساقه الأيمن. [راجع: ۳۷۸]

تشریح

”کذا جاء به معمر؟“

یہ جملہ استفہامیہ ہے، مطلب یہ ہے کہ سفيان رحمہ اللہ نے یہ حدیث علی بن مدینی رحمہ اللہ کو سنا کر ان سے پوچھا کہ کیا امام زہری رحمہ اللہ کے دوسرے شاگرد معمر رحمہ اللہ نے بھی یہ حدیث آپ کو اسی طرح سنا کی تھی؟

اس پر علی بن مدینی رحمہ اللہ نے کہا ”نعم“ سفیان رحمہ اللہ نے کہا ”لقد حفظ کذا“ یعنی معمر رحمہ اللہ نے صحیح یاد رکھا۔ پھر کہا کہ زہری نے ”ربنا ولك الحمد“ واؤ کے ساتھ روایت کیا تھا۔ پھر انہوں نے اپنے اشتیاق کی وجہ بیان کی کہ میں نے علی بن مدینی رحمہ اللہ سے اس لئے توثیق کی کہ بعض اوقات راوی کو وہم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ میں نے یہ حدیث ”من شقه الايمن“ کے الفاظ کے ساتھ سنی تھی، مگر جب امام زہری رحمہ اللہ کے پاس سے نکلے تو ابن جریج نے میری موجودگی میں وہ حدیث ”فحش ساقه الايمن“ کے الفاظ کے ساتھ سنائی، اس لئے مجھے احتمال ہوا کہ کہیں مجھ سے بھی روایت میں کوئی غلطی نہ ہو گئی ہو، چنانچہ میں نے علی بن المدینی رحمہ اللہ سے پوچھ لیا کہ معمر رحمہ اللہ نے بھی حدیث اسی طرح سنائی تھی یا نہیں؟

(۱۲۹) باب فضل السجود

سجدہ کرنے کی فضیلت کا بیان

۸۰۶۔ حدثنا أبو الیمان قال: أخبرنا شعيب عن الزهري قال: أخبرني سعيد بن المسيب و عطاء بن يزيد الليثي أن أبا هريرة أخبرهما أن الناس قالوا: يا رسول الله هل نرى ربنا يوم القيامة؟ قال: ((هل تمارون في القمر ليلة البدر ليس دونه سحب؟)) قالوا: لا يا رسول الله قال: ((فهل تمارون في روية الشمس ليس دونه سحب؟)) قالوا: لا. قال: ((فإنكم ترونه كذلك. يحشر الناس يوم القيامة فيقول: من كان يعبد شيئاً فليتبع. فمنهم من يتبع الشمس، ومنهم من يتبع القمر، ومنهم من يتبع الطواغيت، و تبقى هذه الأمة فيها منافقوها، فيأتهم الله عز وجل فيقول: أنا ربكم فيقولون: هذا مكاننا حتى يأتينا ربنا، فإذا جاء ربنا عرفناه. فيأتهم الله فيقول: أنا ربكم. فيقولون: أنت ربنا فيدعوهم و يضرب الصراط بين ظهراني جهنم فأكون أول من يجوز من الرسل بأمته، ولا يتكلم يومئذ أحد إلا الرسل. و كلام الرسل يومئذ: اللهم سلم سلم. وفي جهنم كالاليب مثل شوكة السعدان، هل رأيتم شوكة السعدان؟ قالوا نعم. قال: فإنها مثل شوكة السعدان غير أنه لا يعلم قدر عظمتها إلا الله، تخطف الناس بأعمالهم فمنهم من يوبق بعمله، و منهم من يخردل، ثم ينجو حتى إذا أراد الله رحمة من أراد من أهل النار أمر الله الملائكة أن يخرجوا من كان يعبد الله، فيخرجونهم و يعرفونهم بآثار السجود. و حرم الله على النار أن تاكل أثر السجود. فيخرجون من النار فكل ابن آدم تأكله النار إلا أثر

السجود، فيخرجون من النار قد امتحشوا فيصب عليهم ماء الحياة فينبتون كما تنبت الحبة في حميل السيل. ثم يفرغ الله من القضاء بين العباد، ويبقى رجل بين الجنة والنار. وهو آخر أهل النار دخولا الجنة. مقبل بوجهه قبل النار. فيقول: يا رب اصرف وجهي عن النار فقد قشبنى ريحها، وأحرقني ذكاؤها. فيقول: هل عسيت إن فعل ذلك بك أن تسأل غير ذلك؟ فيقول: لا وعزتك، فيعطى الله ما شاء من عهد وميثاق فيصرف الله وجهه عن النار. فإذا أقبل به على الجنة رأى بهجتها سكت ما شاء الله أن يسكت. ثم قال: يا رب قدمني عند باب الجنة. فيقول الله له: أليس قد أعطيت العهد والمواثيق أن لا تسأل غير الذي كنت سألت؟ فيقول: يا رب لا أكون أشقى خلقك. فيقول: فما عسيت إن أعطيت ذلك أن لا تسأل غيره؟ فيقول: لا وعزتك، لا أسالك غير ذلك، فيعطى ربه ما شاء من عهد وميثاق، فيقدمه إلى باب الجنة. فإذا بلغ بابها فرأى زهرتها وما فيها من النضرة والسرور، فيسكت ما شاء الله أن يسكت. فيقول: يا رب أدخلني الجنة فيقول الله تعالى ويحك يا ابن آدم، ما أغدرك؟ أليس قد أعطيت العهد والميثاق أن لا تسأل غير الذي أعطيت؟ فيقول: يا رب لا تجعلني أشقى خلقك. فيضحك الله عز وجل منه، ثم يأذن له في دخول الجنة. فيقول له: تمن، فيتمنى حتى إذا انقطعت أمنيته، قال الله عز وجل: زد من كذا وكذا، أقبل يذكره ربه عز وجل حتى إذا انتهت به الأمانى، قال الله تعالى: لك ذلك ومثله معه)) قال أبو سعيد الخدري لا نبي هزيمة رضي الله تعالى عنهما: إن رسول الله ﷺ قال: ((قال الله عز وجل: لك ذلك وعشرة أمثاله)). قال أبو هريرة: لم أحفظ من رسول الله ﷺ إلا قوله: ((لك ذلك ومثله معه)). قال أبو سعيد الخدري: إني سمعته يقول: ((ذاك لك وعشرة أمثاله)). [أنظر ٢٥٤٣، ٤٣٣٤، ١٩٠].

١٩٠ وفي صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب معرفة طريق الرؤية، رقم: ٢٦٤، ومسند الترمذي، كتاب صفة القيامة والرقائق والورع عن رسول الله، باب ماجاء في الشفاعة، رقم: ٢٣٥٨، وكتاب تفسير القرآن عن رسول الله، باب ومن سورة بنى اسرائيل، رقم: ٣٠٤٣، ومسند النسائي، كتاب الطباق، باب موضع السجود، رقم: ١١٢٨، ومسند ابن ماجه، كتاب الزهد، باب ذكر الشفاعة، رقم: ٢٢٩٩، ومسند أحمد، باب مسند المكثرين، باب مسند أبي هريرة، رقم: ٤٣٩٢، ١٠٥٩٣، ١٠٤٢٣، ١٠٤٤٠، ١١١٠٤، ١١٢٦٣، ومسند الدارمي، كتاب الرقائق، باب النظر الى الله تعالى، رقم: ٢٦٨١.

حدیث کی تشریح

اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے جو حدیث ذکر کی ہے اس کو اور بھی متعدد مقامات پر روایت کی ہے، یہاں اس کو سمجھ لینا چاہئے۔

لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ”هل نرى ربنا يوم القيامة؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”هل تمارون في القمر ليلة البدر ليس دونها سحاب؟“ کیا تم آپس میں چاند کے بارے میں جھگڑا کرتے ہو جبکہ چودہویں رات کا چاند ہو؟

مطلب یہ ہے کہ اگر چودہویں رات کا چاند ہو تو کیا اس کو دیکھنے کے لئے تمہیں دھکم پیل کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے؟ ”ماروی یماری ممرارة“ کے معنی ہیں جھگڑا کرنا اور ایک روایت میں ہے ”هل تمارون؟ تمارى یماری“ اس صورت میں مضارع والی ”ت“ حذف ہو جائے گی اور اس کے معنی ہوں گے کیا تم شک کرتے ہو؟ اور یہ ”مریة“ سے مشتق ہوگا۔ ”تمارون، مرأء“ سے اور ”تعمارون، مریة“ سے۔

تو فرمایا کہ کیا تمہیں چودہویں رات کے بارے میں شک ہوتا ہے کہ یہ چاند ہے یا کچھ اور ہے؟
”قالو: لا۔ قال: فانکم ترونہ کذا لک“ اسی طرح اللہ ﷻ کی زیارت نصیب ہوگی۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے تفصیل بیان فرمائی، فرمایا ”يحشر الناس يوم القيامة فيقول: من كان يعبد شيئا فليتبّع“ جب حشر ہوگا تو اللہ ﷻ فرمائیں گے جو جس چیز کی عبادت کرتا تھا اس کے پیچھے لگ جائے۔
”فمنهم من يتبع الشمس“ جو سورج کی عبادت کرتا تھا وہ سورج کے پیچھے لگ جائے گا، جو چاند کی عبادت کرتا تھا وہ چاند کے پیچھے لگ جائے گا، بعض ”طواغيت“ کے پیچھے لگ جائیں گے۔

”طواغيت، طاغوت“ کی جمع ہے۔ بعض نے کہا اس کے معنی شیطان کے ہیں۔ بعض نے کہا جن ہیں۔ بعض نے کہا بت ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں اس سے بت مراد ہیں، یعنی بعض بعض بتوں کے پیچھے لگ جائیں گے۔ ”وتبقي هذه الامة“ اور یہ امت رہ جائے گی کیونکہ اس نے تو کسی کو اللہ ﷻ کے سوا معبود نہیں بنایا ”فيها منافقوها“ اور منافقین بھی ان کے ساتھی ہی ہوں گے یعنی ابھی منافقین کو مخلصین سے الگ نہیں کیا گیا ہوگا، کیونکہ وہ دنیا میں اسلام کا دعویٰ کرتے تھے اور دنیا میں ان کے اوپر تمام احکامات مسلمانوں جیسے جاری ہوتے تھے، آخرت میں بھی وہ مسلمانوں کے ساتھ لگ جائیں گے اور ان کو یہ امید ہوگی کہ یہاں بھی ہمارا دھوکہ چل جائے گا۔

”فيا تبهم الله عز وجل فيقول“:

یعنی ابھی منافقین بھی مسلمانوں کے ساتھ ملے جلے کھڑے ہوں گے، جب آگے بڑھیں گے تو اللہ ﷻ

دودھ کا دودھ پانی کا پانی کر دیں گے۔ ”فِیَاتِیْہِمُ اللّٰہُ عِزُّوْ جَلَّ“ اللہ ﷻ اس امت کے جو لوگ کھڑے ہوں گے ان کے پاس آئیں گے ”اتینا ینلیق بہ“ اس بحث میں خواہ مخواہ پڑنے کی ضرورت نہیں ہے کہ کیسے آئیں گے؟

خلاصہ یہ ہے کہ ظہور فرمائیں گے، اب تجلی کیسے ہوگی، خواہ مخواہ ان تفصیلات میں جانے کی حاجت نہیں، ہم اس کو سمجھنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتے، لہذا اتنا کہہ دینا کافی ہے ”فِیَاتِیْہِمُ اللّٰہُ اتینا ینلیق بہ ای ینلیق بشانہ“۔
”فیقول: انا ربکم“ اس وقت امت محمدیہ علی صاحبہا السلام کے لوگ کہیں گے ”ہذا مکاننا حتیٰ یاتینا ربنا“ ہم تو اسی جگہ پر رہیں گے جب تک ہمارا پروردگار نہ آجائے۔

دوسری روایت میں تفصیل ہے کہ جب اس مرحلہ پر یہ کہا جائے گا کہ ”انا ربکم“ تو وہ اللہ ﷻ کو نہیں پہچانیں گے اور اس وجہ سے کہیں گے کہ آپ ہمارے رب نہیں ہیں، جب وہ آئیں گے تو اب پہچان لیں گے۔
اکثر حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ یہ تجلی ایسی صورت سے ہوگی جس کو مسلمان نہیں پہچانتے، اس واسطے جب اس مرحلہ پر یہ کہا جائے گا کہ ”انا ربکم“ تو وہ پہچاننے سے انکار کر دیں گے لیکن جب اللہ ﷻ آئیں گے تو پھر پہچان لیں گے۔

بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ اصل میں یہ آخری آزمائش ہوگی، حقیقت میں فرشتہ ظہور کرے گا اور آزمائش کے طور پر ان سے کہے گا ”انا ربکم“ چونکہ مومنین اپنے نور ایمان کی وجہ سے پہچان لیں گے کہ یہ رب نہیں ہے فرشتہ ہے اس لئے پہچاننے سے انکار کر دیں گے کہ بھئی! ابھی تو ہم یہیں کھڑے ہیں، جب اللہ ﷻ ہمارے پاس آئیں گے تو ہم خود پہچان لیں گے۔ بعض لوگوں نے یہ معنی بھی بیان کئے ہیں۔
”فیاذ جاء ربنا عرفناہ“ جب ہمارے رب آئیں گے تو ہم خود پہچان لیں گے۔

”فِیَاتِیْہِمُ اللّٰہُ“ اب دوبارہ تشریف لائیں گے ”فیقول: انا ربکم، فیقولون: انت ربنا“ اب پہچان لیں گے اور کہیں گے ”انت ربنا، فیدعوہم“ باری تعالیٰ ان کو بلائیں گے ”و یضرب الصراط بین ظہرائی جہنم“ اور صراط بطور پل کے جہنم کے وسط میں لگا دیا جائے گا ”فاکون اول من یجوز من الرسل بامتہ“ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جتنے انبیاء ہیں ان میں سے سب سے پہلے اپنی امت کے ساتھ اس پل کو میں قطع کروں گا۔

سوال: اس پر اشکال ہو سکتا ہے کہ اگر آپ ﷺ کی امت بھی آپ ﷺ کے ساتھ پل صراط عبور کر جائے گی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ باقی انبیاء علیہم السلام آپ ﷺ کی امت کے بعد آئیں گے، حالانکہ انبیاء علیہم السلام اس امت سے افضل ہیں۔

جواب: بعض حضرات نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ معنی یہ ہیں انبیاء علیہم السلام میں اس پل کو عبور

کرنے والا پہلا شخص میں ہوں گا اور امتوں سے پہلے صراط عبور کرنے والی سب سے پہلی امت میری امت ہوگی۔
لہذا انبیاء علیہم السلام امت محمدیہ سے پہلے عبور کر جائیں گے۔

بعض حضرات نے کہا کہ اگر آنحضرت ﷺ کے اکرام کی وجہ سے آپ ﷺ کی امت کو بھی اولیت دے دی جائے تو اس میں بھی بعد نہیں، کیونکہ یہ آپ ہی کی فضیلت کی وجہ سے ہوگا، امت کی فضیلت کی بنا پر نہیں۔^{۱۹}

”ولا یتکلم یومئذ احد الا الرسل“ رعب کا ایسا عالم ہوگا کہ انبیاء علیہم السلام کے سوا کسی کے اندر بات کرنے کی مجال نہ ہوگی۔ ”وکلام الرسل یومئذ اللہم سلم سلم“ اور انبیاء بھی جو کلام کریں گے وہ: ”اللہم سلم“ اے اللہ! سلامتی عطا فرمائیں، سلامتی عطا فرمائیں، ہوگا۔

”وفی جہنم کلاب“ اور جہنم کے اندر کٹوے لٹک رہے ہوں گے، ”کلاب، کلاب“ کی جمع ہے جسے آنکڑہ بھی کہتے ہیں، جس کے کنارہ میں اٹھانے کے لئے مڑی ہوئی چیز بھی ہوتی ہے۔ تو جہنم کے اندر آنکڑے لگے ہوں گے ”مثل شوک السعدان“ ”سعدان“ ایک گھاس ہوتی تھی جس پر کانٹے ہوتے تھے، آپ ﷺ نے اس سے تشبیہ دی کہ وہ کلاب سعدان کے کانٹوں کی طرح ہوں گے۔

”هل رأیت شوک السعدان؟ قالو: نعم، قال: فانها مثل شوک السعدان غیر انه لا یعلم قدر عظمها الا اللہ“ ان کی ہیئت تو اگرچہ ”شوک سعدان“ کے مشابہ ہوگی، لیکن جہنم کے کلاب کے بڑے ہونے کی مقدار سوائے اللہ ﷻ کے کوئی نہیں جانتا کہ وہ کتنے بڑے ہیں۔ العیاذ باللہ، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو محفوظ رکھے۔ آمین۔

”تخطف الناس باعمالهم“ یہ کلاب لوگوں کے اندر ان کے اعمال کے حساب سے اچک لیں گے۔ ”فمنهم من یوبق بعمله“ ان میں سے کچھ ایسے ہوں گے جو اپنے عمل کی وجہ سے ہلاک ہو جائیں گے۔

”ومنهم من یخردل“ ان میں سے بعض ایسے ہوں گے جن کو پیس دیا جائے گا، ”خردل یخردل“ کے معنی ہوتے ہیں ٹکڑے کرنا، یعنی ان کا قیمہ بنایا جائے گا (اللہ بچائے) خردل سے نکلا ہے جس کے معنی رائی کے دانے ہیں۔

”ثم یسبحو“ پھر اللہ ﷻ ان کو نجات بھی دے دے گا، مطلب یہ ہے کہ جن کے عقائد کفر تک پہنچ گئے یا اعمال کفر تک پہنچ گئے یا منافقین جن کے اندر ایمان تھا ہی نہیں، ان کے بارے میں تو یہ فرمایا کہ وہ ہلاک ہو جائیں گے، ان کے لئے جہنم سے واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہے اور بعض ایسے تھے جو سخت گناہ گار تھے لیکن ان کے اندر پھر بھی ایمان کی کچھ شمع روشن تھی تو ان کو خردل کیا جائے گا، پھر ان کی نجات ہو جائے گی۔

”حتیٰ إذا أراد الله رحمة من أراد من أهل النار“ یہاں تک کہ جب اللہ ﷻ رحمت کا ارادہ فرمائیں گے ان لوگوں پر جن پر ارادہ فرمائیں گے اہل نار میں سے تو کیا ہوگا؟ ”امر الله الملكة ان يخرجوا من كان يعبد الله“ اللہ ﷻ ملائکہ کو حکم دیں گے کہ جو بھی اللہ کی عبادت کرتا ہو اس کو نکال لاؤ، چاہے عقیدہ میں کتنا ہی فساد ہو لیکن عبادت اللہ ﷻ کی کرتا ہو۔

”فيخرجونهم ويعرفونهم باناء السجود“ ان کو نکالیں گے اور سجدہ کے آثار سے ان کو پہچانیں گے، کیوں؟ ”وحرّم الله على النار أن تاكل اثر السجود“ کہ اللہ ﷻ نے جہنم پر حرام کر رکھا ہے کہ وہ سجدہ کے اثر کو کھائے، لہذا جو اعضاء سجود ہیں جیسے پیشانی، ناک وغیرہ ان کو جہنم کی آگ نہیں جلائے گی۔ تو ان کے آثار سجود باقی ہوں گے جس کی وجہ سے ان کو ملائکہ پہچان لیں گے اور ان کو نکالنے میں آسانی ہوگی۔ حدیث کا یہی حصہ ترجمۃ الباب سے متعلق ہے ”باب فضل السجود“ اس سے سجدہ کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔

”فيخرجون من النار“ اب یہ جہنم سے باہر نکلیں گے، ”فكل ابن آدم تاكله النار إلا اثر السجود، فيخرجون من النار قد امتحشوا“ یہ جہنم سے اس حالت میں نکالے جائیں گے کہ یہ جل چکے ہوں گے۔

”امتحش أى احترق حرقا شديدا“

”فصب عليهم ماء الحياة“ ان کے اوپر آب رحمت ڈالا جائے گا ”فينبتون كما تنبت الحبة في حميل السيل“ اس ماء حیات کا ڈالنے سے ان کا جسم اس طرح سے دوبارہ اُگ آئے گا جس طرح سیلاب کے کچڑ سے صحرائی بیج اُگ آگے ہیں۔

”حبة، بكسر الحاء“ اس کے معنی ہیں وہ جنگلی پودوں کے بیج جو صحراؤں میں بکھرے رہتے ہیں، کیونکہ وہ بیج ایسے ہوتے ہیں کہ جب بھی ذرا سی بارش پڑی وہ بیج فوراً پودے کی شکل اختیار کرنا شروع کر دیتے ہیں، تو ان کا اُگنا بہت تیز رفتاری سے ہوتا ہے، عام بیج ڈالیں تو نکلنے میں بہت دن لگیں گے لیکن جو صحرائی بیج ہوتے ہیں یہ معمولی سی بارش سے فوراً اُگ آتے ہیں، چہ جائیکہ اگر کہیں سیلاب آئے اور سیلاب کے اندر کچڑ بھی ہو تو معمولی کچڑ بھی پودے کے اگنے میں بہت زیادہ مدد دیتا ہے۔

تو فرماتے ہیں جیسے سیلاب کے کچڑ میں ”حبة“ اُگ آتا ہے اسی طرح جلدی سے ان کا جسم دوبارہ اُگ آئے گا۔

”ثم، يفرغ الله من القضاء بين العباد“ پھر اللہ ﷻ بندوں کے درمیان فیصلہ کرنے سے فارغ ہو جائیں گے۔ ”ويسيئ رجل بين الجنة والنار“ اور ایک شخص جنت اور جہنم کے درمیان رہ جائے گا

”وہو آخر اہلہ النار دخولاً الجنة“ اور یہ اہل جہنم میں سے وہ شخص ہوگا جو سب سے آخر میں جہنم سے نکالا جائے گا اور سب سے آخر میں جنت میں داخل کیا جائے گا۔

”مقبل بوجہ قبل النار“ اس کو جہنم سے تو نکالا گیا مگر اس کا منہ جہنم کی طرف کر کے کھڑا کیا ہوا ہوگا۔

”فیقول: یا رب اصرف وجهی عن النار فقد قشبنی ریحها، وأحرقنی ذکاءها“ وہ درخواست کرے گا کہ اے رب کریم! میرا چہرہ اس طرف سے پھیر دیجئے کیونکہ اس کی بادِ سموم نے مجھے زہریلا بنا دیا ہے، ”قشبت“ کا معنی ہے زہریلا بنانا۔ یعنی مجھے لو لگ گئی ہے ”وأحرقنی ذکاءھا“ اور مجھے اس کے شعلوں نے جلا دیا ہے۔ ”ذکاء“ کے معنی ہے بھڑکنا، ”ذکاء النار“ کے معنی ہیں آگ کا بھڑکنا۔ اس کے بھڑکتے ہوئے شعلوں نے مجھے جلا ڈالا ہے۔ باری تعالیٰ فرمائیں گے۔

”هل عسیت ان فعل ذلک بک ان تسأل غیر ذلک؟“ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر تمہارے ساتھ ایسا کر دیا گیا جیسا کہ تم کہہ رہے ہو کہ چہرہ کو جہنم سے ہٹا دیا جائے تو قریب ہے کہ بعد میں تم اس کے علاوہ بھی سوال کرو گے اور کچھ مانگو گے۔

”فیقول: لا وعزتک“ کہ آپ کی عزت کی قسم اور نہیں مانگوں گا۔ ”فیعطی اللہ ما شاء من عہد و میثاق فیصرف اللہ وجہہ عن النار“ خوب عہد و میثاق کرے گا کہ اگر آپ نے میرا چہرہ جہنم سے ہٹا دیا تو آگے اور کچھ نہیں مانگوں گا۔ تو اللہ جل جلالہ اس کا چہرہ جہنم سے ہٹا دے گا۔

”لماذا قبل به علی الجنة رأى بهجتها سکت ما شاء اللہ ان یسکت“ اب جب جہنم سے چہرہ پھر گیا تو سامنے جنت آگئی، وہاں جنت کی بہجت اور شادابی نظر آئے گی تو کچھ دیر خاموش رہے گا پھر کہے گا ”یا رب قدمنی عند باب الجنة“ مجھے جنت کے دروازہ کے پاس لے جائیں۔

”فیقول اللہ له: الیس قد أعطیت المہود والموائق ان لا تسأل غیر الذی کنت سالت؟“ کہ وعدے نہیں کئے تھے کہ اور کچھ نہیں مانگے گا؟

”فیقول: یا رب لا اکون اشقی خلقک“ وہ اس کا جواب نہیں دے گا کہ وعدے کیا کئے تھے بلکہ کہے گا اے اللہ! آپ کی مخلوق میں سے سے زیادہ شقی تو نہ ہوں، کم از کم اتنا ہو جائے کہ جنت کے دروازہ تک ہی پہنچ جاؤں۔

”فیقول: فما عسیت ان أعطیت ذالک ان لا تسأل غیرہ؟“ کہ اگر یہ دے دیا گیا تو کیا ضمانت ہے کہ اور نہیں مانگو گے؟

”فیقول: لا وعزتک، لا أسأل غیر ذالک، فیعطی ربہ ما شاء من عہد و میثاق

فبقدمه إلى باب الجنة“ اللہ ﷻ جنت کے دروازے تک لے جائیں گے۔

”فإذا بلغ بأبها فرأى زهرتها وما فيها من النضرة والسرور، فيسكت ما شاء الله أن يسكت“ جب وہاں جنت کے نظارے، وہاں کی شادابی، سرور اور لذتیں نظر آئیں گی تو کچھ دیر تو خاموش رہے گا پھر کہے گا ”یا رب ادخلني الجنة“ اے رب مجھے اب جنت میں داخل کر دیجیے۔

”فيقول الله تعالى: ويحك يا ابن آدم ما اغدوك؟“

اے ابن آدم! تجھ پر افسوس، تو کتنا بے وفا ہے کہ ابھی تو وعدے کر رہا تھا کہ اور نہیں مانگوں گا، یہاں آ کر پھر مانگ رہا ہے۔

”أليس قد أعطيت العهد والميثاق أن لا تسأل غير الذي أعطيت؟“

”فيقول: يا رب لا تجعلني أشقى خلقك“ اے پروردگار! وہ سب وعدے وعید چھوڑ دیجئے، اگر یہیں رہ گیا اور اندر داخل نہ ہوا تو میں ”اشقی خلقك“ ہو جاؤں گا، اس انجام سے مجھے بچا لیجئے۔

”فيضحك الله عز وجل منه، (ضحكاً يليق بشأنه) ثم يأذن له في دخول الجنة“ اللہ ﷻ جنت میں داخل ہونے کی اجازت دے دیں گے کہ چل تجھے جنت میں داخل کر دیا۔

”فيقول له تمن“ اب تمنا کر، کیا کرتا ہے اور کیا چاہئے؟ ”فيتمنى“ جتنی اس کے دماغ میں تمنائیں ہوں گی وہ ساری تمنائیں کرے گا ”حتى إذا انقطعت أمنيته“ یہاں تک کہ جن ساری آرزوئیں ختم ہو جائیں گی ”قال الله عز وجل: زد من كذا أو كذا“ باری تعالیٰ خود فرمائیں گے یہ بھی بڑھا، یہ بھی بڑھا، یہ تمنا بھی کر لے، یہ تمنا بھی کر لے۔ ”اقبل يذکر به عز وجل“ اللہ ﷻ یاد دلانا شروع کریں گے کہ فلاں بات تو تو بھول ہی گیا، اس کو یاد کر اور مانگ۔ ”حتى إذا انتهت به الأمانى“ یہاں تک کہ جب ساری آرزوئیں ختم ہو جائیں گے۔

”قال الله تعالى: لك ذلك و مثله معه“ باری تعالیٰ فرمائیں گے۔ چل جو کچھ تو نے تمنا کی سب تجھے مل گیا اور اتنا ہی اور بھی۔

”قال أبو سعيد الخدري لأبي هريرة رضي الله تعالى عنهما: أن رسول الله ﷺ قال: قال الله عز وجل: لك ذلك و عشرة أمثاله“ اس روایت میں یہ ہے کہ دس گنا اور لے جا۔

”قال أبو هريرة: لم أحفظ من رسول الله ﷺ إلا قوله: لك ذلك و مثله معه“

”قال أبو سعيد الخدري: إني سمعته يقول: ذلك لك و عشرة أمثاله“ تو یہ دس والی روایت بھی پکی ہے۔

جنتی اور جہنمی ہونے کا فیصلہ!

یہ بات یاد رکھیں کہ کسی بھی انسان کو جہنمی نہیں کہنا چاہئے۔ ارے! آپ کون ہوتے ہیں اس کا فیصلہ کرنے والے کہ جنتی کون ہے اور جہنمی کون ہے۔ جس کے قبضہ قدرت میں سب کچھ ہے وہی اس کا فیصلہ کرے گا کہ کس کو جنت میں جانا ہے اور کس کو جہنم میں جانا ہے۔ کیا معلوم جسے آپ جہنمی کہہ رہے ہیں اللہ ﷻ اس کے حالات میں تبدیلی پیدا کر کے اس کو جنت میں داخل فرما دے اور آپ دیکھتے رہ جائیں۔ (العیاذ باللہ) کبھی کسی کو جہنمی نہ کہیں، چاہے بد سے بدتر کافر ہی کیوں نہ ہو۔

یہ جو ہم دنیا میں احکام کے مکلف ہیں کہ فلاں کو کافر کہنا ہے، فلاں کو زندیق کہنا ہے، فلاں کو مرتد کہنا ہے تو یہ ہم کہتے رہتے ہیں اور دنیوی احکام میں ہم اس کے مکلف ہیں، لیکن ہمارا یہ فیصلہ اللہ ﷻ پر حجت نہیں، ہم نے کسی کو کافر کہہ دیا تو اللہ ﷻ پر حجت نہیں، لہذا عین ممکن ہے کہ جس کو کافر کہتے کہتے آپ کی زبانیں تھک گئیں اللہ تبارک و تعالیٰ اس کے کسی مخفی ایمان کی وجہ سے یا اس کے حالات کی تبدیلی کی وجہ سے اس کو نجات دے دیں۔

دیکھیں وہ آدمی جس کے متعلق بخاری شریف میں کئی جگہ حدیث آئی ہے کہ اگر میں مر جاؤں تو میری لاش جلا کر راکھ کو ہوا آندھی میں اڑا دینا، کیونکہ اگر اللہ ﷻ کے قابو میں آ گیا تو وہ مجھے نہیں چھوڑے گا ”لسن قدر علی اللہ“ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس نے اللہ ﷻ کے قابو سے نکلنے کے لئے یہ تدبیر کی تھی۔

اب ظاہر میں دیکھیں تو یہ صریح کفر ہے، اللہ ﷻ کی قدرت کاملہ کا انکار ہے کہ اگر مجھے اس طرح اڑا دو گے تو اللہ ﷻ مجھے جمع نہیں کر سکیں گے۔ یہ صریح کفر ہے مگر اللہ ﷻ اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ چل جب تو مجھ سے ڈرتا ہے تو میں نے تیری مغفرت کر دی۔ ہم مفتی لوگ ظاہری احکام کے مکلف ہوتے ہیں کہ ظاہری احکام کو دیکھ کر کہہ دیتے ہیں کہ یہ کافر ہے، وہ کافر ہے۔ لیکن حقیقت میں اللہ رب العزت کی جناب میں کون کافر اور مستحق خلود فی النار ہے، کون نہیں ہے اس کا فیصلہ اللہ ﷻ کریں گے۔

لہذا فتویٰ کی بنیاد پر کسی کو جہنمی سمجھنا یہ غلط خیال ہے۔ پتا نہیں اللہ ﷻ کس کس کو جہنم سے نکال دیں۔ پہلے حضور اقدس ﷺ سے کہا جائے گا، شفاعت کریں، آپ ﷺ اپنی شفاعت کے ذریعہ بہت سوں کو نکلاؤں گے۔ پھر ملائکہ سے کہا جائے گا کہ جا کر دیکھو جس کے دل میں ”حبة خردل“ بھی ایمان ہو اس کو بھی نکال لاؤ۔ جب ملائکہ بھی نکال لائے تو پھر اللہ ﷻ خود اپنی مٹھیاں بھریں گے، یعنی یہ وہ تھے جن کے ایمان کی معرفت ملائکہ کو بھی حاصل نہ ہو سکی اور ملائکہ بھی نہ پہچان سکے کہ ان کے اندر ایمان کی کوئی رمت ہے، تو باری تعالیٰ اپنی مٹھیاں بھریں گے۔

بظاہر یہ وہ لوگ ہیں جن پر دنیا میں حکم بالکفر کیا گیا ہو گا ورنہ اگر حکم بالکفر نہ کیا گیا ہوتا تو ان کے ایمان کو

سب پہچانتے۔ اس لئے کوئی فتویٰ کی بنیاد پر کسی کو جہنمی نہیں کہہ سکتے۔ ہاں دنیا میں اس پر احکام کا فریامرتد کے جاری ہو گئے، اور اس کا ظاہر حال یہی ہے کہ وہ جہنم کا مستحق ہے لیکن حتمی طور پر اسے جہنمی کہنا ہمارا کام نہیں۔

(۱۳۴) باب السجود علی الأنف

ناک کے بل سجدہ کرنے کا بیان

۸۱۲۔ حدثنا معلى بن أسد قال: حدثنا وهيب، عن عبد الله بن طاؤس، عن أبيه، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: قال النبي ﷺ: ((أمرت أن أسجد على سبعة أعظم: على الجبهة. وأشار بيده على أنفه. واليدين والركبتين وأطراف القدمين، ولا نكفت الثياب والشعر)). [راجع: ۸۰۹]

”اقتصار علی الأنف“ اور مسلک حنفیہ

عام طور سے مشہور یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک سجدہ میں ”اقتصار علی الأنف“ بھی جائز ہے۔

لیکن علامہ شامی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں صاحبین رحمہما اللہ کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا کہ ”اقتصار علی الأنف“ کی صورت میں سجدہ نہیں ہوگا۔ ہاں ”اقتصار علی الجبهة“ کی صورت میں سجدہ ہو جاتا ہے، اگر چہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔

”وأشار بيده على أنفه“ آپ ﷺ نے لفظ توجیہ کا استعمال فرمایا لیکن اشارہ ناک کی طرف فرمایا۔ اس کی بہترین توجیہ حضرت گنگوہی قدس سرہ نے بیان فرمائی ہے کہ پیشانی پر مکمل سجدہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ناک کو بھی نہ ٹکا جائے۔ لہذا اشارہ فرمادیا کہ پیشانی پر سجدہ اس طرح کرنا چاہئے کہ ناک بھی زمین پر نہ ٹکے۔ ۱۹۲

(۱۳۵) باب السجود علی الأنف فی الطین

کچھڑ میں بھی ناک کے بل سجدہ کرنے کا بیان

۸۱۳۔ حدثنا موسى قال: حدثنا همام، عن يحيى، عن أبي سلمة قال: انطلقت

إلى أبى سعيد الخدرى فقلت: إلاتخرج بنا إلى النخل نتحدث؟ فخرج. قال: قلت: حدثنى ما سمعت من النبى ﷺ فى ليلة القدر. قال: اعتكف رسول الله ﷺ العشر الأول من رمضان، واعتكفنا معه، فأتاه جبريل فقال: إن الذى تطلب أمامك، فاعتكف العشر الأوسط فاعتكفنا معه. فأتاه جبريل فقال: إن الذى تطلب أمامك، فقام النبى ﷺ خطيبا صبيحة عشرين من رمضان فقال: ((من كان اعتكف مع النبى ﷺ فليرجع لى رأيت ليلة القدر وإنى نسيتهما وإنها فى العشر الأواخر فى وتر، وإنى رأيت كانى أسجد فى طين وماء)) وكان بسقف المسجد جريد النخل وما نرى فى السماء شيئا، فجاءت قزعة فأمطرنا، فصلى بنا النبى ﷺ حتى رأيت أثر الطين والماء على جبهة رسول الله ﷺ و أرنبته، تصديق رؤياه. [راجع: ۶۶۹]

حضرت ابوسلمہ ؓ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوسعید خدری ؓ کے پاس گیا اور جا کر کہا ”إلاتخرج بنا إلى النخل نتحدث؟“ ہمیں ذرا باہر نخلستان کی طرف نکال کر لے جائے تاکہ وہاں خلوت میں کچھ باتیں کریں۔ ”فخرج“ حضرت ابوسعید خدری ؓ ہمارے ساتھ چلے گئے، میں نے کہا ”حدثنى ما سمعت من النبى ﷺ فى ليلة القدر، قال اعتكف رسول الله ﷺ فى العشر الأول من رمضان واعتكفنا معه“ پہلے عشرہ میں ہم نے حضور ﷺ کے ساتھ اعتکاف کیا، جبریل علیہ السلام آئے اور آ کر حضور اقدس ﷺ سے عرض کیا کہ ”إن الذى تطلب أمامك“ اعتکاف سے جو چیز حاصل کرنا آپ کا مقصود ہے یعنی لیلة القدر وہ آپ کے آگے ہے۔

عشرہ اولیٰ میں اعتکاف کیا تھا کہ ہو سکتا ہے شب قدر مل جائے لیکن جب عشرہ اولیٰ پورا ہونے والا تھا تو جبریل علیہ السلام نے کہا شب قدر ابھی نہیں آئی، آگے آئے گی۔

پھر آپ ﷺ نے دوسرے عشرے کا اعتکاف فرمایا ”فاعتكفنا معه، فأتاه جبريل فقال: إن الذى تطلب أمامك“ دوبارہ آئے اور وہی بات کہی کہ جس چیز کی آپ کو تلاش ہے وہ آگے آنے والی ہے۔ ”فقام النبى ﷺ خطيبا صبيحة عشرين من رمضان قال“ بیس رمضان کی صبح کو آپ ﷺ نے خطبہ دیا اور فرمایا ”من كان اعتكف مع النبى ﷺ فليرجع“ کہ جس نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ اعتکاف کیا ہے وہ اگر چاہے تو چلا جائے ”فلانى رأيت ليلة القدر وإنى نسيتهما“ کہ مجھے لیلة القدر دکھائی گئی تھی کہ کب آئے گی اور ساتھ اس کی معین تاریخ بھلا بھی دی گئی۔

”وإنها فى العشر الأواخر فى وتر“ اب اتنی بات معلوم ہو گئی ہے کہ وہ عشرہ اخیرہ میں ہے اور اس کی طاق رات ہوگی۔ ”وإنى رأيت كانى أسجد فى طين وماء“ اور میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ

میں پانی اور کچھڑ میں سجدہ کر رہا ہوں، جو اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اس سال جو شب قدر آنے والی ہے، وہ ایسی رات میں ہوگی جبکہ آپ پانی اور کچھڑ میں سجدہ کریں گے۔

”وكان سقف المسجد جريد النخل“ مسجد کی چھت کھجوروں کی شہتیروں کی تھی اور اس وقت آسمان میں بادل نہیں تھے ”فجاءت قزعة“ اچانک ایک بادل آگیا ”فامطرتنا“ بارش ہوئی ”فصلی بنا النبی ﷺ حتی رأیت اثر الطین والماء علی جبهة رسول الله ﷺ“ رات کو جب آپ ﷺ نے نماز پڑھی تو آپ کی پیشانی مبارک پر پانی اور کچھڑ کے اثرات نظر آرہے تھے ”تصدیق رؤیاء“ آپ ﷺ کے خواب کی تعبیر کے طور پر اس رات آپ نے پانی اور کچھڑ پر سجدہ کیا۔ تو یہ وہی رات تھی یعنی شب قدر اور اکیسویں شب تھی۔

(۱۳۶) باب عقد الثیاب و شدھا، ومن ضم إلیه ثوبه إذا

خاف أن تنكشف عورته

کپڑوں میں گرہ لگانے اور ان کے باندھنے کا بیان اور ستر کھلنے کے خوف سے اگر کوئی شخص اپنا کپڑا الپیٹ لے

۸۱۲۔ حدثنا محمد بن کثیر قال: أخبرنا سفيان، عن أبي حازم، عن سهل بن سعد قال: كان الناس يصلون مع النبي ﷺ وهم عاقِدو أزرهم من الصغر على رقابهم، فقليل للنساء: ((لا ترفعن رؤسكن حتى يستوی الرجال جلوساً)). [راجع: ۳۶۲]

یہ حدیث پہلے بھی گزر چکی ہے، یہاں لانے کا مقصد یہ ہے کہ چونکہ پہلے حدیث میں آیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے ”عن ضم الثیاب فی الصلوة وإن لا یکف شعره ولا ثوبه.....“ تو ”ثیاب“ کو جمع کرنے سے منع فرمایا تھا۔ اب اس میں ایک استثنائی شکل بتا رہے ہیں کہ جب کسی شخص کا ازار اتنا وسیع نہ ہو کہ اس کے دونوں پلے اوپر نیچے ڈال کر آدمی آرام سے کھڑا ہو سکے بلکہ تنگ ہو، چوڑائی کم ہو تو ایسی صورت میں اگر اٹھا کر گردن پر باندھ لے تو اس کی اجازت ہے، یہ اس ”ضم الثیاب“ میں یا ”ضم الشعر“ یا ”جمع الثیاب“ میں داخل نہیں ہے، کیونکہ اس کی ممانعت پہلے آچکی ہے۔

(۱۳۷) باب لا یکف شعرا

نماز میں بال درست نہ کرے

بالوں کو کف کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ان کو لٹکتے ہوئے چھوڑنے کے بجائے کسی ایک جگہ جمع کر لیا جائے

جیسے عورتیں پیچھے جوڑا باندھ لیتی ہیں، پہلے زمانے میں مرد بھی لمبے لمبے بال رکھا کرتے تھے تو وہ بھی اسی طرح جوڑا بنالیا کرتے تھے، اس کی بھی ممانعت آئی ہے کہ نماز میں ایسا نہ کیا جائے۔

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ ممانعت کراہت تنزیہی ہے، اور علامہ ابن العین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”هذا مبني على الاستحباب، فاما اذا فعله فحضرت الصلاة فلا بأس أن يصلي كذلك“۔ ۱۹۳

اصل مقصد یہ ہے کہ جب آدمی سجدہ میں جائے تو سارے اعضاء سجدہ میں ہوں، سارے اعضاء جھکے ہوئے ہوں، اگر پیچھے باندھ لیا ہے تو وہ کھڑے ہیں، بہتر یہ ہے کہ وہ بھی لٹکتے ہوئے ہوں تاکہ وہ بھی سجدہ میں جائیں، لیکن اگر کسی نے ایسے نہیں کیا تو نماز ہو جائے گی۔

خاص طور سے خواتین بعض اوقات اس مقصد کے تحت جوڑا باندھ لیتی ہیں تاکہ اگر بال کھلے ہوں گے تو لٹکنے کا اندیشہ ہے اور چونکہ ان کے بال بھی عورت میں داخل ہیں، اس لئے نماز کے فاسد ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اگر اس لئے باندھ لیں تو امید ہے کہ ان شاء اللہ وہ اس ممانعت میں داخل نہیں ہوں گی۔

ممانعت کا مقصد یہ ہے کہ کوئی شخص بالوں کو اس سے بچا رہا ہے کہ کہیں نیچے زمین پر نہ لگ جائیں اور مٹی نہ لگ جائے وغیرہ وغیرہ۔ اگر اس مقصد سے جمع کر رہا ہے تو یہ مکروہ ہے کیونکہ حالت صلوٰۃ تذلل ہے، اس میں یہ سمجھنا کہ ہمارے کپڑے خراب ہو جائیں گے، بالوں کو مٹی لگ جائے گی وغیرہ وغیرہ، اس فکر میں زیادہ نہیں رہنا چاہئے۔

(۱۳۹) باب التسبیح والدعاء فی السجود

مسجدوں میں دعا اور تسبیح کا بیان

۸۱۷۔ حدثنا مسدد قال: حدثنا يحيى، عن سفيان قال: حدثنا منصور بن المعتمر عن مسلم، عن مسروق، عن عائشة رضي الله عنها أنها قالت: كان النبي ﷺ يقول في ركوعه وسجوده: ((سبحانك اللهم ربنا وبحمدك، اللهم اغفر لي)). يتأول القرآن. [راجع: ۷۹۴]

”يتأول القرآن“ کا مطلب یہ ہے کہ آپ سجدہ میں جو پڑھتے تھے وہ قرآن مجید کے حکم ”فسبح بحمد ربك واستغفره“ کی تعمیل میں پڑھتے تھے۔

(۱۴۰) باب المکث بین السجدتین

دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے کا بیان

۸۱۸ - حدثنا أبو النعمان قال: حدثنا حماد بن زيد عن أيوب، عن أبي قلابة: أن مالک ابن الحويرث قال لأصحابه: ألا أنبئكم صلاة رسول الله ﷺ؟ قال: وذاك في غير حين صلاة. فقام ثم ركع فكبّر، ثم رفع رأسه، فقام هنيئة ثم سجد، ثم رفع رأسه هنيئة فصلى صلاة عمرو بن سلمة شيخنا هذا. قال أيوب: كان يفعل شيئاً لم أرهم يفعلونه. كان يقعد في الثالثة والرابعة. [راجع: ۶۷۷]

ثم رفع رأسه هنيئة،

مقدار جلسہ بین السجدتین

اس سے امام بخاری رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے کہ جلسہ بین السجدتین معتد بہ ہونا چاہئے۔
امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک اس میں کم از کم ”اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي“ کہنا فرض ہے۔ شافعیہ و مالکیہ کے نزدیک مسنون ہے۔

حنفیہ ذکر جلسہ کو نوافل پر محمول کرتے ہیں، لیکن یہ بات ثابت ہے کہ آپ ﷺ قومہ میں تقریباً رکوع کے بقدر اور جلسہ میں تقریباً سجدے کے بقدر بیٹھتے تھے اور علامہ شامی رحمہ اللہ نے متاخرین سے نقل کیا ہے کہ اگر مقتدیوں پر بھاری نہ گذرے تو فرائض میں بھی جائز ہے۔

لہذا حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ”فیض الباری“ میں فرمایا کہ احناف کو بھی یہ اذکار پڑھ لینے چاہئیں تاکہ قومہ اور جلسہ سنت کے مطابق ہو جائے۔ ۱۳۹

”قال أيوب“: حضرت ایوب نے فرمایا کہ وہ ایک ایسا عمل کرتے تھے جو میں نے کسی اور کو کرتے نہیں دیکھا اور وہ یہ کہ وہ تیسری رکعت میں بیٹھتے تھے یعنی جلسہ استراحت کرتے تھے۔ راوی کو شک ہے کہ ثالثہ کہا یا رابعہ کہا، حالانکہ جلسہ استراحت ثالثہ میں ہی ہوتا ہے رابعہ میں تو نہیں ہوتا اور اس نقطہ نظر سے کہ تیسری رکعت کے ختم اور چوتھی رکعت کے شروع میں ہوتا ہے اس کو کسی راوی نے رابعہ سے تعبیر کر دیا ہوگا۔

۸۲۱ - حدثنا سليمان بن حرب قال: حدثنا حماد بن زيد، عن ثابت، عن أنس

ابن مالک قال: إني لا آلو ان أصلي بكم كما رأيت النبي ﷺ يصلي بنا. قال ثابت: كان أنس يصنع شيئاً لم أركم تصنعونه. كان إذا رفع رأسه من الركوع قام حتى يقول القائل: قد نسي، وبين السجدين حتى يقول القائل: قد نسي. [راجع: ۸۰۰]

یہاں ایک اور بات بتائی کہ وہ ایک ایسا کام کرتے تھے جو تم نہیں کرتے کہ قومہ میں اور جلسہ میں طویل وقفہ دیتے تھے۔

(۱۴۲) باب من استوى قاعد أفى وتر من صلاته ثم نهض

نماز کی طاق رکعت میں سیدھے بیٹھنے، پھر کھڑے ہونے کا بیان

۸۲۳ — حدثنا محمد بن الصباح قال: أخبرنا هشيم قال: أخبرنا خالد الحذاء، عن أبي قلابة قال: أخبرني مالك بن الحويرث الليثي: أنه رأى النبي ﷺ يصلي فإذا كان في وتر من صلاته لم ينهض حتى يستوي قاعداً. ۱۹۵

جلسہ استراحت کا حکم

یہ حدیث جلسہ استراحت کی دلیل ہے، امام شافعی رحمہ اللہ اسی کو اختیار کرتے ہیں اور جلسہ استراحت کو مسنون کہتے ہیں۔

حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ رحمہم اللہ کے نزدیک اصح القولین میں عام حالات میں جلسہ استراحت مسنون نہیں ہے۔ البتہ جائز ہے۔

جمہور کی دلیل ترمذی کی روایت ہے: ”عن أبي هريرة ؓ قال: كان النبي ﷺ ينهض على صدور قدميه“۔

اور یہ روایت بہت سارے آثار صحابہؓ سے مؤید ہے اور وہ آثار صحابہؓ مصنف بن ابی شیبہ اور مصنف عبدالرزاق میں موجود ہیں اور طحاوی رحمہ اللہ نے بھی ان کو روایت کیا ہے۔ ۱۹۶

۱۹۵ ولی سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، باب النهوض في الفرد، رقم: ۷۱۸۔

۱۹۶ سنن الترمذی، کتاب الصلاة، باب منه أيضا، رقم: ۲۸۸، ج: ۲، ص: ۸۰، بیروت، ومصنف ابن ابی شیبہ،

من كان ينهض على صدور قدميه، رقم: ۳۹۷۸-۳۹۸۵، ج: ۱، ص: ۳۳۶، ومصنف عبد الرزاق، باب كيف

النهوض من السجدة الآخرة ومن الركعة الأولى والثانية، رقم: ۲۹۶۶-۲۹۶۹، ج: ۲، ص: ۱۷۹، وشرح معانی

الآثار، باب ما يفعله المصلي بعد رفعه من السجدة الآخرة من الركعة الأولى، ج: ۲، ص: ۳۵۳۔

نعمان بن ابی عیاش جو مشہور تابعی ہیں وہ کہتے ہیں ”اد رکت غیر واحد من الصحابة ينهضون علی صدور اقدامهم“ اور یہی مذہب حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ، حضرت علی ؓ اور حضرت ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ وہ بیٹھتے نہیں تھے، سیدھے کھڑے ہو جاتے تھے۔

ان سب باتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر جلسہ استراحت سنتِ صلوٰۃ ہوتا تو صحابہ کرام ؓ میں متعارف ہوتا، سوائے ایک دو روایات کے کہیں جلسہ استراحت کا ذکر بھی نہیں آیا۔

لہذا جہاں جلسہ استراحت کا ذکر ہے وہ حالتِ عذر پر بھی محمول ہو سکتا ہے کہ جب آپ ﷺ کا جسم مبارک ذرا بھاری ہو گیا تھا اس وقت آپ ﷺ جلسہ استراحت فرمانے لگے تھے، ورنہ فی نفسہ مسنون نہیں، لیکن بہر حال جس درجہ میں جلسہ استراحت ہے وہ جائز ضرور ہے اس لئے اگر آدمی بیٹھ جائے تو نماز درست ہو جائے گی۔ ۱۹۷ اور پیچھے گزر چکا ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس کو بیانِ جواز پر محمول کیا ہے۔

(۱۴۵) باب سنة الجلوس فی التشہد.

تشہد کے لئے بیٹھنے کا طریقہ

”وكانت أم الدرداء تجلس في صلاتها جلسة الرجل، وكانت فقيهة“.

۸۲۷۔ حدثنا عبد الله بن مسلمة، عن مالك، عن عبد الرحمن بن القاسم، عن عبد الله بن عبد الله أنه أخبره: أنه كان يرى عبد الله بن عمر رضي الله تعالى عنهما يتربع في الصلاة إذا جلس، ففعلته وأنا يومئذ حديث السن فنهاني عبد الله بن عمر. قال: إنما سنة الصلاة أن تنصب رجلك اليمنى، وتثنى اليسرى. فقلت: إنك تفعل ذلك؟ فقال: إن رجلى لا تحملانى. ۱۹۸

تشہد میں بیٹھنے کا مسنون طریقہ

اس باب میں تشہد میں بیٹھنے کا مسنون طریقہ بیان کرنا مقصود ہے۔

پہلے حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا کا اثر نقل کیا ہے کہ وہ اپنی نماز میں اسی طرح بیٹھتی تھیں جس طرح

۱۹۷ عمدة القاری، ج: ۴، ص: ۵۶۷.

۱۹۸ وفي سنن النسائي، كتاب الطهريق، باب كيف الجلوس للشهد الاول، رقم: ۱۱۴۵، وسنن أبي داود، كتاب

الصلاة، باب كيف الجلوس في التشهد، رقم: ۸۲۱، وموطأ مالك، كتاب النداء للصلاة، باب العمل في الجلوس

في الصلاة، رقم: ۱۸۷.

مرد بیٹھتا ہے۔ ”وكانت فقیهہ“ اور وہ فقیہہ بھی تھیں۔

اس میں امام بخاری رحمہ اللہ یہ بیان فرمانا چاہ رہے ہیں کہ مرد اور عورت کی ہیئت جلوس میں کوئی فرق نہیں، جو جلوس مرد کے لئے مسنون ہے وہی عورت کے لئے بھی مسنون ہے۔

علامہ عینی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہی سب فقہاء کا مذہب ہے، یہاں تک کہ انہوں نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب بھی اسی کے مطابق بیان کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بھی عورت کی جلوس مرد کی جلوس کی طرح ہے۔

لیکن حنفیہ اور حنابلہ کی فقہ کی کتابوں میں صراحۃً لکھا ہوا ہے کہ عورت توڑک کے ساتھ بیٹھے، مرد کے لئے تو ”نصب الرجل الیمنی وافتراش الیسری والجلوس علی الیسری“ یہ مسنون ہے اور عورت کے لئے توڑک مسنون ہے۔ توڑک کے معنی ہیں دونوں پاؤں دائیں طرف نکال کر بائیں درک پر بیٹھے۔

اعتراض

بہت سے حضرات جن کا مبلغ علم صرف بخاری تک ہی محدود رہتا ہے وہ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ دیکھیں بخاری نے تو یہ روایت کیا ہے ”وكانت أم الدرداء تجلس فی صلاتها جلسة الرجل“ اور حنفی حضرات جو کہتے ہیں کہ عورتوں کے بیٹھنے کے لئے الگ طریقہ ہے اور اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

حنفیہ کے دلائل

ایک تو ابو داؤد کے مراسیل میں روایت ہے کہ عورت کے لئے توڑک کا طریقہ ہے۔ ۱۹۹
دوسرے مصنف بن ابی شیبہ میں متعدد صحابہؓ و تابعینؓ سے یہ بات مروی ہے کہ انہوں نے عورت کے بیٹھنے اور نماز پڑھنے کا طریقہ الگ بیان کیا ہے۔ ۲۰۰

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے ”اعلاء السنن“ میں یہ آثار بیان فرمائے ہیں۔ ۲۰۱
نیز مسند ابو حنیفہؒ میں حضرت ابن عمرؓ کے بارے میں مروی ہے کہ ”أنه سئل كيف كان النساء

۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱ وعندنا: السنة أن يفتريش رجله اليسرى ويجلس عليها وينصب الیمنی نصبا فی القعدتين جميعا وبه لال الثوری، واستدلوا بحديث عائشة فی ”صحیح مسلم“ قالت: كان النبی ﷺ یفتح الصلاة..... إلى أن قالت: وكان يفرش..... الیمنی..... الحديث وأما جلوس المرأة فهو التورك عندنا. صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب ما یجمع صفة الصلاة وما یفتح به ویختم به وصفة الركوع الخ، رقم: ۴۹۸، ج: ۱، ص: ۳۵۷، وعمدة القاری، ج: ۴، ص: ۵۷۲، و اعلاء السنن، ج: ۳، ص: ۴۷، ومسند الطیالسی، ج: ۱، ص: ۲۱۷، رقم: ۱۵۴۷.

یصلین علی عهد رسول اللہ ﷺ قال کن یتربعن ثم أمرن أن يحتفرن“ ۵۲

حنفیہ جو عورت کے لئے تورک کا کہتے ہیں اس کا ثبوت موجود ہے۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ عورتیں رفع یدین بھی اوپر تک نہ کریں، سینے تک کریں ”حدو منکبھا یا حدو صدرھا“ اور سجدہ بھی سمٹ کر کرے اور بیٹھے بھی تورک کے ساتھ۔ ان تینوں اعمال کے بارے میں مصنف ابن ابی شیبہ میں متعدد صحابہؓ و تابعینؓ سے روایات موجود ہے۔ لہذا یہ کہنا کہ حنفی حضرات عورتوں کے لیے جوالگ نماز کا طریقہ بتاتے ہیں اس کا کوئی ثبوت نہیں، یہ بات غلط ہے۔

اُم الدرداء کون؟

جہاں تک حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا کا تعلق ہے بے شک ان کا مذہب تھا کہ وہ مردوں کی طرح بیٹھنے کو درست سمجھتی تھیں لیکن یہ ان احادیث اور آثار کے خلاف حجت نہیں ہے، جو ہم نے پیش کئے ہیں، اس لئے کہ ام الدرداءؓ یہ حضرت ابوالدرداءؓ کی بیوی تھیں۔

حضرت ابوالدرداءؓ کی دو بیویاں تھیں ایک کبریٰؓ ایک صغریٰؓ، کبریٰؓ صحابیہ تھیں اور صغریٰؓ صحابیہ نہیں تھیں، تابعیہ تھیں اور حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہما اللہ نے تحقیق کر کے بتلایا ہے کہ راجح یہ ہے کہ یہ صغریٰؓ ہیں اور صغریٰؓ صحابیہ نہیں تابعیہ ہیں، اس لئے یہ زیادہ سے زیادہ ایک تابعیہ کا عمل ہوا۔

اس کے مقابلے میں حنفیہ نے جن دلائل سے تمسک کیا ہے وہ آثار صحابہؓ ہیں۔ لہذا آثار صحابہؓ کو تابعین کے آثار مقطوعہ پر ترجیح ہوگی۔ ۵۳

(۱۴۶) باب من لم یر التشهد الأول واجبا،

ان کا بیان جنہوں نے پہلے تشهد کو واجب نہیں سمجھا

”لأن النبی ﷺ قام من الركعتین و لم یرجع“.

۸۲۹ — حدثنا أبو الیمان قال: أخبرنا شعيب، عن الزهري، قال: حدثني

عبدالرحمن بن هرمز مولى بنی عبدالمطلب. وقال مرة: مولى ربيعة بن الحارث أن عبد الله بن بحينة وهو من أزد شنوءة وهو حليف لبني عبد مناف، وكان من أصحاب

۵۲. لامع الدراری، ج: ۱، ص: ۳۳۱، ومصنف ابن ابی شیبہ، ج: ۱، ص: ۲۳۲، رقم: ۲۷۸۳.

۵۳. عمدة القاری، ج: ۴، ص: ۵۷۰.

ہر سلام پر اس کی اقتداء کی جائے اور ہمارے ہاں یہی طریقہ ہے اس واسطے کہ جو ارکان نماز میں دو دو ہیں ان میں امام ایک کام کرتا ہے تو مقتدی اس کو کرتا ہے اور پھر دوسرا کرتا ہے تو مقتدی اس کو کرتا ہے۔ سجدے دو ہیں تو یہ نہیں ہوتا کہ امام دو سجدے کرے پھر مقتدی کرے بلکہ ہر ایک کی اقتداء ساتھ ساتھ ہوتی ہے، تو سلام بھی اس سے مستثنیٰ نہ ہونا چاہئے۔

(۱۵۴) باب لم من یرد السلام علی الإمام، واکتفی بتسلیم الصلاة

بعض لوگ نماز میں امام کو سلام کرنے کے قائل نہیں اور نماز کے سلام کو کافی سمجھتے ہیں

۸۳۹۔ حدثنا عبد ان قال: أخبرنا عبد الله قال: أخبرنا معمر الزهري قال: أخبرني محمود بن الربيع، وزعم أنه عقل رسول الله ﷺ وعقل مجة مجها من دلو كان في دارهم. [راجع: ۷۷]

مقصود امام بخاری رحمہ اللہ

اس شخص کے مسلک یا مذہب کی دلیل بیان کرنی منظور ہے جو امام کے سلام کا جواب نہیں دیتے۔ امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک سلام کے بارے میں یہ ہے کہ امام تشہد پڑھ رہا ہے تو اس کے سلام کا طریقہ یہ ہے ”السلام علیکم ورحمة اللہ“ بس ایک سلام ہے یعنی تشہد پڑھ رہا ہے اور جب سلام پر پہنچا تو سامنے ہی کی طرف رخ کر کے کہا ”السلام علیکم ورحمة اللہ“ یہ طریقہ امام کے لئے ہے اور مقتدی تین مرتبہ کہے گا ”السلام علیکم ورحمة اللہ، السلام علیکم ورحمة اللہ، السلام علیکم ورحمة اللہ“ یعنی مقتدی تین سلام کہے گا۔ دائیں بائیں جو سلام ہے وہ دائیں بائیں مقتدیوں کو سلام کرے اور سامنے والا جو سلام ہے وہ امام کو ہے۔ ”السلام علیکم ورحمة اللہ“ جو امام نے کہا تھا اس میں مقتدی بھی شامل تھے۔ اس لئے بیچ کا سلام امام کے سلام کا جواب ہے، البتہ بائیں طرف سلام اس وقت ہوگا جب بائیں طرف کچھ مقتدی موجود ہوں، اگر بائیں طرف مقتدی نہ ہوں تو امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک دو ہی سلام ہونگے۔ ایک دائیں طرف اور دوسرے سامنے امام کے سلام کا جواب۔

امام بخاری رحمہ اللہ اس ترجمۃ الباب سے مالکیہ کے اس قول کی تردید کرنا چاہتے ہیں، یعنی تیسرا سلام جو بیچ میں امام کے جواب میں کہا جائے گا اس کی ضرورت نہیں، بلکہ نماز کے دو سلام کافی ہیں۔

اور بعض حضرات نے اس ترجمۃ الباب کا یہ مقصد بتایا ہے کہ مقتدی ”السلام علیکم“ ہی کہے گا، امام جواب میں ”وعلیکم السلام“ نہیں کہے گا۔

”قال ابن شہاب“ امام زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں ”فاری واللہ اعلم“ میرا گمان یہ ہے واللہ اعلم
 ”ان مکفہ لکی ینفد النساء“ کہ آپ جو تھوڑی دیر بٹھرتے تھے یہ اس لئے کہ عورتیں اٹھ کر چلی جائیں۔
 ”قبل ان یدر کھن من أنصرف من القوم“ قبل اس کے کہ مردوں میں سے وہ لوگ ان کو پائیں جو اٹھ کر
 جانے والے ہیں، یعنی آپ جو تھوڑی دیر اپنی جگہ پر بیٹھے رہتے تھے اس کا ایک منشأ یہ ہوتا تھا کہ عورتیں چلی جائیں
 پھر آپ اٹھیں گے، پھر صحابہ کرام ﷺ اٹھیں گے۔ ورنہ اگر صحابہ بھی اسی وقت اٹھ جاتے تو عورتوں اور مردوں
 میں اختلاط ہوتا اور یہ پسندیدہ نہیں، اس واسطے آپ ایسا کرتے تھے۔

(۱۵۳) باب: یسلم حین یسلم الإمام

جب امام سلام پھیرے تو مقتدی سلام پھیرے

”وکان ابن عمر رضی اللہ عنہما یستحب إذا سلم الإمام أن یسلم من خلفه“.

۸۳۸ — حدثنا حبان بن موسیٰ قال: أخبرنا عبد اللہ قال: أخبرنا معمر عن

الزہری، عن محمود بن الربیع، عن عتبان بن مالک قال: ((صلینا مع النبی ﷺ فسلمنا
 حین سلم))۔ [راجع: ۴۲۴]

ترجمۃ الباب کا منشأ

اس باب کا منشأ یہ ہے کہ مقتدی کو بھی امام کے ساتھ ساتھ سلام پھیرنا چاہئے، زیادہ دیر نہ کرے۔ بعض
 حضرات کہتے ہیں کہ ساتھ ساتھ سلام پھیرنا نہیں چاہئے، بلکہ جب امام فارغ ہو جائے پھر مقتدی کہے ”السلام
 علیکم ورحمۃ اللہ“ زیادہ تر لوگوں کا کہنا یہی ہے کہ امام جب ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ“ کہہ چکے
 تو مقتدی کہے ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ“ اور یہاں یہ کہہ رہے ہیں کہ ساتھ ساتھ کہے اور استدلال
 کر رہے ہیں کہ ”إذا سلم الإمام أن یسلم من خلفه“۔ ”إذا“ تقاضا کرتا ہے کہ امام کا سلام پہلے ہو اور
 مقتدی کا سلام بعد میں، لیکن امام بخاری رحمہ اللہ یہاں اس کو ظرفیت کے معنی میں لے رہے ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ
 جس وقت امام سلام کہے اس وقت مقتدی بھی کہے۔ بس شرط یہ ہے کہ امام سے پہلے نہ ہو، ساتھ ساتھ ہو جائے یا
 بعد میں ہو جائے کوئی مضائقہ نہیں، لیکن زیادہ وقفہ نہیں کرنا چاہئے، اگر التحیات مکمل نہیں ہوئی تو مکمل کرے لیکن
 زیادہ وقفہ نہ کرے۔ اہل عرب میں یہی ہوتا ہے کہ جب امام دونوں سلام پھیر چکے تب مقتدی سلام پھیرتے ہیں۔
 یہاں اس بات کی تصریح نہیں ہے کہ دونوں سلاموں کے بعد سلام پھیرے لیکن قیاس کا مقتضی یہ ہے کہ

۸۳۶ - حدثنا مسلم بن إبراهيم قال: حدثنا هشام، عن يحيى عن أبي سلمة قال: سألت أبا سعيد الخدري فقال: رأيت رسول الله ﷺ يسجد في الماء والطين حتى رأيت أثر الطين في جبهته. [راجع: ۶۶۹]

کہتے ہیں کہ نماز کے اندر اگر پیشانی پر یا ناک پر مٹی لگ گئی تو اس کو زائل کرنے کی فکر نماز کے اندر کرنا یہ پسندیدہ نہیں۔ نماز تذلّل کا وقت ہے۔ ہونا یہ چاہئے کہ مٹی لگ رہی ہے تو لگے یہ تو مصلیٰ کا زیور ہے۔ تو اس کو زائل کرنے کی فکر نہیں کرنی چاہئے۔ آدمی کو یہ چاہئے کہ تذلّل سے نماز پڑھے۔ حضرت افلح ؓ سے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا جب وہ سجدے میں جاتے تو جانے کے وقت پھونک ماتے کہ وہاں جو مٹی لگی ہوئی ہے وہ ہٹ جائے کہ اس جگہ سجدہ کریں تو آنحضرت ﷺ نے منع کیا کہ ”افلح و جھک“ اے افلح! اپنے چہرے کو مٹی لگاؤ، لہذا اس فکر میں پڑنا کہ میری پیشانی پر مٹی لگ گئی، ناک پر مٹی لگ گئی اسے ہٹالوں، یہ ٹھیک نہیں۔ سوال کرنے کا منشاء یہ ہے اور حدیث لائے ہیں۔

حدثنا مسلم بن إبراهيم قال: حدثنا هشام، عن يحيى عن أبي سلمة: قال سألت أبا سعيد الخدري ﷺ فقال: رأيت رسول الله ﷺ يسجد في الماء والطين. کہ حضور اقدس ﷺ نے نماز پڑھی ”فی الماء والطين“ اکیسویں شب میں آپ نے نماز پڑھی اور آپ نے سجدہ فرمایا ”فی الماء والطين“۔

(۱۵۲) باب التسليم

سلام پھیرنے کا بیان

۸۳۷ - حدثنا موسى بن إسماعيل قال: حدثنا إبراهيم بن سعد قال: حدثنا الزهري، عن هند بنت الحارث أن أم سلمة رضي الله عنها قالت: كان رسول الله ﷺ إذا سلم قام النساء حين يقضى تسليمه ومكث يسيراً قبل أن يقوم. قال ابن شهاب: فإرى والله أعلم أن مكثه لكي ينفذ النساء قبل أن يدر كهن من انصرف من القوم. [۸۳۹، ۸۵۰]

یہ ہند بنت حارث کہتی ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ”کان رسول اللہ ﷺ إذا سلم قام النساء حين يقضى تسليمه“ جب آپ ﷺ سلام پھیرتے تو فوراً جو عورتیں پیچھے ہوتی تھیں وہ اٹھ کر چلی جاتی تھیں۔ جب آپ ﷺ اپنا سلام پورا کر چکے ہوتے تھے ”ومكث يسيراً“ اور آپ ﷺ تھوڑی دیر ٹھہرتے تھے ”قبل أن يقوم“ کھڑے ہونے سے پہلے۔

عبداللہ قال: کنا إذا كنا مع النبي ﷺ في الصلاة قلنا: السلام على الله من عباده، السلام على فلان و فلان. فقال النبي ﷺ: ((لا تقولوا: السلام على الله، فإن الله هو السلام. ولكن قولوا: التحيات لله، والصلوات والطيبات، السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته، السلام علينا و على عباد الله الصالحين. فإنكم إذا قلتم ذلك أصاب كل عبد في السماء أو بين السماء والأرض. أشهد أن لا إله إلا الله، وأشهد أن محمد عبده ورسوله. ثم ليتخير من الدعاء أعجبه إليه فيدعوا)). [راجع: ۸۳۱]

کہتے ہیں پھر پسند کرے یعنی جو دعا اس کو زیادہ پسند ہو وہ کرے۔

حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ یا تو ادعیہ ماثورہ میں سے کوئی دعا ہو یا کوئی ایسی دعا ہو جو الفاظ قرآن کے مشابہ ہو، باقی کوئی ایسی دعا نہ ہو جو نہ دعاء ماثورہ ہو اور نہ الفاظ قرآن کے مشابہ ہو، مثلاً ”اللہم زوجنی فلانہ“ وغیرہ تو یہ جائز نہیں۔

لہذا یہ جو عوام میں مشہور ہے کہ ایک ہی دعا مقرر کر لی اور سمجھتے ہیں کہ اس کے علاوہ ہو نہیں سکتی، یہ غلط بات ہے، کوئی بھی دعا پڑھ سکتے ہیں اور ضروری نہیں کہ ایک ہی پڑھی جائے، بہت ساری دعائیں پڑھ سکتے ہیں جیسی چاہو مانگ لو، فرائض میں بھی یہ دعائے ماثورہ پڑھ سکتے ہیں۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ التحیات لبا ہو جائے گا، تو جواب یہ ہے کہ ہونے دو، التحیات تو اتنی ہی ہے جتنی ہے قعود لبا ہو گا تو اس کو ہو جانے دو، البتہ فرائض کے لئے جو امام ہے اس کو نہیں چاہئے کہ لبا کرے بلکہ اس کو جتنا ہو سکے مختصر پڑھنا چاہئے۔ بس دو تین دعائیں پڑھ لے، اس سے زیادہ نہ کرے، لیکن سنئیں یا نقلیں اگر پڑھ رہا ہے تو جتنی چاہے دعائیں پڑھے، کیونکہ اس وقت میں دعا مانگنا یہ بلا اختلاف مسنون ہے بخلاف بعد الصلوٰۃ کے کہ اس میں اختلاف ہے لیکن یہاں بلا اختلاف ہے اس لئے جتنی چاہے دعا مانگو۔ دعا پڑھا مت کرو بلکہ مانگا کرو۔ دعا پڑھنے کی چیز نہیں ہوتی بلکہ مانگنے کی چیز ہوتی ہے کہ اس کو دھیان سے اللہ ﷻ سے مانگو اور دعا کا ذوق پیدا کرو۔ اللہ ﷻ ذوق عطا فرمائے۔ دعا بڑی عجیب چیز ہے۔

(۱۵۱) باب من لم یمسح جبہتہ وأنفہ حتی صلی.

اپنی پیشانی اور ناک نماز ختم کرنے تک نہیں پونچھے

”قال أبو عبد الله: رأيت الحميدي يحتج بهذا الحديث أن لا يمسح

الجبۃ فی الصلاة“.

کے اوپر گویا کہ کسی نے پلستر کر دیا۔ تو اس وجہ سے اس کو مسیح کہا جاتا ہے۔ تو معنی کے لحاظ سے فرق ہے لفظ کے لحاظ سے فرق نہیں ”لیس بینہما فرق و ہما واحد أحدهما عیسیٰ علیہ السلام والآخر دجال“ سے یہ کہنا چاہتے ہیں۔

پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث نقل کی ہے کہ ”سمعت رسول اللہ ﷺ يستعید فی صلوٰتہ من فتنۃ الدجال“ آنحضرت ﷺ دجال سے بچنے کی پناہ مانگتے تھے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں مدتوں پریشان رہا کہ حضور ﷺ دجال سے کیوں پناہ مانگتے تھے، اس لئے کہ آپ کو تو یہ بات پتہ تھی کہ دجال آخری زمانے میں آئے گا اور عیسیٰ علیہ السلام اس کو قتل کریں گے۔ تو آپ کی خیانت میں تو اس کے نکلنے کا کوئی امکان تھا ہی نہیں، تو پھر آپ اس سے کیوں پناہ مانگتے تھے۔

پھر بعد میں شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ایک عجیب بات فرمائی ہے جو پوری طرح سمجھ میں نہیں آئی اور ہم جیسوں کو سمجھ میں آنا ضروری بھی نہیں۔ انہوں نے یہ فرمایا کہ بعد میں مجھے یہ بات پتا لگی کہ دجال جو فتنہ ہے وہ صرف احیا پر ہی اثر انداز نہیں ہوگا بلکہ اموات پر بھی اثر انداز ہوگا، جو لوگ مر چکے ہوں گے اور قبروں میں ہوں گے ان پر بھی اس خبیث کا فتنہ اثر انداز ہوگا کس طرح ہوگا واللہ اعلم۔

تو حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے یہ بہت بڑی بات لکھ دی ہے کہ مرنے والے پر بھی اثر انداز ہوگا۔ اور وہ کہتے ہیں اسی وجہ سے حضور اکرم ﷺ نے اس کے ساتھ ملا کر ذکر کیا ”اللہم انی أعوذ بک من عذاب القبر و أعوذ بک من فتنۃ المسیح الدجال و أعوذ بک من فتنۃ المحیاء و الممات“ تو اس واسطے آپ نے اس سے پناہ مانگی ہے، واللہ اعلم۔ ”مفرم“ کے معنی مقروض ہونا۔

۸۳۴۔ حدثنا قتیبہ بن سعید قال: حدثنا الليث عن يزيد بن أبي حبيب، عن أبي الخير، عن عبد الله ابن عمرو، عن أبي بكر الصديق ﷺ أنه قال لرسول الله ﷺ: علمنی دعاء أدعوبہ فی صلاتی: قال: ((قل: اللہم انی ظلمت نفسی ظلما کثیرا ولا یغفر الذنوب إلا أنت، فاعف عرلی مغفرة من عندک، و ارحمنی انک أنت الغفور الرحیم))۔ [انظر: ۶۳۲۶، ۷۳۸۸]

یہ تشہد کے بعد پڑھنے کی ادعیہ ماثورہ میں سے ہے۔

(۱۵۰) باب ما یتخیر من الدعاء بعد التشہد، ولیس بواجب

جو دعا بھی پسند ہو، تشہد کے بعد پڑھ سکتا ہے اور دعا کا پڑھنا کوئی ضروری چیز نہیں ہے

۸۳۵۔ حدثنا مسدد قال: حدثنا یحییٰ عن الأعمش قال: حدثنی شقیق، عن

کرتے تھے ”السلام علی اللہ من عبادہ“ اللہ پر سلام ہو۔ تو آپ نے فرمایا کہ بھئی! اللہ ﷻ کو کیا سلام بھیجتے ہو، اللہ تو خود سلام ہیں۔ تو ان کو سلامتی کی دعا دینا اور سلامتی بھیجنا یہ بندے کی طرف سے کوئی معنی نہیں، ”ان اللہ هو السلام“ بعد از سلام اس طرح مت کہا کرو۔

”فاذا صلى أحدكم فليقل التحيات لله والصلوات والطيبات، السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين فإنكم اذ قلتموها اصابك كل عبد الله صالح في السماء والأرض“
یہ دعا آسمان وزمین کے ہر عبد صالح کو پہنچ جائے گی۔ ”أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمداً عبده ورسوله“۔

تشہد کی یہ تفصیل فرمائی۔

ترجمہ الباب پر سوال

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس روایت میں کہیں یہ مذکور نہیں کہ یہ تشہد آپ نے آخری رکعت میں بتایا مگر امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمہ الباب بنایا ”باب التشهد في الآخر“۔
لیکن حدیث میں کہیں رکعت اخیرہ کا ذکر نہیں ہے۔

جواب: یہی حدیث دوبارہ آگے آرہی ہے ”باب ما يتخير من الدعاء“ وہاں آخر میں یہ ہے: ”ثم يتخير من الدعاء اعجبه إليه فيدعو“
کہ اس کے بعد دعا کرو اور دعا آخری رکعت میں ہوتی ہے، لہذا اس سے مراد آخری رکعت ہی ہے۔

(۱۴۹) باب الدعاء قبل السلام

سلام پھیرنے سے پہلے دعا کرنے کا بیان

۸۳۲۔ حدثنا أبو اليمان قال: أخبرنا شعيب عن الزهري قال: أخبرنا عروة بن الزبير عن عائشة أخبرته أن رسول الله ﷺ كان يدعو في الصلاة:

((اللهم إني أعوذ بك من عذاب القبر، وأعوذ بك من فتنة المسيح الدجال، وأعوذ بك من فتنة المحيا وفتنة الممات. اللهم إني أعوذ بك من المائم والمغرم)).

عبداللہ: کنا إذا صلينا خلف رسول الله ﷺ قلنا: السلام على جبريل و ميكائيل، السلام على فلان و فلان. فالتفت إلينا رسول الله ﷺ فقال: ((إن الله هو السلام. فإذا صلي أحدكم فليقل: التحيات لله، والصلوات والطيبات، السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته، السلام علينا، و على عباد الله الصالحين. فإنكم إذا قلتموها أصابت كل عبد لله صالح في السماء والأرض. أشهد أن لا إله إلا الله. وأشهد أن محمدا عبده ورسوله)). [أنظر: ۸۳۵، ۱۲۰۲، ۶۲۳۰، ۶۲۶۵، ۶۳۲۸، ۳۸۱، ۲۰۵]

آخری تشهد کا حکم

اس باب کا مقصد آخری تشهد کا حکم بتانا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک تعدہ اخیرہ تو رکن ہے، مگر اس میں تشهد پڑھنا واجب ہے۔

امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک تشهد بھی رکن صلاۃ ہے۔

اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں تشهد سنت ہیں لیکن ان کے نزدیک سنن مؤکدہ کے ترک سے بھی سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے۔ ۲۰۶

چونکہ فقہاء کے درمیان اس مسئلے میں اختلاف تھا، اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب میں کسی متعین حکم پر جزم نہیں کیا، بلکہ ”باب التشهد فی الآخرة“ کہنے پر اکتفا فرمایا۔

یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم جب نبی کریم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، تو یہ کہتے تھے کہ ”السلام علی جبرئیل و میکائیل، السلام علی فلان و فلان“ فرشتوں کا نام لے کر ان پر سلام بھیجا کرتے تھے تو رسول اللہ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا ”إن الله هو السلام“ آگے آ رہا ہے ”باب ما يتخير من الدعاء والتشهد“ اس میں یہی حدیث دوبارہ آرہی ہے۔ اس میں ہے کہ ہم یوں کہا

۲۰۵۔ وفي صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب التشهد في الصلاة، رقم: ۶۰۹، وسنن الترمذی، كتاب الصلاة، باب ماجاء في التشهد، رقم: ۲۶۶، وكتاب النكاح عن رسول الله، باب ماجاء في خطبة النكاح، رقم: ۱۰۲۳، وسنن النسائی، كتاب التطبيق، باب كيف التشهد الاول، ۱۱۵۰، وكتاب السهو، باب تخيير الدعاء بعد الصلاة على النبي، رقم: ۱۲۸۱، وسنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب التشهد، رقم: ۸۲۵، وسنن ابن ماجه، كتاب القامة الصلاة والسنة فيها، باب ماجاء في التشهد، رقم: ۸۸۹، ومسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، باب مسند عبد الله بن مسعود، رقم: ۳۳۸۱، ۳۶۸۳، ۳۹۶۳، ۴۰۷۸، ۴۱۹۰، وسنن الدارمی، كتاب الصلاة، باب في التشهد، رقم: ۱۳۰۶.

۲۰۶۔ لامع الدراری، ج: ۱، ص: ۳۳۲.

نہیں ہوتی، البتہ سجدہ سہو واجب ہوتا ہے اور اگر جان بوجھ کر چھوڑ دیا اور سجدہ سہو بھی چھوڑ دیا تو اعادہ واجب ہے۔ تو جس طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے وہ استدلال حنفیہ کے خلاف نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ یہ جو مثال رکوع اور سجدے کی دی ہے تو رکوع اور سجدہ رکن ہے، فرض ہے اس کے چھوڑنے سے اعادہ واجب ہے یعنی اس رکن کا اعادہ نماز میں ضروری ہے اور محض سجدہ سہو کافی نہیں، ہم ایسا رکن تشہد کو نہیں مانتے بلکہ کہتے ہیں کہ واجب ہے، لہذا اگر کوئی غلطی سے چھوڑ دے تو آخر میں سجدہ سہو کر لے تو تلافی ہو جائے گی۔ عدم وجوب پر دلیل اس وقت بنتی جب یہ ثابت ہوتا کہ نبی کریم ﷺ نے چھوڑا اور سجدہ سہو نہیں کیا۔ جب سجدہ سہو ثابت ہے تو پھر دلیل نہیں بنتی۔

اب حدیث یہ روایت کرتے ہیں کہ:

”حدثنا أبو الیمان..... أن عبد الله ابن بحينة وهو من أزد شنوة وهو حليف

لبني عبد مناف الخ“.

عبد اللہ ابن نحسینہ یہ پہلے بزر چکا ہے کہ نحسینہ ان کی والدہ کا نام ہے اور والدہ کی طرف منسوب ہے اسی واسطے ابن کا ہمزہ لکھا ہوا ہے (اگر باپ کی طرف منسوب ہو تو ابن کا ہمزہ نہیں لکھا جاتا) اور اسی واسطے ان کو کہا جاتا ہے عبد اللہ بن مالک ابن نحسینہ تو یہ قبیلہ ازد شنوہ سے تعلق رکھتے ہیں ”وہو حلیف لبني عبد مناف“.

(۱۴۷) باب التشهد في الأولى

پہلے قعدہ میں تشہد پڑھنے کا بیان

۸۳۰۔ حدثنا قتیبہ بن سعید قال: حدثنا بکر، عن جعفر بن ربيعة، عن الأعرج،

عن عبد الله بن مالك ابن بحينة قال: صلى بنا رسول الله ﷺ الظهر، فقام وعليه جلوس،

فلما كان في آخر صلاته سجد سجدتين وهو جالس. [راجع: ۸۲۹]

پہلے باب میں مقصود تشہد اول کی رکعت کی نفی تھی، اس باب میں مقصد یہ حکم ثابت کرنا ہے کہ تشہد اس درجے میں مشروع ہے کہ اس کے ترک سے سجدہ سہو لازم آتا ہے۔

(۱۴۸) باب التشهد في الآخرة

آخری قعدہ میں تشہد پڑھنے کا بیان

۸۳۱۔ حدثنا أبو نعيم قال: حدثنا الأعمش عن شقيق بن سلمة قال: قال

النبي ﷺ: أن النبي ﷺ صلى بهم الظهر، فقام في الركعتين الأوليين لم يجلس، فقام الناس معه، حتى إذا قضى الصلاة، وانتظر الناس تسليمه كبر وهو جالس، فسجد سجدتين قبل أن يسلم ثم سلم. [أنظر: ۸۳۰، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۳۰، ۶۶۷۰] ۵۴

مقصود بخاری رحمہ اللہ

اس باب میں ان لوگوں کی دلیل بیان کرنا مقصود ہے جو قعدہ اولیٰ میں بیٹھ کر تشہد پڑھنے کو واجب نہیں سمجھتے، ان لوگوں کی دلیل کا خلاصہ وہ حدیث ہے جو آگے آرہی ہے اس میں نبی کریم ﷺ قعدہ اولیٰ کو بھول گئے تھے اور تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہو گئے، تو آپ ﷺ نے اسی طرح نماز پوری کی اور آخر میں سجدہ سہو کر لیا۔

استدلال بخاری رحمہ اللہ

امام بخاری رحمہ اللہ استدلال اس طرح کر رہے ہیں کہ اگر تشہد واجب ہوتا تو آپ سجدہ سہو پر اکتفا نہ کرتے بلکہ واپس لوٹ کر آتے اور قعدے کو ادا کرتے، جیسے اگر کوئی شخص رکوع چھوڑ دے یا سجدہ چھوڑ دے تو محض سجدہ سہو کرنے سے اس کی تلائی نہیں ہوتی، جب تک کہ اس کا اعادہ نہ کرے۔ اسی طرح قعدہ اولیٰ اگر واجب ہوتا تو آپ ﷺ اس کا اعادہ فرماتے اور محض سجدہ سہو پر اکتفا نہ فرماتے۔ حدیث میں ”إِلَّا النَّبِيُّ ﷺ قَامَ مِنَ الرُّكْعَتَيْنِ وَلَمْ يَرْجِعْ“ کا یہی مطلب ہے۔

حنفیہ کا مسلک

حنفیہ کے ہاں قعدہ اولیٰ بھی واجب ہے اور تشہد پڑھنا بھی واجب ہے، لیکن واجب حنفیہ کی اپنی اصطلاح کے مطابق ہے، فرض نہیں ہے۔ حنفیہ کے ہاں دونوں اصطلاحات الگ الگ ہیں اور دونوں کا حکم جدا جدا ہے۔ قعدہ اولیٰ ہو یا تشہد، ہو فرض نہیں بلکہ واجب ہے اور واجب کا حکم یہ ہے کہ اس کے ترک سے نماز باطل

۵۴۔ وفی صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب النهی عن البصاق فی المسجد فی الصلاة وغیرها، رقم: ۸۸۵، وسنن الترمذی، کتاب الصلاة، باب ماجاء فی سجدتی السهو قبل التسليم، رقم: ۳۵۶، وسنن النسائی، کتاب التطبيق، باب ترک التشهد الأول، رقم: ۱۱۶۴، وکتاب السهو، باب ما یفعل من قام من اثنتین ناسیا ولم یتشهد، رقم: ۱۲۰۷، وسنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب من قام من ثنتين ولم یتشهد، رقم: ۸۷۱، وسنن ابن ماجه، کتاب إقامة الصلاة والسنة فیها، باب ماجاء فیمن قام من اثنتین ساهیا، رقم: ۱۱۹۷، ومسنند احمد، باقی مسند الأنصار، باب حدیث عبد اللہ بن مالک بن بحینہ، رقم: ۲۱۸۵۱، وموطأ مالک، کتاب النداء للصلاة، باب من قام بعد الإتمام أو فی الركعتین، رقم: ۲۰۲، وسنن الدارمی، کتاب الصلاة، باب إذا کان فی الصلاة نقصان، رقم: ۱۴۶۱۔

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے یہ مطلب بتایا ہے کہ مقتدی کا سلام کرتے وقت امام کی نیت کرنا ضروری نہیں۔ اور اس میں روایت نقل کی محمود بن ربیع کی یہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں اور ان کا خیال یہ ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حالت سجدہ میں دیکھا ہے ”زعم انه عقل“ کے معنی ہیں سجدہ کی حالت میں دیکھا ہے ”وعقل مجہا من دلو“ اور ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ڈول سے جو ان کے گھر میں تھا ایک کلی کرنا یاد ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے تھے اور ان کے ڈول سے پانی لے کر خود ان کے اوپر کلی کی تھی۔ ”کتاب العلم“ میں یہ بات گزری ہے۔ تو وہ کہنا یہ چاہ رہے ہیں کہ ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ یاد ہے۔ اب آگے حدیث:

۸۴۰۔ قال : سمعت عتبان بن مالک الأنصاری، ثم أحد بنی سالم قال : ((كنت أصلي لقومي بنی سالم، فأتيت النبي صلی اللہ علیہ وسلم فقلت: إني أنكرت بصرى وإن السيول تحول بيني وبين مسجد قومي، فلو ددت أنك جئت فصليت في بيتي مكانا أتخذه مسجدا فقال : ((أفعل إن شاء الله)) فغدا على رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وأبو بكر معه بعد ما اشتد النهار . فاستاذن النبي صلی اللہ علیہ وسلم فأذنت له فلم يجلس حتى قال : ((أين تحب أن أصلي من بيتك؟)) فأشار إليه من المكان الذي أحب أن يصلي فيه. فقام فصصفنا خلفه ثم سلم وسلمنا حين سلم. [راجع: ۴۲۴]

یہ حدیث عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کی نقل کی ہے جس میں انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ میں مسجد نہیں آسکتا، لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں آکر نماز پڑھادیں، تو اس میں آخر میں یہ ہے کہ ”ثم سلم وسلمنا حين سلم“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کیا تو پھر ہم نے بھی سلام کیا تو اس میں امام کے سلام کا جواب دینے کا تو کوئی ذکر نہیں۔ اس لئے امام مالک رحمہ اللہ کے مسلک کی تردید ہوگئی۔

(۱۵۵) باب الذکر بعد الصلوٰۃ

نماز کے بعد ذکر کا بیان

۸۴۱۔ حدثنا إسحاق بن نصر قال: حدثنا عبد الرزاق قال: أخبرنا ابن جريج قال: أخبرني عمرو أن أبا معبد مولى ابن عباس أخبره أن ابن عباس رضي الله عنهما أخبره: أن رفع الصوت بالذكر حين ينصرف الناس من المكتوبة كان على عهد رسول

اللہ ﷻ۔ وقال ابن عباس: كنت أعلم إذا انصرفوا بذلك إذا سمعته. [أنظر: ۸۴۲] ۵۸
یہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ”ان رفع الصوت بالذکر“ بلند آواز سے ذکر کرنا اس وقت جب کہ لوگ نماز فرض سے فارغ ہوں یہ امر نبی کریم ﷺ کے ہاں تھا بلکہ آگے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”كنت أعلم إذا انصرفوا بذلك إذا سمعته“ کہ میں صحابہ کے فارغ ہونے کو اسی سے پہچانتا تھا یعنی ”رفع الصوت بالذکر“ سے، یعنی اگر باہر سے آ رہا ہوں تو ذکر کی آواز آتی تھی تو میں سمجھتا تھا کہ نماز ختم ہو گئی۔

تو علماء محققین نے یہ فرمایا ہے کہ یہ ”رفع الصوت بالذکر“ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں احیاناً ہوا ہے، لیکن عام معمول نہیں تھا اور بعد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے بھی اس کو اختیار نہیں کیا اور یہی وجہ ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ یہ فرما رہے ہیں کہ یہ امر حضور ﷺ کے زمانے میں ہوا کرتا تھا یعنی اس وقت نہیں ہے جس وقت دوسروں کو کہہ رہے ہیں۔

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے بعض حضرات نے ذکر جہر بعد الصلاة کے استحباب پر استدلال کیا ہے۔ ان حضرات میں نمایاں ترین ابن حزم ہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو تعلیم پر محمول کیا ہے کہ شروع میں لوگوں کو بتانے کے لئے کہ کیا پڑھنا چاہئے جہر فرمایا، یہ دائمی معمول نہ تھا اور علامہ ابن بطل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”أصحاب المذاهب المتبعة وغيرهم متفقون على عدم استحباب رفع الصوت بالتكبير والذكر حاشا ابن حزم“ علامہ عینی رحمہ اللہ نے ابن بطل رحمہ اللہ کی یہ عبارت نقل کی ہے۔ ابن بطل رحمہ اللہ کی مطبوعہ شرح بخاری میں یہ عبارت نہیں، البتہ مفہوم موجود ہے کہ ”لم أجد أحداً من الفقهاء من يقول بشئ من هذا الحديث إلا ما ذكره ابن حبيب في الواضحة قال يستحب التكبير في العساكر والبعوث.“ ۵۹

دلیل اس کی یہ ہے کہ یہ بات براہین کلیہ قطعیہ سے ثابت ہے کہ ذکر اور دعا میں افضلیت اخفا کی ہے ”ادعوا ربكم تضرعاً وخفية“ اور ”خير الدعاء خفي“ تو افضلیت اخفا کی ہے۔ اگرچہ ذکر بالجہر جائز ہے ناجائز نہیں لیکن افضل نہیں، افضل ذکر خفی ہے۔ اب بعض عوارض کی وجہ سے اگر ذکر بالجہر کو اختیار کیا جائے تو وہ ایک ابدی حکم نہیں بلکہ ایک عارضی حکم ہے اور اس کی وجہ سے نہ تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ ذکر بالجہر ناجائز ہے اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ افضل ہے اور قابل تقلید ہے۔

۵۸ وفی صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب الذکر بعد الصلاة، رقم: ۹۱۹، وسنن أبی داؤد، کتاب

الصلاة، باب التكبير بعد الصلاة، رقم: ۸۵۱، ومسند أحمد، ومن مسند بنی ہاشم، باب باقی المسند السابق، رقم: ۳۲۹۸.

۵۹ ابن بطل، ج: ۲، ص: ۴۵۸، وعمدة القاری، ج: ۴، ص: ۶۰۵.

ذکر خفی کی افضلیت

ذکر خفی ہمارے بزرگوں نے اختیار کیا ہے، اول تو اس وجہ سے کہ ذکر میں خفا ہی اولیٰ اور افضل ہے اور دوسرے اس وجہ سے کہ وہ ”ابعد عن الخطرات“ ہے بخلاف ذکر جہر کے کہ اس میں خطرات ہیں: خطرہ اس میں ”عجب“ کا بھی ہے اور ریا کا بھی ہے اور خطرہ اس میں بدعت کا بھی ہے، اگر ذکر بالجہر کو افضل سمجھ کر کوئی پڑھنے لگے تو بدعت ہے تو یہ خطرات ہیں۔

ان خطرات کی وجہ سے ہمارے بزرگوں نے ذکر خفی کو ترجیح دی بنسبت ذکر جہر کے، یہاں تک کہ عام حالات میں بھی کہا کہ خفی ہونا چاہئے البتہ اگر اس میں ریا اور عجب نہ ہو، اس کی افضلیت کا اعتقاد نہ ہو، تو جائز ہے۔

۸۴۲۔ حدثنا علی بن عبد اللہ قال: حدثنا سفیان قال: حدثنا عمرو قال: أخبرني أبو معبد، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: كنت أعرف انقضاء صلاة النبي ﷺ بالتكبير قال علي حدثنا سفیان، عن عمرو قال كان أبو معبد أصدق موالی ابن عباس قال علی واسمه نافذ. [راجع: ۸۴۱]

تکرار روایت کی وجہ

یہ وہی روایت ہے لیکن اس میں ایک نکتہ ہے آخر میں فرمایا ”قال علی حدثنا سفیان عن عمرو“ اس کے کہنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ یہ روایت عمرو بن دینار نے ابو معبد سے نقل کی ہے۔ ابو معبد نے سنایا اور بعض روایتوں میں یہ بھی آتا ہے کہ عمرو بن دینار نے یہ بھی کہا کہ ابو معبد نے یہ حدیث سنائی تھی لیکن بعد میں کسی واقعہ میں میں نے ابو معبد سے کہا کہ آپ نے مجھے یہ حدیث سنائی تھی تو انہوں نے کہا کہ میں نے تو نہیں سنائی تھی بعد میں انہوں نے انکار کر دیا تو یہ مسئلہ پیدا ہو گیا کہ اگر مروی عنہ روایت کا انکار کرے، تو وہ روایت قابل قبول ہے کہ نہیں۔

مروی عنہ اپنی روایت کا انکار کرے تو اس کا حکم

قول فیصل اس بات میں ہے کہ اگر مروی عنہ نے بصیغہ جزم انکار کیا کہ خبردار میری طرف منسوب مت کرنا، میں نے نہیں سنائی ہے اور میں ہرگز اس کو اپنی طرف منسوب کرنے کے لئے تیار نہیں ہو، تب تو اس کا روایت کرنا بھی جائز نہیں اور وہ روایت بھی مقبول نہیں لیکن اگر اس نے بصیغہ جزم انکار نہیں کیا بلکہ یہ کہا کہ مجھے یاد نہیں آ رہا، ہو سکتا ہے کہ میں نے تم کو سنایا ہو۔

اس میں بعض فقہاء کہتے ہیں کہ روایت مقبول ہے اور یہ کہا جائے گا کہ مروی عنہ سنانے کے بعد بھول گیا، بشرطیکہ راوی ثقہ ہو۔ مگر اس صورت میں مروی عنہ جب آگے روایت کرے گا تو اس شاگرد سے روایت کرے گا۔ یہ حدیث آپ ترمذی میں پڑھیں گے ”حدثنی علی بن مجاہد عنی“ کہ علی بن مجاہد نے مجھے یہ حدیث سنائی خود مجھ سے ”وہو عندی ثقہ، لیکن اگر راوی خود ثقہ نہیں ہے تو پھر اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی یہی مسلک اختیار کیا کہ باوجود یہ کہ حضرت معبد نے انکار کر دیا مگر عمرو بن دینار کو خوب یاد ہے تو وہ روایت قبول ہوگی، کیونکہ عمرو بن دینار بڑے زبردست امام ہیں ان کی وثاقت پر اتفاق ہے تو فرمایا کہ ”قال علی“ علی بن مدینی کہتے ہیں کہ ”حدثنا سفیان عن عمرو“ اور عمرو بن دینار کہتے ہیں ”قال کان أبو معبد أصدق موالي بن عباس“ ابو معبد حضرت عبداللہ بن عباس کے موالی میں سب سے زیادہ سچے آدمی تھے ”قال علی واسمہ نافذ“۔

۸۴۳۔ حدثنا محمد بن أبي بكر قال: حدثنا معتمر، عن عبيد الله، عن سمی، عن أبي صالح عن أبي هريرة ؓ قال: جاء الفقراء إلى النبي ﷺ فقالوا: ذهب أهل الدثور من الأموال بالدرجات العلی والنعم المقیم، يصلون كما نصلى، و يصومون كما نصوم. ولهم فضل أموال يحجون بها، و يعتمرون، و يجاهدون، و يتصدقون. فقال: ((ألا أحدنكم بما إن أخذتم به أدر كنتم من سبقكم ولم يدرككم أحد بعدكم و كنتم خير من أنتم بین ظهرانیهم إلا من عمل مثله تسبحون، و تحمدون و تكبرون خلف كل صلاة ثلاثا و ثلاثین))، فاختلفنا بیننا، فقال بعضنا: نسبح ثلاثا و ثلاثین، و نحمد ثلاثا و ثلاثین، و نكبر أربعاً و ثلاثین. فرجعت إلیه، فقال: ((تقول سبحان الله و الحمد لله و الله اكبر، حتى يكون منهن كلهن ثلاثا و ثلاثین)). [أنظر: ۶۳۲۹]

۸۴۴۔ حدثنا محمد بن يوسف قال: حدثنا سفیان عن عبد الملك بن عمير، عن و راد كاتب للمغيرة بن شعبة قال: أملی علی المغيرة فی كتاب إلى معاوية أن النبي ﷺ كان يقول فی دهر كل صلاة مكتوبة: ((لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد، وهو علی كل شئ قدير، اللهم لا مانع لما أعطيت، ولا معطى لما منعت، ولا ينفع ذا الجدم منك الجد)). و قال شعبة عن عبد الملك بن عمير بهذا. و قال الحسن: جد: غنى. عن الحكم، عن القاسم بن مخيمرة، عن و راد بهذا. [أنظر: ۱۴۷۷، ۲۳۰۸، ۵۹۷۵، ۶۳۳۰، ۶۴۷۳، ۶۶۱۵، ۷۲۹۲]

”جَدُّ: غَنِيٌّ“ جد کے معنی نصیب کے ہوتے ہیں، مراد ہے بے نیاز ہونا، مال والا ہونا۔ ”لا ینفع

ذالجد منك الجدد“ جد کے معنی اصل میں آتے ہیں نصیب اور ”ذوالجد“ کے معنی ہوئے صاحب نصیب، کوئی صاحب نصیب مالدار مراد ہے۔ کوئی مالدار آدمی کسی مالدار آدمی کو نفع نہیں پہنچا سکتا، اس کا مال۔ ”منك“ کا مطلب ہے، ”علی الرغم“ یعنی آپ اس کو عذاب دینا چاہتے ہیں اور کوئی شخص عذاب کی بدولت اس عذاب سے نجات پالے یہ نہیں ہو سکتا۔ ”لا ینفع ذالجد منك الجدد“۔

(۱۵۶) باب : یستقبل الإمام الناس إذا سلم

امام لوگوں کی طرف منہ کر لے جب سلام پھیر لے

۸۴۵۔ حدثنا موسى بن إسماعيل قال: حدثنا جرير بن حازم قال: حدثنا أبو رجاء، عن سمرة بن جندب قال: كان النبي ﷺ إذا صلى صلاة أقبل علينا بوجهه. [أنظر: ۱۱۳۳، ۱۳۸۶، ۲۰۸۵، ۲۷۹۱، ۳۶۳۲، ۳۳۵۳، ۴۶۷۴، ۶۰۹۶، ۷۰۴۷]

۸۴۶۔ حدثنا عبد الله بن مسلمة، عن مالك عن صالح بن كيسان، عن عبيد الله بن عبد الله بن عتبة بن مسعود، عن زيد بن خالد الجهني أنه قال: صلى لنا النبي ﷺ صلاة الصبح بالحديبية على إثر سماء كانت من الليل، فلما انصرف أقبل على الناس فقال: ((هل تدرون ما ذا قال ربكم؟)) قالوا: الله ورسوله أعلم. قال: ((أصبح من عبادي مؤمن بي وكافر. فأما من قال: مطرونا بفضل الله ورحمته فذلك مؤمن بي كافر بالكوكب. وأما من قال: بنوء كذا وكذا، فذلك كافر بي ومؤمن بالكوكب)). [أنظر: ۱۰۳۸، ۱۰۳۷، ۴۱۳، ۷۵۰۳]

بعد السلام امام کو کیا کہنا چاہئے

یہ باب قائم کیا ہے کہ امام کو چاہئے کہ جب وہ سلام پھیرے تو لوگوں کی طرف رخ کر کے بیٹھے اور سرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی حدیث لائے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب نماز پڑھتے تو ”اقبل علينا بوجهه“ ہماری طرف رخ ۱۰۔ ولی صحیح مسلم، کتاب الإيمان، باب بیان کفر من قال مطرونا بالنوء، رقم: ۱۰۴، وسنن النسائی، کتاب الاستسقاء، باب کراهية الاستمطار بالكوكب، رقم: ۱۵۰۸، وسنن أبي داود، کتاب الطب، باب فی النجوم، رقم: ۳۴۰۷، ومسند احمد، ومسند الشاميين، باب بقية حديث زيد بن خالد الجهني عن النبي، رقم: ۱۶۳۴، وموطأ مالك، کتاب النداء للصلاة، باب الاستمطار بالنجوم، رقم: ۴۰۵۔

پھیر لیتے تھے۔ اور اگلی حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

حنفیہ کا موقف اس باب میں یہ ہے کہ امام کو نماز کے بعد اپنی اسی ہیئت پر زیادہ دیر بیٹھنا مناسب نہیں، جس ہیئت پر وہ نماز سے فارغ ہوا۔ زیادہ سے زیادہ اتنا بیٹھ جائے کہ ”اللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَ مِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكَتْ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ“ یہ پڑھے اور ”اللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مَعْطٰی لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ“ اتنا پڑھ لو۔ اس سے زیادہ اس ہیئت پر بیٹھنا مناسب نہیں یا تو کھڑا ہو کر سنتیں شروع کرے اور اگر وہ نہیں پڑھتا تو پھر امام کو چاہئے کہ مقتدیوں کی طرف رخ کر کے اور پھر جو کرنا ہے کرے۔

اختلاف ائمہ

حنفیہ کے ہاں عمل اس پر ہے کہ جن نمازوں میں فرائض کے بعد سنتیں ہیں ان میں تو امام کھڑا ہو کر سنتوں میں مشغول ہو جائے اور مقتدیوں کی طرف رخ کر کے نہ بیٹھے، لیکن جن نمازوں کے بعد سنتیں نہیں ہے جیسے عصر اور فجر تو اس میں مقتدیوں کی طرف رخ کر کے بیٹھنا چاہئے۔^{۱۱۲} حنابلہ اور غیر مقلدین وہ پانچوں نمازوں میں مقتدیوں کی طرف رخ کر کے بیٹھتے ہیں اور اس کو ضروری سمجھتے ہیں اور حدیث باب سے استدلال کرتے ہیں ”اِذَا صَلَّى صَلَاةً اَقْبَلَ عَلَيْنَا بَوَّجْهَهُ“۔

حنفیہ کی طرف سے جواب

حنفیہ کا کہنا یہ ہے کہ نمازوں میں دونوں باتیں ثابت ہیں۔ بعض جگہ پر یہ بات ثابت ہے کہ ”اَقْبَلَ بَوَّجْهَهُ“، یعنی مصلین کا استقبال کیا اور بعض جگہ یہ ثابت ہے کہ فوراً اٹھ کر کھڑے ہو گئے یا تو چلے گئے یا وہیں پر نماز شروع کر دی اور مقتدیوں کا استقبال نہیں کیا۔

ال۱۲، وقال أبو حنيفة: كل صلاة يتنفل بعدها يقوم، وما لا يتنفل بعدها كالعصر والصبح فهو مخير، وهو قول أبي مجلز: لا حق بن أبي حميد. وقال أبو محمد من المالكية: يتنفل في الصلوات كلها ليحقق المأموم أنه لم يبق عليه شيء من سجود السهو ولا غيره، وحكى الشيخ قطب الدين الحلبي في (شرح) هكذا: عن محمد بن الحسن، وذكره ابن التين أيضا، وذكر ابن أبي شيبة عن ابن مسعود وعائشة، رضي الله تعالى عنهما، قال: ((كان النبي ﷺ إذا سلم لم يقعد إلا مقدار ما يقول: اللهم أنت السلام ومنك السلام..... وقال ابن مسعود أيضا: كان النبي ﷺ إذا قضى صلاحة انتقل سرى إما أن يقوم وإما أن ينحرف الخ، عمدة القاري، ج: ۴، ص: ۶۲۲، ومصنف ابن أبي شيبة، من كان يسحب إذا سلم أن يقوم أو ينحرف، رقم: ۳۰۸۰ - ۳۰۹۴، ج: ۱، ص: ۲۶۸.

علامہ عینی رحمہ اللہ نے مصنف ابن ابی شیبہ کے حوالے سے صحابہ کرام ؓ کے بہت سارے آثار نقل کئے ہیں کہ سب صحابہ کرام ؓ کا معمول یہ تھا کہ وہ سلام پھیرتے ہی کھڑے ہو جاتے اور نمازیوں کا استقبال نہیں کرتے تھے۔ تو یہ بھی ثابت ہے اور وہ بھی ثابت ہے۔ ۱۱

قول فیصل

اصل بات یہ ہے کہ زیادہ دیر اس ہیئت پر بیٹھنا تو مناسب نہیں یا تو سنتوں کے لئے جلدی کھڑا ہو جائے یا چلا جائے اور گھر جا کر سنتیں پڑھے، یا اگر لمبا بیٹھنا ہے تو پھر مقتدیوں کی طرف رخ کر کے بیٹھے۔

دوسری حدیث جس میں یہ آتا ہے کہ آپ رخ کر کے بیٹھے۔ زید بن خالد جہنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

”صلی لنا النبی ﷺ صلاة الصبح بالحدیبیۃ“.

حدیبیہ میں آپ ﷺ نے فجر کی نماز پڑھائی ”علی اثر سماء کانت من اللیل“ ایک بارش کے

بعد نماز پڑھائی جو رات کے وقت میں ہوئی تھی۔

”سماء“ سے مراد یہاں بارش ہے۔

”فلما انصرف اقبل علی الناس“ جب فارغ ہوئے تو لوگوں کی طرف توجہ ہوئے۔

اور فرمایا:

”هل تدرون ماذا قال ربکم عزوجل؟ قالوا: اللہ ورسوله اعلم. قال اصبح من

عبادی مؤمن بی و کافر“.

کہ آج کی صبح میرے بندوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو مجھ پر ایمان لائے اور کچھ ایسے ہیں جنہوں نے

مجھ سے انکار کیا۔

”فاما من قال مطرنا بفضل اللہ ورحمته“ جس شخص نے یہ کہا کہ اللہ کی رحمت سے ہمارے

اوپر بارش ہوئی۔

تو ”فلذاک مؤمن بی و کافر بالکوکب“ تو وہ مجھ پر ایمان لایا اور اس نے کواکب

(ستاروں) کا انکار کیا اور جس شخص نے یہ کہا کہ ”مطرنا بنوء کذا و کذا“ کہ ہمارے اوپر بارش ہوئی

فلاں ستارے کی وجہ سے۔ تو اس نے مجھ سے کفر کیا اور کوکب پر ایمان لایا۔

اہل عرب کے ہاں عقیدہ تھا کہ فلاں ستارہ طلوع ہو تو وہ بارش کی علت ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے اس کی

تردید فرمائی اور حکمہ موسیات کا کردار اس میں داخل نہیں کیونکہ حکمہ موسیات صرف علامت بتاتا ہے کہ علامتیں

ایسی ہیں کہ اس میں بارش ہونے کی توقع ہے یا نہیں۔ اس کا تعلق اس سے نہیں ہے کہ فلاں ستارہ بارش کی علت

ہے۔ یہ اہل عرب جو تھے وہ ستارے کو بارش کی علت تامہ مانتے تھے اور علامات سے اندازہ لگانا کہ بھائی آثار ایسے ہو رہے ہیں تو یہ پیشین گوئی اس میں داخل نہیں۔

”السلام علیک“ کی توجیہ

تشہد میں کہا جاتا ہے ”السلام علیک ایہا النبی ورحمة اللہ و برکاتہ“ تو اس میں نبی کریم ﷺ کے لئے صیغہ خطاب ہے، دوسری طرف علماء دیوبند ”الصلاة والسلام علیک یا رسول اللہ“ کہنے سے منع کرتے ہیں۔

یہ سمجھ لینا چاہئے کہ تشہد میں جمہور کا راجح قول یہی ہے کہ تشہد کے ساتھ ”السلام علیک ایہا النبی“ اسی صیغہ کے ساتھ پڑھنا ضروری ہے۔ شروع میں بعض صحابہ اور تابعین سے منقول ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے پاس ”السلام علیک ایہا النبی“ کے بجائے ”السلام علی النبی“ تشہد میں پڑھتے تھے۔ یعنی صیغہ خطاب سے عدول کرتے تھے اور صیغہ غائب کا استعمال کرتے تھے ”السلام علی النبی“ لیکن یہ شاذ اقوال ہیں، جمہور امت نے اس پر عمل نہیں کیا۔

اب اس پر تقریباً اجماع ہے کہ تشہد میں ”السلام علیک ایہا النبی“ ہی پڑھنا چاہئے اور اس پر مستزاد یہ کہ فقہاء کرام نے فرمایا اگرچہ یہ التحیات کے الفاظ معراج کے موقع پر منقول ہیں کہ جب اللہ ﷻ کی بارگاہ میں حضور اقدس ﷺ کی حاضری ہوئی تو حضور ﷺ نے فرمایا:

”التحيات لله والصلوات والطيبات“.

تو اللہ ﷻ نے فرمایا:

”التحيات ايها النبي ورحمة الله وبركاته“.

پھر حضور نے فرمایا:

”السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين“.

تو یہ ”السلام علیک ایہا النبی“.

یہ درحقیقت اللہ ﷻ نے حضور اقدس ﷺ سے فرمایا تھا، لیکن اب جس وقت ہم التحیات میں یہ جملہ پڑھیں گے تو یہ تصور کریں گے کہ ہم آنحضرت ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں۔

رہا یہ سوال کہ پھر عام طور سے علماء دیوبند ”الصلاة والسلام علیک یا رسول اللہ“ کہنے سے کیوں منع کرتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اب ان الفاظ کے ساتھ ایک غلط عقیدہ منسلک ہو گیا ہے اور وہ یہ کہ آنحضرت ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ اس لئے اس فاسد عقیدے سے یا اس کی تائید سے یا اس کی مشابہت

سے بچنے کے لئے اس سے منع کیا جاتا ہے، اور تشہد میں جو سلام ہے اس میں صیغہ نداء مجاز ہے کہ آپ ﷺ کا ذہن میں تصور کر کے سلام عرض کیا جاتا ہے، یہ عقیدہ نہیں ہوتا کہ آپ ﷺ حاضر و ناظر ہیں یا اس موقع پر تشریف لاتے ہیں۔ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے ”البحر الرائق“ میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔^{۱۳}

(۱۵۷) باب مکث الإمام فی مصلاہ بعد السلام

امام کا سلام کے بعد اپنے مصلے پر ٹھہرنے کا بیان

۸۳۸۔ وقال لنا آدم: حدثنا شعبة، عن أيوب، عن نافع قال: كان ابن عمر يصلی فی مکانہ الذی صلی فیہ فریضة و فعلہ القاسم. و یذکر عن أبی ہریرة رفعہ: ((لا یتطوع الإمام فی مکانہ))، ولم یصح.

امام سنتیں کہاں پڑھے

”باب مکث الإمام فی مصلاہ بعد السلام“ امام کا سلام کے بعد اپنے مصلی پر ٹھہرے رہنا۔ یہ مسئلہ پیچھے گزر چکا ہے کہ نماز کے بعد اگر امام کو بیٹھنا ہو تو اس صورت میں مقتدیوں کی طرف رخ کر کے بیٹھنا چاہئے اور اگر بیٹھنا نہیں ہے بلکہ سنتیں پڑھنی ہیں تو پھر جلدی سے سنتوں کے لئے کھڑا ہو جانا چاہئے۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا سنتیں اسی جگہ پر پڑھیں جہاں فرض ادا کئے تھے یا اس سے ہٹ کر پڑھیں؟

حنفیہ اور دیگر فقہاء کا مسلک

حنفیہ کا مسلک یہ ہے اور دوسرے فقہاء بھی یہی فرماتے ہیں کہ جس جگہ فرض ادا کئے ہیں وہاں سے کچھ ہٹ جانا چاہئے، خاص طور سے امام ہٹ جائے۔ امام کو چاہئے کہ جہاں اس نے فرض پڑھائے ہیں ٹھیک اسی جگہ سنتیں پڑھنے کے لئے نہ کھڑا ہو بلکہ پیچھے آجائے، آگے بڑھ جائے یا دائیں بائیں تھوڑا سا فرض والی جگہ سے ہٹ جائے۔ اس پر دلیل یہ پیش کی کہ ابو داؤد اور ابن ماجہ میں حدیث آئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”یعجز أحدکم أن یزول عن مکانہ بعد ما یصلی“ کیا تم لوگ اس بات سے عاجز ہو جاتے ہو کہ نماز پڑھنے کے بعد اپنی جگہ سے ہٹ جاؤ، ایسا نہیں ہونا چاہئے یعنی عاجز نہیں ہونا چاہئے بلکہ اپنی جگہ سے ہٹ کر سنتیں پڑھنا چاہئے۔

۱۳ والحقمة فی أن العبد یسئل اللہ تعالیٰ أن یصلی ولا یصلی بنفسه مع أنه مأمور بالصلاة قصوره عن القيام بهذا الحق كما ينبغي فالمراد من الصلاة فی الآیة سؤالها فالمصلی فی الحقيقة هو اللہ تعالیٰ ونسبتها إلى العبد مجاز.

البحر الرائق، ج: ۱، ص: ۳۲۹.

امام بخاری رحمہ اللہ نے آگے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا اثر نقل کیا ہے ”کان ابن عمر یصلی فی مکانہ الذی صلی فیہ فریضة“ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اسی جگہ نماز پڑھتے تھے جہاں انہوں نے فرض نماز پڑھی، یعنی اپنی جگہ سے سنتوں کے لئے نہیں ہٹتے تھے۔

علامہ عینی رحمہ اللہ نے مصنف بن ابی شیبہ کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا اثر نقل فرمایا ہے کہ امام کے لئے وہ بھی یہی کہتے تھے کہ اس کو اپنی جگہ سے ہٹ جانا چاہئے۔ لہذا ان کا یہ عمل اس صورت میں ہے جب وہ امام نہیں ہوتے تھے بلکہ مقتدی ہوتے تھے۔^[۱۴]

”فعلة القاسم“ اور قاسم بن محمد نے بھی ایسا ہی کیا یعنی اُسی جگہ نماز پڑھی جہاں فرض پڑھتے تھے۔

”و یذکر عن أبی ہریرۃ رفعہ: لا یتطوع الإمام فی مکانہ“۔

اور حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک مرفوع روایت ہے کہ امام کو اپنی جگہ میں تطوع نہیں پڑھنا چاہئے۔ لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو صحیح قرار نہیں دیا لیکن دوسرے حضرات نے فرمایا کہ اگرچہ صحیح کے اصطلاحی معیار پر نہ ہو لیکن تعدد شواہد کی وجہ سے قابل استدلال ضرور ہے۔

۸۴۹- حدثنا أبو الولید قال: حدثنا إبراهيم بن سعد قال: حدثنا الزهري، عن هند بنت الحارث، عن أم سلمة: أن النبي ﷺ كان إذا سلم يمكث في مكانه يسيراً. قال ابن شهاب: فترى. والله أعلم. لکی ینفذ من ینصرف من النساء. [راجع: ۸۷۳]

یہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت نقل کی ہے کہ ”ان النبی ﷺ کان إذا سلم یمکث فی مکانہ یسیراً“ آپ ﷺ جب سلام پھیرتے تو تھوڑی دیر اپنی جگہ پر ٹھہرتے تھے۔ آگے فرمایا:

”قال ابن شهاب: فترى والله أعلم. لکی ینفذ من ینصرف من النساء“۔

آپ ﷺ کے ٹھہرنے کی وجہ یہ ہوتی تھی واللہ اعلم کہ جانے والی عورتیں نکل جائیں۔ یہ پیچھے بھی آیا ہے کہ عورتیں چلی جائیں اور مرد بعد میں جائیں تاکہ مردوں اور عورتوں کا اختلاط لازم نہ آئے۔

۸۵۰- وقال ابن أبی مریم: أخبرنا نافع بن یزید قال: حدثني جعفر بن

ربیعة أن ابن شهاب كتب إليه قال: حدثني هند بنت الحارث الفراسية، عن أم

^[۱۴] ثم أعلم أن الجمهور على أن الإمام لا يتطوع في مكانه الذي صلى فيه الفريضة، وذكر ابن أبي شيبة عن علي

رضي الله تعالى عنه: لا يتطوع الإمام حتى يتحول من مكانه أو يفصل بينهما بكلام، وكره ابن عمر للإمام ولم ير به

بأساً بالغيره، وعن عبد الله بن عمر ومثله، عمدة القاری، ج: ۴، ص: ۶۲۳، ومصنف ابن أبي شيبة، من كره للإمام أن

يتطوع من مكانه، رقم: ۶۰۲۱، ج: ۲، ص: ۲۳.

سلمة زوج النبی ﷺ وكانت من صواحباتها قالت: كان يسلم فينصرف النساء فيدخلن بيوتهن من قبل أن ينصرف رسول الله ﷺ وقال ابن وهب، عن يونس، عن ابن شهاب: أخبرني هند الفراسية. وقال عثمان بن عمر: أخبرنا يونس عن الزهري: حدثني هند القرشية. وقال الزبيدي: أخبرني الزهري أن هنداً بنت الحارث القرشية أخبرته وكانت تحت معبد بن المقداد وهو حليف بني زهرة وكانت تدخل على أزواج النبی ﷺ. وقال شعيب: عن الزهري: حدثني هند القرشية. وقال ابن أبي عتيق: عن الزهري، عن هند الفراسية. وقال الليث: حدثني يحيى بن سعيد: حدثه ابن شهاب عن امرأة من قريش، حدثته عن النبی ﷺ. [راجع: ۸۳۷]

”وقال ابن أبي مريم..... حدثني هند ابنة الحارث الفراسية“ جو خاتون حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نقل کر رہی ہیں، ان کا نام ہند بنت حارث ہے، لیکن ان کے قبیلہ کے بارے میں راویوں میں اختلاف ہے۔

بعض نے کہا ”فراسیہ“ ہے اور بعض نے کہا ”قرشیہ“ ہے۔
امام بخاری رحمہ اللہ نے وہ اختلاف نقل کیا ہے کہ دونوں روایات صحیح ہیں یعنی ”فراسیہ“ والی بھی اور ”قرشیہ“ والی بھی۔

بعض نے اس طرح تطبیق دی ہے کہ ”فراسیہ“ کا نسب بھی قریش سے ملتا ہے اور دونوں بنو کنانہ سے تعلق رکھتے ہیں، لہذا یہ ”فراسیہ“ بھی تھیں اور ”قرشیہ“ بھی تھیں۔

بعض نے کہا کہ ”فراسیہ“ اور ”قرشیہ“ دونوں جمع تو نہیں ہوتے، لیکن یہ نسب کے اعتبار سے ”قرشیہ“ تھیں اور موالات کے اعتبار سے ”فراسیہ“ تھیں یا اس کے برعکس، اس واسطے دونوں طرح کہنا درست ہے۔ ”قرشیہ“ بھی کہہ سکتے ہیں اور ”فراسیہ“ بھی کہہ سکتے ہیں۔

(۱۵۸) باب من صلی بالناس فذكر حاجة فتخطاهم.

نماز پڑھا چکنے کے بعد اگر کسی کو اپنی ضرورت یاد آئے تو لوگوں کو پھاندتا ہوا چلا جائے

۸۵۱ - حدثنا محمد بن عبيد قال: حدثنا عيسى بن يونس، عن عمر بن سعيد

قال: أخبرني ابن أبي مليكة، عن عقبة قال: صليت وراء النبي ﷺ بالمدينة العصر فسلم فقام مسرعاً فتخطى رقاب الناس إلى بعض حجر نسائه، ففرغ الناس من سرعتهم فخرج

عليهم فرأى أنهم عجبوا من سرعتيه، فقال: ((ذكرت شيئاً من تبر عندنا فكرهت أن يحسني، فأمرت بقسمته)). [أنظر: ۱۲۲۱، ۱۳۳۰، ۶۲۷۵، ۷۱۵]

حضرت عقبہ بن الحارث ؓ فرماتے ہیں میں نے نبی کریم ﷺ کے پیچھے عصر کی نماز پڑھی، آپ ﷺ نے سلام پھیرا اور جلدی سے کھڑے ہو کر لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے اپنی ازواج مطہرات میں سے کسی کے حجرے کی طرف تشریف لے گئے۔

ترجمة الباب کا مقصد

اس ترجمۃ الباب کا منشا یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہے اور اس کو کوئی حاجت پیش آجائے جس کی وجہ سے وہ جلدی سے گردنیں پھلانگ کر چلا جائے تو یہ جائز ہے۔

”ففزع الناس من سرعتيه“ آپ ﷺ کے جلدی تشریف لے جانے کی وجہ سے لوگ گھبرا گئے۔

”فخرج عيهم“ بعد میں واپس تشریف لائے ”فرأى أنهم عجبوا من سرعتيه“ دیکھا کہ لوگ آپ کے جلدی تشریف لے جانے پر تعجب کر رہے ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا ”ذكرت شيئاً من تبر عندنا“ مجھے یاد آ گیا کہ ہمارے گھر میں کچھ سونا پڑا ہوا ہے ”فكرهت أن يحسني“ میں نے اس بات کو ناپسند سمجھا کہ کہیں ایسا نہ ہو وہ مجھے روک ڈالے۔

”يحسني“ کے معنی یہ ہیں کہ میری توجہ اس کی طرف مشغول ہو جائے اور میں اپنے ذکر و فکر سے رہ جاؤں، گھر میں رہ گیا تو دل اس کی طرف لگا رہے گا اور اللہ ﷻ کی فکر سے غافل ہوگا، ”فأمرت بقسمته“ میں نے اس کو تقسیم کرنے کا حکم دیا کہ اس کو تقسیم کر دو، فلاں کو دے دو۔
غور کیجیے! تھوڑا سا سونا بھی اس وجہ سے گھر میں رکھنا گوارا نہیں کیا۔

۸۵۴ - حدثنا عبد الله بن محمد قال: حدثنا أبو عاصم قال: أخبرنا ابن جريج قال: أخبرني عطاء قال: سمعت جابر بن عبد الله قال: قال النبي ﷺ: ((من أكل من هذه الشجرة. يريد الثوم. فلا يغشانا في مسجدنا)). قلت: ما يعني به؟ قال: ما أراه يعني إلا نيته. وقال مخرم بن يزيد: عن ابن جريج: إلا نته. [أنظر: ۸۵۵، ۵۴۵۲، ۷۳۵۹]
”قال: ما أراه يعني إلا نيته“

میرا گمان یہ ہے کہ آپ ﷺ کی مراد یہ تھی کہ کچا پیاز یا کچا لہسن کھا کر آنا درست نہیں ہے، کیونکہ اس سے

۱۵ وفی سنن النسائی، کتاب السهو، باب الرخصة للإمام فی تغطی رقاب الناس، رقم: ۱۳۳۸، ومسند أحمد،

اول مسند المدینین اجمعین، باب حدیث عقبہ بن الحارث، رقم: ۱۵۶۲۵، ۱۸۶۱۱.

بدبو بھیتی ہے، اگر پکا ہوا ہو تو پھر مضا لقمہ نہیں۔

۸۵۵۔ حدثنا سعيد بن عفیر قال: حدثنا ابن وهب، عن يونس، عن ابن شهاب: زعم عطاء أن جابر بن عبد الله زعم أن النبي ﷺ قال: ((من أكل ثوماً أو بصلاً فليعتزلنا، أو فليعتزل مسجدنا أو ليقعد في بيته)). وأن النبي ﷺ أتى بقدر فيه خضرات من بقول فوجد لها ريحاً فسأل فأخبر بما فيها من البقول فقال: ((قربوها))، إلى بعض أصحابه كان معه، فلما رآه كره أكلها قال: ((كل لاني أنا جى من لا تناجى)). [راجع: ۸۵۳، ۸۵۴] وقال احمد بن صالح عن ابن وهب أنى بدير، قال ابن وهب: يعنى طبقا فيه خضرات. ولم يذكر الليث وأبو صفوان عن يونس قصة القدر، فلا أدري هو من قول الزهرى أو فى الحديث.

ایذاء مسلم سے بچنے کا اہتمام

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”من أكل ثوماً أو بصلاً فليعتزلنا، أو فليعتزل مسجدنا أو ليقعد في بيته“.

ایسا آدمی جماعت سے الگ رہے، کیونکہ اس سے دوسرے لوگوں کو تکلیف پہنچے گی۔

یہی سے فقہاء کرام نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ جو شخص ایسی حالت میں ہو کہ اس سے بدبو آ رہی ہو اور لوگوں کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو، زخم کی بدبو ہو، منہ کی بدبو ہو یا مجذوم ہو، ایسے شخص کے لئے مسجد میں آنا جائز نہیں ہے۔ لہذا اس پر واجب ہے کہ مسجد میں آنے کے بجائے گھر میں نماز پڑھے۔

اس سے اندازہ لگائیں کہ شریعت نے اس بات کا کتنا اہتمام کیا ہے کہ اپنی ذات سے کسی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے، مسجد میں جا کر باجماعت نماز پڑھنے کی جتنی فضیلت ہے وہ کسی پر مخفی نہیں لیکن دوسروں کو تکلیف سے بچانے کے لئے نہ صرف یہ کہا کہ ترک جماعت کا عذر ہے بلکہ فرمایا کہ اس کے لئے مسجد میں آنا جائز نہیں۔ آگے فرمایا:

”أن النبي ﷺ أتى بقدر...“ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک دیگ لائی گئی جس میں کچھ سبزیاں تھیں، ساگ وغیرہ۔

”فوجد لها ريحاً“ آپ ﷺ نے اس سے بدبو محسوس فرمائی، ”فسأل“ آپ نے پوچھا، قصہ کیا ہے؟ بدبو کیوں آرہی ہے؟

”فأخبر بما فيها من البقول“.

آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ اس میں فلاں فلاں سبزیاں ہیں۔
 ”فقال: قرّبوا هالي بعض أصحابه كان معه.“
 فرمایا یہ ان بعض صحابہ ﷺ کو دے دو جو آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔
 ”فلما رآه كره أكلها“.

جب حضور ﷺ نے دیکھا کہ وہ صحابی بھی اس کو پسند نہیں کر رہے ہیں اور کھانے سے پرہیز کر رہے ہیں،
 کیونکہ حضور ﷺ نے اس میں بومسوس کی اور پسند نہیں فرمایا تو آپ نے فرمایا ”مٹل“ تم کھا لو۔
 ”فأتى انا جى من لا تناجى“ کیونکہ میں ایسی ذات سے سرگوشی کرتا ہوں جس سے تم سرگوشی نہیں
 کرتے، یعنی یا تو اللہ ﷻ سے یا ملائکہ کے واسطے سے اللہ ﷻ سے، لہذا اگر میں کھاؤں تو منہ سے بدبو آئے گی اور
 یہ اچھا نہیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ابھی پیچھے گزرا ہے کہ پیاز اور لہسن اگر پکے ہوئے ہوں تو پھر کوئی مضائقہ
 نہیں، کچے میں خرابی ہے اور یہاں تو ”قدر“ یعنی دیگ لائی گئی تھی، جس سے معلوم ہوا کہ پکا ہوا تھا، پھر آپ
 ﷺ نے اس کو کیوں ناپسند فرمایا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یا تو وہ دیگ پکی ہوئی نہیں ہوگی۔ بعض اوقات ویسے ہی کچی دیگ لے آتے تھے
 اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اچھی طرح بھونی نہ گئی ہو جس کی وجہ سے بو برقرار ہو۔
 اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں وہ بومراد ہو جو بہت ساری ترکاریاں بنا لینے سے عجیب و غریب بو پیدا ہو
 جاتی ہے، جس کی وجہ سے منع فرمایا۔

(۱۶۱) باب وضوء الصبيان و متى يجب عليهم الغسل

والطهور: و حضورهم الجماعة والعیدین والجنائز، و صفوفہم؟
 بچوں کے وضو کرنے کا بیان اور ان پر غسل اور طہارت اور جماعت میں اور عیدین
 میں اور جنازوں میں حاضر ہونا کب واجب ہے؟ اور ان کی صفوں کا بیان

بچوں سے متعلق مسائل

اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے بچوں سے متعلق بہت سارے مسائل جمع کر دیئے ہیں، بچوں کا
 وضو اور غسل، طہارت اور بچوں کا جماعت اور عیدین و جنازہ میں آنا اور ان کی صف کا حکم۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب تک بچے بالغ نہ ہوں اس وقت تک بچے مکلف نہیں ہوتے لیکن ان کے اولیاء مکلف ہیں کہ ان کو عادت ڈلوائیں، وضو کروائیں، نماز پڑھوائیں اور صف میں بھی پیچھے کھڑا کریں، اگر اکیلا بچہ ہو تو ایک کنارہ پر کھڑا کر دیں۔

بچوں کو صف میں کھڑا کرنا

اب مفتی بہ قول یہ ہے کہ بچوں کو پیچھے کھڑے نہ کریں، ورنہ وہ بہت شرارت کرتے ہیں، لہذا ان کو صفوں میں دائیں، بائیں کھڑا کیا جائے تاکہ وہ شرارت کر کے نماز خراب نہ کریں۔ علامہ رافعیؒ نے یہ فتویٰ دیا ہے۔ اور جماعت اور عیدین میں سات سال سے زیادہ کے بچوں کو لانا ٹھیک ہے لیکن اس طرح کہ لوگوں کو پریشان نہ کرے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے بچوں سے متعلق بہت ساری احادیث یہاں جمع کی ہیں، جن میں سے بیشتر وہ ہیں جو پہلے کہیں نہ کہیں گزر چکی ہیں۔

۸۵۷۔ حدثنا ابن المثنی قال: حدثني غندر قال: حدثنا شعبه قال: سمعت سليمان الشيباني قال: سمعت الشعبي قال: أخبرني من مر مع النبي ﷺ على قبر منبوذ فأمهم و صفوا عليه فقلت: يا أبا عمرو من حدثك؟ فقال: ابن عباس. [أنظر: ۱۲۴۷، ۱۳۱۹، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۶، ۱۳۳۶، ۱۳۴۰]

اس حدیث کے لانے کا منشا یہ ہے کہ جب پوچھا کہ آپ کو یہ حدیث کس نے سنائی ہے؟ کہا ابن عباس نے۔ معلوم ہوا کہ جس وقت آپ ﷺ نے قبر کے اوپر امامت فرمائی تھی اس وقت ابن عباس رضی اللہ عنہ موجود تھے اور وہ بچے تھے۔

۸۵۸۔ حدثنا علي بن عبد الله قال: حدثنا سفيان قال: حدثني صفوان بن سليم، عن عطاء بن يسار، عن أبي سعيد الخدري عن النبي ﷺ قال: ((الفسل يوم الجمعة واجب على كل محتلم)). [أنظر: ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۹۵، ۲۶۶۵]

اس سے پتہ چلا کہ غسل بچوں پر واجب نہیں۔

۸۵۹۔ حدثنا علي بن عبد الله قال: أخبرنا سفيان عن عمرو قال: أخبرني كريب، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: بت عند خالتي ميمونة ليلة فنام النبي ﷺ، فلما كان في بعض الليل قام رسول الله ﷺ فتوضأ من شن معلق وضوء اخفيا، يخففه عمرو و يقلله جدا. ثم قال يصلي فقامت فتوضأت نحو ما توضأ.

ثم جئت فقممت عن يساره و فحولني فجعلني عن يمينه . ثم صلى ما شاء الله . ثم اضطجع فنام حتى نفخ . فأتاه المنادي يؤذنه بالصلاة ، فقام معه إلى الصلاة فصلى ولم يتوضأ . قلنا لعمرؤ : إن ناسا يقولون : إن النبي ﷺ تنام عينه ولا ينام قلبه . قال عمرو : سمعت عبيد بن عمير يقول : إن رؤيا الأنبياء وحى ثم قرأ : ﴿ إِنِّي أَرَى فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ ﴾ [الصافات : ۱۰۲] . [راجع : ۱۱۷]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچوں کا وضو کرنا مشروع ہے، کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی طرح وضو کیا۔

۸۶۱ - حدثنا عبد الله بن مسلمة، عن مالك، عن ابن شهاب، عن عبيد الله بن عبد الله بن عتبة، عن ابن عباس رضي الله عنهما أنه قال: أقبلت راکبا على حمار أتان وأنا يومئذ قد ناهزت الإحتمام و رسول الله ﷺ يصلي بالناس بمنى إلى غير جدار، فمررت بين يدي بعض الصف فنزلت وأرسلت الأتان ترتع و دخلت في الصف فلم ينكر ذلك علي أحد. [راجع : ۷۶]

”أتان“ مَوْنُث ہے۔ گدھی کو کہتے ہیں، اس کا ذکر ”حمار“ ہے۔

۸۶۲ - حدثنا أبو اليمان قال: أخبرنا شعيب، عن الزهري قال: أخبرني عروة بن الزبير أن عائشة قالت: أعتم النبي ﷺ . وقال عياش: حدثنا عبد الأعلى قال: حدثنا معمر، عن الزهري، عن عروة، عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: أعتم رسول الله ﷺ في العشاء حتى نادى عمر. قد نام النساء والصبيان. فخرج رسول الله ﷺ فقال: ((إنه ليس أحد من أهل الأرض يصلي هذه الصلاة غيركم)) ولم يكن أحد يومئذ يصلي غير أهل المدينة. [راجع : ۵۶۶]

یہ حدیث اس لئے لائے ہیں کہ اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا ”قد نام النساء والصبيان“ معلوم ہوا کہ جماعت میں بچے بھی موجود تھے۔

۸۶۳ - حدثنا عمرو بن علي قال: حدثنا يحيى قال: حدثنا سفيان قال: حدثني عبد الرحمن بن عابس: سمعت ابن عباس رضي الله عنهما قال له رجل: شهدت الخروج مع رسول الله ﷺ وقال: نعم ، ولولا مكاني منه ما شهدته ، يعني من صغره ، أتى العلم الذي عند دار كثير بن الصلت ثم خطب ثم أتى النساء فوعظهن وذكرهن وأمرهن أن يتصدقن ، فجعلت المرأة تهوى بيدها إلى خلقها تلقى في ثوب بلال، ثم أتى هو و بلال

البیت. [راجع: ۹۸]

یہ حضرت عبدالرحمن بن عباس کی روایت ہے فرماتے ہیں، ”سمعت ابن عباس رضی اللہ عنہما“ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا۔

”قال له رجل: شهدت الخروج مع رسول الله ﷺ؟“ خروج سے عید کی نماز کے لئے خروج مراد ہے یعنی جب حضور ﷺ عید کے لئے نکلے تو کیا اس وقت آپ ساتھ موجود تھے؟

”قال: نعم“ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہاں۔

”ولو لا مکانی منه ما شهدت“ یعنی ”من صغره“ اگر میرا حضور ﷺ کے ساتھ قرب کا وہ مرتبہ نہ ہوتا جو تھا تو میں چھوٹا ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ کے ساتھ شامل نہ ہوتا۔

مطلب یہ ہے کہ میں اس وقت اتنا چھوٹا تھا کہ بظاہر حضور ﷺ کے ساتھ جانے کا کوئی سوال نہیں، اتنی کم عمر کے بچوں کو حضور ﷺ اپنے ساتھ نہیں لے کر جاتے تھے، لیکن چونکہ آنحضرت ﷺ مجھ سے محبت فرماتے تھے اور میں آپ ﷺ کے ساتھ قرب کا ایک خاص مقام رکھتا تھا، اس واسطے آپ ﷺ نے مجھے ساتھ رکھنا گوارا فرمایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس جملے کی کئی تفسیریں کی گئی ہیں لیکن میرے خیال میں یہ تفسیر راجح ہے جو ذکر کی ہے۔

آگے فرماتے ہیں:

”أنى العلم الذى عند دار كثير بن الصلت“ آپ ﷺ اس نشان کے پاس آئے جو ”کثیر بن الصلت“ کے گھر کے پاس تھا۔

علم، مینار کو بھی کہتے ہیں اور کوئی خاص واضح اور نمایاں عمارت ہو اس کو بھی کہتے ہیں۔ ”ثم خطب ثم أتى النساء“ پھر عورتوں کے پاس تشریف لائے۔

”فوعظهن و ذكرن“ ان کو وعظ و نصیحت فرمائی ”وامرهن أن يتصدقن“ اور ان کو صدقے کا حکم دیا، ”فجعلت المرأة تهوى بيداها الى حلقها“ تو ایک عورت اپنے ہاتھوں کو حلق تک لے جاتی تھی ”تلقى في ثوب بلال“ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے کپڑے میں ڈال دیتی تھی، یعنی اپنے ہاتھ حلق کی طرف لے جاتی اور جو زیور ہوتا وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے کپڑے میں ڈال دیتی۔

”ثم أتى هو و بلال البیت“ یہاں ”بیت“ سے بیت اللہ مراد نہیں ہے، بلکہ آنحضرت ﷺ کا اپنا گھر مراد ہے۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ حدیث کتاب العیدین میں ”باب العلم بالمصلى“ کے تحت نکالی ہے، وہاں یہ الفاظ ہیں ”ثم انطلق هو و بلال الى بيعة“۔

۸۶۹ - حدثنا عبد الله بن يوسف قال : أخبرنا مالك ، عن يحيى بن سعيد ، عن عمرة بنت عبد الرحمن عن عائشة رضي الله عنها قالت : لو أدرك النبي ﷺ ما أحدث النساء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بني إسرائيل . قلت لعمرة : أو منعن ؟ قالت : نعم . ۱۶

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اگر رسول اللہ ﷺ وہ بات پالیتے جو اب عورتوں نے پیدا کی ہے تو ”لمنعھن المسجد“ تو آپ ﷺ ان کو مسجد آنے سے روک دیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتوں کو روکا گیا تھا۔

”قلت لعمرة“: میں نے عمرہ سے کہا، کیا ان کو روک دیا گیا تھا؟

”قالت: نعم“ انہوں نے کہا: ہاں۔

پیچھے جتنی حدیثیں گزری ہیں، ان سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں خواتین مسجد میں آکر نماز پڑھا کرتی تھیں اور ان کی صف مردوں کی صف کے پیچھے ہوا کرتی تھی۔

عورتوں کا مسجد میں بغرض جماعت آنا

اس میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اگر اللہ کی بندیاں تم سے نماز پڑھنے کی اجازت چاہیں تو اجازت دے دو، لیکن بعد میں حضرت فاروق اعظم ﷺ نے منع کر دیا کہ اب عورتیں نہ آیا کریں اور حضرت فاروق اعظم ﷺ کا یہ عمل صحابہ کرام ﷺ کی موجودگی میں ہوا اور صحابہ ﷺ میں سے کسی نے اس پر نکیر نہیں فرمائی بلکہ تائید فرمائی، یہاں تک کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ ارشاد جو ماقبل میں ہے کہ جو باتیں عورتوں نے آج اختیار کر رکھی ہیں اگر حضور اقدس ﷺ ان کو دیکھ لیتے تو ان کو مسجد سے اسی طرح روکتے جس طرح بنی اسرائیل کی عورتوں کو روکا گیا تھا۔

اس ارشاد کے مطابق گویا حضرت فاروق ﷺ نے جو کچھ کیا وہ حضور ﷺ کی منشا کے عین مطابق تھا۔ ۲۱۷

۲۱۶ - وفي صحيح مسلم ، كتاب الصلاة ، باب خروج النساء إلى المساجد إذا لم يعترتب عليه فتنه ، رقم : ۶۷۶ ، وسنن أبي داود ، كتاب الصلاة ، باب التشديد في ذلك ، رقم : ۳۸۲ ، ومسند احمد ، باقي مسند الانصار ، باب حديث السيدة عائشة ، رقم : ۲۳۳۶۱ ، ۲۳۳۳۲ ، ۲۳۷۹۰ ، وموطأ مالك ، كتاب النداء في الصلاة ، باب ماجاء في خروج النساء إلى المساجد ، رقم : ۳۸۱ .

۲۱۷ - راجع للتفصيل : عمدة القاری ، ج : ۴ ، ص : ۶۷۷ ، ومصنف ابن أبي شيبة ، من كره ذلك ، رقم : ۷۶۱۳ - ۷۶۲۱ ، ج : ۲ ، ص : ۲۵۶ .

بنی اسرائیل کی عورتوں نے یہ حرکت شروع کر دی تھی جیسا کہ ”کتاب الحيض“ کے شروع میں واقعہ گزرا ہے کہ انہوں نے مسجدوں میں جا کر مردوں کو فتنہ میں ڈالنا شروع کر دیا تھا جس کی وجہ سے ان کو روک دیا گیا۔ ۲۱۸

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس دور کے بارے میں فرما رہی ہیں کہ عورتوں میں تغیر پیدا ہو گیا جبکہ حضور اقدس ﷺ کو دنیا سے تشریف لے جانے کے ابھی چھ سال بھی نہیں ہوئے تھے، وہ تغیر کس قسم کا تھا؟ میں سمجھتا ہوں وہ تغیر دو قسم کا واقع ہوا تھا۔

ایک تو یہ کہ حضور اقدس ﷺ کے زمانہ مبارک میں عام طور سے خواتین اندھیرے والی نمازوں میں مساجد میں جایا کرتی تھیں جیسے مغرب، عشاء یا فجر کی نماز۔ دوسری طرف یہ بھی آیا ہے کہ ”متلفعات بمر و طہن“ اپنی چادروں میں لپیٹی ہوتی تھیں۔

تیسری بات یہ کہ زیب و زینت اور خوشبو وغیرہ لگانے کا نہ صرف یہ کہ احتمال نہیں تھا بلکہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے ”لیخرجن تفلات“، یعنی بغیر خوشبو کے میلی کچلی نکلتی تھیں۔

اللہ ﷻ نے اس وقت کی خواتین کو یہ فہم عطا فرمائی تھی اور ان کی ایسی تربیت تھی کہ وہ اس کا اہتمام کرتی تھیں۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کے دور کے بعد عورت اپنی اصل فطرت کی طرف آگئی، اس کی فطرت اور جبلت میں یہ بات داخل ہے کہ جب گھر سے باہر جائے تو زیب و زینت کر کے جائے، اچھے کپڑے پہن کر اور خوب بناؤ سنگھار کر کے جائے، یہی صورت وہاں پیش آنے لگی۔

۲۱۸ ويستفاد من الأحادیث أن النساء كن يحضرن الجماعات في المكتوبات والميدين مطلقا وكذا في هذا الكتاب لا تمنعوا إماء الله عن المساجد فهذا عمل وذاك قول، ومع ذلك ذهب الفقهاء إلى التحقيق، ومنعهم المتأخرون أن الخروج مطلقا، وبوليد ماعند أبي داؤد عن عائشة رضي الله عنها قالت: ”لو أدرک رسول الله ﷺ ما أحدث النساء لمنعنهن المساجد كما منعت نساء بنی اسرائیل“ وهو عندی عن ابن مسعود رضي الله عنه مرفوعا وقصة عمر رضي الله عنه مع زوجته حيث كانت تذهب إلى المسجد، وهي في البخاري ومروث من قبل وراجع كراهة خروجهن عن ابن المبارك من الترمذی —

وأعلم أن ههنا سرا وهو أني لم أر في الشريعة ترغيبا لهن في حضورهن الجماعة وعند أبي داؤد ما يخالفه فعن ابن مسعود رضي الله عنه مرفوعا قال: صلاة المرأة في بيتها أفضل من صلاتها في حجرتها وصلاتها في مخدعها أفضل من صلاتها في بيتها ۱۵ وهذا يدل على أن مرضى الشرع أن لا يخرجن إلى المساجد، وفي حديث آخر: إن كان لا بد لهن من الخروج فليخرجن تفلات بدون زينة فلا يعطرن لأن فعلن لهن كذا وكذا يعني زوان فهذه إباحة لا عن رضاء منه الخ، بعض الباری، ج: ۲، ص: ۳۲۱.

ایک تغیر یہ آیا کہ پہلے صرف رات کے وقت جاتی تھیں پھر دن کے وقت بھی جانا شروع کر دیا۔

دور نبوی میں خواتین کا مسجد میں آنا

دور نبوی میں خواتین کو بے شک مسجد میں آنے کی اجازت تھی لیکن آپ ﷺ نے بار بار تاکید سے یہ بات فرمائی ہے کہ عورت کے لئے افضل یہی ہے کہ اپنے گھر میں نماز پڑھے، مسجد میں آنے کی زیادہ سے زیادہ اجازت ہے جبکہ گھر میں پڑھنا افضل ہے، بلکہ حدیث میں تو یہاں تک فرما دیا کہ عورت کا اپنی کوٹھڑی میں نماز پڑھنا افضل ہے کمرے میں پڑھنے سے، کمرے میں پڑھنا افضل ہے برآمدے میں پڑھنے سے اور برآمدے میں پڑھنا افضل ہے صحن میں پڑھنے سے۔ جتنا چھپ کر نماز پڑھے اتنا ہی بہتر ہے۔ ۲۱۹

تو افضلیت گھر میں پڑھنے میں ہے، اب جو خواتین حضور اقدس ﷺ کے عہد مبارک میں مسجد میں آ کر جماعت سے پڑھتی تھیں، انہیں اس حقیقت کا احساس اور ادراک تھا کہ ہم افضل طریقے کو چھوڑ کر آرہی ہیں اور اس زمانہ میں فی الجملہ ایک عذر یہ بھی تھا کہ حضور ﷺ کی امامت میں نماز پڑھنا کوئی معمولی بات نہیں تھی، لہذا حضور اقدس ﷺ کے ساتھ ایمانی تعلق اور محبت بھی اس کا سبب بن گئی تھی کہ گھر چھوڑ کر مسجد میں نماز ادا کرتی تھیں۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا ایک واقعہ

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اگرچہ افضل ایک عمل ہوتا ہے، لیکن محبت کی وجہ سے دوسرا اختیار کیا جاتا ہے۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ بڑا خوبصورت جملہ ارشاد فرمایا۔ حضرت شیخ الہند وتر کے بعد دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے جبکہ فقہاء کرام نے صراحت کی ہے کہ وتر کے بعد کی دو رکعتیں بھی عام نوافل کی طرح ہیں، ان کو کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے اور بیٹھ کر پڑھنا آپ ﷺ کی عادت مبارک تھی۔ کسی نے پوچھا کہ حضرت آپ بیٹھ کر جو پڑھتے ہیں، کیا آپ کا خیال ہے کہ بیٹھ کر پڑھنے میں زیادہ ثواب ہے؟ انہوں نے فرمایا: نہیں بھائی، مسئلہ تو وہی ہے کہ کھڑے ہو کر پڑھنے میں زیادہ ثواب ہے۔ پھر پوچھا۔ آپ بیٹھ کر کیوں پڑھتے ہیں؟ فرمایا: روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے، تو جس طرح آپ ﷺ پڑھتے تھے اس طرح پڑھنے میں میرا دل زیادہ لگے بھلے ثواب کم ملے۔ یہ دیوبند کی زبان ہے یعنی چاہے ثواب کم ملے۔ تو یہ بیٹھ کر پڑھنا محبت کی وجہ سے ہوا اگرچہ افضل کھڑے ہو کر پڑھنا ہے۔ اب یہ بات تو طے شدہ ہے کہ عورتوں کے لئے زیادہ ثواب گھر میں پڑھنے میں ہے لیکن حضور ﷺ کی اقامت اور تعلق و محبت کی وجہ سے آتی تھیں، اس لئے اجازت دی تھی۔

اب تغیر یہ ہوا کہ عورتوں نے یہ سمجھنا شروع کر دیا کہ عورتوں کے لئے بھی مسجد میں نماز پڑھنا افضل ہے اور وہ عذر بھی ختم ہو گیا کہ حضور ﷺ کی امامت یا محبت کی وجہ سے مسجد میں آتی ہیں۔
اس واسطے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اگر موجودہ زمانہ کی عورتوں کے حالات حضور اقدس ﷺ دیکھتے تو آپ بھی منع فرمادیتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے زمانہ میں یہ بات کہہ رہی ہیں جو خیر القرون ہے، اب ہمارے زمانے میں تو کوئی ٹھکانہ ہی نہیں ہے، اس لئے کہتے ہیں کہ عورتوں کے لئے نماز کے لیے مسجد میں جانا مکروہ ہے، پسندیدہ نہیں ہے، روکنا چاہئے۔

لیکن اگر کوئی عورت مسجد کے آس پاس موجود ہے اور جماعت میں شامل ہونے کا موقع ہے اور وہ شامل ہو جاتی ہے تو اس کی نماز بہر حال ہو جائے گی اور اس کو گناہ نہیں کہیں گے۔
پھر حکم حرمین شریفین کا بھی بیان کیا جاتا ہے۔ عورتیں جب یہاں سے حج کرنے کے لئے جاتی ہیں تو وہ بیت اللہ شریف کا طواف کرنے کی غرض سے مسجد حرام جائیں، نماز کی نیت سے نہیں، جب وہاں نماز کا وقت آجائے تو نماز میں شامل ہو جائیں گی۔

عورتوں کا عید کی نماز میں شامل ہونا

سوال: عورتوں کے لئے عید کی نماز میں شامل ہونے کے بارے میں کیا حکم ہے؟
جواب: حضور اقدس ﷺ نے عید کی نماز میں عورتوں کو لانے کی تاکید فرمائی تھی لیکن بعد میں جس طرح اور نمازوں کے لئے مسجد میں آنے سے منع کیا گیا اسی طرح عید کے لئے بھی منع کر دیا گیا۔ ۲۲۰

عورتوں کا تبلیغی جماعت میں جانا اور مدرسۃ البنات کا حکم

سوال: جب عورتوں کے لئے نماز ادا کرنے کے لئے گھر سے نکلنا منع ہے تو مدرسۃ البنات میں پڑھنے یا پڑھانے کے لئے نکلنا یا جماعت میں دعوت و تبلیغ کے لئے نکلنے کی کیسے اجازت ہوگی؟
جواب: نماز کے لئے نکلنے کی ممانعت کی بنیاد یہ ہے کہ عورت کے لئے نماز باجماعت میں سرے سے فضیلت ہی نہیں ہے بلکہ اس کے حق میں ہمیشہ افضل یہ ہے کہ وہ گھر میں پڑھے، زیادہ سے زیادہ جواز تھا اور اس پر فتنہ کی وجہ سے قدغن لگا دی، لیکن جو امور اصل میں ہی عورت کے لئے مطلوب اور مأمور بہ ہیں اگر ان کی غرض سے نکلنا ہو اور حجاب کے تقاضوں کو پوری طرح ملحوظ رکھا جائے تو یہ جائز ہے۔ کیونکہ بضرورت خروج جائز ہے اور

ضروریات میں وہ امر بھی داخل ہے جس کی تحصیل مامور بہ اور مطلوب ہے، اُن میں سے ایک علم کا حصول ہے۔

حصول علم ایسی چیز ہے جو عورت کے لئے مامور بہ ہے، اگر عورت اس کے لئے نکلے بشرطیکہ حجاب کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے نکلے تو جائز بلکہ مامور بہ ہے۔

اسی طرح ایک حکم مامور بہ تو نہیں ہے لیکن مطلوب فی الدین ہے جیسے دعوت و تبلیغ۔ عورتوں پر وہ فریضہ عائد نہیں ہوتا جو مردوں پر عائد ہوتا ہے۔ عورت کے لئے مامور بہ نہیں ہے لیکن فی نفسہ یہ بات دین میں مطلوب ہے کہ مسلمانوں کو حق کی طرف بلایا جائے، ”وتواصو بالحق وتواصو بالصبر“ اگر عورت اس غرض کے لئے حجاب کے تمام تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے نکلے، خاص طور پر یہ بات سامنے رکھ کر کہ عورتوں میں بے دینی بہت زیادہ پھیل رہی ہے اور عورتوں کی بے دینی نسلوں کو تباہ کرنے میں زیادہ مؤثر ہو رہی ہے، لہذا ان کو متوجہ کرنے کے لئے اگر خواتین حجاب کا خیال رکھتے ہوئے گھر سے نکلیں تو جائز ہے۔

دین کے مزاج کو سمجھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب ہم جنوبی افریقہ گئے تو دیکھا وہاں یہ حالت ہے کہ عورتیں بازاروں میں بے پردہ پھر رہی ہیں، یہاں تک کہ علماء کی خواتین کی بھی یہی حالت ہے۔ ایسے میں جماعت کے حضرات نے کوشش کی کہ عورتوں میں دعوت کا کچھ کام کیا جائے، چنانچہ کچھ اجتماعات منعقد کئے، ایک صاحب نے وہاں یہ فتویٰ دیا کہ عورتوں کے لئے جماعت میں جانا جائز نہیں ہے، اس واسطے کہ ان کا گھر سے خروج جائز نہیں ہے۔

اب عورتیں بازاروں میں بے پردہ پھر رہی ہیں اور اس حالت میں یہ فتویٰ دیا جا رہا ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ بازاروں میں جاؤ، ہوٹلوں اور کلبوں میں جاؤ، لیکن جماعت میں نکل کر دعوت کا کام نہ کرو۔ تو یہ وہ بات ہے جس کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

اللہم اختر لنا بالخير

کمل بعون اللہ تعالیٰ الجزء الثالث من ”انصار الباری“ وبلیہ إن شاء اللہ

تعالیٰ الجزء الرابع : أوله ” کتاب الجمعة “ ، رقم الحديث : ۸۷۶ .

نسأل اللہ الإعانة والتوفیق لإتمامه . والصلوة والسلام علی خیر خلقه سیدنا و مولانا محمد خاتم النبیین و إمام المرسلین و قائد الفر المحجلین و علی آلہ و أصحابہ أجمعین و علی کل من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين .

آمین ثم آمین . یا رب العالمین .



شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم
شیخ الحدیث جامعہ دارالعلوم کراچی

کے گرانقدر اور زندگی کا نچوڑ اہم موضوعات کیسٹوں اور سی ڈیز کی شکل میں

- ☆ درس بخاری شریف (مکمل) ۳۰۰ کیسٹوں میں
- ☆ کتاب البیوع درس بخاری شریف عصر حاضر کے جدید مسائل (معاملات) پر سیر حاصل بحث
- ☆ اصول الفتاء للعلماء والمتخصصین ۶ کیسٹوں میں
- ☆ دورہ اقتصادیات ۲۰ کیسٹوں میں
- ☆ دورہ اسلامی بینکاری ۵ کیسٹوں میں
- ☆ دورہ اسلامی سیاست ۱۵ کیسٹوں میں
- ☆ تقریب ”تکملة فتح الملمہ“ ۱ عدد
- ☆ علماء اور دینی مدارس (بموقع ختم بخاری ۱۴۱۵ھ) ۱ عدد
- ☆ جہاد اور تبلیغ کا دائرہ کار
- ☆ افتتاح بخاری شریف کے موقع پر تقریر دل پذیر
- ☆ زائرین حرمین کے لئے ہدایات
- ☆ زکوٰۃ کی فضیلت و اہمیت
- ☆ والدین کے ساتھ حسن سلوک ۳ کیسٹوں میں
- ☆ امت مسلمہ کی بیداری
- ☆ جوش و غضب، حرص طعام، حسد، کینہ اور بغض، دنیاۓ مذموم، فاسق و الخیرات، عشق عقلی و عشق طبعی، حب جاہ وغیرہ اصلاحی بیانات اور ہر سال کا ماہ رمضان المبارک کا بیان۔
- ☆ اصلاحی بیانات۔ بمقام جامعہ دارالعلوم کراچی، تسلسل نمبر اتنا ۴۰۰ کیسٹوں میں ۱۴۳۱ھ تک۔

حراء ریکارڈنگ سینٹر

۸/۱۳۱، ڈبل روم، "K" ایریا کورنگی، کراچی۔ پوسٹ کوڈ: ۷۴۹۰۰

فون: 9221-35031039 +، موبائل: 0300-3360816

E-Mail: maktabahera@yahoo.com , www.deeneislam.com

علمی و دینی رہنمائی کے لئے ویب سائٹ

www.deenEislam.com

اغراض و مقاصد:

ویب سائٹ www.deenEislam.com کا مقصد اسلامی تعلیمات کو دنیا بھر کے مسلمانوں تک پہنچانا ہے اور اس کے ساتھ عصر حاضر کے جدید مسائل جن کا تعلق زندگی کے کسی بھی شعبہ سے ہو، اس کے بارے میں قرآن و سنت کی روشنی میں صحیح رہنمائی کرنا ہے۔

توہین رسالت کے حملوں کا مؤثر جواب اور دنیا بھر کے لوگوں کو نبی کریم ﷺ کے اوصاف و کمالات اور تعلیمات سے آگاہی بھی پروگرام میں شامل ہے۔

اسلام کے خلاف پھیلائی گئی غلط فہمیوں کو دور کرنا اور مسلمانوں کے ایمانی جذبات کو بیدار رکھنا بھی اس کوشش کا حصہ ہے۔

نیز صدر جامعہ دارالعلوم کراچی مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ مفتی اعظم پاکستان، شیخ الاسلام ڈسٹنس (ر) شریعت ایپلٹ نیچ سپریم کورٹ آف پاکستان مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم اور نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہ کی ہفتہ داری (جمعہ، اتوار و منگل) کی اصلاحی مجالس، سالانہ تبلیغی اجتماع اور دیگر علماء پاک و ہند کی تقاریر بھی اب انٹرنیٹ پر اس ویب سائٹ پر سنی جاسکتی ہیں، اسی طرح آپ کے مسائل اور ان کا حل "آن لائن دارالافتاء" اور مدارس دینیہ کے سالانہ نتائج سے بھی گھر بیٹھے باسانی استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

رابطہ:

PH:00922135031039 Cell:00923003360816

E-Mail:maktabahera@yahoo.com

E-Mail:info@deeneislam.com

WebSite:www.deeneislam.com